نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے۔ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ 'سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

مُکمل ناول

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے، جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے، بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے، جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم، خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔

سعدی، حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آمنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس، زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی، ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی، ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم، خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں، بہت مجبور ہو کر ہاشم، خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث، فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم، فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔

فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی، زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً "بچ جاتی ہے" مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین، وارث کیس کی ایلی بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں، مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں، جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین، نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کردیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی، زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" "کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً"..... مثلاً "ہاشم کاردار۔" سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی، زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔

حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے، لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔

ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں، جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کر دیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔

فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔

زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔

جیل سے علیشا، حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔

حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔

اورنگ زیب، نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہو جاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کر دیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے ———— پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کر لیتی ہے۔

گیارہویں قسط

کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟
اور ہابیل تھا بھیڑوں کا رکھوالا۔

جبکہ قابیل تھا کھیت کا کسان
اور گزرتے وقت کے ساتھ ایسا ہوا کہ

قابیل لایا اپنے باغ کا پھل (قدرے کم تر پھل)
قربانی کے طور پہ اپنے رب کے لیے
اور ہابیل لایا اپنے ریوڑ کی اول زاد صحت مند بھیڑ
اور خدا نے عزت دی ہابیل اور اس کی قربانی کو
مگر قابیل اور اس کی قربانی کو عزت نہ بخشی
پس قابیل بہت غضب ناک ہوا
اور اس کا چہرہ بجھ گیا تو پکارا خدا نے قابیل کو
کہ کیوں ہو تم غصے میں؟ کیوں بجھ گیا ہے تمہارا چہرہ؟
اگر تم (خالص) نیکی کرو گے، تو کیا وہ قبول نہ کی جائے گی؟
اور اگر تم نہیں کرو گے (خالص) نیکی
تو گناہ تمہاری چوکھٹ گھات لگائے بیٹھا ہے
اور تم اس کی خواہش کے تابع ہو گے
اور قابیل بات کرنے لگا اپنے بھائی ہابیل سے
اور ایسا ہوا کہ جب تھے وہ دونوں کھیت میں
تو قابیل اٹھ کھڑا ہوا اپنے بھائی ہابیل کے مدمقابل
اور قتل کر ڈالا اسے
پس پوچھا خدا نے قابیل سے
"کہاں ہے تمہارا بھائی ہابیل؟"
تو کہنے لگا
"مجھے نہیں معلوم، کیا میں ہوں اپنے بھائی کا رکھوالا؟
اور اس پہ خدا تعالیٰ نے فرمایا
یہ تم نے کیا کر ڈالا؟
تمہارے بھائی کے لہو کی آواز
مجھے زمین کے اندر سے پکار رہی ہے
اور اب تم ملعون ہو اس زمین میں
جس نے اپنے لب کھول کر
تمہارے بھائی کا خون
تمہارے ہاتھ سے جذب کر لیا ہے
اب جب تم کھیتی باڑی کرو گے
تو یہ زمین تمہیں نفع نہیں دے گی
ایک مفرور اور آوارہ گرد کی طرح
بھٹکتے پھرو گے تم اس زمین پہ
پس کہا قابیل نے خدا سے
"میری سزا میری برداشت سے، بہت زیادہ ہے۔"
(تورات)

عقد نکاح ہو چکا تھا۔ زمر کو اندر سے لایا گیا تو ایک طرف سیم اور دوسری طرف سعدی تھا۔ اس نے سعدی کی کہنی تھام رکھی تھی اور اسی طرح قدم قدم چلتی، نرم مسکراہٹ کے ساتھ آگے آ رہی تھی۔ وہاں موجود تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فارس بھی۔ وہ زمر کے چہرے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں سعدی کی کہنی تک تھیں۔ زندگی پیچیدہ ہو گئی تھی۔

زمر کو اس کے ساتھ بٹھا دیا تو وہ بھی اسی سنجیدگی سے بیٹھ گیا۔ بظاہر وہ ندرت کی طرف متوجہ تھا جو اس سے کچھ کہہ رہی تھیں، مگر کن اکھیوں سے اس کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دوپٹا اور پھر گھٹنوں سے نیچے میکسی کا فلیئر درست کرتی، مسکرا کر کسی رشتے کی دار کی مبارک باد کا جواب دے رہی تھی۔ اس نے ہلکا میک اپ کر رکھا تھا اور عام حالات میں (اپنی پرکشش شخصیت سے ہٹ کر دیکھو تو) وہ جو محض متناسب شکل و صورت کی مالک تھی۔ آج واقعی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

تب ہی ندرت جھک کر زمر سے کچھ کہنے لگیں۔ آنکھیں نم تھیں جن کو وہ بار بار پونچھتیں۔ وہ جواب میں نرم مسکراہٹ سے سر اثبات میں ہلاتی رہی۔

مبارک، سلامت، مٹھائی، اس مختصر سی تقریب کا آخری جز مکمل ہو چکا تو صداقت دوسرے ملازموں کے ساتھ کھانا لگانے لگا۔ سیم نے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے گردن اونچی کر کے آتے جاتے ملازموں کی ٹرے دیکھنی چاہی تو حنین نے ہاتھ دبا کر اسے ٹھنڈا کیا۔

"یہ چاول اور چکن ہے۔ اتنی محنت نہ کرو۔ باربی کیو آخر میں ہے۔ میں پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔"

اطمینان سے اطلاع دی۔ وہ فارس اور زمر کے صوفے کے قریب بیٹھی تھی۔ درمیان میں صرف بڑے ابا کی

وہیل چیئر تھی۔

دفعتاً" ابا حنین کی طرف رخ کر کے کہنے لگے۔

"لڑکی! کیا تم وہ نوز رنگ پہنو گی بھی یا ایسے ہی لے لی میری بیٹی سے؟"

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی اس بات پہ غیرت میں آکر میں وہ نتھ واپس کروں گی تو ایسا نہیں ہونے والا۔ میں نارمل نہیں ہوں' میں حنین ہوں۔ پھپھو پہ یہ ہی لونگ سوٹ کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ اسے اتاریں۔"

وہ بڑے ابا کی جانب چہرہ جھکا کر' آنکھیں گھما کر بولی اور فارس نے بے اختیار اس کو دیکھا۔ مگر حنین نے بھرپور کوشش کی کہ وہ فارس کی طرف نہ دیکھے یا شاید اسے ہنسی آجائے۔ شاید ڈھیر سارا رونا۔

ندرت نے بھی سن لیا تھا۔ کافی ملال سے (اور حنہ کو گھورتے ہوئے) اس کی اس "ڈھٹائی" کو تفصیل سے بیان کرتے افسوس کرنے لگیں۔ فارس نے اپنے پیر کے انگوٹھے کو دیکھتے پوری بات سنی۔ مگر چپ رہا۔

زمر نرمی سے اتنا ہی بولی۔ "حنہ ٹھیک کہہ رہی ہے بھابھی! مجھے یہ لونگ بہت پسند ہے' میں اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔"

"کہاں سے بنوائی تھی؟" فرزانہ باجی زمر کے دوسری طرف بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"یہ میری ایک اسٹوڈنٹ نے مجھے دی تھی۔ آپ کو پتا ہے نا' بچیاں اپنی ٹیچرز کو ایسے گفٹس دینے کے لیے کریزی ہوتی ہیں' میں ہمیشہ واپس کر دیتی ہوں' مگر یہ رکھ لی۔" وہ جو واقعتاً" اس لونگ کے حسب نسب سے ناواقف تھی' سادگی سے ان کی طرف چہرہ کیے بتائے گئی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ اشتہا انگیز خوشبو ہر سو پھیلی تھی۔ باتوں' مسکراہٹوں کے شور میں فارس بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ نگاہیں سامنے میز پر جمی تھیں۔ پہلو میں بیٹھی زمر اپنا کام دار دوپٹا درست کر رہی تھی۔ سیم نے کھانے کے لیے جاتے' اس کے گھٹنوں پہ پھول لا کر رکھے تھے' ایک کلی سے اس کے دوپٹے کا کام اٹک گیا تھا۔ وہ الجھے تاروں سے اس کو نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بار بار ٹہنی کو کھینچتی' مگر وہ الگ نہ ہو پاتی۔

وہ بے اختیار گردن جھکا کر دیکھنے لگا۔ وہ غلط سمت سے کھینچ رہی تھی اور مسلسل حرکت پہ فارس کو اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ٹہنی کھینچ لی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نگاہیں ملیں' اس کی رسمی مسکراہٹ مدھم ہوئی' چہرے پہ برہمی آگئی۔

"مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" دبی دبی سی آواز میں بولی اور سختی سے اپنا دوپٹا چھڑایا۔

"جب تک زندہ ہیں یاد رکھیے گا۔" اور قدرے دوسری طرف سرک گئی۔ چونکہ کھانا ڈال کر اکا دکا لوگ ادھر ہی آرہے تھے تو وہ اگلے ہی لمحے چہرے پہ پھر سے مسکراہٹ لے آئی۔

فارس نے کچھ نہیں کہا' محض لب بھینچے سامنے دیکھنے لگا' جہاں میز کے گرد کھڑے لوگ جھک کر کھانا نکال رہے تھے۔ منظر تبدیل ہونے لگا۔ فضائیں بدلیں۔ وقت چند سال پیچھے گیا۔ یونی ورسٹی کی لائبریری میں اس شام کا منظر نمایاں ہوا۔ اس منظر پہ ایسی زردی چھائی ہوئی تھی جیسے پرانی کتابوں میں ملنے والے سوکھے پھولوں پہ چھائی ہوتی ہے۔

لائبریری کی کھڑکی سے باہر اترتی شام گہری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کونے والی میز پہ گھنگھریالے بالوں والی لڑکی بیٹھی' سر جھکائے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بائیں ہاتھ' پہلی کرسی پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا زمر کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ جھکے سر کے باعث ایک گھنگریالی لٹ کاغذ کو چھو رہی تھی۔

دفعتاً" ساتھ رکھا چھوٹا' پرانا نوکیا ذرا سا بج کر خاموش ہو گیا۔ زمر نے قدرے کوفت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ایک تو لوگ صرف مسڈ کال کیوں دیتے ہیں؟" وہ بڑبڑائی۔ موڈ آف تھا اور تھکن زدہ لگتی تھی۔ موبائل اٹھا کر کال ملائی اور اسے کان پہ لگایا۔ قلم

انگلیوں میں گھماتی، منتظر خاموش سنے گئی۔ پھر کمپیوٹرائزڈ آواز آئی تو اس کی آنکھوں میں ڈھیروں بے زاری اتری۔ (بیلنس ختم) جھنجلا کر فون کان سے ہٹایا اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔

"انسان کا فون خراب نہ ہو بس!"

"یہ کس کا فون ہے؟" وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نمیرا امی کا، پری پیڈ ہے۔" پرس سے ایک کارڈ نکالا۔ "میں پوسٹ پیڈ استعمال کرتی ہوں، وہ خراب تھا تو عارضی طور پہ یہ ہی سہی۔" وہ اتنی لمبی، غیر ضروری بات اس سے کیوں کیا کرتی تھی، اب بھی بس برے موڈ میں بول گئی۔ کارڈ نکالا اور سر جھکائے اس کی سلور کوٹنگ، ناخن سے رگڑنے لگی۔ فارس کے ابرو بھنچے، قدرے غیر آرام دہ سا وہ آگے ہوا۔

"بیب۔" وہ متذبذب سا رکا۔ زمر نے رگڑتا ناخن روک کر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی؟"

"یہ ناخن سے نہیں اسکریچ کرتے، اُدھر لائیے۔"

جیب سے چابی نکالتے ہوئے دوسرا ہاتھ بڑھایا۔ زمر نے ایک نظر اس کے ہاتھ پہ ڈالی۔ دوسری کارڈ پہ اور پھر کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ فارس چابی نکال کر اٹھا اور کارڈ اسکریچ کرتے چند قدم آگے چلا گیا۔ لائبریرین کی ٹیبل تک رکا، باکس سے دو ٹشو نکالے اور واپس آیا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ٹشو اس کی طرف بڑھائے۔

"ناخن صاف کرلیں۔ یہ کوٹنگ صحت کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔" زمر نے ٹشو پکڑ لیے اور پھر ناخن صاف کرتی اس کو دیکھے گئی۔ وہ اب اس کا موبائل اٹھائے کارڈ سے نمبر دیکھ کر ٹائپ کر رہا تھا۔ ری چارج کرکے موبائل اس کے سامنے رکھا۔ پھر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ متذبذب سی اسے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ بولی نہیں تو فارس کو کہنا پڑا۔

"اب ملا لیجیے کال!"

زمر نے کچھ کہے بنا پرس میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکال کر سامنے رکھا۔ فارس نے چونک کر دیکھا۔ وہ پلاسٹک میں لپٹے تو کارڈ کی اسٹرپ تھی۔ ان میں سے دسواں کارڈ وہ تھا جو اس نے ابھی ابھی فیڈ کیا تھا۔ کارڈز اٹھاتے ہوئے چابی دوبارہ جیب سے نکالتے وہ مسکرا دیا اور زمر۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنس دی۔

"تھینک یو۔ مجھے یہ۔" انگوٹھے کا ناخن اٹھا کر بتایا۔ "ناخن سے نہیں کرنا۔ جب تک زندہ ہوں، یاد رکھوں گی۔"

زرد زمانوں کی شام وقت کی دھول میں مدھم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نئے اور رنگین مناظر اطراف میں ابھرنے لگے۔

باتیں، قہقہے، برتنوں کی آواز، کھانے کی خوشبو، وہ سر جھٹک کر واپس حال میں آیا۔ تقریب جاری و ساری تھی۔

☼ ☼ ☼
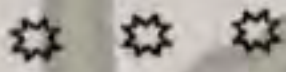
کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے
رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟

قصر کاردار کے اونچے ستون رات میں بھی روشن نظر آتے تھے۔ ایسے میں فینونا لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی اور نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ بجا کر کھولا۔ نوشیرواں اندر نہیں تھا، غالباً باتھ روم میں تھا۔ مدھم بتی جل رہی تھی۔ وہ پانی کا جھرنا لیے بالکونی کی سمت باہر نکل آئی۔ باری باری پودوں کو پانی دیا۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر انیکسی کی سمت بھی دیکھ لیتی جہاں سفید پاؤں کو چھوتے لباس والی دلہن کو ایک خاتون ہاتھ سے پکڑ کر گاڑی سے باہر لا رہی تھیں۔ فینونا نے اشتیاق سے گردن اونچی کرکے دیکھنا چاہا، مگر دلہن کی پشت تھی۔ وہ مایوس ہو کر اندر آگئی۔

واپس جاتے جاتے اسٹڈی ٹیبل تک ٹھہری۔ وہاں کاغذ کی کھلی پڑیا رکھی تھی۔ اس پہ سفید دانے دار شے رکھی تھی۔ اس نے ٹھٹک کر اس پڑیا کو دیکھا۔ بے اختیار استعجابیہ ابرو اٹھائی۔ تب ہی باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ فینونا چونک کر اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے

وہ آرہا تھا۔ ملگجے لباس اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بہت ست سا لگ رہا تھا۔ فینونا نہیں ہلی‘ وہیں کھڑی رہی۔ نوشیرواں اسے دیکھ کر چونکا‘ فوراً“ اسے اور پڑیا کو دیکھا۔ پھر ابرو تن گئے۔۔ بے زاری سے سر جھٹکا۔

”جاؤ‘ جاکر بتادو ہاشم بھائی کو کہ میں ڈرگز لے رہا ہوں۔“

فینونا نے تھوک نگلا‘ بظاہر مسکرائی۔

”اگر میں گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو بتانے والی ہوتی تو مسز کاردار مجھے پہلے دن ہی نکال دیتیں سر! میں آپ کی ملازمہ ہوں‘ آپ کے حکم کی پابند ہوں۔“

وہ تابعداری سے سر جھکا کر بولی تو شیرو مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا‘ پھر اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ چابی کے لوہے سے ٹکڑوں کو چور چور کرنے لگا۔

”سر۔۔ کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟“ قدرے ہمدردی سے اس نے ڈرگ پیستے شیرو کے ہاتھوں کو دیکھا۔

”مجھے کسی کی مدد کی کیا ضرورت؟“ بے پروائی سے شانے اچکائے‘ مگر آواز میں اداسیاں گھل رہی تھیں۔ ”میں نوشیرواں کاردار ہوں‘ بھائی کہتا ہے‘ تم ایک بڑے خاندان میں پیدا ہونے والے بڑے انسان ہو۔ میں کیوں مدد مانگوں گا کسی سے؟“ وہ جیسے خود پہ طنز کر رہا تھا۔ فینونا جھرنا پکڑے فکرمندی سے‘ بھنویں سکیڑے دو قدم آگے آئی۔

”آپ کو ایسے نہیں سوچنا چاہیے۔ آپ واقعی ایک بڑے انسان ہیں۔“ فینونا نے رک کر مزید خوبیوں والے سابقے لاحقے جوڑنے کی کوشش کی‘ مگر۔۔ شیرو کی کوئی خوبی یاد نہیں آرہی تھی۔

”ہونہہ۔۔“ سر جھکائے‘ چابی سے پاؤڈر پیستے اس نے استہزا سے سر جھٹکا۔ ”پتا نہیں کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ ممی نے میرا نام نوشیرواں رکھا۔ جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟“ فینونا نے نفی میں گردن ہلائی۔

”بادشاہ۔ سپر ہیرو‘ ہونہہ۔۔“ پھر سر جھٹکا۔ بے اختیار ایک منظر یاد آیا۔

کوریا جا کر اغوا کا ڈرامہ کرنے سے چند دن قبل حنین کو دیے جانے والے ڈنر میں جب سب لاؤنج میں بیٹھے تھے تو جواہرات نے ندرت کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔

”مجھے نہیں لگتا‘ مجھے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام سے زیادہ کوئی نام پسند ہے‘ نوشیرواں‘ ایک بڑا بادشاہ‘ ایک بڑا ہیرو‘ سپر ہیرو۔“ فخر سے گردن تان کر نوشیرواں کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں مسکرا کر بولی تھی‘ وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔

اور وہ تیز طرار لڑکی۔ وہ شدید جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے والی حنین‘ وہ فوراً“ سعدی کے قریب جھکی اور کان میں سرگوشی کی۔

”بھائی‘ اگر یہ لوزر سپر ہیرو ہے تو میں تو پھر ہیلن آف ٹرائے ہوں۔“ اور سعدی نے بہت دقت سے اپنی مسکراہٹ روک کر اسے چپ رہنے کو کہا‘ کیونکہ نوشیرواں قریب ہی بیٹھا تھا اور اس نے سن لیا تھا۔

”میرے نام سے لے کر میری شخصیت تک‘ میری ہر چیز کا مذاق بناتے ہیں وہ دونوں۔“ چابی زور‘ زور سے پاؤڈر پہ دباتا وہ کہہ رہا تھا۔ ”یونی ورسٹی سے لے کر اب تک وہ سعدی وہ‘ ہمیشہ میرا کمپٹیٹو بنا رہتا ہے۔ ممی کی نظر میں‘ ہاشم بھائی کی نظر میں‘ وہ بہت اعلا چیز ہے اور میں کیا ہوں؟ ایک لوزر؟“ اس کی آواز سے اکتاہٹ مفقود ہو کر دکھ میں بدلتی جا رہی تھی۔ فینونا تاسف سے اسے دیکھتی‘ سنتی گئی۔

”اس نے میرا ہر رشتہ خراب کیا ہے۔ ممی کو میری شکایت لگاتا تھا‘ تب سے اب تک‘ ممی میری طرف سے ان سیکیور رہتی ہیں۔ ہاشم بھائی کو وہ اغوا والی بات بتائی‘ وہ آج تک مجھ پہ بھروسا نہیں کرتے‘ کبھی میرا فون لے لیتے ہیں‘ کبھی مجھے جھڑک کر کہتے ہیں کہ شیرو‘ تم کچھ نہیں کرو گے‘ جیسے میں تو اب قابل اعتبار رہا ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا کر بیٹھوں۔“ چابی پرے ڈالی اور گہری سانس لے کر ٹیک لگائی۔ چہرہ اب بالکونی کے دروازے کی طرف تھا اور وہاں سے آتی روشنی میں اس کی آنکھوں میں کچھ بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔

"اور میرے ڈیڈ۔۔۔ اس نے ڈیڈ اور میرے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کر دیا کہ میں ان کی منتیں کرتا رہا' وہ مجھے معاف کر دیں' مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتے تھے۔" اس نے آنکھیں بند کیں' زخم پھر سے تازہ ہوئے۔ "اس رات تو میں نے سوچ لیا تھا' آج سونے سے پہلے میں ان کے پاس جاؤں گا' ان کے گلے لگ جاؤں گا اور۔۔۔ اور اس دفعہ وہ مجھے معاف کر دیں گے اور اسی رات فیشونا! میرے ڈیڈ مر گئے۔"

فیشونا کو احساس ہوا کہ بے خودی کے عالم میں بند آنکھوں سے بولتا شیرو غالباً" منشیات کے زیر اثر ہے۔ اسٹڈی ٹیبل کے قریب ڈسٹ بن میں خالی پڑیاں تازہ تازہ گرائی نظر آرہی تھیں۔

"اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ مجھے لگا' سعدی اس سے بڑا نقصان مجھے نہیں پہنچا سکتا مگر۔۔۔" کرب بڑھا۔ "اس نے پہنچایا۔ وہ لڑکی جسے میں پسند کرتا ہوں' اس نے اسی کو بلیک میل کیا اور پھر میرے اور اس کے رشتے کو اتنا پیچیدہ کر دیا کہ ہاشم بھائی اور ممی۔۔۔" آنکھیں کھولیں' نفی میں سر ہلایا۔ "اب وہ کبھی مجھے اس لڑکی کے ساتھ تعلق رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ سعدی نے میرے ہر رشتے کو خراب کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" وہ ست ڈھیلے انداز میں نفی میں سر ہلاتے کھڑکی کو دیکھتے کہے جا رہا تھا۔

"ایک دن میں اس سے انتقام لوں گا۔ ہر چیز کا انتقام۔" ذرا دیر کو ٹھہرا۔ "اب تم جاؤ فیشونا اور دوبارہ شکل مت دکھانا مجھے۔"

فیشونا قدرے گڑبڑا کر "جی اچھا" کہتی باہر نکل گئی۔ نوشیرواں کرسی پہ بیٹھا' اسی طرح باہر کی روشنی کو دیکھتا رہا جو کمرے کا اندھیرا دور کرنے کے لیے اب بھی ناکافی تھی۔

☆ ☆ ☆
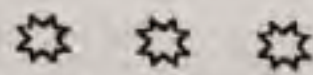
خود کو بکھرتے دیکھتے ہیں' کچھ کر نہیں پاتے
پھر بھی لوگ خداؤں جیسی باتیں کرتے ہیں

وہ کتنی ہی دیر ادھر بیٹھا رہا۔ پھر مدھم سی دستک ہوئی تو اٹھا۔ انداز پہچانتا تھا' سو سائیڈ ٹیبل سے ماؤتھ فریشنر اٹھا کر منہ میں اسپرے کیا اور چہرے پہ بشاشت لاتے دروازہ کھولا۔ ہاشم کافی کا مگ پکڑے سامنے کھڑا تھا۔

"سعدی نے میری سیکرٹری کو فون کیا ہے۔ وہ صبح آئے گا ہم سے ملنے۔ ہم تینوں کو وہاں ہونا چاہیے۔ ایک خاندان کی طرح' ہوں؟" مگ سے گھونٹ بھر کر اسے نیچے کرتے ہوئے سنجیدگی سے تاکید کی۔ وہ مطمئن اور پُراعتماد لگ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تیار رہوں گا۔"

"گڈ!" اس کی نگاہوں اور الفاظ کے "عجیب" سے انداز کو وہ محسوس کرتا' مگر جیب میں رکھا موبائل بجا۔ وہ پیغام چیک کرتا اپنے کمرے تک آیا۔ مگ اور فون اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا اور بالکونی کے دروازے میں کھڑی سونی کو پیچھے سے آکر بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اس کا گال چوما اور چہرہ اپنی طرف کیا۔ وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسنے لگی۔

"بابا۔۔۔ اُدھر کون آیا ہے؟" چہرہ سیدھا کر کے اس نے چمک دار شرارتی آنکھوں سے پوچھا۔ ہاشم نے بالکونی کے پار دیکھا جہاں رات اُتر چلی تھی اور نیچے انیکسی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک گاڑی واپس جا رہی تھی۔ سعدی کی کار اور برآمدے میں سفید کرتے میں کھڑا فارس گاڑی کو جاتے دیکھ رہا تھا' ہاشم مسکرایا۔

"تمہاری فیملی میں ایک ناخوش گوار اضافہ' صبح ملاقات کریں گے ان سے بھی۔" وہ بھی محظوظ سا ہو کر خود سے بولا اور سونیا کو اٹھائے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' جہاں لیپ ٹاپ کھلا تھا اور چند فائلز اس کی منتظر تھیں۔

"بابا! اب کام کریں گے اور سونی اب سونے جائے گی' ٹھیک۔" وہ کرسی دھکیل کر بیٹھتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا جب موبائل بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر ہاشم نے بے چینی سے اسے اٹھایا۔

"آپ درست تھے۔ سعدی فرشتہ نہیں ہے، مجھے کچھ ملا ہے۔" دوسری طرف خاور بولتا جارہا تھا اور ہاشم مسکرا کر سنتا گیا۔ پورے جسم و جاں میں گویا سکون سا پھیل گیا۔

"زبردست خاور! تم نے ایک دفعہ پھر ثابت کردیا کہ تم میرے لیے کتنے اہم ہو۔ کل ہم ایک ساتھ اس لڑکے کو کنفرنٹ (مقابلہ) کریں گے۔" مسکرا کر اس نے موبائل رکھ دیا۔

دیوار کے پار نوشیرواں اپنے کمرے میں ڈریسنگ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ وارڈروب کھلا تھا۔ ٹائی ریکس، کف لنکس، کوٹ، شرٹس، اس نے آہستہ آہستہ ہر ریک سے ایک ایک چیز چننی شروع کی۔ ٹام فورڈ کا سوٹ، ہیری روزن کی شرٹ، Zegna کی ٹائی۔ لباس کا چناؤ کر کے اسے سامنے لٹکایا۔ پھر اسی خاموشی سے ایک الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سیف نصب تھا۔ اس نے کوڈ دبایا تو ننھا دروازہ باہر کو کھلا۔ شیرو نے ہاتھ اندر ڈال کر نکالا تو اس میں ایک Glock کی سیاہ چمکتی پستول (گن) تھی۔ G-41 برانڈڈ تازہ ماڈل۔ اس نے گولیاں نکالیں اور انہیں میگزین میں بھرنے لگا۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔" (تم نے وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں جن پہ یوزی لکھا ہوتا ہے؟)

"پانچ۔۔۔ چھ۔۔۔" (ہاں نوشیرواں میرے۔ بس بھائی نے تمہارے جیسی چیزیں کم ہی دیکھی ہیں۔)

"دس۔۔۔ گیارہ۔۔۔" (تمیز سے بات کرو میری بہن سے، چلو ہٹو یہاں سے۔)

بارہ اور یہ ہوئے مکمل تیرہ۔ بھرا ہوا پستول اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس بھاری لوہے کے ہاتھ میں آجاتے ہی جسم میں گویا کرنٹ سا دوڑنے لگا۔ گردن مزید اکڑ گئی۔ لبوں پہ تنفر بھری مسکراہٹ آگئی۔

"نہیں ہاشم بھائی۔۔۔ آپ سعدی یوسف کو نہیں سنبھال سکتے۔" پستول پہ نظریں جمائے وہ بڑبڑایا۔ "یہ وہ مسئلہ ہے جسے میں خود سنبھال لوں گا۔ کل کا دن اس کا اس دنیا میں آخری دن ہو گا۔ بس بہت ہو گیا۔"

ایک مضبوط عزم کے ساتھ اس نے کل کے لباس کے اندر پستول رکھا اور پھر بستر کی طرف چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں
شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی

جس وقت ہاشم اور نوشیرواں اپنے اپنے ارادوں پر نظر ثانی میں مصروف تھے، انیکسی کے باہر سے سعدی کی کار گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فارس برآمدے میں کھڑا الوداعی انداز میں ان کو جاتے دیکھتا رہا۔ اندر گھر میں سناٹا تھا۔ اس کا گھر، زمر کا سامان، ہر شے ترتیب دے کر، سارے کام ختم کر کے، ندرت، جو رخصتی کے ساتھ ہی ادھر آگئی تھیں۔ اب اس گاڑی میں بیٹھی واپس جاچکی تھیں اور پیچھے گھر بالکل خاموش اور ویران سا ہو گیا تھا۔ لاؤنج میں کھڑے فارس نے گردن اٹھا کر اوپر جاتے لکڑی کے گول زینے کو دیکھا جس کے اختتام پہ دو بیڈ روم تھے۔ ایک وہ جو کبھی فارس اور زرتاشہ کا ہوا کرتا تھا اور دوسرا وہ جس میں اس وقت وہ بیٹھی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر قدم قدم زینے چڑھنے لگا۔ لکڑی پیر کے نیچے ہلکی سی چٹخی۔ خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ اوپر آیا۔ "اس" کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر زرد روشنیاں جل رہی تھیں۔ سنگھار میز اور دوسری دو میزوں پہ پھولوں کے تین بوکے رکھے تھے! وہ بھی سعدی نے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی شے ایسی نہ تھی جو سجاوٹ کہلائی جاسکتی تھی۔

چوکھٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا۔

بیڈ خالی تھا۔ نگاہیں آگے پھسلیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی تھی۔ فارس کی طرف پشت تھی۔ مگر آئینے میں اس کا عکس دکھائی دیتا تھا اور چوکھٹ میں کھڑا فارس بھی نظر آتا تھا۔ وہ مصروف سی، بندے اتار رہی تھی۔ کامدار دوپٹا سر پہ تھا اور آنکھوں کا کاجل اب بھی تازہ تھا۔

"سب جاچکے ہیں۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے، ہلکے

مگر سپاٹ انداز میں بولا۔ "آپ کا سامان میں نے ادھر رکھوا دیا تھا۔ کچن نیچے ہے اور اس میں تقریباً" سب کچھ موجود ہے۔ آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ اس گھر کی ڈپلی کیٹ چابیاں پڑی ہیں آپ کے لیے سوائے۔" وہ رکا۔ "نیچے بیسمنٹ کے۔ اس کے لاک کی چابی میرے پاس ہوگی۔ اس میں میری بیوی کی بہت سی چیزیں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ان کو کسی بھی طرح کا کوئی نقصان پہنچے۔ باقی پورا گھر آپ کا ہے، جو چاہے کریں۔"

وہ آئینے میں خود کو دیکھتے دوسرا بندہ اتار رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"میں نے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ آپ اپنے الفاظ ضائع نہ کریں۔" بندہ اتار کر چہرہ جھکائے اسے جیولری باکس میں رکھا۔

فارس چند لمحے لب بھینچے خاموش کھڑا رہا، پھر جانے کو مڑا اور جیسے نہ چاہتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کو کوئی چیز چاہیے؟"

زمر نے چہرہ سیدھا کیا اور ٹیکا اتارنے لگی۔

"صرف یہ ہی کہ میرے سامنے کم سے کم آیا کریں۔ مجھے بہت کچھ یاد آنے لگتا ہے۔"

فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری جو اس نے بمشکل ضبط کی۔ "ایسے بات مت کیجیے جیسا آپ مجھے جانتی ہیں۔"

ٹیکا اتارتے اس کے ہاتھ رکے، وہ اسٹول سے اٹھی، اس کی جانب گھومی، آنکھوں میں چبھن لیے اسے دیکھا۔ "میں جتنا آپ کو جانتی ہوں، اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"اور پھر بھی آپ نے مجھ سے شادی کرلی؟"

"آپ کو پتا ہے، میں نے آپ سے کیوں شادی کی ہے۔" وہ بھی اتنی ہی بے زاری سے کہہ کر گھوم گئی اور آئینے میں دیکھتی ٹیکا اتارنے لگی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا، آپ اتنی ظالم ہیں۔" چوکھٹ میں کھڑے، سینے پہ بازو لپیٹے، وہ اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا تھا تو زمر نے پن نکالتے ہوئے اس کے عکس کو تیز نظروں سے گھورا۔

"آپ اس سب کے حق دار ہیں۔ یہ مت سمجھیے کہ جیل سے نکلنے کے بعد آپ کی سزا ختم ہوگئی ہے۔"

"اچھا!" اس نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ "ویسے کیا کریں گی آپ میرے ساتھ، مجھے بھی تو بتایئے۔" دیوار سے ٹیک لگائے، وہ اس کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔

"میرا اور اپنا وقت ضائع مت کیجیے اور جایئے یہاں سے۔ اگر آپ کچھ دیر مزید یہاں ٹھہرے تو خدا کی قسم میں..." دبے دبے غصے سے اس نے ایک نظر فارس پہ ڈالی اور دوسری پھلوں کی ٹوکری میں رکھی چھری پہ۔ "کچھ کر بیٹھوں گی۔"

فارس نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا، آنکھوں میں افسوس در آیا۔

"گڈ نائٹ!" کہہ کر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا، نظریں ابھی تک اس پہ تھیں۔ وہ ان الفاظ پہ تیزی سے چوکھٹ تک آئی۔ دروازے کا ہینڈل پکڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے "گڈ نائٹ فارس" کہہ کر دروازہ زور سے بند کیا۔ لاک کے دو کلک ہوئے اور اندر سے مقفل ہوگیا۔ فارس نے گہری سرد سانس خارج کی، ہلکے سے سر جھٹکا اور مڑ گیا۔

اپنے کمرے میں آیا تو وہاں مرکزی دیوار پہ آج بھی زرتاشہ اور اس کی تصویر آویزاں تھی۔ وہ سیاہ ساڑھی میں ملبوس تھی اور مسکرا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تمام مناظر لہرائے جب وہ زرتاشہ سے اکھڑے لہجے میں یا غصے سے بات کر جاتا تھا اور ایک یہ عورت تھی۔ اس نے دیوار کو دیکھا جس کے پار وہ پھولوں سے مہکتا کمرہ تھا جس کو کچہری میں لوگ روز منوں کے حساب سے گالیاں دیتے تھے، مگر ایک یہ ہی عورت تھی جس پہ اسے غصہ نہیں آتا تھا۔

"آپ اس دن کیا کریں گی میڈم پراسیکیوٹر، جس دن آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی سچا تھا؟" تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا تھا۔

باہر رات اسی طرح بھیگ رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں موجود زمر اب لباس تبدیل کرکے اس اجنبی بیڈ پہ آبیٹھی تھی۔ زمر کا فرنیچر' زمر کا نیا بیڈ کور' مگر پھر بھی ہر شے پرائی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے فارس کے سامنے کا بے تاثر چہرہ اب تکلیف کے احساس میں لپٹا تھا۔ وہ اداسی سے بیڈ کور پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"کیا بگاڑا تھا میں نے فارس کا جو اس نے میرے ساتھ یہ کیا؟" نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے پھسلا۔ مگر اداسی الفاظ تک ہی محدود رہی۔ نہ دل بھر آیا' نہ آنکھ بھیگی۔ وہ زمر تھی' وہ رلا سکتی تھی' مگر وہ روتی نہیں تھی۔

رات مزید گہری ہوتی چلی گئی اور اب چند گھنٹے بعد اس نے ایک ایسے دن کو جنم دینا تھا جو ان دو خاندانوں میں سے کسی کو بھی بھولنے والا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ لوگ کیسے' مگر دشمنی نبھاتے ہیں
ہمیں تو راس نہ آئیں محبتیں کرنی

صبح پورے اسلام آباد پہ طلوع ہوئی تو اس میں باسی گلاب کی پتیوں اور کافور کی خوشبو پھیلی تھی۔ دور جنگلوں میں جانور یوں نوحہ بلند کر رہے تھے جیسے رات کی تاریکی میں کوئی غارت گر کسی ننھے بھیڑ کے بچے کو چیر پھاڑ کر چلا گیا ہو۔

قصر کاردار کے سبزہ زار پہ واقع انیکسی کے اندر بھی صبح کی روشنی پھیلی تھی۔ فارس اوپن کچن کی گول میز کے گرد بیٹھا مگ سے چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا' جب لکڑی کے زینے پہ باریک ہیل کی آواز نیچے آتی سنائی دی وہ نہ رکا' نہ مڑا' سامنے فریج کے چمکتے دروازے میں عکس دکھائی دے گیا تھا۔

وہ سیاہ منی کوٹ پہنے' بیگ اور فائلز اٹھائے زینہ اُتر رہی تھی۔ گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور موبائل پہ کوئی پیغام ٹائپ کرتے ہوئے نگاہیں جھکی تھیں۔ اسی طرح چلتی آئی اور فریج کے پاس رکی۔ ڈور کھولا' ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی۔

"تو آپ آفس جا رہی ہیں؟" نگاہیں اس پہ جمائے' چائے کا گھونٹ بھرتا وہ آہستہ سے بولا۔ وہ اسٹول پہ بیٹھی اس کی طرف پشت کیے پانی پینے لگی' جواب نہیں دیا۔

"ویسے پراسیکیوٹر صاحبہ!" آنکھیں سکیڑ کو اسے دیکھتے' کوئی غیر محسوس سی مسکراہٹ دبائے' وہ ہلکے انداز میں گویا ہوا۔ "آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ اگر میں آپ کے والد کو جا کر اس شادی کی حقیقت بتا دوں تو کیا ہوگا؟"

زمر پانی پی کر کھڑی ہوئی' نل سے گلاس دھویا' واپس رکھا اور اس کی جانب گھومی سنجیدہ' چبھتی ہوئی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کبھی بھی یہ نہیں کریں گے۔"

"اچھا؟" فارس نے ابرو اٹھایا۔ "آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں یوسف صاحب کے سامنے جا کر یہ بات ان سے نہیں کہوں گا؟"

زمر کے لبوں پہ ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آئی۔

"کیونکہ سامنے سے کچھ کرنے کے لیے جو گٹس چاہیے ہوتے ہیں' وہ آپ میں نہیں ہیں۔ آپ صرف پیچھے سے وار کرنے والوں میں سے ہیں۔" وہ ٹھنڈے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔

فارس کی دبی ہوئی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی' ابرو اکٹھے ہوئے' آنکھوں میں سختی در آئی ہم کے ہینڈل کو زور سے مٹھی میں بھینچا گویا ضبط کیا ہو۔

"کیوں؟ غصہ آرہا ہے؟ مجھے بھی آیا تھا' مگر اب نہیں آتا۔" ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈال کر وہ اپنی فائلیں سمیٹتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر رکی اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھ سے مخاطب ہونے کی کم سے کم کوشش کیا کیجئے اور ہاں آئندہ اس کانٹریکٹ کو شادی مت کہیئے گا آپ۔" سلگتی نظروں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"آپ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف میرے باپ کے

مقروض ہیں اور اپنا قرضہ اتار رہے ہیں۔"

فارس نے چہرہ موڑ لیا اور مگ سے گھونٹ بھرنے لگا۔ وہ راہ داری عبور کر کے دروازہ تک آئی ہی تھی کہ وہ بجا۔ زمر نے اسے کھولا۔ وہ بھی بے اختیار اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ سامنے سے ہٹی تو باہر کھڑا شخص نظر آیا اور اسے دیکھتے ہی فارس نے بے زاری سے منہ پھیر لیا۔

"گڈ مارننگ مسز غازی!" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' ہاشم نے مسکرا کر کہا تو زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ آفس کے لیے تیار لگ رہا تھا۔ وجیہہ اور ہشاش بشاش' چوکھٹ پہ کھڑا تھا اور پرفیوم کی خوشبو انیکسی کے اندر تک پھیل گئی تھی۔

"مارننگ کاردار صاحب۔" وہ جبرا" مسکرائی۔

"بہت خوشی ہوئی آپ کو اس۔" ہاشم نے نگاہیں آگے پیچھے دوڑائیں۔ "گھر میں دیکھ کر۔ آرام سے ہیں آپ؟"

"مجھے بھی بہت خوشی ہوئی آپ کو اپنے ہمسائے میں دیکھ کر۔ امید ہے ملاقات ہوتی رہے گی۔ اب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو۔" کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "میری آج پیشی ہے اور مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"پہلے میری بات سن لیجئے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج رات آپ لوگ ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔ تم نے سن لیا' فارس؟" ساتھ ہی بلند آواز میں پکارا۔

میز پہ موجود فارس نے اکتا کر سر جھٹکا۔ "میں مصروف ہوں۔"

مگر ہاشم نے توجہ نہیں دی۔ "مجھے منفی جواب کی عادت نہیں ہے۔ ہم ڈنر پہ آپ کا انتظار کریں گے۔ ٹھیک آٹھ بجے۔" اپنی کلائی کی گھڑی کے ڈائل پہ انگلی سے دستک دے کر دکھایا۔ زمر نے گہری سانس لے کر سر کو خم دیا۔ "شیور۔ ہم آئیں گے۔" وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔ اس کے نکلنے کے چند لمحے بعد زمر پیچھے دیکھے بنا باہر نکلی۔ ہاشم کی کاروور جا رہی تھی۔

وہ انیکسی کے برآمدے کے زینے اترتی سبزہ زار پہ آئی۔ وہاں فارس اور اس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اپنی گاڑی کا لاک کھولتے" زمر نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا۔ سامنے قصر کاردار کی عقبی بالکونیاں دکھائی دیتی تھیں۔ ایک بالکونی ہاشم کے کمرے کی تھی' اسے اندازہ تھا۔ چابی گھماتے ہوئے اس کی نگاہیں دوسری بالکونی تک گئیں' جس کے شیشے کے دروازے کے پیچھے کمرے میں کوئی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ زمر نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ وہ نوشیرواں تھا۔ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا' جو لبوں سے لگائے ہوئے تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا تھا' فورا" اسے سگریٹ والا ہاتھ پیچھے کرتا مڑ گیا۔ زمر سر جھٹک کر کار میں بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

قبروں میں نہیں ہم کو کتابوں میں اتارو
ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں!

وہ صبح کافور کی مہک لیے' چھوٹے باغیچے والے گھر پہ بھی وہی پُرملال سی طلوع ہوئی تھی۔ ندرت کچن میں کھڑیں ناشتہ بنا رہی تھیں۔ سعدی کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ غالبا" وہ تیار ہو رہا تھا۔ راہداری میں آگے جاؤ تو حنین اپنے کمرے کے بیڈ پہ ٹیک لگائے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں سفید جلد والی کتاب تھی جو کل رات زمر کے سامان میں دیکھ کر وہ اس سے پوچھ کر لے آئی تھی۔ زمر نے نہ وہ پڑھی تھی' نہ پڑھنی تھی۔ اب اس کے صفحوں کے کنارے ناخن سے رگڑتی' وہ سوچ جا رہی تھی۔

"شکر ہے کل نکاح پہ ہاشم بھائی نہیں تھے' ان کو دیکھتے ہی امتحانی مرکز والا واقعہ یاد آ جاتا اور بھائی کے سامنے اپنا آپ مجرم لگنے لگتا۔" وہ مدھم آواز میں بڑبڑائی تھی۔ پھر ابرو تفکر سے بھینچے۔ "مگر بھائی کو بتاؤں یا نہیں؟" الجھتے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔ پھر نگاہیں کتاب تک گئیں تو تمام خیالوں کو ذہن سے ہٹاتے

اسے کھول لیا۔
دروازہ سامنے تھا جو اسے صدیوں پہلے کے زرد زمانوں میں لے جایا کرتا تھا۔
اس نے اسے دھکیلا۔ اونچے پٹ وا ہوئے۔
دوسری جانب چاند کی ٹھنڈی میٹھی روشنی میں ڈوبی رات تھی۔ ایک کھلا میدان اور سامنے۔
حنین نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ ایک بلند مضبوط قلعہ جس کے آگے پہرے دار چکر کاٹ رہے تھے۔
اس سارے سیاہ سفید منظر نامے میں وہ ماتھے پہ کٹے بالوں اور ہیئر بینڈ والی لڑکی گلابی قمیص اور سفید ٹراؤزر میں ملبوس، فریش سی نظر آتی تھی۔ مگر صدیوں پہلے کے لوگ اس کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ آہنی گیٹ عبور کر کے کھلے صحن میں آئی۔ اسے پار کیا تو آگے برآمدہ تھا۔ وہ اندر چلتی آئی۔ اندھیرا بڑھ گیا۔ مگر جیسے جیسے وہ قدم آگے بڑھاتی گئی، راہداری کی دیوار پہ قطار میں نصب مشعل دان جلتے گئے۔ جیسے کوئی قدیم زمانوں کا جادو۔
اندھیرا قدرے کم ہوا تو وہ ایک کوٹھڑی کے سامنے جا رکی۔ اس کے دروازے پہ زنجیروں میں لپٹے تالے مشعل دان کے پھڑپھڑاتے زرد شعلوں میں دکھائی دیتے تھے۔ دیوار پہ ایک ابھری ہوئی چوکی تھی۔ حنین دیوار کو پکڑے، اس چوکی پہ کھڑی ہوئی تو چہرہ ایک سلاخ دار کھڑکی کے برابر آیا۔ بے چین نگاہوں سے، سلاخیں پکڑے، اس نے اندر جھانکا اور پھر گہری سانس بھری۔
اس کے شیخ (استاد) سفید، خستہ حال لباس میں الجھے بال اور داڑھی کے ساتھ، چہرے اور ہاتھوں پہ زخموں کے نشان لیے، دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ کھڑکی سے چند ہاتھ دائیں طرف۔
"اے شیخ! میں اتنے برسوں بعد آئی ہوں، اور آپ کو اس قید خانے میں بند دیکھتی ہوں۔ ایسا کیا کر دیا آپ نے؟ آپ کا خلیفہ تو مسلمان ہے نا؟" افسوس سے سہلاتے اس نے سوال کیا۔
اندر دیوار سے لگے کھڑے شیخ معلم نے تکان مگر سکون سے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔
"شد الرحیل الی قبر الخلیل" (سواری کا باندھنا محبوب کی قبر تک جانے کے لیے)
"انہوں نے یہ کہا تو آپ نے کیا؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔
"بدعت، بدعت!"
"اف!" حنین نے گہرے تاسف سے انہیں دیکھا۔ "ہم سب کو معلوم ہے کہ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے۔ مگر شد الرحیل الی قبر الخلیل کا انکار آپ کو زنداں میں لے آیا، اے شیخ۔" ملامتی نظروں سے وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ "مطلب کیا ضرورت تھی اتنا کھلم کھلا اسٹینڈ لینے کی۔ اور ہاں، فائدہ کیا ہوا اس اسٹینڈ کا؟ اب تو قبر کی نیت اور مسجد کی نیت کا آسمان جتنا فرق کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے بھی بھائی نے ایک زمانے میں بتایا تھا اب تو بھول بھال گیا۔"
شیخ خاموشی سے کھڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھے گئے۔ وہ سیاہ ہو رہے تھے۔ حنین نے چہرہ مزید آگے کر کے اندر جھانکا۔
"آپ کی کتابیں، قلم۔ کیا سب چھین لئے انہوں نے؟ اف۔" کراہ کر اس نے آنکھیں میچیں۔ "ٹھیک ہے، بندہ حق بات کہتا ہے ظالم حکمران کے سامنے، مگر اب اتنا بھی کیا کہ اس بات کے پیچھے ساری زندگی برباد کروا لو اپنی۔ کتاب تو آپ کی ادھوری رہ گئی۔ اب لکھیں گے کیسے؟" آنکھیں کھول کر مزید برہمی سے ان کو دیکھا۔ وہ اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ حنہ ایک دم چونکی۔ فرش پہ چند کوئلے رکھے تھے اور۔ اس کی نظریں اوپر اٹھتی چلی گئیں۔ دیواروں پہ جا بجا کوئلے سے عبارتیں لکھی تھیں۔ آیات، احادیث، قرآن کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد کے نکات۔ دیواریں بھری پڑی تھیں۔
"جب تک اللہ نہ چھینے، کوئی نہیں چھین سکتا۔" اس کو بالکل ساکت، متعجب پا کر وہ بولے تھے۔ حنین چپ سی ہو گئی۔ تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ چہرے پہ نرمی آئی۔
"اور جب زندگی سب کچھ چھیننے پہ آجائے تو کیا کرنا

چاہیے؟" شاید پہلی دفعہ اس نے کوئی سوال پوچھا تھا۔
"دعا۔" وہ ہلکا سا بولے۔
"دعا کیا کرتی ہے؟" سلاخوں سے سر ٹکا کر وہ ان کو دیکھتے کہیں اور گم تھی۔
"آنے والی مصیبت کو روکتی ہے۔ اور جو مصیبت اُتر چکی، اس کو ہلکا کرتی ہے۔ یہ مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے، آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"
ان کی آواز قید خانے کی اونچی دیواروں سے ٹکرا کر ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔
حنین گم صم کھڑی رہی۔ ہاتھ سلاخوں پہ جمے رہے۔ پھر ماتھے پہ بل آئے۔ اکیسویں صدی کے دماغ نے بحث کے لیے نکتے ڈھونڈے۔
"آپ کی مصیبتیں ٹلتی ہوں گی دعاؤں سے۔ ہماری تو نہیں دور ہوتیں۔"
"دعا مصیبت سے کمزور ہے تو مصیبت حاوی ہو جائے گی۔ دعا مضبوط ہے تو دعا حاوی ہو گی۔"
"اور اگر دونوں ہی ایک جتنی مضبوط ہوں تب؟" وہ ترنت بولی۔
"تو دعا قیامت تک اس مصیبت سے لڑتی رہے گی۔"
"یعنی۔" وہ چونکی۔ "اگر دعا چھوڑ دی یا شدت کم کر دی تو مصیبت حاوی آجائے گی؟"
شیخ معلم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنین کے لب "او" میں سکڑے۔ ابرو اکٹھے کر کے سوچنے والے انداز میں وہ ان کو دیکھے گئی۔
"اور کیا کرتی ہے دعا؟"
"دعا قضا و قدر کو رد کر سکتی ہے، ویسے ہی جیسے نیکی عمر بڑھاتی ہے اور گناہ رزق سے محروم کرتے ہیں۔"
"مگر۔" اس کی آنکھوں میں غیر آرام دہ سی الجھن ابھری۔ ایڑیاں اٹھا کر وہ مزید اونچی ہوئی۔ "میری تو دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"
قدیم قید خانے کی کوئلے سے بجی دیوار سے ٹیک لگائے بزرگ نے سر جھکائے، مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔
"ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے، اگر وہ جلد بازی نہ کرے تو۔"
"جلد بازی مطلب؟"
"مطلب یہ ہے کہ تم کہنے لگو کہ میں نے دعا کی اور بہت دعا کی، مگر میری دعا قبول ہوتی نہیں نظر آ رہی۔ یہ کہنے کے بعد تم لوگ مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ دیتے ہو۔"
وہ ایک ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کترتی، سنتی جا رہی تھی۔ آخر میں بے اختیار انگلیاں لبوں سے نکالیں۔ "یعنی کہ جب یہ کہا تو دعا قبول نہیں ہو گی، لیکن اگر یہ نہ کہوں تب ہو جائے گی؟"
انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پیچھے ہوا کے جھونکے سے مشعل دان کا شعلہ پھڑپھڑایا۔ رات کی پُراسراریت میں اضافہ ہوا۔
"اچھا مگر۔" اس کو پھر سے بے چینی ہوئی۔ "کچھ لوگوں کی دعا بہت جلدی قبول ہو جاتی ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ بہت نیک ہوتے ہیں؟"
"یہ بھی ہوتا ہے، مگر۔" وہ لحظہ بھر کو رکے۔ حنین نے ان کی آواز سننے کو کان سلاخوں کے مزید قریب کیا۔ "مگر قبولیت دعا کا اصل راز دعا مانگنے والے کا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ کیسے مانگتا ہے، اور کتنی شدت سے مانگتا ہے۔"
"اور اس کے بعد دعائیں قبول ہو جاتی ہیں؟"
"ہاں، سب کی سب دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔"
انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ حنین نے گہری سانس کھینچ کر پیشانی سلاخوں پر ٹکا دی۔ آنکھیں موند لیں۔
"میں دعا مانگتی ہوں کہ بھائی مجھے، وہ امتحانی مرکز والا قصہ سننے کے بعد، معاف کر دے، اور مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سب کچھ ایک دم سے بالکل ٹھیک ہو جائے؟" اس نے کتاب سے سر اٹھایا تو صفحے کھلے پڑے تھے۔ قدیم زمانوں کی مشعلیں وقت کے بانیوں نے بجھا دی تھیں اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ کتاب بند کر کے اس نے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

باہر راہداری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکلا تو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ گرے شرٹ پہ سفید سیاہ ترچھی دھاریوں کی ٹائی بندھی تھی۔ بال اس نے فجر کے بعد جا کر کٹوالیے تھے۔ اب سامنے سے جیل لگا کر پیچھے کیے تو سیدھے لگتے۔ اگر مڑتا تو پیچھے سے گھنگریالے نظر آتے۔

ندرت چائے لے راہداری میں آئیں تو وہ گول میز کے سرے پہ کرسی کھینچ رہا تھا۔

"آفس کے لیے دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟" حیرت سے پوچھتے انہوں نے مگ اسے تھمایا۔

"نہیں، آفس نہیں جارہا۔ کسی اور کام سے جا رہا ہوں۔" وہ بنا عجلت کے آرام سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔ ندرت نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے سوٹ کو دیکھا۔

"یہ اپنا سب سے اچھا سوٹ تو تم آفس بھی نہیں پہن کر جاتے۔ آج کیا خاص ہے؟"

سعدی نے کپ ہٹا کر سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔ "میں نا بھاگ کر شادی کرنے جارہا ہوں۔"

انہوں نے دھپ سے اس کے کندھے پہ تھپڑ لگایا، اور مصنوعی خفگی سے بڑبڑاتی پلٹ گئیں۔

وہ ناشتہ کر کے اٹھا اور ابھی راہداری کے سرے تک آیا ہی تھا کہ حنین کمرے سے باہر نکلی، وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے مضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔

"تمہاری فجر کی اذان اس وقت ہوتی ہے؟"

"نہیں وہ۔" اس نے غور نہیں کیا۔ "کیا ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں؟"

سعدی نے غور سے اسے دیکھا جو انگوٹھے سے درمیانی انگلی کا ناخن کھرچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تم کافی دن سے کہہ رہی ہو کہ تمہیں بات کرنی ہے، پھر رک جاتی ہو۔"

حنین کا گلا خشک ہونے لگا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، پھر بند کر لیے۔

"نہیں، آپ جائیں، اتنی خاص بات نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔" ارادہ بدل دیا۔

"شیور؟" سعد نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ مسکرایا اور خدا حافظ کہتا پلٹ گیا۔ دروازہ بند ہوا تو وہ وہیں بے چین سی کھڑی سوچتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼
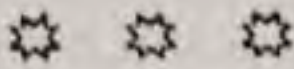
جہنم کہ جنت، جو بھی ہوگا ، فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے کہ ہمارا اور اس کا سامنا ہوگا!

وہ عمارت سڑک کنارے پوری آب و تاب سے کھڑی تھی۔ بالائی منزل کے کارنر آفس میں خنکی پھیلی تھی۔ چوڑی میز کے پیچھے پاور سیٹ پہ ہاشم ٹیک لگائے بیٹھا، مسکراتے ہوئے کاغذات پلٹتا جارہا تھا۔ پھر سر اٹھا کر سامنے کھڑے خاور کو دیکھا۔

"یہ بہت زبردست کام ہے خاور!" ستائش سے فولڈر میز پہ ڈالتے، اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ کھڑکی کے پاس سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی جواہرات نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"اس کے خلاف ذرا سا کچرا کافی ہے کیا؟ وہ معلوم نہیں ہمارے خلاف کتنی فائلز اور ثبوت لے کر آئے گا۔"

"میم! یقیناً" اس نے بھی اب تک بہت کچھ نکال لیا ہوگا، مگر ہم اس کے ہر وار کا توڑ کرنا جانتے ہیں۔"

وہ ناک چڑھا کر واپس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سیاہ لمبے گاؤن اور موتیوں کے آویزوں میں ملبوس، بھورے بال کندھے پہ آگے ڈالے، وہ ناخوش اور مضطرب لگ رہی تھی۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں ممی؟ ہاشم سنبھال لے گا۔" وہ مطمئن اور پرسکون تھا۔

اور ہاشم کی میز کے عین سامنے، دیوار سے لگے صوفوں میں سے ایک پہ براجمان نوشیرواں بالکل خاموش تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی گلابی ہو رہی تھیں، اور وہ مسلسل کچھ سوچ جارہا تھا۔

اس عمارت کی بیسمنٹ میں عین اسی وقت سعدی اپنی کار پارک کر رہا تھا۔ بیسمنٹ دوپہر کے

باوجود اندھیری پڑی تھی۔ کار روک کر وہ کچھ دیر خاموشی سے اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ اسے وہ فلیش ڈرائیو یاد آئی جس میں موجود فائلز وہ کھول نہیں سکا تھا۔ اس کے پاس ہاشم کے خلاف کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک آخری پتے کے۔ اگر یہ وہ ٹھیک سے کھیل گیا تو۔ تو سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر اس نے ڈیش بورڈ کھولا اور اپنا قرآن پین نکالا۔ چند بٹن دبائے اور وہیں سے تلاوت لگائی جس سے اس روز چھوڑی تھی۔

سعد الغامدی کی پُرسوز آواز گاڑی کے اندر گونجنے لگی۔ "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے!" وہ خاموشی سے سننے لگا۔

"اور آپ سکھائے جاتے ہیں قرآن بڑے حکمت والے بہت علم والے کی جانب سے۔"

سعدی کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں ابھی یہی سوچ رہا تھا اللہ تعالیٰ کہ میں قرآن میں کیا تلاش کر رہا ہوں اس وقت جب کہ مجھے اوپر ہاشم بھائی کے آفس میں ہونا چاہیے؟ اور دیکھیں، مجھے جواب مل گیا۔ جب میں قرآن پہ غور کرتا ہوں تو گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ یہ قرآن مجھے اللہ کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ اللہ جو نور ہے اور ساری روشنی اللہ آپ سے ہی ملتی ہے۔ مجھے اب سمجھ میں آیا کہ جو انرجی چاہیے جو کسی بھی موسیٰ کو فرعون کے دربار میں جانے کے لیے چاہیے ہوتی ہے، وہ مجھے صرف قرآن دے سکتا ہے۔"

ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ وہ زیر لب کہہ رہا تھا۔ قاری غامدی اگلی آیت اسی مدھم، خوب صورت آواز میں پڑھ رہے تھے۔ "جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ۔"

وہ ایک دم چونکا اِدھر اُدھر دیکھا۔ (اوکے اللہ، یہ سلی مجھے بھول گیا تھا کہ آگے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ، آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا کتنا پسند ہے۔ ہر چند آیتوں کے بعد پھر سے فرعون و موسیٰ اور موسیٰ و فرعون۔ مطلب بھی بھی میں حیران ہو جاتا ہوں۔ قرآن میں اتنا ذکر کسی کا نہیں جتنا موسیٰ کا! کیوں؟) اس نے بولا نہیں۔ صرف سوچا تھا۔ آیت سماعتوں میں گونج رہی تھی۔

"اور جب موسیٰ نے کہا اپنے گھر والوں سے کہ میں نے دیکھی ہے ایک آگ۔ میں ابھی وہاں سے آپ کے لیے کوئی خبر لاتا ہوں
یا لے کر آتا ہوں کوئی سلگتا ہوا انگارہ،
تاکہ آپ اسے سینکیں۔"

ذرا دیر کو وقفہ آیا تو سعدی نے گہرا سانس لیا۔

"آہ موسیٰ علیہ السلام۔" اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہلکی آواز میں ساتھ ساتھ بڑبڑاتا رہا۔ "تو اللہ تعالیٰ، آپ نے سورۃ نمل کی تمہیدی آیات کے بعد، پہلے قصے کا آغاز ہی موسیٰ علیہ السلام کی "فیملی" سے کیا۔ مجھے اسی لیے یہ سورۃ بہت اچھی لگتی ہے، کیونکہ یہ فیملی ویلیوز کی سورۃ ہے۔ دیکھیں نا، موسیٰ علیہ السلام نے جو بات کہی، اس میں "آپ" کا صیغہ استعمال کیا۔ حالانکہ اس وقت ان کے ساتھ صرف ان کی اہلیہ تھیں، بے شک وہ امید سے تھیں، مگر سامنے تو صرف وہی تھیں نا ان کے۔ پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کو آپ کہہ کر پکارا۔ جمع تعظیم کا صیغہ۔ ہمارے انبیاء جو ہمارے رہنما تھے، کتنے مہذب تھے ان میں، کتنے نرم، اور خوب صورت لوگ تھے وہ۔ کوئی حیرت نہیں مجھے کہ آپ اللہ تعالیٰ قرآن میں ہر چند صفحات کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں۔ کتنی پرواہ، کتنا خیال تھا ان کے انداز میں اپنے خاندان کے لیے۔ پھر ہم اپنے گھر والوں کے لیے اتنے نرم کیوں نہیں بن سکتے؟"

گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ پھر وہی پُرسوز آواز ابھرنے لگی۔

"پھر جب موسیٰ وہاں (اس آگ کے قریب) آئے۔
تو ان کو آواز آئی کہ
بابرکت ہے وہ جو آگ میں ہے

اور جو اس کے آس پاس ہے
اور پاک ہے اللہ
جو دونوں جہانوں کا رب ہے۔"

سعدی نے پلوز کے بٹن کو دبا کر' بند آنکھوں کے ساتھ چند لمحے لیے ان الفاظ کو اندر جذب کرنے کے لیے۔

"اللہ مجھے نہیں پتا کہ آپ کی آواز سننا کیسا ہو گا' مگر مجھے اتنا پتا ہے کہ جب میں قرآن سنتا ہوں' تو میرے لیے وہی آپ کی آواز ہوتی ہے' اور یہ الفاظ بعض دفعہ میری استطاعت سے زیادہ وزنی بن کر میرے دل پہ اترتے ہیں۔ میرے لیے یہ قرآن اور اس سے جڑی ہر شے بابرکت ہے' کیونکہ یہ قرآن مجھے بتاتا ہے کہ اللہ کون ہے۔" وہ ٹھہرا۔ بند آنکھوں سے تھکن بھرے الفاظ ادا کرتے آواز ہلکی ہو گئی۔

"اللہ میرا رب ہے' اور میرے ابو نے مجھے بتایا تھا کہ رب کسے کہتے ہیں۔ وہ جس نے ہمیں بنایا ہے' وہ جس کا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے' اور وہ جو ہمارے لیے سارے فیصلے کرتا ہے' خالق' مالک' مدبر!" انگوٹھے کو اسی بٹن پہ رکھ کر دبایا تو آیات کا سلسلہ جڑا۔

"اے موسیٰ'
بے شک وہ میں ہوں' اللہ۔
غالب' حکمت والا۔
اور پھینک دو اپنی لاٹھی کو۔
تو جب اس (موسیٰ) نے دیکھا کہ وہ (لاٹھی) حرکت کرتی ہے
گویا کہ ہو کوئی سانپ
تو پیٹھ پھیر کر بھاگا
اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔
(تو فرمایا اللہ نے) اے موسیٰ ڈرو نہیں۔
بے شک میرے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔"

سعدی آنکھیں بند کیے' سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھا رہا۔ لبوں کی مسکراہٹ میں اداسیاں گھلتی گئیں۔

"پیغمبر کون ہوتا ہے اللہ؟ وہ جو اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ آپ سارے پیامبروں کے ساتھ ایسے ہی کرتے ہیں نا۔ ان کو اندھیرے میں روشنی کی جھلک دکھاتے ہیں' اور جب اس نور کا پیچھا کرتے وہ اس تک آپہنچتے ہیں' تو آپ ان کو بتاتے ہیں اللہ کون ہے۔ پھر آپ ان کو کہتے ہیں کہ اپنا عصا سامنے ڈال دو۔ یہاں تو آپ نے عصا کا لفظ استعمال کیا' مگر اپنے اسی قرآن میں ایک اور جگہ آپ نے موسیٰ سے یہ فرمایا کہ ڈال دو وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔' تو بات یہ ہے اللہ' کہ سب کے دائیں ہاتھ میں عصا نہیں ہوتا۔ دائیں ہاتھ میں انسان کا ٹیلنٹ ہوتا ہے' کوئی ہنر۔ یا کوئی قیمتی چیز۔ تو اللہ جب آپ کا پیامبر اپنا عصا پھینک دیتا ہے تو اس کا نتیجہ ایک دم سے اتنا خوفناک' اتنا ڈراونا اور پرہیبت ہوتا ہے کہ انسان مڑ کر بھاگے نہ تو کیا کرے؟ فرعون کے ساحر جو بھی گھڑ لائیں' میرے دائیں ہاتھ کی چیز اس کو نگل لے گی میں جانتا ہوں' اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ کے پاس اس کے پیامبر ڈرا نہیں کرتے' نہ اپنے ماضی سے نہ اپنے مستقبل سے' مگر مجھے فرعونوں کے پاس "ڈرتے" سے ڈر لگتا ہے۔" اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا' گویا پھر سے ہلکا ہونے کے لیے۔ پین قرآن آف کر کے ڈیش بورڈ میں رکھا۔ گاڑی بند کی۔ چابی موبائل' والٹ سنبھالتا باہر نکل آیا۔

مطلوبہ فلور پہ جب لفٹ کے دروازے وا ہوئے تو سامنے واک تھرو گیٹ تھا۔ وہ اس سے گزرنے کے بجائے ایک طرف سے نکل کر آگے چلتا آیا۔ کسی نے نہیں روکا۔ جب ہاشم کے آفس کے سامنے آیا تو کام کرتی حلیمہ کے اس طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس خاور مستعد کھڑا تھا۔

"کاردار صاحب آپ کے منتظر ہیں۔" سعدی اس بات پہ آگے بڑھنے لگا تو خاور نے ہاتھ راہ میں حائل کر کے اسے روکا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔

"میرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ چاہیں تو تلاشی لے لیں۔" مسکرا کر وہ بولا۔ خاور نے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کے لباس کو تھپتھپایا۔ سیل فون نکال کر

حلیمہ کی میز کی ٹوکری میں ڈالا۔ اور پھر مطمئن ہو کر پیچھے ہٹا۔ سعدی نے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ اوپری جیب میں لگا سلور پین درست کیا اور آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼
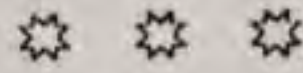
وہ چاہتا تھا کہ کاسہ خرید لے میرا!
میں اس کے تاج کی قیمت لگا کے لوٹ آیا

اندر آفس میں ایک طرف صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ سامنے مرکزی میز کے پیچھے ہاشم ٹیک لگائے براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ جواہرات جواب ہاشم کی کرسی کی پشت پہ کہنی ٹکائے کھڑی تھی وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"آؤ سعدی!" ہاشم نرمی سے کہتے جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھایا۔ سعدی آگے آیا ہاتھ ملالیا اور پھر سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"کیا لو گے؟ چائے؟ سافٹ ڈرنک؟" انٹر کام اٹھائے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"کافی!" وہ بس اتنا بولا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا، اور ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "حلیمہ دو چائے اندر بھیجو۔" پھر ریسیور رکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں اسے ٹوکا۔ "اتنی گرمی میں کافی نہیں پینی چاہیے تمہیں۔"

سعدی گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (اسے ہاشم سے اور کس بات کی توقع تھی؟) اور پھر جیب سے پلاسٹک زپ لاک بیگ میں مقید نیکلس نکال کر میز پہ رکھا۔

"آپ کی امانت، جو غلطی سے آپ کی ملازمہ نے میری جیب میں ڈال دی تھی۔"

نیکلس میز پہ پڑا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی اسے نہ دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

"تم کیا کہنا چاہتے تھے سعدی؟" ہاشم نے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھتے بات کا آغاز کیا۔ سعدی نے گردن موڑ کر پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے خاور کو دیکھا اور پھر ہاشم کے ساتھ کھڑی جواہرات کو۔

"خاور ہمارا اپنا بندہ ہے، اس کی موجودگی میں بات کرو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"آئی سی!" سعدی نے سر اثبات میں ہلایا البتہ اندر سے کچھ ٹوٹا تھا۔ (تو کیا جواہرات بھی۔؟) بہت کچھ سمجھ میں آیا۔ پھر ذرا سا کھنکارا اور ہاشم کی آنکھوں پہ آنکھ ڈال کر بولا۔

"ہم جس دین کے ماننے والے ہیں ہاشم بھائی! اس میں مختلف مسلکوں کے لیے مختلف اسکولز آف تھاٹ ہوتے ہیں۔ قتل کے مسئلے پر بھی دو آرا ہیں۔ (ہاشم اسی طرح مسکرا کر اسے دیکھتا رہا) پہلے مسلک کا کہنا ہے کہ سچے دل سے توبہ کی جائے یا دیت دی جائے تو قتل معاف ہو جایا کرتا ہے، وہ حدیث میں مروی اس واقعے کو دلیل بناتے ہیں جس میں بنی اسرائیل کے ایک عالم کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اس نے قتل کی معافی کا پوچھا اور منفی جواب ملنے پہ اس عالم کو بھی قتل کر دیا۔ ایک اور عالم کے پاس گیا تو معافی کی امید مل گئی۔ بہر حال واقعہ آپ کو معلوم ہو گا۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

جواہرات اور ہاشم کی مسکراہٹوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ پیچھے بیٹھا نوشیرواں جو یہاں سے سعدی کی پشت دیکھ سکتا تھا، بے حد کڑوا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ حلیمہ اندر آئی اور چائے رکھ کر باہر چلی گئی تو وہ پھر سے کہنے لگا۔

"دوسرا مسلک کہتا ہے کہ نہیں، قتل کی کوئی معافی نہیں۔ اگر آپ کو قتل کی سزا یعنی سزائے موت دنیا میں نہیں دی گئی تو پھر دیت یا توبہ سے امید تو کی جا سکتی ہے کہ یہ آپ کو معاف کروا دیں گی مگر اصل فیصلہ قیامت کے دن ہو گا جب اللہ، مقتول کے ہاتھ میں قاتل کا سر دے کر کہے گا کہ اپنا بدلہ لے۔ یہ دوسرا مسلک کہتا ہے کہ قرآن میں جب اللہ کسی گناہ کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے عذاب کا، تو آخر میں یہ فرما دیتا ہے کہ وہ لوگ عذاب میں رہیں گے، سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور اچھے عمل کیے وغیرہ وغیرہ۔ مگر قتل کی آیات کے آخر میں، سخت عذاب کی وعید سنانے کے بعد اللہ نے نہیں کہا، سوائے اس کے اور اس کے۔ نہیں۔ اللہ نے قاتلوں کے لیے وہ ہمیشہ

عذاب میں رہیں گے" کہہ کر بات ختم کردی۔ اب بہت سے مسلمان ایک عقیدہ رکھتے ہیں اور بہت سے دوسرا۔ میں بھی ایک دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہوں جو کہتا ہے کہ قتل کی کوئی معافی نہیں۔ جان لی ہے تو جان دینی پڑے گی۔ کیونکہ ہر انسان اپنے بھائی کی جان کا رکھوالا ہوتا ہے۔ ایک قتل اس سے جڑے تمام انسانوں کا قتل ہوتا ہے۔ ایک قتل۔ صرف ایک بے گناہ مسلمان کا قتل، ہاشم بھائی کعبہ کو ڈھا دینے سے بڑا گناہ ہے۔ اور آپ نے تو میرے خاندان کے دو لوگ مار دیے۔" اس کی آواز بلند ہوئی اور قدرے کپکپائی۔ آنکھوں میں دکھ اور صدمہ اترنے لگا۔

اتنے سال بعد پہلی دفعہ ہاشم کے منہ پہ وہ بول دیا جو ابھی تک دل میں چھپا کر رکھا تھا۔ چند لمحے آفس میں خاموشی چھائی رہی۔ اے سی کی ٹھنڈک، جہنم کی تپش میں بدلنے لگی۔ پھر ہاشم نے اسی نرمی سے اسے دیکھتے پوچھا۔

"اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ یہ سب میں نے کیا ہے؟"

"صرف میرے دل کی گواہی۔ اور کچھ نہیں۔"

ہاشم اور خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔ (اب وہ کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا جہاں سے وہ سعدی کو سامنے سے دیکھ سکتا تھا)۔ جواہرات ہاشم کرسی پہ ٹکائی کہنی ہٹا کر سیدھی کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں اچنبھا آیا۔

"تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں؟" ہاشم کو حیرت ہوئی۔

"نہیں۔ میں نے آپ کی فائلز چرائی تھیں اس رات پارٹی میں۔ مگر میں انہیں کھول نہیں پایا۔ وہ کرپٹ ہوگئیں۔ وہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔"

(خاور کی گردن قدرے فخر سے مزید تنی) "میں نے ڈیڑھ سال کوشش کی کہ کوئی ثبوت ڈھونڈ لوں، مگر مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ آپ لوگوں نے بہت پکا کام کیا ہے۔" قدرے تھکان اور ستائش سے اس نے خاور کو دیکھا۔

"ڈیڑھ سال؟" ہاشم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"آپ نے زرتاشہ اور وارث غازی کو قتل کروایا، میں ڈیڑھ سال سے جانتا ہوں۔ آپ کے بھائی کی مہربانی سے۔" عقب میں بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے ایک رات آپ کے گھر گزاری۔ آپ کا سیف جو آپ کی تاریخ پیدائش سے کھلتا ہے، اس میں وارث ماموں کی بچیوں کی تصویر تھی۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا اور میں جان گیا کہ یہ سب آپ نے کروایا ہے۔"

شیرو کا چہرہ یوں ہو گیا گویا کسی ٹرک نے کچل دیا ہو۔ ہاشم کی مسکراہٹ جاتی رہی۔ اس نے بس ایک سخت ملامتی نظر تو شیرواں پہ ڈالی اور پھر سعدی کی جانب متوجہ ہوا۔

"اور اپنی اس تھیوری کے بارے میں تم نے اور کس کس کو بتایا ہے؟"

"کسی کو بھی نہیں، کیونکہ آپ تو ایک وائٹ کالر کریمنل ہیں، کوئی کیسے یقین کرے گا کہ آپ یہ سب کروا سکتے ہیں۔"

ہاشم ٹیک چھوڑ کر آگے کو ہو بیٹھا۔ سوچتے، الجھتے انداز میں اسے دیکھا۔ "اور تمہارے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے؟"

"نہیں، مگر مجھے کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں یہاں آپ کو پولیس کے حوالے کرنے نہیں آیا۔ میں آپ کو اپنے خاندان کے حوالے کرنے آیا ہوں۔"

"مطلب؟" جواہرات نے اچنبھے سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"میں یہاں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں ہاشم بھائی کہ آپ سچائی کا خود اعتراف کریں۔ میرے خاندان کے سامنے جا کر اعتراف جرم کریں۔ یوں فارس ماموں بری ہو جائیں گے، ہر الزام سے۔ آپ سارہ خالہ سے معافی مانگیں۔ اور ان کے باپ کی دیت کی رقم ان کی بچیوں کو ادا کردیں۔ ہم آپ کے خلاف پولیس میں

نہیں جائیں گے۔ ہم آپ کو معاف کر دیں گے۔"

اور ہاشم کو پہلی دفعہ لگا' وہ سونیا کی پارٹی سے لے کر اب تک جو "سعدی' سعدی" ڈرامے سے پریشان ہوا' وہ سب بے کار تھا۔ یہ تو ایک بے وقوف 'گھامڑ اور معصوم سا بچہ تھا۔ بلکہ یہ تو پورے کا پورا گدھا تھا۔ اور یہ سوچ کر وہ زور سے ہنس دیا۔ جواہرات بھی قدرے سکون سے مسکرائی۔ ہنستے ہنستے ہاشم نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہٹایا۔

"مجھے یہ کہنے دو سعدی' کہ آج تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔ میں ایک سوٹ ایک ہی دفعہ پہنا کرتا ہوں' تم نے میرے اس سوٹ کا فرسٹ ویئر ضائع کر دیا۔"

"جی؟" وہ الجھن بھرے انداز میں ہاشم کو دیکھنے لگا۔

"کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے یہ قتل نہیں کیے؟ اوہ۔ کم آن ہاشم بھائی' ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ آپ نے کیا ہے۔"

"میں نے انکار نہیں کیا!" ہاشم نے تازہ دم مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ میں نے کیا ہے' وارث میرے راستے میں آ رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔ خاور نے اسے خود کشی کا رنگ دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ اس کا قتل کور اپ کرنے کے لیے ہمیں زرتاشہ کی قربانی بھی دینی پڑی۔ زمر کو بھی زخمی کرنا پڑا' جس کے لیے مجھے بہت افسوس ہے۔ ہاں ٹھیک ہے سعدی' یہ سب ہم نے ہی کیا ہے۔ ممی' خاور اور میں نے۔"

سعدی کی دکھ بھری نگاہیں ہاشم کی کرسی کے ساتھ کھڑی جواہرات تک گئیں۔ پھر وہاں سے کھڑکی کے آگے کھڑے خاور تک جا پھسلیں۔ تو یہ سب ساتھ تھے؟ شروع دن سے؟

"مگر تم سعدی' تم نے تو آج مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میرا خیال تھا' تم ثبوت کا کوئی انبار لے کر آؤ گے میرے پاس۔ مگر تم۔ تم تو وہی معصوم بچے ہو جس سے میں سات سال پہلے ملا تھا۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو؟" اب کے ہاشم کو افسوس ہونے لگا۔ آگے ہو کر' ہتھیلیاں باہم ملائے' وہ برہمی سے کہنے لگا۔ "تمہیں کیا لگا تھا' یہ تم قتل کی لمبی سی تقریر یاد کر کے میرے سامنے دہراؤ گے اور میں فوراً" جا کر تمہارے خاندان کے پیروں میں گر جاؤں گا اور ان کی منتیں کروں گا کہ وہ مجھے معاف کر دیں؟ مطلب' تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" غصے اور افسوس سے زیادہ حیرت شدید تھی۔

"تو کیا آپ اب بھی معافی نہیں مانگیں گے؟ کیا آپ اتنے گلٹ کے ساتھ رہ لیں گے؟" سعدی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اپنا دماغ کہاں چھوڑ کر آئے ہو سعدی؟ تمہیں واقعی لگا تھا کہ ہاشم تمہارے کہنے پہ یہ کرے گا؟ اف!" جواہرات کو اس کی ہر بات ناگوار گزر رہی تھی۔

"اور آپ سارہ خالہ کو دیت بھی ادا نہیں کریں گے؟"

"تو بات آخر میں پیسے پہ آ گئی ہے؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہاشم نے ٹیک لگائی۔ "میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا' کیا کر لو گے تم؟"

"نہیں۔" وہ شدید دکھ کے عالم میں باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے لگا۔ "میں زمر اور فارس ماموں کو بتا دوں گا' مجھ پہ کریں گے سب یقین!" مگر خاور کچھ غیر آرام دہ سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس غصے میں کچھ بناوٹ لگتی تھی یا شاید اس کا وہم تھا۔

"کم از کم زمر تو تمہارا یقین نہیں کرے گی۔" جواہرات نے ناک سکوڑ کر کہا۔ "اس کے دل میں فارس کی نفرت اتنی پختہ ہے کہ وہ اپنی زندگی فارس سے انتقام کے لیے داؤ پر لگا چکی ہے' تو وہ کیسے مانے گی تمہاری بات؟"

"انہوں نے کسی انتقام کے لیے یہ شادی نہیں کی۔" وہ ایک دم کھڑا ہوا۔ کان سرخ ہوئے آنکھوں میں غصہ اترا۔ "وہ فارس ماموں کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جس مقصد کے لیے آپ ان کی شادی پہ اتنا زور دے رہی تھیں' وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔"

"تمہیں اپنے خاندان کے بارے میں اپنی

نہیں جائیں گے۔ ہم آپ کو معاف کردیں گے۔"
اور ہاشم کو پہلی دفعہ لگا' وہ سونیا کی پارٹی سے لے کر اب تک جو "سعدی' سعدی" ڈرامے سے پریشان ہوا' وہ سب بے کار تھا۔ یہ تو ایک بے وقوف 'گھامڑ اور معصوم سا بچہ تھا۔ بلکہ یہ تو پورے کا پورا گدھا تھا۔ اور یہ سوچ کر وہ زور سے ہنس دیا۔ جواہرات بھی قدرے سکون سے مسکرائی۔ ہنستے ہنستے ہاشم نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہٹایا۔
"مجھے یہ کہنے دو سعدی! کہ آج تم نے مجھے واقعی مایوس کیا ہے۔ میں ایک سوٹ ایک ہی دفعہ پہنا کرتا ہوں' تم نے میرے اس سوٹ کا فرسٹ ویئر ضائع کردیا۔"
"جی؟" وہ الجھن بھرے انداز میں ہاشم کو دیکھنے لگا۔ "کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے یہ قتل نہیں کیے؟ اوہ' کم آن ہاشم بھائی' ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ آپ نے کیا ہے۔"
"میں نے انکار نہیں کیا!" ہاشم نے تازہ دم مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ میں نے کیا ہے' وارث میرے راستے میں آرہا تھا۔ میں نے اسے مروادیا۔ خاور نے اسے خودکشی کا رنگ دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ اس کا قتل کور اپ کرنے کے لیے ہمیں زرتاشہ کی قربانی بھی دینی پڑی۔ زمر کو بھی زخمی کرنا پڑا' جس کے لیے مجھے بہت افسوس ہے۔ ہاں ٹھیک ہے سعدی' یہ سب ہم نے ہی کیا ہے۔ ممی' خاور اور میں نے۔"
سعدی کی دکھ بھری نگاہیں ہاشم کی کرسی کے ساتھ کھڑی جواہرات تک گئیں۔ پھر وہاں سے کھڑکی کے آگے کھڑے خاور تک جا پھسلیں۔ تو یہ سب ساتھ تھے؟ شروع دن سے؟
"مگر تم سعدی' تم نے تو آج مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میرا خیال تھا' تم ثبوت کا کوئی انبار لے کر آؤ گے میرے پاس۔ مگر تم۔ تم تو وہی معصوم بچے ہو جس سے میں سات سال پہلے ملا تھا۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو؟" اب کے ہاشم کو افسوس ہونے لگا۔ آگے ہو کر' ہتھیلیاں باہم ملائے' وہ برہمی سے کہنے لگا۔ "تمہیں کیا لگا تھا' یہ تم قتل کی لمبی سی تقریر یاد کرکے میرے سامنے دہراؤ گے اور میں فوراً" جاکر تمہارے خاندان کے پیروں میں گر جاؤں گا اور ان کی منتیں کروں گا کہ وہ مجھے معاف کردیں؟ مطلب' تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" غصے اور افسوس سے زیادہ حیرت شدید تھی۔
"تو کیا آپ اب بھی معافی نہیں مانگیں گے؟ کیا آپ اتنے گلٹ کے ساتھ رہ لیں گے؟" سعدی نے تعجب سے اسے دیکھا۔
"تم اپنا دماغ کہاں چھوڑ کر آئے ہو سعدی؟ تمہیں واقعی لگا تھا کہ ہاشم تمہارے کہنے پہ یہ کرلے گا؟ اف!" جواہرات کو اس کی ہر بات ناگوار گزر رہی تھی۔
"اور آپ سارہ خالہ کو دیت بھی ادا نہیں کریں گے؟"
"تو بات آخر میں پیسے پہ آگئی ہے؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہاشم نے ٹیک لگائی۔ "میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دوں گا' کیا کرلو گے تم؟"
"میں۔" وہ شدید دکھ کے عالم میں باری باری ان سب کے چہرے دیکھنے لگا۔ "میں زمر اور فارس ماموں کو بتادوں گا' مجھ پہ کریں گے سب یقین!" مگر خاور کچھ غیر آرام دہ سا سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس غصے میں کچھ بناوٹ لگتی تھی یا شاید اس کا وہم تھا۔
"کم از کم زمر تو تمہارا یقین نہیں کرے گی۔" جواہرات نے ناک سکوڑ کر کہا۔ "اس کے دل میں فارس کی نفرت اتنی پختہ ہے کہ وہ اپنی زندگی فارس سے انتقام کے لیے داؤ پر لگا چکی ہے' تو وہ کیسے مانے گی تمہاری بات؟"
"انہوں نے کسی انتقام کے لیے یہ شادی نہیں کی۔" وہ ایک دم کھڑا ہوا۔ کان سرخ ہوئے آنکھوں میں غصہ اترا۔ "وہ فارس ماموں کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جس مقصد کے لیے آپ ان کی شادی پہ اتنا زور دے رہی تھیں' وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔"
"تمہیں اپنے خاندان کے بارے میں اپنی

معلومات اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے سعدی!"
"میں زمر کو ساری حقیقت بتادوں گا۔"
"تم ایسا نہیں کرو گے۔" ہاشم کا انداز ٹھنڈا تھا۔
"کیوں؟ کیا مجھے بھی ماردیں گے آپ؟" اس نے دکھ سے ہاشم کو دیکھا۔
"اونہوں۔" ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔ "میں بس یہ فائل دے دوں گا۔ اعلا پولیس حکام کو پراسیکیوشن آفس کو۔ میڈیا کو۔" ایک فائل اس کے سامنے ڈالی۔ سعدی نے مشکوک نظروں سے اس کو دیکھا۔
"یہ کیا ہے؟"
"تمہارا اعمال نامہ۔ جو مجھے ڈھونڈنے میں دو دن لگے۔ تمہارے خیال میں مزید چیزیں ڈھونڈنے میں پولیس کو کتنا وقت لگے گا؟"
"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو میں ڈر جاؤں۔"
"کیا تم نے جج کو بلیک میل نہیں کیا؟ اس فائل میں تمہارے اور جسٹس سکندر کے درمیان تبادلہ کی گئی ای میلز اور ٹیکسٹ میسیجز کا ریکارڈ ہے۔ جو ہمیں خود جسٹس صاحب نے مہیا کیا ہے۔ بے شک تمہارا نمبر پرائیویٹ ہے' اور ای میل ان جانا' لیکن جسٹس صاحب کا نمبر تو اصلی ہے۔ جیسے ہی میں نے یہ فائل پراسیکیوشن آفس بھجوائی' فارس غازی پھر سے گرفتار ہوجائے گا۔ اور اس دفعہ تم بھی ساتھ ہی جیل جاؤ گے۔ تمہارا خاندان تمہیں کھودے گا سعدی!"
سعدی نے گہری سانس لی۔ کرسی کھینچی۔ واپس ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔
"اور اگر میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں تو۔؟"
اب کے ہاشم کھل کر مسکرایا۔ جواہرات نے بھی مطمئن سی سانس خارج کی۔ نوشیرواں ہنوز خاموش تھا' اور خاور۔ وہ اب بھی غیر آرام دہ سا کھڑا تھا۔ کچھ تھا جو اسے ڈسٹرب کررہا تھا۔ کچھ غلط تھا۔
"میرا خیال ہے ہم ایک معاہدے کو پہنچ سکتے ہیں۔"
ہاشم نے کڑوی چائے کا کپ اٹھایا' گھونٹ بھرا اور پھر اسے ہاتھ میں پکڑے کہنے لگا۔
"پاکستان میں ایک انسان کی دیت کتنی ہے؟ یہی کوئی تیس اکتیس لاکھ روپے۔ میں تمہیں کروڑ دوں گا۔ دیکھو' یہ رشوت نہیں ہے' دیت ہے۔ تمہارا حق ہے کہ تم اپنے ماموں کی دیت لو۔ میں تمہیں خرید نہیں رہا۔ کفارہ ادا کررہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے' جو بھی میں نے کیا۔ وہ غلط تھا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ!" افسوس سے سہلاتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ "لیکن میں بھی تو خوش نہیں ہوں۔ اس کے بعد دیکھو' میرا باپ بھی مرہی گیا' بے شک قدرتی موت تھی' مگر میں نے کسی کو کھونے کا غم اٹھایا۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری) میری شادی ٹوٹ گئی۔ میری بچی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی۔ مجھے دوبارہ گھر بنانے کی تمنا ہی نہیں ہی۔ اب صرف کام پہ دھیان دیتا ہوں۔ میں نے بھی بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میں اپنی سزا کاٹ رہا ہوں۔ اب تم مجھے مزید کیا سزا دینا چاہتے ہو؟ دیکھو' بچے' اگر تم آنکھ کے بدلے آنکھ مانگو گے' تو ساری دنیا اندھی ہوجائے گی۔ تم معاف کرنا سیکھو' درگزر کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ بیس کروڑ لو' اپنی فیملی کو باہر سیٹل کرو' میں تمہیں امریکہ میں کسی بہترین کمپنی میں جاب دلوادوں گا' میرا وعدہ ہے! یا چاہو تو ہم مل کر نوشیرواں کی کمپنی چلاسکتے ہیں۔ تم پچاس فیصد کے پارٹنر ہو گے۔ جو تم تھرکول میں کررہے ہو' وہی پرائیویٹ سیکٹر میں کرو۔ تم سائنس دان لوگ سرکاری اداروں میں صرف ضائع ہوجاتے ہو۔ میرے پاس آو' میرے ساتھ کام کرو۔" بہت سکون' نرمی اور امید سے ہاشم نے کہا۔ سعدی ہلکی مسکراہٹ سے اسے دیکھے گیا۔
"تیس کروڑ دیں گے آپ مجھے؟ میرے خاندان کے ایک مرد کے بدلے میں؟"
"ہوں۔" ہاشم نے سر اثبات میں ہلایا۔ سعدی آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں آپ کو ساٹھ کروڑ دوں گا' مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے اس آدھے مرد جتنے بھائی کا گلا گھونٹ کر اسے پنکھے سے

لٹکادوں اور کہوں کہ یہ خودکشی ہے۔ منظور ہے؟"

کمرے کا درجہ حرارت بدل گیا۔ نوشیرواں کے بدن میں شرارے دوڑے' وہ بھڑک کر کھڑا ہوا۔ (آدھا مرد؟) کہ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود سعدی کی طرف دیکھا تو چہرے پہ بے پناہ سختی تھی۔

"میرے بھائی سے تمہارا خاندان مقابلہ نہیں کر سکتا' اس لیے کوشش بھی مت کرو۔" برہمی سے چبا چبا کر وہ بولا۔

ساتھ کھڑی جواہرات بھی آنکھوں میں تپش لیے سعدی کو گھور رہی تھی۔ "تم اپنی بات کرو۔ کیا لوگے اپنا منہ بند رکھنے کے لیے۔"

"منہ بند نہیں رکھوں گا' آج ہی جا کر سب کو سچائی بتادوں گا۔ جرم کیا ہے تو بھگتنا پڑے گا ہاشم بھائی!" وہ بھی اتنی ہی سختی سے بولا تھا۔ ہاشم تاسف سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہمیشہ میں نے فیملی کی طرح ٹریٹ کیا؟ کیا تم وہی نہیں ہو جو خود بھی ایک جج کو بلیک میل کرنے کا جرم کر چکے ہو؟"

سعدی ایک دم ہنس دیا۔ ہاشم بھی تلخی سے مسکرایا۔

"اس میں مزاحیہ کیا بات تھی؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے مسکراہٹ دباتے سر جھٹکا۔ "ایک کتاب میں فجر میں روز پڑھتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں اس میں پرانی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے' مگر میں آپ کو بتاؤں اس کی پرانی کہانیوں میں بہت کچھ ہے۔ اسی میں ایک کہانی ایک چرواہے کی بھی ہے' کسی زمانے میں اس چرواہے کو ایک بادشاہ نے ایڈاپٹ کیا تھا مگر جب برسوں بعد خدا نے اس کو اسی محل کے دربار میں کلمہ حق کہنے بھیجا تو بادشاہ وقت نے کہا۔ آپ وہی نہیں ہیں موسیٰ' جو ایک قتل کر کے یہاں سے بھاگ گئے تھے؟ تو مجھے اس حسن اتفاق پہ ہنسی آئی۔"

"یہ بہت دلچسپ لیجنڈ ہے مگر میرے پاس وقت کم ہے۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بات کاٹی۔ "تمہیں میرے پیسے رکھ لینے چاہیے تھے' مگر تم نے نہیں رکھے۔ تمہاری مرضی۔ اب سنو۔ اگر۔۔۔" سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی سنگینی در آئی۔ "اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا' تو میں تمہاری فائل آگے کردوں گا۔ پوری دنیا جان جائے گی کہ تم اور فارس فراڈ ہو' اور یہ کہ تمہاری بہن نے کس طرح بورڈ ایگزام میں چیٹنگ کی ہے۔ تم تینوں رات تک تھانے میں بند ہوگے۔"

اور سعدی یوسف کو لگا' ساری کائنات تھم گئی ہے۔ یہ ناممکن۔۔۔ ناممکن تھا کہ ہاشم یہ بات جانتا ہو۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری بہن کے بارے میں بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی محنت سے بورڈ ٹاپ کرتی رہی ہے۔" غصے سے وہ غرایا تھا۔

"ہمیشہ کا تو نہیں پتا مگر دو ہفتے پہلے اپنے آخری پیپر میں جب وہ چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور اس نے مجھے وہاں بلایا تھا تو۔۔۔" ہاشم سرسری انداز میں کہتے اس کے تاثرات دیکھ کر رکا' چہرے پہ ایک دم حیرانی لے آیا۔ "اوہ۔ اس نے تمہیں نہیں بتایا؟"

سعدی کی آنکھیں غصے اور اچنبھے سے سکڑیں۔

"کیا کہانیاں سنا رہے ہیں آپ مجھے؟"

"سعدی!" جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا۔ "تمہاری بہن دو ہفتے قبل' سونی کی پارٹی کی صبح اپنے پیپر کے دوران چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی اور اس نے ہاشم کو مدد کے لیے بلایا تھا۔ تمہیں تو ہاشم کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے معاملہ رفع دفع کردیا۔"

سعدی کا غصہ' بے یقینی میں بدلتا گیا۔ اس نے باری باری ان سب کے چہرے دیکھے۔ "مجھے آپ کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔"

ہاشم نے جواب دینے کے بجائے ایک نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور موبائل کو ہاتھ میں گھماتے' سعدی کو مسکرا کر دیکھتے دوسری جانب جاتی گھنٹی سننے لگا۔

"جی السلام علیکم کاردار صاحب۔" فون جلد ہی اٹھالیا گیا۔

"وعلیکم السلام خواجہ صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔" وہ کہہ فون پہ رہا تھا اور دیکھ سعدی کو رہا تھا۔ سعدی خاموش تھا، چبھتی، مشتبہ نگاہیں ہاشم پہ جمی تھیں۔

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ سنائیے؟"

"میں نے اس بچی کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ یاد ہے آپ کو، آپ کے کالج میں بی اے کے اگزام میں جو بچی چیٹنگ کرتی پکڑی گئی اور اس نے مجھے بلوایا تھا۔"

"جی، جی سپرنٹنڈنٹ صاحبہ نے مجھے بعد میں تمام صورت حال بتادی تھی۔ حنین یوسف نام تھا اس کا اور رول نمبر تھا، 13051 ۔ آپ نہ ہوتے تو جناب اس کے پیپر پہ سرخ کانٹا لگنا ہی تھا۔"

سعدی کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کے قدموں سے آہستہ آہستہ جان نکل رہی تھی۔ قطرہ بہ قطرہ۔

"یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے جی۔" ہاشم نے اس کا چہرہ دیکھتے تشکر سے سر کو خم دیا۔ "ویسے اب بھی اگر آپ اس کی رپورٹ کردیں تو سپرنٹنڈنٹ کی گواہی کافی ہوگی اس کا رزلٹ کینسل کروانے کے لیے؟"

"جی بالکل سر۔ جب اسے اس طرح بچا سکتے ہیں تو رپورٹ بھی کرسکتے ہیں۔ کیا رپورٹ کرنی ہے اس کی؟" وہ رازداری سے بولے۔ ہاشم مسکرایا اور وہ مسکراتے ہوئے بہت ہینڈسم لگتا تھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو بتاؤں گا۔"

"او کے، جی۔ اچھا کاردار صاحب، ایف ٹین میں میرا جو پلاٹ......"

"کل ڈنر پہ آیئے گا، وہیں بات کریں گے۔" سلسلہ منقطع کرکے اس نے موبائل میز پہ ڈالا۔

"بیٹھ جاؤ سعدی۔ اور ٹھنڈا پانی پیو۔" مسکرا کر نرمی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا، مگر وہ کھڑا رہا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں سرخی ابھر رہی تھی۔

"کیا اب یقین آیا کہ تمہاری بہن تم سے زیادہ مجھ پہ بھروسا کرتی ہے؟"

سعدی کی کنپٹی کی رگیں ابھرنے لگیں۔ سفید رنگت سرخ پڑنے لگی۔ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وہ غرایا۔

"اس جعلی کال سے مجھے رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ میری بہن ایسا کچھ نہیں کرسکتی۔ آپ صرف مجھ پہ دباؤ ڈالنے کے لیے ایسا کررہے ہیں، یہ آپ کی بھول ہے کہ اس طرح آپ ہمارے خاندان کو توڑ سکتے ہیں۔"

اس نے اندر جو طوفان برپا تھا، اس کو جن دقتوں سے چھپا کر اس نے بظاہر گردن اکڑا کر کہا، صرف اس کا دل جانتا تھا۔ قدموں میں لرزش تھی، دل ڈوب رہا تھا، مگر وہ سعدی تھا، اسے ابھی نہیں ٹوٹنا تھا۔ بس چند منٹ اور......

"تو جاؤ اپنی بہن سے پوچھ لو۔" ہاشم نے بس افسوس سے اتنا کہا گو کہ وہ خود بھی اس کے اتنے یقین پہ تلملا رہا تھا۔ سعدی غصے سے اسے دیکھتا میز پہ دونوں ہاتھ رکھے آگے جھکا۔

"میرے... خاندان... سے... دور رہیں، ہاشم بھائی!" خون رنگ ہوتی آنکھوں سے وہ بلند آواز میں غرایا تھا۔ "ورنہ میں وہ کروں گا آپ کے ساتھ کہ آپ کی نسلیں یاد رکھیں گی، اگر آپ کی نسلیں بچ پائیں، تو!"

پیچھے کاؤچ پہ بیٹھے نوشیرواں کے کان سرخ پڑے۔ صوفے کی گدی کو مٹھی میں زور سے بھینچا گویا ضبط کیا۔ دوسرا ہاتھ بار بار جیب کی طرف جاتا۔ خاور کی نگاہ بھی بار بار اس کے جیب کی طرف جاتے ہاتھ تک اٹھ جاتی۔

ہاشم ابھی تک ٹیک لگائے پرسکون بیٹھا تھا اس دھمکی پہ زخمی سا مسکرایا۔ "اتنا بغض ہے تمہارے دل میں میرے لیے تو ابھی تک مجھے ہاشم بھائی کیوں کہتے ہو؟" سعدی نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر الفاظ ختم ہوگئے اس سوال کا جواب خود اس کے پاس بھی نہیں تھا۔

"آپ کا لحاظ کر جاتا ہوں آج کے بعد نہیں کروں گا۔ دوبارہ میری بہن کا نام مت لینا۔ ہاشم کاردار!" انگلی اٹھا کر، سختی سے اسے دیکھتے تنبیہ کی اور اس سارے میں پہلی دفعہ ہاشم کے چہرے پہ شدید تکلیف ابھری۔ کہیں کچھ چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔ کبھی نہ جڑنے کے لیے۔

جواہرات نے وہ تکلیف دیکھ لی تھی فوراً "تپ کر اسے مخاطب کیا۔

"تو پھر جاؤ، اور اپنے خاندان کی فکر کرو، ہماری نہیں۔"

سعدی نے تنفّر سے سر جھٹکا۔

"موتوبغیضکم!" قرآن کے دو الفاظ بلند آواز میں پڑھے۔ (مرجاؤ اپنے غصے میں تم لوگ!) کرسی کو پیر سے ٹھوکر ماری اور سرخ آنکھوں سے ان دونوں کو گھورتے مڑ گیا۔ ہاشم نے اسی تاسف سے اسے باہر جاتے دیکھا۔

دروازہ بند ہوا تو وہ تعجب اور افسوس سے بولا۔ "یہ اتنا بے وقوف ہو گا میں نے نہیں سوچا تھا۔ "نوشیرواں سعدی کے پیچھے گیا تھا، خاور بھی احتیاطاً" جانے لگا مگر ہاشم کی بات نے اسے روک دیا۔

"میرا نہیں خیال سر! کہ وہ بے وقوف ہے۔ جب اسے آڈیو ملی، میں نے کہا تھا، یہ لڑکا گڑبڑ ہے مگر آپ نے تب بھی اسے انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا اب پھر آپ وہی کر رہے ہیں۔"

"بس کرو یار۔" ہاشم نے بے زاری سے لیپ ٹاپ کھول کر سامنے کیا۔ "وہ ایک معصوم بچہ ہے، مجھ سے جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ دیکھا نہیں کیسے ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔" ناک سے مکھی اڑاتے وہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ خاور نے بے چینی سے پہلو بدلا، مگر وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہے۔

"مجھے نہیں لگتا، وہ سچ بول رہا تھا سر۔ مجھے لگتا ہے، وہ اداکاری کر رہا تھا۔ وہ کسی اور چکر میں تھا۔" وہ خود بھی متذبذب تھا۔ جواہرات نے اکتا کر اس کو دیکھتے ناک سے مکھی اڑائی۔

"بہت ہو گیا سعدی نامہ اب بس کرو۔" اور وہ ہاشم کے سامنے کرسی پہ آکر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ گردن کی مالا کے موتیوں پہ انگلی پھیرتے سوچتے ہوئے ہاشم کو مخاطب کیا۔ "کیا وہ کسی کو بتائے گا؟"

"بتانا ہوتا تو اب تک بتا چکا ہوتا۔ اسے پتا ہے، کوئی اس کا یقین نہیں کرے گا۔ ابھی غصے میں گیا ہے۔ ٹھنڈا ہو گا تو میں بات کروں گا اس سے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ خاور، یہ رپورٹ میں نے تمہیں کہا تھا کہ..."

ہاشم نے اسکرین پہ کچھ دیکھتے خاور کو اشارہ کیا تو وہ جو گاہے بگاہے بند دروازے کو بے چینی سے دیکھ رہا تھا، بادل نخواستہ اس کے قریب آگیا۔ جواہرات موبائل نکال کر میلز چیک کرنے لگی۔ وہ تینوں اس تماشے سے ساؤنڈ پروف دروازوں کے باعث بے خبر ہے، جو باہر ہو رہا تھا اور جس کا خاور کو ڈر تھا۔

☼ ☼ ☼

تم کو اپنی شکست دکھتی ہے؟
یا مرے حوصلے سے خائف ہو؟

سعدی جب آفس سے نکلا تو اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھیں گلابی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اس نے ہاشم کے آفس کے باہر ہال پار کیا جس میں صرف حلیمہ سیکریٹری کا ڈیسک تھا۔ آگے لمبی راہداری تھی جس کے آگے لفٹ تھی۔ جگہ ایسی تھی کہ ہاشم کے آفس میں کون آرہا ہے کون جا رہا ہے اس کا علم حلیمہ یا چند گارڈز کے علاوہ اس فلور پہ کسی اور کو نہیں ہوتا تھا۔

اور ابھی ہاشم کے آفس سے نکلنے والے لڑکے کا چہرہ ایسا بے رنگ ہو رہا تھا کہ وہ بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اور پھر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔ سعدی کے عقب میں نوشیرواں لمبے لمبے ڈگ بھرتے آتا دکھائی دیا۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ لیے اس کا انداز جارحانہ تھا۔ سعدی کے ساتھ سے گزر کر وہ سامنے آکھڑا ہوا۔ سعدی رکا، گلابی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ میرے بارے میں کیا بکواس کر رہے تھے تم؟" نوشیرواں نتھنے پھلائے، غصے سے پھنکارا۔ "اس وقت تو میں خاموش رہا کیوں کہ......"

"کیوں کہ نوشیرواں، جب دو مرد آپس میں بات کر رہے ہوں تو تمہیں چاہیے کہ تم خاموش ہی رہو۔" سعدی سرخ پڑتی آنکھوں سے، بلند آواز میں ایسے چبا چبا کر بولا کہ نوشیرواں کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ منہ یوں ہو گیا جیسے طمانچہ مارا گیا ہو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، کن انکھیوں سے اسے نظر آیا۔ ہاشم کی سیکریٹری نے ہنسی چھپانے کو چہرہ جھکایا تھا۔

نوشیرواں نے لال بھبھوکا چہرہ اس طرف پھیرا۔ (کیا یہ ہنسی روک رہی ہے؟ کیا یہ مجھ پہ ہنسی ہے؟ کیا یہ مجھ پہ ہنسی ہے؟) وہ ایک دم جارحانہ انداز میں اس ڈیسک تک آیا۔

"کیا فنی لگ رہا ہے تمہیں؟ ہاں؟" زور سے زمین پہ رکھے سسٹم یونٹ کو ٹھوکر ماری۔ بھاری یونٹ ایک طرف کو لڑھکا۔ حلیمہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہکا بکا سی وہ اٹھی۔

"سر... آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"بکواس کرتی ہو میرے آگے۔" نوشیرواں نے برہمی سے بازو مار کر میز کی چیزیں گرا دیں۔

"میرا غصہ ایک کمزور لڑکی پہ نکال رہے ہو؟ مرد بنو نوشیرواں۔ مرد بنو!" اور بس ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈال کر، اپنا فون اٹھا کر، آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں تلملا کر واپس گھوما تو دیکھا۔ حلیمہ اسی طرح پریشان کھڑی تھی۔ چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ سعدی پہ دبا سارا غصہ اور عود کر آیا۔

"کھڑی شکل کیا دیکھ رہی ہو میری؟" وہ آگے بڑھا۔ زور سے اس کی کمپیوٹر اسکرین کو دھکا دیا۔ وہ الٹ کر دوسرے طرف جا گری۔ حلیمہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ ہراساں نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔ جس کے نقش غصے سے بگڑ رہے تھے۔ اسے لگا وہ ابھی کے ابھی اسے نوکری سے نکل جانے کا کہے گا مگر نوشیرواں کے ذہن پہ اس وقت دوسری چیزیں سوار تھیں۔ سعدی کی لفٹ جا چکی تھی۔ شیرو دوسری لفٹ کی طرف لپکا۔

☆ ☆ ☆

جرم کی نوعیت میں کچھ تفاوت ہو تو ہو
در حقیقت پارس تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

کچہری کی راہداری میں انسانوں کا جم غفیر تھا۔ کوئی آ رہا تھا، کوئی جا رہا تھا۔ ایسے میں احمر رستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اپنے لاپروا حلیے کے برعکس، آج وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا، کف بھی بند تھے، اور بال بھی پیچھے سیٹ کر رکھے تھے۔

وہ رکا۔ ایک ادھ کھلے دروازے کے اندر وہ بیٹھی دکھائی دی۔ میز کے اس پار کرسی پہ براجمان، سر جھکائے، فائل پہ روانی سے قلم چلاتی۔ گھنگریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے، اور ایک لٹ جھک کر فائل کو چھو رہی تھی۔

احمر "فوراً" سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ چند لمحے کے لیے سوچتا رہا۔

(یہ میری طرف سے غازی کی شادی کا تحفہ ہے۔ مگر....) وہ رکا۔ (جب میں چڑیل کی غلط فہمی دور کروں گا اور اسے حقیقت بتاؤں گا کہ وہ میری غلطی تھی، ورنہ غازی نے اسے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تو وہ کیا کرے گی؟ ہوں... سوچنے دو۔"

دیوار سے ٹیک لگائے، اس نے آنکھیں بند کیں اور تصور کرنا چاہا۔

دروازہ کھٹکتا ہے، زمر چہرہ اٹھا کر اسے دیکھتی ہے، چونکتی ہے۔ "احمر شفیع؟" ابرو اٹھاتی ہے، پھر اندر آنے کے لیے سر کو خم دیتی ہے۔ وہ جھجکتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ تذبذب سے سلام کر کے کہتا ہے۔

"آپ کو شادی مبارک ہو۔ میں پہلے اس لیے نہیں آیا کہ آپ کا غازی سے کوئی رشتہ نہیں تھا، مگر اب رشتہ ہے، سو مجھے آپ کی یہ غلط فہمی دور......"

اور وہ بات کاٹ کر کہتی ہے۔ "تمہید چھوڑیں، اور کام کی بات پہ آئیں۔" وہ گہری سانس بھر کر رہ جاتا ہے، پھر جلدی جلدی بتانے لگتا ہے۔

"اس دن غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا۔ جعلی مخبری کرنے۔ وہ آپ کو استعمال نہیں کررہا تھا' یہ میری غلطی تھی۔"

وہ ایک دم حیرت زدہ رہ جاتی ہے 'مضطرب سی کھڑی ہوتی ہے۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"جی میم۔" اور وہ مزید تفصیل بتانے لگتا ہے۔ وہ جیسے جیسے سنتی جاتی ہے اس کا رنگ زرد پڑتا جاتا ہے یہاں تک کہ آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

"یعنی کہ اس نے کچھ نہیں کیا' اور میں ایسے ہی اتنے سال اس کو مورد الزام ٹھہراتی رہی۔ اوہ میرے اللہ!" وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھ جاتی ہے۔

"کیا وہ مجھے معاف کردے گا؟ میں نے اس کو اتنا غلط سمجھا۔"

"اونہوں!" احمر نے برا سا منہ بنا کر آنکھیں کھولیں۔ تصور غائب ہوا۔ راہداری میں لوگوں کا شور سماعتوں میں گونجنے لگا۔ اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔ "یہ چڑیل اتنی ایموشنل نہیں ہوسکتی۔ اونہوں۔ یہ کچھ اور کرے گی۔"

اس نے پھر سے آنکھیں بند کرکے سوچنا چاہا۔ تصور کا پردہ روشن ہوا۔

وہ زمر کے سامنے کھڑا ہے اور اسے بتا رہا ہے۔

"وہ میری غلطی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا۔"

اور ایک دم غصے سے کھڑی ہوتی ہے۔ "تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری بکواس پہ یقین کرلوں گی؟ یہ کہانی کسی اور کو جاکر سناؤ۔ میں جانتی ہوں کہ اس روز اسی نے تمہیں میرے پاس مخبری کرنے کے لیے بھیجا تھا۔" اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ کہتی ہے۔

"اف!" احمر نے تلملا کر آنکھیں کھولیں۔ بے بسی سے چوکھٹ تک گردن نکال کر جھانکا۔ جہاں وہ پُرسکون سی' سر جھکائے فائل پہ لکھتی جارہی تھی۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ جی کڑا کرکے اوٹ سے نکلا اور دروازے کو انگلیوں سے بجایا۔

لکھتے لکھتے زمر نے سر اٹھایا' اسے دیکھ کر وہ چونکی۔

"احمر شفیع؟" ابرو اٹھا کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر قلم بند کرکے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی۔ سر کے خم سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ متذبذب سا اندر داخل ہوا اور سلام کیا۔ تھوک نگل کر خشک گلا تر کیا۔ اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔

"میں آپ کو شادی کی مبارک باد دینے آیا تھا' اور ساتھ میں ایک پرانی غلط فہمی بھی دور کرنا تھی۔"

وہ خاموشی مگر نرمی سے اس کو دیکھتی رہی۔

"وہ جعلی مخبری جو میں نے کی تھی' وہ مجھے آپ کے پاس جاکر نہیں کرنی تھی۔ غازی نے مجھے بصیرت صاحب کے پاس بھیجا تھا' وہ نہیں تھے تو میں نے آپ کو بتادیا' یہ میری غلطی تھی۔ اس کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں اس طرح کروں گا۔" (سانس روکے) احمر نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی' پھر اسی پُرسکون اور نرم انداز میں بولی۔ "مجھے پتا ہے۔"

احمر کے سارے تصورات بھک سے اڑ گئے۔ "جی!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"مجھ سے ہی تو آپ نے پوچھا تھا بصیرت صاحب کا۔ وہ نہیں تھے' تو آپ نے مجھے بتادیا' میں سمجھ گئی تھی۔"

احمر تیزی سے دو قدم آگے آیا۔ "مطلب کہ... آپ جانتی ہیں سب۔ تو پھر آپ غازی سے خفا کیوں ہیں؟"

"کیوں کہ اس نے مجھے استعمال کرکے جیل توڑنی چاہی۔" ہلکے سے کندھے اچکا کر وہ اسی سکون سے بولی۔ احمر الجھن سے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مگر۔ ابھی آپ نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ میری غلطی تھی۔ تو...؟"

زمر چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر گہری سانس لے کر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "بیٹھیے احمر۔"

(اتنی عزت؟) کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سوچتا مگر ابھی وہ فوراً" سے کرسی سنبھال کر بیٹھا۔ آگے کو ہوتے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ ہماری شادی کے بارے میں "بہت کچھ" جانتے ہیں۔ میں اپنے ذاتی معاملات یوں ڈسکس نہیں کرتی' مگر چونکہ موضوع آپ نے چھیڑا ہے اور اس سے آپ کا تعلق بھی ہے' اس لیے۔ مجھے بتایئے۔ اس روز کیا تاریخ تھی جب آپ میرے پاس جعلی مخبری لے کر آئے تھے؟"

"آ۔۔۔ پتا نہیں۔" وہ گڑبڑایا۔

"اس روز سولہ تاریخ تھی۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ اس کے بعد فارس سے ملنے میں کس دن جیل آئی تھی؟"

"یقین کیجیے' جیل میں مجھے کیلنڈر نہیں دیا گیا تھا' گو کہ یہ میرے پریزن رائٹس کے خلاف تھا' مگر۔۔۔"

"اکیس۔ میں اکیس تاریخ کو دوبارہ جیل آئی تھی۔ اور میں نے فارس کو بہت سنائی تھیں یعنی چار دن بعد۔ ٹھیک؟"

"جی۔ ٹھیک!" وہ توجہ سے سن رہا تھا۔

"آپ نے کس دن فارس کو بتایا کہ یہ مخبری آپ نے میرے سامنے کی ہے؟"

"اسی دن سولہ تاریخ کو۔ جاتے ساتھ ہی بتا دیا۔ بہت غصہ ہوا مجھ پہ۔ اس نے کہا کہ وہ آپ کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور۔۔۔" جوش سے بولتے بولتے وہ رکا۔

زمر ادا سی مسکرائی۔ "اور پھر فارس نے کیا کیا' احمر؟"

اور احمر کو لگا اس کے منہ پہ چابک دے مارا گیا ہو۔ وہ ہونقوں کی طرح زمر کی شکل دیکھنے لگا۔ "پھر؟" اس نے غائب دماغی سے دہرایا۔

"آپ مجھے یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ بے قصور ہے کیوں کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ وہ قصوروار ہے کیوں کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔"

احمر بس شل سا اسے دیکھے گیا۔ کیا وہ فارس کی حمایت میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے سامنے کی بات نظر نہیں آئی؟

"سولہ تاریخ کو آپ نے اسے بتایا کہ آپ نے مجھے استعمال کیا ہے' مجھے اندازہ تھا' یہ بات آپ اسے جاتے ساتھ ہی بتائیں گے۔ پھر آگے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ کیا ہوا۔" وہ تحمل سے کہہ رہی تھی۔

"وہ آپ پہ خفا ہوا' غصہ ہوا۔ اور پھر۔۔۔ وہ چپ ہو گیا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اسے چار دن دیے۔" انگوٹھا بند کر کے چار انگلیاں دکھائیں۔ "چار دن تاکہ وہ اپنی غلطی کو درست کر لے۔ مجھے یقین تھا' یہ صرف ایک غلطی ہے۔ اٹھارہ تاریخ کو اسے جوڈیشل ریمانڈ کی توسیع کے لیے عدالت لایا گیا۔ کاریڈور میں' میں نے اسے گزرتے ہوئے دیکھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اس نے مجھے وہاں روک کر کہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ مگر اٹھارہ تاریخ کو وہ مجھے دیکھ کر خاموشی سے گزر گیا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ ایک دفعہ وہ کہہ دے' یہ احمر کی غلطی تھی' ہم آپ کو استعمال نہیں کر سکتے' مگر اس نے پلان جاری رکھا۔ اس۔۔۔ نے۔۔۔ پلان۔۔۔ جاری۔۔۔ رکھا۔۔۔ احمر!"

احمر بالکل لاجواب سا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ وہ وقت تھا جب میں نے ڈھائی سال تک اس کی بات نہیں سنی' کیوں کہ مجھے ڈر تھا' میں اسے معاف کر دوں گی اور جب وہ میرے سامنے آیا تو میں نے شاید اسے معاف کر بھی دیا تھا' میں اس کے کیس کی خود تحقیق کرنے جا رہی تھی' میں سب کچھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی' میرا دماغ کہتا تھا' وہ اتنے گواہ جنہوں نے اسے گن لے کر ہوٹل کے کمرے میں جاتے دیکھا ہے' جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے ہوسٹل کے کمرے سے رات کو نکلتے دیکھا ہے' وہ سب سچ کہہ رہے ہیں؟ مگر دل کہتا تھا' میں اسے ایک چانس اور دوں۔ اور میں نے دیا۔ احمر صاحب' میں نے اس کو چار دن دیے کہ وہ اپنی غلطی درست کر لے۔ ٹھیک ہے' اسے نہیں پتا تھا' مگر جب پتا چل گیا تب کیا کیا اس

نے؟ کیا مجھے بتایا کہ ہم riots نہیں جیل توڑنے جارہے ہیں؟ کیا سوچا کہ فرار کے بعد میرا کیا بنے گا؟ میں ایک عورت ہوں۔ ایک عورت کے ساتھ یہ پوری کچہری کیا کرے گی؟ اس کو معلوم تھا سب مگر اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس دن میں نے ہمیشہ کے لیے فارس پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب مجھے اس پہ اعتبار ہی نہیں رہا۔ پھر بھی جب میں اس کے پاس گئی تو اس سے کہا کہ تم نے اپنے سائیڈ کک (احمر کے ابرو بھنچے) کو میرے پاس بھیجا تو یہ کہتے ہوئے بھی میری خواہش تھی کہ وہ کہہ دے... مجھے تو نہیں پتا میں نے تو کچھ اور کہا تھا مگر اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔ یعنی وہ جانتا تھا کہ آپ مجھے کہہ آئے ہیں اور اس نے کچھ نہیں کیا۔ معافی بھی نہیں مانگی۔ احمر کیا اسے معافی مانگنی نہیں چاہیے تھی؟"

احمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ "اس نے شاید اس لیے..." وہ ٹھہر گیا۔ ساری دلیلیں ختم ہو گئیں۔ بے بسی سے اس نے زمر کو دیکھا۔ "یہاں اس کا قصور ہے مگر اس نے وہ قتل نہیں کیے۔" وہ نگاہیں زمر کے چہرے سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ جو پرسکون سی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی مگر اطمینان بھی تھا۔

"جب آپ کا ایک دھوکا سامنے آجائے تو آپ کے سارے سچ مشکوک ہو جاتے ہیں اور یہ مت کہیے کہ اس نے وہ قتل نہیں کیے۔ آپ کے چہرے پہ لکھا ہے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔"

احمر نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ "مجھے نہیں پتا وہ بے گناہ ہے یا نہیں، اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ اگر سوچوں تو وہ قاتل لگتا ہے، مگر وہ میرا دوست ہے، مجھے اس کی ہر بات ٹھیک لگتی ہے۔ آئی ایم سوری۔ ہم نے بہت غلط کیا۔" خفت سے گردن قدرے جھکا کر وہ بولا۔

"مجھے آپ کی معذرت سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔" نرمی سے کندھے اچکا کر وہ بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر اٹھ گیا۔

"مگر آپ کو کبھی یہ معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے اور اسے پھنسایا گیا ہے تو آپ کیا کریں گی؟"

"وہ بے گناہ نہیں ہے، کم از کم مجھے اس پہ اب یقین نہیں آتا۔"

"میں دوبارہ آپ سے معذرت کرتا ہوں۔" اس کا آفس چھوڑنے سے پہلے احمر نے پھر سے کہا تھا۔ زمر نے سر کو بس خم دیا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس نے معذرت قبول نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

لغزشوں سے ماورا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں
دونوں انسان ہیں، خدا تو بھی نہیں، میں بھی نہیں

احمر اپنے کچن کے اونچے اسٹول پہ، سوچ میں گم بیٹھا تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر بھاری قدم قریب آتے سنائی دیے۔

"کیوں بلایا ہے؟" فارس بے نیازی سے پوچھتا ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھ لیں اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا جو آنکھیں چھوٹی کر کے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

"اے! ہیلو!" فارس نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی۔ وہ چونکا نہیں بس آہستہ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آج کچہری گیا تھا کسی کام سے۔ میڈم زمر سے ملاقات ہوئی۔"

"پھر؟" فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

"یار! ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی۔ لعنت ہے ہمارے اوپر۔"

وہ پہلے قدرے حیران ہوا، پھر ناگواری سے لب بھینچ لیے۔ چہرہ موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔

"یہ قصہ کیوں دہرا رہے ہو؟"

"ہم نے ایک لڑکی کو استعمال کیا یار!" وہ سخت پُرملال تھا۔

"ایک منٹ۔ میں نے تمہیں دوسرے وکیل کے لیے پیغام دیا تھا، یہ تمہاری غلطی تھی۔" خفگی سے اس

نے بات کاٹی۔

"اور پھر تم نے کیا کیا؟" وہ بھی اتنی ہی درشتی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے میری غلطی کو ٹھیک کیا؟ مجھے ایک دفعہ بھی کہا کہ جا کر اس کو سب بتا دیتے ہیں۔ تمہیں پتا تھا کہ ایسی مخبری پہ کارروائی کے بعد اگر ہم فرار ہو گئے تو اس کے ساتھ کیا ہو گا، مگر تم نے سب کچھ چلنے دیا۔"

"ایسے ظاہر مت کرو جیسے تم نے کچھ نہیں کیا۔" وہ برہم ہوا۔

"مگر میں اس کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ غازی تمہیں، کم از کم تمہیں پلان جاری نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اور پھر بعد میں تمہیں اس سے معافی بھی مانگنی چاہیے تھی۔ وہ قتل تم نے نہیں کیے ہوں گے، تم بے قصور ہو گے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم زندگی میں ہر معاملے میں بے قصور ہو۔ تم نے واقعی اس کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔" سنجیدگی سے وہ کہہ رہا تھا۔ فارس تنے ابرو کے ساتھ چہرہ موڑے سامنے دیکھتا رہا۔ چند پل ایک شدید تناؤ کی کیفیت میں خاموش گزرے۔ پھر وہ اسی خفگی سے بولا۔

"میں کیوں معافی مانگتا؟ میں نے اس پہ گولی نہیں چلائی تھی۔"

احمر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔ تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی۔ تم نے اس کا دل توڑا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔" ملامتی انداز میں کہہ کر وہ اٹھ گیا اور گھوم کر لاؤنج کی سمت آیا اور میز پہ رکھا موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ چند لمحے اس اظہار لاتعلقی کی نذر ہو گئے۔

فارس ابھی تک اونچے اسٹول پہ بیٹھا، خفگی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ احمر اس کی پشت پہ تھا۔ جب وہ مزید کچھ نہ بولا تو فارس نے گہری سانس لی۔

"مجھے پتا ہے، میں نے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا۔" پھر وہ گویا اکتا کر پیچھے گھوما۔ "میں ڈھائی سال سے جیل میں بند تھا، میرے پاس کوئی دوسرا راستہ۔"

"اوہ پلیز، کوئی وضاحت مت دینا۔ کسی کا دل توڑنے کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی۔" موبائل جیب میں رکھتے احمر نے چابیوں کا گچھا اٹھایا اور راہداری کی سمت بڑھ گیا۔

"اگر تمہیں خود جانا تھا تو کیوں بلایا مجھے؟" اس نے بے زاری سے پکارا۔

"یہ بتانے کے لیے کہ میں آج کے بعد اس کو چڑیل نہیں کہوں گا۔ دراصل آج مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنی بری نہیں ہے، جتنی کورٹ میں مجھے لگا کرتی تھی۔ اور ہاں!" دروازہ کھولتے کھولتے وہ رکا۔ مڑ کر سنجیدگی سے دور بیٹھے فارس کو دیکھا۔ "میرا خیال ہے وہ جو تمہارے ساتھ کر رہی ہے، تم وہ ڈیزرو کرتے ہو۔" پھر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

"بدتمیز۔" پہلے سے خراب موڈ اسٹیپنی نے مزید خراب کر دیا تھا۔ وہ اسٹول دھکیلتا خود بھی جانے کے لیے اٹھا اور یہ تب ہی تھا، جب ندرت کا فون آیا۔

"میں نے زمر کو کال کی تھی، اس نے بتایا وہ آفس میں ہے۔ تم دونوں یوں کرو، دوپہر میں ہماری طرف آجاؤ، سعدی صبح کہہ گیا تھا کہ شام کو ریسٹورنٹ کو کسٹمرز کے لیے بند کر کے باربی کیو کریں گے۔"

"رات کو ہاشم نے کھانے پہ بلایا ہے۔"

"میں نے زمر سے بات کر لی ہے، وہ کہہ رہی ہے، ہاشم سے معذرت کر لے گی۔ تم بھی آجاؤ۔" اور ندرت عجلت میں فون کاٹ گئیں۔ فارس نے بے زاری سے موبائل کو تکا۔

"اگر ہاشم سے معذرت کرنی ہی تھی تو میرے سامنے ہاں کرنے کیا ضرورت تھی۔" بے حد برے موڈ میں وہ وہاں سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

سانس روکے کھڑا تھا ملک الموت
سامنا دپ کو ہوا کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج کو کولر نے ٹھنڈ بخش رکھی تھی۔ کھانے کے برتن اٹھائے جا چکے تھے،

ندرت خوشی خوشی زمر کو کچھ بتارہی تھی جو صوفے پہ بیٹھی، نرمی سے مسکراتی ان کو دیکھ رہی تھی۔ حنہ قریب میں پیر اوپر کر کے بیٹھی ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے ناخن چبارہی تھی۔

"فارس کو دیکھو، آیا ہی نہیں، کب سے فون کیا تھا اسے۔" ندرت نے گھڑی دیکھتے ہوئے قدرے خفگی سے کہا۔ زمر بدقت مسکرا پائی۔

"سعدی کب آئے گا؟" موضوع تبدیل کیا۔

"پتا نہیں، آج کسی کام سے گیا تھا، شاید دیر ہو جائے۔"

اور عین اسی وقت بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ان تینوں نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ شاید تیزی سے اندر آیا تھا، اس لیے اگلے ہی لمحے راہداری عبور کر کے چوکھٹ پہ آن رکا۔ کوٹ پہنا ہوا تھا، مگر ٹائی ڈھیلی تھی، بال قدرے بکھر چکے تھے، اور دھوپ کی تمازت سے چہرہ تمتمایا ہوا لگ رہا تھا۔ ساتھ پہ پسینہ بھی تھا۔ مگر یہ اس کا حلیہ نہیں، کچھ اور تھا جس کے باعث وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔

جارحانہ انداز اور آنکھوں میں دبا غصہ۔ زمر کو دیکھ کر وہ چوکھٹ پہ تھما، سرخ غصیلی آنکھوں سے حنہ کو دیکھا۔ گردن ترچھی کر کے اشارہ کیا۔ "بات سنو میری!"

نہ سلام، نہ کچھ۔ حنین کے رسالہ پکڑے ہاتھ نم ہونے لگے۔ چہرہ بے رنگ ہوا۔ بھائی کو پتا چل گیا۔ حنہ ڈیڑھ برس کی محنت کے بعد بھی اپنا اعتبار کھونے سے نہیں بچا سکی۔ سب اکارت گیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

زمر کی نظروں نے سعدی سے حنین کے چہرے تک کا سفر کیا اور ایک دم پریشان نظر آنے لگی۔ سعدی کچھ کہہ کر رکا نہیں، مڑ گیا۔ حنہ مرے مرے قدموں سے اٹھی اور اس کے پیچھے گئی۔

"سعدی۔" ندرت نے فکر مندی سے پکارا، مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ کمرے میں آیا، کوٹ اتار کر کرسی پہ ڈالا، اور پلٹا تو حنہ انگلیاں موڑتی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ سعدی نے دروازہ پاؤں سے دھکیل کر بند کیا اور اس کی جانب گھوما۔ (دروازہ چوکھٹ سے ابھی چار انچ دور تھا جب باہر سے زمر نے ہینڈل تھام لیا۔ ذرا سی درز باقی رہ گئی۔)

"تمہارے آخری پیپر میں، جولاء اسکول میں تھا، کیا ہوا تھا؟ ہاں، کیا ہوا تھا؟" وہ طیش سے اسے گھورتے دو قدم مزید قریب آیا۔ حنہ نے ڈرتے ڈرتے پلکیں اٹھائیں۔

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"حنین! میں نے تمہیں رکھ کر تھپڑ مارنا ہے اگر تم نے مجھے سیدھی طرح پوری بات نہ بتائی تو۔ تم چیٹنگ کرتے پکڑی گئی تھیں اور تم نے ہاشم کو بلایا تھا، ہاں؟"

حنین کی سعدی کا چہرہ تکتی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ذرا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی کے قدموں تلے زمین سرکنے لگی۔ ہاشم صحیح کہہ رہا تھا۔ اس کے کان سرخ ہوئے۔

"تمہارا بھائی مر گیا تھا جو اس گھٹیا آدمی کو بلایا تم نے؟" وہ بے حد غم و غصے سے دھاڑا تھا۔

"تمہیں کیا پرابلم ہے اس بات سے؟" زمر ٹھنڈے انداز میں کہتی اندر داخل ہوئی۔ حنہ نے نم آنکھوں سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حنین کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ سعدی کے مقابل۔

"زمر! میں اپنی بہن سے بات کر رہا ہوں، آپ درمیان میں مت آئیں۔" اس نے غصے کو ضبط کرتے بمشکل لحاظ کیا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے وہیں کھڑی رہی۔ ہلی بھی نہیں۔

"مگر میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ ہاشم کو بلانے کے لیے میں نے کہا تھا اسے۔ اس نے پہلا فون مجھے کیا تھا۔" سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سکون سے بولی۔ حنین کا دل دھک سے رہ گیا۔

"مجھے پتا ہے، آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا۔" وہ اتنے ہی غصے سے بولا۔

"شاید تم بھول گئے ہو کہ میں تم سے آٹھ سال بڑی ہوں۔ اس لیے پہلی بات' مجھ سے ذرا تمیز سے بات کرو۔ دوسرا یہ کہ مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا فون ریکارڈ چیک کرلو بے شک۔"

سعدی کے تنے کندھے قدرے ڈھیلے پڑے' مگر غصہ بھری آنکھوں میں شکوک و شبہات لیے وہ زمر کو دیکھتا رہا۔

"اچھا اگر آپ کو یہ بات پتا تھی تو کیا نام ہے اس وکیل کا جو اس لاء کالج کا منتظم ہے اور جس سے ہاشم نے بات کرکے اس کو...." غصیلی نظر حنین پہ ڈالی۔ اس مسئلے سے نکلوایا تھا؟"

"راجہ عبدالباسط' ممبر ہائی کورٹ بار۔ کیا گھر کا ایڈریس بھی دوں ان کا؟" وہ اتنی برہمی سے بولی کہ سعدی کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

"اگر حنین نے آپ کو کال کیا تھا تو آپ خود کیوں نہیں گئیں؟ ہاشم کو کیوں انوالو کیا میرے گھر کے معاملے میں؟" وہ اب بھی مشکوک تھا اور غصہ پھر سے چڑھنے لگا۔

"کیوں کہ میں دن میں پچیس کام کرکے دیتی ہوں اس کے' دو چار وہ کردے گا تو احسان نہیں کرے گا۔" وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔ "اس وکیل سے میرے تعلقات اچھے نہیں ہیں' اس کے گروپ کو ووٹ نہیں دیا تھا میں نے' دوسرے بھی کئی مسئلے ہیں میرے ساتھ۔ میں جاتی تو مسئلہ مزید بگڑتا' اس لیے میں نے حنہ سے کہا کہ ہاشم کو کال کرتی ہوں۔ میرے کرنے سے پہلے حنہ نے کردی کال اور وہ پہنچ بھی گیا۔ تمہیں کیا پرابلم ہے اس سب سے؟"

"تم نے...." سعدی کے چہرے پہ اشتعال ابھرا' انگلی اٹھا کر سنگین انداز میں پوچھا۔ "تم نے چیٹنگ کی تھی یا نہیں؟"

اور یہ وہ سوال تھا جس کا جواب زمر کو بھی معلوم نہیں تھا' سو وہ اسی اطمینان سے حنین کی طرف گھومی۔

"بولو بھی حنین' اپنی پوزیشن کلیئر کرو' کھا نہیں جائے گا وہ تمہیں۔"

اور حنین جو اس وقت مختلف کیفیات کا شکار ہو رہی تھی' اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ "میں نے چیٹنگ نہیں کی تھی' پچھلی لڑکی نے ٹشو میں نقل لکھ کر مجھے دی کہ اگلی کو دوں۔ وہ ٹشو میرا نہیں تھا' نہ میں نے کچھ پڑھا اس میں۔ میں نے تو صرف ٹشو پاس کیا تھا۔ ایگزامنر نے مجھے دیکھا دوسروں کو نہیں' بس مجھے اٹھا دیا اور پھر...." وہ سارا واقعہ ٹھیک ٹھیک بتانے لگی۔

"تمہیں نہیں پتا تھا اس ٹشو میں کیا لکھا ہے؟" وہ سختی سے پوچھ رہا تھا اور ایک یہی نکتہ تھا جہاں پہنچ کر پچھلے دو ہفتے سے حنین کا دل ڈوبتا تھا۔

"مجھے پتا تھا' مگر...."

اور سعدی نے بے زاری سے سر جھٹکا۔ "تمہیں پتا تھا اور پھر بھی تم نے ٹشو آگے پاس کیا۔ تم نے ان کی اعانت کی۔ تم ان کی چیٹنگ میں شریک بنیں۔" نفی میں سر ہلاتے اس نے غصے اور صدمے سے حنہ کو دیکھا جس کے آنسو مزید تیزی سے گرنے لگے تھے۔ "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا حنین۔"

"اچھا اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" زمر نے اس کی توجہ حنین سے ہٹائی۔

"میں اسی وقت کھڑا ہو کر وہ ٹشو ایگزامنر کے حوالے کردیتا۔ اعانت جرم' جرم کرنے کے برابر ہوتی ہے۔"

"تم ایسا کر بھی سکتے ہو کیوں کہ تمہارے ساتھ کمرا امتحان میں لڑکے ہوتے' جو تھانے چلے جائیں' پرچہ کٹ جائے اور تین سال امتحان نہ دے سکیں تو کوئی قیامت نہیں آتی' مگر حنہ کے ساتھ لڑکیاں تھیں' اور ان کی عزت اگر خاک میں ملے تو پورا خاندان تباہ ہوتا ہے سعدی۔ کیا یہ ان دو لڑکیوں کو ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا دیتی؟" وہ تیز لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔ ساتھ ہی آنکھوں میں بے پناہ برہمی تھی۔

سعدی کے ماتھے کی تیوریاں قدرے ڈھیلی پڑیں' مگر پوری طرح نہیں۔

"اور اب کیا ہوگا؟ وہ وکیل اس چیز کو اب بھی استعمال کر سکتا ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے' میں اسے یہ کرنے دوں گی؟" اس نے الٹا حیرت سے سعدی سے پوچھا۔ کوئی بوجھ سا تھا جو سعدی کے دل سے سرکنے لگا۔ وہ رخ موڑ کر گہرے سانس لیتا خود کو کمپوز کرنے لگا۔ حنہ فکر مندی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی۔ اس کا سانس ابھی تک اٹکا تھا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا' ہاں؟" اس نے ملامتی نظروں کا رخ زمر کی طرف کیا۔

"تمہیں بتاتی تاکہ تم وہ کرو جو ابھی کر رہے ہو۔ آخر میں ہو تو فارس کے ہی بھانجے نا۔ (فی الحال وہ دونوں بھانجی بھانجے اس ریفرنس پہ احتجاج کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اسی تیز' برہم انداز میں بولتی گئی۔) اور تم کیا کر لیتے وہاں آکر سوائے مسئلہ بڑھانے کے؟ میں نے وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔ حنہ نے بھی وہی کیا جو اسے ٹھیک لگا۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے' جب تم انگلینڈ میں مزے کر رہے تھے۔ (سعدی نے اس لفظ پہ بے اختیار ابرو اٹھائی۔) تو یہاں زمر اور حنین اپنے مسئلے خود حل کر رہی تھیں۔ کیا ہم نے تمہیں بتایا حنہ کی اس کلاس فیلو کے بارے میں جو اسے ہراساں کر رہی تھی' یا اس وائس پرنسپل کے بارے میں' جو غلط طریقے سے اس کی محنت چرانا چاہ رہی تھی یا ان لوگوں کے بارے میں' جن کو میں اور حنہ گھر جا کر ان کی غیر قانونی جائیداد کے خلاف کارروائی کی دھمکی دے کر آئے تھے۔ ہم نے تو بہت سارے مسئلے اکٹھے سلجھائے ہیں' کس کس کا بتاؤں میں تمہیں؟"

ایک واقعہ کو تین سے ضرب دے کر اس نے کہا تو سعدی کا غصہ جاتا رہا۔ وہ واقعی ٹکر ٹکر دونوں کی شکل دیکھنے لگا۔

"میری بات کان کھول کے سنو سعدی! آئندہ اس لہجے میں اپنی بہن سے بات مت کرنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" انگلی اٹھا کر سختی سے اس کو وارننگ دی۔ "اب باہر نکلو تو تم دونوں کا موڈ ٹھیک ہونا چاہیے۔ بھابھی کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔" ایک آخری ناراض نظر ان پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

پیچھے سعدی اور حنین کے درمیان خاموشی حائل ہوگئی۔ وہ جھکی' بھیگی پلکوں کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ گو کہ ابھی تک خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا' مگر صاف ظاہر تھا' وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے صرف اس لیے نہیں بتایا کہ مجھے لگا' آپ مجھے غلط سمجھیں گے' مگر میں آپ کو بتانے والی تھی۔"

"اگر تم غلط نہیں تھیں تو میں تمہیں کیوں غلط سمجھتا؟ زمر جو بھی کہیں' تم لوگوں کو مجھ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ ہم ایک فیملی ہیں' ہم ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپا سکتے۔"

"آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ نے دوبارہ چیٹنگ کا سنا تو ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔"

"اُفوہ!" سعدی نے جھلا کر سر جھٹکا۔ "امی دن میں پچاس دفعہ کہتی ہیں کہ تمہاری ٹانگیں توڑ دیں گی' کبھی آج تک توڑیں؟"

حنین نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

"انسان تنبیہہ کرتے ہوئے بہت سی باتیں کہہ دیتا ہے' ایسا کرنا تھوڑا ہی ہوتا ہے؟ ہم ایک خاندان ہیں' تم لاکھ دفعہ غلطی کرو' میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا' میں تمہارا بھائی ہوں۔ موت کے علاوہ کوئی چیز ہمارے درمیان نہیں آسکتی۔"

اور موت کا لفظ اتنا اداس کر دینے والا تھا کہ حنین کا دل لرز گیا' مگر وہ کہہ رہا تھا۔ "میری بات سنو' اب تم کبھی بھی آئندہ ہاشم کو نہیں بلاؤ گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ تم مجھے بلاؤ گی' میں نہیں ہوں تو تم زمر کو بلاؤ گی' مگر کبھی بھی ہاشم پہ بھروسا نہیں کرنا۔"

"وہ ویسے نہیں ہیں جیسے آپ ان کو سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے لیے اتنا کرتے ہیں' اور ہم..."

"بالکل بالکل Saint Hashim (ولی ہاشم)

کی برائی تو میرا خاندان سن ہی نہیں سکتا۔" افسوس سے اس نے حنہ کو دیکھا۔ "بہرحال، ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی میں فریش ہولوں۔" حنین نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ باہر نکلی تو سعدی کچھ یاد آنے پہ ساتھ ہی باہر آیا۔ زمر ندرت کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"مجھے کچھ کام کرنا ہے، پھر میں چاہتا ہوں کہ آپ سب ریسٹورنٹ میں جمع ہو جائیں رات کے کھانے کے لیے۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" اس نے اب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اطلاع دی۔ زمر مسکرا دی، سر کو خم دیا۔ وہ پلٹ گیا۔ اس کے جاتے ہی زمر نے حنین کو اشارہ کیا اور وہ ندرت سے معذرت کر کے حنین کے کمرے میں چلی آئیں۔ زمر نے دروازہ بند کیا اور جب اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ ڈھیروں غصہ تھا۔

"تم نے ہاشم کو کال کیا؟ ہاشم کاردار کو؟" غصے اور صدمے سے دبی آواز میں پوچھی، اس نے حنین کو کہنی سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"وہ میرے مقروض تھے، مجھے میری سمجھ میں نہیں آیا اور کیا کروں۔ میں۔" اس نے تفصیل سے ایک ایک بات بتا دی۔

"سعدی کو کس نے بتایا؟" اس نے غصے سے گھورتے بات کاٹی۔

"پتا نہیں، انہوں نے نہیں بتایا۔"

"ظاہر ہے ہاشم نے بتایا ہو گا۔"

"کبھی بھی نہیں۔ وہ نہیں بتا سکتے۔ کسی اور نے بتایا ہو گا۔" حنین نے جتنے وثوق سے کہا، زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب گہرا ہوا۔

"ہاشم اچھا آدمی نہیں ہے حنہ! کبھی دوبارہ اس کو اپنے مسئلوں کے لیے نہیں بلانا۔ اچھا؟"

"اچھا۔" وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ پھر یاد آیا۔ "آپ کو کیسے پتا ان وکیل صاحب کا نام؟"

"تم نے خود بتایا تھا کہ تم کہاں ایگزام دے رہی ہو۔ وہاں ایک ہی سینئر لائیر ہیں۔ میں جانتی ہوں ان کو۔"

"اوہ۔ تو باقی سب سچ تھا۔"

"اب قیامت تک سعدی کو پتا نہ چلے کہ تم نے مجھے کال نہیں کی تھی، اوکے؟" موبائل پہ نمبر ملاتی وہ باہر کی طرف بڑھی، پرس بھی جس انداز سے کندھے پہ ڈالا، حنین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"آپ کہاں۔؟"

"مجھے ایک رپورٹ اٹھانے جانا ہے لیب، شام تک آجاؤں گی، مگر سنو۔" جاتے جاتے دوبارہ سختی سے تنبیہہ کی۔ "آئندہ کوئی بھی مسئلہ ہو، تم اسے نہیں، مجھے بلاؤ گی۔ چاہے تمہیں مجھ سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو۔؟"

آخری الفاظ پہ حنین کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔ وہ وہیں شل سی کھڑی رہ گئی۔ زمر اس کو دیکھے بغیر موبائل پہ بٹن دباتی آگے بڑھ گئی۔ کھڑے کھڑے ندرت کو کام کا بتایا، اور پھر اسی طرح موبائل پہ دیکھتی راہداری پار کی اور دروازہ کھولا تو۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ ہینڈل پہ ہاتھ رکھنے لگا تھا، اسے دیکھ کر رک گیا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا، پھر واپس موبائل پہ نظریں جھکائے ایک طرف ہو گئی۔ وہ خاموشی سے اندر آیا اور وہ باہر نکل گئی۔ فارس گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ دل میں چھپا کرب اور آنکھوں کا حزن مزید بڑھ گیا۔

"تم نے اس کا دل توڑا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ زیادہ بڑا گناہ ہے۔"

جس وقت وہ ندرت سے مل رہا تھا اور حنین کھڑکی سے باہر زمر کو جاتے دیکھ رہی تھی، اندر سعدی اپنے باتھ روم سے تازہ دم ہو کر نکل رہا تھا۔ گیلے بال تولیے سے رگڑتے، سفید آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز پہنے وہ پہلے سے بہت ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ لاک کیا۔ اور وہ کوٹ جو آج پہن کر گیا تھا، اسے اٹھا کر کمپیوٹر چیئر پہ آبیٹھا۔ لیپ ٹاپ آن کیا۔

"سو ہاشم بھائی۔ سعدی یوسف ایک معصوم، بے وقوف بچہ ہے نا۔" کوٹ کی اوپری جیب سے پین نکالا،

اور کوٹ کو پیچھے بیڈ پہ اچھال دیا۔

"اور یہ معصوم بچہ اتنا گھامڑ ہے کہ آپ کو جا کر کہتا ہے کہ اعتراف جرم کر کے معافی مانگ لیں اور دیت ادا کریں۔ آپ کے خیال میں سعدی آج آپ کے پاس اس لیے آیا تھا؟" وہ تکان سے مسکرایا۔ لیپ ٹاپ اسکرین روشن ہو چکی تھی۔

"نہیں ہاشم بھائی میں آپ کے پاس "اس" لیے آیا تھا۔" اپنے پین کو دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور پھر پین کا ڈھکن کھولا۔ اندر نب نہیں تھی۔ اس کی جگہ یو ایس بی پلگ تھا۔ سعدی نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلگ لیپ ٹاپ میں داخل کیا۔

"مجھے صرف آپ کا اعتراف جرم چاہیے تھا ہاشم بھائی۔ اور وہ مجھے مل گیا۔" پین لیپ ٹاپ میں لگ چکا تھا اور اب وہ اسکرین پہ وہ دکھا رہا تھا جو اس میں لگے ننھے کیمرے نے ریکارڈ کیا تھا۔ سعدی کی اوپری جیب میں لگا قلم، ہاشم کے آفس میں داخل ہونے سے لے کر وہاں سے نکلنے تک، تمام مناظر بہترین کوالٹی میں عکس بند کرتا آیا تھا۔ چونکہ زیادہ وقت اس کے سامنے ہاشم اور جواہرات رہے تھے اس لیے وہ اسکرین پہ بالکل سامنے نظر آئے تھے۔ پوائنٹ بلینک پہ۔ جیسے انٹرویو ریکارڈ کروا رہے ہوں۔

"میری بات پہ کوئی یقین نہیں کرے گا مگر کیا آپ کی اپنی بات پہ بھی کوئی یقین نہیں کرے گا؟" آسودہ سی گہری سانس بھرتے اس نے کرسی پہ ٹیک لگائی۔

"آپ لوگوں نے فارس غازی کو پھنسایا ٹیکنالوجی استعمال کر کے۔ اب آپ دیکھیے۔ کہ میں یہی ٹیکنالوجی آپ کو کیسے لوٹاتا ہوں۔ میں ایک بے وقوف بچہ نہیں ہوں۔ آپ بھول گئے کہ میں ایک سائنس دان ہوں۔"

ویڈیو بہترین کوالٹی اور کلیئر آواز کے ساتھ اس کے سامنے چل رہی تھی اور وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر رکھے ٹیک لگائے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
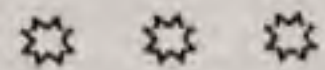
جانِ محسن تو بھی تھا ضدی انا مجھ میں بھی تھی
دونوں خود سر تھے جھکا تو بھی نہیں میں بھی نہیں

دوپہر باسی ہو کر شام میں ڈھل گئی اور سارے شہر پہ نیلا سا اندھیرا پھیلنے لگا۔ ایسے میں چھوٹے ابا غیچے والے گھر کے لاؤنج میں رونق لگی تھی۔ بڑے ابا نرمی سے مدھم آواز میں فارس سے کچھ کہہ رہے تھے، جسے وہ سنجیدگی سے سن رہا تھا البتہ گاہے بگاہے ابا ایک پر تشویش نگاہ زمر پہ بھی ڈالتے جو فارس کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ نو بیاہتا لڑکیوں کی طرح ہی لگ رہی تھی۔ شیفون کے ہلکے کام والے لمبے نیوی بلیو گاؤن اور سلک پاجامے میں ملبوس، جھکے چہرے پر میک اپ بھی نظر آتا تھا اور کانوں میں آویزے بھی، مگر وہ جس طرح سامنے جا کر بیٹھی تھی، اور ابھی تک فارس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی، یہ یوسف صاحب کو کھٹک رہا تھا۔

ندرت بھی نیا جوڑا پہنے اندر کمرے میں تیار ہو رہی تھیں۔ میک اپ کے لیے حنین کی محتاج تھیں، بیڈ پہ بیٹھی اسے سخت سست سناتے ہوئے جلدی کرنے کا کہہ رہی تھیں، جس کی اپنی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ ڈنر ریسٹورنٹ میں سعدی کی طرف سے تھا اور اس کا پلان تھا کہ سب مل کر باربی کیو کریں گے۔ ویٹر فارغ۔ امی کو بھی ریسٹ ملے گا۔ البتہ وہ خود تھوڑی دیر پہلے باہر نکلا تھا۔ کہاں اس نے نہیں بتایا۔

"حنین! میری اچھی بیٹی، جلدی کرو، میرے لپ اسٹک لگا دو۔" ندرت بیڈ پہ بیٹھیں، اسے مسلسل پکار رہی تھیں۔ (میک اپ کے لیے بیٹیوں کی محتاج مائیں۔) وہ جلدی سے ٹاپس پہنتی ان تک آئی۔

"نہیں نہیں، صبح کون کہہ رہا تھا مجھے نکمی پھوہڑ حنین۔" ان کے سامنے کھڑے، جھک کر ان کو لپ اسٹک لگاتے وہ ترنت بولی تھی۔ بھائی سے صلح ہو گئی، ایک بوجھ دل سے ہٹ گیا، وہ بھی موڈ میں آ گئی تھی۔ اب ندرت نہ بول سکتی تھیں، نہ جوتا اتار نے ہاتھ پاؤں تک نیچے لے جا سکتی تھیں۔ (ذرا یہ لپ اسٹک مکمل کر لے نا!)

"تمہاری جاب کا کیا بنا؟" باہر لاؤنج میں فارس نے

بظاہر توجہ سے ابا کا سوال سنا، مگر ان کی بار بار زمر کی طرف اٹھتی فکر مند نگاہیں اسے نظر آرہی تھیں۔

"اپنی ایجنسی میں تو کوئی چانس نہیں رہا، ایک دو پرائیویٹ سیکیورٹی ایجنسیز میں اپلائی کیا تھا، اپائنٹ کرلیا ہے، کیم سے جوائن کرنا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ابا نے پھر زمر کو دیکھا، جو لاتعلقی سے سامنے بیٹھی موبائل پہ ٹائپ کیے جارہی تھی۔

"زمر!" فارس نے عام سے انداز میں اسے پکارا تو زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ابا کو جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر آجائیں نا۔" اس نے بڑے صوفے پہ اپنے ساتھ خالی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ بڑے ابا خاموشی سے زمر کو دیکھے گئے۔

اس نے جیسے ڈھیروں غصہ ضبط کیا، بدقت مسکرائی۔ البتہ آنکھوں میں فارس کے لیے شدید تپش تھی۔

"سوری۔ آپ لوگوں کو وقت نہیں دے پارہی۔ کچھ ای میلز کرنا تھیں۔" بظاہر مسکرا کر کہتی وہ اٹھی اور جب اس کے ساتھ بیٹھی تو درمیان میں نامحسوس سا فاصلہ رکھا۔ بڑے ابا غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔

"سعدی کیا کہہ رہا تھا؟ کب آئے گا وہ۔" فارس نے چہرہ موڑ کر اسے مخاطب کیا۔ ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (بڑے ابا دوسری سمت بیٹھے تھے، اس لیے اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتے تھے۔) وہ اسے ابا کے سامنے مخاطب کررہا تھا، اسے جواب دینا تھا۔

"وہ ابھی آجائے گا تو تھوڑی دیر تک۔" اندر اٹھتے ابال کو دبا کر وہ مسکرا کر بولی۔ ابا کے چہرے پہ اطمینان سا چھانے لگا۔ اندر سے آتی ندرت چلنے کا کہنے لگیں تو وہ اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر نے اسے تیز نظروں سے گھورا، مگر وہ اسی سنجیدگی سے واپس ابا کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، پھرسے

موبائل دیکھنے لگی۔ البتہ اندر کوئی ابال سا اٹھنے لگا تھا۔ (یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا شروع میں لگا تھا۔)

"چلیں، ہم ریسٹورنٹ چلتے ہیں، سعدی وہیں آجائے گا۔" ندرت نے جلدی مچائی اور سیم نے ابا کی چیئر تھامی۔ حنین گھر کے دروازے لاک کرنے لگی۔ زمر اور فارس ساتھ ساتھ اٹھے۔ بڑے ابا نے سیم سے آہستہ سے کچھ کہا، وہ مڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے حنین سے کیمرہ لے آیا۔

"آپ دونوں کی ایک پکچر لے لوں؟ امی آپ بھی آجائیں نا۔"

"نہیں میری تصویریں اچھی نہیں آتیں۔" ندرت دوسرے کاموں میں مصروف تھیں، منع کر گئیں۔ زمر نے بھی انکار کرنے کے لیے لب کھولے، پھر کن اکھیوں سے دیکھا، ابا اسی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ جبراً" مسکرائی۔ ساتھ کھڑے فارس پہ سرسری سی نظر ڈالی۔ وہ سیاہ پینٹ پہ پورے آستین اور گول گلے کی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی ساری شرٹس ایک جیسی ہوتی ہیں!۔)

سیم کیمرہ لے کر سامنے آکھڑا ہوا۔ فارس مسکرایا نہیں، بس اسی سنجیدگی سے زمر کے ساتھ کھڑا رہا۔ البتہ وہ جبراً" مسکراتی رہی۔ کلک۔ اور دکھاوا ختم۔ وہ اس سے پہلے ہی باہر نکل آئی۔ اب مزید اس کے قریب رہنا برداشت سے باہر تھا۔

اور باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر پہلی دفعہ تھا جب زمر کو ایک دم سے فکر ہونے لگی۔

"سعدی کو اب تک آجانا چاہیے تھا۔ کدھر رہ گیا؟" وہ خود سے بڑبڑائی۔

"بس وہ آتا ہی ہوگا۔" ندرت عجلت سے، خوشی سے گھر لاک کررہی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں تفکر ہلکورے لینے لگا۔ کچھ ٹھیک نہیں محسوس ہورہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سلوک یار سے دل ڈوبنے لگا ہے فراز

مگر یہ محفل اعدا ہے' کیا کیا جائے!

قصر کاردار اندھیرے میں ڈوبنے لگا تو ملازموں نے ساری بتیاں جلادیں' اور اونچا محل چمکنے لگا۔ لاؤنج میں ایک ملازم گملے پہ جھکا پتے تراش رہا تھا' اور فینو نا اس کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی' جب ہاشم اندر داخل ہوا۔ فینو نافورا" اس تک آئی۔ پیچھے آتے ملازم سے ہاشم کا بریف کیس لے لیا' اور اسے جانے کا کہا۔ وہ کوٹ اتارتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف چلتا گیا۔ فینونا پیچھے لپکی۔

"کیا بات ہے' ڈنر کی تیاری نہیں ہو رہی کیا؟"

"مسز زمر نے مسز کاردار کو فون کر کے معذرت کرلی تھی۔ مسز کاردار نے کل کے ڈنر کا کہہ دیا ہے۔"

"کیوں؟" سیڑھیاں چڑھتے ہاشم نے تعجب سے مڑ کر اسے دیکھا۔

"وہ تفصیل نہیں معلوم۔ غالبا" ان کے بھتیجے نے پہلے دعوت دے دی تھی۔"

"سعدی۔" ہاشم نے زخمی سا مسکرا کر سر جھٹکا' اور زینے چڑھتا گیا۔ فینونا بے چین سی پیچھے آئی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو فینونا نے اس کا کوٹ لے لیا۔ بریف کیس بھی احتیاط سے رکھا۔

"کچھ کہنا ہے؟" وہ ٹائی ڈھیلی کر کے اتارتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں موبائل نکال کر دیکھنے لگا۔

"جی۔ مگر آپ کسی کو نہیں بتائیں گے کہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے۔" وہ مضطرب سی اس کے سامنے کھڑی سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

"بولو۔"

"مجھے معلوم ہے مجھے گھر کے ایک فرد کی بات دوسرے کو نہیں بتانی چاہیے' مگر آپ کے خاندان سے وفاداری کے باعث میں۔"

"اپنی تقریر مختصر کر کے کام کی بات پہ آؤ۔ مجھے تمہاری اخلاقیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ موبائل کی اسکرین کو انگوٹھے سے اوپر کرتا جارہا تھا۔

"جی۔" وہ شرمندہ سی ہو کر جلدی جلدی کہنے لگی۔ وہ نوشیرواں صاحب کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اسکرین پہ انگوٹھا پھیرتے ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟ کہاں ہے وہ؟"

"وہ تو صبح آفس کے لیے نکلے تھے' اس کے بعد گھر نہیں آئے۔"

"کیا واقعی؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"مگر میں پچھلی رات کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ جب۔" وہ بے چینی سے جلدی جلدی بتانے لگی۔ ہاشم ابرو بھینچے سنتا گیا۔

☆ ☆ ☆
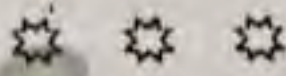
میرے چارہ گر کو نوید ہو' صف دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر' وہ قرض آج چکا دیا۔

اندھیرا آہستہ آہستہ چھوٹے باغیچے والے گھر اور اس کالونی کو نگل چکا تھا۔ نوشیرواں کاردار اپنی گاڑی کہیں دور کھڑی کر کے' اس کالونی کے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا تھا۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ ساری گلی سنسان' اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ کہیں اکا دکا یو پی ایس کے انرجی سیور جل رہے تھے۔ باقی گھپ اندھیرا تھا۔ جس کے باعث کیپ پہنے کھڑے نوشیرواں کا چہرہ دور سے صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں قریب سے دیکھو تو وہ کینہ توز نظروں سے اس گھر کو گھورتا دکھائی دے رہا تھا۔ جس کے باہر سعدی کھڑا موبائل پر نمبر ملا رہا تھا۔ نوشیرواں کی آنکھیں سرخ لگتی تھیں اور پپوٹے سوجے سے۔ جیبوں میں ڈالے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ وہ اسی صبح والے ویسٹ' ٹائی اور پینٹ میں ملبوس تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب سعدی گھر سے نکلا تھا اور ابھی اندر زمر اور فارس بڑے ابا کے ساتھ بیٹھے تھے۔ موبائل جیب میں ڈالے' ہینڈز فری کانوں میں لگائے' وہ آگے بڑھنے لگا تو نوشیرواں درخت کی اوٹ سے نکلا اور اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' لبوں میں کوئی مدھم سی سیٹی گنگناتا' مگن سا چلتا جارہا تھا۔ دفعتا"

وہ رکا۔ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ احتیاط سے اس کا تعاقب کرتا نوشیرواں قریبی درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ (وہاں ہر گھر کے آگے پودے یا درخت تھے۔) سعدی نے آنکھیں سکیڑ کر اندھیری سڑک کو دیکھا' اور ادھر ادھر گردن گھمائی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں درخت کے عقب سے نکلا اور احتیاط سے فاصلہ رکھے' پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سعدی یوسف چلتا گیا۔ موڑ مڑ کر پچھلی گلی میں آگیا۔ یہ بھی تاریکی میں ڈوبی تھی۔ نوشیرواں یہاں بھی اس کے پیچھے چلتا رہا۔ اس کے دل میں ہر اٹھتے قدم کے ساتھ جوش اور ابال بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک لاوا تھا جو پھٹنے کو بے تاب سا تھا۔

تیسری گلی میں مڑنے سے قبل سعدی نے پھر رک کر پیچھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ گلی ویران اور خالی تھی۔ دور شاید کسی موٹر سائیکل کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے آگے بڑھ گیا۔

ایک گلی سے نکل کر وہ اگلی میں مڑ جاتا۔ چند منٹ بعد نوشیرواں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ وہی گلی تھی جہاں سے وہ ابھی پانچ منٹ پہلے نکلے تھے۔ اسے احساس ہوا کہ وہ انہی تین چار گلیوں میں ہی پھر رہے تھے۔ کیا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے؟

نوشیرواں کی آنکھوں میں برہمی در آئی۔ اندر ہی اندر شدید تلملاہٹ ہوئی۔ اس نے اپنا اور سعدی کا درمیانی فاصلہ بڑھا دیا۔ دفعتاً" سعدی ایک گلی کا موڑ مڑ کر دوسری میں چلا گیا تو وہ دبے قدموں اس موڑ تک آیا۔ اگلی گلی سنسان تھی۔ خالی' ویران۔ سعدی کہیں نہیں تھا۔

"ڈیم اٹ!" غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ وہ ادھر ادھر گھوما۔ آگے پیچھے پھرا۔ مکمل اندھیرا۔

اس گلی میں کوئی بتی نہ تھی۔ سوائے دو تین گھروں کے' سڑک کے اطراف کے باقی تمام پلاٹس پہ زیر تعمیر مکان تھے' یا محض سریے کھڑے تھے۔ دن میں یہاں مزدور ہوتے اور رات میں محض جنات۔ نوشیرواں اس گلی کی چوڑی سڑک کے وسط میں کھڑا شدید جھنجلاہٹ سے آگے پیچھے ایک ایک گھر میں جھانک رہا تھا۔ وہ کہاں گیا؟

اس نے پوری گلی عبور کی۔ اندھیرے کے باوجود اطراف میں وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ سعدی ادھر نہیں تھا۔ دور کہیں راہگیر بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دو چار گلیاں چھوڑ کر سڑک سے ٹریفک کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ ایسے میں اس نے رک کر سعدی کی کوئی چاپ سننی چاہی' مگر پس منظر کی آوازوں کے باعث یہ ناممکن تھا۔

وہ پھر سے پچھلی گلی میں آیا۔ شدید تلملاہٹ اور اندر ابلتے غصے سے آگے پیچھے جھانکا۔ مگر نہیں۔ سعدی جس گلی میں گم ہوا تھا' وہ وہیں ہوگا۔ چند منٹ ضائع کر کے نوشیرواں واپس اس زیر تعمیر مکانوں والی ویران اور اندھیری گلی میں آیا۔

سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اندازہ کرنا چاہا کہ وہ کہاں غائب ہوا تھا۔ تب ہی دور کہیں موبائل کی گھنٹی بجی۔ اگلے ہی لمحے وہ بند کردی گئی' مگر نوشیرواں کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ امڈ آئی۔

وہ آواز دائیں طرف کے ایک زیر تعمیر مکان سے آئی تھی۔ سعدی اپنا فون سائلنٹ کرنا بھول گیا تھا۔ نوشیرواں نے جیب سے پستول نکالا' اور اسے ایک ہاتھ میں پکڑے' اعتماد سے قدم اٹھاتا اس گھر تک آیا۔ گھر کا گیٹ لگ چکا تھا' مگر اندر برہنہ اینٹوں کی عمارت کے دروازے' کھڑکیاں ابھی ندارد تھے۔ گیٹ کے قریب آکر اس نے گردن اونچی کر کے جھانکا۔ بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ' پورچ میں سعدی کھڑا تھا۔ منہ دوسری طرف تھا۔

"کیا تم مجھ سے چھپ رہے تھے؟" طنزیہ انداز میں اسے پکارتے وہ گیٹ کو دھکیل کر اندر داخل ہوا' پاؤں سے گیٹ واپس دھکا دے کر بند کیا۔

سعدی جو پشت کیے کھڑا تھا' مڑا۔ اس کی نگاہیں

پہلے نوشیرواں کے ہاتھ میں پکڑے پستول تک گئیں اور پھر اس کی آنکھوں تک۔

"تم کیا کر رہے ہو یہاں شیرو؟" بظاہر اطمینان سے کہا۔

"میں تمہیں تمہارا کارما (اعمال نامہ) دینے آیا ہوں۔" پستول کی نال بازو لمبا کر کے اس کی طرف بلند کی۔

سفید ٹی شرٹ میں ملبوس چھوٹے کٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے مسکرایا۔

"میں نے کبھی کسی کی جان نہیں لی۔ میرا کارما مجھے گولی کے ذریعے دینے آئے ہو؟"

"تم اسی قابل ہو۔" اس پہ پستول تانے نوشیرواں کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ "بہت دفعہ میں نے تمہیں برداشت کیا' سوچا ہاشم بھائی سنبھال لیں گے تمہیں' مگر نہیں۔ سعدی۔ تمہارا ایک ہی حل ہے۔ اس کے علاوہ تم کسی اور طریقے سے ہماری زندگیوں سے نہیں نکلو گے۔"

"تم واقعی مجھے مارنے آئے ہو؟" ابرو اٹھا کر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ اسے معلوم تھا شیرو کبھی اس پہ گولی نہیں چلا سکتا۔ شیرو اس کا دوست رہا تھا۔

"ہاں' تاکہ تم مجھے مزید نقصان نہ پہنچا سکو۔"

"میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ نوشیرواں۔" نرمی سے کہتے ہوئے سعدی کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف رینگ رہا تھا۔

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنا موبائل نکال کر زمین پہ پھینک دو۔" پستول کو مزید تانے شیرو نے برہمی سے کہا۔ سعدی نے گہری سانس لی۔ موبائل نکالا اور جھک کر زمین پہ رکھا۔ زمر کی کال آرہی تھی۔ مگر۔ وہ سیدھا ہو گیا۔ اس نے سوچا کاش اس کا پین کیمرہ اس کی فرنٹ پاکٹ میں ہوتا' مگر وہ بھی اس کے پاس ابھی نہیں تھا۔ نہتا سعدی یوسف اب نوشیرواں کی تنی پستول کے سامنے کھڑا تھا۔

"میرا قصور کیا ہے؟" اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کا اطمینان نظر آتا تھا۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد تم میں اتنی بھی شرم نہیں کہ اپنا قصور پوچھ رہے ہو؟" صدمے اور غصے سے سامنے کھڑے نوشیرواں کی آواز کپکپائی۔ "تم نے میری زندگی کی ہر خوشی (spoil) کی۔ تم نے مجھ سے میرا بھائی چھینا' میری ماں کا اعتبار چھینا' میرا باپ اس حالت میں مرا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا' تمہاری صرف تمہاری وجہ سے!" بپھرے ہوئے انداز میں کہتے اس کی آواز بلند ہوئی۔ آنکھوں کی سرخی اور طیش بڑھ رہا تھا۔

"میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ اچھائی کی ہے شیرو۔"

"بکواس نہیں کرو۔" وہ غرایا۔ "آج تم اپنا منہ بند رکھو گے آج تم مجھے سنو گے۔"

"او کے شیرو!" سعدی نے سر کو تسلیماً" خم دیا' البتہ پہلی دفعہ اس کے چہرے پہ چھایا اطمینان' قدرے پریشانی میں بدلتا نظر آیا تھا۔

"میرا نام نوشیرواں ہے!" وہ غصے سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ چلایا۔ پستول ہنوز تان رکھی تھی۔ "مجھے اس نام سے مت پکارو' جس سے میرے دوست پکارتے ہیں۔ تم میرے دوست نہیں ہو۔ تم ایک احسان فراموش آدمی ہو۔ تم۔ تم نے میرا ہر رشتہ خراب کیا ہے۔ تم نے میرا اور شیری کا تعلق بھی خراب کیا ہے۔"

"میں نے شہرین سے۔"

"اپنی بکواس بند رکھو سعدی!" غضب ناک ہو کر اس نے کلک کے ساتھ پستول لوڈ کیا۔ سعدی کو سرخ بتی جلتی بجھتی محسوس ہونے لگی۔

"تم نے شیری کو بلیک میل کیا' تم نے میرے اور اس کے ہر ممکنہ تعلق کو خراب کیا۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہو۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں زندہ چھوڑا جائے۔"

"مجھے تمہارے اور شیری کے بارے میں کچھ نہیں پتا' مگر میں نے اسے بلیک میل نہیں کیا۔ میں مزید کوئی

صفائی نہیں دوں گا' مگر تم مجھ سے میری زندگی نہیں چھین سکتے۔" وہ سنجیدہ نظریں نوشیرواں پہ جمائے' ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "یہ زندگی اللہ نے مجھے دی ہے' کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ مجھ سے میری زندگی چھینے۔"

اندھیرے پورچ میں 'پینٹ کے ڈبوں' بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے ان دونوں لڑکوں کے چہرے اندھیرے میں مدھم سے دکھائی دیتے تھے۔ دونوں کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا اور نظریں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

"آج تم مجھے روک نہیں سکتے۔ میں نے قسم کھائی تھی تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا۔" تنفر' حقارت سے اسے دیکھتے شیرو نے دوسرے ہاتھ کی آستین سے منہ رگڑا۔ سعدی کی آنکھیں سکڑیں۔ نظریں اس کے پستول پکڑے ہاتھ تک گئیں۔ جو ہلکا سا کپکپا رہا تھا۔

"تم پھر سے ڈر گز لینے لگے ہو نا۔ ایسا مت کرو اپنے ساتھ شیرو۔" اس کی آنکھوں میں فکر مندی ابھری۔

"اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔ آج تمہاری باتیں مجھ پہ اثر نہیں کر سکتیں۔ آج تم نے اپنے ہر عمل پہ مہر لگادی ہے۔" تنفر سے اسے دیکھتا وہ غرایا تھا۔ "آج تم نے میرے خاندان کو دھمکایا ہے' میرے بھائی کو دھمکایا ہے' میں تمہیں عبرت کی مثال بناؤں گا۔" اس کے چہرے پہ پسینہ آرہا تھا۔

"تم ایک اچھے انسان ہو شیرو۔ تم اپنے بھائی جیسے نہیں ہو۔ تمہارے بھائی نے میرے خاندان کے دو لوگ قتل کروائے ہیں' زمر کی زندگی برباد کی ہے' فارس کو تباہ کیا ہے' میرا ان سے جو بھی مسئلہ ہے تم سے کبھی بھی شکایت نہیں رہی۔ تم اندر سے اچھے ہو۔ تم اپنے والد کی طرح ہو۔ غصے کے تیز ہو' مگر تمہارا دل اچھا ہے۔"

"نام بھی مت لینا میرے باپ کا۔" اس کی آنکھیں مزید سرخ ہوئیں' آستین سے منہ رگڑا۔

"دیکھو' جو صبح میں نے تمہیں کہا' غصے میں کہہ دیا۔ آئی ایم سوری نوشیرواں! مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔" وہ محتاط نظروں سے اس کے پستول کو دیکھتا اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات کا اندھیرا ان دونوں کے گرد مزید مہیب ہوتا جا رہا تھا۔

"تمہاری معذرت کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔" نفرت سے اسے گھورتے شیرو نے دائیں طرف تھوکا۔

"دیکھو' تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ مجھے مارنا چاہتے ہو' مار دو۔ تم اگر مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ گے' میں تب بھی تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ تم پوائنٹ بلینک پہ مجھے شوٹ کر کے چلے جاؤ۔ کوئی یہاں نہیں ہے' مگر شیرو' اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ تمہیں کبھی یہ منظر بھولنے نہیں دے گا۔ قتل بہت بڑا گلٹ ہے' اتنا بوجھ تم پوری زندگی کیسے اٹھاؤ گے؟ دیکھو شیرو تم۔" رسان سے چوکنے انداز میں وہ سمجھاتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔ مگر نوشیرواں نے ٹریگر دبا دیا۔

سائلینسر نے آواز دبالی۔ کلک ہوا۔ ایک گولی شعلے کی لپٹیں لیے نکلی اور سعدی کے پیٹ میں پیوست ہو گئی۔ خون کا فوارہ پھوٹا۔ وہ بے اختیار آگے کو جھکا۔ پیٹ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی' صدمے سے پھیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔

(میں نے تمہیں بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ تمہارے ڈیڈ فکر مند تھے نوشیرواں! تمہیں نیچے جا کر انہیں ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینی چاہیے۔)

شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے نوشیرواں نے تنے بازو کے ساتھ دوبارہ ٹریگر دبایا۔ دوسری گولی' اس کے کندھے میں جا لگی۔ وہ دوہرا ہو کر گھٹنوں کے بل زمین پہ جا لڑھکا۔ درد اتنا شدید تھا' اس کے لبوں سے کراہیں نکلنے لگیں۔

(میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں۔ میں ایک ایسے لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا۔)

"آہ۔ آہ۔ آہ۔" تکلیف سے چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ اور سفید شرٹ بھی سرخ ہوتی جا رہی تھی۔

نوشیرواں قدم قدم چلتا قریب آیا۔

"میں نے کہا' مجھے شیرو مت کہو۔ میرا نام۔" اس نے جوتے سے سعدی کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔ وہ کمر کے بل زمین پر گرا۔ "نوشیرواں ہے۔" حقارت سے کہتے' اس کے ساتھ کھڑے' گردن جھکائے اس نے سعدی کو دیکھا۔ وہ تیزی سے بہتے خون کے ساتھ زمین پر گرا ہوا تھا۔ جوتا جہاں پہ لگا تھا' وہاں منہ سے خون رسنے لگا تھا۔ درد بے حد شدید تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ وہ کراہنا چاہ رہا تھا مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ سفید پڑتے چہرے اور بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے سر پہ کھڑے نوشیرواں کو دیکھا۔ وہ ہاتھ جھکائے تم بھی تک اس پہ پستول تانے ہوئے تھا۔

(اس کے بعد ڈیڈ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟

صرف اپنا بیٹا!)

"یہ میرے باپ کے لیے تھا۔ اور یہ۔" اس نے دوسرے بازو سے منہ رگڑتے اس کی طرف پستول تانے ٹریگر دبایا۔ گولی کہاں لگی' نوشیرواں کی آنکھوں کے آگے منشیات کے باعث بار بار چھاتے غبار نے ٹھیک سے دیکھنے نہ ہونے دیا۔ سعدی کی ٹانگ خون میں بھیگتی دکھائی دے رہی تھی۔ "اور یہ شیری کے لیے ہے۔" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں چلا کر کہا۔

نیچے گرے سعدی کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ درد اس کے دل تک کو کاٹ رہا تھا۔ "اللہ۔" اس سے شدید تکلیف کے باعث بولا نہیں جا رہا تھا۔ "اللہ تم سے۔ حساب لے گا۔ آہ۔" اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ سر پہ کھڑا نوشیرواں دھندلا رہا تھا۔

"مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔" شدید نفرت سے اسے دیکھتے شیرو نے جوتے سے اس کے سر کو ٹھوکر ماری۔ سعدی کا زخمی چہرہ پرے لڑھک گیا۔ "تم اسی قابل ہو!" اس نے جوتے سے اس کے وجود کو چند اور ٹھوکریں ماریں۔ کتنی اور کدھر' حساب کتاب کھو گیا تھا۔ تھک کر وہ رکا اور ادھر ادھر دیکھا۔

وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون میں لت پت سعدی گرا ہوا تھا۔ آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کوکین ہرن کرنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا' جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے' اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔ اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

تب ہی۔

☼ ☼ ☼

دل تجھ سے بچھڑ کر بھی
کہاں جائے گا اے دوست!

فوڈلی ایور آفٹر کی ساری بتیاں جلی تھیں' باہر "کلوزڈ" کا بورڈ لگا تھا۔ اندر تمام میزیں خالی تھیں' سوائے درمیان میں ایک لمبی میز کے جس کے گرد وہ سب منتظر سے بیٹھے تھے۔ فارس خاموشی سے بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر ذرا کی ذرا نگاہ زمر پہ ڈالتا جو سینے پہ بازو لپیٹے' سامنے ٹہل رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ اضطراب تھا' اور نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھتی تھیں۔

"آجائے گا۔ تم بیٹھ جاؤ۔" بڑے ابا نے نرمی سے پکارا۔ ان کی وہیل چیئر لمبی میز کی سربراہی نشست کی جگہ پہ رکھی تھی۔ فارس ان کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ تھا۔ ایک کرسی (زمر کے لیے) چھوڑ کر حنین بیٹھی تھی۔ وہ بھی گاہے بگاہے وال کلاک کو دیکھتی' پھر چہرے پہ اداسی آجاتی۔

ندرت' جنید اور سیم کے ساتھ کچن میں تھیں۔ باقی سب کی چھٹی تھی۔ سیم غالباً" مدد کروانے کے بجائے کام بڑھا رہا تھا۔

"اتنی دیر ہو گئی' وہ اپنی گاڑی بھی نہیں لے کر گیا یعنی قریب میں کہیں گیا ہے' تو واپس کیوں نہیں آرہا؟" وہ بظاہر خود کو پرسکون رکھتے' ٹہلتے ہوئے بولی تو آواز میں فکر مندی چھلکتی تھی۔

تب ہی ریسٹورنٹ کاؤنٹر پہ رکھا فون بجا۔ چیختی ہوئی آواز۔ ٹہلتی زمر رکی' چونک کر فون کی سمت دیکھا۔ کچن سے جنید بھاگتا ہوا آیا' اور مستعدی سے ریسیور

اٹھا کر بولا۔ "نوڈلی ایور آفٹر۔" دوسرے طرف کہے جانے والے الفاظ پہ اس کے تاثرات بدلتے گئے۔

"جی۔ جی۔ اچھا۔ کدھر؟" نگاہیں اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ وہیں ساکن کھڑی اسے دیکھے گئی۔

"اوکے۔" فون رکھ کر وہ چند لمحے تذبذب سے وہیں کھڑا رہا۔ سب اس کو دیکھنے لگ گئے تھے۔

"کیا ہوا؟" فارس نے اس کی مسلسل زمر پہ جمی پریشان نگاہیں غور سے دیکھیں۔

"وہ۔ میرا بھائی تھا۔ میڈم' میں نے جو کام آپ کو کہا تھا۔" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جلدی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ "آپ میری بات سن لیں گی دو منٹ؟" وہ قدم قدم چلتی اس کے پیچھے آئی۔ بڑے ابا' حنین اور فارس سب ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔

باہر نکلتے ہی جنید نے ریسٹورنٹ کا شیشے کا دروازہ بند کیا اور بے حد پریشانی سے اس کی طرف گھوما۔ "وہ۔ اندر سعدی بھائی کے دادا۔ ان کے سامنے بتانا نہیں چاہیے اور۔"

"سنو' جو بھی نام ہے' کس کا فون تھا؟" اس نے بات کاٹی' بے قرار نگاہیں جنید کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"وہ۔ سعدی بھائی۔ اسپتال سے فون تھا۔ سعدی بھائی کو گولیاں لگی ہیں' اور۔" شاید وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا' مگر زمر گلے پہ ہاتھ رکھتی دو قدم پیچھے ہٹی۔ اس کو سانس نہیں آرہا تھا۔ چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔

"میری۔ میری کار کی چابیاں۔ اندر سے لاؤ۔" اس نے پوری بات سنی بھی نہیں۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ قدم اٹھا کہیں رہی تھی' وہ پڑ کہیں رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے' بہت سے مناظر گڈمڈ ہونے لگے۔ اطراف کی ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ ہر شے سلوموشن میں ہو رہی تھی۔

وہ کار کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ جنید نے چابی اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ اس نے کی ہول میں چابی ڈالنی چاہی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ لوہا سوراخ کے اندر نہیں جا پا رہا تھا۔ دروازے کے سائیڈ مرر میں اسے فارس باہر آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پریشان سی حنین اس کے پیچھے زینے پھلانگتی آرہی تھی۔ وہ جنید سے کچھ کہہ رہا تھا' تیز لہجے میں کچھ پوچھ رہا تھا۔ آوازیں زمر تک نہیں آرہی تھیں۔ وہ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ چابی دروازے میں لگا رہی تھی۔ ریموٹ کے بٹن کو دبانا یاد نہیں رہا تھا۔

"مجھے دیجیے۔ آپ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھیے۔" وہ عجلت میں کہتے اس کے عقب سے آیا اور چابی اس کے ہاتھ سے لینی چاہی۔ مگر اس نے چابی مٹھی میں دبوچ کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو آنکھیں ویران تھیں مگر ان میں سامنے کھڑے شخص کے لیے واضح تنفر نظر آتا تھا۔

"آپ اکیلی نہیں جا رہیں' ہم ساتھ جائیں گے' ادھر دیجیے۔" بہت ضبط سے کہتے فارس نے جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چابی لی' اس کا اپنا چہرہ بھی بے رنگ ہو رہا تھا' مگر پریشانی کے تاثرات پہ عجلت کا عنصر نمایاں تھا۔ زمر نے نگاہیں جھکائیں تو دیکھا' چابی سوراخ میں گھساتے اس کے ہاتھوں میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گا' اسے کچھ نہیں ہو گا' آپ اندر بیٹھیے۔" ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے اس نے زمر سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ چند لمحے وہیں' بے دم سی کھڑی رہی۔ حنین جو جنید اور فارس کی بات سننے کے بعد اندر چلی گئی تھی' بھاگتی ہوئی واپس آئی تھی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" فارس کی کھڑکی کے ساتھ کھڑے' وہ رو دینے کو تھی۔ زمر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی فرنٹ سیٹ تک جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ پس منظر میں آوازیں آرہی تھیں۔

"میں تمہیں کال کر دوں گا' تم اپنی امی اور دادا کے پاس رکو۔"

"میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ' بھائی نے کہا ہے انہیں دیر ہو جائے گی' اور ہم مارکیٹ تک جا رہے

ہیں۔ خدا کی قسم ماموں! اگر آپ مجھے نہ لے کر گئے تو میں اتنا چیخوں گی، اتنا چیخوں گی کہ امی اور بڑے ابا کو سب پتا چل جائے گا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور فقرے کے آخر میں اس نے ہچکی لی تھی۔

"بیٹھو!" یہ آخری آواز تھی جو زمر نے سنی اور پھر وہ بے دم فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ کار تیزی سے سڑک پہ دوڑنے لگی تھی، مگر اس کی آنکھوں کے آگے سب کچھ گڈمڈ ہو گیا تھا۔ وہ ادھر نہیں تھی۔ وہ اسپتال میں تھی اور اس کے بھائی نے ایک کمبل میں لپٹا بچہ اس کے بازوؤں میں دیا تھا۔ وہ حال اور ماضی کے درمیان کہیں تیر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
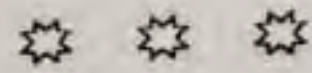
کبھی فراز نئے موسموں میں رو دینا
کبھی تلاش پرانی رفاقتیں کرنی!

قصر کاردار کے لاؤنج میں لگے ٹی وی شیلف پہ فیونا کتابیں ترتیب سے رکھ رہی تھی جب اس نے نوشیرواں کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ فوراً" ۔۔۔ سر جھکائے جلدی جلدی کام کرنے لگی۔ نوشیرواں سیدھا سیڑھیوں پہ چڑھتا گیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی اور جھکی آنکھوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دور کسی خیال میں گم ہے۔ کسی اطمینان انگیز، سرشار سے خیال میں۔

اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر ساری بتیاں جل رہی تھیں۔ اتنی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ناگواری سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ساکت رہ گیا۔

سامنے کاؤچ پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ صبح والی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ ٹائی اور کوٹ اتارنے کے بعد اس نے لباس بھی نہیں بدلا تھا۔ اور اب، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا وہ چبھتی نظروں سے چوکھٹ میں کھڑے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

"رک کیوں گئے۔ اندر آؤ۔" طنزیہ سا بولا تو نوشیرواں نے (بظاہر) سرسری سا سر جھٹکا۔ ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پہ ڈالا۔

"آپ ادھر۔۔۔؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے، مجھے تمہاری حرکتوں کے بارے میں معلوم نہیں ہو گا؟" سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ غصے سے ایک دم پھٹا تھا۔ "کیا سوچ کر تم نے یہ کیا، ہاں؟"

نوشیرواں کا سانس رک گیا۔ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

(ہاشم بھائی کو اتنی جلدی کیسے پتا چل سکتا ہے؟ ابھی تو وہ وہیں خون میں گرا پڑا ہو گا)

"وہ۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں سمجھا نہیں۔" اٹک اٹک کر، سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے کہنا چاہا۔ جواب میں ہاشم نے ہاتھ بڑھا کر میز پہ رکھے پیکٹ اٹھائے اور زور سے اس کے گھٹنوں پہ دے مارے۔ سارے پیکٹ شیرو کے قدموں میں جا بکھرے۔

"تو۔۔۔ یہ۔۔۔" ایک ریلیف کا احساس تھا جس نے شیرو کا سانس بحال کیا۔ اس کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ ذرا سے شانے اچکا کر وہ الماری کی جانب بڑھا۔ ہاشم ایک دم تپ کر اٹھا۔

"تمہیں اندازہ ہے یہ کیا ہے؟ یہ تمہاری بربادی ہے، تم۔۔۔"

"کس نے بتایا آپ کو؟" وہ بے پروائی سے الماری کھولے اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

"کس نے بتایا مجھے؟ یعنی کہ اور لوگوں کو بھی معلوم ہے؟ کیا صرف میں بے خبر تھا؟" وہ الٹا اتنے غصے سے بولا کہ نوشیرواں کو اس کی سچائی پہ ذرا بھی شک نہ گزرا۔ ویسے بھی یہ مسئلہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

"شیرو! اگر آئندہ میں نے تمہیں دیکھا کہ تم۔۔۔"

"نہیں لوں گا ڈر گز، بس ٹھیک ہے، سن لیا ہے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں کچھ بدلا ہوا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو تم؟" کھوجتی نگاہوں سے

اس کی پشت کو دیکھتے اس نے جس انداز میں پوچھا' نوشیرواں نے چونک کر چہرہ گھمایا' پھر فوراً" نظریں چرا کر واپس ہونے لگا کہ۔۔۔

"ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ' کہاں سے آرہے ہو تم؟" نوشیرواں نہ چاہتے ہوئے اس کی جانب مڑا۔

☆ ☆ ☆
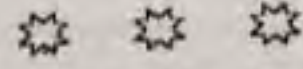
"میں باہر تھا۔ یونہی آگے پیچھے۔"

"جھوٹ مت بولو۔ کدھر تھے تم؟" اس کی آنکھوں سے لمحے بھر کو بھی نظریں ہٹائے بغیر ہاشم اسے دیکھے جا رہا تھا۔ شیرو نے اکتا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"کیا میں بچہ ہوں جو ہر بات کی رپورٹ دیا کروں؟"

"تم۔۔۔" ہاشم کچھ سوچتے سوچتے چونکا۔ "تم سعدی کے پاس تو نہیں گئے؟"

"میں کیوں جاؤں گا اس کے پاس؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"مجھے معلوم ہے' تم اسی کے پاس گئے ہو گے۔ پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا ہو گا تم نے اسے۔ میں کتنی دفعہ تمہیں کہوں گا کہ اسے تنہا چھوڑ دو' میں اسے سنبھال لوں گا۔ کہاں ہے وہ اس وقت؟" جیب سے موبائل نکالتے ہاشم نے پوچھا تھا۔

"مجھے کیا پتا وہ کہاں ہے۔ کیا میں اس کا گارڈ ہوں؟" وہ بگڑ کر بولا تھا۔ اس کے انداز پہ نمبر ملاتے ہاشم نے صرف اسے گھورنے پہ اکتفا کیا' پھر موبائل کان سے لگایا۔ نوشیرواں خفگی سے منہ میں بڑبڑانے لگا۔

"کیا کہا ہے تم نے اسے؟ تم مجھے بتا دو' ورنہ وہ مجھے بتا دے گا اور۔۔۔" موبائل کان سے لگائے وہ درشتی سے کہہ رہا تھا جب بیڈ پہ گرے شیرو کے کوٹ میں کچھ تھرتھرانے لگا۔ ان دونوں نے اس طرف دیکھا۔ شیرو کا رنگ پھیکا پڑا اور ہاشم۔۔۔ وہ چونک کر' قدرے تعجب سے آگے بڑھا اور کوٹ میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سعدی کا وائبریشن پہ لگا فون ہاتھ میں تھا۔ اس نے بے یقینی سے شیرو کو دیکھا جو بالکل چپ کھڑا تھا۔

"یہ اس کا فون تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟" دونوں فون اس نے بیڈ پہ ڈالے اور اب جب وہ شیرو کے سامنے آیا تو غصیلی نگاہوں میں بے پناہ سختی تھی۔

"بولو۔"

نوشیرواں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں نے اسے شوٹ کر دیا ہے اور اس کا فون اٹھا لایا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" ہاشم نے اکتا کر اسے دیکھا۔ "مجھے سیدھی طرح بتاؤ' کیا کہہ کر تم نے اس کا فون چھینا ہے؟ تم ایسا۔۔۔"

"کیا آپ نے سنا نہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ "میں نے سعدی کو شوٹ کر دیا ہے۔" پھر تیزی سے آگے بڑھا اور کوٹ اٹھا کر اندر سے پستول نکال کر اس کے سامنے میز پہ ڈالی۔ "پوری تین گولیاں ماری ہیں۔ اب نہیں بچے گا۔" اعتراف نے کوئی سرشاری سی سارے وجود پہ انڈیل دی۔ گردن اکڑا کر اس کے سامنے کھڑے وہ بولا تو ہاشم بالکل ساکت سے دیکھنے لگا۔ سانس روکے' شل سا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا' یہ وہ مسئلہ ہے جسے آپ نہیں سنبھال سکتے۔ سو آج میں نے مسئلہ ختم کر دیا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کے ذہن کو اس کے الفاظ سمجھنے میں چند لمحے لگے تھے اور جب' سمجھ میں آیا تو۔۔۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' چہرے پہ سرخی اتری۔ وہ آگے بڑھا اور نوشیرواں کے چہرے پہ چٹاخ چٹاخ دو تھپڑ لگائے۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بوکھلا کر دوسری طرف لڑکھڑایا' دیوار کا سہارا لے کر سنبھلا اور منہ پہ ہاتھ رکھے' بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا' جو تیز تیز سانس لیتا اتنے ہی صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے۔۔۔ تم نے اسے گولی مار دی؟ اوہ میرے خدا! تم۔۔۔ تم گھٹیا انسان۔۔۔" اس کا گریبان پکڑ کر غصے سے اس کو جھٹکا دیتے وہ چلایا تھا۔ "تم نے کیسے اسے گولی مار دی؟ کدھر ہے وہ؟ کدھر پھینک آئے ہو

اسے؟"

بالکل گنگ ہوئے شیرو کا گریبان چھوڑا اور ماتھے پہ ہاتھ رکھے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا۔ اس کا دماغ گویا بھک سے اڑ چکا تھا۔

"وہ مر تو نہیں گیا؟ کیا وہ زندہ تھا جب تم وہاں سے آئے ہو؟" غصے کی جگہ پریشانی نے لے لی، وہ دوبارہ اس کی طرف لپکا، شیرو کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"اوہ میرے خدا... نوشیرواں یہ تم نے کیا کیا؟ تم کیسے اس کی جان لے سکتے ہو۔" ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ متعجب ہوا۔

"آپ کو کیوں اس کی اتنی فکر ہے؟ کیوں اتنی محبت ہے آپ کو اس سے؟"

"نوشیرواں!" ہاشم نے آگے بڑھ کر اس کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"اس نے... تمہاری... جان بچائی تھی! کیا تم بھول گئے ہو؟ کیا تم نے اس شخص پہ گولی چلائی جس نے تمہاری جان بچائی تھی؟"

اور ایک لمحے کو نوشیرواں کا دل بالکل خالی ہو گیا۔ وہ ٹکر ٹکر ہاشم کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ اسے چھوڑ کر پھر سے ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا تھا۔

"یہ... یہ فون اور گن، اسے تم ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے اب۔" دونوں چیزیں اٹھاتے ہوئے اس نے سختی سے اسے تنبیہہ کی۔ پھر اپنا موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔ "اگر تم اس کمرے سے نکلے تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔ سمجھے؟۔ پتا نہیں وہ بچا یا نہیں۔" فون کان سے لگاتے، وہ تیز سانسوں کے درمیان اور بے رنگ ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ہاں خاور، فوراً گھر آؤ۔ جلدی... ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" عجلت سے کہتا گن اور فون لیے وہ کمرے سے باہر نکل گیا، تو پیچھے ہر طرف ویرانی اور خاموشی چھا گئی۔ نوشیرواں دونوں ہاتھ پہلو میں گرائے، ہنوز ہکا بکا سا کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

میرے صبر پہ کوئی اجر کیا؟ مری دوپہر پہ یہ ابر کیوں؟
مجھے اوڑھنے دے اذیتیں، مری عادتیں نہ خراب کر!

اسپتال میں دوائیوں کی بو کے ساتھ کوئی نحوست تھی جو ہر سو پھیلی تھی۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں انسان کو اس کے دکھ لے کر آتے تھے۔ آپریشن تھیٹر کے باہر جگہ جگہ پولیس اہلکار دکھائی دیتے تھے۔ راہداری میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ فارس بے یقینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار مڑ کر بند دروازوں کو دیکھتا اور پھر زمر کو جو، دیوار سے لگی، سفید چہرہ لیے، بالکل خاموش، گم صم کھڑی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پہ جمی تھیں، اور ان میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ وہ روئی نہیں تھی، سو اس کا ہلکا میک اپ، آویزے، خوب صورت لباس ویسے ہی دمک رہے تھے، مگر چہرے کی بے رونقی نے سب ویران کر دیا تھا۔ واحد آواز حنین کے رونے کی تھی۔ وہ زمر کے قریب کھڑی، سر جھکائے، گھٹا گھٹا سا روئے جا رہی تھی۔ پھر اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ گیلی آنکھوں سے فارس کو دیکھا۔

"ماموں... اتنی دیر ہو گئی۔ یہ لوگ باہر کیوں نہیں آتے؟ کوئی کچھ بتا کیوں نہیں رہا؟"

فارس نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "سرجری ہو رہی ہے، وقت لگے گا۔ اگر دوبارہ امی کا فون آئے تو وہی کہنا جو پہلے کہا ہے کہ ہم سعدی کے کسی دوست کے لیے ادھر ہیں۔"

"مگر بھائی کو کون گولی مار سکتا ہے؟"

"ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ تم بس دعا کرو۔" وہ سر جھٹکتے دوبارہ ٹہلنے لگا۔ حنہ چونکی۔

"دعا۔" اسے کچھ یاد آیا۔

"میں... میں اب نہیں روؤں گی۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے گیلی آنکھیں رگڑیں اور دوپٹا سر پہ رکھ کر چہرے کے گرد لپیٹنے لگی۔ "میں دعا کروں گی۔ دعا کے علاوہ کوئی چیز مقدر نہیں بدلا کرتی۔" آنسو بار بار ابل کر آ رہے تھے، وہ پوروں سے ان کو صاف کرنے لگی۔ "مصیبت اوپر سے آتی ہے اور دعا نیچے سے جاتی

ہے۔ جو زیادہ شدید ہوگی وہ جیت جائے گی۔ مجھے یقین ہے۔ اب دیکھیے گا آپ میں دعا کروں گی اور کیسے بھائی ٹھیک ہو جائے گا۔ ہے نا؟" آخر میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ وہ چلتے چلتے اس کے پاس ٹھہرا ادا سی سے اس کا چہرہ دیکھا پھر اس کا چہرہ تھپتھپا کر اپنے کندھے سے لگایا۔ حنین کے گرم گرم آنسو پھر سے گرنے لگے۔

"دعا کرو۔" اس کا سر تھپک کر وہ اس سے علیحدہ ہوا تو حنہ اثبات میں گردن ہلاتی ہاتھوں کا پیالہ بنائے زیر لب کچھ بڑبڑانے لگی۔

فارس نے دوبارہ قدم اٹھاتے ہوئے زمر کو دیکھا جو ہنوز سر دیوار سے ٹکائے بت بنی دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بالکل ویران تھیں۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور کاریڈور کا موڑ مڑ گیا۔ چند لمحے بعد جب واپس آیا تو ہاتھ میں شاپر میں لپٹی ٹھنڈے پانی کی بوتل تھی۔

حنہ کے قریب آ کر اس نے ہلکا سا اس کے کندھے کو چھوا۔ حنہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اپنی پھپھو سے کہو پانی پی لیں۔" بوتل شاپر سے نکال کر اسے تھماتے سرگوشی کی۔ حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا جو تھیٹر کے دروازے کو تک رہی تھی۔ پھر فوراً" بوتل لے کر اس تک آئی۔

"پھپھو۔۔۔ پانی پی لیں۔" اس نے زمر کی کہنی چھو کر کہا تو وہ چونکی۔ چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔ پھر بے اختیار نگاہیں اٹھیں اور فاصلے پہ کھڑے فارس کے ہاتھوں تک جا ٹھہریں۔ خالی شاپر۔ اس نے دوبارہ بوتل کو دیکھا۔

"مجھے پیاس نہیں ہے۔" وہ بنا تاثر کے کہہ کر رخ پھیر گئی۔

"تھوڑا سا ہی پی لیں۔" مگر زمر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حنین نے بے بسی سے فارس کو دیکھا وہ گہری سانس لے کر وہاں سے ہٹا اور راہداری میں چکر کاٹنے لگا۔

انتظار بہت تکلیف دہ تھا۔

☆ ☆ ☆

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

آپریشن تھیٹر کے اندر میز پہ سعدی اپنے اوپر جھکے لوگوں خود سے جڑی نالیوں اور اپنے گوشت کو کاٹتے اوزاروں سے بے خبر بند آنکھوں سے لیٹا تھا۔ اس کی پلکوں کے پیچھے ایک اور دنیا تھی۔ وہاں نہ خون تھا نہ ہتھیار تھے۔

نہ گولیاں۔۔۔ نہ تکلیف۔۔۔ نہ آنسو۔۔۔

وہ ایک تازہ سی صبح تھی جس میں چڑیوں کی چہچہاہٹ گونجتی تھی۔ ایک چشمہ تھا جس کے کنارے پتھروں پہ ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے گورے سفید پیر ٹھنڈے پانی میں ڈبو رکھے تھے۔ ساتھ والے پتھر پہ ایک لڑکی بیٹھی تھی جس کے لمبے گھنگریالے بال کمر تک آتے تھے اور وہ جھک کر پانی میں بانس کی لمبی چھڑی سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کی ناک میں سونے کی بالی جیسی نتھ تھی اور کم عمر چہرے پہ سوچ کا عنصر تھا۔ اس نے بھی پاجامہ ذرا اوپر فولڈ کر کے پیر پانی میں ڈبو رکھے تھے۔

"دیکھو۔۔۔" لڑکے نے قدرے فکرمندی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے نا اتنے بہادر اور اچھے۔۔۔ پھر وہ فرعون کے پاس اکیلے کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے کیوں کہا کہ انہوں نے ہارون کو ساتھ لے کر جانا ہے؟ کیا ان کی زبان میں واقعی لکنت تھی؟"

"ارے نہیں۔" لڑکی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "انبیاء جو ہوتے ہیں نا سعدی! وہ معصوم اور عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ اگر تمہارا درست نہیں تو تم مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی۔ یہ صرف اسرائیلیات کی وہ روایتیں ہیں جن کو مسلمان مفسرین بغیر کسی ثبوت یا دلیل بیان (quote) کرتے رہتے ہیں۔ موسیٰ کی زبان میں لکنت نہیں تھی وہ صرف بہت فصیح نہیں

تھے اور ان کے بھائی ہارون زیادہ اچھا بول سکتے تھے۔"

"تو کیا صرف اس لیے وہ لے کر گئے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ؟" لڑکے نے کنکر پانی میں اچھالتے پوچھا تھا۔

"ہاں اور اس لیے بھی کہ جو سپورٹ انہیں چاہیے تھی' وہ ان کو اپنے بھائی سے ہی مل سکتی تھی' کیوں کہ ہر انسان اپنے بھائی کا رکھوالا ہوتا ہے۔"

دوسرا کنکر پھینکتا اس کا ہاتھ رکا' وہ ٹھہر کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"مگر میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے' پھر میرا کیپر (رکھوالا) کون ہوگا؟"

وہ لڑکی ہلکا سا ہنسی' پھر بازو اس کے کندھے کے گرد پھیلا کر اس کے قریب چہرہ کر کے بولی۔ "تمہاری Keeper میں ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گی۔ ہمیشہ۔" آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ چشمے کا منظر وقت کے آسمانوں میں گھلتا گیا' گھلتا گیا اور ٹیبل پہ لیٹے مریض کی بند آنکھوں کے پیچھے اندھیرا چھانے لگا۔

☼ ☼ ☼
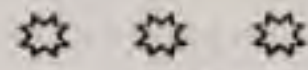
جس سے پہلے بھی کئی عہد وفا ٹوٹے ہیں
اسی دوراہے پہ چپ چاپ کھڑا ہو جاؤں

باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ سیاہ اور خوف ناک' ایسے میں سڑک کنارے کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا ہاشم کاردار فکر مندی سے بند آنکھیں مل رہا تھا جب دوسرا دروازہ کھلا۔ اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ خاور اندر بیٹھ رہا تھا۔

"کیسا ہے وہ؟" ہاشم نے بے قراری سے اس کا چہرہ کھوجا۔

خاور نے گہری سانس لی۔ "اچھی خبر نہیں ہے۔"

ہاشم کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں کرب سا اترنے لگا۔ "کیا وہ... مر جائے گا؟" الفاظ کہنا بھی تکلیف دہ تھا۔ خاور نے گویا ملامت سے اسے دیکھا۔

"خبر یہ ہے کہ وہ بچ جائے گا اور میرا خیال ہے' یہ ہمارے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔"

"وہ بچ جائے گا؟" وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"جی... میں نے معلوم کیا ہے۔ ایک گولی کندھے میں لگی ہے' دوسری پیٹ میں اور تیسری ٹانگ میں' کوئی بھی گولی مہلک نہیں ثابت ہوگی۔ نوشیرواں کا نشانہ اچھا ہے' مگر ظاہر ہے وہ ڈرگز کے زیر اثر تھے اور غصہ میں بھی... اس لیے..." اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"وہ... وہ بچ جائے گا نا۔" ہاشم نے بے چینی سے بات کاٹی۔

"جی... میں لکھ کر دے سکتا ہوں' وہ بچ جائے گا اور اگلے دو تین گھنٹوں میں ہوش میں آ کر سب کو بتا دے گا کہ اسے کس نے گولی ماری تھی اور صرف یہ ہی نہیں' وہ یہ بھی بتائے گا کہ ہم نے اور کیا کیا ہے۔" برہمی سے وہ کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لیں۔

چند لمحے کار میں خاموشی چھائی رہی' گہرا سکوت۔

"ہو سکتا ہے' وہ نہ بتائے۔" ہاشم نے تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ خاور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"سر... میں آپ کی اس بچے کے لیے فیلنگز کی بہت قدر کرتا ہوں' مگر معذرت کے ساتھ' وہ آپ کے لیے ایسی کوئی فیلنگ نہیں رکھتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی سب بک دے گا اور اس کے بعد فارس اتنی ہی گولیاں نوشیرواں کو مارے گا۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ لوگ ہمیں چھوڑ دیں گے؟"

"تو پھر کیا کروں؟" وہ بے زار ہوا' مگر اس بے زاری میں تکلیف تھی۔

"کیا مطلب کیا کریں؟ ہمیں اس وقت ایک ہی چیز کرنی ہے' سرجری ختم ہوتے ہی میرا کوئی لڑکا اسے ایک ذرا سا انجکشن لگا دے گا اور..."

"خاور!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا غرایا تھا۔ "میں سعدی کو نہیں ماروں گا' وہ... وہ ایک چھوٹا بچہ ہے۔"

"آپ کچھ مت کریں' میں کروں گا جو کرنا ہے' اس

کا مرنا ضروری۔۔۔"

"مگر تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا تو میں خدا کی قسم تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی مار دوں گا۔" انگلی اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ اتنی سختی سے بولا کہ خاور ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

" Love the boy. don t you You " خاور کو افسوس ہوا تھا' ہاشم نے سر جھٹکا۔

"میں قاتل ہو سکتا ہوں' مگر میں درندہ نہیں ہوں جو اس کو۔۔۔ یوں مار دوں۔" نفی میں سر ہلاتے وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"او کے۔۔۔ اور نوشیرواں کا کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے اس وقت آپ کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آپ کو ان دونوں میں سے کس سے زیادہ محبت ہے؟"

ہاشم نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر تکلیف سے آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت ڈسٹرب نظر آرہا تھا۔ خاور نے کلائی کی گھڑی دیکھی' وقت نکل رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے شیرو سے کئی گنا زیادہ محبت ہے۔ سعدی کو خاموش کروانا ضروری ہے' او کے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اب تم وہ کرو جو میں تمہیں کہتا جاؤں۔" خاور توجہ سے سننے لگا۔

☼ ☼ ☼
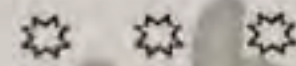
بچھڑے لوگ کبھی بھی لوٹ کے نہیں آتے دوست
بس فقط یادوں کے کچھ نشان ہوا کرتے ہیں

سفید راہ داری ابھی تک خاموش تھی۔ زمر ہنوز اسی طرح کھڑی آپریشن تھیٹر کے دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ حنین زمین پہ اکڑوں بیٹھی چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرائے دعا مانگ رہی تھی۔ فارس مخالف دیوار سے کمر ٹکائے ایک گھٹنا موڑے کھڑا تھا۔

اردگرد پولیس اہلکار ہنوز پہرہ داری کر رہے تھے۔ وردی میں ملبوس سرمد شاہ بھی وہیں تھا' مگر ایک حد سے وہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ بس فاصلے پہ کھڑا احتیاط سے فارس کو دیکھ لیتا' جو گاہے بگاہے اس پہ ایک تیز نظر ڈالتا تھا۔ اس نے زمر سے بات کرنے کی کوشش کی تو فارس نے صرف ہاتھ اٹھا کر اسے رک جانے کا کہا اور وہ فوراً" پیچھے ہٹ گیا۔

(سرمد شاہ وہی اے ایس پی تھا جس نے فارس غازی کو چار سال قبل گرفتار کیا تھا۔ جو فارس کے گھر جا کر اس کی گاڑی سے ملنے والی وارث سے جڑی چیزیں اسے دکھا کر اس کیس سے علیحدہ رہنے کی دھمکی دے کر آیا تھا۔ اور حوالات میں تو اس سے روز کی ملاقات رہتی تھی اور اس ملاقات کے نشان فارس کی کمر پہ آج تک موجود تھے۔)

کتنے گھنٹے بیت چکے تھے کسی کو یاد نہیں تھا۔ جب دروازہ کھلا تو سب اُدھر ہی بڑھے' زمر سب سے آگے تھی۔

"وہ کیسا ہے؟" اس نے پریشانی سے سرجن کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ آواز اتنی ہی ہلکی تھی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔

"آپ فکر مت کیجیے' وہ ٹھیک ہے۔ آپریشن ہو چکا ہے اور اب وہ Stable (بہتر) ہے۔ کچھ دیر تک اسے وارڈ میں شفٹ کریں گے۔"

کیا وہ صرف الفاظ تھے یا کوئی روح تھی جو ان میں پھونک دی گئی تھی۔ حنہ نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ اس کی ہچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ فارس نے نڈھال ہو کر دیوار سے کمر لگا کر آنکھیں بند کیں اور زمر۔۔۔ وہ بس یک ٹک ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟"

"ایک دفعہ وارڈ میں شفٹ ہو جائے تو آپ مل سکیں گی۔" وہ آگے بڑھنے لگے' زمر فوراً" ان کے پیچھے لپکی۔

"کب۔۔۔ کب شفٹ کریں گے وارڈ میں؟"

"بس تھوڑی دیر تک۔"

زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنہ اور فارس کے برعکس' اس کے چہرے پہ اطمینان نہیں اُترا تھا۔ وہ وہیں کھڑی' بے چین منتظر نگاہوں سے تھیٹر کے بند دروازوں کو دیکھنے لگی۔

کافی دیر بیت چکی اور وہ سعدی کے باہر لانے کا

انتظار کرتے رہے۔ فارس اب ادھر ادھر ٹہلتا' بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

حنین گیلا چہرہ صاف کیے ہلکا سا مسکراتی اب کھڑی ہوئی تھی۔ زمر ویسی ہی گم صم دیوار سے لگی تھی۔

تھیٹر کے دروازے کھلے اور ایک سسٹر باہر نکلی تو فارس اس کی طرف لپکا۔

"کب شفٹ کریں گے سعدی کو؟ اسے ہوش آگیا؟"

نرس نے رک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "وہ مریض جس کو گولیاں لگی تھیں؟ اس کو تو شفٹ کر دیا گیا ہے کب کا۔"

فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "ہم تب سے یہیں کھڑے ہیں' اسے تو باہر نہیں لایا گیا۔"

"ارے' وہ بیک ڈور سے لے کر گئے ہیں نا وارڈ میں۔" اس نے اوٹی کے دوسرے دروازے کی سمت اشارہ کیا جو کوریڈور کا موڑ مڑ کر آتا تھا۔ یہاں سے دکھائی نہ دیتا تھا۔ فارس اور حنہ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ زمر بے چینی سے آگے بڑھی۔

"کس وارڈ میں؟ پلیز مجھے اس طرف لے جائیں۔"

"آئیے۔" وہ اپنا کام چھوڑ کر آگے چل دی تو زمر اس کے پیچھے لپکی۔ فارس اور حنین ساتھ ساتھ چلتے پیچھے آرہے تھے۔

"یہ ادھر ہے آپ کا مریض۔" وارڈ میں آکر نرس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے گھومی اور۔۔۔ دفعتاً" ٹھہر گئی۔

زمر نے چہرہ موڑ کر اطراف میں دیکھا۔ اجنبی چہرے' غیر شناسا لوگ۔

"اوٹی ون سے جو بلٹ انجریز والا مریض ڈاکٹر بخاری نے بھیجا ہے' وہ کدھر ہے؟" کسی کو روک کر پوچھ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ زرد پڑنے لگا اس نے ویران نگاہیں اٹھا کر حنین کو دیکھا جو اتنی ہی متعجب لگ رہی تھی۔

"یہاں تو کوئی مریض نہیں لایا گیا۔"

"کیا مطلب؟ میرے سامنے وارڈ بوائز اسے لے کر گئے تھے۔"

ہر چیز سلو موشن میں ہوتی نظر آرہی تھی۔

"کیسے غائب ہو سکتا ہے ہمارا مریض؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔ اگر اسے کچھ ہوا تو۔۔۔" وہ غصے سے اس کی طرف لپکا تھا۔

اور پس منظر میں کوئی کہہ رہا تھا۔

"وہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے دیکھا تھا' دو وارڈ بوائز اسٹریچر پہ پیشنٹ کو لا رہے تھے' مگر وہ ریسپشن کی طرف جا رہے تھے۔"

اس نے دیکھا' فارس اس طرف بھاگا تھا' حنہ بھی پیچھے دوڑی تھی۔

سوالات' حساب کتاب' پولیس اہلکاروں کی بھاگ دوڑ' زمر ان سب میں اجنبیوں کی طرح قدم قدم چلتی گئی۔۔۔ چلتی گئی۔ یہاں تک کہ ریسپشن ہال سامنے دکھائی دینے لگا۔ فارس تلخی اور غصے سے بازو اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا پولیس آفیسر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ارد گرد افراتفری سی مچی تھی۔ حنین حیران پریشان سی گردن گھمائے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ اسے سست قدموں سے آتے دیکھا تو دوڑ کر اس تک آئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ بھائی کہاں ہے؟"

زمر نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ اسے لے گئے ہیں۔" اس کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔ ہلکی سرگوشی کی طرح۔ "کون؟ کون لے جا سکتا ہے بھائی کو؟"

زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔ "کون ہیں؟ مجھے نہیں پتا۔ مگر۔۔۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے اس کو گولی ماری ہے۔" اس کی ویران نگاہیں فارس پہ جا ٹھہریں' جو ایک پولیس اہلکار کے ہمراہ تیزی سے باہر جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ زمر نے یاسیت سے سر جھٹکا۔ "وہ ہمارے بچے کو ہمارے ہاتھوں سے لے گئے ہیں' اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔" وہ ہال کے کنارے نصب بینچ پہ بیٹھ گئی اور سر دیوار سے ٹکا دیا۔ حنین' جو ابھی تک حیران پریشان کھڑی تھی۔ ایک دم سے رونے لگی' پہلے ہلکی اور پھر

اونچی آواز سے۔

ان دونوں کا ردِ عمل دینے کا طریقہ اتنا ہی مختلف تھا جتنی وہ خود ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

☼ ☼ ☼
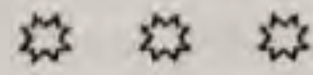
ہر کسی کے جلنے کا اپنا انداز ہوتا ہے
پروانے جتنے بھی جلیں، مگر دیا نہیں ہوتے

رات کی سیاہی نے صبح کی سفیدی کو جگہ دی اور نیلا ہٹ بھرا اندھیرا قصر کاردار پہ اترنے لگا۔ نوشیرواں کے کمرے کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ وہ تیز اے سی کی ٹھنڈ میں 'لحاف تانے' پیٹ کے بل سو رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کروٹ لی اور چہرہ اوپر ہوا تو بند آنکھوں سے منہ بگاڑا۔ کچھ سونگھا۔ دھواں۔ بو۔ وہ آنکھیں چندھیا کر ادھر ادھر دیکھتا اٹھ بیٹھا۔ پلکیں جھپکائیں' ذرا بصارت واضح ہوئی تو اس کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ منہ ذرا سا کھل گیا۔

سامنے صوفے پہ ہاشم بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کہنی صوفے کے بازو پہ رکھے' وہ سگریٹ انگلیوں میں پکڑے' منہ سے نکال رہا تھا۔ دھوئیں کا مرغولہ سالبوں سے نکلا اور اوپر اٹھتا گیا۔ میز پہ شیرو کے پستول کے ساتھ اس کے سگریٹ اور منشیات کے پیکٹ پڑے تھے' ایک پیکٹ تازہ کھولا گیا لگتا تھا۔ نوشیرواں کی پریشان نگاہیں واپس ہاشم کے چہرے تک اٹھتی گئیں۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں گیلی تھیں' ناک سرخ تھی۔

"کیا وہ مر گیا؟" اس نے ہلکے سے پوچھا۔ ہاشم نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔۔۔ اس کی گیلی آنکھوں میں گلابی رگیں ابھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔

"میں اسے نہیں مار سکتا تھا' اس لیے یہاں سے دور بھیج دیا ہے۔ بے فکر رہو' وہ اب کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا۔" وہ بولا تو آواز زکام زدہ سی لگتی تھی۔ "پولیس ہماری' اسپتال کا عملہ ہمارا' قانون ہمارا۔ نہ تمہیں کسی نے اس کالونی میں جاتے دیکھا' نہ نکلتے۔ اسپتال میں کافی شور ڈالا فارس نے' مگر اب تھک ہار کر وہ لوگ گھر جا چکے ہیں۔ اب جتنا تلاش کر لیں' وہ انہیں نہیں ملے گا۔ مبارک ہو۔" نوشیرواں کی آنکھوں میں خفگی اتری۔

"کیا وہ ابھی بھی زندہ ہے؟ آپ نے اسے کیوں بچایا؟"

"تم فکر مت کرو۔ تم بس سو جاؤ۔ اسٹین فورڈ میں میرا ایک پروفیسر تھا۔" جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ کا ٹکڑا مسلا۔ "وہ کہا کرتا تھا' قاتلوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ قتل کرنے کے بعد ان پہ نیند ضرور طاری ہوتی ہے۔ مجرم کا کھوج لگانے کے لیے ہم پہلے اسی جگہ کا تعین کرتے ہیں' جہاں وہ جا کر سویا تھا۔ تم بھی سو جاؤ۔ کیوں کہ یہ وہ آخری پرسکون نیند ہے' جو تمہیں ملے گی۔"

"آپ اتنے اپ سیٹ کیوں ہیں؟ ایک بندہ مارنے سے کون سی قیامت آجاتی ہے۔ آپ نے بھی تو۔۔۔" حد ادب تھا کہ بے زاری سے کہتے کہتے بھی وہ رک گیا۔

"قتل چھوٹی بات نہیں ہوتی نوشیرواں۔" وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے نم آواز سے بولا تھا۔

"میں کاردار ہوں' مجھے کوئی پولیس نہیں گرفتار کر سکتی۔ چند دن بعد سب اسے بھول جائیں گے۔"

"کسی کا مرا ہوا بچہ بھی پیدا ہو تو وہ اسے نہیں بھولتا' تم کہتے ہو' وہ اسے بھول جائیں گے؟"

"کیا آپ نے دو لوگ نہیں مارے تھے؟ کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں!"

"ہاں سارا قصور میرا ہے۔ غلط کیا میں نے تمہیں بتا کر۔" غصے اور دکھ سے کہتے اس نے سگریٹ کھڑکی کی طرف پھینکا۔ "وہ دو اچھے مگر عام سے لوگ تھے۔ تم نے شیرو اس پہ گولی چلائی جوان کے خاندان کا ہیرو تھا۔ ابھی وہ شاک میں ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں یہ شاک صدمے میں بدلے گا۔ اور پھر غصے میں۔ وہ اسے ڈھونڈیں گے اور اس کے مارنے والے کو بھی۔۔۔ مگر تم بے فکر رہو۔ تمہارا بھائی ہے نا! تمہیں بچا لے گا ہمیشہ کی طرح!" اس نے زکام زدہ انداز میں سانس ناک

سے اندر کھینچا۔

"آپ کو وہ اتنا پسند ہے کیا؟" نوشیرواں خفگی سے چہرہ جھکائے بڑبڑایا۔ جواب میں ہاشم نے میز پہ رکھے، بڑے سائز کے فوٹو گراف اٹھا کر اس کی طرف اچھالے۔ ساری تصویریں بیڈ اور فرش پہ گر گئیں۔

"یہ دیکھو، تم نے کیسے اس کے چہرے پہ مارا ہے۔ تین گولیاں مارنے کے بعد بھی تم نے اسے مارا۔ وہ انسان کا بچہ تھا نوشیرواں، ایسے تو کوئی جانور کو بھی نہیں مارتا۔" دکھ اور غصے سے اس نے شیرو کو ملامت کیا۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"خیر۔۔۔ یہ سب اب ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ میں یہاں صرف ایک سوال کا جواب لینے بیٹھا ہوں۔" شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اب خود کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے اس کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا کہ کیسے تم اس کے پیچھے گئے، اس کو تین گولیاں ماریں اور واپس آ گئے۔ پولیس رپورٹ کے مطابق بھی اس کو تین گولیاں ہی لگی ہیں۔ مگر نوشیرواں کاردار! میں جانتا ہوں کہ یہ پورا سچ نہیں ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" شیرو کے تاثرات بدلے، رنگ پھیکا پڑا۔

"تم نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے۔ اور اب تم مجھے بالکل صاف صاف بتاؤ گے۔" کہتے ہوئے اس نے پستول کا میگزین نکال کر شیرو کے سامنے کیا۔ بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھے نوشیرواں نے تھوک نگلا۔

"یہ جی فورٹی ون ہے۔ اس کے میگزین میں تیرہ گولیاں ہوتی ہیں۔ تم میگزین بھرے بغیر تو گئے نہیں ہو گے، سو اگر تیرہ میں سے تین گولیاں تم نے سعدی کو ماری ہیں تو باقی کتنی بچنی چاہئیں؟۔"

"دس!" شیرو کی آواز ہلکی تھی۔

"مگر اس میں سات گولیاں ہیں۔ اور اگر تم نے مجھے نہ بتایا کہ وہ باقی تین گولیاں کہاں گئیں تو خدا کی قسم نوشیرواں! میں یہ ساتوں گولیاں تمہارے سر میں اتار دوں گا!" وہ جس طرح چبا چبا کر، اسے گھور کر بولا تھا

نوشیرواں کے پاس پسپائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔
"جب میں نے تیسری گولی مار کر اس کا فون اٹھایا اور جانے لگا تو..." کہنے کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے وہی خوف ناک منظر پھر سے تازہ ہوا۔
وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا' اس کے قدموں میں خون میں لت پت سعدی گرا پڑا تھا۔ آگاہی اس کے دماغ کو چڑھی کوکین ہرن کرنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے جھکا' سعدی کا موبائل اٹھایا جس پہ خون کے محض چند قطرے لگے تھے اور اسے جیب میں ڈالے مڑ گیا۔
اب اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔
تب ہی... جب کہ وہ مڑنے لگا تھا' اس نے وہ آواز سنی۔ زیر تعمیر گھر کے اندر سے کوئی کھٹکا ہوا تھا۔ کسی بلی کے بچے کی سی آواز۔ ہلکی سی کراہ۔ وہ چونک کر واپس گھوما۔ اندھیرے میں آنکھیں سکوڑ کر دیکھا۔
"اے... کون ہے ادھر؟" پستول سیدھا تانے وہ احتیاط سے قدم قدم چلتا گھر کے اندرونی حصے تک آیا۔ وہاں گھپ اندھیرا تھا۔
"کون ہے؟ بولو..." اس نے پکارا۔ مگر خاموشی چھائی رہی۔ مگر وہاں کونے میں کوئی حرکت سی ہوئی۔ وہ کوئی ہیولہ سا تھا جو حرکت کر رہا تھا۔
نوشیرواں نے پستول تان کر یکے بعد دیگرے فائر کیے۔ پھر قریب آیا۔ موبائل کی اسکرین روشن کر کے اس طرف ڈالی۔ وہ سیمنٹ کا ایک خالی پیپر بیگ تھا۔ جو سیڑھیوں کے ساتھ گرا تھا۔ وہ سر جھٹک کر مڑا اور باہر آیا۔ سعدی ہنوز وہیں گرا پڑا تھا۔ وہ ایک متنفر نگاہ اس پہ ڈال کر گیٹ کی طرف بڑھا' مگر... کسی احساس کے تحت اس نے گردن موڑی۔
بنا دروازوں کے اس گھر کے ڈھانچے کی کچی پکی سیڑھیوں کے اوپر... کوئی سایہ گم ہوا تھا۔ اسی وقت پس منظر میں پولیس کے سائرن بجنے لگے۔ وہ تیزی سے باہر کو دوڑا۔ چند منٹ بعد وہ بخیریت کافی دور کھڑی اپنی کار تک آچکا تھا۔
"مجھے شیور نہیں ہے' مگر شاید وہاں کوئی تھا... شاید نہیں تھا۔" اپنے کمرے میں بیٹھے سر جھکائے' نوشیرواں کہہ رہا تھا۔
ہاشم ایک دم اٹھا۔ سارا نشہ ہرن ہوا۔ "کیا اس نے پچھلے قتلوں کا حوالہ دیا؟ میرا نام لے کر کچھ کہا؟"
"ہاں' بہت کچھ بولا تھا اس نے۔"
"تو پھر ظاہر ہے' وہاں کوئی تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہاں کون ہے۔ اوہ' میرے خدا!" بے اختیار اس نے ماتھے کو چھوا۔
"تمہیں کسی نے گولی چلاتے دیکھا ہے۔ یعنی کہ اب موقع کا گواہ بھی موجود ہے۔ لعنت ہے تم پہ نوشیرواں!" غصے اور پریشانی سے سر جھٹک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔
"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟ مجھے دو۔ اور اپنا سامان تیار کرو۔ تم ابھی اسی وقت ملک سے باہر جا رہے ہو۔ تم اس وقوعے کے وقت بھی ملک میں نہیں تھے۔ میں پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ کی ایگزٹ اسٹیمپ لگوا دوں گا۔ پاسپورٹ لاؤ' جلدی!" آخر میں وہ غصے سے چلایا۔ تو نوشیرواں تیزی سے بستر سے اترا اور الماری کی طرف لپکا۔
ان چند گھنٹوں میں پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل .... سدرہ جبار
میک اپ .... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر .... موسیٰ رضا

نمرہ احمد

نمل

قسط 15

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن

پارس سماء (watermark overlay: پاک سوسائٹی)

واسطہ کام

مکمل ناول

ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت وزندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکیورٹی آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم' خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتادیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہوجاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہوکر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آمس اینڈ آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہوجاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہوکر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی' ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کررہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہوکر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی' زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہوجاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین' وارث کیس کی ایل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں' مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کرسکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کرلے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔ سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کردیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً "کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلاً"... مثلاً "ہاشم کا کردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔
زمر کو ہاشم کا کردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی، زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا، حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے ______ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔

بارہویں قسط

"یا صاحبی السجن"

اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو!

ایک دن میرا وقت بھی آئے گا۔
اور تم قیمت چکاؤ گے اپنے کیے کی۔
اور تم دیکھو گے کہ میں قطعاً "اچھی نہیں ہوں۔
ایک دن میں آسیب کی طرح تمہیں ڈراوں گی۔
یہ میرا وعدہ ہے جس کا ابھی تم کو اندازہ نہیں۔
مگر تم تب خواہش کرو گے کہ کاش۔۔۔

ہم کبھی نہ ملے ہوتے۔
ایک دن!
کیوں کہ میں کبھی نہیں بھولوں گی۔
اور تمہیں رحم کے لیے گڑگڑاتے کوئی نہ سن پائے گا۔
کیوں کہ ابھی تو تم نے کچھ نہیں دیکھا۔
سو غور سے سنو۔
ایک دن تم جواب دو گے اپنے اعمال کا۔
بس انتظار کرو اور دیکھو۔

اور تب تم جانو گے میرے خاندان کو۔
نقصان پہنچانے کے بعد کیا ہوتا ہے!
ایک دن میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔
مجھے پروا نہیں کہ اس میں کتنی دیر لگتی ہے۔
یا مجھے اس کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔
کیوں کہ میں کبھی اپنا وعدہ۔
توڑا نہیں کرتی!

(Petite Magique کی نظم انتقام سے)

سعدی یوسف کی گمشدگی کے پانچ گھنٹے بعد

آج صبح چھوٹا باغیچہ ویران پڑا تھا۔ سورج کی تپش نے سارے پھول جھلسا دیے تھے۔

اندر لاؤنج میں ندرت کے رونے کی آواز سب سے اونچی تھی۔ وہ چہرہ جھکائے نفی میں سر ہلاتی روئے جارہی تھیں۔

"ہم اس کو ڈھونڈ لیں گے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" فارس ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے ان کو تسلی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رت جگے کے باعث سرخ تھیں اور چہرے پہ تکان تھی۔

"اب کہاں ڈھونڈو گے؟ اب تک تو وہ اسے...."

اور دوپٹے میں چہرہ چھپائے اور زور سے رونے لگیں۔ ان کا کندھا سہلاتی حنین بھی "امی خود کو سنبھالیں۔" کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔ سیم سر گھٹنوں میں دیے کارپٹ پہ بیٹھا تھا۔ سامنے بڑے ابا گردن جھکائے خاموش آنسو گرا رہے تھے۔

"وہ بالکل ٹھیک ہوگا اور اس کا خیال رکھا جارہا ہوگا۔" سنگل صوفے پہ گھٹنے ملا کر بیٹھی زمر نے بے تاثر سے انداز میں کہا تو وہ سب اس کو دیکھنے لگے۔ وہ اب بھی اسی طرح گم صم چپ سی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" ابا نے سر اٹھائے بغیر گیلی آواز میں پوچھا۔

"جو کوئی بھی بلٹ انجری مہلک نہیں تھی۔ اگر انہوں نے اسے مارنا ہوتا تو پہلی دفعہ میں مار دیتے۔ یا پھر جیسے نکال کر لے گئے ہیں اسی طرح آپریشن ٹیبل پہ مار دیتے۔ ان کو وہ زندہ چاہیے۔ اس لیے وہ اس کا خیال رکھیں گے۔"

"مگر کون ہیں وہ لوگ؟ بھائی نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟" حنین نے بے بسی سے روتے پوچھا۔

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "مجھے نہیں پتا۔" اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ پرس اٹھایا چابیاں نکالیں۔ حنین نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"آپ کہاں جارہی ہیں؟" زمر نے جواب دیے بنا اسٹریپ کندھے پہ ڈالا موبائل بیگ میں رکھا۔ فارس نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"میں جارہا ہوں تھانے آپ مت جائیے۔"

"میں گھر جارہی ہوں۔" کسی سے نگاہ ملائے بنا وہ مڑ گئی۔ حنین کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔

"آپ بڑے ابا امی سب کو اتنی تکلیف میں چھوڑ کر جارہی ہیں؟"

زمر کو عقب سے اس کی آواز آئی مگر وہ قدم قدم آگے بڑھتی رہی۔ حنہ نے بے دردی سے آنکھیں رگڑیں۔

"ٹھیک ہے۔ جائیے۔ ہمارا بھائی جیے یا مرے۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ نے تو ویسے بھی چار سال سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔" زمر کے قدم لمحے بھر کو تھمے پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

"حنین! کم از کم اس وقت لڑائی مت کرو۔" وہ خفگی سے ٹوکتا اٹھا۔ حنہ نے صرف ملامتی نظروں سے اسے دیکھا اور رخ پھیر گئی۔ امی گھٹا گھٹا سا ابھی تک رو رہی تھیں اور بڑے ابا کے ضعیف چہرے پہ آنسو ہنوز بہہ رہے تھے۔

"وہ اب کسی کو نہیں ملے گا میری امید کھو گئی ہے۔" وہ دکھی دل سے کہہ رہے تھے۔

✲ ✲ ✲

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

جو محبتوں کے اساس تھے' وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
اس نے انیکسی کا دروازہ کھولا تو اندر سناٹا تھا۔ وہ اسی زرد چہرے اور ویران آنکھوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ پھر لکڑی کے زینے پہ قدم رکھتی چڑھتی گئی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پہ تھا۔ دوسرے میں پرس اور خاکی لفافہ تھام رکھا تھا۔

اپنے کمرے میں آکر زمر نے پرس فرش پہ ڈال دیا۔ پھر خاکی لفافہ کھولا۔ فل سائز تصاویر نکالیں۔ پھٹے ہونٹ' سرخ نشانوں اور زخموں والا چہرہ لیے' بند آنکھوں سے لیٹا سعدی۔ خون آلود لباس۔ زمر نے ایک کے بعد ایک تصویر سامنے کی۔ اس کی بھوری آنکھیں اس لڑکے کی بند آنکھوں پہ جمی تھیں۔ خشک بھوری آنکھیں۔

پھر یکایک ان میں پانی بھرا۔ اتنا کہ وہ ڈبڈبا گئیں اور آنسو چہرے پہ تیزی سے بہنے لگے۔ اس نے زور سے وہ تصویریں سامنے دیوار پہ دے ماریں اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتی چلی گئی۔ چہرہ جھکائے' مٹھیاں فرش پہ رکھے' وہ ایک دم بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"کیوں اللہ۔۔۔ کیوں؟" روتے روتے اس نے گیلا چہرہ اٹھا کر چھت کو دیکھا۔ "کیا اتنے سال اسے اس لیے بڑا کیا تھا کہ کوئی آئے اور گولی مار کر چلا جائے؟ کیا ہم اپنے بچوں کو اس لیے بڑا کرتے ہیں؟ کیا آپ کی دنیا میں کوئی قانون نہیں؟ کوئی انصاف نہیں؟"
اس نے زمین پہ بیٹھے بیٹھے چہرہ بیڈ پہ رکھ دیا۔ دائیں گال پر آنسو بہتے دکھائی دے رہے تھے۔
"میں نے اسے کہا تھا کہ' میں اس کا خیال رکھوں گی۔ کئی سال پہلے جب ہم کلام میں تھے۔ ایک چشمے کے کنارے اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس کا کوئی بھائی نہیں' تو اس کا کیپ کون ہو گا؟ میں نے کہا' میں ہوں گی۔ دو سال بعد سیم پیدا ہوا' مگر اسے تب بھی پتا تھا کہ اس کی کیپر زمر ہو گی' ہمیشہ اس کا خیال رکھے گی' مگر میں اس کا خیال نہیں رکھ سکی۔ میں اسے نہیں بچا سکی۔ کیوں اللہ' کیوں؟" وہ سسکیوں سے روئے جا رہی تھی۔
"میں اب پہلے کی طرح آپ سے بات نہیں کرتی' میں ویسے دعا نہیں مانگتی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا' میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ میرے پاس سعدی تھا۔" ماتھا بیڈ سے ٹکائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے کہہ رہی تھی۔
"کیسے کسی نے اس کو گولی مار دی؟ کیسے اس کو اتنی تکلیف دی؟ اللہ۔۔۔ کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا' وہ تو پھر انسان تھا۔" وہ بولتی جا رہی تھی۔ "میں نے اللہ۔۔۔ میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا' میں نے چار سال ضائع کر دیے۔ میں کہاں سے وہ وقت واپس لاؤں؟ پلیز میرے ساتھ یہ مت کریں۔" سر بیڈ کنارے سے لگائے وہ بچوں کی طرح روئے جا رہی تھی۔
کتنے لمحے بیتے' سورج کتنا تیز ہوا' معلوم نہیں' وہ اسی طرح بے خبر سی روتی رہی۔ یہاں تک کہ دروازہ دھیرے سے کھٹکا۔ پھر کھلا۔ چوکھٹ میں کھڑے فارس نے اندر دیکھا تو ساری پولیس فوٹو گرافس بکھری نظر آئیں اور وہ زمین پہ بیٹھی' بیڈ کے کنارے پہ سر رکھے رو رہی تھی۔ نیچے رکھا اس کا موبائل مسلسل زوں زوں کر رہا تھا۔
"زمر!" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا قریب آیا۔ آنکھوں میں تکلیف لیے زمر کو دیکھا۔
"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے چہرہ اٹھایا' نہ آنسو پونچھے۔ بس آپ جناب کا تکلف بھی آج ختم کیا۔
"نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ بہت ہلکے سے بولا تھا۔ پھر جھک کر اس کا موبائل اٹھایا۔
"بصیرت صاحب کا فون ہے۔"
"مجھے تنہا چھوڑ دو فارس۔" وہ چہرہ اٹھا کر اسے متنفر نظروں سے دیکھتی ایک دم چلائی۔ "جب بھی تم ہماری زندگیوں میں آتے ہو' کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ ہر چیز ہمیشہ تمہاری وجہ سے ہوتی ہے۔" وہ چپ چاپ کھڑا' دکھ سے اسے دیکھے گیا۔

"مجھے نہیں پتا اسے کس نے مارا' لیکن اگر اس کا کوئی دشمن بنا ہے تو صرف تمہاری وجہ سے۔ تم نے ایک پڑھنے لکھنے والے بچے کو جیل کچہری اور عدالتوں کے چکر میں دھکیل دیا۔ تم نے اس کو پتا نہیں کتنوں کا دشمن بنا دیا۔ مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔" ملامت سے اسے دیکھتی وہ چیخ چیخ کر کہتی پھر سے رونے لگی تھی۔

فارس خاموشی سے اس کے ساتھ اکڑوں بیٹھا اور گھٹنوں کے گرد بازو پھیلائے۔ پھر گردن گھما کر اسے یاسیت سے دیکھا۔

"مجھے پتا ہے اس کے دشمن میری وجہ سے بنے ہیں' میں نے اسے کہا تھا کہ میرے لیے غلط چیزوں میں انوالو مت ہونا۔ مگر وہ ہوا۔ میں جیل میں تھا۔ اسے نہیں روک سکتا تھا۔" وہ بدقت بول رہا تھا۔ اس کے انداز میں شدید تکلیف تھی۔

"تم ایک ہی دفعہ ہماری زندگیوں سے چلے کیوں نہیں جاتے؟ تمہاری وجہ سے ہم اور کتنا نقصان اٹھائیں گے؟ خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے' تمہیں جان سے ماردوں۔" دکھ پہ اب غصہ غالب آنے لگا۔ وہ اس سے تین فٹ کے فاصلے پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ان الفاظ پر بھی چہرے پہ کوئی غصہ' کوئی تلخی نہ ابھری۔ بس تکان سے اسے دیکھے گیا۔

"آپ جو کرنا چاہتی ہیں' میرے ساتھ کرلیں۔ میں آپ کو نہیں روکوں گا۔"

"بے فکر رہو۔" زمر نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔ مجھے تم سے شادی بھی نہیں کرنی چاہیے تھی' مگر خیر۔" اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔ "میں نے اس سے وعدہ کیا تھا' کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی اور میں اپنے وعدے پورے کیا کرتی ہوں۔" ساتھ ہی ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے' ایک دفعہ میں سعدی کو ڈھونڈ لوں' پھر میں تم سے بھی حساب لوں گی' اس ایک ایک زخم کا جو تم نے میرے خاندان کو دیا ہے۔"

"آپ کو مجھ پہ غصہ ہے اور آپ تکلیف میں ہیں' میں بھی ہوں۔ مگر یہ پہلی دفعہ نہیں ہے' جب مجھے یہ کہا گیا ہے کہ ہسپتال جاؤ' کیوں کہ تمہارے خاندان کا کوئی فرد گولیوں سے بھون دیا گیا ہے۔" وہ اس کو دیکھتے ہوئے تکلیف اور دقت سے بولا تو گلے میں گولہ سا اٹکنے لگا' مگر اس نے نگل لیا۔ "لیکن میں آپ کی طرح رو نہیں سکتا۔ میں رونا نہیں چاہتا۔ میں اس ایک ایک شخص کو جس نے میرا خاندان تباہ کیا ہے' ڈھونڈ کر اس کی چمڑی ادھیڑنا چاہتا ہوں۔" اب کے اس کی آنکھوں میں درشتی ابھری اور گردن کی رگیں کھنچتی ہوئی دکھائی دیں۔ زمر نے ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

"مجھے کچھ مت سناؤ۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اور رخ موڑ لیا۔ گیلی آنکھیں پھر سے رگڑ کر صاف کیں۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بات سنیں۔ سعدی سے برابر کا رشتہ ہے ہمارا۔ ٹھیک ہے آپ کا کچھ زیادہ ہوگا' مگر اس وقت ہمیں آپس میں لڑنے کے بجائے ایک ساتھ مل کر اس کو ڈھونڈنا ہوگا۔"

"اتنی توانائی مجھ پہ خرچ مت کرو۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گی اور میں ہر اس شخص کو ڈھونڈوں گی جو اس میں

انوالوڈ تھا اور پھر دنیا دیکھے گی کہ میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ مگر یہ تمہاری بھول ہے فارس! کہ میں اس سب میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔" اس کو تیز نظروں سے گھورتی وہ چبا چبا کر بولی۔
"نہ آپ اسے اکیلی ڈھونڈ سکتی ہیں' نہ میں...."
"مجھے تمہاری کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" تلخی سے کہتی وہ اٹھی۔ "میں اکیلی سب کرلوں گی۔ تمہارا کیا بھروسا' کل کو مجھے بھی بیچ آؤ۔"
فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ دماغ کھول گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔
"ایسا سمجھتی ہیں آپ مجھے۔" غصے سے اس کے مقابل کھڑے پوچھا تو چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
"کیوں؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھ پہ گولی چلائی تھی؟ کیا تم وہی نہیں ہو جس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی؟" وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے ہی غصے سے غرائی تھی۔ فارس کے لب بھینچ گئے' چند لمحے ضبط سے گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔
"میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں' کیا آپ چلیں گی؟" بدقت ضبط سے سپاٹ سا پوچھا۔
"ھونہہ...." زمر نے نفی میں سر جھٹکا اور زمین پہ گرا موبائل اٹھایا۔ "یہ ساری پولیس ان ہی لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یہ جتنی ناکہ بندیاں کرالیں' اسے نہیں ڈھونڈ پائیں گے" ساتھ ہی موبائل پہ مسڈ کالز دیکھ رہی تھی۔ اس کی ناک اور.... آنکھیں ہنوز گلابی تھیں اور آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔ فارس کے چہرے کا سپاٹ پن قدرے کم ہوا۔
"مجھے پتا ہے پولیس ملی ہوئی ہے' بے فکر رہیے' ان میں سے ایک ایک آفیسر کا وقت آئے گا۔" اور جانے کے لیے مڑا تب ہی زمر نے فون کان سے لگایا۔
"جی بصیرت صاحب...." وہ چوکھٹ میں ٹھہر گیا۔ مڑا نہیں۔ وہ اب فون پہ کہہ رہی تھی۔ آواز کو نارمل کرتے ہوئے۔
"آپ کا بہت شکریہ.... نہیں ابھی تک تو کچھ پتا نہیں چل سکا۔ میں تھوڑی دیر میں گھر سے نکلوں گی' پھر دیکھوں گی.... اچھا...." وہ رک کر سننے لگی۔ پھر ہنسی' تلخ سی ہنسی' فارس نے چونک کر گردن موڑی۔
"مجھے اسی قسم کے آرڈر کی توقع تھی' مگر یہ کافی جلدی آگیا۔"
"نہیں.... مجھے اب اس سے فرق نہیں پڑتا' آپ کا شکریہ۔" موبائل رکھ کر اس کی نگاہیں اٹھیں تو فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔
"کیا ہوا؟"
"مجھے ایڈووکیٹ جنرل نے بغیر وجہ بتائے معطل کردیا ہے' اب میں پراسیکیوٹر نہیں رہی۔" اتنی ہی تلخی سے بولی۔
"کیا....؟" فارس کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ "مگر اس طرح کی معطلی غیر قانونی...."
"اچھا ہی ہوا۔" زمر نے شانے اچکائے اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ "یہ وہ پہلی غلطی ہے جو ہمارے دشمنوں نے کی۔ اس سے انہوں نے مجھے یہ بتادیا ہے' کہ وہ بارسوخ لوگ ہیں۔ یہ ان کی پہلی چال تھی۔ بساط بچھادی گئی ہے اور کھیل شروع ہوچکا ہے۔ اب وہ دیکھیں گے کہ ان کا مقابلہ کس سے ہے۔" تلخی سے بڑبڑاتی وہ الماری میں ہینگر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ فارس کا ذہن ایک لفظ اٹک گیا۔
(ہمارے دشمن؟ کیا اس کو خود بھی احساس نہیں کہ اس نے "میرے" یا "سعدی" کے بجائے "ہمارے" کہا؟)
اور اس ساری پریشانی' اذیت اور صدمے کی کیفیت کے باوجود ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ رینگ گئی۔ پھر وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھروں پہ نام تھے' ناموں کے ساتھ عہدے تھے
بہت تلاش کیا' کوئی آدمی نہ ملا
قصر کاردار کے ڈائننگ ہال کی لمبی میز ناشتے' پھلوں

اور مشروبات سے سجی تھی، مگر جواہرات سب چھوڑ کر‘ پوری طرح ہاشم کی طرف متوجہ‘ حق دق سی سنتی جا رہی تھی۔ وہ سر جھکائے چائے کے گھونٹ بھرتے بتا رہا تھا۔ آفس کے لیے تیار اور ہلکا میک اپ کیے تازہ دم جواہرات کے برعکس وہ قدرے ست تھا۔ سوٹ‘ ٹائی‘ سب درست تھا‘ بس آنکھیں ہنوز سوجی ہوئی تھیں۔

”سعدی کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے اب معلوم ہو رہا ہے۔“ بے حد حیرت اور افسوس سے وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ سامنے ہاتھ باندھے کھڑا خاور اپنے جوتے کو دیکھتا رہا۔ ہاشم کی نظریں بھی چائے پہ جمی تھیں۔

”اس کی فیملی تو بہت ڈسٹرب ہو گی۔“ جواہرات کہنی میز پر جمائے‘ ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتی‘ آنکھوں میں تاسف بھرے کہہ رہی تھی۔ ”آخر کون کر سکتا ہے یہ؟“ پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ ”تم نے تو۔“

ہاشم نے نیپکن مٹھی میں بھینچا اور خفگی سے نظریں اٹھائیں۔ ”میں اس پہ کبھی گولی نہیں چلا سکتا‘ نہ یہ خاور نے کیا ہے۔ ہم اس کے واحد دشمن نہیں ہیں۔“

”اوہ۔“ اسے سکون آیا۔ پھر گلاس اٹھا کر جوس کے دو گھونٹ بھرے۔ خاور اور ہاشم نے ایک خاموش نظر کا تبادلہ کیا۔

”مگر۔“ یکایک جواہرات کا سانس اٹکا۔ چہرے پر پریشانی آئی۔ ”وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ کوئی ہم پہ شک۔“

”کسی کو نہیں پتا وہ کل ہمارے پاس آیا تھا۔ ہم آفس کے کل کے سی سی ٹی وی ریکارڈ کلیئر کر دیں گے۔ زیادہ لوگوں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ اگر پتا چل بھی جاتا ہے تو کیا ہوا؟ کوئی ہم پہ شک نہیں کر سکتا۔“

”ہوں۔“ جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اسپتال سے اگر وہ غائب ہوا ہے تو ظاہر ہے اتنی زخمی حالت میں۔ اونہوں۔ وہ تو ابھی تک زندہ بھی نہ ہو شاید۔“ پھر یکایک ایک خیال کے تحت چونکی۔ ”ہاشم۔ سعدی کا یہ حادثہ۔ میرا مطلب ہے‘ اس کے جانے کے بعد اب کوئی نہیں ہے‘ جو جانتا ہو کہ ہم نے وہ سب کیا تھا۔“

ہاشم نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”کیا آپ کو اس حادثے کا ذرا بھی افسوس نہیں؟“

”اوہ نہیں‘ آف کورس ہے۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔“ وہ فوراً“ معذرتی انداز میں کہتی ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ”آفس جانے سے پہلے ان کے گھر چلیں گے۔ یہ تو ابھی اس کا دماغ الٹا تھا‘ ورنہ وہ بہت پیارا لڑکا تھا۔ میرا بہت اچھا دوست۔“ (ایسے ہی غارت گروالی کہانی یاد آئی جو ایک شام اسے اہتزازی حالت میں سنائی تھی۔ چلو اس کہانی کا دوسرا گواہ بھی ختم ہوا۔ اور پہلی۔؟)

”میری کو بھجوا دیا تم نے؟“ سرسری سا پوچھا۔

”جی‘ اسے ملک بدر کر دیا ہے آج۔“ اور جواہرات کا دل مزید ہلکا ہو گیا۔ (شکر!)

”اوکے۔“ اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا‘ بے زاری سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”شیرو پھر ناشتے پہ نہیں آیا۔“ وہ ذرا فکر مند ہوئی۔

”وہ رات دبئی چلا گیا تھا۔ آپ جب تک پارٹی سے آئیں‘ میں سو چکا تھا‘ بتا نہیں سکا۔“ اس نے سیل فون اٹھاتے سرسری سی اطلاع دی۔

جواہرات نے شدید حیرانی سے چہرہ اٹھایا۔ ”مگر کیوں؟“

”دوستوں کے ساتھ پروگرام تھا۔ پریشان مت ہوں‘ اسے کچھ دن ریلیکس کرنے دیں۔ اور ہاں‘ یہ سعدی والی بات‘ اسے مت بتایئے گا ابھی۔ ڈسٹرب ہو جائے گا وہ۔ آخر۔ وہ دونوں۔ دوست تھے۔“

آخری فقرہ بدقت ادا کیا۔ پھر جواہرات سے نگاہ ملائے بغیر وہ باہر نکل گیا اور وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

”مجھے پتا ہے وہ کیوں گیا ہے۔ کیونکہ شہرین نے آج صبح وہاں جانا تھا۔“ ناراضی سے بڑبڑاتے گلاس اٹھایا۔

”آپ مسز کاردار سے کیوں چھپا رہے ہیں؟“ خاور نے اس کے پیچھے سے آ کر پوچھا تھا۔

"معاملہ ٹھنڈا ہونے دو' پھر بتادوں گا۔ ابھی کوئی لاپروائی ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔" دبی آواز میں کہتا وہ اس کے ساتھ باہر برآمدے تک آیا تھا۔ سیڑھیوں کے سرے پہ دونوں رکے۔ ہاشم نے چہرہ گھما کر نیچے پھیلے سبزہ زار کو دیکھا۔

"تم نے اس ممکنہ گواہ کو چیک کیا؟" یہ پریشانی ختم ہونے کو نہیں آرہی تھی۔

"جی' مگر ایسا کوئی گواہ پولیس کے پاس پیش نہیں ہوا' نہ ہی سعدی کے گھروالوں سے کسی نے رابطہ کیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ صرف نوشیرواں صاحب کی ڈرگز کے باعث Hallucination (وہم) ہو سکتی ہے۔"

"مگر میں اس امکان کو رد نہیں کر سکتا۔" ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ "تم معلوم کرنے کی کوشش کرو۔" اور زینے اترنے لگا۔ خاور سرہلا کر رہ گیا۔ ایک طویل اور اندھیری رات ختم ہوئی تھی۔

حسب معلوم ہاشم کاردار نے سب سنبھال لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دیکھنے آیا تھا کہ کس حال میں ہیں ہم!

چھوٹا باغیچہ ہنوز جھلس رہا تھا۔ اندر لاؤنج میں حنین خاموشی سے سرجھکائے بیٹھی تھی۔ سامنے صوفے پہ ہاشم اور جواہرات ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ابا اپنی وہیل چیئر پہ نڈھال سے لگ رہے تھے' اور ان کے ساتھ کھڑی زمران کو دوا دے رہی تھی۔ ہاشم بار بار نگاہ اٹھا کر اس کو غور سے دیکھتا تھا۔ پژمردہ' اداس حنین کے برعکس وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔

اس کے آنے کے بعد ہی وہ اور فارس یکے بعد دیگرے آئے تھے (فارس پھر چلا گیا تھا) وہ بدلے ہوئے لباس میں تھی۔ سامنے کے بال پیچھے کر کے پن لگائے' باقی کھلے چھوڑے' ٹاپس پہنے' ہر روز کی طرح تیار لگ رہی تھی۔ یہ نارمل نہیں تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں زمر؟" ہاشم نے فکرمندی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ ابا کو پانی کا گلاس پکڑاتے چونکی۔

چہرہ گھما کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکے سے شانے اچکائے۔

"جی۔ شکریہ۔ ابا آپ کھانا کھالیجئے گا' مجھے دیر ہوجائے گی۔" ابا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم کہاں جارہی ہو؟"

وہ اداسی سے مسکرائی۔ "سعدی کو ڈھونڈنے۔" ہاشم کی گردن کے گرد پھندا سا کسنے لگا۔ فوراً" سے حنین کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب تمہاری امی کیسی ہیں؟"

"دوا دے کر سلایا ہے۔ بہت اپ سیٹ ہیں۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ شا کی نظر زمر پہ ڈالی۔ (ان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایک آنسو جو بہایا ہو)

زمر ابا کو دوسرے کمرے میں لے گئی' جب واپس آئی تو وہ کہہ رہا تھا۔

"آپ لوگوں نے مجھے کیوں فون نہیں کیا؟ میں ہوتا تو دیکھتا کس طرح کوئی اسے لے کر جاتا ہے۔" وہ خفا ہوا تھا۔ جواہرات نے تاسف سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اسے پتا تھا وہ سعدی کے لیے کیا جذبات رکھتا تھا۔

"ہاشم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ سعدی اس کا دوست تھا' آپ کو ہاشم کو بلانا چاہیے تھا۔"

"ہاشم کو بلانے سے۔" زمر اور حنین دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کچھ یاد آیا۔

"ہاشم! کیا آپ نے سعدی کو بتائی تھی ایگزام والی بات؟" زمر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے پوچھا تو ہاشم نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ وہ بھی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کون سی بات؟"

"جب ایگزام میں حنہ نے۔"

"اوکے میم پراسیکیوٹر۔" ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "میں اس بارے میں بات نہیں کر سکتا۔ اٹارنی کلائنٹ پریویج کے تحت یہ میرے اور حنین کے درمیان ہے۔ اگر آپ کو کچھ جاننا ہے تو حنین سے پوچھ لیں۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ صرف سعدی کو بتانے کے متعلق پوچھا ہے۔"

"میں ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتا۔" وہ اتنے اعتماد

سے بولا تھا کہ حنین کی آنکھیں مزید بھیگیں۔ اس نے زمر پہ "دیکھا؟" والی جتاتی نظر ڈالی۔ جواہرات بھی اسی اعتماد سے گردن اکڑائے بیٹھی رہی۔ زمر البتہ مشکوک نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"ہوا کیا تھا؟"

"بھائی کو کل کسی نے بتایا تھا۔ یہ نہیں پتا کہ کس نے۔"

"کیا تم نے اپنی کلاس فیلوز سے پوچھا؟ مجھے وہاں بہت سے لوگوں نے آتے دیکھا تھا۔"

"وہ ہاں۔" حنین کو یاد آیا۔ "تاعمہ کا بھائی 'سعدی بھائی کا دوست ہے۔ شاید اسی نے بتایا ہو۔"

"اور تم نے سب سے پہلا شک مجھ پہ کیا؟" ہاشم مسکرایا۔ حنین کو ڈھیر ساری شرمندگی نے آن گھیرا۔

"اہم۔ یہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔"

جواہرات نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

ہاشم نے "ایک غیر اہم سی بات تھی۔ جانے دیجیے" کہہ کر موضوع بدل دیا۔

زمر باہر نکلی تو باغیچے کے گیٹ کے ساتھ اسامہ کھڑا اداسی سے دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ صبح اب دوپہر میں تبدیل ہو رہی تھی۔

"مجھے "اس" جگہ جانا ہے۔ کیا تم مجھے پتا سمجھا دو گے 'سیم؟" وہ اس کے قریب آکر بولی تو وہ چونکا 'پھر فوراً" سر ہلایا۔

"آپ اکیلی مت جائیں۔ میں ساتھ آؤں گا۔" اس کے کندھے کے برابر آتا سیم ایک دم سنجیدگی سے بولا۔ زمر ہلکا سا مسکرائی' پھر اس کی کہنی تھام لی اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"ماموں بھی ادھر گئے ہیں۔" جگہ کا نام لیے بغیر اس نے بتایا تو وہ ہلکا سا چونکی تھی۔

جیسے ہی وہ زیر تعمیر گھر قریب آیا' زمر کے قدم بھاری ہوتے گئے۔ چہرے کی رنگت زرد پڑتی گئی۔ آنکھوں میں نمی ابھری جس کو اس نے اندر اتار لیا۔ (اللہ مجھے صبر دینا! کچھ دیر کے لیے ہی سہی!) گیٹ کے سامنے جب وہ رکی تو آنکھوں میں کرب کی جگہ افسوس نے

لے لی۔ اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔

"پولیس نے اتنی جلدی کرائم سین دھو دیا؟"۔ غصہ بھی اس نے اندر دبالیا۔ وہاں چند لوگ اور پولیس اہلکار دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے پورچ میں قدم رکھا تو سیم کی کہنی زیادہ سختی سے بھینچ لی۔ سامنے فرش پہ خاک زدہ خاکہ بنا تھا۔ (جدھر سعدی گرا ملا تھا)۔ اپنی گلابی ہوتی آنکھیں اٹھائیں تو گھر کے اندرونی حصہ میں وہ کھڑا نظر آرہا تھا۔ اس کی زمر کی جانب پشت تھی اور وہ اینٹوں کی برہنہ سیڑھیوں کے پاس آدھا جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔ فارس سے فاصلہ رکھے' رخ پھیر کر کھڑی' ارد گرد نگاہیں دوڑانے لگی۔

"ادھر کیا ہے ماموں؟" سیم اس کی طرف گیا وہ چونک کر پلٹا' تو دیکھا وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ فارس نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی' پھر سیم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"یہاں دو گولیوں کے نشان ہیں۔ اور ایک گولی اس دیوار میں بھی لگی ہے۔" وہ اتنی آواز میں بولا کہ زمر سن لے اور وہ سن کر چونک کر مڑی تھی۔

"مگر۔ یہاں گولیاں کیوں ہیں؟" سیم نے ناسمجھی سے دونوں کو دیکھا۔

"اس کے اینگل سے لگتا ہے کہ یہ۔" کہتے ہوئے اس نے گردن موڑی' وہ اب ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملیں تو وہ سیڑھیوں میں لگے سوراخوں کو دیکھنے لگی۔ "یہ پورچ سے ہی چلائی گئی ہے۔ ظاہر ہے اسی شوٹر نے چلائی ہے۔"

"مگر۔ ادھر کیوں وہ گولی چلائے گا؟ سعدی بھائی تو بالکل دوسری طرف تھے۔"

"شاید اس کا نشانہ برا تھا۔" فارس نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

"یا شاید یہاں کوئی اور بھی تھا۔" وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی اور بھی تھا؟" وہ چونکا۔ زمر نے جواب نہیں دیا بس گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سیم نے بے چینی سے اسے

دیکھا۔

"پھپھو۔ آپ کو کیسے پتا؟"

"میں نے ابھی معلوم کیا تھا کہ پولیس کو کس نے کال کی کیونکہ سعدی کو بروقت اسپتال پہنچایا گیا تھا' تو۔" وہ سیم کو بتانے لگی۔ آواز بلند رکھی۔ فارس اسے غور سے دیکھتے ہوئے سننے لگا۔ "تو معلوم ہوا کہ ہمسائے میں سے کسی نے کال کی تھی اور پتا کھسکایا تھا' مگر جب پولیس آئی تو یہاں زخمی سعدی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور ہمسائے میں۔" زمر نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ "سارے گھر تو ابھی زیر تعمیر ہیں۔"

"یعنی کہ وہ شخص جس نے پولیس کو کال کی' اس واقعے کے وقت یہیں تھا؟"

زمر نے نگاہیں پھیر کر فارس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تھی۔ کال کرنے والی کوئی لڑکی تھی۔" اور وہ مڑ گئی۔ اسے جاتے دیکھ کر سیم پیچھے لپکا۔

"پھپھو۔ کیا ہمیں یہاں اور نہیں کچھ تلاشنا چاہیے؟ مثلاً" کوئی نشانی' کوئی ثبوت' کوئی فنگر پرنٹ۔"

"سب دھل کر تباہ ہو چکا ہے سیم۔ ہمیں اس کو وہیں ڈھونڈنا ہے جہاں وہ کھویا تھا۔" وہ جیسے صرف یہ جگہ دیکھنے آئی تھی۔ کسی اور چیز کی امید نہ تھی۔

سیم اور وہ ساتھ ساتھ چلتے واپس آئے تھے۔ فارس چند قدم پیچھے تھا۔ سیم اندر چلا گیا اور وہ ابھی باغیچے کے دروازے پر تھی جب اس نے عقب سے پکارا۔

"میں اسپتال جا رہا ہوں۔ اس کی انتظامیہ نے۔"

زمر بات مکمل ہونے سے پہلے ایڑیوں پر گھومی۔

"ان کی انتظامیہ نے پولیس کو نامکمل سی سی ٹی وی فوٹیجز دی ہیں' میں جانتی ہوں' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ مکمل فوٹیجز کیسے نکلوانی ہیں اور وہ میں نکلوالوں گی۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیے' میرے راستے میں مت آیئے۔" سرد سپاٹ سا کہتی وہ واپس مڑ گئی تو فارس نے ایک تاسف آمیز سانس لے کر سر جھٹکا اور گھر کی طرف بڑھ گیا۔ فارس جیسے ہی اندر گیا' ہاشم باہر آتا دکھائی دیا۔

"مجھے بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لیے۔"

وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی باغیچے کے جھلسے پھول دیکھ رہی تھی' جب وہ عین سامنے آکھڑا ہوا۔

"آپ کا شکریہ' ضرورت پڑی تو بتا دوں گی۔" ہاشم نے بس سر کو خم دیا۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔

"یہ کون کر سکتا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم' مگر ہو جائے گا۔" ہاشم نے تھوک نگلا۔

"جس وقت سعدی کو گولی لگی' اس وقت۔" مڑ کر گھر کو دیکھا جہاں ابھی وہ اندر گیا تھا۔ "فارس کہاں تھا؟"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گھر کو۔ "کیا مطلب؟"

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ آپ کے خاندان میں ایک بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی جس کے باعث وہ جیل گیا تھا' اور پھر وہ جیل سے نکلتا ہے تو ایک اور ٹریجڈی ہو جاتی ہے؟" سرسری انداز میں کہتے وہ زمر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

زمر پلک بھی نہ جھپک سکی۔ "وہ اس کا بھانجا ہے' ہاشم!"

"جیسے وارث اس کا بھائی تھا اور زرتاشہ اس کی بیوی تھی؟"

زمر نے آنکھیں سکیڑ کر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔ "فارس کا سعدی والے واقعے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے' وہ اس وقت کہیں اور تھا۔"

"او کم آن زمر!" ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ چہرے کے آگے جھلایا۔ "اس کے پاس ہمیشہ ایلی بائی ہوتا ہے' آپ اس پہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی کیسے اعتبار کر سکتی ہیں؟ وہ فارس ہے' اس سے کچھ بھی بعید ہے۔ ہم سب جانتے ہیں' آپ نے اس سے کیوں شادی کی۔ اور میرے نزدیک تو اس کے جرائم میں آج ایک جرم کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اب وہ وقت ہے جب آپ کو فارس کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے۔"

زمر نے لب بھینچ لیے تیز نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "آپ پوچھیں گے نہیں کہ اس کا ایلی بائی کون ہے؟"

"اس دفعہ کون ہے؟" اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں! وہ اس وقت میرے ساتھ تھا۔"

لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا' پھر وضاحتی انداز میں گویا ہوا۔ "میں فارس پہ اعتبار نہیں کر سکتا' میں اپ سیٹ ہوں' سعدی میرا دوست تھا' اور۔"

"اوکے ہاشم! ایک بات۔" وہ ایک ہاتھ اونچا کر کے اسے درمیان سے ٹوکتی' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسی سرد مہری سے بولی۔ "آپ فارس کو ناپسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ آپ سعدی کو پسند کرتے ہیں' مگر مجھ سے زیادہ نہیں۔ اس لیے میری یہ بات پہلی اور آخری دفعہ دھیان سے سنیے فارس نے یہ... نہیں کیا۔ اپنے پچھلے اعمال کا وہ حساب دے گا' مگر آپ۔ آپ نے اگر اپنے خاندانی تنازعات کے بدلے کے طور پر فارس کے خلاف میرے بھتیجے کی ٹریجڈی کو استعمال کرنا چاہا' تو آپ مجھے اپنا دشمن بنا ئیں گے۔ دوست ہم پہلے بھی نہیں تھے۔"

ہاشم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"یہ موضوع ختم ہوا۔" وہ ایک سلگتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ ابھی دروازے کے قریب آئی تھی کہ وہ کھلا اور فارس باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر رکا' اور ہٹ کر راستہ دیا۔ زمر آگے نہیں بڑھی' وہیں کھڑے فارس کو دیکھا' اور کلائی صاف آواز میں بولی۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میری گاڑی میں کچھ مسئلہ ہے۔" کن اکھیوں سے نظر آرہا تھا کہ باغیچے میں کھڑا ہاشم ہلکا سا چونکا تھا۔

"اوکے' میں انتظار کر رہا ہوں۔" فارس ایک سنجیدہ مگر حیران نظر اس پہ ڈال کر آگے چلا آیا۔

زمر اندر آئی' کمرے سے اپنی ایک دو چیزیں اٹھائیں تو لاؤنج میں بیٹھی جواہرات کی آواز سماعت میں پڑی۔

"اب تم لوگوں کو اس جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ یہ علاقہ محفوظ نہیں ہے۔" وہ حنین سے کہہ رہی تھی۔ زمر ٹھہر کر کچھ سوچنے لگی' پھر سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔

پرس کہنی پہ لٹکائے اس نے باہر قدم رکھا تو دیکھا فارس گاڑی کی طرف جاتے ہوئے رک کر ہاشم سے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں کا انداز عام اور سرسری تھا۔ زمر خاموش نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے کار کی طرف چلی آئی۔

☆ ☆ ☆

نئی منزل کی راہ ڈھونڈو تم!
میرے غم سے پناہ ڈھونڈو تم!

چند منٹ بعد' جب کار سڑک پہ رواں تھی' تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھی زمر نے' موبائل پہ چلتا ہاتھ روک کر' سرسری سا پوچھا۔

"ہاشم تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے چونکا' رخ ذرا پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے' موبائل پہ لگی تھی۔

"پولیس کی کارروائی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"کیا تم نے اسے کسی ممکنہ گواہ کا بتایا؟"

"نہیں تو۔"

"اس کو کچھ مت بتانا۔"

"کیوں؟" فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ زمر نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں وہی ازلی سرد مہری تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ تمہیں فیور دے رہی ہوں' میں صرف یہ نہیں چاہتی کہ سعدی کے کیس کی تفتیش پہ ہاشم اثر انداز ہو۔" کہتے ہوئے وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی کے باہر گزرتا ٹریفک دیکھنے لگی۔ "ہاشم نے مجھے کہا ہے کہ یہ واقعہ میں تمہارے اوپر ڈال دوں۔"

اسٹیئرنگ وہیل پہ اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی' بے یقینی سے اس نے زمر کو دیکھا۔

"یہ کہا اس نے؟" اس کے کان سرخ ہوئے'

آنکھوں میں طیش ابھرا۔ پھر لب بھینچ لیے اور غصے سے ایکسلریٹر پہ پاؤں کا زور بڑھا دیا۔ اندر ہی اندر لاوا سا ابلنے لگا تھا۔

"مجھے پتا ہے اس میں تمہارا ہاتھ نہیں ہے، لیکن اپنے پچھلے اعمال کا تم حساب دو گے۔ ایک دفعہ یہ معاملہ ختم ہو جانے دو۔" باہر دیکھتی وہ تلخی سے کہہ رہی تھی، جب کہ اس نے زور سے بریک پہ پیر رکھا، کار جھٹکے سے رکی، وہ بے اختیار ڈیش بورڈ پہ جھکتی گئی مگر خود کو سنبھال لیا۔ غصے سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اس سے زیادہ اشتعال سے اسے گھور رہا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔ بہت سن لی میں نے آپ کی بکواس۔" وہ غصے سے غرایا تھا۔ زمر ذرا پیچھے ہوئی۔

"ہاشم کو دیکھ لوں گا میں، مگر آپ کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔ اس لیے آئندہ میرے آگے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت دیکھ لیا میں نے اپنے گھر والوں کو قتل ہوتے اور خود پہ الزام لگتے۔ آج کے بعد کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ سمجھیں آپ؟" آنکھوں میں تپش لیے اس کو دیکھ کر کہتے وہ کار سے نکلا اور دھماکے سے دروازہ بند کیا۔

وہ تنفر اور بے بسی سے اسے گھورتی وہیں بیٹھی رہی۔ کار اسپتال کے سامنے رکی کھڑی تھی اور وہ چابیاں جیب میں ڈالتا اب اس طرف جا رہا تھا۔

چند منٹ بعد وہ اسپتال میں ایک کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ بیگ کہنی پہ ٹکائے، سن گلاسز گھنگھریالے بالوں کے اوپر چڑھائے، وہ آج سیاہ پاجامے پہ ہلکی سبز لمبی قمیص پہنے ہوئے تھی، اور سبز دوپٹہ دائیں کندھے پہ تھا۔ سکون سے کھڑی وہ فارس اور سیکورٹی آفیسرز کو بحث کرتے دیکھ رہی تھی۔ سیکورٹی ٹیم کے دو افراد دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

"سر، میں آپ کو بتا چکا ہوں، ہم نے پولیس کے حوالے سب کچھ کر دیا ہے، اگر آپ کو مزید کوئی فوٹیج نکلوانی ہے تو کورٹ آرڈر لانا ہو گا۔ ورنہ میں آپ کو اس کمرے میں داخل نہیں ہونے دے سکتا۔"

"اور آپ کا قانون اس وقت کہاں تھا جب میرے بھانجے کو اسپتال سے اغوا کیا گیا؟ ہاں؟ ہاں؟" غصے سے بولتے اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ زمر گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

"سر! مجھے مجبوراً سیکورٹی سے آپ کو باہر نکالنے کو کہنا پڑے گا۔" سرد لہجے میں کہتے آفیسر ساتھ میں اسے تیز نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔ پیچھے کھڑے دونوں اہلکار آگے ہوئے۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔

"اے۔ ہاتھ نہیں لگانا۔" اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر ان کو روکا۔

"السلام علیکم۔" وہ نرم سا مسکراتی، کھنکھاری۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ مگر وہ سیکورٹی آفیسر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں زمر یوسف ہوں ڈسٹرکٹ۔"

"میم! مجھے پتا ہے آپ کون ہیں، اور نہیں ہم آپ کو کوئی ٹیپ نہیں دے سکتے۔ اگر آپ کو ٹیپ چاہیے، تو وارنٹ لے کر آئیں۔" اس نے سختی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ وہ اسی طرح مسکراتی رہی۔

"اوکے۔ کل عدالت کھلے گی تو میں وارنٹ لے آؤں گی، مگر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کس فوٹیج کا وارنٹ لاؤں گی؟"

"میم! میں آپ کو بہت تحمل سے۔"

"کل جب میں کورٹ جاؤں گی، تو جانتے ہیں کن کے وارنٹ نکلیں گے۔ 16 مارچ کا جب ایک ممبر قومی اسمبلی کی نوکرانی کا ال لیگل ابارشن آپ کے اسپتال میں ہوا تھا، ستائیس جنوری کا جب آپ کے وارڈ سے دو نومولود بچے غائب ہوئے تھے، اور آپ کی فارمیسی کے ریکارڈز کا سرچ وارنٹ بھی جہاں پچھلے تین مہینے سے آپ کے ایک خود ساختہ ملٹی وٹامن نے آدھ درجن عورتوں کے مبینہ طور پر مس کیرج کروائے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ ملٹی وٹامن ابھی مکمل پورطور اپروو ڈ نہیں ہوا۔ سو پتا ہے کیا آفیسر، یہ ایک اچھا اور بڑا اسپتال ہے، مگر یہ ایک پرائیویٹ اسپتال ہے، اور سرکار ایک نجی اسپتال کے

ساتھ کیا کر سکتی ہے' یہ ہم دونوں جانتے ہیں' سو اب آپ مجھ سے پوچھیں کیا چاہیے؟" ایک سانس میں تیز تیز بولنے کے بعد وہ رکی اور مسکرا کر باری باری ان تینوں کے چہروں کو دیکھا۔

آفیسر انچارج غصے بھری بے بسی سے اسے گھورتا رہا۔ "میم!"

"مجھ سے پوچھیے آفیسر کہ۔ مجھے۔ کیا۔ چاہیے!"

اس نے ضبط سے گہری سانس لی۔ "آپ کو۔ کیا چاہیے؟"

"جب آپ سامنے سے ہٹ کر مجھے کنٹرول روم میں جانے کا راستہ دیں گے' تب ہی میں بتا سکوں گی۔"

آفیسر چند لمحے اسے گھورتا رہا' پھر دوسروں کو اشارہ کرتا ایک طرف ہٹا اور دروازہ کھول دیا۔ زمر نے ایک چبھتی ہوئی (مگر فاتحانہ) نظر فارس پہ ڈالی۔ جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اور آگے بڑھ گئی۔ پھر بظاہر ان ہی سخت تاثرات کو چہرے پہ طاری کیے' وہ اس کے عقب میں اندر داخل ہوا۔

چند منٹ بعد ایک کمپیوٹر اسکرین کے سامنے کرسی پہ موجود سی آر انچارج فولڈرز کھول کر ان کو مطلوبہ فوٹیجز دکھا رہا تھا۔ زمر اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی' ذرا جھک کر دیکھ رہی تھی' اور فارس اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا تھا۔

"دو لوگ تھے۔" وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی جہاں کاریڈور میں دو ماسک والے وارڈ بوائز اسٹریچر لاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اسٹریچر پہ لیٹے لڑکے کے اوپر چادر ڈالی تھی' مگر سر سے ذرا سے گھنگھریالے بال نظر آتے تھے۔ زمر کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنسنے لگا مگر اس نے پلکوں کو جھپک کر نمی اندر دبالی۔

"یہ فوٹیج پولیس کے پاس بھی ہے۔ یہ نہیں چاہیے۔" فارس نے بے زاری سے آپریٹر کو دیکھا تھا۔ "لفٹ کی فوٹیج کہاں ہے؟"

آپریٹر نے سر ہلا کر ایک اور فولڈر کھولا۔ تھیٹر میں اسٹریچر لانے سے قبل وہ دونوں لفٹ سے اترے تھے۔

یہ اس سے پہلے کی ٹیپ تھی۔ لفٹ میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ ان کے سروں پہ سبز ٹوپیاں اور چہرے پہ سبز ماسک تھا۔ دفعتاً" ایک وارڈ بوائے جس کا رخ کیمرے کے عین سامنے تھا' اس نے چھینکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چھینک مار کر ماسک ہٹایا' رومال سے منہ صاف کیا اور ماسک درست کر لیا۔

"پیچھے کرو۔" آپریٹر نے پیچھے کر کے روکا' زوم کر کے تصویر کو بڑا کیا۔ وارڈ بوائے کا چہرہ کافی واضح تھا۔ وہ ایک پکی عمر کا مرد تھا اور اس کی گھنی مونچھیں تھیں۔

"کیا آپ نے پولیس کو دکھایا؟" اس نے باری باری آپریٹر اور سیکیورٹی آفیسر کو گھورا۔ آفیسر جو سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تھا' ذرا بے زار ہوا۔

"نہیں' کیوں کہ انہوں نے یہ فوٹیج نہیں مانگی تھی۔"

فارس نے جیب سے ایک فلیش نکالی اور سسٹم میں داخل کی' سیکیورٹی آفیسر فوراً" آگے بڑھا۔ "نہیں' آپ میرا ڈیٹا کاپی نہیں کر سکتے۔"

"میں تمہارے سامنے کل کی تمام فوٹیجز کاپی کرنے لگا ہوں اور تم مجھے خاموشی سے یہ کام کرتے دیکھو گے۔" پھر آپریٹر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"جو فولڈرز میں کہہ رہا ہوں' وہ کاپی کرتے جاؤ۔ شاباش!" آپریٹر نے بے بسی سے انچارج کو دیکھا جو محض خون کے گھونٹ پی کر کھڑا رہا' دوبارہ کچھ نہیں بولا۔

"یہ بھی کرو۔ اور یہ بھی۔ مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"مگر سر! یہ دوسرے فولڈر کی ویڈیو۔"

"میرا دماغ پہلے ہی بہت گھوما ہوا ہے' مزید خراب مت کرو۔" وہ جس طرح اس لڑکے کو گھور کر بولا تھا' زمر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور وہاں سے ہٹ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ وہ کرسی کے ساتھ جھکا' انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کرتے آپریٹر کو ہدایات دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابھی سے برف الجھنے لگی ہے بالوں سے

ابھی تو قرض ماہ و سال بھی اتارا نہیں!

اس اپارٹمنٹ کی دیواریں خوب صورت سجاوٹ سے ڈھکی تھیں اور فرش شیشے سے چمک دار تھے۔ لونگ روم میں ٹی وی بلند آواز سے چل رہا تھا اور بڑے صوفے پہ نیم دراز نوشیرواں' پاؤں میز پہ رکھے' ناپسندیدگی سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ رف سی شرٹ اور کھلے ٹراؤزر میں ملبوس اس کا منہ بھی دھلا ہوا نہیں لگتا تھا' پھر اسی بے زاری سے اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر کان سے لگایا۔

"ہاں شیرو' تم ٹھیک ہو؟" ہاشم مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

"خاک ٹھیک ہوں؟ قید پڑا ہوں ادھر۔"

"میں نے کہا تھا' گھر میں بند مت رہو۔ دبئی میں اپنے ایک ایک دوست سے ملو' تاکہ سب کو معلوم ہو کہ تم ادھر ہو اور ادھر ہی تھے۔ جو بھی پوچھے تو کہنا کہ میں اتوار کی رات آیا ہوں۔ سمجھے؟"

"آپ تو ایسے برتاؤ کر رہے ہیں جیسے واقعی مجھے بھی گرینڈ جیوری کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ خدا کے لیے بھائی۔"

"شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں بچا لیا ہے اور سب سنبھال لیا ہے' لیکن اگر اب تم نے میری بات نہ مانی ناشیرو' تو میں اگلی دفعہ تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ اب میرا دماغ مت خراب کرو' اور دوستوں کو جا کر ملو۔" تلخی سے کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔ نوشیرواں غصے سے موبائل کو گھور کر رہ گیا۔

پھر اٹھا اور اوپن کچن کی طرف آیا۔ فریج کا دروازہ کھولا' جوس کا ڈبا نکالا اور اوپر لگے اسٹینڈ میں لٹکا شیشے کا گلاس اتار کر کاؤنٹر پہ رکھا۔ پھر انگور کا مشروب اس میں انڈیلا۔ سرخ مائع گلاس میں بھرنے لگا۔ گلاس اٹھا کر وہ ہونٹوں کے قریب لے کر گیا تو۔ مشروب کے سرخ رنگ میں وہی منظر ابھرنے لگا۔

بجری اور سیمنٹ کے ڈھیر کے قریب گرا لڑکا' اس کی اکھڑتی سانسیں۔ کھلتی' بند ہوتی آنکھیں اور۔ خون کا تالاب۔ سرخ تازہ سرخ پانی جو بہتا جا رہا تھا۔

ایک دم اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ بے زاری سے اس نے سرخ مشروب سنک میں انڈیل دیا۔ چہرے پہ شدید جھنجلاہٹ در آئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے۔" اکتا کر وہ چلا آیا اور پھر سے صوفے پر گرا موبائل اٹھا۔ کچھ دیر منہ بگاڑے موبائل دیکھتا رہا' پھر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ تاثرات بدلے۔ فوراً" سے نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔ شیری۔ کیسی ہیں آپ؟ میں نے ابھی آپ کی اپ ڈیٹ دیکھی۔ آپ دبئی میں ہیں؟ جی میں بھی ادھر ہی ہوں۔ آج صبح ہی پہنچا ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟ آنکھوں میں امید جاگی اور چہرے پہ جوش سا ابھرا۔

"او کے۔ میں آجاؤں گا۔" وہ مسکرایا اور موبائل کان سے ہٹایا۔ سرخ دل نے سرخ پانی کو ذہن سے محو کر دیا۔

✡ ✡ ✡

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

چھوٹے باغیچے کے سامنے کار روکتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "وہ فوٹیج اے ایس پی کے حوالے کر دی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اس آدمی کو پہچانتا ہے' جلد اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔" زمر نے کوئی تاثر دیے بغیر پرس اٹھایا اور لاک کھولا۔ فارس نے نظریں پھیر کر اسے دیکھا۔ وہ گھنگھریالے بال کان کے پیچھے اڑستی اپنی طرف کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ ان لوگوں کو ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ اب وہ ہماری طرف رہیں گے' اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو ابھی بتا دیں۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

"اگر ابا کو تم ہمارے ساتھ رہنے کے لیے راضی کر لو' تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" بظاہر اس نے سپاٹ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گئی مگر چہرے پہ واضح اطمینان اتر آیا تھا' گویا کوئی ان کی خواہش پوری ہوئی

ہو۔

وہ بنا چاپ کے اندر راہداری میں آئی تو لاؤنج سے آوازیں آرہی تھیں۔

"فارس صبح کہہ رہا تھا کہ ہم اب اس کے ساتھ جا کر رہیں۔" ندرت تھکی تھکی سی کہہ رہی تھیں۔

زمر کے قدم راہداری میں سست ہو گئے کیوں کہ حنین آگے سے بہت خفگی سے بولی تھی۔

"ہمارا بھائی کھو گیا ہے تو ہم اتنے بے آسرا ہو گئے ہیں کہ گھر بدر ہو جائیں؟" کہہ کر رونے لگی تھی۔

"تمہیں' اسامہ اور تمہاری امی کو ان کے ساتھ جا کر رہنا چاہیے۔ یہاں اکیلے نہیں رہ سکتے تم لوگ۔" ابا کی آواز میں بھی تکان تھی۔ صبح سے سعدی کو رو رو کر اب سب نڈھال بیٹھے تھے۔

"ماموں یہ بوجھ کیوں بنیں؟ آپ اپنے کرائے داروں کو فارغ کر دیں' ہم وہاں چلے جاتے ہیں۔"

"کون سے کرائے دار؟"

"وہ جو آپ کے پلاٹ پہ گھر بنا تھا' اور اس میں نئے کرایے دار آئے تھے۔" وہ ان کو یاد کروا رہی تھی۔ زمر نے دیوار سے لگے' آنکھیں بند کر لیں۔

"گھر؟" ابا حیران ہوئے۔ "تمہیں کس نے کہا؟"

"میری فرینڈ کا گھر بھی ہے اس کالونی میں۔ اس کی طرف گئی تو دیکھا تھا۔"

"وہ پلاٹ تو زمر نے کب کا بیچ دیا۔ حنین۔" ندرت نے بتایا۔

چند لمحے کے لیے لاؤنج سے کوئی آواز نہ آئی۔ راہداری میں کھڑی زمر نے آنکھیں کھولیں۔

"بیچ دیا؟" حنین شاکڈ تھی۔ "مگر کیوں؟"

"اس کو شاید کسی مقدمے کے لیے رقم چاہیے تھی۔" ندرت نے بے پروائی سے بتایا گویا یہ ذکر غیر اہم تھا۔ ابا خاموش رہے۔

"مقدمے کے لیے؟ اف۔ بڑے ابا۔ آپ نے ان کو یوں کرنے کیسے دیا؟ وہ آپ کے لیے ایک سیکیورٹی تھی۔ ایک سہارا تھا۔"

"وہ زمر کا تھا۔"

"ہونہہ۔" حنہ کی تلخی سے بھری آواز آئی تھی۔

"اور زمر صرف اپنا سوچتی ہیں۔" اور پھر غصے سے بولتی اٹھ کر آئی تو وہ راہداری میں کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک دم ٹھہر گئی۔ نظریں اس کے عقب میں گئیں تو زمر نے بھی چونک کر گردن موڑی' فارس بھی پیچھے کھڑا تھا' مگر زمر کے چہرے کے برعکس اس کی آنکھوں میں حنین کے لیے ناراضی تھی۔

"بھائی کا کچھ پتا چلا؟" اس نے بے تابی سے فارس کو مخاطب کیا۔ مگر اس کے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

بڑے ابا اور ندرت' دونوں نے بے قراری سے ان کو دیکھا' مگر۔ چہروں پہ لکھی تحریر پڑھ لی اور نگاہیں مایوس پلٹ آئیں۔ وہ سامنے صوفے پر جا کر بیٹھا۔ زمر چوکھٹ میں کھڑی رہی۔

"میں جاتے وقت آپا کو بتا کر گیا تھا' کہ اب آپ لوگ ہمارے ساتھ چل کر رہیں گے۔" اس نے بات کا آغاز ابا کو دیکھتے ہوئے کیا۔ انہوں نے 'اونہوں' نفی میں گردن ہلائی۔

"میں اسی گھر میں ٹھیک ہوں' صداقت ہے میرے پاس۔ ہاں تم باقی سب کو لے جاؤ۔" ایک ہی دن میں وہ کمزور نظر آنے لگے تھے۔

"ابا! وہ گھر آپ نے مہینے کے آخر میں ویسے بھی خالی کرنا تھا' اور یہ جگہ اب رہنے کے قابل نہیں۔ اس لیے پلیز ضد مت کیجیے اور ہمارے ساتھ چلیں۔"

"زمر ٹھیک کہہ رہی ہیں' اب آپ کا کہیں اور رہنا صحیح نہیں ہے۔" وہ ابا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ابا مسلسل انکاری تھے اور ندرت متامل تھیں۔

"فارس' ہم اتنے سارے لوگ کیسے رہیں گے ادھر؟"

"اتنا چھوٹا نہیں ہے وہ گھر۔ تین بیڈ روم ہیں۔ نیچے والا۔ یوسف صاحب اور سیم لے لیں گے'

صداقت پورچ کے ساتھ سرونٹ روم میں رہ لے گا، اور اوپر۔" وہ رکا' ایک نظر زمر کو دیکھا' وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ "اوپر میرا اور زرتاشہ والا پرانا کمرہ آپ کے اور حنین کے لیے کافی ہے باقی۔ ہمارا تو ویسے بھی امی والا کمرہ ہے۔" اب کے اس نے زمر کو دیکھے بنا سنجیدگی سے بات مکمل کی۔ دروازے پہ رکھے اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوئی تھی' ابرو تن گئے' ایک خاموش تیز نظر اس پہ ڈالی' مگر جب بولی تو آواز ہموار تھی۔

"سب آرام سے آجائیں گے۔ آپ بس چلنے کی تیاری کریں۔" اور مڑتے ہوئے کانوں میں ندرت کی آواز پڑی۔

"میرا بیٹا ہوتا تو ہمیں کبھی یوں نہ جانے دیتا۔"

بڑے ابا مسلسل انکار کر رہے تھے اور فارس کچھ کہہ رہا تھا' مگر زمر سنے بغیر آگے چلتی آئی۔ سعدی کا کمرہ خالی پڑا تھا۔ وہ دیوار سے لگے اس کے بیڈ پہ بیٹھی' جوتے اتار کر پیر اوپر کر لیے اور دیوار سے ٹیک لگالی۔ آنکھوں میں پانی سا ابھر رہا تھا۔ جس کو اندر اتارے بنا دیوار سے سر ٹکائے' بس چپ چاپ سامنے دیکھے گئی۔ دل خالی تھا' ہاتھ خالی تھے' دنیا خالی تھی۔

اسی دیوار کے دوسری طرف حنین کے کمرے میں بھی ایسے ہی بیڈ لگا تھا اور وہ بھی اسی دیوار سے لگی۔ اکڑوں بیٹھے' سر گھٹنوں پہ رکھے رو رہی تھی۔ دل خالی تھا' ہاتھ خالی تھے' دنیا خالی تھی۔

دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔

ہمارا سعدی کہاں ہوگا اس وقت؟

☆ ☆ ☆

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں
عجب رسم چلی ہے' دعا نہ مانگے کوئی

اس نے بدقت آنکھیں کھولیں تو دھندلی سی چھت نظر آئی۔ پلکیں آہستہ سے جھپکیں تو منظر قدرے صاف ہوا۔ سعدی کے چہرے پہ تکلیف ابھری' حسیات جاگنے کے ساتھ درد شدت سے لوٹ آیا تھا۔

وہ ہلکا سا کراہا' پھر گردن موڑی۔

وہ ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹا تھا اور اس کے ارد گرد ایک کشادہ اور چمکتا ہوا کمرہ تھا۔ اس نے کہنی کے بل اٹھنے کی کوشش کی' مگر جسم جیسے جام ہو چکا تھا۔

"آہ۔۔۔" اذیت کے احساس سے آنکھیں میچ لیں۔

"ریلیکس۔۔۔ آرام سے۔۔۔" ایک عورت تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔ سعدی نے مندی مندی سی آنکھیں کھولیں۔۔۔ یہ چہرہ۔۔۔ وہ اسے پہچانتا تھا' مگر اس وقت ذہن میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے۔

"امی کہاں ہیں؟" وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

"آپ کو پانی چاہیے؟ یا کچھ اور؟ کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟" آواز' لہجہ سب شناسا تھا' مگر یہ کون؟ اس نے پلکیں جھپکیں۔ خود پہ جھکی اسمارٹ سی عورت کا چہرہ واضح ہوا۔ بھورے سنہرے رنگے بال اور سفید جلد۔۔۔

"میری امی کہاں ہیں؟" اس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی' مگر وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

"آپ کو پانی دوں؟" اب کے سعدی نے الجھن سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ کیا وہ اس کی بات سن نہیں سکتی تھی؟ اس نے پھر اٹھنے کی سعی کی۔۔۔ مگر کیا شے تھی جو اس کو حرکت نہیں کرنے دے رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اپنے بازوؤں تک گئیں۔ دونوں بازو' کہنی سے کلائی تک' بیڈ کے ساتھ اسٹریپس سے بندھے تھے۔

ایک دم سے ذہن پہ دوائیوں سے چھایا نشہ اور غنودگی اترنے لگی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

"میں کہاں ہوں؟" بے حد حیرت اور وحشت سے اس نے خود پہ جھکی عورت سے سوال کیا۔

"کیا آپ کو پانی چاہیے؟" اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ ذہن میں بکھرے ٹکڑے جڑنے لگے۔ اس عورت کو دیکھتی اس کی آنکھیں سکڑیں۔

"میری؟ میری اینجیو؟" کہنے کے ساتھ اس نے بازو زور سے کھینچے' مگر گرفت مضبوط تھی' وہ کے

رہے۔

"میں کہاں ہوں؟" وہ سیدھی ہوئی' سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے دیکھا۔

"آپ کو پانی چاہیے یا نہیں؟"

سعدی نے سر تکیے پہ گرا دیا۔ میری کو تکتی اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

"میں کہاں ہوں؟ میرے گھر والے کہاں ہیں؟" مگر میری کاؤچ کی طرف گئی' شاید فون وغیرہ پہ کسی کو اطلاع دی کہ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"میری امی کہاں ہیں؟" وہ بدقت بول پا رہا تھا۔ تکیے پہ رکھی گردن ذرا موڑی تو دھندلا سا منظر نظر آیا۔ نیلی جینز پہ گھٹنوں تک آتا سفید اوور آل پہنے' ایک لڑکی اس کی جانب آرہی تھی۔ اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے۔ کہنی تک آتے اور گردن میں اسٹیتھ اسکوپ پڑا تھا۔ قریب آئی تو چہرہ واضح ہوا۔

گندمی رنگت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور ان میں ایک معصوم سا تاثر۔ نرمی سے مسکراتی' وہ اس سے انگریزی میں اس کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔

"میری... امی کہاں ہیں؟" وہ اس کو اب کوئی انجکشن لگا رہی تھی اور سعدی ایک ہی بات دہرائے جا رہا تھا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ اندھیرا' پھر روشنی' پھر اندھیرا۔

پھر وہ میری کی طرف گھومی۔ "اس کے ہاتھ کھول دو کم از کم... وہ بیمار ہے اور زخمی بھی۔ اس حالت میں بھاگ کر کہاں جائے گا؟" اس کی آواز میں ترحم تھا۔ مقابل کھڑی میری نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"تمہیں اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے' اپنے کام سے کام رکھو!"

"اپنے باس سے کہو' صرف اس کے ہاتھ کھول دیں... وہ..." الفاظ گڈمڈ ہو گئے۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

سازش تھی رہبروں کی یا قسمت کا پھیر تھا
ہم ہجرتوں کے بعد بھی قاتل کے گھر میں تھے

اس رات قصر کاردار کے عقب میں انیکسی کی ساری بتیاں روشن تھیں۔

صداقت کچن میں کھڑا ندرت کے ساتھ چیزیں سیٹ کروا رہا تھا۔ ندرت پھر اس کے بعد نہیں روئی تھیں۔ وہ دن لگے ساری تیاریوں میں اور آج تیسرے دن وہ لوگ بالآخر اس انیکسی میں آچکے تھے۔ لاؤنج بھی صفائی کے بعد چمکنے لگا تھا۔ لاؤنج میں سے ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا جس میں بڑے ابا ایک سنگل بیڈ پہ لیٹے تھے۔ فاصلے پہ دوسرے بیڈ پہ سارے دن کا تھکا ہارا اسیم سو رہا تھا۔

اوپر سیڑھیاں چڑھ کر جاؤ تو فارس اور زرتاشہ کے پرانے کمرے کا حلیہ ذرا بدلا ہوا تھا۔ فارس کی کوئی چیز ادھر نہ تھی۔ حنین اور ندرت کے بیگز اور کپڑے وہاں دکھائی دے رہے تھے۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ (یہ وہی کمرہ تھا جس میں زمر شادی کے دن سے رہ رہی تھی۔) سعدی کے لائے بکے وہیں رکھے تھے گو کہ وہ اب سوکھ چکے تھے۔

ایک الماری کھلی تھی اور فارس اس کے سامنے کھڑا' اس میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا۔ دفعتاً" اس نے ہاتھ روک کر ایک نظر ان باکسز پہ ڈالی جن میں زمر کے کاغذات تھے اور جو اس نے (بادل نخواستہ) فارس کی چیزوں کے لیے اس الماری سے نکال لیے تھے اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا' جو اسٹڈی ٹیبل پہ اس کی طرف پشت کیے' لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ مدھم زرد بتی میں بھی اس کے گھنگریالے بال چمک رہے تھے۔

"آپ یہ باکسز نیچے بیسمنٹ (تہ خانے) میں رکھ دیں۔ بیسمنٹ کی چابی آپ کی ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی ہے۔" پچھلے دو دن کی خاموشی کے بعد اس نے پہلی دفعہ اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ جواب دیے بنا کام کیے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی۔

"آئی ایم سوری' اس دن آپ پہ غصہ کر گیا۔"

"آپ کی معذرتوں کا وقت گزر چکا ہے۔" وہ مڑے

بنا کندھے اچکا کر بولی۔
"کوشش کروں گا اس کمرے میں کم سے کم آؤں اور آپ کو زیادہ پریشان نہ کروں۔ یہ بھی مجبوری ہے۔"
وہ چپ چاپ اسکرین کو دیکھے گئی اور وہ اس کے بالوں کو۔
"اگر آپ میری وجہ سے بے آرام ہیں تو اس کے لیے بھی معذرت کرتا ہوں۔ یہ آپ کا کمرہ ہے' آپ کا ہی رہے گا۔ میں صوفے پہ سوؤں گا۔ جب تک ہمیں ساتھ رہنا پڑے۔"
زمر کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں' گردن موڑ کر جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"میں نے اپنے کمرے میں یہ صوفہ آپ کے لیے ہی ڈلوایا ہے۔" اور واپس گھوم گئی۔ فارس نے ٹھنڈی سانس لی' پھر الماری کا پٹ بند کرتا کھڑکی تک آیا تو دم ٹھہرا۔ پردہ ذرا سرکا کر نیچے دیکھا جہاں برآمدے میں ہاشم کھڑا حنین سے بات کرتا نظر آرہا تھا۔ فارس کے جبڑے بھینچے۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔
انیکسی کے برآمدے میں وہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے ہاشم تھا۔ ہاشم کے عقب میں سبزہ زار اونچا ہوتا دکھائی دیتا اور چوٹی پہ وہ بلند محل تھا۔ مگر جب ہاشم سامنے ہوتا تو دوسری ہر شے اپنا حسن اور عظمت کھو دیتی تھی۔ اب بھی وہ نرمی سے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔
"اچھا کیا جو تم لوگ یہاں آگئے۔ سیٹل ہو گئے ہو یا کوئی مدد چاہیے؟"
"نہیں' تھینک یو' سب ہو گیا۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور لباس ملگجا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ رات کو بھی چمک دار سفید شرٹ میں ملبوس کتنا تازہ دم لگ رہا تھا۔ حنہ کو احساس کمتری نے آن گھیرا۔
"وہ بندہ پکڑا گیا یا نہیں؟ جو لفٹ کی فوٹیج میں ملا تھا؟"
"نہیں پتا نہیں۔۔۔" حنہ نے یاسیت سے شانے اچکائے۔ ہاشم نے غور سے اسے دیکھا۔
"تم اس معاملے میں کوئی دلچسپی کیوں نہیں لے رہیں؟"
"پھپھو اور ماموں کر رہے ہیں نا سب۔"
"مگر وہ سعدی کے لیگل وارث نہیں ہیں۔"
"مطلب؟" اس کے چہرے پہ آتی الجھن دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوا۔ "کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟ پھپھو اور ماموں قانونی وارث نہیں ہوتے۔ اس کیس میں صرف تمہاری امی یا تم سعدی کے وارث ہو۔"
"اور سیم؟"
"وہ اٹھارہ سال سے چھوٹا ہے' سو وارث نہیں ہو سکتا۔"
"اوہ۔۔۔ مگر کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ بے دلی سے سر جھکائے' جوتے سے فرش کھرچنے لگی۔
"تم کتنے سال کی ہو؟" سامنے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہاشم نے پوچھا۔
"بیس۔"
"میں پینتیس سال کا تھا جب میرا باپ مرا۔ میں بیس کا نہیں تھا' پھر بھی لوگوں نے میرا استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے میری نصیحت یاد رکھنا۔ جب آپ کے گھر کا سربراہ نہ رہے تو آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں۔"
حنین چپ چاپ اسے دیکھے گئی' مگر اس کے چہرے پہ الجھن بھری ناپسندیدگی کا تاثر تھا۔ "مگر فارس ماموں اب ہمارے سربراہ ہیں۔۔۔ تو۔۔۔" اسی پل دروازہ کھلا اور فارس باہر آیا۔ حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ چور لگا۔
"ہیلو فارس!" ہاشم نے اسی طرح مسکرا کر سر کو خم دیا۔ حنہ فوراً اس کی طرف مڑی۔
"ماموں۔۔۔ ہاشم بھائی آپ کا پوچھ رہے تھے' میں سمجھی آپ سو چکے ہیں۔"
فارس نے ایک تیز' سپاٹ نظر ہاشم پہ ڈالی' پھر حنہ کو اشارہ کیا۔ "اندر جاؤ۔" آواز میں سختی تھی۔ وہ سر جھکائے "اوکے گڈ نائٹ" کہتی فوراً اندر کھسک لی۔
اب وہ اپنے گھر کے دروازے کے بالکل سامنے آ

کھڑا ہوا۔ آستین چڑھائے تنے ابرو اور دبے دبے غصے کے ساتھ ہاشم کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" پرسکون کھڑے ہاشم نے ابرو اٹھائے۔

"وقت نہیں مل سکا، کچھ حساب کتاب کرنا تھا تمہارے ساتھ۔" آنکھوں میں تپش لیے اسے گھورا۔ "کیا کہہ رہے تھے تم اس دن زمر سے؟ کہ سعدی کا حادثہ میرے سر پہ ڈال دو؟"

"اوہ کم آن!" ہاشم نے بے حد حیرت سے سر جھٹکا۔ "کیا اس نے "یہ" بتایا ہے تمہیں؟ اور کیا یہ نہیں بتایا کہ اس نے خود کو کیا کہا؟ ان فیکٹ مسز غازی نے مجھے بہت صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ آپ سے مجھ سے زیادہ نفرت کرتی ہیں اور یہ بھی کہ..." طنزیہ لہجے میں وہ گویا ہوا۔

"اور یہ بھی کہ اتفاق سے اس دفعہ بھی آپ کے پاس ایلی بائی ہے۔ تو میں نے پوچھا فارس اس وقت کہاں تھا۔ بولیں میرے ساتھ تھا، مگر وہ اپنے تمام اعمال کا حساب بھگتے گا۔ میں نے پوچھا آپ یہ فارس پہ ڈالنا چاہتی ہیں؟ تب ہی تم آگئے۔ شاید انہوں نے تمہارے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے یہ کہا۔ ورنہ... اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو بہت محتاط رہتا۔ کیوں کہ ہم سب کو پتا ہے کہ انہوں نے تم سے شادی کیوں کی ہے۔"

"میری بات کان کھول کر سنو ہاشم!" وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا آگے آیا۔ "یہ میرا گھر ہے اور زمر میری بیوی ہے۔ مجھے تمہارے مقابلے پہ اس کی بات کا زیادہ یقین ہے۔ اس لیے میری بیوی سے... دور رہو۔" چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ "اگر ایک لمحے کے لیے بھی مجھے لگا کہ تم سعدی کے حادثے کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو یاد رکھنا میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔" ایک تیز نظر اس پہ ڈال کر وہ مڑنے لگا، پھر رکا۔ "اور ہاں... میرے گھر میری غیر موجودگی میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا دوست سعدی تھا۔ اس گھر میں اب تمہارا مزید کوئی دوست نہیں ہے۔" اور اندر جا کر زور سے دروازہ بند کر دیا۔

ہاشم بمشکل ضبط کرتا مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سبزہ زار پہ چلتا گیا۔ اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا۔ اس کے کمرے کی بالکونی سامنے تھی۔ بیرونی زینے سے وہ بالکونی پہ چڑھا اور اندر کمرے میں آکر موبائل پہ نمبر ملایا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال ریسیو کی۔

"جی سر؟"

"خاور... مجھے نہیں پتا تم یہ کیسے کرو گے۔" غصیلی آنکھوں کے ساتھ وہ فون میں غرایا تھا۔ "مگر مجھے فارس غازی جیل کے اندر چاہیے، کبھی بھی باہر نہ نکلنے کے لیے۔"

"اوکے سر... میں کچھ کرتا ہوں۔"

کال بند ہوئی تو ہاشم نے اسی برہمی سے فون صوفے پہ پھینک دیا اور منہ ہی منہ میں چند انگریزی گالیاں اسے دیں۔ غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

انیکسی کے اندر فارس سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو حنہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بجھے چہرے کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ وہ چوکھٹ میں ٹھہرا۔

"آئندہ ہاشم سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔" نہ سختی، نہ نرمی، بس ہموار لہجے میں کہہ کر اس کا "جی اچھا" میں جھکتا سر دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی طرف آگیا۔ (اپنا کمرہ؟)

ہلکی دستک دے کر دروازہ کھولا تو کمرے کی بتی بجھی تھی، صرف ڈریسنگ روم کا بلب جل رہا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل خالی تھی۔ وہ بیڈ پہ لحاف گردن تک اوڑھے، آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ (کیا یہ میرے جانے کا انتظار کر رہی تھی؟) وہ آہستہ سے دروازہ بند کرتا بیڈ کے قریب آیا۔ دوسرا تکیہ اٹھایا اور صوفے پر رکھا۔ پھر یوں ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں بازو سے ڈھکی تھیں۔ مگر ناک کی لونگ دمکتی نظر آرہی تھی۔ فارس کے چہرے پہ چھائے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ نظر زمر کی سائیڈ ٹیبل پہ پڑی۔ وہاں دوائیں رکھی تھیں، اور ساتھ میں جگ گلاس... جگ خالی تھا۔ اس نے جگ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو وہ پانی سے بھرا

تھا۔

جگ واپس دھرتے اس نے گردن جھکا کر ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔ پھر صوفے کی طرف آگیا۔

گھر کی بتیاں آہستہ آہستہ بجھنے لگیں۔ خاموشی چھانے لگی۔ کتنے ہی پل ان کے کمرے میں آہستہ سے سرک گئے۔ وہ ہنوز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹی تھی، اور وہ صوفے پہ نیم دراز' سینے پہ لیپ ٹاپ رکھے' اسپتال کی فوٹیج بار بار دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اسکرین کی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ ڈریسنگ روم کی بتی اب بند تھی اور باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

ایک دم سے وہ اٹھ بیٹھی۔ بالکل سیدھی' فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ پاؤں نیچے اتارے' بالکل ساکت سی بیٹھی تھی۔

''اوہ!'' وہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

''زمر۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ لیپ ٹاپ میز پہ رکھتا خود بھی اٹھ بیٹھا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ نیم اندھیرے میں بھی اتنا واضح تھا کہ اس کی آنکھیں خوابیدہ تھیں۔ شاید وہ سو گئی تھی اور کچی نیند سے جاگی تھی۔

''وہ۔۔۔ ویڈیو۔۔۔'' وہ بے خودی کے عالم میں بولی۔

''کون سی ویڈیو؟ اسپتال والی؟'' وہ ایک طرف ہو کر بیٹھا۔ ''آیے' دیکھ لیجیے۔''

وہ ایک دم اٹھی' اور ننگے پیر تیزی سے اس تک آئی۔

''کیا آپ اس ویڈیو کی بات کر رہی ہیں؟ بیٹھ جایے۔'' وہ جو کافی مضطرب سی لگ رہی تھی۔ صوفے کے کنارے ٹک گئی اور آگے جھک کر اسکرین دیکھی۔ اسپتال کے ایک کوریڈور کی فوٹیج چل رہی تھی۔

''اونہوں۔۔۔ لفٹ والی۔۔۔'' وہ پریشانی سے بولی تو فارس نے ''اچھا'' کہہ کر مطلوبہ ویڈیو لگائی۔ زمر نے چہرہ مزید آگے جھکایا تو گھنگھریالی لٹیں کندھوں سے پھسل کر سامنے آگریں۔ فارس نے ذرا کی ذرا نظر اس پہ ڈالی۔ وہ بال کان کے پیچھے اڑستی' آنکھیں سکیڑے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

یہ دیکھو۔'' اس نے ایک منظر کو اسٹل کیا تو فارس نے توجہ اور دھیان اسکرین کی طرف لگانا چاہا۔

''مجھے ابھی یاد آیا' یہ آدمی۔۔۔ دیکھو۔۔۔ چھینک مارنے کے لیے ماسک اتارنے سے چھ سیکنڈ پہلے۔۔۔ اس نے نظر اٹھا کر کیمرے کی طرف دیکھا ہے۔''

وہ ایک دم چونکا۔ اسکرین پہ اس شخص کی نگاہ اٹھا کر فورا" واپس موڑ لینے کو زمر نے اسٹل کر رکھا تھا۔

''یعنی کہ وہ اس بات سے واقف تھا کہ لفٹ کا کیمرہ اس کی تصویر بنا رہا ہے۔''

''ہاں۔۔۔ اور پھر بھی اس نے ماسک اتارا۔'' زمر کا اضطراب اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔ ''تاکہ ہم اس کا چہرہ ٹھیک سے دیکھ لیں۔ اب دیکھنا دو چار دن میں پولیس اس کو پکڑ بھی لے گی اور یہ اعتراف جرم بھی کرلے گا۔''

''کیوں کہ یہ صرف ایک کرایے کا آدمی ہے' جسے اصل مجرم خود کو چھپانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔ پھر کچھ یاد آیا۔ ''یہ دیکھیے۔۔۔ میں دوسری فوٹیجز چیک کر رہا تھا۔ یہ اس کوریڈور کو دیکھیے۔'' اس نے ایک اور ویڈیو لگا کر دکھائی۔ کوریڈور خالی تھا۔ فارس نے ذرا فارورڈ کیا۔ ''اس شیشے کے دروازے کو دیکھیے۔ اس میں مخالف کوریڈور کا عکس جھلک رہا ہے۔'' زمر نے گردن مزید آگے کر کے غور سے دیکھا۔

''اس عکس میں ایک نرس جاتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے' اس کی پشت ہے اس طرف' مگر وسط راستے میں وہ ٹرے میں سے کچھ گراتی ہے' پھر اٹھاتی ہے اور چلی جاتی ہے۔''

''او کے پھر؟'' نیم اندھیرے کمرے میں وہ دونوں صوفے پہ ساتھ ساتھ بیٹھے بات کر رہے تھے۔

''اس کوریڈور میں اگلے آدھے گھنٹے میں ہر پانچ

منٹ اور سترہ سیکنڈ بعد ایک نرس کا عکس دکھائی دیتا ہے جو بیچ راستے میں کچھ گرا دیتی ہے یا تو اسپتال کی ساری نرسیں اندھی ہیں' یا پھر یہ ایک ہی پانچ منٹ کا کلپ ہے جسے بار بار دہرایا گیا ہے۔"

"یعنی اصل آدھے گھنٹے کی ٹیپ غائب ہے؟" وہ چونکی۔ "اگر اسپتال والے ان آرگنائزڈ کرمنلز کے ساتھ مل کر یہ ٹیپ ڈاکٹر کر سکتے تھے تو لفٹ والی ٹیپ بھی غائب کر سکتے تھے' مگر نہیں... انہوں نے ہمارے ساتھ کھیل کھیلا۔" اس کی پیشانی پہ بل پڑ رہے تھے' اور وہ غصے سے کہتی جا رہی تھی۔ "ان کو پتا تھا ہم فوٹیجز نکلوائیں گے۔ سو وہ ہر اس راستے پہ بیٹھے ہیں' ہمیں بھٹکانے کے لیے جو سعدی تک جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہم سے دو قدم آگے رہیں گے۔" وہ ذہنی طور پہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ فارس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ اس کے تکیے کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اسے احساس نہیں ہوا۔

"مگر وہ ہمیشہ ہم سے دو قدم آگے رہیں گے تو ہم سعدی کو کبھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔"

"بالکل۔" وہ اسکرین کو پلکیں سکیڑ کر دیکھے گئی۔ اندھیرے کمرے میں واحد مدھم سی روشنی عجیب فسوں بکھیر رہی تھی۔ وہ بدقت (زمرسے نظریں ہٹا کر) سامنے دیکھنے لگا۔ لائبریری کے سارے منظر ارد گرد اترنے لگے تھے۔

"بس پھر ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈتے۔" وہ قطعیت سے بولی تو وہ چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم ان کے قدم پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں' مگر وہ ہمیشہ دو قدم آگے رہیں گے۔ سو ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے۔ ہم ان کو ان کی گردن سے پکڑیں گے۔ وہاں سے جہاں سے انہوں نے تصور نہیں کیا ہوگا۔" وہ لیپ ٹاپ کو دیکھتی گویا خود سے بول رہی تھی۔

"مگر ہم نہیں جانتے' وہ کون ہیں۔"

"وہ بھی یہ ہی سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں جانتے' مگر... یہاں پر انہوں نے ایک غلطی کر دی ہے۔" وہ پہلی دفعہ مسکرائی اور نگاہیں موڑ کر فارس کو دیکھا۔ "کیا تم نے کرمنل لاء میں پڑھا نہیں تھا کہ

its not the crime its the cover-up

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل... مجرم کو اس کا جرم نہیں پکڑواتا بلکہ جرم کو چھپانے کی کوشش پکڑواتی ہے۔"

"سو اپنے جرم کو چھپانے کی کوشش میں' انہوں نے اپنا ایک بندہ ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب تک وہ ہمارے لیے ایک انجان گروہ تھا مجرموں کا' مگر اب... اب ہم ان کے ایک ساتھی کو جانتے ہیں۔ یہ لفٹ والا آدمی۔" مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ تو صرف ایک ہرکارہ ہے' کرائے کا آدمی۔ جن لوگوں نے سعدی پہ حملہ کیا ہے' یہ آدمی ان کو جانتا تک نہیں ہوگا۔"

"بالکل... وہ بھی یہ ہی سمجھتے ہیں' مگر فارس... وہ کسی کو تو جانتا ہوگا۔ کسی نے تو اس کو پیسے دیے ہوں گے اس کام کے۔ ہم اس آدمی کے ذریعے اس کو ڈھونڈیں گے جس نے اسے پیسے دیے' اور پھر اس سے اوپر والے کو' اور یوں زینہ بہ زینہ چڑھتے ہم ان لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے سعدی کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ سو اب ہم سعدی کو نہیں ڈھونڈیں گے' ہم ان لوگوں کو ڈھونڈیں گے۔ جس دن ہمیں یہ لوگ مل جائیں گے' اس دن سعدی بھی مل جائے گا۔" اس کے لہجے میں عزم تھا۔

"اوکے۔ ایسے ہی کرتے ہیں' مگر ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔ کیا آپ نے بیلسٹک رپورٹ دیکھی؟ سعدی کو Glock گن سے گولی ماری گئی۔ قوی امکان ہے کہ جی فورٹی ون استعمال کی گئی۔ پاکستان میں جی فورٹی ون منگواؤ تو ڈھائی تین لاکھ سے کم کی نہیں ملتی' اور کون منگوا سکتا ہے' اتنے آرام سے گلاک کی پستول؟ اسلحے کی درآمد ممنوع ہے اور صرف سنگل امپورٹ لائسنس کے ذریعے ہی کوئی ایک وقت میں ایک ہی پستول منگوا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے یہ

مہنگی ترین گن میں سے ایک ہے۔ گلاس اور ٹیسٹ چیک کریں ذرا ان لوگوں کا۔" وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کررہا تھا۔ ایک دم رکا۔ اس نے زمر کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ گن کے ذکر پہ جیسے وہ ہوش میں آئی۔ بے اختیار چونک کر آس پاس دیکھا۔ وہ اس کے صوفے پہ... ایک دم وہ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ سپاٹ پن آگیا۔

"ظاہر ہے' قاتل اسلحے کے بارے میں آپ سے بہتر کون جانتا ہوگا۔" تلخی سے کہہ کر وہ تیزی سے بیڈ تک آئی۔ زرد موسموں کا سارا فسوں غائب ہوگیا۔ اندھیرے میں دو سائے رہ گئے۔ ایک صوفے پہ بیٹھا تھا اور دوسری بیڈ کے ساتھ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

"گڈ نائٹ۔" فارس کے چہرے پہ سنجیدگی اتر آئی۔ اس کی بات کو نظرانداز کر کے وہ کمپیوٹر آف کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل' وہی لوگ میرے ہیں ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے' وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

دیوار کے پار حنین اور ندرت کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ ندرت بیڈ پہ بیٹھی نماز پڑھ رہی تھیں اور حنین کروٹ کے بل لیٹی' چادر پہ انگلی سے لکیریں کھینچتی جارہی تھی۔ زمر کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

"مجھے سعدی کا لیپ ٹاپ کھول دو حنین۔ میں کسی شاپ پہ جاکر بھی کھلوا سکتی ہوں۔ مگر یہ کام تم مجھے خود کر کے دوگی۔ اگر تم کچھ کرسکتی ہو تو۔" وہ جانتی تھی زمر نے صرف اس کو اکسانے کے لیے ایسا کہا تھا مگر وہ ان باتوں میں اب نہیں آیا کرتی تھی۔ پھر بھی وہ اٹھی اور سلیپرز پہن کر باہر نکل آئی۔ چند لمحے بعد وہ بیسمنٹ کے زینے اتر رہی تھی۔ بتیاں جلائیں تو سارا تہہ خانہ روشن ہوا۔ وہ ایک کھلا سا کمرہ تھا جس میں ستون سے تھے اور پورے گھر کے رقبے پہ وہ پھیلا ہوا تھا۔ اس کا آدھا حصہ اس سامان اور باکسز سے بھرا ہوا تھا جو گھر خالی کر کے شفٹنگ کے وقت وہ ادھر لائے تھے۔ ایک کونے میں الگ سے چند باکسز رکھے تھے۔ حنین قدم قدم چلتی اس کونے تک آئی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آنکھیں نم ہوئیں۔ سعدی کی چیزیں۔ اس نے سعدی کے کپڑوں والا باکس کھولا۔ ایک شرٹ نکالی۔ صاف ستھری سفید ٹی شرٹ۔ وہ سوتے وقت عموماً یہ ہی پہنتا تھا۔ ٹی شرٹ دونوں ہاتھوں میں پکڑے' وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ جب ہی اندھیرے تہہ خانے سے آواز آئی۔

"یا صاحبی السجن" (اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو!) اس نے چونک کر گردن گھمائی۔ سعدی کی آواز تھی وہ... مگر وہ خود ادھر نہیں تھا... وہ دور کہیں کسی دوسرے زمانے میں اسے پکار رہا تھا۔ ایک منظر سا ذہن میں روشن ہوا۔

ریسٹ ہاؤس کا کمرہ۔ فاصلے پہ بچھے دو سنگل بیڈ۔ دونوں بیڈز کے پاؤں کی طرف نیچے لگے دو میٹرس (انگریزی حرف T کی طرح)... ندرت کا بیڈ خالی تھا۔ اس کی پائنتی سے نیچے بچھے میٹرس پہ سیم سو رہا تھا۔ دوسرے بیڈ پہ حنین آنکھوں پہ بازو رکھے چادر گردن تک تانے لیٹی تھی۔ نچلے میٹرس پہ سعدی چت لیٹا تھا۔ اسی سفید ٹی شرٹ میں ملبوس... یکایک اس نے بازو پہ ہاتھ مارا۔

"حنہ! یہاں کتنے مچھر ہیں۔"

وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر نیند میں ڈوبی آواز میں بولی۔

"یہاں ایک بھی مچھر نہیں ہے بھائی۔ آپ صرف مجھے بلوانے کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ پلیز سو جائیں' مجھے نیند آرہی ہے۔" سعدی کے چہرے پہ خفگی ابھری۔

"یار حنین! بندہ کوئی بات ہی کرلیتا ہے' ہم کب سے اس قید خانے میں پڑے ہیں۔"

"اس چھوٹے شہر میں صفیہ خالہ لوگوں نے ساری بارات کے لیے اتنا اچھا ریسٹ ہاؤس بک کروایا ہے'

ہمیں پورا ایک کمرہ ملا ہے' اس کو قید تو نہ کہیں اور سو جائیں۔"

چند لمحے کی خاموشی۔ پھر وہ بولا۔ "مجھے نیند نہیں آرہی' امی کہاں رہ گئیں۔"

"وہ فرزانہ خالہ کے کمرے میں ہیں۔ وہاں ساری خالائیں' ممانیاں محفل لگائے بیٹھی غیبتیں کر رہی ہوں گی۔ آپ بھی وہیں چلے جائیں۔"

"نہیں یار... اتنی مشکل سے بندہ روز کی پانچ نمازیں پوری کرپاتا ہے' ایویں سارا ثواب ان سب لوگوں کو دے دیں جن کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں؟"

"پھر سو جائیں۔" جمائی روکتے' اس نے کروٹ بدلی۔ نیند سے آنکھیں بند تھیں۔ چند لمحے گزرے' پھر اس نے بڑے پیار سے پکارا۔

"یا صاحبی السجن!" (اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو!)

حنین کے ہونٹ مسکراہٹ میں پھیلے۔ بازو ہٹایا اور کہنی کے بل اٹھ کر چہرہ اونچا کیا' وہ نیچے تھا' تب ہی نظر نہ آیا' تو وہ اٹھی اور تکیہ اٹھا کر پاس والی طرف رکھا اور گھوم کر اس طرف سر رکھ دیا۔ پھر گردن اٹھا کر دیکھا تو وہ نیچے لیٹا' مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر دوسرے قیدی پہ ڈالی۔ (سیم) جو کب کا سو چکا تھا۔

"سورۃ یوسف؟" اس نے مسکرا کر آیت کا متن پوچھا۔

"ہوں... میری فیورٹ سورۃ۔"

"بس کردو بھائی' آپ سے تو جس سورۃ کا ذکر کرو' آپ کہتے ہی' یہ میری فیورٹ ہے۔"

"کب کہا میں نے ایسا؟"

"مجھے زیادہ بولنے پہ مجبور نہ کریں اور سو جائیں۔" دوبارہ ماتھے پہ بازو رکھ کر آنکھیں موندلیں۔

"یا صاحبی السجن!" ذرا دیر گزری تو اس نے پھر نرمی سے حنہ کو پکارا۔ وہ... "ہوں" کر کے رہ گئی۔

"میں ایک بات سوچ رہا تھا۔"

"دل میں سوچیں بھائی۔" مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا' بولتا گیا۔

"تمہیں یاد ہے' یوسف علیہ السلام نے جب قید خانے میں اپنے ساتھیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی تھی' ایک کو سولی پہ چڑھنا تھا اور دوسرے کو بادشاہ کا ساقی بننا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جانا تو میرا ذکر کرنا۔ اس سے اگلی آیت یاد ہے تمہیں؟"

رات کے ڈیڑھ بجے وہ کچی نیند میں ڈوبی حنین سے پوچھ رہا تھا۔ حنہ کے چہرے پہ جھنجلاہٹ نمودار ہوئی۔ (ہنھڑا ایہہ کیڑی آیت اے؟) (اب یہ کون سی آیت ہے؟) اف بھائی کو کون سمجھائے کہ ہر کوئی آپ کی طرح قرآن کریزی نہیں ہوتا۔

"نہیں... کون سی آیت؟" جمائی روکتے پوچھا۔ آنکھیں بند تھیں۔

"وہ سورۃ یوسف کی سب سے دلچسپ آیت ہے اور تمہیں وہی نہیں یاد؟"

(لو جی... ان سے پوچھو تو ہر دوسری آیت "سب سے دلچسپ" ہوتی ہے۔)

"ابھی نہیں۔" جمائی سے آواز پھر بھاری ہوئی۔ "یاد آرہی۔"

"میں بتاتا ہوں۔" وہ چت لیٹا' ایک دم پرجوش سا بولا۔ "اور ساری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سارے سمندر روشنائی اور ان سے لکھنے بیٹھو تو ختم ہو جائیں درخت اور ختم ہو جائیں سمندر' مگر اللہ کی باتیں کہاں ختم ہوتی ہیں اور قرآن کے اچھے طالب علموں کو بھی بس بولنے کا موقع چاہیے۔

"یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ اگلی آیت ہے' شیطان نے بھلا دیا اس کو ذکر کرنا اپنے آقا سے تو وہ ٹھہرا رہا قید میں کئی سال۔"

"ہوں..." وہ آدھا ادھورا لفظ سن پائی۔

"اب سنو مزے کی بات' اس آیت میں "اپنے آقا سے ذکر کرنے" کے لیے لفظ آیا ہے "ذکر ربہ" اس کے دو مطلب ہیں۔ آقا سے ذکر کرنا اور آقا کا ذکر کرنا۔ اصل میں اس آیت کے بھی دو مطلب ہیں۔ پہلا'

شیطان نے اس ساتھی قیدی کو بھلا دیا کہ وہ بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا اور دوسرا' شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا۔ اپنے رب کا ذکر کرنا' اس لیے وہ ٹھہرے رہے جیل میں اگلے کئی سال' آئی سمجھ؟"

"نہیں؟" وہ بمشکل آنکھیں کھول پائی۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی یوسف یہ الفاظ نہ کہتے تو اتنے برس جیل میں نہ ٹھہرے رہتے۔"

"مگر انہوں نے جیل سے نکلنے کی کوشش ہی تو کی تھی' اس میں کیا بری بات ہے؟"

"میرے یا تمہارے جیسے لوگوں کے لیے جیل سے نکلنے کی کوشش کرنا دراصل خود ایک جہاد ہے' ایک اچھا کام ہے' ہم کریں تو ٹھیک ہوگا' مگر مقربین کی حسنات دراصل سیات شمار ہوتی ہیں۔"

"کس کی کیا' کیا شمار ہوتی ہیں؟" اس نے ترجمہ مانگا۔

"مطلب جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوتے ہیں' ان کی حسنات یعنی چھوٹی نیکیاں' ان کی غلطیاں شمار ہوتی ہیں۔ گناہ نہیں کہ انبیا کبھی گناہ نہیں کرتے تھے۔"

"نہیں سمجھ میں آئی بھائی۔"

"دیکھو۔ مسجد میں جھاڑو لگانا کتنی اچھی بات ہے' ہے نا؟ جو عورت مسجد میں جھاڑو لگاتی تھی' جب فوت ہو گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے خصوصی دعا کی۔ یہ ایک حسنہ ہے۔ ایک نیکی' لیکن تصور کرو کسی ایسے اسکالر کو' جس کا عمل بھی نیک ہو اور علم بھی بہت ہو۔ اللہ نے اسے ریسورسز دیے ہوں' ٹیلنٹ دیا ہو' مواقع دیے ہوں کہ وہ پوری دنیا میں جا کر دین کی تبلیغ کرے' بڑے بڑے فورمز پہ جا کر قرآن کی باتیں لوگوں کو سنائے' اب اگر ایسا بندہ سب چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں دن رات صفائی کرنے لگ جائے تو ہوگی یہ بھی ایک نیکی' مگر یہ اس کی برائی شمار ہوگی' کیونکہ جو جتنا نیک اور اچھا ہوگا' اللہ کی اس سے توقعات اتنی بڑھ جائیں گی۔ کوئی عام بندہ رہائی کا کہے بادشاہ سے تو بہت اچھا' مگر اللہ تعالیٰ کو یوسف علیہ السلام سے اس سے کہیں زیادہ کی توقع تھی۔"

"مطلب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا؟"

"نہیں استغفر اللہ.... حنہ! انبیا کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام نہیں کرتے تھے۔ وہ معصوم تھے اور یوسف علیہ السلام کی تو اللہ نے صرف اس ذرا سی کمی کی طرف توجہ دلائی' کیونکہ وہ ایک کامل انسان تھے۔ صبر والے اور علم والے۔ یہ ایک غلطی تھی کہ انسان کو مصیبت میں صرف اللہ کی طرف دیکھنا چاہیے۔ اچھا اب وہ سنو جو میں سوچ رہا تھا۔" وہ چت لیٹا بولتا جا رہا تھا۔ "تم نے نوٹ کیا' یوسف علیہ السلام کو دنیا کا آدھا حسن دیا گیا تھا اور جن عورتوں کو خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ خوب صورت ہو' وہ روز سورۃ یوسف پڑھتی ہیں' مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ' قطعاً' ایک دفعہ بھی سورۃ یوسف میں نہیں کہا کہ یوسف خوب صورت تھے۔ ان کے حسن کا ذکر بھی نہیں کیا۔ کیوں کہ اللہ نے ہمیں "احسن القصص" (سورۃ یوسف) اس لیے دی تھی تاکہ ہم کسی انسان کی ان خوبیوں کو جان پائیں جو اس کو اللہ کی نظر میں خوب صورت بناتی ہیں' مگر حنہ یار! کوئی یہاں قرآن سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتا' تم سن رہی ہو نا؟" ہاتھ بڑھا کر حنہ کے بالوں کی لٹ کھینچی۔ "گڑیا یار! سنو میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"سونے دو بھائی۔" وہ نیند میں تھی۔

"ایک وقت آئے گا حنین یوسف! جب تم میری باتوں کو مس کیا کرو گی۔" بڑے ہی خفا انداز میں وہ بولا۔

"ایں؟ کون سا وقت؟" اس کے ذہن میں کوئی فکر جاگی۔

"جب میں شادی کے بعد رخصت ہو کر کسی کا گھر داماد بن جاؤں گا۔"

"توبہ!" وہ نیند میں بھی زور کی ہنسی۔ "آپ کو کوئی گھر داماد نہیں بنائے گا۔"

"کیوں نہیں بنائے گا؟ جیب خالی ہے تو کیا ہوا' بندہ

بہت اچھا ہوں میں۔ ایک تو خوش اخلاق اتنا ہوں' اوپر سے خوب صورت بھی ہوں۔" ذرا رک کر پوچھا۔
"ہوں نا؟"
اس نے بالآخر تکیہ اٹھا کر زور سے نیچے اچھالا۔ "سو جاؤ بھائی۔ میں کبھی نہیں مس کرنے والی آپ کو' جائیں کرلیں شادی۔"
یاد کا بلبلہ پھٹا اور وہ واپس اس نیم اندھیرے تہہ خانے میں آئی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو سعدی کی شرٹ پہ گر رہے تھے۔ دل جیسے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سعدی کے لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets والا باکس چھوئے بغیر واپس ہولی۔ کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ اہل درد بھی کس کی دہائی دیتے ہیں
وہ چپ بھی ہو تو زمانہ ہے ہمنوا اس کا

وہ بار۔۔۔ کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ پیچھے لوگوں کا شور' موسیقی' جلتی بجھتی روشنیاں تھیں۔ وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ چہرے پہ فکر مندی بھی تھی اور امید بھی۔
"ہائے شیرو!" وہ اسی پل اس کے ساتھ والے اسٹول پہ آبیٹھی۔ کلچ کاؤنٹر پہ دھرا اور چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اپنے سنہری بالوں کو اونچی (اور چھوٹی) سی پونی میں کسے اور سرخ لپ اسٹک لگائے' شہرین ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔
"کیسی ہیں آپ؟" ایک دم سے ساری دنیا رنگین ہوگئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے لیے آرڈر کرنے لگا۔
"میں ٹھیک ہوں' مگر تم نے سعدی کے بارے میں سنا؟ اوہ گاڈ! مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔" وہ سر شاک کے عالم میں نفی میں ہلاتی موبائل پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نوشیرواں کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حلق میں کوئی لہ پھنسا۔

"جی۔۔۔ میں نے سنا۔"
"مطلب کہ لاقانونیت کی حد ہوتی ہے۔ پہلے گولی اور پھر اغوا۔۔۔ یہ پکچر دیکھی تم نے؟" اس نے اسکرین پہ وہی پولیس فوٹوگراف نکال کر اس کے سامنے کی۔ "یہ وائرل ہو رہی ہے۔ اس کے یونی ورسٹی کے دوست اس کے لیے Hash Tag Save Saadi ٹرینڈ کو بہت پروموٹ کر رہے ہیں' مجھے بھی اسی سے پتہ چلا۔ تمہیں پتا ہے انہوں نے لیڈز میں اس کے لیے Vigil بھی کیا ہے۔ دیکھو کتنی بری طرح پیٹا گیا ہے اسے۔" وہ فکر مندی اور تاسف سے بولے جا رہی تھی اور وہ صبر سے گھونٹ بھرتا گیا۔ مشروب زہر جیسا تلخ تھا۔
"آپ واپس کب جا رہی ہیں؟ سونیا کو مس تو کر رہی ہوں گی۔"
"میں اگلے ہفتے چلی جاؤں گی' مگر یقین کرو جب سے میں نے سعدی والی نیوز دیکھی ہے' بہت اپ سیٹ ہوں۔ شکر ہے تم مجھے مل گئے' کم از کم کسی سے ڈسکس تو کر سکتی ہوں۔ اس دن اتنا کچھ بول گئی میں اس کے بارے میں' جو بھی ہے وہ اچھا لڑکا ہے۔" پھر رک کر پوچھا۔ "یہ کہنا چاہیے یا تھا؟"
"واپس جا کر کیا پلانز ہیں آپ کے؟"
"ایک سوشلائٹ کے کیا پلان ہو سکتے ہیں؟ وہی روٹین لائف۔ ویسے تمہیں کیا لگتا ہے' سعدی کو ان لوگوں نے مار دیا ہوگا؟"
گلاس پہ نوشیرواں کی انگلیوں کی گرفت سخت ہوگئی اور لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ بے زاری اتری۔ "پتا نہیں۔" اور گھونٹ بھرا۔ شہرین ہنوز تاسف سے بولے جا رہی تھی۔
وہ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ گرد باد تمنا میں گھومتے ہوئے دن
کہاں پہ جاکے رکیں گے یہ بھاگتے ہوئے دن

دو ہفتے بعد.....

وہ گرم صبح قیصر کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ چمک دار سی طلوع ہوئی تھی۔ زمر نے آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش پھیرتے کھڑکی سے باہر دیکھا تو سبزہ زار پہ ملازموں کی چہل پہل شروع ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ تب ہی باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آیا۔

زمر نے برش رکھ دیا اور پرس اٹھائے باہر نکل گئی۔ فارس نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا اور دوسری کمرے پہ ڈالی، جس کو وہ ہر صبح کی طرح چند منٹوں میں نفاست سے سمیٹ چکی تھی۔ تکیے بیڈ پہ، بیڈ کور برابر..... ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھٹکا اور الماری کی طرف آیا۔ آج اسے جاب پہ جاتے پانچواں دن تھا۔

یہ پانچ جون تھی اور اکیس مئی کے اذیت ناک دن کو گزرے قریباً "دو ہفتے" بیت چکے تھے۔

زمر باہر نکلی تو نیچے صداقت کے کچن سے خوشبو آرہی تھی۔ وہ حنہ کے دروازے پہ رکی، پھر اسے دھکیلا تو اندر کا منظر نمایاں تھا۔ ندرت کا بیڈ خالی تھا اور حنین اپنے بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ بال پونی میں بندھے، وہ ڈل اور کمزور لگتی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا، آنکھوں میں امید جاگی۔

"بھائی کا کچھ پتا چلا؟"

"اونہوں..... لیکن اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔ ہم مل کر سعدی کو ڈھونڈیں گے۔" حنہ کے چہرے کی جوت ماند پڑ گئی، اس نے ٹھوڑی گرا دی۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی، میری وجہ سے..... اپنے آخری دن بھائی اتنا ناراض ہوا تھا۔ میں آپ کی طرح نہیں ہوں کہ....." نظریں جھکائے خفگی سے بولی۔ "اس سے چار سال بات نہ کروں اور پھر ظاہر کروں کہ مجھے اس کی بہت پروا ہے۔"

چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

"حنین! مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی اور میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ تم نے سنا؟ آئی..... ایم..... سوری فار ویسٹ!" وہ بولی تو آنکھوں میں شکوہ اور آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "میں نے چار سال اس سے تعلق نہیں رکھا، میں نے غلط کیا اور مجھے تب یہ احساس ہو گیا تھا جب ابا نے بتایا کہ مجھے گردہ سعدی نے دیا تھا۔ میں اس دن اس کے پاس چلی گئی تھی اور ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چار سال مٹ گئے۔ مجھے مرتے دم تک ان کا افسوس رہے گا۔" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ حنین نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کی کرچیاں سی بکھری تھیں۔

"اگر تم مجھ سے پوچھو تو میرا دل چاہتا ہے کہ ہر اس شخص کو روکوں جو اپنے کسی خونی رشتے دار سے ناراض ہے اور کہوں کہ اس کو کال کر لو، اس سے تعلق جوڑ لو، چاہے اس نے آپ کا کتنا بھی دل کیوں نہ دکھایا ہو۔ میری طرح اتنے سال ضائع نہ کرو، بے کار کی انا میں۔ اگر تعلق نہیں جوڑو گے تو پتا ہے کیا ہو گا؟ آپ کے بچوں میں ان ہی بہن بھائیوں کی شکلیں اور عادتیں نظر آنے لگیں گی جن سے آپ بہت دکھی دل کے ساتھ علیحدہ ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کیوں بتاتا ہے آپ کی اولاد میں آپ کے رشتوں کی مشابہت؟ اس لیے تاکہ ہم ان کو نہ بھول سکیں۔ کیونکہ اگر ہم نے جلد صلح نہ کی تو وہ مر جائیں گے، کھو جائیں گے، یا ہم مر جائیں گے، کھو جائیں گے، میں نے غلطی کی تھی اور مجھے اس کے لیے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ مگر تم میری غلطی کیوں دہرا رہی ہو؟" آخری فقرے پہ حنہ نے منہ موڑ لیا۔

"ایک حادثے کے بعد اپنے واحد پیرنٹ کو مزید بیمار دیکھنا، اور ساری دنیا سے کٹ کر کے کمرے میں پڑ جانا، اور جو اپنے تمہارے پاس ہیں، ان کو ہر وقت الزام دیتے رہنا، تمہیں لگتا ہے یہ تمہاری کہانی ہے حنہ؟ نہیں۔ اگر چار سال پیچھے جاؤ تو یہ میری کہانی ہے۔ جب میں اس غلطی کو نہیں دہرا سکتی تو تم کیوں دہرا رہی ہو؟"

حنین نے جواب نہیں دیا۔ منہ موڑے، گیلی آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھے گئی۔

"مجھے نہیں پتا تمہیں کون سا گلٹ روز بروز کمزور کرتا جارہا ہے' لیکن میں جس حنین کو جانتی ہوں' وہ ہمارے خاندان کا سب سے جینئس اور بولڈ بچہ تھا۔ اتنی ڈل اور کم اعتماد نہیں تھی وہ۔ تمہیں سعدی سے محبت ہے تو اٹھو اور اس کمرے سے باہر نکلو' اور اس کے لیے کوشش کرو۔ یا کم از کم میری اس کے لیے محبت کو جج کرنا چھوڑ دو۔" اور وہ مڑ گئی تو پیچھے سے حنہ ہلکا سا بولی۔

"مجھے پتا ہے آپ کو بھائی سے بہت محبت ہے' اور ساری بات یہی ہے کہ آپ کو صرف بھائی سے محبت ہے۔" گیلی آنکھوں سے اس نے زمر کی پشت دیکھی۔ "اگر سعدی کی جگہ حنہ کھوتی تو آپ اتنی بھاگ دوڑ کبھی نہ کرتیں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک ٹیم کبھی نہیں ہو سکتے' اس لیے میرے ساتھ بار بار یہ pep talk کرنا چھوڑ دیں۔"

زمر نے گہری سانس لی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ پیچھے حنین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"وہ میرا بیسٹ فرینڈ تھا پھپھو' آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں؟" سر جھکائے' آنسو صاف کرتے وہ خود سے کہہ رہی تھی۔

زمر نیچے لاؤنج میں آئی تو صداقت چائے لا رہا تھا۔

"بھابھی ریسٹورنٹ چلی گئیں؟"

"جی باجی۔ ہر روز جلدی چلی جاتی ہیں اور دیر سے آتی ہیں۔ آنٹی جی کو تو چپ ہی لگ گئی ہے۔" زمر نے جوابی تبصرہ نہ کیا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی' چائے کا کپ اٹھایا تب ہی وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔

"تھانے سے فون آیا ہے۔ بلا رہے ہیں۔ کیا آپ چلیں گی؟" والٹ جیب میں رکھتے اس نے پوچھا۔ زمر نے گھونٹ بھرتے ہوئے شانے اچکائے۔

"میں ایک اٹارنی ہوں' ایک نوٹس پہ ان پولیس والوں کو عدالت بلوا سکتی ہوں۔ ان کو کام ہے تو وہ ہمارے پاس آئیں۔"

(جلی رسی کا بل۔ خیر) اس نے کوٹ کا بٹن بند کرتے گہری سانس لی۔

"وہ لفٹ والا آدمی۔ نیاز بیگ۔ اسے کل رات گرفتار کر لیا گیا ہے۔ دوپہر میں آپ کو پک کر لوں گا' آپ اس سے ملنا تو چاہیں گی۔" زمر نے چونک کر کپ نیچے کر کے اسے دیکھا۔ وہ اب ریک سے چابی اٹھا رہا تھا۔ وی گلے کی شرٹ پہ گرے کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ (جاب شروع کر لی' مگر کالر والی ڈریس شرٹ یا ٹائی پہننا تو اس کو پسند ہی نہیں ہے جیسے!) بال ذرا بڑھے تو پھر سے چھوٹے کروا لیے۔ اپنی جاب کے لحاظ سے مناسب لگ رہا تھا۔ زمر نے نظریں پھیر لیں اور ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوکے۔"

فارس نے بس رک کر ایک نظر اس پہ ڈالی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

چلو یہ سیل بلاخیز ہی بنے اپنا سفینہ
اس کا' خدا اس کا' ناخدا اس کا

اسپتال کا کشادہ اور پرتعیش کمرہ اس صبح بھی دمک رہا تھا۔ کاؤچ پہ میری بیٹھی کتاب چہرے کے سامنے کیے ہوئے تھی۔ بستر پہ لیٹے سعدی کے بازو آزاد تھے' مگر پاؤں میں ہتھکڑی لگا کر بیڈ کے ساتھ نتھی کر دی گئی تھی۔ سر کی طرف سے بیڈ اونچا کر رکھا تھا اور وہ کھلی آنکھوں سے' پہلے سے خاصا بہتر نظر آتا' ارد گرد دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کاردار صاحب نے میری نگرانی کے لیے ادھر چھوڑا ہے؟" دفعتاً اس نے پکارا۔ مگر میری کتاب پڑھتی رہی۔

"کیا تمہیں معلوم ہے' مجھے گولی کس نے ماری تھی؟"

میری نے صفحہ پلٹایا۔ نگاہیں صفحے پر جمی تھیں۔ وہ پلکیں سکیڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں سب معلوم ہے۔ تم بھی ان کی شریک جرم ہو۔"

خاموشی نے پھر سے اطراف کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دفعتاً" سعدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تمہارا بچہ کیسا ہے؟ اس کا علاج کیسا جارہا ہے؟" اب کے اس کا انداز دوستانہ تھا۔

میری نے پلک تک نہیں جھپکی۔ اسی طرح پڑھتی رہی۔ سعدی نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں۔ کمرہ بالکل صاف تھا۔ اس کاؤچ اور بیڈ اور ضروری طبی اشیاء کے علاوہ اس کمرے میں کوئی بھی شے نہ رکھی تھی جو اس کے کسی کام آسکتی۔ کوئی کھڑکی تک نہ تھی۔

"میرے گھر والے میرے لیے پریشان ہوں گے۔ ان کو صرف اتنا بتادو کہ میں زندہ ہوں۔" بولتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔ بہت امید سے میری کو دیکھا۔ مگر اس نے نگاہیں تک نہیں اٹھائیں۔

"مجھے کچھ چاہیے۔" کچھ دیر بعد سعدی نے پکارا۔ میری نے فوراً" چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آدھے آستین کی اسپتال کی شرٹ میں ملبوس' تکیوں کے سہارے نیم دراز اس کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟" اس نے بے تاثر سپاٹ انداز میں دریافت کیا۔

"مجھے قرآن لادو۔ میں اس کو پڑھ لوں گا۔ جیسے تم بور ہورہی ہو' ویسے ہی میں بھی بور ہورہا ہوں۔ اتنا تو تم کرسکتی ہو میرے لیے۔"

"اوکے منگوادوں گی۔" اور دوبارہ سے کتاب چہرے کے سامنے کرلی۔ سعدی نے گہرے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔

☆ ☆ ☆

ہر غلط بات پہ میں آپ کی کہہ دوں لبیک!
اس طرح خون صداقت نہیں کرسکتا میں

تھانے کے اس کمرے میں چوکور میز بچھی تھی۔ فارس اور زمر برابر کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ دائیں ہاتھ اے ایس پی سرمد شاہ تھا۔ سامنے بچھی کرسیوں پہ نیاز بیگ براجمان تھا۔ کندھے کرسی کی ٹیک پہ گرائے' گریبان کے بٹن کھلے تھے' سیاہ مونچھیں اور سیاہ آنکھیں تھیں جن میں زمانے بھر کی بے زاری سموئے وہ زمر کو دیکھ رہا تھا۔

"تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم نے سعدی کو گولی ماری ہے۔" زمر نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے ٹھنڈے انداز میں پوچھا تھا۔

منہ میں کچھ چباتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "ہاں۔ اس کا ریسٹورنٹ خریدنے کی بات ہی تو کی تھی۔ آگے سے بولا نہیں بیچنی۔ سارے لوگ شروع میں یہی کہتے ہیں۔ میں نے صرف اصرار کیا۔ دو تین دفعہ جاکر ملا بھی اس سے۔ مگر سالا غصے میں آگیا۔ مجھے گالیاں بکنے لگا۔ سب برداشت ہوتا ہے' بی بی مگر۔" انگلی اٹھا کر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "گالی برداشت نہیں ہوتی۔ سو ہیں پھڑکا دیا اسے۔ اب جاکر اگلے جہاں میں بیچے اپنی دکان۔" ساتھ ہی استہزائیہ سر جھٹکا۔

"اوئے۔ زبان سنبھال کر!" وہ ذرا غصے سے آگے کو ہوا تو سرمد شاہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے تھمنے کا اشارہ کیا۔ زمر نے محض ایک ناپسندیدہ نظر فارس پہ ڈالی اور دوبارہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اسپتال سے کیوں غائب کیا تم نے اسے؟"

"صاف بات ہے بی بی۔ جب تک لاش نہیں ہوتی' قتل ثابت نہیں ہوتا۔ بس وارڈبوائے کو ملایا ساتھ' اور لے گئے اسے۔ گاڑی میں ڈالا' اور کوڑے کے ڈھیر پہ پھینک دیا۔ صبح جاکر دیکھا میں نے۔ نام و نشان تک نہ تھا۔ خلاص۔" بے پروائی سے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا۔ فارس بہت ضبط سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اتنی ہی ٹھنڈی تھی۔

"کون سی گالی دی تھی اس نے؟"

"آہ۔ کیا دہراؤں اب؟" اس نے تلخی سے ہنس کر سر جھٹکا۔ اے ایس پی کے ابرو بھینچے۔

"حد میں رہ کر بات کرو نیاز بیگ۔"

"تو بی بی کو منع کرونا۔ کیوں میرا منہ کھلوانا چاہتی ہے۔"

"میں نے پوچھا۔" زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی آگے ہوئی۔ "کون سی گالی دی تھی اس نے؟"

"دہرا دیتا ہوں، مگر تمہارے بندے کو اچھا نہیں لگے گا۔" استہزائیہ زہریلی مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے فارس کو دیکھا جو اتنے ہی غصے سے اسے گھور رہا تھا۔ اور پھر اس نے تین چار گالیاں دہرا دیں۔ میز پہ رکھی فارس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"اور کتنی دفعہ دیں اس نے یہ گالیاں؟" زمر کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"چار ایک بار تو دی تھیں۔ تب ہی اسے خلاص کرنا پڑا۔"

"اور یہ سب کہنے کے کتنے پیسے دیے گئے ہیں تمہیں؟" وہ خود کو بولنے سے روک نہیں سکا۔ زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ (فارس کو برداشت کرنا، نیاز بیگ کو برداشت کرنے سے زیادہ مشکل تھا) نیاز بیگ کے چہرے کے اطمینان اور استہزا میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"نیاز بیگ کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پہ بولا ہے سب، کیونکہ ابھی وہ افسر پیدا نہیں ہوا جو چار دن سے زیادہ۔" انگوٹھا بند کر کے چار انگلیاں دکھائیں۔ "نیاز بیگ کو حوالات میں رکھ سکے۔ اس لیے اپنی وکالت عدالت میں کرو بی بی۔ میرے پر یہ سکہ نہیں چلنے والا۔" مسلسل منہ میں کچھ چباتے وہ پیچھے ہو کر بیٹھا اور ایک طنزیہ مسکراتی نظر زمر پہ ڈالی۔

"ویسے وہ تمہارا بھتیجا تھا؟ چچ چچ۔ بہت رویا تھا بچہ جب گولی لگی، بالکل لڑکیوں کی طرح۔"

"بس بہت ہو گیا۔" سرمد، فارس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا (اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر نیاز بیگ کا گریبان پکڑ لے) اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ہتھکڑیاں لگے نیاز بیگ کو اندر لے گئے۔ دروازے میں گم ہونے سے قبل اس نے مسکراتے ہوئے پیچھے زمر کو دیکھتے، منہ سے وہ تنکا تھوک کر پرے پھینکا تھا۔

"اس ساری بکواس کا کیا مطلب تھا؟ یہ شخص۔" اس کے جاتے ہی وہ ایک دم جیسے کھول کر کہنے لگا تھا،

مگر اسی پل زمر نے (میز کے نیچے سے) جوتی کی ہیل اس کی پنڈلی پہ زور سے ماری۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے اے ایس پی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے تعاون کا شکریہ۔ اس سے وہ جگہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے جہاں اس نے باڈی پھینکی تھی۔ کوڑا کون اٹھاتا ہے، ٹرک کہاں جاتے ہیں، آپ بس ہمیں باڈی ری کور کر کے دے دیں، اور اس شخص کو اس کی سزا دلوا دیں، اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔" اس کے انداز پہ وہ خون کے گھونٹ بھر کر خاموش ہو گیا۔ وہ اب پرس اٹھا کر کھڑی ہو رہی تھی۔

"ہم باڈی کور کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ پھر، مجھے بہت افسوس ہے۔" سرمد شاہ نے سر کو خم دے کر تعزیت کرتے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھا۔

"آپ کا بہت شکریہ۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔" وہ مڑی اور ایک تیز نظر فارس پہ ڈالتی باہر نکل آئی۔

گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی۔ وہاں جانے تک اس نے بمشکل ضبط کیا تھا، مگر چابی دروازے میں گھماتے ہوئے وہ طیش سے زمر کی طرف گھوما۔

"وہ شخص میرے سامنے۔"

"فارس غازی! وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں، تماشا مت بناؤ۔ گھر جا کر بات کرتے ہیں۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے وہ تلخی سے بولی اور موبائل پہ ایک نمبر ملانے لگی۔ وہ اندر ہی اندر کھولتا، ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اور زور سے دروازہ بند کیا۔

☆ ☆ ☆

مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
میری عمر بھر کی جو پیاس تھے، وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

حنین اور ندرت کے کمرے میں وہی اداسی چھائی ہوئی تھی وہ بیڈ پر گم صم بیٹھی تھی۔ سیم اندر آیا اور دھپ سے بیڈ پر آ گرا۔

"حنہ!" بیڈ پر چت لیٹے چھت کو تکتے پکارا۔ حنین گھٹنوں پہ گال رکھے خاموش بیٹھی رہی۔

"یاد ہے حنہ! تھنڈر کیٹس میں بھی ممرا یا اس کا کوئی ساتھی کسی تھنڈر کیٹ کو اغوا کرلیتا یا نقصان پہنچاتا تو آخر میں باقی کیٹس اس کو بچالیتے تھے اور سب صحیح ہوجاتا تھا۔ کیا ہمارا بھائی بھی واپس آجائے گا؟"

"ہمیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ ہمارا ممرا کون ہے۔ اور جو اسے ڈھونڈنے کے لیے بظاہر بھاگ دوڑ کررہے ہیں، ان کو بھی کچھ نہیں پتا۔" وہ خفگی سے بولی۔

"ماموں بھی بدل گئے ہیں۔ پھپھو کی بدل گئی ہیں۔" سیم کہنی کے بل بیٹھا اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم بدل گئی ہو!" حنین نے گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی۔

"جاؤ، مجھے پڑھنے دو۔" اور خلاف معمول وہ بنا چوں چرا کیے باہر نکل گیا۔ پھر وہ اٹھی، اور سائیڈ ٹیبل پہ دھری سفید جلد والی کتاب اٹھائی۔ گھٹنوں پہ رکھ کر بے دلی سے صفحے پلٹنے لگی۔

دروازہ کھلا تو تیز روشنی امڈ امڈ کر آنکھوں کو چندھیا گئی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے قدم قدم چلتی آگے آئی تو دیکھا، اس کے اردگرد قدیم دمشق کی ایک روشن دوپہر آباد تھی۔ ہر شے زردی میں لپٹی تھی۔ مگر پہلے کے برعکس، وہ بے دلی سے سر جھکائے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کچے راستے پہ آگے بڑھتی گئی۔ دھول جوتوں کو آلودہ کرتی گئی۔ جب چہرہ اٹھایا تو مسجد سے ملحقہ حجرہ سامنے تھا اور ایک طرف درخت تلے وہی ہڈیوں کا سا بنجر آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کی مردنی اور ویرانی ہنوز برقرار تھی۔

آج چھوٹی دیوار کے ساتھ شیخ کھڑے تھے۔ پیروں تک آتا سفید چمک دار لباس پہنے، مسکراتے ہوئے۔ وہ بنا مسکرائے قریب آرکی۔

"کیا آپ نے اس بیمار کو ابھی تک شفایاب نہیں کیا؟"

"بیمار خود کوشش نہ کرے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔" وہ کچے راستے پہ چلنے لگے تو وہ بھی سر جھکائے، بددل سی ساتھ ہولی۔

"تم کیوں اداس ہو؟"

"میرا بھائی کھو گیا ہے، اور میں دن رات اس کے لیے دعا کرتی ہوں۔ مگر میں سوچتی ہوں کہ جو مقدر میں لکھا ہے وہ تو ہوجائے گا، جو نہیں لکھا وہ نہیں ہوگا، پھر بندہ دعا کیوں کرتا ہے؟" دھول سے اٹے راستے پہ وہ دونوں آگے چلتے جارہے تھے اور وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہیں۔" چلتے چلتے شیخ نے ایک طرف اشارہ کیا تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ سڑک کنارے، بازار میں، ایک قہوہ خانے کے باہر چوکیوں پہ چند لوگ بیٹھے تھے، اور بلند آواز میں بحث کررہے تھے۔

"جو مقدر میں ہے، وہ ملے گا، جو نہیں مقدر، وہ نہیں ملے گا، سو سوال کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا اور باقی سر دھن رہے تھے۔ حنین نے الجھی ہوئی نگاہیں اٹھا کر شیخ کو دیکھا۔ وہ مسکرائے۔

"یہ کہتے ہیں، دعا کرنے یا نہ کرنے کا کیا فائدہ؟ سب کچھ تو لکھا جاچکا۔ مگر یہ ان کی جہالت ہے اور اپنے مسلک میں یہ خود تضاد رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اگر ایسا ہے تو پھر ان سے پوچھو، اگر سیرابی تمہارا مقدر ہے تو پانی پیو یا نہ پیو، پیاس بجھ جائے گی۔ کھیتی مقدر ہے تو دانا ڈالو یا نہ ڈالو اناج، اگ ہی جائے گا۔ تو پھر کھاتے پیتے کیوں ہو؟ دانے بوتے کیوں ہو؟" وہ قدم بڑھاتے گئے اور حنین ان کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ قدیم بازار میں لوگوں کی بھیڑ سے شور، آوازیں، قہوے کی مہک، سب خلط ملط ہورہا تھا۔

"اور ان کو دیکھو۔" ذرا رک کر انہوں نے چھتوں سے ایک کھلے خیمے کی طرف اشارہ کیا جہاں اندر فرشی نشست بچھائے چند لوگ بیٹھے تھے۔ ان کے سروں پہ مخصوص ٹوپیاں تھیں اور وہ آپس میں گفتگو کررہے تھے۔

"یہ کہتے ہیں، دعا تو بس عبادت ہے، ثواب کا ذریعہ۔ نیکی اور بدی تو لکھی جاچکی، تو دعا کرنا بس نیکی کی نشانی ہے، اور عذاب پانا کفر کی علامت ہے۔ نہ نیکی خیر کا سبب ہے، نہ عذاب کفر کی وجہ ہے۔ دعا صرف

ثواب کے لیے کرو' ورنہ ہوتا وہی ہے، جو تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔ جس نے اس گھڑی مرنا ہے' اب وہ خودکشی کرے' طاعون سے مرے' یا اسے قتل کیا جائے' سب برابر ہے' مگر نہیں۔" شیخ نے افسوس سے نفی میں سرہلایا۔ "یہ بھی غلط ہیں۔"

"تو پھر صحیح کون ہے؟" وہ پست آواز سے' اور چہرے پہ تکان لیے پوچھنے لگی۔ شیخ دوبارہ چلنے لگے تھے۔ حنہ کے پیر دھول میں اٹے جارہے تھے۔

"یہ ہیں وہ جو صحیح ہیں۔" انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا تو حنین نے دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔ ایک درخت تلے چادر بچھا کر چند لڑکے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ان کا معلم ان کے سامنے چوکی پہ براجمان تھا۔

"یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام تب ہوتا ہے' جب اس کے لیے اسباب اختیار کیے جائیں' اور دعا ان اسباب میں سے ایک ہے۔ سیرابی کھانے پینے کے ساتھ ہے' کھیتی' دانہ بونے کے ساتھ ہے' اور جانور کی جان نکلنا ذبح کرنے کے ساتھ ہے۔ اور وہ جو بیمار تم نے دیکھا' وہ یہی بات نہیں سمجھ پارہا کہ اسباب میں سب سے طاقتور سبب دعا ہے۔"

وہ اب رکے' اور اپنے قدموں پہ واپس جانے لگے۔ تھکی تھکی سی حنہ بھی ساتھ پلٹی۔

"اور جو دعا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کرسکے' وہ؟"

"کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔ فتح کثرت افواج سے نہیں ملتی' آسمانوں سے مدد کی صورت اترا کرتی ہے۔ جو اللہ سے نہیں مانگتا' اللہ اس پہ خفا ہوتا ہے' پس تم دوسروں کے ساتھ جتنی بھلائی کروگی' اتنا ہی اللہ تمہیں عطا کرے گا۔ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر یونس علیہ السلام' خدا کی تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس دن تک کہ جب تک کھڑے کیے جائیں گے' مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔"

"مگر شیخ! جب دعا سب سے طاقتور ہتھیار ہے تو دوسری چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے دعا کی بھائی ٹھیک ہوجائے' وہ ہوگیا۔ میں نے دعا کی' وہ مجھ پہ خفا نہ ہو اور وہ بات بھی سنبھل گئی۔" وہ تپتی دوپہر میں کچے راستے پہ چلتی کہہ رہی تھی۔ "دعا کافی ہے نا پھر تو۔"

"یہ توکل نہیں' کاہلی ہے۔ بے عملی ہے۔ جہالت ہے۔ عقل مند وہ ہے' جو تقدیر کو تقدیر سے توڑے' اور تقدیر کے مقابلے میں تقدیر کو ہی لا کھڑا کرے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ ہے لڑکی کہ اسباب بھی قدرت نے دیے ہیں اور پریشانیاں بھی۔ ان کو آپس میں لڑاؤ اور آسمانوں سے مدد کی دعا کرو۔ اور سنو۔ قرآن پڑھا کرو۔ اس میں ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔"

مسجد آگئی تھی اور وہ بیمار ہنوز درخت تلے بیٹھا تھا۔ اکڑوں' سر گھٹنوں پہ رکھے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ۔ لاغر اور مایوس سا وجود۔ اس نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدم آگے بڑھادیے۔

"امام کو کیا معلوم میرے مسئلوں کا! ایک سات صدیوں پہلے کے تابیو (سادہ لوح) بوڑھے امام کو کیا معلوم؟"

شیخ وہیں مسجد کے پاس کھڑے رہ گئے۔ اور وہ مدرستہ الجوزیہ سے' دور' بہت دور' صدیوں کی مسافت طے کرتی چلتی گئی۔

✲ ✲ ✲

وہ تو زخموں کو نمکدان بنادیتے ہیں
دل کے زخموں پہ سیاست نہیں کرسکتا میں

دوپہر ہنوز جھلس رہی تھی' جب فارس نے کار انیکسی کے سامنے سبزہ زار پہ روکی اور ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ وہ موبائل کان سے لگائے دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

"وہ نہیں اٹھائے گا فون۔ چھوڑدیں اس انوسٹی گیشن کا پیچھا۔ اب باس نہیں ہیں آپ اس کی۔" زمر نے زور سے فون پرس میں پٹخا۔ پیشانی پہ بل لیے' وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی تھی۔

"اس شخص کا منہ توڑنا تھا میں نے' مگر آپ کی وجہ سے چپ رہا اور وہ اے ایس پی۔ وہ سب ایک ساتھ

ملے ہوئے ہیں' کیا ضرورت تھی اس کے سامنے خاموش رہنے کی۔"

"مجھ پہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری کوئی ملازمہ نہیں ہوں۔" وہ ناگواری سے اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔ "میں نے نہیں کہا تھا مجھے تمہاری ضرورت ہے' تم نے کہا تھا کہ ہم ساتھ مل کر کام کررہے ہیں۔ اگر میرے ساتھ کام نہیں کرنا تو جہنم میں جاؤ میری طرف سے۔ میں اپنے بچے کو اکیلے ڈھونڈلوں گی۔ لیکن اگر میرے ساتھ کام کرنا ہے تو سب میرے طریقے سے ہوگا۔"

"وہ میرے سامنے اتنی بکواس کرتا رہا اور میں سنتا رہا۔ لعنت ہے مجھ پہ۔" اس نے غصے سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔ زمر نے بے اختیار کنپٹی کو مسلا۔

"فارس! تم مجھے مزید ٹینشن دینے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتے۔ مجھے بھی پتا ہے کہ کون کس کے ساتھ ملا ہوا ہے' مگر بات یہ ہے اگلے کا گریبان پکڑنے اور دانت توڑنے کے علاوہ بھی بہت طریقے ہوتے ہیں۔ مگر میں بھی کسے بتارہی ہوں۔" سر جھٹک کر وہ کھڑکی کے پار دیکھنے لگی جہاں سبزہ زار اور ٹیکسی دکھائی دے رہی تھی۔

فارس نے تپ کر اسے دیکھا۔ "تو اب کیا ہوگا؟ وہ تو اصل مجرموں کو کور کرگیا ہے۔ کل کلاں ضمانت پہ رہا ہوجائے گا۔ اور وہ اے ایس پی' ایس پی بن جائے گا۔ ایسے ملے گا ہمیں سعدی؟"

"میرا اس اے ایس پی کے ساتھ ایک ورکنگ ریلیشن ہے تم اتنے غصے میں اندھے ہوکر اسے خراب مت کرو' یہ میری درخواست ہے۔"

"مجھے ایک گھنٹہ مل جائے اس نیاز بیگ کے ساتھ' میں دیکھتا ہوں وہ کیسے سب نہیں بکتا۔"

"کیا بتائے وہ؟ اس کو کچھ بھی نہیں پتا۔ اگر پتا ہوتا تو سعد شاہ اسے ہمارے سامنے نہ لاتا۔ یہ فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔" وہ دوبارہ سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگی۔ جھنجلاہٹ اور اکتاہٹ اس کے چہرے پہ بکھری تھی۔ فارس چہرہ اس کی طرف موڑے اسے دیکھنے لگا۔

وہ نمبر ملاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے پتا تھا تم کام بنانے کی بجائے صرف بگاڑو گے۔ تم سے کچھ نہیں ہوگا۔"

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اندر اٹھتا ابال ذرا کم ہوا۔ چہرے کی رنگت نارمل ہونے لگی' پھر اس نے گہری سانس لی۔

"آپ کو کیا چاہیے؟" زمر نے فون کان سے لگاتے ہوئے اکتاہٹ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"انویسٹی گیٹر کو کیوں کال کررہی ہیں؟ کیا چاہیے آپ کو؟" اس نے دہرایا۔

"ایسے مت پوچھو' جیسے تم میرا کوئی کام کرسکتے ہو۔" بے زاری سے اس نے فون ہٹایا اور لاک کھولا۔

"ایک آدمی ہراس کررہا تھا آپ کو' پھر آپ نے مجھے بتایا۔ کیا دوبارہ اس نے بھی تنگ کیا آپ کو؟" زمر کے دروازہ کھولتے ہاتھ تھمے' چونک کر اس نے فارس کو دیکھا۔

"دو تین دفعہ آپ نے کچھ لوگوں کے بینک اکاؤنٹس اور بیک گراؤنڈ چیک کرنے کے لیے کہا تھا' میں نے وہ کرکے دیا تھا یا نہیں؟" وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ زمر کے ابرو مشتبہ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

"تب تم قاتل نہیں تھے۔"

"میں نے پوچھا' آپ کو کیا چاہیے؟" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ نظریں ابھی تک اس کی آنکھوں پہ تھیں۔

"تم کیا کرسکتے ہو میرے لیے؟ اس نیاز بیگ کا بیک گراؤنڈ چیک کرسکتے ہو؟ اس کا پولیس ریکارڈ' مالی حالات' خاندانی حالات' ڈیلنگز' مجھے ہر چیز چاہیے' وہ بھی جو اس کو خود بھی نہ معلوم ہو۔ اگر میرا انویسٹی گیٹر ہوتا تو کل شام سے پہلے ہر چیز میری ٹیبل پہ ہوتی۔ بولو' تم کرسکتے ہو؟" درشتی سے چبا چبا کر بولتی' ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر اس نے دروازہ کھولا تو سنا۔

"کل دوپہر سب آپ کی ٹیبل پر ہوگا۔" وہ نکلی تو وہ

زن سے کار آگے لے گیا۔ زمر نے مڑ کر برہمی سے اسے دیکھا۔ "بدتمیز۔" انگلی سے چہرے پہ آئی لٹیں ہٹائیں اور ٹیکسی کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ تب ہی عقب میں آواز آئی۔

"ہیلوڈی اے۔" وہ گھومی۔

قدرے جھنجلایا، قدرے جھجکتا سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، اسے دیکھا، اور پھر مڑ کر ایک خفا نظر عقب میں برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات پہ ڈالی۔

"اوہ نوشیرواں۔ آپ کو بہت عرصے بعد دیکھا ہے۔" وہ خود کو پرسکون کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں دبئی گیا ہوا تھا۔ کل واپس آیا ہوں۔ ممی نے بولا کہ۔" ایک بے زار نظر پھر دور بیٹھی جواہرات پہ ڈالی جو ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ "آپ سے تعزیت کرلوں۔"

"تعزیت؟" زمر کے دل کو دھکا سا لگا۔ ابرو بھینچ گئے۔

"مطلب وہی۔ سعدی کے لیے۔ مجھے بہت بہت افسوس ہے۔"

"تھینک یو نوشیرواں، مگر وہ زندہ ہے اور ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔" قدرے خشک انداز میں بولی۔ نوشیرواں کی گردن میں کوئی پھندا سا پھنسنے لگا۔

"ہاں شیور کیوں نہیں۔ مجھے بہت افسوس ہے ویسے۔" جلدی سے بات سنبھالی۔ "مگر یہ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟"

"پولیس ان کو ڈھونڈ رہی ہے، جلد پتا چل جائے گا۔"

"آپ کو کسی پہ شک نہیں؟" اس نے غور سے زمر کا چہرہ دیکھتے پوچھا۔

(ہاشم سامنے ہوتا تو اس سوال پہ اسے ایک تھپڑ تو لگا ہی دیتا۔)

"آپ بتائیں، آپ کو کس پہ شک ہے؟ آپ کا تو وہ فرینڈ تھا۔ اس کے سوشل کانٹیکٹس کو آپ جانتے ہوں گے نا۔"

"نہیں۔ مجھے کیا پتا۔ میں تو کافی دن سے اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ ان فیکٹ میں تو اس واقعے سے ایک دن پہلے دبئی چلا گیا تھا۔ مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں اس کے پاس اس مشکل وقت میں نہیں تھا۔"

بظاہر لاپروائی سے شانے اچکائے مگر اندر سے اس کا سانس خشک ——— ہو رہا تھا کیونکہ وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی مجھے پتا ہے آپ تب دبئی میں تھے، اٹس او کے۔ ہاشم نے بتایا تھا۔" وہ بات ختم کر کے مڑنے لگی، مگر ایک دم رکی۔ چونک کر اسے دیکھا۔

"سعدی کے واقعے سے ایک دن پہلے، مطلب میری شادی والے دن آپ دبئی گئے ہوئے تھے؟ بیس تاریخ کو؟"

"جی۔ اور سوری بھول گیا۔ شادی کی مبارک ہو آپ کو۔"

زمر نے سر جھٹکا۔ "میں پبلک پراسیکیوٹر نہیں ہوں اب۔" محض اتنا بتا کر وہ پلٹ گئی۔ نوشیرواں نے شانے جھٹکے اور واپس ہولیا۔

لبوں میں سیٹی بجاتا وہ جواہرات کے ساتھ کرسی پہ دھپ سے آگرا تو اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ڈھنگ سے افسوس کیا یا نہیں؟"

"ہاں، کرلیا۔" اس نے ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی جواہرات نے رس بھرا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شیرو! کیا مسئلہ ہے؟ تم دونوں بھائی مجھ سے کیا چھپا رہے ہو؟"

"اوہ ممی! بس کردیں۔" وہ بے زار ہوا۔ "آپ کو بتائے بغیر کیا چلا گیا تب سے تفتیش کررہی ہیں۔"

"کوئی تو بات ہے۔ سعدی والے معاملے سے اگر تم لوگوں کا کوئی تعلق ہے تو مجھے ابھی بتادو۔"

"مجھے نہیں پتا یہ سعدی والا معاملہ بھئی! میں تو دبئی

میں تھا، مگر بہت خوشی ہوئی۔ زندگی سے ایک مسئلہ تو کم ہوا۔ اندر جارہا ہوں' آپ بیٹھیں اتنی گرمی میں باہر۔" منہ کے زاویے بگاڑتا' وہ اٹھا اور بیرونی زینے کی طرف بڑھ گیا۔ (جو اوپر اس کے کمرے کی بالکونی تک جاتا تھا) جواہرات سوچ میں گم اسے جاتے دیکھے گئی۔

☼ ☼ ☼

تحریر بیچ کر تو کبھی بات بیچ کر

پاتے ہیں رزق صورت حالات بیچ کر

اگلی سہ پہر بھی زیادہ گرم تھی۔ یہ شعبان کے آخری ایام تھے اور شہر بھر میں مصروفیات بڑھ سی گئی تھی۔ ایسے میں اس بلند عمارت کے ٹاپ فلور کے آفسز میں بھی معمول کی چہل پہل جاری تھی۔ ہاشم کاردار کے آفس کے باہر بیٹھی سیکریٹری' لنچ بریک کے دوران' ایک ہاتھ میں سینڈوچ لیے' دوسرے میں میگزین پکڑے' قدرے تعجب سے پڑھتی جارہی تھی۔ تب ہی انٹر کام بجا تو وہ میگزین پہ سینڈوچ بیگ رکھ کر' فوراً" متوجہ ہوئی۔

"جی سر؟ اوکے!" ریسیور رکھ کر اٹھ گئی۔ اس کے سینڈوچ بیگ تلے میگزین کا آدھا صفحہ دکھائی دے رہا تھا۔ شہ سرخی واضح تھی۔

"ٹیکنیس کام کے نوجوان سائنس دان اور تھرکول کے سینئر انجینئر کو لاپتہ ہوئے پندرھواں روز ہو گیا۔" ساتھ میں آدھی ڈھکی تصویر بھی جھلک رہی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا مسکراتا ہوا۔ حلیمہ نے آفس کا دروازہ دھکیلا تو منظر سا کھلتا گیا۔ چوڑی میز کے پیچھے ہاشم' بغیر کوٹ کے بیٹھا' فون پہ بات کر رہا تھا' اور سامنے کرسی پہ خاور بیٹھا ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

ہاشم نے انگلی سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا' پھر فون پہ ہنس کر کسی کو الوداعی کلمات کہے' پھر اسے دیکھتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "حلیمہ' وہ لیٹرز مجھے ابھی لادو' میں سائن کر دیتا ہوں۔ پھر مجھے نکلنا ہو گا۔"

"اوکے سر!" وہ چپ ہوئی۔ قدرے تذبذب سے رکی۔ "سر میں نے ابھی میگزین میں دیکھا' آپ کا وہ فرینڈ' سعدی یوسف... وہ مسنگ ہے۔" صفحے پلٹتے خاور نے ایک دم مڑ کر اسے دیکھا اور دوبارہ فون اٹھاتے ہاشم نے بالکل ٹھہر کر پھر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہاں... وہ تو کافی دن سے مسنگ ہے' ہم سب' اس کے دوست اور خاندان والے بہت اپ سیٹ ہیں اس کے لیے۔" ہاشم بولا تو لہجے سے فکرمندی جھلکتی تھی۔

"وہ آئی ایم سوری سر! ایکس مئی کو وہ آیا ادھر اور کسے پتا تھا کہ اسی رات..." وہ تاسف سے بول رہی تھی اور ہاشم کی گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح دکھائی دی۔

(کسے پتا تھا!) خاور چونکنے انداز میں ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم ذرا کھنکھارا۔

"حلیمہ! تم نے اس ہفتے بہت دفعہ کال کی تھی اسے' کیا پولیس نے تم سے کچھ پوچھا اس بارے میں؟"

وہ ٹھٹک کر رکی' آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

"نہیں سر!"

"دراصل پولیس اس کی گرل فرینڈ کو ڈھونڈ رہی تھی' وہ بھی مسنگ ہے اور تمہاری کالز کی وجہ سے انہوں نے مجھ سے تفتیش کی تھی' مگر میں نے انہیں تسلی کروادی کہ تمہارا اس سے ایسا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایسا ہی ہے نا؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ (خاور نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ نیچے کر لیا۔)

"نہیں سر! میں تو اسے جانتی بھی نہیں۔" وہ ایک دم حیران پریشان نظر آنے لگی۔

"ہاں میں نے بھی انہیں یہ ہی کہا کہ تمہاری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور کالز بھی تم نے نہیں' میں نے کی تھیں آفس سے' وہ مشکوک تھے' ان کو بس کسی لڑکی کا چہرہ چاہیے' اس مسنگ گرل فرینڈ کے ساتھ فٹ کرنے کے لیے' مگر تم فکر مت کرو' ہاشم

کاردار کی سیکریٹری کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ میں سنبھال لوں گا۔" رسان سے اس کی تسلی کرائی۔

"تھینک یو سر!" وہ ذرا پریشان، ذرا ممنون سی واپس پلٹی۔ (اپنے ڈیسک پہ آ کر اس نے کسی کراہیت بھری شے کی طرح وہ میگزین موڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا اور سینڈوچ لے کر واپس کمپیوٹر پہ بیٹھ گئی۔ (اف ساتھ ہی جھرجھری لی۔)

اندر خاور نے ستائشی مسکراہٹ سے سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔

"اب یہ قیامت تک سعدی کا ذکر نہیں کرے گی۔"

اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔" پھر ذرا آگے کو ہوا۔ "اس شخص کا کچھ پتا چلا جو موقع پہ موجود تھا؟"

"مجھے یہ ایک واہمے سے زیادہ کچھ نہیں لگتا۔ اگر وہاں کوئی انجان شخص ہوتا تو گواہی کے لیے آگے آتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ بالفرض اگر وہ سعدی کا کوئی جاننے والا تھا تو اس سنسان گلی میں کیا کر رہا تھا؟ یقیناً "سعدی نے ہی اسے بلایا ہوگا۔ میں نے اس کا سارا کال ریکارڈ چیک کیا ہے، اس نے ہمارے آفس سے جانے کے بعد کوئی کال نہیں کی۔ سو یہ ممکن نہیں کہ وہاں کوئی ہو۔" مگر ہاشم کی آنکھوں میں تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔

"پولیس کو کس نے بلایا؟"

"ہمسائیوں میں سے کسی نے فون کیا تھا، انہوں نے اس کی چیخیں سنی تھیں۔ پولیس کو معلوم نہیں تھا، مگر میں نے زمر صاحبہ سے پوچھا تھا، وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سعدی کے محلے کی کوئی خاتون ہیں اور زمر کی ان سے بات ہوئی ہے، انہوں نے بھی کچھ نہیں دیکھا۔"

ہاشم نے گہری سانس لی، پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔

"اس کے کال ریکارڈز وہ لوگ بھی نکلوائیں گے۔"

"حلیمہ نے اپنے نمبر سے کوئی کال نہیں کی، آپ کے ڈیسک فون سے کی تھی اور وہ آپ کا دوست تھا، کوئی شک نہیں کرے گا۔"

"اس کے فون سے کچھ نہیں ملا؟"

"انہوں۔۔۔ صفاچٹ۔۔۔ اسے شاید ڈر تھا کہ ہم اس کا فون بگ نہ کر رہے ہوں، اس لیے وہ اس میں کوئی پُرخطر شے نہیں رکھتا تھا۔ بہرحال وہ مکمل طور پہ تباہ کر کے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ کسی کو نہیں ملے گا۔ جیسے وہ خود کسی کو نہیں ملے گا۔"

ہاشم کے چہرے پہ ایک عجیب سا احساس ابھرا۔ اس نے خاور کی طرف دیکھا اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔

"کیسا ہے وہ؟"

"ری کور کر رہا ہے۔ جلد شفٹ کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور۔۔۔" وہ رکا۔ "وہ پڑھنے کے لیے قرآن مانگ رہا تھا۔"

"دے دو۔" ہاشم نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے قدرے تکان سے کہا۔ خاور کو بے چینی ہوئی۔

"ہمیں اس کو اسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا۔ اس کو زندہ چھوڑ کر آپ غلطی کر رہے ہیں۔"

"خاور! ہم یہ موضوع ختم کر چکے ہیں۔" خاور سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے ہمیشہ سوچا سر۔۔۔ کہ جب نجومی کہہ دے کہ اس سال میں پیدا ہونے والے لڑکے کو مار دینا بہتر ہے، تو نیل میں تیرتے صندوق کو ڈبو دینے کے بجائے اسے پہلے پہلو اور دل میں جگہ دینے کا غلط فیصلہ انسان سے کون کرواتا ہے؟ مگر کچھ دن سے مجھے لگنے لگا ہے کہ واقعی محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔۔۔ خیر۔۔۔" اس نے گہری سانس لی۔ "مسز کاردار مجھ سے بار بار اشاروں کنایوں میں وہ پوچھ رہی ہیں جو آپ انہیں نہیں بتانا چاہ رہے۔ اس بارے میں غور کیجیے گا۔"

وہ چلا گیا اور ہاشم قلم انگلیوں میں گھماتا، سوچ میں ڈوبا بیٹھا رہا۔

✡ ✡ ✡

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں

لیوے نہ کوئی نام، ستم گر کہے بغیر!

"فوڈ لی ایور آفٹر۔" ریسٹورنٹ کے اندر اس سہ پہر اکا دکا لوگ ہی موجود تھے۔ کونے کی ایک میز پہ زمر کاغذات پھیلائے بیٹھی تھی۔ اس نے زرد پھول دار جوڑا پہن رکھا تھا اور بال آدھے کیچر میں باندھے، سر جھکائے، صفحے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی ندرت کو بھی دیکھ لیتی، جو رجسٹر چیک کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے اور چہرہ زرد تھا۔

"بھابھی! ہم اسے بہت جلد ڈھونڈ لیں گے۔" ہلکا سا مسکرا کر زمر نے ان کو پکارا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھے بنا سرہلایا۔ زمر کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ ندرت اب زیادہ بات نہیں کیا کرتی تھیں۔ زمر روز ادھر ہی ہوتی تھی مگر آج خلاف معمول حنین بھی ساتھ آئی تھی۔ البتہ اس کے قریب نہیں بیٹھی۔ کچن میں کھڑی رہتی یا کبھی باہر آجاتی۔

"حنہ! کیا تم مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ کھول کر دے سکتی ہو؟" زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ کچن کے دروازے پہ کھڑی تھی اس کی بات پہ مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں آتے یہ کام۔" گو رخ پھیر لیا۔

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے۔"

"لیپ ٹاپ سے کیا ملے گا؟ کال ریکارڈ سے بھی تو کچھ نہیں ملا۔" وہ خفگی سے اس کی طرف پشت کیے بولی تھی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"کیا تم نے اپنی دوستوں سے پتا کیا؟ کس کے بھائی نے بتائی تھی سعدی کو وہ بات؟"

"ناعمہ کے بھائی نے بتایا ہو گا۔ اب وہ کوئی مانے گی تھوڑی؟"

"اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ ڈاکٹر سارہ سے پوچھو، نیکس کام میں حلیمہ نامی سیکریٹری کس کی ہے؟"

زمر کے پاس ان کاموں کی ایک لمبی فہرست تھی جو اس نے حنین کو دی تھی اور جو حنین کر کے نہیں دے رہی تھی اس بات پر تنگ کر پلٹی۔

"سارا خالہ ابھی تک گھر میں ہی ہیں؟" واپس آکر پتا کریں گی اس سیکریٹری کا۔ وہ خود اتنی پریشان اور شاکڈ ہیں بھائی کے لیے۔ کہہ رہی تھیں فیلڈ پہ بھی سب بہت اپ سیٹ ہیں بھائی کی وجہ سے۔ اب بار بار کیا تنگ کروں ان کو؟"

زمر نے نفی میں سرہلاتے گہری سانس خارج کی اور واپس کاغذات کی طرف متوجہ ہوئی۔ تب ہی سامنے دروازہ کھلا اور کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی میز کے قریب آکھڑا ہوا۔

زمر نے سر اٹھایا۔ احمر سامنے کھڑا تھا۔ تذبذب اور فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"میم۔۔۔ السلام علیکم!۔"

"وعلیکم السلام! بیٹھیے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر کچھ صفحے نکال کر دوسری فائل میں لگانے لگی۔

"آ۔۔۔ وہ۔۔۔ میں نے آپ کو ابھی کال کیا تھا، آپ نے بتایا آپ ادھر ہیں۔" کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے اس نے یاد دلایا۔ (چڑیل کا کیا بھروسا۔)

"ہوں۔۔۔ کافی جلدی مل گیا آپ کو ایڈریس۔"

"نو پرابلم۔۔۔ میں پہلے بہت آچکا ہوں ادھر۔۔۔ سعدی کے ساتھ۔۔۔ اوہ۔۔۔ مجھے بہت افسوس ہے اس کے لیے۔" جلدی سے آگے ہو کر وہ تاسف سے کہنے لگا۔ "میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا ہو گا۔ اگر میں کچھ کر سکوں اس کے لیے تو پلیز بتایئے۔"

"آپ کے خیال میں اس کے ساتھ یہ کس نے کیا ہو گا؟" وہ کاغذات سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ۔۔۔" وہ رکا، ہچکچاہٹ سے کنپٹی کھجائی۔ "کورٹ میں ایک جج ہے، سعدی نے اس جج کو۔۔۔"

"اسٹاپ!" زمر نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر اور آنکھیں نکال کر اسے روکا۔ وہ ٹھہرا اور نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"ہم اس بارے میں بات نہیں کر رہے اوکے!" اسے گھور کر بظاہر ٹھنڈے انداز میں کہا۔ وہ ذرا الجھا۔

"مگر آپ میری بات تو سن لیں۔"

"احمر!۔۔۔ اگر مجھ سے کورٹ میں پوچھا گیا کہ ہم نے

ایسی کوئی بات کی ہے یا نہیں۔۔۔ تو میں اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بول سکتی' اس لیے ہم ایسی کوئی بات نہیں کر سکتے۔۔۔ او کے۔۔۔" ابرو اٹھا کر سختی سے جتایا۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

"آپ جانتی ہیں کہ غازی کیسے رہا ہوا تھا۔"

"اسے جج نے رہا کیا تھا۔۔۔ میں یہ ہی جانتی ہوں۔" کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔

"جی۔۔۔ بالکل۔۔۔ آف کورس۔۔۔" احمر نے دم بخود اثبات میں سر ہلایا۔ "مگر۔۔۔ جسٹس سکندر نے کبھی کوئی۔۔۔ ذکر کیا؟"

"احمر! جسٹس صاحب میرے پاس آئے تھے اور میں نے وہی کہا جو میں نے کہنا تھا۔" ٹھہر ٹھہر کر وہ بولی۔ احمر نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلائی۔ زمر کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر پھر سے تازہ ہو گیا۔ وہ اپنے آفس میں کھڑی تھی اور جسٹس سکندر بدلتے رنگوں والا چہرہ لیے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"یہ پیکٹ مجھے آپ کے بھتیجے نے بھجوایا ہے' اس کو ایک نظر دیکھیے اور بتایئے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔"

زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور چبھتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔ "یور آنر' میں اس کو نہیں کھولوں گی' مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے' اس میں ثبوت اور شواہد ہو سکتے ہیں' جو اس نے اپنے ماموں کے حق میں جمع کر کے بھیجے ہوں آپ کو' اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اس لیے آپ اس پیکٹ کو لے جایئے اور بطور جج وہی کیجیے جو آپ کو بہتر لگتا ہے' کیوں کہ میں یہ کیس آپ سے ڈسکس نہیں کر سکتی' یہ غلط ہے۔۔۔ سو۔۔۔" ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "مجھے چلنا ہو گا۔" اور پرس وغیرہ سمیٹنے لگی۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ اس میں کیا ہے۔"

"یور آنر' میں نے اس کو نہیں کھولا' اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔" اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ ہلکا سا سر جھٹکا تو یاد کا بلبلہ ہوا میں تحلیل ہوا اور وہ واپس ریسٹورنٹ میں آئی۔

"کئی اور کام جس میں آپ سعدی کے شریک رہے ہوں؟" سنجیدگی سے احمر کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

"مسز شہرین کا ردار کا ایک کام تھا۔" وہ تفصیل سے بتانے لگا۔ زمر غور سے سنتی رہی۔ آخر میں بس اتنا بولی۔ "مجھے شہرین کی وہ ویڈیو چاہیے۔ آپ کے پاس ہو گی یقیناً؟"

احمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "سوری' مگر میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ وہ میں ہر جگہ سے مٹا چکا ہوں' میرے پاس وہ نہیں ہے۔"

"مجھے۔۔۔ وہ۔۔۔ ویڈیو چاہیے احمر!" توڑ توڑ کر اس نے الفاظ ادا کیے۔ احمر کے چہرے پہ بے پناہ افسوس بھرا۔

"مطلب آپ مجھے اتنا کوئی گرا ہوا انسان سمجھتی ہیں کہ میں کلب کے ریکارڈ سے مٹا کر اس کو اپنے پاس رکھ لوں گا؟ مجھے آپ کی سوچ پہ افسوس ہے اور۔۔۔" جذباتی انداز میں وہ بولے جا رہا تھا کہ زمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ "احمر شفیع!" اور اس کو گھورا۔

"او کے سوری۔۔۔ میرے کمپیوٹر میں پڑی ہے' کل لا دوں گا۔" اس نے فوراً" ہاتھ اٹھا دیے۔ پھر بے چارگی سے ادھر ادھر دیکھا' ذرا دیر کو ٹھٹکا۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ یہ لڑکی کون ہے؟" زمر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں کچن کی سمت دیکھا' جہاں حنین قدرے رخ موڑے کھڑی تھی۔ زمر نے واپس ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی۔

"یہ سعدی کی بہن ہے' یعنی کہ فارس کی بھانجی اور اگر فارس یہاں ہوتا تو آپ کی آنکھیں نکال چکا ہوتا اب تک۔" نرمی سے گویا ہوئی تو وہ جو دیکھے جا رہا تھا' ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ سوری۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" کرسی پہ رخ بھی موڑ لیا۔ پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں چلتا ہوں۔۔۔ کل ویڈیو لا دوں گا۔" عجلت میں کہتا' شرمندہ سا فوراً" باہر نکل گیا۔ زمر نے دیکھا۔ باہر شیشے کے دروازے کے پار فارس آتا دکھائی دے رہا

تھا۔

احمر نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اس کے پاس لمحے بھر کو رکا۔

"تم ادھر؟" فارس نے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھا۔ آج اس نے بھورا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اندر گول گلے کی سیاہ شرٹ۔ (پھر وہی شرٹ!) ہاتھ میں کچھ کاغذ پکڑ رکھے تھے۔

"سعدی کا افسوس کرنے آیا تھا' مگر اب سوچ رہا ہوں کہ جو اس دن فیصلہ کیا تھا' چڑیل کو چڑیل نہ کہنے کا وہ واپس لے لوں۔" نہایت جل کر بولا۔

"مطلب؟" اس نے تعجب سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"دفع کرو۔" احمر نے سر جھلایا۔ پھر جلدی سے قریب ہوا۔ "پتا ہے کیا' زمر میڈم سب جانتی ہیں کہ کیسے تم باہر آئے' کیسے سعدی نے جج کو بلیک میل کیا اور وہ جج سب سے پہلے ان ہی کے پاس گیا تھا' مگر۔" وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

"ایک منٹ ایک منٹ!" حیرت اور شاک سے اس نے بات کاٹی۔ "اس کو چھوڑو' تم کیسے جانتے ہو یہ سب؟"

جذباتی انداز میں بولتے احمر کو بریک لگی۔ منہ کھل گیا۔ (oops) بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔

"میری امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی' میں چلتا ہوں۔"

"تمہاری امی کے انتقال کو سات سال گزر چکے ہیں۔ سیدھی طرح مجھے پوری بات بتاؤ!"

"وہ۔ دیکھو۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ آخر لوگ میرے پاس مشورے لینے آتے ہی کیوں ہیں؟" وہ واقعی روہانسا ہوا۔ "میں نے تو صرف ایک مشورہ۔"

"تم۔!" وہ انتہائی غصے سے آگے بڑھا۔ "تم نے میرے بھانجے کو بلیک میلر بنا دیا۔" دبی دبی آواز میں غرایا تھا۔

"تو اور کیا کرتا؟ کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ دیکھو مجھے جلدی ہے' ابھی میں جا رہا ہوں' بعد میں بات کرتے ہیں' ہاں۔" تیز تیز بولتا' پیچھے ہٹتے وہ مڑا اور اپنی کار کی طرف لپکا۔ فارس بمشکل ضبط کر کے اسے جاتے دیکھتا رہا' پھر واپس مڑا تو شیشے کی دیوار کے پار' ریسٹورنٹ کے اندر وہ بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پہ سر جھکا کر کاغذ الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"اس کو تو بعد میں پوچھوں گا۔" ایک خشمگیں نگاہ دور جاتے اسٹپنی پہ ڈال کر وہ (گہری سانس لے کر) اندر آیا۔ زمر سر جھکائے کاغذ دیکھ رہی تھی' جب ان کاغذوں پہ اس نے ایک فولڈر رکھا۔ زمر نے سر اٹھایا۔ وہ سنجیدہ سا سامنے کھڑا تھا۔

"آپ کے انویسٹی گیٹو نے جواب نہیں دیا؟" زمر نے اس کا طنز نظر انداز کر کے فولڈر کھولا۔ آہستہ آہستہ کاغذات پہ نظر دوڑاتی گئی۔ ابرو اٹھے' لب سکڑے۔

"نیاز بیگ دو دفعہ جیل جا چکا ہے' صرف ایک بار تین سال کی سزا کاٹی تھی۔ مبینہ طور پہ دو قتل کر چکا ہے' اور دونوں دفعہ الزام سے بچ گیا تھا۔ چار بچے ہیں' ایک بیوی' جو سیٹلائٹ ٹاؤن میں اس کے گھر میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک۔" وہ رکا۔ "ایک عورت سے اس کا تعلق ہے امیمہ امتیاز نام ہے اس کا' اس کو فلیٹ لے کر دیا ہوا ہے اور ایک این جی او میں اچھی نوکری دلوا رکھی ہے۔ باقی سب اس فولڈر میں ہے۔"

زمر صفحے پلٹتی گئی۔ (اور چہرے پہ متاثر کن تاثرات نہ آنے دینے کی کوشش کرتے خود کو سپاٹ رکھا) پھر نگاہیں اٹھائیں۔

"مجھے اس امیمہ امتیاز کی ایک ایک تفصیل چاہیے۔ یہ کہاں رہتی ہے' کیا روٹین ہے اس کی۔ کب۔" الفاظ لبوں میں رہ گئے۔ فارس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے چند تہہ شدہ کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھے۔

"اور کچھ؟" وہ سنجیدہ تھا۔ سپاٹ سا۔

"نہیں..." وہ بے نیازی سے کاغذوں کی تہیں کھولتی قدرے رخ موڑ گئی۔ وہ بھی نہیں رکا۔ ندرت کو بس سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی زمر کے چہرے کی لاتعلقی ہوا ہونے لگی اور وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تیز تیز ان کاغذات کو پڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے

اسپتال کا وہ کمرہ ساری دنیا سے الگ تھلگ اور کٹا ہوا لگتا تھا۔ سعدی بیڈ سے ٹیک لگائے پاؤں لمبے کیے بیٹھا تھا اور دو تین افراد اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایک جھک کر اس کی ٹانگ کے زخم کی ڈریسنگ تبدیل کر رہا تھا۔ خود وہ بس سینے پہ بازو لپیٹے، خاموشی سے ان کو یہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شروع میں اس نے ان میل نرسز سے ہم کلام ہونے کی بہتیری کوشش کی تھی، مگر وہ نہ سنتے تھے، نہ جواب دیتے تھے، سو اب توانائی ضائع کرنا بے کار تھا۔ سوائے اس ڈاکٹر کے۔ آج وہ بال پونی میں باندھے، اس کے سرپہ کھڑی گردن جھکا کر پٹی بدلنے کے عمل کو دیکھ رہی تھی۔ کام مکمل کر کے وہ لوگ اسی خاموشی سے چلے گئے جس سے آئے تھے۔ البتہ وہ چند لمحے کے لیے کھڑی رہی۔

"کیا تمہیں اس پیر کی ہتھکڑی سے تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" ڈرتے ڈرتے میری کو نظر انداز کرتے اس نے پوچھا۔ میری ایک دم ناگواری سے اٹھی۔

"نہیں۔" سعدی نے رخ پھیر لیا۔ لڑکی نے بے بسی بھری، ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا ہے مایا، اب تم جاؤ۔" میری نے اس کو گھورا۔ مایا سر جھکائے "اوکے" کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولتے ہوئے مڑ کر ایک بے بس، دکھی نظر اس پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئی۔ میری صوفے پہ بیٹھ گئی۔ سعدی اب اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ ڈھیلا پڑ چکا تھا یا شاید اس قید سے نکلنے کا راستہ کوئی نہ تھا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا قرآن اٹھا لیا اور خاموشی سے صفحے پلٹنے لگا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کل تلاوت کہاں سے چھوڑی تھی۔ پھر یاد کرنے کی کوشش کیے بغیر اس نے اپنی پسندیدہ سورت کھولی۔ چیونٹیوں کی سورۃ۔ یا مبوں کی سورت۔

"مجھے اپنا قرآن پین بھی چاہیے۔" صفحے سے نگاہ اٹھائے بغیر اطلاع دی۔ جواب بھی اسی سرد انداز میں میری کی طرف سے آیا تھا۔

"تمہیں کسی بھی قسم کا gadget نہیں مل سکتا، سوری۔"

سعدی نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اعوذ باللہ پڑھا اور صفحے پہ دھیان دیا، جہاں سفید کاغذ کے اوپر سیاہ الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جم گئیں۔ کمرے میں چھایا ڈپریشن، تناؤ اور افسردگی، ہر شے اس جگمگاہٹ کے پس منظر میں جانے لگی۔ آیت اس سے کہہ رہی تھی۔

"مگر جس کسی نے بھی ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا ہو تو بے شک میں (اللہ) غفور اور رحیم ہوں۔"

چند لمحے کے لیے اس کا رابطہ کمرے کے دوسرے حصوں سے کٹ گیا۔ بیڈ کے گرد سیاہ جگمگاہٹ کا ایک ہالہ سا کھنچ گیا جس میں وہ سر جھکائے بیٹھا، ہاتھ میں پکڑی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"اللہ تعالیٰ!" وہ مدھم آواز میں بڑبڑایا تو سیاہ ہیروں سی جگمگاہٹ دل کے اندر اترتی ہر آگ کو ٹھنڈا کرنے لگی۔ "مجھے یہ آیت یاد ہے۔ جہاں بچپن میں، میں قرآن پڑھنے جاتا تھا، وہاں میری ٹیچر نے یہ آیات بہت اچھے سے پڑھائی تھیں۔ وہ کہتی تھیں، عربی بہت گاڑھی زبان ہے، اس میں ہر لفظ کا بہت وسیع مطلب ہوتا ہے۔ قرآن تب سمجھ آئے گا جب اس کے ہر لفظ کے مطلب کو سمجھو گے۔ جیسے اللہ دیکھیں نا، آپ نے کہا، جو کوئی ظلم کرے، تو ظلم کا مطلب کیا ہے؟ اس سارے ذہنی تناؤ میں بھی مجھے یاد ہے۔ ظلم کا مطلب ہے، کسی کے حق میں کمی کرنا۔ تو آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں اللہ کہ ہم زندگی میں جب بھی کسی کے حق

میں کمی کریں تو احساس ہونے پہ صرف سوری کردینے کی بجائے برائی کو' اس دکھ اور تکلیف کو ہمیں اچھائی اور محبت سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان سارے دنوں میں مجھے لگنے لگا تھا کہ میں اس قید میں اس لیے پڑا ہوں کیوں کہ میں نے زمر کا دل دکھایا تھا' وہ بیمار تھیں' انہوں نے کیا نہیں کیا میرے لیے؟ کیا تھا اگر میں فارس ماموں کی مسلسل حمایت کرنے کے بجائے دکھاوے کو ہی سہی ان کی بات پہ یقین کر لینے کی اداکاری کر لیتا' مگر میں نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر چار سال انہوں نے تعلق نہیں رکھا تو میں بھی ان کی موجودگی میں ان کے گھر نہیں جاتا تھا' میں نے بھی کال کرنی چھوڑ دی۔ آخر میں پہل تو پھر بھی انہوں نے کی۔ وہ سونیا کی سالگرہ کا کارڈ لے کر آئیں۔ میں تو نہیں گیا نا' مگر اب آپ مجھے بتا رہے ہیں کہ اگر میں نے اس ظلم کو اچھائی سے بدلنے کی کوشش کی ہے تو پھر آپ غفور بھی ہیں اور رحیم بھی۔ اتنا تو مجھے پتا ہے کہ پیچھے گھر میں مجھے کوئی بھی برا نہیں سمجھتا ہوگا۔ میری مداوے کی کوششوں نے میری سب کمی کوتاہی ڈھانپ لی ہوگی۔"

وہ سر جھکائے بڑبڑاتے ہوئے چونکا۔

"اوہ!" جیسے کچھ سمجھ آیا۔ "اسی لیے آپ نے کہا کہ آپ غفور اور رحیم ہیں۔ غفور کہتے ہیں ڈھانپنے والے کو' جو گناہوں کو ڈھانپ کر ان کو مٹا دے' معاف کر دے اور رحیم۔" اس نے آنکھیں میچ کر یاد کرنا چاہا۔ کندھا پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ "بار بار رحم کرنے والا' لوگوں کی غلطیاں' گناہ سب بار بار معاف کر کے پھر سے ان کو موقع دینے والا۔"

سیاہ حروف کی جگمگاہٹ اس کے گرد کسی اونچے دائرے کی طرح رقصاں تھی۔ باقی سب کچھ چھپ گیا تھا۔ بدقت اس نے اگلے الفاظ پڑھنے چاہے۔

"اور اپنا ہاتھ ڈال لیجیے اپنے گریبان میں (اے موسیٰ) وہ نکلے گا سفید چمک دار' بغیر کسی عیب کے (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں' معجزاتی طور پہ) یہ نو نشانیاں ہیں' ان کو لے جایئے فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ بے شک وہ لوگ ہیں جو حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔"

"آہ اللہ!" سر جھکائے بیٹھے لڑکے نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "میں نے بھی یہ ہی کرنا چاہا تھا' مگر مجھے بھول گیا تھا کہ موسیٰ تنہا نہیں گئے تھے۔ وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ میں نے زندگی کی دوسری بڑی غلطی کی زمر اور حنین سے جھوٹ بول کر کہ میں نیس کام جا رہا ہوں۔ اب ان کو کون بتائے گا کہ میں کہاں ہوں اور پہلی غلطی۔" اس کی بند آنکھوں کے آگے ایک منظر لہرایا۔ گولی لگنے سے چند منٹ پہلے... میں نے وہ پین کیمرہ ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا... اوہ اللہ!"

پھر اس نے ذہن سے ساری یادوں کو جھٹک کر آنکھیں کھولیں اور اگلی آیت پہ انگلی رکھی۔

"پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والی ہماری نشانیاں آگئیں تو وہ کہنے لگے' یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔" ایک ایک لفظ اس نے ٹھہر کر اندر اتارا۔ دل و دماغ میں عجیب قنوطیت اور اذیت بھرتی گئی۔

"اللہ! آپ کو تو پتا تھا کہ وہ اس کو نہیں مانیں گے' ہدایت کی کوئی بات ان کے دل کو موم نہیں کر سکے گی۔ پھر آدمی کیوں جا کر کسی منکر' ظالم کو للکارے؟ وہ اپنا عمل کریں اور ہم چپ چاپ اپنی نماز' روزہ کرتے رہیں۔ میں بھی کوئی ان کا دل موم کرنے نہیں گیا تھا' مگر یوں ہی ایک انہونی سی آرزو تھی کہ شاید وہ مداوے کے لیے کچھ کریں۔ کچھ کرنا چاہیں' مگر فائدہ کیا ہوا؟"

سیاہ جگمگاہٹ کو مایوسی کا اندھیرا نگلنے لگا اور جیسے... جیسے آس پاس سیاہ دھویں کے مرغولے اٹھنے لگے... اس کا دل پھر سے زخم زخم ہونے لگا۔

"اور انہوں نے ان کا انکار کیا' ظلم اور تکبر کے ساتھ' حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔"

وہ پڑھتے پڑھتے چونکا۔ سیاہ دھواں پھیلنا ٹھہر گیا۔ ساری فضا ساکن ہو گئی۔

"حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔"

"پھر دیکھو!

کیا انجام ہو فساد برپا کرنے والوں کا!"

دھواں چھٹ گیا۔ سیاہ حروف کی بکھراہٹ پھر سے اردگرد پھیل گئی۔ اداس بیٹھے سر جھکائے لڑکے کے چہرے پہ تکان بھری مسکراہٹ آٹھہری۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ ہونٹوں سے اسی کتاب کی ایک اور آیت ادا ہوئی۔

"اور جو اللہ پہ بھروسا کرتے ہیں اللہ ان کے لیے ضرور راستہ نکالتا ہے۔"

مقدس کتاب بند کی ادب سے چوما اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی۔ پھر اداسی سے مسکراتے واپس ٹیک لگالی۔

میری ہنوز بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ سعدی خاموشی سے مسکراتا چھت کو تکتا رہا۔

"اور تم ہاشم کاردار دیکھنا ہمیں کہ ہم کیسے بحر احمر کو دو حصوں میں کاٹتے ہیں اور پھر تمہیں اسی میں ڈبوتے ہیں ہم دیکھنا۔"

☼ ☼ ☼
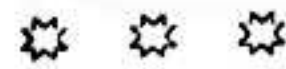
غم کی حدت سے کوہسار پگھلتے دیکھے
انسان تو پھر انسان ہوا کرتے ہیں

قصر کاردار کے بڑے انیکسی میں ان دنوں سمجھوتے کی سی فضا چھائی تھی۔ رمضان شروع ہو چکا تھا اور پہلے چند روزے کب گزرے پتا ہی نہیں چلا۔ عجیب سی روٹین بنی ہوئی تھی۔ افطاری کے بعد سحری تک کوئی نہ سوتا۔ پھر سحری کرکے سیم اور حنین دوپہر تک سوتے۔ ندرت کا وہی طریقہ تھا۔ رمضان کے باوجود جلدی ریسٹورنٹ چلی جاتیں۔ زمر بھی گھر پہ ٹکتی اور فارس جاب پہ ہوتا۔ بڑے ابا خالی بڑے لاؤنج میں سارا دن صداقت کے ساتھ بے مقصد بیٹھے رہتے۔

صداقت بولتا رہتا یا سیم اٹھ جاتا تو وہی بولتا یا وہ دونوں ٹی وی دیکھتے رہتے اور دونوں کو لگتا کہ وہ موسیقی سے بھرپور دکان رمضان ٹرانسمیشن میں لوگوں کی طرف بھکاریوں کی طرح تحفے اچھالتے دیکھ کر ثواب کما رہے ہیں۔ ابا سیم سے اتنا بھی نہ کہتے کہ رمضان عبادت کا مہینہ ہے ٹی وی کے سامنے بیٹھنے سے اسے ضائع نہ کرو کہ انہیں ڈر تھا اگر وہ بھی لاؤنج میں آکر نہ بیٹھے گا تو یہ تنہائی شاید مار ہی دے۔ حنین پہلے بھی سست تھی اب تو ہر کام سے گئی۔ کمرے میں بند رہتی یا باہر لان میں بیٹھی گردن اٹھائے قصر کو دیکھتی رہتی۔

ایسی ہی ایک رات زمر اور فارس کے کمرے میں مدھم زرد بتی جل رہی تھی۔ بجلی گئی تھی۔ یو پی ایس پہ پنکھا چل رہا تھا مگر اے سی کی ٹھنڈ باقی تھی۔ فارس صوفے پہ پاؤں لمبے کیے لیٹا سینے پہ لیپ ٹاپ رکھے کچھ کام کررہا تھا۔ (وہ ایک کارپوریٹ فرم میں بطور چیف سیکورٹی آفیسر تعینات تھا۔) سامنے جائے نماز پہ زمر التحیات میں بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹا اچھے سے لپیٹے اس کا چہرہ جھکا تھا۔ فارس کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تراویح ختم کرکے اب وتر کا سلام پھیر رہی تھی۔ پھر جائے نماز سمیٹتی اٹھ گئی۔

"آپ کی نماز کافی خوب صورت ہے۔ سلو اور آرام سے۔۔۔ میں بھی پڑھتا تھا جیل میں۔۔۔ مطلب اتنی اچھی نہیں۔ آس پاس کی ساری آوازیں سنائی دیتیں اور سارے دن کے کام یاد آتے۔" اسکرین کو دیکھتا وہ بولا تو وہ جو پشت کیے کھڑی جائے نماز تہہ کررہی تھی رک گئی مگر مڑی نہیں۔ "اور آپ کی طرح پانچ وقت کی نہیں پڑھتا تھا۔ کچھ دن پڑھی پھر چھوڑ دی۔۔۔ اور۔۔۔ ایک بات دعا نہیں مانگا کرتا تھا مگر سچ تو یہ ہے دعا کے بغیر نماز ادھوری ہے۔"

وہ ہلکا سا مڑی چبھتی نظر اس پہ ڈالی۔ "میں دعا مانگوں یا نہیں یہ میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" وہ شانے اچکا کر اسکرین کی طرف متوجہ ٹائپ کرتا رہا۔

زمر جائے نماز رکھ کر اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی۔ (اس کی طرف اب بھی پشت تھی) انگلی سے چہرے کے گرد اڑ سا دوپٹا کھولا۔ فائل سامنے کی۔ قلم اٹھایا۔ الفاظ پہ نگاہ پڑی تو ہر چیز مدھم ہونے لگی۔ اپنی زندگی کسی فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم گئی۔

"اللہ تعالیٰ۔" اس نے بنا آواز لب ہلائے۔

آنکھوں میں اضطراب در آیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ میں پہلے جیسی دعا نہیں کرتی۔ آپ سے بات بھی نہیں کرتی۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ سے ناراض ہوں' نعوذ باللہ! بس میرا دل سخت ہو گیا ہے۔ مجھے لگتا تھا میرے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں بچا' مگر میں غلط تھی۔ جب تک انسان کی سانس ہے' اس کے پاس کھونے کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے پاس بھی تھا۔ سعدی... اور اب وہ نہیں ہے... ابا اور باقی سب ہیں' میں ان کو کھونا نہیں چاہتی۔ آپ اس کا خیال رکھیے گا۔ آپ اس کو اکیلا نہ چھوڑیے گا۔" اس نے آنکھیں بند کیں تو دو آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرے۔ پھر بھیگی پلکیں کھولیں۔

"فارس!" اس کی آواز بھی رندھی ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر سر گھمایا۔ پھر لیپ ٹاپ ہٹا کر اٹھا اور قدرے تشویش سے اس کی پشت کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"آج نیاز بیگ کی ضمانت ہو گئی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ ہلکا سا بولا' نگاہیں اس کے سر کی پشت پہ تھیں' جس سے دوپٹا پھسل گیا تھا اور بھورے گھنگھریالے بال جھلک رہے تھے۔

"اس نے جج کے سامنے کہا کہ اس نے یہ قتل سیلف ڈیفنس میں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ سعدی اس کو مارنے لگا تھا۔ اس نے..." ایک اور آنسو آنکھ کے کنارے سے ہٹا۔ "اس نے ہمارے فجر پہ اٹھ کر مسجد کی امامت کروانے والے سعدی کے بارے میں کہا وہ اس سے ڈرگز خریدتا تھا اور یہ جھگڑا ڈرگز پہ ہوا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر آ ٹھہرا۔ "قتل سے نکلنے کا سب سے اچھا طریقہ مقتول کی اتنی کردار کشی کرنا ہے کہ جج کو لگے' اسے مار کر قاتل نے دنیا پہ احسان کیا ہے۔ آپ نے ہی بتایا تھا کرمنل لاء کی کلاس میں۔"

زمر نے آنکھ انگلی کی نوک سے پونچھی اور پلٹی تو اس کی آنکھیں اور ناک گلابی ہو رہی تھی۔ (اور ناک کی لونگ... اس نے نگاہ چرالی)

"تم نے کہا تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو۔ میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ پھر سے کوئی دھوکا نہیں کرو گے۔"

"زمر!" اس نے گہری سانس لی اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "میں وہ نہیں ہوں جس کو اس نے اپنا گرویدہ کیا تھا' نہ میں وہ ہوں جو اس کی یونی ورسٹی کی فیس دیتا تھا' مجھے پتا ہے اس بارے میں' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس سے آپ سے کم محبت تھی۔"

وہ چونکی تھی' آنکھوں میں شاک ابھرا۔

"مجھے پتا ہے اور یہ نہیں بتاؤں گا کہ کیسے پتا ہے' مگر یہ یاد رکھیے کہ وہ میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا۔ اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا اور میں اسے کبھی نہیں بتا سکا کہ اس سے کتنی محبت تھی مجھے۔ آپ کو میں اپنے ساتھ مخلص نہیں لگتا' خیر ہے' مگر اس کے ساتھ کتنا مخلص ہوں' یہ آپ کو پتا ہے۔"

زمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ لب کھولے' پھر بند کر دیے۔ (وہ نہیں بتائے گا' تو وہ کیوں منت کرے؟ ضرور ابا نے بتایا ہو گا)

"پھر... کیا چاہتی ہیں آپ؟ میں کیا کروں؟" اب کے ذرا نرمی سے پوچھا۔

زمر نے گہری سانس لی۔ (یا اللہ مجھے اتنا صبر دینا کہ میں اپنا ضبط کھوئے بغیر اس شخص کے ساتھ کام کر سکوں جس سے مجھے شدید نفرت ہے)

"کیا تم نے شہزاد ملک کے بارے میں سنا ہے؟" اس نے فارس کو مخاطب کیا تو آواز متوازن تھی اور بے تاثر۔

☆ ☆ ☆

اور جب وہ دونوں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے تو ساتھ والے کمرے میں ندرت بیڈ پہ تھکی ہاری سو رہی تھیں اور حنین لیٹی ہوئی ان کے فون پہ سعدی کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے بال اب آنکھوں تک آتے تھے۔ باقی تکیے پہ کھلے پڑے

تھے۔وہ پہلے سے پژمردہ اور کمزور لگتی تھی۔
اسکرین پہ انگلیاں پھیرتے یک دم غلطی سے وائی فائی کو چھو لیا۔ شاید سیم نے اس فون سے زمر کے کمرے میں رکھا وائی فائی پہلے استعمال کیا تھا کہ پاس ورڈ پوچھے بنا وہ آن ہو گیا۔ امی نے یہ اسمارٹ فون چھ ماہ پہلے لیا تھا وائبر کے لیے۔ حنہ تو اسے ہاتھ بھی نہ لگاتی' مگر اب لگا رہی تھی۔ وائبر پہ امریکا سے کسی کزن کا میسج آیا ہوا تھا۔ اس نے کھولا اور پھر وائی فائی بند کرنے لگی' یکایک ٹھہر گئی۔

"امی نے واٹس ایپ نہیں ڈاؤن لوڈ کیا۔" اندھیرے کمرے میں ایک نظر کروٹ لیے سوئی ندرت پہ ڈال کر سوچا۔ "ڈاؤن لوڈ کرنے میں کیا حرج ہے؟ بھائی کی ڈی پی دیکھ لوں گی۔" اس نے پلے اسٹور آن کیا۔ واٹس ایپ ڈاؤن لوڈ کیا اور پھر فہرست دیکھی۔ اس کے اسٹیٹس میں لکھا تھا۔ Everafter Ants وہ اداسی سے مسکرائی۔ بھائی کا کی چین بھی بھائی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ اس نے سعدی کا چوکھٹا کھولا۔

Last Seen 22 May

حنہ چونکی۔۔۔ بھائی کا حادثہ اکیس مئی کو ہوا۔ مگر اگلے دن بھی کسی کے پاس اس کا فون تھا؟ وہ سوچنے لگی۔ پھر ایک خیال نے ذہن کی رو بھٹکائی۔ اس نے سیاہ سنہرے جگمگاتے ہندسے یاد کیے اور موبائل میں لکھے اور ہاشم کاردار کے نام سے محفوظ کیے' پھر کانٹیکٹس کی فہرست دیکھی۔ (پتا نہیں ہاشم بھائی واٹس ایپ پہ ہیں یا نہیں؟)
دفعتاً فہرست اوپر کرتا انگوٹھا رکا' آنکھوں میں کچھ چمکا۔ ہاشم کردار' ساتھ میں اپنی اور سونی کی سیلفی۔۔۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔ کھڑکی کو دیکھا جس کے پار اوپر قصر تھا۔ اس نے انگوٹھے سے ہاشم کا نام دبایا۔ پیغام بھیجنے کا صفحہ کھلا۔ اوپر "آن لائن" جگمگا رہا تھا۔
"مجھے موبائل رکھ دینا چاہیے' یہ چیزیں میرے لیے نہیں ہیں' ان کے نتائج برے نکلتے ہیں۔" اس نے خود کو کہا' مگر سنا ہی نہیں اور بائیں ہاتھ میں موبائل پکڑے کروٹ کے بل لیٹے دائیں ہاتھ کی انگلی سے ٹائپ کرنے لگی۔
"ہاشم بھائی؟"
"کون؟" چند لمحے بعد جواب چمکا۔ ہلکی سی تھرتھراہٹ ہوئی۔ حنہ نے فوراً" امی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھیں اور موبائل سائلنٹ کر دیا۔
"حنہ۔ یہ امی کا فون ہے۔"
"حنین! ہماری پروین شاکر حنین!" وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ اور فائلز کھولے ہوئے کام کر رہا تھا۔ جب موبائل بجا' سو وہ اس طرف متوجہ ہوا۔ پیغام بھیج کر موبائل رکھا اور پھر سے ٹائپ کرنے لگا۔
"شکر ہے آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ کون حنین؟"
"کیسی ہو تم؟ تم لوگ آتے ہی نہیں ہو اس طرف۔"
"رمضان کی وجہ سے روٹین بدل گئی ہے۔ افطاری سے پہلے شدید پیاس سے نڈھال' افطاری کے بعد بہت کھا کر نڈھال۔" اتنے عرصے بعد ٹائپ کرنے کے باعث حنین کی رفتار سست تھی۔
"یہ تو ہے اور سعدی کا کچھ پتا چلا؟"
تنہائی میں ڈوبا کمرہ اداس ہو گیا۔ موبائل کی روشنی سے چمکتا حنہ کا چہرہ بجھ گیا۔
"نہیں۔" ذرا ٹھہر کر میسج کیا۔ "اوکے۔ آپ سو جائیں۔ میں نے یوں ہی آپ کو آن لائن دیکھ کر ٹیکسٹ کر دیا تھا۔" وہ برے دل کے ساتھ فون رکھنے لگی۔
"نہیں۔۔۔ میں جاگا ہوا ہوں۔ کل کورٹ جانا ہے۔ اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ میں بات کر سکتا ہوں۔ نو پرابلم' تم بتاؤ' کیا کرتی رہتی ہو سارا دن؟" وہ پیغام بھیج کر فون رکھ دیتا اور پھر سے کام کرنے لگ جاتا۔ مکمل توجہ اور دھیان سے اسکرین پہ نظریں جمائے۔
"بس۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس بھائی یاد آتا ہے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ لکھتی گئی۔ باہر رات پگھلتی گئی۔ قطرہ قطرہ۔ تاریکی بڑھتی گئی اور وہ ٹیکسٹ پہ ٹیکسٹ کرتی گئی۔

وقت اور جگہ کا سارا احساس ختم ہو گیا۔ ہر اگلے پیغام کے انتظار کی بے قراری اور ہر پیغام پڑھتے وقت لبوں پہ مسکراہٹ۔ کیونکہ ابھی دنیا میں وہ خمر کشیدہ ہی نہیں کی گئی جس کا نشہ آدھی رات کو کسی نامحرم سے موبائل پہ بات کرنے سے زیادہ ہو۔

سحری کے قریب اس نے لکھا۔ "اب سو جاؤ بچے، مجھے صبح کورٹ جانا ہے۔"

"او کے گڈ نائٹ!" مسکرا کر اس نے لکھا، پھر ساری گفتگو کو مٹانے کا بٹن دبایا۔ پھر ہلکا سا چونکی۔ (مٹانے کی کیا ضرورت؟ ہاشم بھائی ہی ہیں۔ ان سے بات کرنے میں غلط کیا ہے؟) مگر جب واٹس ایپ نے پوچھا کہ واقعی سب مٹانا ہے تو اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔ پھر فون رکھا اور آنکھیں بند کیں تو سعدی ایک دفعہ پھر سے یاد آ گیا۔ کرب بڑھ گیا اور اس میں اب ایک اور کرب بھی شامل ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

اس کے نزدیک غمِ ترکِ وفا کچھ بھی نہیں
مطمئن ایسا ہے وہ جیسے ہوا کچھ بھی نہیں

شام بارش کے باعث پہلے سے ٹھنڈی اور خوش گوار سی اتر رہی تھی۔ ہاشم نے قصر کا داخلی دروازہ کھولا تو اندر کا منظر نمایاں ہوا۔ اونچے اور وسیع لاؤنج میں بڑے صوفے پہ جواہرات تمکنت سے بیٹھی تھی۔ کہنی صوفے کے ہتھے پہ جمائے وہ چائے کی نازک پیالی سے گھونٹ بھرتی، مسکراتی نظروں سے سامنے بیٹھی شہرین کو دیکھ رہی تھی، جو اس سے قطعاً" بے نیاز" سونیا کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ ساتھ میں چیونگم بھی چبا رہی تھی۔

آفس سے تھکے ہارے ہاشم نے ایک مشترکہ سلام کیا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

"سونا! اپنے بابا کو بتا دو کہ آج سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے اور دو دن بعد آئے گی اور یہ بھی بتاؤ کہ سونی کتنی خوش ہے ان سارے پلانز پہ جو ماما نے سونی کے لیے بنائے ہیں۔" آخری پن لگا کر اس نے سونی کے نرم بالوں میں برش پھیرتے اونچا سا کہا تو سونی خوش خوش سی اٹھی اور بھاگتی ہوئی ہاشم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"بابا۔ سونی ماما کے ساتھ جا رہی ہے۔ اور پتا ہے، ماما نے۔" آگے اس نے جوش میں وہ چند فقرے دہرائے جو شہرین کی ڈھائی گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھے۔

ہاشم نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا، اور پھر ایک تیز سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی، جواب ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی، جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہاشم سونیا کو انکار نہیں کر سکتا، اسے معلوم تھا۔

"شیور۔ انجوائے کرو۔" جھک کر اس کا گال چوما اور سیدھے ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا اور پھر ایک قہر آلود نظر شہری پہ ڈال کر اوپر کی جانب قدم اٹھا دیے۔ شہری نے فاتحانہ مسکراہٹ جواہرات کی طرف اچھالی جو عادتاً" مسکراتے ہوئے چائے پی رہی تھی۔

"پتا نہیں کیوں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شہری کو ہرا سکتے ہیں۔" انگلی سے سنہری بال نزاکت سے پیچھے کرتے وہ بولی۔ ساتھ ہی دور کھڑی فینوتا کو اشارہ کیا۔ وہ آئی اور سونی کو تیار کرنے ساتھ لے گئی۔ "صرف وہی ایسا سمجھتے ہیں جو شہری کو کئی دفعہ ہرا چکے ہوں۔" جواہرات نے شانے اچکائے۔

تب ہی دروازہ پھر سے کھلا اور موبائل کے بٹن دباتا الجھا ہوا نوشیرواں اندر داخل ہوا۔ وہ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا، اور پیچھے ملازم اس کا بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔ یقیناً" وہ ہاشم کے ساتھ آفس سے آ رہا تھا۔

ماں کو سلام کرتے ذرا کی نگاہ اٹھائی تو ٹھہرا۔ شہری سامنے بیٹھی تھی، ابرو بھینچ کر جواہرات کو دیکھتی، کسی تابڑ توڑ حملے کے لیے تیار۔

"اوہ ہائے!" نوشیرواں ہلکا سا مسکرایا۔ جواہرات نے پوری گردن گھما کر اس کی مسکراہٹ دیکھی۔

"ہیلو!" شہری کا فقرہ منہ میں ہی رہ گیا۔ بدمزہ سی اٹھی اور سونی کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" وہ حیران ہوا۔ وہ مڑی،

تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اپنی بیٹی کے لیے آئی تھی' اس کو لینے جارہی ہوں' ورنہ مجھے قطعاً" کوئی خواہش نہیں اس گھر میں بار بار آنے کی۔" تنے ابرو کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔ ہاتھ میں موبائل جوں کا توں اٹھا رکھا تھا۔ جواہرات کی مسکراہٹ' شدید ناپسندیدگی میں بدلتی گئی۔ اور شیرو کو گھورتے اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"وہ صحیح کہہ رہی ہے' اس گھر میں ذرا دیر بیٹھی ہے' ورنہ آتے ساتھ ہی سوئی کو لے کر زمر کے پاس چلی گئی' سعدی کا افسوس کرنے! جاؤ' تم فریش ہو لو۔"

نوشیرواں کا دل جیسے اچاٹ ہو گیا۔ وہ برہمی سے زینے چڑھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

دنیا تو ایک برف کی سل سے سوا نہ تھی
پہنچی ذرا جو آنچ تو دنیا تمام شد!

اس شام' جب دفاتر میں لوگ اپنے کام جلد از جلد نبٹاتے' گھر جانے کی تیاری میں تھے کہ پانچ بجنے میں ذرا سی دیر ہی باقی تھی' ایسے میں اس عمارت کے اندر ایک چھوٹے آفس کے سامنے لاؤنج نما کمرے میں فارس کھڑا تھا۔ اس نے نیلی کف والی شرٹ اور سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔ آنکھوں پہ گلاسز تھے' اور کیپ کو چہرے پہ خاصا جھکا رکھا تھا۔ ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا گلدستہ لیے۔ (جواد پر سے شفاف پلاسٹ میں پیک تھے) وہ پیون کو رسید نکال کر دے رہا تھا۔

"امینہ صاحبہ کے لیے ہیں' ان سے دستخط لا دیئے۔" آفس کے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا تو پیون سر ہلا کر گلدستہ احتیاط سے پکڑے اندر چلا گیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا رہ گیا۔ فارس نے کن اکھیوں سے جھری سے دیکھا۔ اندر آفس میں میز کے پیچھے ایک نارنجی ڈائی بالوں والی لڑکی نما عورت بیٹھی تھی' اور پیون اس کی میز پہ گلدستہ رکھ رہا تھا۔

"کس نے بھیجے ہیں؟"

"نام نہیں بتایا۔ بس اتنا بولا کہ نیاز بیگ کے کسی پولیس والے دوست نے بھیجے ہیں اپنی ترقی کی خوشی میں جو آپ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔" وہ رخ موڑے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ پیون نکل آیا۔ رسید اسے لا کر دی' جسے اس نے رجسٹر میں لگایا' تب ہی رجسٹر ہاتھ سے پھسلا اور سارے کاغذ بکھر گئے۔ رسیدیں' پرچیاں۔ فوٹو اسٹیٹ کاغذ۔

"معاف کرنا!" وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کاغذ سمیٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ۔ کیپ والا سر جھکائے۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ پیون کبھی اندر آ رہا تھا' کبھی باہر جا رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے پرچیاں اٹھاتا اور رجسٹر میں لگاتا رہا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اور کن اکھیوں سے پیون کو دیکھا۔ وہ اب ٹرے لے کر راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ ادھر وہ نکلا' ادھر فارس تیزی سے اٹھا اور آفس کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

میز پہ سر ٹکائے' ڈائی بالوں والی عورت آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ ساتھ ہی گلدستہ کھلا ہوا پڑا تھا اور اس سے عجیب مہک اٹھ رہی تھی۔ ناک بند کر کے وہ تیزی سے قریب آیا' گلوز والے ہاتھوں سے اسے واپس ریپ کیا۔ پھر لینڈ لائنون کا تار کاٹا۔ انٹر کام کا تار کاٹا۔ کمپیوٹر کی تار کو منقطع کیا۔ امینہ کا پرس کھنگالا۔ اندر سے چابیاں نکالیں۔ پھر میز پہ رکھا موبائل جیب میں ڈالا' اور دروازے تک آیا۔ جھری سے باہر دیکھا' پیون ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ اس نے جلدی سے بتی' پنکھا سب بند کیے۔ باہر نکلا۔ دروازہ لاک کیا۔ باہر نکلا "اوپن" کارڈ پلٹ کر "کلوزڈ" سامنے لایا۔ اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' وہ آگے چلتا گیا۔

پھر شام گہری ہو گئی' افطار کے قریب لوگ سمٹ کر گھروں کے اندر چلے گئے تو شہر قدرے سنسان لگنے لگا۔ مغرب باسی ہوئی اور رات اترنے لگی۔

ایسے میں ایک بڑے اور مہنگے پرائیویٹ اسپتال کے باہر کھلے پارکنگ ایریا کے ایک کونے میں ایک کار کھڑی دکھائی دیتی تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پر فارس' پی

کیپ پہنے بیٹھا نظر آتا تھا۔ چیونگم چباتے ہوئے' وہ آنکھیں سیکڑ کر اسپتال کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں بیرونی استقبالیے سے ہٹ کر' باہر ایک اندھیرے کونے میں اسے زمر دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں سے وہ مبہم سی دکھائی دیتی تھی۔ اگر قریب جا کر دیکھو تو وہ اس ویران کونے میں ایک نرس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نرس نے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتے' ایک پیکٹ زمر کی طرف بڑھایا۔

"سب کچھ پورا ہے؟" زمر نے سرگوشی میں پوچھا۔ نرس نے جھٹ سراثبات میں ہلایا۔

"اوکے۔ وہ ابھی آئے گا' آگے تم جانتی ہو' تمہیں کیا کرنا ہے۔" کہنے کے ساتھ پرس سے ایک بند خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ نرس نے فوراً" ہاتھ اٹھائے۔

"نہیں' نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ آپ کے مجھ پہ احسان ہیں۔"

"رکھ لو۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر زبردستی پیکٹ تھمادیا۔ نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے رکھ لیا۔

تب ہی فارس کو وہ واپس آتی دکھائی دی۔ اس نے نیلی قمیص پہن رکھی تھی اور سیاہ دوپٹہ سر پہ تھا۔ وہ سر جھکائے متناسب چال چلتی اس طرف آرہی تھی۔ فارس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کالاک کھولا۔

"آدھا کام ہو گیا۔" اندر بیٹھتے ہوئے زمر نے عام سے انداز میں اطلاع دی اور پیکٹ ڈیش بورڈ پہ رکھا۔ فارس نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ وہ سر سے دوپٹا اتار کر' اب گھنگریالے بالوں کو گول مول لپیٹ کر جوڑا بنارہی تھی۔ وہ سامنے دیکھنے لگا۔

"اب؟"

"وہ آجائے' پھر فون کرتے ہیں۔" اس نے متلاشی نظروں سے دور اسپتال کے بیرونی دروازوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ آچکا ہے۔ جب آپ گئیں تب ہی آگیا تھا۔" کہنے کے ساتھ اس نے امہنہ کا موبائل زمر کی طرف بڑھایا۔ جسے اس نے رومال میں لپیٹ کر پکڑا۔ کال وہ ملا چکا تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں پہ گلوز چڑھے تھے۔ پلاسٹک کے شفاف پتلے گلوز۔ زمر نے کان سے موبائل لگایا۔ ایک رومال منہ کے قریب فون پہ رکھا۔ گھنٹی کے بعد مردانہ آواز ابھری۔

"ہاں امہنہ!"

"میں اسپتال سے بات کر رہی ہوں' یہاں ایک بی بی کو لایا گیا ہے' نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی ہے اس نے۔ امہنہ نام ہے اس کا۔" وہ پختون لہجے میں روانی سے بول رہی تھی۔ (اور وہ ہلکا سا مسکرایا۔ واہ۔ چڑیل اداکاری بھی کرتی ہے۔) "اس کے فون پہ آپ کا آخری نمبر ڈائل کیا گیا تھا۔"

"کیا؟ کون سے اسپتال سے؟" دوسری طرف الجھن اور پریشانی در آئی۔ زمر نے جلدی جلدی نام اور پتا بتایا۔ "پندرہ میں منٹ بعد پولیس آجائے گا' اگر تم نے آنا ہے صاحب تو جلدی آؤ۔"

"پولیس سے کچھ نہیں کہنا' میں آرہا ہوں بس اور۔" مگر زمر نے بغیر کال کاٹ دی۔

"یہ لہجہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟" مسکراہٹ چھپائے اس کو دیکھ کر پوچھا تو زمر فون ڈیش بورڈ پہ دھرتے ہوئے اسی بے تاثر انداز میں بولی۔

"آر یو شیور' وہ امہنہ سے یہاں آنے سے پہلے رابطہ نہیں کر سکے گا۔"

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ "جی۔"

زمر نے ایک اچٹتی سی نظر اس پہ ڈالی۔

"کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟" اس نے چہرہ موڑ کر زمر کو دیکھا۔ "گلا گھونٹ کر پنکھے سے لٹکا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خودکشی ہے۔"

وہ اکتا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

رات باہر قطرہ قطرہ بہتی رہی۔ کار کے اندر خاموشی چھائی رہی۔ دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً" وہ سیدھا ہوا۔

"وہ نیاز بیگ!" زمر نے بھی اسی طرف دیکھا۔ شلوار سوٹ میں ملبوس نیاز بیگ اسپتال کے اندر داخل

ہو رہا تھا۔ فارس نے گردن گھمائی۔ "اس کی کار قریب میں ہی کہیں ہوگی' جلدی میں لگ رہا ہے۔" لاک کھولتے ہوئے اس نے ڈیش بورڈ سے پیکٹ اٹھایا اور دروازہ کھولا۔ زمر نے قدرے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"دھیان سے!" ہلکا سا بولی۔ وہ چونکا' اس کی آنکھوں کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

"میں نہیں چاہتی تمہاری لاپروائی سے کوئی گڑبڑ ہو۔" وہ وضاحت دے کر رخ موڑ گئی۔ اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

اندر استقبالیہ تک نیاز بیگ تیز قدم اٹھاتے پہنچا۔ وہی نرس کاؤنٹر کے پیچھے دو تین افراد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فوراً" اس طرف متوجہ ہوئی۔

"جی؟" وہ اس کے مخاطب کرنے پہ وہیں رکا۔

"ہاں وہ۔ امینہ نامی خاتون کو لایا گیا ہے' مجھے فون آیا تھا' اور۔"

"پرائیوٹ روم' چھ نمبر میں ہے وہ۔ آپ یہاں سے سیدھا جا کر دائیں مڑ کر۔" وہ عجلت میں رستہ سمجھاتی گئی۔ وہ سنجیدگی اور قدرے اضطراب سے سرہلاتے' آگے بڑھ گیا۔

چند راہداریاں عبور کرکے' کمروں کے نمبر پڑھتا' وہ مطلوبہ کمرے کے قریب آیا۔ باہر دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ نیاز بیگ کی تیوری چڑھی۔ وہ دروازے کے نزدیک جانے لگا تو ایک سپاہی نے راستہ روکا۔

"کیا کام ہے؟"

"اندر میرا مریض ہے۔ اسے دیکھ لوں' پھر تم سے بات کرتا ہوں۔" وہ قدرے اکھڑے لہجے میں کہہ کر آگے بڑھنے لگا' مگر سپاہیوں نے پھر سے روک دیا۔

"اجازت نہیں ہے۔ مریض سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟"

اس سے پہلے کہ وہ غصے سے کچھ جواب دیتا' دروازہ کھلا۔ نیاز بیگ کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ اے ایس پی سرمد شاہ' عام پینٹ شرٹ میں ملبوس' باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔

"نیاز بیگ۔ تم ادھر کیسے؟" تعجب سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے' اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

"یہ تمہارے تھانے کی حدود تو نہیں ہے اے ایس پی۔" وہ بھی ذرا حیران ہوا۔ "خیر میری پہچان کی ایک عورت۔ (آنکھ سے اشارہ کیا) ادھر ایڈمٹ ہے۔"

سرمد شاہ کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ "ادھر؟ اس کمرے میں؟"

"ہاں۔ دیکھو اسے پولیس کیس مت بناؤ' یہ اتنا کوئی بڑا معاملہ۔"

"تم شہزا کو کیسے جانتے ہو؟" سرمد شاہ نے تیزی سے بات کاٹی۔ اس کی متعجب نگاہیں نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔

"کون شہزا؟" وہ ٹھہرا۔

"آئی جی صاحب کی بیٹی اور میری کزن شہزا ملک' جو ریپ اور ٹارچر کے بعد پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کوما میں ہے۔ بتاؤ کیسے جانتے ہو اسے؟" سرمد شاہ کی نگاہوں کا تعجب اب کھوجتے تاثر میں بدل رہا تھا۔

ایک دم نیاز بیگ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"نہیں' شہزا کون؟ میں تو نہیں جانتا کسی شہزا کو۔ میں تو ادھر امینہ کے لیے آیا تھا۔ وہ میری ایک عزیزہ ہے۔" پھر کمرہ نمبر دیکھا۔ "شاید غلط کمرہ نمبر بتا دیا انہوں نے۔ میں پوچھتا ہوں دوبارہ۔ اور۔ افسوس ہوا تمہاری کزن کا سن کر۔" غلط وقت پہ غلط جگہ پہ ہونے کا احساس ہوتے ہی وہ عجلت میں کہتا' اس کا کندھا تھپتھپاتا' جیب سے موبائل نکال کر مڑا۔

سرمد شاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک نظر اپنے ایس آئی پہ ڈالی' وہ بھی ان ہی نظروں اسے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دم سرمد شاہ اس کے پیچھے لپکا۔ پیچھے کمرے کے دروازے کی ہلکی سی درز کھلی تھی جس سے بیڈ پہ لیٹی لڑکی نظر آرہی تھی۔ ہوش و خرد سے بے گانا۔ آکسیجن ماسک لگا تھا۔ بہت سی دوسری نالیاں بھی۔ اس کے بال بھورے سنہرے سے تھے اور کان کے قریب ان میں تتلی کی شکل کا نگوں والا کلپ لگا تھا۔

"کیا نام بتایا تم نے اپنی عزیزہ کا؟" راہداری کے آخر میں اس نے نیاز بیگ کو جالیا۔ جو موبائل پر نمبر ملا کر کان سے لگائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔ سرمد شاہ کے پکارنے پہ چونک کر گردن گھمائی۔

"ہاں وہ امیمہ ہے' میری جاننے والی۔ اسپتال والوں نے ابھی فون کرکے بتایا۔ میں پوچھتا ہوں ابھی۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو اے ایس پی؟" وہ ذرا اکتایا۔ "بھئی میں نہیں جانتا تمہاری کزن کو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہاری عزیزہ کی عیادت کرلوں۔" اس نے ابرو سے اسے چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ تیز' جانچتی نگاہیں بار بار نیاز بیگ پہ ڈالتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کوفت کا شکار ہونے لگا' مگر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ واپس استقبالیہ کاؤنٹر تک آپہنچے۔

"او بی بی' کس کمرے میں بھیج دیا تم نے مجھے؟" وہ بگڑ کر کہتا اسی نرس سے مخاطب ہوا۔ "وہ تو کسی شنزا بی بی کا کمرہ ہے۔" "سر آپ نے شنزا ملک کے کمرے کا ہی پوچھا تھا' تب ہی میں نے روم نمبر سکس بولا۔" وہ سادگی سے گویا ہوئی۔ سرمد شاہ نے پوری گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں نے امیمہ امتیاز کا پوچھا تھا۔ تم لوگوں نے مجھے کال کرکے بلایا ہے۔" ساتھ ہی حیران پریشان نگاہ اے ایس پی پہ ڈالی۔ جو بس چپ چاپ اسے گھور رہا تھا۔

"سوری سر' مجھے شنزا ملک سنائی دیا تھا۔"

"امیمہ امتیاز۔" وہ جھک کر چیک کرنے لگی۔

"یہاں تو کوئی امیمہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ نہ ہم نے اس سلسلے میں کسی کو کال کی ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔ تم لوگوں نے مجھے ابھی کال کی' خود مجھے بلایا' خودکشی کا کیس تھا۔" غصے سے لال پیلے ہوتے اس کے ماتھے پہ پسینہ آرہا تھا۔

"سر یہ سارے فونز آپ کے سامنے رکھے ہیں' آپ کال ریکارڈز چیک کرلیں۔ ہمارے پاس کوئی امیمہ امتیاز نہیں لائی گئی۔ آپ نے خود ابھی شنزا ملک کا پوچھا تھا مجھ سے۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"تمہیں کس نمبر سے فون آیا؟" وہ جو چپ کھڑا تھا' ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ نیاز بیگ نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

"امیمہ کے موبائل سے فون آیا تھا۔" وہ واپس اسے کال بیک کرنے لگا۔

"گھنٹی جا رہی ہے' کوئی اٹھا نہیں رہا۔ میں اس کے گھر دیکھتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ!" ماتھے کو چھو کر عجلت میں اسے سلام کیا اور باہر کی طرف بڑھا۔ ایس آئی نے بے اختیار سرمد کو دیکھا۔ وہ سوچتی نظروں سے نیاز بیگ کو باہر نکلتے دیکھ رہا تھا۔

"نیاز بیگ کی کار کون سی ہے امجد حسین؟" اس نے سوچ میں ڈوبے پکارا۔

"سر' ہمیشہ نیلے رنگ کی نسان میں دیکھا ہے اسے۔"

"اور اس دن ہمیں جو گمنام ٹپ موصول ہوئی تھی' یاد ہے؟ فون کرنے والی عینی شاہد نے کہا تھا کہ اس نے ایک آدمی کو شنزا کو کار کی ڈگی سے نکال کر سڑک پہ پھینکتے دیکھا تھا۔ کون سی کار بولی تھی اس نے؟"

"نیلی نسان۔ مگر سر' ٹپ تو جھوٹی بھی ہوسکتی ہے۔" وہ خود متذبذب تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سرمد شاہ کے چہرے پہ بے پناہ سختی در آئی۔ وہ باہر نکلا۔ ایس آئی فوراً پیچھے لپکا۔

وہ گاڑیوں کی قطار کی طرف نیاز بیگ تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ مسلسل نمبر ملا رہا تھا۔ جب تک' وہ دونوں اس تک پہنچے' وہ نیلی نسان سے چند قدم دور تھے۔

"تمہاری امیمہ نے فون نہیں اٹھایا؟" خشک انداز میں اس نے پوچھا تو وہ چونک کر گھوما۔ چہرے پہ دبا دبا غصہ در آیا۔

"اے ایس پی میں پریشان ہوں اس ٹائم! امیمہ گھر بھی نہیں پہنچی' اور فون بھی نہیں اٹھا رہی' کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔" وہ ذرا جھنجلایا ہوا' ذرا متفکر کہہ رہا تھا جب ایس آئی نے آواز دی۔ "سر!"

سرمد شاہ نے اس طرف دیکھا۔ وہ چند قدم دور نیلی نسان کے ساتھ کھڑا ان کو بلا رہا تھا۔ نیاز بیگ فون کان سے لگائے جھلا کر بولے جا رہا تھا مگر سرمد شاہ نے بغیر

آگے آیا۔

نیاز بیگ کی کار کے ڈیش بورڈ پہ ایک موبائل تھر تھراتا ہوا جل بجھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی روشنی ونڈ اسکرین پہ عکس بنا رہی تھی۔ عکس پہ نیاز بیگ کا نام اور نمبر لکھا آ رہا تھا۔ سرمد شاہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا جو روشنی دیکھ کر اس طرف آیا تھا۔

"تمہاری امیمہ شاید اپنا فون تمہاری کار میں بھول گئی۔"

وہ حیران پریشان سا قریب آیا۔ موبائل دیکھ کر اس کے چہرے پہ شاک در آیا۔ تیزی سے کار کھولی اور موبائل نکال کر چہرے کے سامنے کیا۔ وہ امیمہ کا ہی موبائل تھا۔ اس نے الجھن بھری نگاہیں اٹھائیں تو اے ایس پی یکٹک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"یہ ادھر کیسے؟" وہ کبھی ڈیش بورڈ کو دیکھتا، کبھی موبائل کو۔

"امجد حسین، ذرا گاڑی کی تلاشی لو۔ شاید امیمہ بی بی بھی مل جائے۔" اے ایس پی نے تحکم سے ایس آئی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا تو نیاز بیگ کی پریشانی پس منظر میں چلی گئی، اور ابرو تن گئے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے گھر جاتا ہوں۔" ہاتھ جھلا کر قدرے کھردرے انداز میں کہتے ایس آئی کو روکا۔ ایس آئی نے اے ایس پی کو دیکھا۔ وہ آگے ہوا، اور نیاز بیگ کی آنکھوں میں دیکھتے تحمل سے بولا۔ "نیاز بیگ، اس وقت مجھے غصہ دلا کر مجھے اپنا دشمن مت بناؤ۔ میں نے بڑے موقعوں پہ تمہارا ساتھ دیا ہے، اس لیے چپ چاپ یہاں کھڑے رہو۔" پھر امجد حسین کو اشارہ کیا۔ "گاڑی کھولو۔"

چند لمحوں بعد تین چار مزید اہلکار وہاں کھڑے تھے، ایس آئی ٹارچ سے اندر روشنی مار تا کار کی سیٹیں، خانے، گلوز کمپارٹمنٹ چیک کر رہا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ کمر پہ ہاتھ باندھے، پتھریلے تاثرات کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہا تھا اور نیاز بیگ تلملاتا ہوا سا کھڑا تھا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔" ایک سلگتی نظر سرمد شاہ پہ ڈال کر ہلکا سا بولا۔ سرمد شاہ خاموش رہا۔ ایس آئی اب ڈگی کھول رہا تھا۔

"میں پہلے مصیبت میں ہوں، اوپر سے تم کسی مشتبہ کی طرح میرے ساتھ برتاؤ کر رہے ہو۔ میں یہ بے عزتی بھولوں گا نہیں۔"

"سر!" ایک دم ایس آئی سیدھا ہوا، اس کے چہرے پہ کوئی ایسا ہکا بکا تاثر تھا کہ سرمد شاہ فوراً ڈگی کی طرف آیا۔

"یہ دیکھیے۔" اس نے ٹارچ کی روشنی ڈگی کے ایک کونے میں ماری۔ سرمد شاہ نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔ وہاں ایک جگمگاتا ہوا تتلی کی صورت کا، تین انچ چوڑا، ہیئر کلپ گرا تھا۔ اس میں چند ہلکے بھورے بال بھی اڑے تھے۔ (اور چند بال فاصلے فاصلے پہ ڈگی میں بکھرے بھی تھے جو ابھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔) تتلی کے چند نگ جگمگا رہے تھے، اور باقی نگوں کو سوکھے خون کے دھبوں نے ماند کر رکھا تھا۔ شہزا کا خون۔ سرمد شاہ کی آنکھوں میں سرخی ابھری۔ وہ طیش بھرا اس کی طرف گھوما۔

"نیاز بیگ! اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لو۔ رفیع محمد، اسے ہتھکڑی لگاؤ۔" وہ غرایا تھا۔

"کیا بکواس" نیاز بیگ کی ساری جھلاہٹ ہوا ہوئی، وہ حیران پریشان سا آگے ہوا مگر ایس آئی کو تتلی نما کلپ اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالتے دیکھ کر اس کا چہرہ فق ہوا۔

"اوہ یہ میرا نہیں ہے۔ یہ میری گاڑی میں کہاں سے۔ اوہ میری بات سنو۔"

سرمد شاہ نے پوری قوت سے اس کے منہ پہ گھونسا مارا۔ وہ ایک دم تیورا کر پیچھے کو گرا مگر گرنے سے پہلے سرمد شاہ نے گریبان سے کھینچ کر اسے اٹھایا، اور اس کا خون نچڑتا چہرہ قریب کیا۔

"میں نے تمہیں کتنے کیسز سے نکالا، کیا اس لیے

کہ تم میرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ ایسا کرو گے؟ تم (گالی) گھٹیا انسان! وہ میری بہنوں جیسی تھی۔" شاکد سے نیاز بیگ کو جھٹکے سے چھوڑا۔ ایک اہلکار نے اس کے ہاتھ موڑ کر پیچھے باندھے۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں نہیں، یہ کوئی گڑبڑ ہے، مجھے اس میں پھنسایا جارہا ہے، میں نہیں جانتا تمہاری بہن کو۔ میری بات سنو!" وہ دو اہلکاروں کی آہنی گرفت میں پھڑپھڑاتا چلا رہا تھا۔

"آئی جی صاحب کو فون لگاؤ، اور بولو۔ تھانے آجائیں۔" سرمد شاہ سرخ چہرے کے ساتھ ایس آئی کو کہہ رہا تھا۔

اور دور، سڑک کے اس پار، گرین بیلٹ کے ساتھ پارکڈ کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی زمر گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آواز سنائی نہ دیتی مگر وہ ایک منظر سو آوازوں پہ بھاری تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا، مگر آنکھوں میں سرد سی تپش بھی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی، اور کافی مطمئن سے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"آریو شیور۔ اے ایس پی کو اصل معاملہ سمجھ نہیں آئے گا؟"

"میں اسے جانتی ہوں، کام کیا ہے اس کے ساتھ۔ اگر اس میں اتنی عقل ہوتی تو چار سال سے اے ایس پی نہ ہوتا، سال ڈیڑھ پہلے ایس پی بن چکا ہوتا۔ یہ اس کے گھر کا معاملہ ہے۔ اس کی جج منٹ کو غیرت ڈھانپ دے گی۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی کہہ رہی تھی۔

"مگر اس کی جلد ہی ترقی ہونے والی ہے۔"

"اس کی ترقی کا انحصار اس کیس پہ ہے۔ اس کو شنزا کا مجرم مل گیا، یعنی اس کو ترقی مل گئی۔" زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ دور نیاز بیگ سپاہیوں کی گرفت میں پھڑپھڑاتا، مسلسل چلا رہا تھا۔

"اب دیکھو، کون لڑکیوں کی طرح چیخ رہا ہے۔" وہ اسی منظر کو دیکھتے، بولی تو لہجے میں نمی بھی تھی اور آنچ بھی۔ فارس نے ٹیک لگائے، گردن اس کی طرف موڑی۔

"کل جب امینہ اس سے لاک اپ میں ملے گی تو اس کی بات سن کر نیاز بیگ کو یہی لگے گا کہ اسے پولیس نے پھنسایا ہے اس کیس میں۔ ہمارے دشمن ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوں گے، اس دفعہ ہم ان کا تماشا دیکھیں گے۔" وہ رکا۔ "مگر شنزا...؟"

زمر نے گہری سانس لی۔ "اس کے مجرم یقیناً چالاک لوگ ہیں، ان کو کبھی نہیں ملیں گے۔ وہ بے چاری بچی شاید چند دن زندہ رہ پائے۔ مگر وہ نہ کبھی ہوش میں آئے گی، نہ کسی کو کچھ بتا پائے گی۔" وہ ابھی تک پولیس موبائل کو دیکھ رہی تھی جس میں اب وہ چیختے چلاتے نیاز بیگ کو لارہے تھے۔

"وہ کلپ جو میں نے اس کی ڈگی میں رکھا ہے، کیا اس کے خاندان والے پہچانیں گے نہیں؟ گو کہ وہ شنزا کے کلپ کے جیسا ہی ہے۔ مگر اس کا نہیں ہے۔ کیا معلوم شنزا کے پاس صرف ایک ہی کلپ ہو۔"

"اونہوں۔ وہ ڈیزائنر کلپ ہے، اور اس کے جیسا کلپ، جو میں نے خریدا تھا، وہ اس وقت شنزا کے بالوں میں لگا ہے۔ جس کلپ پہ اس کا بلڈ اور بال لگا کر سسٹر نے مجھے دیے تھے، وہ شنزا کا اصلی کلپ ہے۔ وہ اسے فارنزک بھیجیں گے، ہر طرح سے چیک کریں گے۔ مگر شنزا کے بالوں میں لگا کلپ کوئی نہیں چیک کرے گا۔" سرسری سا بتا رہی تھی۔

"اوہ۔" وہ چپ ہو گیا۔ پولیس موبائل اب دور جارہی تھی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، پھر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ پھر سامنے دیکھنے لگی۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر ہلکا سا بولی۔ "گڈ جاب، فارس!" اس کے لہجے میں نرمی تھی، مگر وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا سا مسکراتے ہوئے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"پلان آپ کا تھا۔ گڈ جاب ٹو یو! سو۔ اب کس کی باری ہے؟" کار ریورس کرتے اس نے پوچھا۔ سیڑھی کا پہلا زینہ ان کے قدموں تلے تھا، اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے ہر زینے کو اسی طرح روندنا تھا۔ یہ سعدی یوسف کو بچانے کا واحد طریقہ تھا۔

"بتاؤ گی۔ جب ضرورت پڑی تو!" وہ پھر سے ویسی ہی روکھی ہو گئی۔ مگر ایک تبدیلی آئی تھی۔
کم از کم وہ بات کرنے لگے تھے۔
ابھی وہ رستے میں تھے کہ زمر کا موبائل بجا۔ ڈاکٹر سارہ غازی۔
"جی ڈاکٹر سارہ۔" اس نے مصروف سے انداز میں فون کان سے لگایا۔
"کچھ پتا چلا سعدی کا زمر؟" وہ فکر مندی سے بولی۔
"کہاں سارہ؟ آپ بس دعا کریں۔ اچھا میرا کام ہوا؟"

"جی میں نے پتا کیا تھا۔ نیس کام میں کوئی حلیمہ کام نہیں کرتی۔ ایک علیمہ سرفراز ہے مگر وہ انجینئر ہے سیکریٹری نہیں۔" زمر نے تکان سے آنکھیں میچ لیں۔

"نہیں، وہ حلیمہ ہی تھی۔ خیر تھینک یو۔ واپس آکر چکر لگایئے گا۔ بچے آپ کو مس کرتے ہیں۔"
"جی، میں بس گھر میں پھنسی ہوں اتنے دن سے۔ سعدی کی پریشانی الگ، جیسے ہی آئی، چکر لگاؤں گی۔"
زمر نے فون رکھ دیا اور دوسری طرف۔
دوسری طرف اپنے بیڈ روم میں کھڑی، سارہ نے بھی موبائل رکھ دیا۔ اور جیسے ہی وہ پلٹی، ذکیہ بیگم پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ایک تاسف بھری نظر سارہ پہ ڈالی جو سادہ شلوار قمیص میں ملبوس، بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ ان کو دیکھ کر چونکی۔
"کیوں ان کو اوائڈ کر رہی ہو؟ تم پچھلے ایک مہینے سے، جب سے سعدی کھویا ہے، یہیں اس گھر میں قید ہو۔ پھر بار بار جھوٹ کیوں؟"
سارہ کی سبز نیلی آنکھوں میں نمی در آئی۔ "میں ان لوگوں سے نہیں ملنا چاہتی۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ملی تو وہ جان لیں گے۔"
"کیا جان لیں گے؟" وہ ذرا حیران ہوئیں۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

"امی! اس رات سعدی کے ساتھ اس گھر میں میں تھی۔ امی میں نے اپنے سامنے اسے گولیاں لگتے دیکھا ہے۔ امی میں ہوں وہ گواہ جسے وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں، ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ، سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر، سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے، جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن

مکمل ناول

ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی، ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے، رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے، جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے، بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور، ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے، جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے، ہاشم، خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔

سعدی، حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے، حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "دی آنسر ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس، زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی، ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی، ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم، خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم، خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث، فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم، فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی، زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین، وارث کیس کی اپیل ہائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں، مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں، جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات، زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے، اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی، فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" "کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلاً"... "مثلاً" ہاشم کاردار..." سعدی نے ہمت کرکے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی، زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین، علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر، فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا، حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے، جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب، نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے ______ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔

تیرہویں قسط

من خشت بہ ملکہ داد!
(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا!)
وہ سو رہا ہوتے ہیں
جو پھینکتے ہیں گوٹ!
مگر وہ قسمت ہوتی ہے
جو شطرنج کھیلتی ہے!
اور تم بہت دیر سے جان پاتے ہو
کہ وہ کون تھا جو آغاز سے ہی

کھیل رہا تھا دونوں کوئین کے ساتھ!"
ذکیہ بیگم دل تھام کر رہ گئیں۔ لب کھل گئے اور آنکھوں میں بے یقینی پھیلی۔
"تم سارہ؟ تم ادھر تھیں؟ مگر۔ کیوں؟" سہارے کے لیے بیڈ کا کنارہ تھاما۔ وہ بھی آہستگی سے بیٹھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔
"اس نے مجھے وہاں بلایا تھا۔" سر جھکائے انگلی سے ہتھیلی مسلتی، وہ بتانے لگی۔

ذرا دیر کے لیے ہم ایک ماہ قبل 'اکیس مئی کی صبح تک پیچھے چلتے ہیں' جب سعدی ہاشم کاردار کے آفس میں بیٹھا تھا۔ تو چند میل دور' اپنے آفس میں بیٹھی سارہ انٹر کام اٹھائے کہہ رہی تھی۔

"ماریہ! میں انسٹی ٹیوٹ جارہی ہوں کلاس لینے' آپ یوں کرو' سعدی کو کہو کہ جو پریز ٹینشن اس نے....."

"ڈاکٹر سارہ' سعدی آج نہیں آیا۔" دوسری طرف سے اس کو عجلت میں ٹوکا گیا تو سارہ ذرا دیر کو رکی۔

"نہیں آیا؟" ابرو بھینچے۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ موبائل اٹھا کر کال ملائی۔

ہاشم کے آفس کے باہر حلیمہ بیٹھی کام کررہی تھی جب ٹوکری میں رکھا سعدی کا موبائل بجنے لگا اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ "بلاکڈ نمبر کالنگ" اور واپس کام کرنے لگی۔

سارہ نے فون رکھا تو چہرے پہ شدید ناراضی تھی۔ کلاس لینے کے بعد وہ باہر نکلی تو دوبارہ سے اس کو کال ملائی۔ اب کے اس نے اٹھالیا۔

"جی؟" وہ خود بھی اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

"مسعدی یوسف! آپ آج آفس نہیں آئے۔" دانت پہ دانت جما کر تحمل سے پوچھا۔

"مجھے۔ کچھ کام تھا۔" ہاشم کے آفس سے باہر سڑک پہ وہ گاڑی دوڑاتا گھر کی طرف جارہا تھا۔

"آج پانچ بجے سے پہلے آکر اپنا ٹرمینشن لیٹر وصول کرلینا' سعدی! کیونکہ میں مزید تمہاری بے قاعدگیاں برداشت نہیں کروں گی۔ آج نہیں آسکو تو کل آنے کی زحمت نہ کرنا' ہم لیٹر بھجوادیں گے خدا حافظ۔" سختی سے بولی۔

"میں گھر جاکر آپ کو دوسرے نمبر سے کال کرتا ہوں' یہ فون بگ ہورہا ہوگا۔" اس نے ایسے عجلت میں کہا جیسے سارہ کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اف!

شام کو وہ گھر پر تھی جب اس کا موبائل بجا۔ "ندرت بھابھی کالنگ۔"

"جی بھابھی؟"

"بھابھی کا بیٹا بول رہا ہوں' وہ بھی خوب صورت والا۔" وہ صبح کی نسبت ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ سارہ کے چہرے پر خفگی ابھری۔

"ٹرمینیشن لیٹر پوسٹ کردیں گے ہم۔ آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے اپنی باس کو نہیں' سارہ خالہ کو فون کیا ہے۔ ضروری بات کرنی ہے۔ اس کے بعد بے شک مجھے نوکری سے نکال دیجئے گا۔" وہ سنجیدہ ہوا تو سارہ کے چہرے کی خفگی کم ہوئی۔ اگر وہ پروجیکٹ ڈائریکٹر تھی' پروسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی تھی' تو وہ بھی سعدی تھا!

"بولو۔"

"شام کو میں ساری فیملی کو اپنے ریسٹورنٹ میں اکٹھا کررہا ہوں' آپ بھی آئیں گی کیونکہ مجھے سب کو کچھ بتانا ہے۔"

"میں نہیں آسکتی۔ جو بتانا ہے' ابھی بتادو۔"

"آپ کے شوہر کے قاتل سے ملا میں آج۔ اس

سے اعتراف بھی کروالیا۔ ثبوت بھی ہے میرے پاس۔ مجھے پتا ہے' آپ کو بدلہ لینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' مگر کم از کم تو یہ آپ جاننا چاہیں گی کہ آپ کو اپنے بچوں کو کس سے محفوظ رکھنا ہے۔"

اور سارہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑی سنتی گئی۔ پھر اس نے وہی کیا جو سعدی نے کہا' مگر ایک چیز پہ وہ راضی نہیں ہوئی۔

"میں کسی فیملی ڈنر کا حصہ نہیں بنوں گی۔"

"اوکے' آپ ہمارے گھر کے قریب جو پارک ہے' وہاں آئیں۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں' اگر میں آپ کو راضی نہ کرسکا تو ٹھیک ہے' آپ وہیں سے گھر چلی جائیے گا اور میں ریسٹورنٹ۔"

وہ اتنے پہ راضی ہوگئی۔ صرف اتنے پہ۔

شام ڈھل چکی اور اندھیرا پھیل گیا تھا جب اس نے پارک میں بنچ پہ بیٹھے کلائی کی گھڑی دیکھی' اور پھر سعدی کو کال کرنے کے لیے فون نکالا۔ مگر اس کی تاکید یاد آگئی۔ اس کا فون ممکنہ طور پر بگ ہو رہا ہوگا۔ (گوکہ ایسا نہیں تھا مگر وہ احتیاط کر رہا تھا) سو اس نے صرف پیغام بھیجا۔ "کدھر ہو؟"

جواب ذرا دیر سے موصول ہوا۔ "اسٹریٹ نمبر فورٹین میں رائٹ لین میں جو زیر تعمیر گھر ہیں' ان میں سبز گیٹ والے گھر کے اندر جائیں' میں آرہا ہوں۔ ریسٹورنٹ نہیں آسکتیں تو اتنا تو کرنا پڑے گا۔"

اب یہ سب سارہ کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا' مگر وہ سعدی تھا۔ اس کو میلوڈرامہ کی عادت تھی' یقیناً کوئی وجہ تھی' جب ہی وہ کہہ رہا تھا۔ وہ پیدل چلتی چند گلیاں عبور کر کے اس گھر کے اندر چلی آئی۔ رات کا وقت' سنسان گلی' مہیب تاریکی۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ وہ اس پراسرار منظر نامے سے نہ ڈری نہ گھبرائی۔ بس اس گھر کے پورچ میں بار بار گھڑی دیکھتی' ٹہلتی رہی۔ وہ عمر اور تجربے کے اس حصے میں تھی جہاں انسان جنات اور بھوت پریت سے نہیں ڈرتا۔ صرف انسانوں سے ڈرتا ہے۔

گیٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ مڑی۔ جھنجلا کر کہنے لگی۔

"سعدی اتنا ڈرامہ کرنے کی۔" مگر وہ "ششش" منہ پہ انگلی رکھتا تیزی سے قریب آیا۔ سارہ رک گئی۔ وہ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا تھا۔

"آپ یوں کریں' ریسٹورنٹ جائیں' میں۔"

"سعدی! میں نے بتایا ہے میں ادھر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں مجھے کچھ بتانا ہے تو بتاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔"

"ششش' آہستہ۔" اس نے پھر گردن موڑی۔ پھر ذرا خفگی سے اسے دیکھا۔ "میرے پیچھے کوئی لگا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اس کے پاس گن ہے۔ (سارہ کا منہ کھلا) نہیں وہ' مجھے کچھ نہیں کہے گا' وہ میرا دوست ہے' مگر آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ آپ یوں کریں' ریسٹورنٹ جائیں' اور یہ۔" اس نے چابیوں کا گچھا نکالا۔ (علیشا کی کی چین سے اس نے چھ انچ کا ایک سلور پین بھی نتھی کر رکھا تھا۔) اور اسے سارہ کے ہاتھ میں تھمایا۔

"یہ جا کر زمر کو دیجیے گا۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ہے۔ پلیز' اسے مت کھوئیے گا' بس زمر کو دے دیں' اور کہنا سعدی آرہا ہے۔ پھر بے شک گھر چلی جائیے گا' میں بعد میں وضاحت کر دوں گا۔"

"سعدی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم۔" وہ پریشان ہونے لگی۔

"ڈاکٹر سارہ جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کریں۔ جائیں۔ جلدی۔" سارہ نے اثبات میں سر ہلایا اور جانے کے لیے مڑی۔ ساتھ ہی پاؤچ کھول کر اندر کی پین رکھی' تب ہی پاؤچ میں رکھا موبائل زور سے چیخا۔ کوئی کال آرہی تھی۔ اندھیرے سناٹے میں آواز گونجی۔ باہر گلی میں شیرو کو لگا کہ سعدی اپنا فون سائلنٹ کرنا بھول گیا ہے۔ مگر وہ سارہ کا فون تھا۔

"او ڈیم!" سعدی نے تیزی سے اس کا فون جھپٹا اور اسے سائلنٹ کیا۔ اور ذرا فکر مندی سے گیٹ کی طرف دیکھا۔

"وہ ادھر ہی آجائے گا۔ اوپر سیڑھیوں سے جائیں' ساتھ والے گھر کی چھت پھلانگ لیں' اور سنیں' وہ

مجھے کچھ نہیں کہے گا بس جو بھی ہو جائے آپ کو سامنے نہیں آنا' چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اب جائیں۔" کندھے سے پکڑ کر تقریباً" اس نے سارہ کو دھکیل دیا۔ اس وقت بھی صرف سارہ کی فکر تھی۔ شیرو نے دیکھ لیا تو سمجھ جائے گا کہ وہ سارہ کو سب بتا چکا ہے' اور پھر سارہ کو وہ نقصان پہنچائیں گے۔

سارہ کے مختل حواس کام کرنے لگے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں تک آئی۔ سینڈل اتار کر ہاتھ میں پکڑی اور زینے پھلانگ گئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعدی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور تب ہی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ سارہ اوپر آگئی۔

اوپری چھت خالی تھی' سریے' ستون' آدھی دیواریں۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی' سہج سہج قدم رکھتی' ذرا آگے آئی' تب ہی اس نے وہ آواز سنی۔ نیچے سعدی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ فارس کی آواز۔ نہیں۔ نوشیرواں؟ اس کی آواز فارس سے ملتی تھی۔

سارہ واپس مڑی اور سیڑھیوں کے آغاز تک آئی۔ ذرا سی گردن نکال کر جھانکا۔ وہ نوشیرواں تھا اور وہ سعدی پہ پستول تانے ہوئے تھا۔ ایک لمحے کے لیے نظروں کے سامنے وارث کی پنکھے سے لٹکتی لاش گھوم گئی۔ وہ دم سادھے' سن سی کھڑی رہی۔ اس نے چند الفاظ سنے۔ وارث کو ان ہی لوگوں نے مارا ہے۔ وارث کو ہاشم نے مارا ہے۔ اس کی نگاہیں نوشیرواں کے پستول تانے ہاتھ پہ تھیں' اور ذہن۔ ذہن سن سا تھا مگر نہیں۔ اسے ان الفاظ کی فی الحال کوئی سمجھ نہ تھی۔ بس اسے سعدی کی فکر تھی۔ اندھے کو بھی نظر آرہا تھا کہ وہ گولی چلا دے گا۔ اور سعدی اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ کیا کرے؟ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کوئی پتھر' جسے وہ شیرو کے سر پہ مار سکے مگر اس نے دیکھا اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ نہیں' وہ عورت تھی' کمزور تھی۔ وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر کس کو بلائے؟ فارس؟ نہیں۔ پولیس۔ ہاں۔ پولیس۔ سائرن سنتے ہی وہ بھاگ جائے گا۔

ڈاکٹر سارہ غازی نے اگلا فیصلہ لمحوں میں کیا تھا' اور لمحوں میں ہی وہ ننگے پیر چلتی ساتھ والے گھر کی چھت تک آئی۔ دونوں چھتیں ملی ہوئی تھیں مگر وہ ایسی جگہ نہ تھی کہ وہ پھلانگ سکے۔ اس نے کونے میں (نوشیرواں سے حتی الامکان دور) کھڑے ہو کر موبائل پہ پولیس کو کال کی۔ (اس کا نمبر پرائیویٹ تھا' کال پکڑی نہ کی جا سکتی تھی۔) مدھم سرگوشی میں جلدی جلدی ان کو سمجھایا کہ اس پتے پہ ایک شخص فائرنگ کر رہا ہے' اور وہ جلدی پہنچیں۔ انہوں نے پتے کی تصدیق کی اور اسے تسلی دی کہ ایک موبائل اس علاقے میں گشت کر رہی ہے' وہ جلد پہنچ جائیں گے۔

"آپ کون ہیں اور کدھر سے بول رہی ہیں؟"

"میں۔ پڑوس سے بول رہی ہوں۔"

"اوکے' آپ اس شخص سے دور رہیں۔ کہیں چھپ جائیں' پولیس کے آنے تک باہر نہ نکلیے گا۔"

اس نے پوری بات سنے بغیر فون کاٹا اور بلی کی چال چلتی واپس آئی' سیڑھیوں کے آغاز پر رکی سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں جو پریشانی اور فکرمندی سے سکڑی تھیں' حیرت اور وحشت سے پھیلتی گئیں۔

سعدی گرا پڑا تھا' اور وہ کراہ رہا تھا۔ اندھیرے میں خون کا رنگ دکھائی نہ دیتا تھا مگر اس کی سفید قمیص درمیان سے سیاہ ہوتی جارہی تھی۔ سارہ نے چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے' نوشیرواں نے اسے دو گولیاں مزید ماریں۔ گولی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ایک کلک ہوتا تھا اور زمین پہ گرا لڑکا کراہتا تھا۔ پھر وہ اسے جوتے سے ٹھوکریں مارنے لگا۔ وہ اسے مارتا جارہا تھا اور اوپر سیڑھیوں کے آغاز پہ ملک کی پہلی پی ایچ ڈی ان پراسیس ڈیزائن' نیسکام کی زمین سے فضا اور فضا میں مار کردینے والا میزائل بنانے والی سائنس دان اور تھرکول کی پراجیکٹ ڈائریکٹر ڈاکٹر سارہ غازی کپکپا رہی تھی۔ اس کا دل لرز رہا تھا اور رنگ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔ اس نے کتنی دفعہ کمزور ہاتھوں سے

پھر اٹھایا، مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اسے کھینچ کر دے مارے۔ ہر ٹھوکر کے بعد وہ جیسے جانے کو مڑتا، پھر رک کر سعدی کو مارتا۔

وہ بس لمحے گن رہی تھی۔ ادھر وہ نکلے اور ادھر سارہ، سعدی کو فوراً اٹھا کر اسپتال لے جائے۔ وہ جانے کے لیے مڑا مگر جاتے جاتے اس نے پوری قوت سے سعدی کے منہ پر جوتا مارا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں ایک دم بہت سا پانی اترا۔ اس نے پتھر اٹھایا اور اسے ہوا میں بلند کرتے ہوئے لبوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی۔ کتنی مشکل سے چیخیں، آنسو، بددعا، سب کو روکے بیٹھی تھی، یہ وہی جانتی تھی۔ اور یہ کراہ نوشیرواں تک بھی پہنچی تھی، جب وہ ایک دم گھوما۔ سارہ فوراً دیوار کی اوٹ میں ہو گئی۔

"اے۔ کون ہے ادھر؟" وہ احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔ سارہ گہرے گہرے سانس لیتی، دیوار سے کمر لگائے کھڑی رہی۔ پھر اسے گولیوں کے کلک اور ان کے سیڑھیوں اور دیوار سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔

گولیوں کے بارے میں باتیں سننا، اور ان کو فلموں اور ویڈیو گیمز میں دیکھنا اور بات ہوتی ہے، مگر ان کو خود پہ برستے دیکھنا۔ یہ زندگی کے تکلیف دہ تجربات میں سے ایک ہے۔ سارہ نے آنکھیں بند کر لیں، اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔

پھر خاموشی ہو گئی۔ اس نے چند لمحے انتظار کیا، پھر اوٹ سے نکلی۔ نوشیرواں جاتے جاتے اسی پل واپس مڑا۔ اور اندھیرے میں سارہ کا ہیولا سا فوراً اوٹ میں ہو گیا۔ اسے لگ رہا تھا وہ ابھی آئے گا اور اسے بھی گولیوں سے بھون دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ گیٹ عبور کر کے باہر نکل گیا۔

وہ دوڑ کر نیچے آئی۔ سعدی زمین پہ گرا کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"سعدی!" اس نے جھنجھوڑا۔ اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ سعدی نے غنودہ سی آنکھیں کھولیں۔ اسے دیکھ کر ان میں کوئی احساس نہ جاگا۔ بس وہی غنودہ، صدماتی، بے یقینی سی کیفیت۔

"میں نے پولیس کو کال کر دی تھی۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" وہ اس کے زخم پہ ہاتھ رکھتے کہہ رہی تھی۔ خون بہے جا رہا تھا۔ سارہ کا لباس لہولہان ہو رہا تھا۔ دور پس منظر میں مدھم سے سائرن سنائی دے رہے تھے۔

سعدی کی نیم جان آنکھیں اس کی آنکھوں پہ جا ٹھہریں۔ اس نے لب کھولے۔

"ڈاکٹر۔۔۔ سارہ۔۔۔" کسی رشتے کا حوالہ دیے بغیر اس نے سرگوشی میں۔۔۔ حلق سے بمشکل الفاظ باہر نکالے۔

"رن۔۔۔ فار۔۔۔" اس کے لبوں سے خون بہنے لگا تھا، مگر سارہ کا پورا وجود سن ہو گیا۔ اسے معلوم تھا وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ "رن فار یور لائف (اپنی زندگی کے لیے بھاگو)" ساتھ ہی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ جانے کا۔ نکل بھاگنے کا۔ یہ وہ سعدی نہیں تھا جس نے کچھ دیر پہلے بہت اعتماد سے کہا تھا کہ وہ میرا دوست ہے، مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ یہ وہ سعدی تھا جس کے یقین کے چہرے پہ ابھی وہ جوتے مار کر گیا تھا۔

سائرن اب قریب ہوتے سنائی دے رہے تھے۔ بجلی آ گئی تھی۔ گلی روشن ہو گئی تھی۔

سارہ ایک دم اٹھی اور باہر بھاگی۔ گیٹ پورا کھول دیا۔ پھولی سانس، تیز دھڑکن، اور بے جان ہوتے وجود کے ساتھ وہ تیز تیز دوڑ رہی تھی۔ نگاہوں میں ایک ہی منظر تھا۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش۔ وہ راستے میں دو جگہ گری۔ گھٹنے رگڑے گئے، ہتھیلیاں چھل گئیں، مگر وہ پھر سے اٹھ کر دوڑنے لگی۔ سائرن اب اسی گلی سے سنائی دے رہے تھے۔ لوگوں کی آوازیں بھی۔ ان کو سعدی مل گیا تھا۔ وہ مزید تیز دوڑتی گئی۔ یہاں تک کہ پارک کے قریب کھڑی اپنی کار تک پہنچ گئی۔ اندر بیٹھ کر، تیز تیز سانس لیتے اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

موبائل اگلی نشست پہ ڈالا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے تو وہ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ دل بند ہونے کو تھا۔

اور یہ تب تھا جب اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں' اور اسے احساس ہوا کہ اس کا پاؤچ اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

سارہ نے وحشیانہ انداز میں کپڑے جھاڑے' سیٹ پہ چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ گاڑی سے نکل کر دیکھا۔ پاؤچ ندارد۔ سعدی کی چابیاں' سعدی کا پین۔ اس نے کھو دیا تھا' مگر اس وقت سعدی زیادہ اہم تھا۔

آخر وہ صرف ایک پین ہی تو تھا!

اس نے لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اسے واپس اسی گلی میں جانا تھا اور ایک فاصلہ رکھ کر پولیس کی موبائل کا تعاقب کرنا تھا۔ وہ سعدی کو جب تک اسپتال پہنچتا نہیں دیکھ لے گی' اسے چین نہیں آئے گا۔

"پھر میں نے ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ اسے اسپتال لے گئے تو میں واپس آگئی۔ ان کے ریسٹورنٹ کال کر کے ملازم کو میں نے ہی بتایا کہ وہ کس اسپتال میں ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ گھر آکر میں کمرے میں بند ہو گئی۔ کپڑے بدلے۔ صبح کار کی سروس بھی کروائی۔ سارے نشان مٹا دیے۔ اسی صبح میں نے دو جمع دو کر لیے تھے اور مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وارث کو بھی ان ہی لوگوں نے مارا ہے۔" اپنے کمرے میں بستر پہ بیٹھی سارہ' جھکے چہرے اور آنسوؤں کے ساتھ بتا رہی تھی اور ذکیہ بیگم حق دق سنے جا رہی تھیں۔

"مگر وہ کون تھا؟ جس نے گولی چلائی؟"

سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نہیں بتا سکتی۔ ان لوگوں نے وارث کو بھی مارا' وہ میرے بچوں کو بھی مار دیں گے امی۔ اگر میں نے زمر کو بتایا تو وہ کہے گی کہ گواہی دو۔ میں گواہی نہیں دے سکتی۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے جیسے سعدی کو مارا ہے' وہ منظر مجھے نہیں بھولتا۔"

"مگر تم ان کو اتنا تو بتا دو کہ یہ کس نے کیا ہے؟"

"میں نے بتایا تو زمر کو پتا چل جائے گا کہ میں ہی وہ گواہ ہوں جس کو وہ لوگ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ وہاں کوئی تھا' مجھے حنین نے بتایا ہے۔ زمر کہے گی گواہی دو۔ وہ میری جگہ ہوتی تو دے دیتی گواہی۔ اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ہے' میری بیٹیاں ہیں۔ امی جب کوئی مر جائے تو واپس نہیں آتا۔ وہ لوگ کس طرح اسے اسپتال سے لے گئے۔ انہوں نے اس کو مار کر لاش بھی غائب کر دی ہو گی۔ وہ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی کریں گے۔" وہ نفی میں سر ہلاتی' روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم کا دل بھر آیا۔ انہوں نے اس کا شانہ تھپکا۔

"مگر زمر کہتی ہے وہ زندہ ہے۔"

"امی! زمر نے نہیں دیکھا تھا اسے سعدی کو قتل کرتے' میں نے دیکھا تھا اور اسے اسپتال میں نے پہنچایا تھا۔ آپ مجھے بزدل سمجھتی ہیں تو سمجھیں' مگر وہ میں ہوں جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اسے لے گئے۔ جتنی بے رحمی سے اس کو وہ مار رہا تھا اس کے بعد وہ اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ امی سعدی مر چکا ہے کیونکہ اس نے وارث کے قاتلوں کو کنفرنٹ کیا تھا۔ میں اگر سعدی کے قاتل کو کنفرنٹ کروں گی تو ہم سب بھی مریں گے۔" وہ ایک دم وحشیانہ انداز میں چلائی تھی۔ "مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے مگر میری بیٹیاں ہیں دو! اوپر۔۔۔ اور یہ لوگ جو سوشل میڈیا پہ سعدی کے نام سے تحریک چلا رہے ہیں' امی ان میں سے کسی کو عدالت آنا پڑے تو کوئی بھی نہیں آئے گا۔ ہر کوئی زمر نہیں ہوتا۔"

"اور وہ جو چیزیں سعدی نے تمہیں دی تھیں؟ وہ نہیں ملیں؟"

"نہیں' میں بعد میں دوبارہ اس علاقے میں گئی تھی۔ ہر وہ جگہ دیکھی جہاں سے گزری تھی۔ مگر میرا پاؤچ نہیں تھا۔ اس میں میری ایک رنگ تھی' پیسے تھے اور سعدی کی چابیاں بھی۔ پھر سعدی کی گمشدگی کے کوئی چار دن بعد میں اس زیر تعمیر مکان میں گئی۔ وہاں اوپر چھت پہ' جہاں میں نے چھپ کر پولیس کو فون کیا تھا وہاں اب بجری کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں نے بجری ہٹائی تو ایک کونے میں جہاں اس رات سیمنٹ کچی

تھی' اب پک کر سخت ہو چکی تھی' اس میں میرے
پاؤچ کے دو موتی اٹکے تھے۔"
ذکیہ بیگم کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔
"مطلب؟"
"میں نے وہیں رکھا ہو گا پاؤچ' سیمنٹ کچی تھی' وہ
اس سے چپک گیا۔ بعد میں کسی نے اسے کھینچ کر اتارا
تو موتی اندر ہی اٹکے رہ گئے۔ یہ پولیس کا کام نہیں
ہو سکتا تھا' کسی مزدور نے کیا ہو گا اور پھر اس جگہ بجری
ڈال دی۔ پاؤچ میں میرے پیسے تھے' ہیرے کی انگوٹھی
تھی اور وہ کی چین تھی۔ پھر میں اس گھر کے ٹھیکے دار
سے ملی' اسے بتایا کہ میں ایک وکیل ہوں اور ادھر میرا
پرس گرا تھا۔ اس نے کہا کہ دس ہزار دو تو پرس واپس
لا دے گا۔ میں نے دے دیے۔"
"پھر؟" ذکیہ بیگم دھیان سے سن رہی تھیں۔
"تین دن بعد میں دوبارہ گئی تو اس نے کہا کہ کسی
مزدور نے اٹھایا تھا پرس اور اس نے وہ مجھے واپس
کر دیا۔ اندر پیسے اور انگوٹھی ویسے ہی رکھی تھی۔ مگر
سعدی کی کی چین نہیں تھی۔"
"مگر وہ کہاں گئی؟"
"مجھے نہیں پتا' مگر کیا فرق پڑتا ہے امی؟ جب
سعدی نہیں رہا تو کیا فائدہ کسی دوسری چیز کا؟" وہ
گھٹنوں میں سر دیے کتنی دیر روتی رہی۔ پھر اس نے
چہرہ اٹھایا۔ آنسو پونچھے۔
"کچھ دن میں' میں جاؤں گی ان سے ملنے۔ مگر ابھی
نہیں۔ مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔" مگر ذکیہ
بیگم جانتی تھیں کہ چونکہ اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا
کر دیا ہے تو اب وہ جلد سنبھل جائے گی۔ وہ افسوس
سے اسے دیکھے گئیں۔
نہ وہ بہادر تھی نہ بزدل۔
وہ ایک ماں تھی۔

☆ ☆ ☆

میرے ہونے کی خود کوئی توجیہہ کر
مجھ کو لگنے لگا ہے کہ بے سود ہوں!

رات گہری ہو رہی تھی۔ رمضان کے باعث بتیاں
روشن تھیں۔ بڑے ابا لاؤنج میں وہیل چیئر پہ بیٹھے
تھے اور صداقت ان کے پیر کے ناخن کاٹ رہا تھا۔
تب ہی دروازہ کھلا تو ابا نے گردن موڑ کر دیکھا۔ زمر
اندر داخل ہو رہی تھی۔ فارس پیچھے تھا۔ دونوں کے
چہروں پہ ایک ہم آہنگ سا اطمینان بکھرا تھا۔ نیاز بیگ
کو گرفتار ہوئے دو گھنٹے ہی تو ہوئے تھے۔
"میں اپنے پرائیویٹ نمبر سے لوکل چینلز کو کال
کرنے جا رہا ہوں' صبح تک شہزا ملک کیس کے ملزم
کے پکڑے جانے کی خبر عام ہو گی۔ اے ایس پی کو اتنی
شہرت اور ہائپ ملے گی کہ پھر وہ نیاز بیگ کو باہر نہیں
آنے دے گا۔"
"اوکے۔" زمر نے سر ہلایا۔
اور بڑے ابا نے صرف دور سے دیکھا کہ وہ دونوں
سرگوشی میں بات کر رہے تھے۔ کوئی اطمینان سا تھا جو
ان کے رگ و پے میں اترتا گیا۔
صداقت فوراً" اٹھا۔ استری کے اسٹینڈ سے
فارس کی قمیص اٹھا لایا۔
"فارس بھائی' یہ جل گئی۔" قمیص سامنے کی۔
شرمندگی سے سر بھی جھکایا۔
زمر نے چونک کر قمیص کو دیکھا' اس کی تیوری
چڑھی' پھر ذرا اٹھی' "فوراً" ہی فارس کو دیکھا۔ (یہ ابھی
صداقت کو ڈانٹے تو سہی! میں اس کو۔۔۔)
"وہ بلیک والی پریس کر دو پھر۔" فارس نے بس ایک
نظر اس قمیص کو دیکھا' اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔
زمر کے لب ذرا کھل گئے۔ قدرے تعجب سے اس
نے فارس کو جاتے دیکھا۔
"اس نے کچھ بھی نہیں کہا؟"
صداقت نے بہت تسلی آمیز انداز میں ہاتھ
جھاڑے۔ "پچھلے ہفتے بھی ایک جلائی تھی' تب بھی
کچھ نہیں کہا تھا۔"
زمر کھول کر اس کی طرف مڑی۔ اگلے دس منٹ
تک صداقت نے سر جھکا کر اس کی صلواتیں سنیں
جن میں مسلسل "صداقت آپ کا دھیان کہاں ہوتا

ہے؟ آپ یہ اور آپ وہ۔" کی تکرار تھی۔ اور اوپر چڑھتے فارس نے سر جھٹکا تھا۔ (ملازم آپ ہے' اور شوہر تم ہے! یہ عورت کبھی سیدھی نہیں ہوگی)

چند منٹ بعد' زمر کے کمرے کی بتی بجھی تھی اور وہ بستر پہ لیٹی تھی۔ (فارس کمرے میں نہیں تھا۔) کھلی آنکھوں سے چھت کو دیکھتے' اس کے سامنے ایک منظر فلم کی طرح چل رہا تھا۔ چار سال پہلے۔۔۔ آفس میں بیٹھی زمر اور سامنے بیٹھے بصیرت صاحب' وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔

"فارس غازی کی گاڑی سے پولیس نے وہ رسّی ری کور کی ہے' جس کے ذریعے وارث غازی کا گلا گھونٹا گیا تھا۔"

"جی' فارس آیا تھا میرے پاس' اس نے کہا کہ اسے سیٹ اپ کیا گیا ہے۔" وہ فائل پہ لکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"زمر صاحبہ' یہ فارس کیسا آدمی ہے؟ مطلب کہ ایک ایوریج مجرم تو ایسے ثبوت گاڑی میں چھوڑ سکتا ہے' ہم روز ایسے بیسیوں کیسز دیکھتے ہیں مگر ایک کریمنلی اسمارٹ آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔"

زمر پین لبوں پہ رکھے کچھ دیر سوچے گئی۔ "سچ بتاؤں تو میں اس کو نہیں جانتی۔ کچھ مہینے مجھ سے پڑھا ہے اس نے' پھر بس کبھی سرِراہ ملاقات ہوگئی تو ہوگئی۔ کم گو ہے' ہاں اگر بولے تو نپی تلی بات کرتا ہے۔ سمجھ دار لگتا ہے مجھے' ذرا غصے کا تیز ہے' مگر۔۔۔ کریمنلی اسمارٹ ہے یا نہیں' ایسی باتیں تو کسی کے ساتھ رہ کر ہی پتا چل سکتی ہیں۔ اس لیے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ویسے ایک ایجنسی میں اچھی پوسٹ پہ ہے' ایسے ہی تو نہیں گیا ہوگا نا۔"

"میڈم ایجنسیز میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' فزیکل فٹنس بھی میٹر کرتی ہے' شخصیت بھی میٹر کرتی ہے' سب بہترین اور اسمارٹ نہیں ہوتے۔"

یہ زمر اور زرتاشہ کو گولی لگنے سے پہلے کی گفتگو تھی جو آج رات ویسے ہی اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔

(میں ایک مہینے سے اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ سعدی کو کھوئے ایک مہینہ ہوگیا اور یہ۔۔۔) اس نے گردن موڑ کر ٹیرس کی طرف دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ (اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ کتنی احتیاط سے ہر شے کا' ایک ایک چیز کا خیال رکھا۔ تو پھر یہ اپنے بھائی کو مار کر ثبوت گاڑی میں کیوں چھوڑے گا؟ پہلے تو تم اس کو نہیں جانتی تھیں' مگر اب جاننے لگی ہو' تو کیا ہے جو تمہیں کھٹکنے لگا ہے زمر؟) وہ سوچتی رہی۔

فارس اور زمر کے کمرے اور ندرت اور حنین کے کمرے کا ٹیرس مشترکہ تھا۔ وہاں ایک کین کا صوفہ بچھا تھا۔ فارس اس پہ بیٹھا تھا اور پاؤں لمبے کر کے ریلنگ پہ رکھے تھے۔ سامنے ہاشم کے کمرے کی بالکونی پہ نگاہیں جمائے وہ کچھ سوچے جا رہا تھا۔

"آپ ادھر کیوں بیٹھے ہیں؟" حنہ ساتھ آکر بیٹھی تو وہ چونکا۔ پھر ٹیک لگائے رکھے' بس گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل ہاتھ میں لیے' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' ساتھ آبیٹھی تھی۔

"یونہی۔"

"پھپھو نے کمرے سے نکال دیا؟" حنہ نے آنکھیں اس پہ جمائے' سنجیدگی سے پوچھا۔ فارس نے "اف" کہہ کر چہرہ واپس سامنے کر لیا۔

"یہ ہاں والا "اف" تھا یا "میری ذاتیات میں مداخلت نہ کرو" والا اف تھا؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔ مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔"

"مجھے بھی نہیں آرہی۔" اس نے ایک مایوس نگاہ سیل فون پہ ڈالی۔ (ہاشم کو کتنی دیر ہوئی' ٹیکسٹ کیا تھا' مگر کوئی جواب نہیں۔ سامنے اس کے کمرے کی بتی بھی بجھی تھی۔ گھر میں نہیں تھا شاید) اور گھٹنے ملائے ٹیک لگائے پیچھے ہو کر بیٹھی رہی۔

"سعدی اس وقت کیا کر رہا ہوگا حنین؟" وہ دور آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے تھکا تھکا لگتا تھا۔ حنہ کی آنکھوں میں اداسی بھر گئی۔ اس نے اپنا سر فارس کے کندھے پہ رکھ دیا۔

"میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔ میرا دم گھٹتا ہے۔" وہ

کہیں کسی جگہ محبوس ہوں گے اور ان کے مجرم آزاد گھوم رہے ہیں۔"

"اونہوں۔" فارس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "اب ان میں سے کوئی آزاد نہیں گھومے گا۔ جب تک میں زندہ ہوں، نہیں!"

"مجھے نہیں آتا اب کسی بات پہ یقین!"

اس نے بازو حنہ کے کندھوں کے گرد حمائل کر اس کے بال جھٹکے اور نگاہیں دور آسمان پہ جمائے کہنے لگا۔ "حنہ! کیا ہم لوگ تمہارے کچھ نہیں ہیں؟ کیا سعدی کے جانے سے تم ہم سے بھی الگ تھلگ رہا کرو گی؟"

وہ شرمندہ ہو گئی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر تم زمر سے ایسے بات کیوں کرتی ہو؟"

"آئی ریئلی ہیٹ ہر۔" خفگی سے قصر کو دیکھتی، وہ کہہ رہی تھی۔

"اونہوں۔ تم اس سے نفرت نہیں کرتیں۔ تم اس سے ناراض ہو۔"

حنین ناراضی سے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"تم سارا وقت کمرے میں کیوں بند رہتی ہو؟ ہمارے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتیں؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں ایک ناکام انسان ہوں۔ میرے اندر بہت سارا شر ہے۔ میں جب بھی کسی چیز میں ہاتھ ڈالوں گی، اسے بگاڑ دوں گی۔"

"مگر تم وہ تو کر سکتی ہو جو زمر نے تمہیں کہا ہے۔ یہ انتقام اور انصاف کا واحد طریقہ ہے۔"

"میں ان کے حکم کی غلام نہیں ہوں آپ کی طرح۔" اس نے خفگی سے فارس کے کندھے سے سر ہٹایا اور آگے ہو کر بیٹھی۔ "بھائی کہتا تھا، انتقام کے لیے چیونٹیاں بن کر کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک فیملی بن کر۔ ایسے نہیں ماموں کہ وہ جب چاہیں، مجھے آرڈر دے کر چلی جائیں۔ میری فیلنگز کا خیال رکھے بغیر۔ وہ کون ہوتی ہیں مجھے آرڈر کرنے والی؟" وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارے بھائی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ چیونٹیوں کی ایک ملکہ بھی ہوتی ہے؟"

ایک ثانیے کو ساری فضا ساکن ہو گئی۔ حنین بالکل ٹھہر گئی۔ وہ گردن تلے اب بازوؤں کا تکیہ بنائے نیم دراز، پرسکون سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو حنہ کا دل نرم موم ہونے لگا، مگر پھر اس نے گردن اکڑائی۔ (سامنے ہاشم کے کمرے کی بتی جلی تھی)

"وہ میری ملکہ نہیں ہو سکتیں۔ کبھی بھی نہیں۔ آپ مانیں ان کا حکم۔"

"تمہیں لگتا ہے میں اس کے حکم پہ چلتا ہوں؟"

"کیا میں دیکھ نہیں رہی؟ آپ وہی کر رہے ہیں جو وہ حکم دے کر چلی جاتی ہیں۔"

وہ ہولے سے ہنس دیا۔ حنہ کو اس کا ہنسنا اچھا لگا۔ کتنے عرصے بعد اس نے فارس کو ہنستے دیکھا تھا۔

"یہ جو تمہاری پھپھو جیسی عورتیں ہوتی ہیں نا، ان کو بہت تکنیک سے قابو کرنا پڑتا ہے اور میں وہی کر رہا ہوں۔"

حنہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "مطلب؟"

"مطلب کہ پہلے انہیں یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ ایک ملکہ ہیں، ہر فیصلہ ان ہی کا مانا جائے گا اور آپ صرف ان کی مدد کے لیے ہیں۔ پھر جب وہ آپ کی عادی ہو جائیں تو کنٹرول ان کے ہاتھ سے آہستہ آہستہ لے لیا جاتا ہے۔" وہ تکان سے مسکرایا۔

حنہ کے اندر کی ددھیالی محبت جاگنے لگی اور وہ خفگی سے اس کو سخت سنانے لگی تھی مگر تب ہی موبائل وائبریٹ ہوا۔ (آہ) وہ اسے شب بخیر کہتی اٹھ گئی، پھر جاتے جاتے مڑی۔ "مجھے موبائل لینا ہے، میرا اپنا فون۔ آپ لادیں گے؟ مگر پیسے امی دیں گی۔"

"ہاں، ایک فون خریدنے سے میں تو غریب ہو جاؤں گا۔"

"نہیں، پلیز! صبح امی آپ کو پیسے دے دیں گی، آپ لے لینا، ورنہ وہ ناراض ہوں گی۔"

"اپنی امی سے کہو، اتنا..." وہ رک گیا۔ سر جھٹکا۔

"اچھا صبح بات کرتے ہیں۔"
"شب بخیر ماموں۔" ہلکا سا مسکرا کر کہا تو وہ جواب دے کر پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼
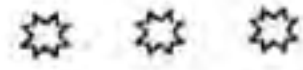
وہ جس کو بھلانے میں کئی سال لگے تھے
اک لمحۂ غفلت میں در آیا وہی لمحہ!

حنہ کمرے میں آئی۔ امی کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔ وہ فوراً اپنے بستر پہ آئی اور موبائل کھولا۔
"ہاشم" اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ سارے دن کی تھکن اتر گئی۔
"کہاں تھے آپ سارا دن؟"
"لڑکی! میں مصروف ہوتا ہوں۔" مسکراتی اسمائلی۔ "تم سناؤ کیا کیا آج؟"
"کچھ نہیں۔ بھائی یاد آتا رہا۔ ابھی ماموں کے ساتھ ٹیرس پہ بیٹھی تھی۔" وہ کروٹ کے بل لیٹی اندھیرے میں چمکتی اسکرین کو دیکھتی، لکھتی جا رہی تھی۔
"ہوں۔ کیا باتیں ہو رہی تھیں ماموں سے؟" ہاشم اپنے کمرے میں ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے، ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ کرتا جا رہا تھا۔ وہ دو، تین لوگوں کو ایک ہی وقت میں جواب دے رہا تھا۔
"وہ چاہتے ہیں ہمیں زمر کے کہنے پہ بھائی کا لیپ ٹاپ کھول دوں۔ مگر مجھ سے اب یہ کام نہیں ہوتے۔ جب بھائی کے کہنے پہ نہیں کیا تو زمر کے لیے کیوں کروں؟"
"سعدی نے کیا کہا تھا؟"
"ان کی کچھ فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں۔ مجھے کہا کہ کھول دو، میں نے نہیں کھول کر دیں۔ دل ہی نہیں کرتا تھا۔ پتا نہیں، صحیح کیا یا غلط۔"
ہاشم نے "اوکس اوکے" لکھ کر سینڈ کیا، کوٹ اتارا، گردن کی پشت کو ہاتھ سے دبا کر جیسے پٹھوں کو سکون پہنچایا۔ موبائل بستر پہ رکھا اور باتھ روم تک آیا۔ ٹب میں نل کھولا۔ پانی کی دھار گرنے لگی۔ اس نے باتھ سالٹس کا جار اٹھایا ہی تھا کہ یک دم رکا۔ ساری دنیا ساکت ہو گئی۔ پانی، جار، سب چھوڑ کر وہ تیزی سے واپس آیا اور فون اٹھایا۔
"کون سی فائلز کرپٹ ہو گئی تھیں؟" حنہ کے اگلے چار پانچ پیغام پڑھے بغیر ٹیکسٹ کیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
"بھائی کی کوئی آفس فائلز تھیں۔"
"وہ جو یو ایس بی میں تھیں؟" اس نے روشنی میں تیر چلایا۔ سامنے کی بات تھی۔
"جی۔۔۔! آپ کو کیسے پتا؟"
"ارے وہ سعدی نے تمہیں دیں؟ میں کب سے انہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ میں نے دی تھیں سعدی کو، مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں، اب کہاں ہے وہ فلیش؟" ادھر اس کے قدموں تلے سے زمین نکل رہی تھی۔
"میرے پاس ہے۔ سامان میں ہی پڑی ہے کہیں۔"
"تم مجھے ابھی لا کے دے سکتی ہو؟ بس دو منٹ کے لیے آؤ اور مجھے بالکونی میں پکڑا کر چلی جاؤ۔"
"ماموں ٹیرس پہ بیٹھے ہیں، مجھے شوٹ نہ کر دیں۔" یہ لکھتے کے ساتھ ہی اس کا دل خراب ہوا۔ (اگر ماموں کو پتا چلا کہ میں ہاشم بھائی سے اس وقت بات کر رہی ہوں تو وہ کیا سوچیں گے؟)
"اچھا۔" ہاشم رکا۔ "مجھے وہ کل ہی چاہئیں، صبح دے جاؤ گی فلیش؟"
"او کے۔"
"تم نے اسے کھول کر دیکھا؟ فائلز ری کور کیں یا نہیں؟"
"نہیں۔ میں نے ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ صبح لا دوں گی۔" وہ لکھتی جا رہی تھی۔ جب۔۔۔
"حنین۔۔۔ کس سے بات کر رہی ہو؟" امی نے اس طرف کروٹ لی، موبائل کی روشنی دیکھی تو اسے پکارا۔ حنین کا سانس رک گیا۔
"وہ۔۔۔ گیم کھیل رہی ہوں۔" ساتھ ہی جلدی جلدی "مجھے جانا ہے، بائے" لکھ کر وائی فائی آف کیا۔

"یہ ٹائم ہے فون استعمال کرنے کا؟ رکھو اور سو جاؤ۔ سحری کے لیے پھر اٹھتے وقت موت پڑتی ہے تم سب کو۔ اب نہ دیکھوں میں تمہارے ہاتھ میں موبائل۔" سختی سے اسے ڈپٹا تو وہ جلدی جلدی سارے میسج مٹاتی، فون بند کر کے چت لیٹ گئی۔ آنکھیں زور سے میچ لیں۔ "اف۔"

اگلی صبح آفس جانے سے پہلے، ہاشم سوٹ میں ملبوس، مکمل تیار، اپنی بالکونی کی سیڑھیاں اتر کر انیکسی تک آیا۔ (تسلی کرلی کہ فارس کی کار نہیں کھڑی۔) اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ صداقت نے کھولا تو اندر کا منظر بھی کھلتا چلا گیا۔ زمر پرس میں کاغذ اڑستی، تیار سی دروازے کی طرف آرہی تھی۔ پیچھے ندرت میز سے برتن اٹھا رہی تھیں۔ بڑے ابا بھی سامنے بیٹھے نظر آئے۔ اسے دیکھ کر سب رک گئے۔ وہ ہشاش بشاش سا مسکرایا۔

"گڈ مارننگ۔ صبح صبح آپ کو تنگ کیا۔ حنین کے پاس میری ایک فلیش تھی، وہ لینے آیا تھا۔" ندرت نے اسے اندر بلایا اور خود حنہ کو بلاتے اوپر گئیں۔

"کون سی فلیش؟" زمر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"میں نے سعدی کو کچھ فائلز دی تھیں کھولنے کے لیے، مجھ سے کھل نہیں رہی تھیں۔ اس نے کہا کھول دے گا، مگر وہ کرپٹ ہو گئیں شاید۔"

تب ہی حنین اوپر سے آتی دکھائی دی۔ نیند اسا چہرہ جس پہ دو چھینٹے مارے تھے۔ آنکھوں میں اسے دیکھ کر نراہٹ آگئی۔

"ہاشم بھائی!"

"حنین بچے! میری فائلز دی تھیں سعدی نے تمہیں۔" کن انکھیوں سے دیکھا۔ زمر آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

"جی میں لاتی ہوں۔" وہ تہ خانے کی طرف جانے لگی۔

مگر زمر نے اسے اشارہ کیا کہ ذرا تھمے۔ پھر ہاشم کی طرف مڑی۔

"کیا کلر تھا اس فلیش ڈرائیو کا؟"

"سوری؟" ہاشم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"مطلب، کس رنگ کا کور تھا اس یو ایس بی کا؟ حنہ کیسے ڈھونڈے گی اتنی ساری فلیش ڈرائیوز میں اگر اسے کلر ہی نہ پتا ہو تو؟" بڑے رسان سے بتایا۔ ہاشم کا دل چاہا، زمر کی گردن مروڑ دے مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنہ بول اٹھی۔

"وہ بلیک کلر کی ہے۔ پھپھو، مجھے پتا ہے وہ کون سی ہے، میں ابھی لاتی ہوں۔" ساتھ ہی خفگی سے زمر کو دیکھا جو ایک دم کلس کر رہ گئی تھی۔ وہ حنین کو روکنا چاہتی تھی مگر حنین اگلے ہی منٹ ایک سیاہ یو ایس بی لے آئی اور اسے ہاشم کی طرف بڑھایا۔

"یہ لیں۔" ہاشم مسکرا کر شکریہ کہتا، زمر پہ جتاتی نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اپنے کمرے میں واپس آکر اس نے جلدی سے اسے لیپ ٹاپ میں لگایا۔ اندر ایک ہی فولڈر تھا اور وہ لاکڈ تھا۔ لمبی لمبی اصطلاحات، نمبرز۔ اس کو کھولنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے یو ایس بی نکالی اور نیچے کچن میں آیا۔ کیبنٹ سے سل کا پتھر نکالا۔ اور اسے زور زور سے فلیش پہ مارا یہاں تک کہ وہ بالکل پچک کر رہ گئی۔ پھر اس نے اسے کوڑے دان میں پھینکا اور ہاتھ دھو کر واپس اوپر چلا آیا۔

ہر ثبوت مٹ گیا تھا۔ اب آج سے ایک نئے دن کا آغاز ہو گا۔ معصوم لڑکی، اسے اس لڑکی سے ہمدردی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

سزا کے طور پہ ہم کو ملا قفس جالب
بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا

ان سب سے دور، اسپتال کے اس کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وہ بستر پہ لیٹا تھا اور میری اس کے بازوؤں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔

"مجھے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے مگر تم جانتے ہو اگر تم باتھ روم سے پانچ منٹ کے اندر نہ نکلے تو مجھے باہر کھڑے گارڈ کو بلانا پڑے گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھا، پاؤں

زمین پہ رکھے، (آہ) تکلیف ہوئی۔ آنکھیں کرب سے بھینچیں۔ میری نے سہارا دینے کو اس کو شانے سے تھامنا چاہا، اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور آگے بڑھ گیا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا وہ باتھ روم تک آیا۔

دیوار کا سہارا لیتے وہ (آہ) درد سے لب بھینچتا، سنک تک آیا۔ بیسن کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اس نے چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔

ہونٹوں کا زخم بھر چکا تھا۔ چہرے کے نیل رنگ بدل چکے تھے مگر گال اور پیشانی کا زخم ویسا ہی تھا۔ گردن کی چوٹیں کم نظر آرہی تھیں۔

"میں نے کبھی ایسے مارا تھا تمہیں نوشیرواں۔ جو تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟" نل کھولا اور پانی دونوں ہاتھوں میں بھر کر چہرے پہ انڈیلا۔ "وہ لڑکی جس کے منگیتر نے تمہیں یونیورسٹی میں پیٹا تھا، کبھی اس کو تو پلٹ کر مارنے کی ہمت نہیں ہوئی تمہیں۔ یہ انتقام نہیں تھا نوشیرواں' یہ حسد تھا۔"

سرخ آنکھوں سے آئینے میں دیکھتے وہ بڑبڑایا۔ "میں بھی کچھ نہیں بھولا۔ تم میں سے ہر ایک کو حساب دینا ہو گا۔" چہرے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا۔ ان دنوں وہ سارا دن سوچتا رہتا تھا۔ بس ایک دفعہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ ایک نظر اپنی زخمی ٹانگ پہ ڈالی' دوسری پیٹ پہ جہاں قمیص کے اندر پٹی بندھی تھی۔ یہ دونوں زخم روز روز بہتر ہو رہے تھے۔ صرف یہ کندھے والا بار بار خراب ہو جاتا۔

"میں کہاں ہوں؟ اپنے گھر سے کتنی دور؟" اس کا دماغ بھٹکنے لگا' یک دم وہ چونکا۔ گردن گھمائی۔ کمرے میں تو کوئی کھڑکی نہ تھی مگر شاور کے اوپر ایک ننھا سا روشن دان تھا۔ ایک فٹ اونچا' دو فٹ چوڑا۔ پیچھے شیشہ تھا اور آگے سلاخیں۔ شیشے کے اوپر سیاہ پینٹ کر کے باہر کے منظر کو دھندلا کر دیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس روشن دان سے آدمی کیا' بازو بھی نہ گزر سکتا۔ اس لیے روز اس کو دیکھ کر وہ مایوس ہو جاتا تھا' مگر آج۔۔۔ بہتر ہوتی صحت نے ذہنی حالت بھی بہتر کر دی تھی۔ سعدی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ صابن' شیمپو' ٹشو پیپر۔ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اس باتھ روم میں۔

مگر اس نے زندگی سے یہ سیکھا تھا کچھ نہ ہو' تب بھی کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے۔

وہ تولیے کے اسٹینڈ تک آیا۔ تولیہ اتارا اور اسٹیل کا راڈ باہر کو کھینچا۔ ذرا سا زور' اور راڈ ہاتھ میں آگیا۔ اب وہ شاور تک آیا۔ گردن اٹھا کر اونچائی جانچی۔ اتنی اونچی نہیں تھی چھت۔ سلیپرز سے پیر نکالے اور ایک ہاتھ سے شاور کی نلی پکڑے اس نے نچلے نل پہ پیر رکھا۔ (آہ) زخم گویا ادھڑنے لگے۔ درد سے دانت سختی سے جمائے۔ کراہ روکی۔ اوپر چڑھا۔ دوسرا پیر گرم پانی کے نل پہ رکھا اور ہاتھ لمبا کیا۔ راڈ روشن دان کی سلاخوں کو چھونے لگا۔ سلاخوں کے پیچھے شیشے کا پٹ بند تھا اور اس کے کنڈے میں تالا سا لگا تھا۔ تالا نہیں توڑ سکتا تھا وہ' مگر۔۔۔

پوری قوت سے اس نے راڈ کا سرا شیشہ میں مارا۔ ایک' دو' تین۔۔۔

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میری کی غصے سے بھری آواز۔ پھر گارڈز کی دھاڑ۔ وہ کچھ سنے' سوچے بغیر' بار بار راڈ شیشے پہ مار رہا تھا۔ کندھے کا زخم ادھڑنے لگا تھا۔ درد بڑھ گیا۔ وہ مزید ضربیں لگاتا گیا۔ قوت پوری نہ لگا سکنے کے باعث ضرب زور کی نہ لگتی' اور کوشش بے اثر رہتی۔ کندھے سے خون رسنے لگا۔

اور تب ہی چھناکا ہوا۔ شیشے میں درمیان سے سوراخ۔ سعدی نے راڈ پھینکا۔ ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے' دوسرے سے کانچ کے ٹکڑے نکالے۔ ذرا سا روزن بنا۔

دروازے کا تالا ٹوٹا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ غصے میں اسے گالیاں دے رہے تھے۔

سعدی نے ایک نظر باہر چلچلاتی دھوپ کے منظر پہ ڈالی۔ وہ عمارت کی غالباً "سب سے اوپر کی منزل پہ تھا' اس لیے۔۔۔ یہاں سے گویا پورا شہر نظر آتا تھا۔ پھر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ آنکھوں میں وحشت اور حیرت اتر آئی۔

نیچے ایک گارڈ نے وہی راڈ اس کی ران کے زخم پہ ماری۔ اس کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکلی۔ وہ گرنے لگا تب ہی دوسرے نے کھینچ کر اسے نیچے اتارا۔ ہاتھ میں کانچ لگنے سے خون بہہ رہا تھا اور کندھے سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ نیم غشی سے گارڈز اسے گھسیٹتے ہوئے واپس لائے اور بیڈ پہ پٹخا' پھر سے اس کے بازو باندھنے لگے اور اس دوران وہ بستر پہ گرا' درد سے کراہتے ہوئے 'اونچا اونچا پوچھ رہا تھا۔

"میں کہاں ہوں؟ یہ کون سا شہر ہے؟ کوئی مجھے کچھ بتا تا کیوں نہیں ہے؟" کرب کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ میری نے ان گارڈز کو ڈاکٹر کو لانے بھیج دیا اور خود اس کے سرہانے آکھڑی ہوئی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں کہ دیر مت لگانا۔" سختی سے وہ بولی تھی۔ سعدی نے گیلی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"یہ کون سا شہر ہے؟ یہ میرا شہر نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے۔"

"یہ پوچھو کہ یہ کون سا ملک ہے۔"

اور اس کے الفاظ پہ سعدی ذوالفقار یوسف خان کا پورا وجود سُن ہو گیا۔ یک ٹک وہ میری کو دیکھے گیا۔

"بھاگنے کی کوشش بے کار ہے سعدی! کیونکہ یہ انڈیا ہے اور یہاں تم بغیر پاسپورٹ کے لائے گئے ہو۔ جس دن تم اس قید سے نکلو گے' تم ایک پاکستانی جاسوس کی طرح انڈیا کی گلیوں میں یونہی چھپتے پھرو گے اور وہ جلد یا بدیر تمہیں ڈھونڈ کر۔۔۔ خیر' تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں کہ بھارت میں ایک غیر قانونی طور پہ آئے ہوئے پاکستانی وہ بھی جو نیسکام کا سائنس دان ہو' اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ اس لیے دوبارہ یہ کوشش مت کرنا۔ یہ قید' بھارتیوں کی قید سے بہتر ہے۔" درشتی سے کہتی وہ واپس کاؤچ پہ جا بیٹھی اور سعدی بالکل سن سا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆
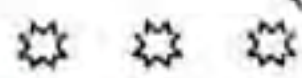
تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشین تھا

اس کو بھی اپنے خدا ہونے پر اتنا ہی یقین تھا

ہاشم کے آفس کے اندر ماحول میں وہی تناؤ تھا جو "دی سعدی یوسف" کے ذکر پہ چھا جاتا تھا۔ ہاشم کی کرسی خالی تھی' کوٹ اس پہ لٹکا تھا' اور خود وہ آستین موڑے' ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ میز کے سامنے کرسی پہ شیرو بیٹھا ہاتھوں میں ڈیکوریشن بال گھما رہا تھا۔ خاور قریب میں ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ نیاز بیگ نے اے ایس پی کی کزن کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اے ایس پی اس کو چھوڑنے پہ راضی نہیں' اور وہ اسے بلیک میل کر رہا ہے کہ وہ سعدی کے خاندان کو ساری حقیقت بتا دے گا۔"

ہاشم ٹہلتے ٹہلتے رکا' غصے سے خاور کو دیکھا۔

"سارے شہر میں ایک یہی کرائے کا آدمی ملا تھا تمہیں' جو اے ایس پی کا دشمن نکلے؟"

"اسے ایس پی نے پیش کیا تھا سر۔ اس رات وقت کم تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی کزن کا مجرم نکلے گا۔ اب معاملہ اس کے خاندان کا ہے۔"

"اور اگر جو اس نیاز بیگ نے کچھ بک دیا تو؟"

"وہ ہمیں جانتا ہے' نہ اے ایس پی کو ہمارا پتا ہے۔ میں درمیان والے فرد سے کہہ رہا ہوں کہ اے ایس پی سے کہے' نیاز بیگ پہ ہلکا ہاتھ رکھے مگر سرِ ہائی پروفائل کیس ہے۔۔۔ وہ لڑکی سعدی یوسف جیسے خاندان کی نہیں تھی۔ اس کا خاندان بارسوخ ہے۔ مگر بالفرض وہ کچھ بول بھی دیتا ہے تو بھی ہمارا ذکر نہیں آئے گا۔"

"رکو۔۔۔!" وہ چونکا۔ "اس میں فارس یا زمر کا ہاتھ تو نہیں؟"

"ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" خاور کو تعجب ہوا۔ "یہ کوئی الزام نہیں ہے۔ نیاز بیگ ہسپتال جا کر اس لڑکی کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ اور یہ کیس سعدی والے واقعے سے بھی پہلے کا ہے۔"

"اگر اس میں ان دونوں کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ ایک مہینے سے کر کیا رہے ہیں؟ میں نہیں مان سکتا کہ وہ ہاتھ

پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔" ہاشم نفی میں سر ہلا رہا تھا۔
"سر! میں ان پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ مگر وہ سعدی کو ڈھونڈ رہے ہیں اس کے حملہ آوروں کو نہیں۔ وہ روز مختلف ہسپتالوں مردہ خانوں سعدی کے جاننے والے دوستوں اور ہر اس جگہ جاتے ہیں جہاں سے اس کا کوئی سراغ مل سکے۔ وہ واقعی فارغ نہیں بیٹھے مگر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔" خاور جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا۔ وہ ان پہ ہلکی پھلکی نظر رکھے ہوئے تھا مگر اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی تلاش کی تگ و دو میں وہ در حقیقت کیا کر رہے تھے۔
"میرا دل نہیں مانتا کیا ان کو کسی سے بدلہ نہیں لینا یہ ان کا طریقہ نہیں ہے۔"
"سر! ان کے خیال میں سعدی زندہ ہے ان کا کہنا ہے ایک دفعہ وہ مل جائے پھر ہم ہر ایک کو دیکھ لیں گے۔"
نوشیرواں نے بے زاری سے سر جھٹکا (ہونہہ)
"سر! آپ کہیں تو میں باقاعدہ ان کا چوبیس گھنٹے تعاقب کروایا کروں؟ ان کے فونز بگ کر لیتے ہیں یوں ان کی ہر حرکت پہ نظر رہے گی۔"
"ابھی نہیں۔ ذرا ٹھہر کر دیکھو۔ ان کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ سعدی کے واقعے میں کوئی ہائی پروفائل شخص ملوث ہے۔" وا ہیے کو ذہن سے جھٹک کر وہ واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ خاور نے بھی سامنے والی کرسی کھینچی۔ شیرو اب موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ (زندگی سے کبھی سعدی نکلے گا بھی یا نہیں؟)
"اے ایس پی نیاز بیگ کو سنبھال لے گا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر سر وہ ڈاکٹر مزید رقم مانگ رہا ہے۔"
ہاشم کے ابرو بھنچے۔ چہرے پہ ناگواری پھیلی "کیا مطلب مزید رقم مانگ رہا ہے؟ اس کو اتنا کچھ دیا ہے اور کیا چاہیے اس کو؟"
"اسے اپنے پرائیوٹ ہسپتال کی بلڈنگ مکمل کرنی ہے بس آخری ٹچز ہیں دو تین ماہ میں ہسپتال کا افتتاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اندازہ ہے کہ اے ایس پی کسی بڑے آدمی کے لیے کام کر رہا ہے اس لیے وہ بھی بلیک میلنگ پہ اتر آیا ہے۔"
"اف!" ہاشم نے پیشانی مسلی پھر شیرو پہ نگاہ پڑی جو ٹھک ٹھک ٹائپ کیے جا رہا تھا۔
"دیکھ رہے ہو کس مصیبت میں ڈال دیا ہے تم نے مجھے۔"
شیرو نے بگڑ کر سر اٹھایا۔ "مصیبت کو ہسپتال میں ہی ختم کر دینا چاہیے تھا آپ کو۔ خوامخواہ اسے بچایا۔"
خاور نے تائیدی انداز میں گہری سانس لی "نوشیرواں صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"
ہاشم نے ہاتھ جھلایا "بکو مت ہر وقت دوسروں کا خون بہانے کی بات مت کیا کرو۔"
خاور چند لمحے کے لیے بالکل چپ ہو گیا پھر وہ آہستہ مگر مضبوط آواز میں بولا۔ "میرے تین بیٹے تھے سر جب ایجنسی والوں نے مجھ پہ الزام لگایا ان جرائم کا جو میں نے نہیں کیے تھے اور میں نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس بریگیڈیر نے اپنے آدمی بھیجے اور میرے بڑے دونوں بیٹوں کو سر بازار گولیوں سے بھون دیا۔ تب ایک گیارہ سال کا تھا اور دوسرا نو سال کا۔ وہ میری ساری زندگی کی کمائی تھی مگر ان کو مارتے وقت کسی نے رحم نہیں کھایا سو یو نو واٹ سر مجھے اب کسی دوسرے کی فیملی ٹوٹنے سے فرق نہیں پڑتا۔ سعدی یوسف کہتا ہے فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں بھی بے گناہ تھا سر۔ تب آپ نے اور آپ کے والد نے مجھے سپورٹ کیا اور مجھے اپنایا۔ میری آپ کے خاندان سے وفاداری غیر مشروط ہے اس لیے میں ہمیشہ درست مشورہ دیتا رہوں گا۔"
ہاشم ذرا ڈھیلا پڑا پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "تھینک یو خاور!" شیرو بھی چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا جس کے تاثرات سخت تھے۔
"بہرحال میں ایک پائی نہیں دے رہا اس ڈاکٹر کو۔ اے ایس پی سے کہو اپنے بندوں کو خود سنبھالے ورنہ ہم سنبھالنے پہ آئے تو دوسرے طریقے سے بات کریں

گے۔"

"خاور نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ گیا۔ ہاشم نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور ٹھوڑی مسلتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔"

نوشیرواں ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔ یکدم کھٹ کلا اس کی آنکھیں چمکیں، اسکرین پہ اس کے "کیا ہم مل سکتے ہیں؟" کے جواب میں شہرین کا پیغام بالآخر آگیا تھا۔

"ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر جواب ٹائپ کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼
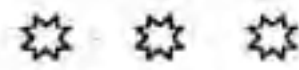
عجیب خواہش ہے میرے دل میں، کبھی تو میری صدا کو سن کر
نظر جھکائے تو خوف کھائے، نظر اٹھائے تو کچھ نہ پائے

رمضان کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا۔ انیکسی کے برآمدے کے آگے سبزہ زار پہ شام پھیل رہی تھی۔ ادھر لان چیئرز رکھی تھیں اور صداقت افطار کے برتن لگا رہا تھا۔ دوپہر میں بارش کے باعث موسم خوش گوار تھا۔ عموماً افطاری سب اندر کرتے تھے مگر آج مہمان تھے جن کے باعث یہاں گھاس پہ اہتمام تھا۔

سارہ، ذکیہ بیگم، امل اور نور۔ ان کے آنے سے پژمردہ سی انیکسی کھل سی اٹھی تھی۔ امل، نور، حنہ اور سیم برآمدے میں نظر آرہے تھے جبکہ سبزہ زار پہ رکھی کرسیوں پہ ذکیہ بیگم، ندرت سے باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں اور زمر کے قریب بیٹھی سارہ بالکل چپ تھی۔ اس نے سرخ لان کا جوڑا پہن رکھا تھا اور سرخ دوپٹہ سر پہ تھا، آنکھیں ویران سی تھیں۔

"دراصل میں تھر میں پھنس گئی تھی۔ کچھ کام بہت گڑبڑ ہوگئے تھے۔ مشینری وغیرہ کا مسئلہ تھا، جلدی آ نہیں سکتی تھی۔ پچھلے ہفتے واپس آئی ہوں۔" ذرا دیر بعد اس نے پھر سے زمر کو وضاحت دی۔

"اٹس او کے سارہ! آپ فون کرتی رہتی تھیں، یہی بہت ہے۔"

تب ہی زمر نے دیکھا کہ ہاشم چلا آرہا ہے۔ سارہ کی اس طرف پشت تھی، اس نے نہیں دیکھا۔ وہ غالباً ابھی آفس سے لوٹا تھا، سارہ کو دیکھتے ہی ادھر آگیا۔

"گڈ ایوننگ لیڈیز۔" مسکرا کر مخاطب کیا تو سارہ ایک دم چونک کر مڑی۔

ہاشم پیچھے کھڑا تھا۔ ذکیہ بیگم فوراً اٹھیں۔ وہ ان سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ سارہ کی رنگت زرد پڑتی گئی۔ پیشانی کی رگیں ابھرنے لگیں۔

"آئیں، ہاشم، بیٹھیں۔" ندرت نے اسے کرسی پیش کی۔

"میں رکوں گا نہیں، ڈاکٹر سارہ کو دیکھا تو چلا آیا۔ بہت عرصے سے آپ سے اور آپ کے بچوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیسی ہیں آپ؟" سارہ بمشکل کھڑی ہو پائی۔ نظریں ہاشم کے چہرے پہ جار کیں، تو اندر کوئی لاوا سا پکنے لگا۔ وارث کی پنکھے سے جھولتی لاش... پورچ میں گرا اسعدی... سرخ پانی...

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ سامنے آبیٹھا تو سارہ واپس بیٹھی۔ ساتھ ہی پرس میں ہاتھ ڈالا، اندر ایک ننھا سا چاقو رکھا تھا۔

"بچے کہاں ہیں آپ کے؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ زمر نے حنہ کو آواز دی۔ سارہ زمر کو روکنا چاہتی تھی مگر الفاظ گلے میں اٹک گئے۔ حنین، امل اور نور کو لیے باہر نکلی تو ہاشم کو دیکھا، چہرہ کھل اٹھا۔

"السلام علیکم!" حنہ نے مسکرا کر سلام کیا۔ اس نے بھی اتنے ہی مسکرا کر وعلیکم السلام کہا۔ نگاہیں ملیں تو ان میں کوئی راز چھپانے کا خاموش معاہدہ تھا۔ (اب حنہ کے پاس اس کا ذاتی سیل تھا، جو فارس اگلے دن لے آیا تھا۔ اس پہ پاس ورڈ لگا تھا اور اب اسے ہاشم کے پیغامات مٹانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ روز ہی بات ہو جاتی تھی۔)

"کتنے پیارے بچے ہیں آپ کے۔" اس نے ہاتھ بڑھایا تو امل اور نور شرماتی، مسکراتی، اس اسمارٹ اور ہینڈسم بندے کے قریب آئیں۔ سارہ نے پرس کے اندر چاقو پہ گرفت مضبوط کی۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا، سرخ ہوتی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں۔ وہ باری باری ان بچیوں کو پیار کر رہا تھا۔ ان سے اسکول اور پڑھائی کا

پوچھ رہا تھا۔

تب ہی ذکیہ بیگم نے اس کی دلی کیفیت سے یکسر بے خبر ندرت سے پوچھا۔ "سعدی کا کچھ پتا چلا؟"

سارہ کی نگاہیں ہاشم پہ جمی رہیں۔ اس نے امل کا نرم چھوٹا ہاتھ تھام رکھا تھا اور مسکرا کر اس کی بات سن رہا تھا۔ سعدی کے ذکر پہ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

سارہ نے چاقو چھوڑ دیا۔ پرس پرے رکھ دیا۔ پھر چہرہ ندرت کی طرف موڑا۔

"اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جنھوں نے سعدی کے ساتھ یہ کیا۔ اس کو گولیاں ماریں' اس کو مارا' پھر اسپتال سے غائب کر دیا۔"

امل کچھ بولے جا رہی تھی اور ہاشم مسلسل مسکراتے ہوئے اس کو سن رہا تھا۔ اسے اب بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"ندرت آپا! آپ دیکھنا' اس شخص نے جو آپ کے بچے کے ساتھ کیا ہے' اللہ اس کی اپنی اولاد کو بھی ایسے ہی تڑپا تڑپا کر مارے گا اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے تو اسے پتا چلے گا کہ کسی کے بچے کا خون بہانا کتنا دردناک ہوتا ہے۔"

اور سارہ کو کن اکھیوں سے نظر آیا تھا کہ ہاشم کاردار کے چہرے کی رنگت ایک دم متغیر ہوئی تھی۔ مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

"ایسے نہیں کہتے سارہ' بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔" ذکیہ بیگم نے ٹوکا تھا۔

ہاشم امل کی بات ختم ہوتے ہی بمشکل چہرے کو نارمل رکھے اٹھ گیا۔

"اچھا لگا آپ لوگوں سے مل کر۔" ایک برہم سی نگاہ سارہ پہ ڈال کر (جو ذکیہ بیگم کی طرف متوجہ تھی) وہ زمرے سے نہ رکنے پہ معذرت کرتا' آگے بڑھ گیا۔ خاموش بیٹھی حنین کا دل بجھ گیا۔

سارہ بہتر نظر آ رہی تھی جیسے دل کی کوئی بھڑاس نکلی تھی۔

گھر آتے ہی ہاشم نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا۔

"ہاں فرید۔۔۔! ایسا کرو اورنگ زیب کاردار کے نام کی مسجد اور مدرسے میں عید تک افطاری میری طرف سے بھجوایا کرو' پورے اہتمام سے بھجوانا' میری بیٹی کے نام سے' ہاں صدقے کے طور پہ۔ نہیں بیمار نہیں ہے' بس ویسے ہی۔ یو نو۔" کال بند کر کے اسے کافی سکون ملا۔ یہ ٹھیک ہے! ایسے سارے کھاتے کلیئر رہتے ہیں۔ کاروبار بھی چلاؤ اور اللہ کو بھی خوش رکھو۔ گڈ۔

☼ ☼ ☼

میری صدا ہوا میں بہت دور تک گئی
پر میں بلا رہا تھا جسے بے خبر رہا

ویک اینڈ کی شام آن پہنچی اور نوشیرواں کلب کے لاؤنج میں ایک کاؤچ پہ بیٹھا' بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس نے بلیک ڈریس شرٹ کی آستین ذرا موڑ کر رکھی تھی اور نیچے خاکی جینز تھی۔ بال کٹوا کر ان کی ڈیوڈ بیکھم سپائیکس بنائے' وہ کافی فریش اور اچھا لگ رہا تھا۔

"ہیلو شیرو!" وہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ سفید ٹائٹس پہ ایک کندھے کے بغیر والی شرٹ اور گلے میں سکوں کی مالا۔ کہنی پہ ٹکا برانڈڈ بیگ۔ شہرین مسکرا کر اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ پرس درمیان میں رکھا۔

"سوری مجھے دیر ہو گئی۔ اتنا ٹریفک تھا آج۔ پھر ماں کو ایک فنکشن پہ جانا تھا۔ انہوں نے مجھے بھی دیر کروا دی۔ تم کیسے ہو۔"

وہ مسکراتے ہوئے ساتھ بیٹھا۔ "اچھا ہوں۔ لاہور کا ٹرپ کیسا رہا؟"

"بس تھک گئی۔ ایک فنڈ ریزر تھا اور ایک سیمینار۔ تم سناؤ۔ گرمی زیادہ ہو گئی ہے نا آج کل؟"

چند فقروں کے بعد باتیں جیسے ختم ہو گئیں۔ خاموشی چھا گئی۔ قریب سے گزرتی کسی لڑکی نے شیرو کو ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ یہاں

سب ان کو جانتے تھے۔ پھر شیرو کی طرف گردن موڑی۔ "سعدی کا کچھ پتا چلا؟"

اور بس۔ مانو سارا موڈ ہی غارت ہو گیا۔

"نہیں۔" اس کے ابرو بھنچ گئے۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ اسے کسی نے قید کر رکھا ہو گا یا مار دیا ہو گا؟ تم نے دیکھا' اس کے پیج کے بیس ہزار Likes ہو چکے ہیں۔ اوہ' بے چارہ۔ چچ چچ۔" افسوس سے سر جھٹکا۔

نوشیرواں کے لیے مزید ضبط کرنا مشکل تھا۔ وہ گویا کھول کر اس کی طرف گھوما۔

"سعدی' سعدی' سعدی۔ جب بھی ہم ملتے ہیں' اس سعدی کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوتی آپ کے پاس۔ وہ مر کر بھی ہمارے بیچ میں کیوں ہے؟ بھول جائیں سعدی کو۔ مر گیا سعدی۔ جہنم رسید ہو گیا سعدی۔ اتنی مشکل سے جان چھڑائی ہے اس سے مگر آپ پھر اس کو درمیان میں لے آتی ہیں۔"

وہ غصے سے تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔ ارد گرد کے چند لوگوں نے گردنیں ان کے کاؤچ کی طرف موڑیں۔ شہرین ہکا بکا سی اسے دیکھے گئی۔ (اتنی مشکل سے جان چھڑائی اس سے۔۔۔ جان چھڑائی۔۔۔!)

"وہ تمہارا دوست تھا اس لیے۔۔۔" وہ اٹکی۔

"نہیں تھا وہ میرا دوست۔ زہر لگتا تھا مجھے۔۔۔ میں خوش ہوں کہ وہ نہیں رہا۔ بات ختم۔ کیا اب ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟" درشتی سے کہتا وہ پیچھے کو ہوا۔ نظر ایک لڑکے پہ پڑی جو پورا گھوم کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"اے۔ کام کرو اپنا۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" اس کو بھی جھاڑا۔ وہ فوراً" کھسک لیا۔ پھر ان ہی برہم تاثرات سے شہرین کو دیکھا جو ہنوز دم بخود تھی۔

"میں آپ سے سعدی کے بارے میں بات کرنے تو نہیں آتا پھر آپ ہمیشہ مجھے یوں ہرٹ کیوں کرتی ہیں؟" ذرا دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا تو غصہ ذرا کم تھا۔ شہرین نے جھرجھری لیتے ہوئے سامنے دیکھا۔

"اوکے! آئی ایم سوری۔ تم لوگ اچانک اس کے دشمن بن گئے ہو' میری معلومات اپ ڈیٹڈ نہیں تھیں۔ پہلے ہاشم نے اس کو اپنی پارٹی پہ بے عزت کیا۔" (سونیا کی سالگرہ یاد آئی۔) "اور اب تم کہہ رہے ہو کہ۔۔۔ خیر۔۔۔" گہری سانس لی اور اس کو دیکھا تو چہرے پہ قدرے رکھائی تھی۔ گھڑی سامنے کی۔

"کیوں بلایا تھا تم نے؟ کوئی کام تھا؟ مجھے جانا ہے ماں کو پک کرنے۔"

"آپ کو کہیں نہیں جانا' آپ صرف میری بات کا برا مان گئی ہیں۔" وہ ذرا ناراض ہوا۔

"کیا نہیں ماننا چاہیے؟"

"شہری! کیا ہم کبھی اپنی بات نہیں کر سکتے؟ کسی تیسرے فرد کو درمیان میں لائے بغیر؟"

شہری نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"ہمارے درمیان کون سی اپنی بات ہوتی ہے؟"

"آپ کو معلوم ہے' میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ ذرا آگے ہوا۔ چہرے پہ بے بسی تھی۔ "کیا ہم کبھی کبھی یوں مل نہیں سکتے؟ بات نہیں کر سکتے؟ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ یہ بات جانتی ہیں۔"

شہرین کی آنکھوں میں ایک دم بے حد حیرت چمکی۔

"شیرو! میں تمہاری بہت پروا کرتی ہوں' تم جانتے ہو۔ مگر۔۔۔ تم میرے شوہر کے چھوٹے بھائی ہو۔"

"سابقہ شوہر کے۔"

"۔۔۔ اور میری بیٹی کے انکل ہو۔ پھر تم مجھ سے عمر میں گیارہ' بارہ سال چھوٹے ہو۔ تمہیں مجھ سے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔" نرمی سے اسے ٹوکتی' وہ پرس اٹھانے لگی۔

شیرو کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ دکھ بھی ابھرا۔ "یہ باتیں بے معنی ہیں۔"

"اوکے شیرو! بہت ہو گیا۔" اب کے شہرین کی نگاہوں میں سختی اتری۔ "جو تم کہہ رہے ہو وہ بے معنی ہے۔ ہم رشتے دار ہیں اور اچھے دوست بھی۔ مگر اس سے آگے کا مت سوچنا۔ مجھے بہت برا لگا ہے تمہارا یوں کہنا۔" ڈپٹ کر بولتی وہ پرس اٹھائے کھڑی ہوئی اور

باہر کی طرف بڑھی۔ نوشیرواں پیچھے لپکا۔

"پھر مجھے بار بار استعمال کیوں کیا؟" وہ غصے اور بے بسی سے بولتا اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میری نرمی کا فائدہ کیوں اٹھایا؟"

"میں تمہیں صرف ایک اچھا دوست سمجھتی ہوں۔ مجھے نہیں پتا' باقی تمہارا ذہن کیا کیا گھڑ کر تمہیں دکھاتا رہا۔" وہ تیز قدموں سے چلتی باہر جا رہی تھی۔

"اگر میری جگہ سعدی یہ بات کہتا تو مان لیتیں آپ؟"

"تم دونوں ہی میرے لیے بچے ہو اور وہ ایسی بات کبھی نہ کہتا۔ میرا احترام کرتا تھا وہ۔" وہ باہر نکل گئی۔ کھلے لان میں اب وہ آگے جا رہی تھی۔ نوشیرواں رک گیا۔ بے بسی اور دکھ سے اسے جاتے دیکھا۔

"اس کو اتنا اچھا سمجھتی تھیں تو میرے سامنے اس کو اتنا برا کیوں کہا؟ آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ میں نے... میں نے کیا کیا آپ کے لیے..." وہ پیچھے سے چلایا تھا۔ شہرین کے قدم رکے۔ وہ گھومی۔ ہاتھ کا چھجا ماتھے پہ بنا کر دھوپ کے باعث' پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ گلابی چہرے کے ساتھ' آنکھوں میں پانی لیے غصے اور صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گیٹ اے لائف' شیرو!" وہ واپس پلٹ کر آگے بڑھ گئی' اس خیال کو ذہن سے جھٹکتی جو نوشیرواں کے الفاظ اور انداز اسے بتا رہے تھے۔ کچھ عجیب سا تھا اس کے سرخ بھبھوکا چہرے پہ اس وقت۔ وہ کسی اعتراف سے چند لمحوں کی دوری پہ تھا۔

☆ ☆ ☆

دیکھتا ہوں سب شکلیں' سن رہا ہوں سب باتیں

سب حساب ان کا' میں ایک دن چکا دوں گا

فوڈلی ایور آفٹر پہ گاہکوں کا معمولی رش تھا۔ ندرت کاؤنٹر کے ساتھ رکھی میز پہ کچھ بلز وغیرہ دیکھ رہی تھیں۔ ان کا خول جو سارہ اور بچیوں کے آجانے سے ذرا چٹخا تھا' پھر سے واپس پتھر بن گیا تھا۔ قریب سے

جنید ٹرے اٹھائے گزر رہا تھا۔ تب ہی راستے میں اچانک سے گل خان آکھڑا ہوا۔

"کیا ہے؟" جنید نے بدقت کوفت چھپائی۔ (سعدی کا لاڈلا۔ ایک مہینہ پشاور میں گزار کر یہ واپس آگیا تھا۔)

"جنید بھائی! یہ تم سعدی بھائی کی پھپھو کے لیے لے جا رہے ہونا؟" ٹرے میں کافی کے مگ کی طرف اس نے اشارہ کیا۔ "یہ ہمیں دے دو' ہم لے جائے گا۔ دے دو بھائی!" جنید نے ایک بے بس نگاہ ندرت پہ ڈالی جو بے نیاز بیٹھی کام کر رہی تھیں اور ٹرے اسے تھمائی۔ "خود منہ نہ لگانا۔"

"ایسا کوئی مفت خورہ سمجھ رکھا ہے تم نے ہمیں بھائی؟ لاحول ولا قوۃ" بگڑ کر کہتا ٹرے اٹھائے سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ جب اوپر دروازے تک پہنچا تو نیچے جھانکا۔ جنید ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے مگ سے گھونٹ بھرا۔ (آہ' اس ریسٹورنٹ کی لذیذ کافی) اور ہونٹ صاف کرتے' سنجیدہ چہرہ بناتے دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔ سامنے منظر سا کھلتا گیا۔

اوپر والا کمرہ اتنا ہی کھلا تھا جتنا نیچے ریسٹورنٹ تھا مگر فرش خالی تھا۔ دو دیواریں شیشے کی تھیں جن کے پار اندھیرے میں جگمگاتے شہر کی بتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک بڑی میز پہ کاغذ اور فائلز بکھری تھیں۔ فارس پشت کیے کھڑا ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ ساتھ ہی کرسی پہ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی' نفی میں سرہلاتی کہہ رہی تھی۔

"اب سرد شاہ کو دیکھنے کا وقت ہے' میرا خیال ہے۔" آہٹ پہ گردن گھمائی تو گل خان کو آتے دیکھ کر نرمی سے مسکرائی۔ ہاتھ بڑھا کر مگ اٹھایا۔

"ارے گل خان! تم اتنا عرصہ کہاں تھے؟" وہ سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں آجاتا تھا' پھر درمیان میں مہینہ بھر نہ آیا تھا۔ فارس نے پلٹ کر بس ایک نظر ڈالی۔

"باجی ام پشور گیا ہوا تھا۔ امارا بابا کا چچا زاد بھائی مر گیا تھا۔" ہاتھ جھلا کر کہتا' وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھا۔ وہ

بارہ تیرہ سال کا، پھولے سیب سے گالوں اور بھورے بالوں والا پٹھان لڑکا تھا۔ شلوار قمیص پہنتا اور پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھتا۔ سر پہ پشاوری ٹوپی تھی۔

زمر جو بغور کافی کے مگ کو دیکھ رہی تھی، اس بات پہ نظریں اٹھائیں۔ "بہت افسوس ہوا۔ ویسے یہ کافی بہت ٹیسٹی ہے، ہے نا؟" کپ لبوں سے لگاتے مسکرا کر پوچھا۔ گل خان نے بے اختیار تھوک نگلا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بات بدلنے کی غرض سے جلدی سے بولا۔

"باجی! تم ادھر کیا کر رہی ہو؟"

"نیچے کسٹمرز ہوتے ہیں، اور مجھے کام کرنے کے لیے جگہ چاہیے تھی۔ اوپر والا ہال ویسے بھی رینوویشن کے لیے بند پڑا تھا، سو بھابھی نے مجھے دے دیا۔"

"اچھا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "سچ باجی، اس دن ام حیات آباد میں اپنے چاچے کی دکان پہ بیٹھا تھا، تو ہمیں یاد آیا۔ جب سعدی بھائی کھویا تھا اور تم ادھر سارے ملازموں سے پوچھ رہی تھی کہ بھائی کا کسی سے جھگڑا تھا یا دشمنی تو نہیں تھی، تو واللہ باجی، اس دن یاد آیا۔ ایک دفعہ بھائی کا ادھر ہلکا سا جھگڑا ہوا تھا۔" ریسٹورنٹ کے باہر کی سمت اشارہ کیا۔

وہ جو دیوار پہ لگی تصویریں دیکھتے، کچھ سوچ رہا تھا، چونک کر گل خان کو دیکھنے لگا جو زمر کے سامنے بیٹھا بتا رہا تھا۔ زمر نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

"کس سے ہوا تھا جھگڑا؟"

"ایک آدمی تھا، اس کی مہنگی سی ڈبہ گاڑی تھی، بوت مہنگی والی۔ پتا ہے اس کی گاڑی کی۔۔۔"

"جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟" فارس نے ٹوکا۔

"ہمارے اوپر ہوا تھا!" اس پٹھان ہیلن آف ٹرائے نے فخر سے سینے پہ ہاتھ مارا۔

"وہ ہم کو کچلنے والا تھا مگر ابھی ہماری زندگی باقی تھی، ہم بچ گیا۔ وہ نکلا اور ہمیں انگریزی میں ڈانٹا۔ تب ہی سعدی بھائی نکل کر آیا اور اس کو بھی انگریزی میں کوئی لمبی سی بات کہی۔ پھر وہ کار میں بیٹھا اور چلا گیا۔"

"اور جھگڑا کب ہوا؟ مطلب دونوں نے ایک دوسرے پہ ہاتھ اٹھایا؟ گالیاں دیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ گل خان کو اپنی روداد ایک دم ہلکی لگنے لگی۔ ذرا ڈھیلا پڑا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا مگر جو اس نے انگریزی میں بولا۔۔۔"

"تمہیں انگریزی آتی ہے؟" فارس نے پھر ٹوکا۔

گل خان کی غیرت اور حمیت پہ گویا تازیانہ پڑا۔ تلملا کر گھوما۔

"گل خان پانچویں فیل سہی، مگر جھگڑے والا لہجہ خوب سمجھتا ہے۔" غصے سے کان سرخ ہوئے تھے۔

"اچھا یہ بتاؤ۔" زمر نے بچے کی عزت رکھنی چاہی۔ "وہ کون تھا؟ کیسا لگتا تھا؟"

گل خان نے ایک "ہونہہ" والی نظر فارس پہ ڈالی، فلمی اداکارہ کی طرح سر جھٹکا اور باجی کی طرف متوجہ ہوا۔ (یہ ملکہ کی آن بان والی باجی اسے بہت اچھی لگتی تھی اور اس کا شوہر اتنا ہی برا۔ ہونہہ) "اب اتنا شکل نہیں یاد مگر ایسے لش پش کپڑے تھے، بال اوپر کھڑے تھے، اور ہونٹوں سے نیچے یہ چھوٹی سی داڑھی تھی۔"

"فرنچ کٹ؟"

"ہاں وہی۔ اور۔۔۔ باجی اس کا گاڑی بوت مہنگا تھا۔ کوئی چار پانچ کروڑ کا ہوگا۔" زمر نے گہری سانس لی۔ بچہ اب لمبی چھوڑ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے چار پانچ لاکھ؟"

"نہیں باجی، چار پانچ لاکھ کا تو تین چار گاڑیاں گل خان بھی خرید لے، اس کا گاڑی کروڑوں کا تھا۔ سعدی بھائی نے خود بتایا تھا۔" اس نے ذرا بے بسی سے زور دیا۔ زمر اب اس کو جانے کا کہنے لگی تھی کہ فارس ایک دم چونکا۔

"ایک منٹ۔۔۔ کار کا رنگ کیا تھا؟"

"سفید!" اس کی آنکھیں چمکیں۔ فارس اور زمر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو شیرواں کی رولز رائس!" ایک دم ذہن میں جھماکا ہوا۔

مگر جب جنید کو بلایا تو اس نے عام سے انداز میں سارا قصہ دہرایا۔

"فارس بھائی، کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا تھا۔ یہ بچہ انتہائی بدتمیز اور شرارتی ہے۔ اس کی گاڑی کے نیچے آنے لگا تھا۔ غلطی اس شخص کی نہیں تھی۔ سعدی بھائی باہر گئے اور جا کر اس سے صرف بات کی۔ میں ذرا دور تھا، سنا نہیں مگر آدمی غصے میں لگتا تھا، ظاہر ہے، بچہ مرتے مرتے بچا تھا۔ سعدی بھائی نے بس ٹھنڈے طریقے سے اسے دو چار باتیں کہیں، وہ پلٹ کر چلا گیا۔ جواب میں کچھ بھی کہے بغیر۔ میں نے بعد میں پوچھا کہ یہ کون تھا۔ سعدی بھائی نے کہا میرا پرانا دوست ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے، میں دیکھ لوں گا۔" فارس نے بے تاثر سے انداز میں ان دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔ گل خان نے ایک پُرامید نگاہ زمر پہ ڈالی جو کچھ سوچ رہی تھی، اور پھر دوسری (شدید کینہ توز اور رقابت سے بھری) نظر فارس پہ ڈالی اور پھر بے دلی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ریسٹورنٹ کے باہر اپنے پھولوں کے اسٹال کے ساتھ آ کر وہ کھڑا ہوا تو سخت کبیدہ خاطر لگ رہا تھا۔

"ہمارا بات کا تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، سارا بات باجی اسی فارس بھائی کا سنتی ہے، ہر روز شام کو ادھر آجاتا ہے، ہونہہ!" غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ پھر احتیاط سے لباس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا تو چہرے پہ غصے کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا۔

"وہ شکل کا اچھا ہے تو کیا ہوا، گل خان بھی کسی سے کم نہیں۔ اب جب تک یہ باجی کے پاس رہے گا، ہم بھی یہ ہیرے والا چابی باجی کو نہیں دے گا۔" مٹھی کھول کر دیکھی تو اس میں سیاہ مصنوعی ہیرے والی کی چین تھی جس پہ Ants Everafter لکھا تھا اور اس میں چابیوں کے ساتھ ایک سلور پین بھی نتھی تھا۔ گل خان نے چند لمحے افسوس سے سعدی کے کی چین کو دیکھا اور پھر اسے احتیاط سے واپس اندرونی جیب میں رکھ کر جیب کی زپ بند کر دی۔ ایک کینہ توز نظر اوپر ریسٹورنٹ پہ ڈالی اور پھر سر جھٹک کر اسٹال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد چند لمحے وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے تھے۔

"سونیا کی سالگرہ والے دن بھی شیرو نے سعدی سے تلخ کلامی کی تھی، میں درمیان میں آیا تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔"

"خیر، وہ اس کا دوست تھا۔ دوستوں میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔" وہ کہنے کے ساتھ فون پہ نمبر ملا رہی تھی۔ فارس خاموش ہو گیا، مگر وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"نوشیرواں! میں زمر بات کر رہی ہوں۔۔۔" گہری سانس لی۔ "میں اب ڈی اے نہیں ہوں۔ آپ مجھے صرف مسز زمر کہہ سکتے ہیں۔ اچھا آپ گھر پہ ہیں؟ اوکے، میں تراویح کے بعد گھر آجاؤں گی، مجھے آپ سے ملنا ہے۔" اور موبائل کان سے ہٹایا۔ فارس سینے پہ بازو لپیٹے، میز کے کنارے سے ٹیک لگائے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہ سعدی کا دوست ہے، میں اس پہ شک نہیں کر رہی مگر ہو سکتا ہے وہ سعدی کے مزید دوستوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔ وہ لڑکی جو سعدی کے ساتھ تھی مبینہ طور پہ شاید وہ اس کو جانتا ہو۔ وہ کچھ تو چھپا رہا ہے۔"

"ویسے وہ الٹی کھوپڑی کا بگڑا ہوا بچہ ہے، اس کا دماغ اتنی دور تک نہیں جایا کرتا۔ پھر بھی آپ اس سے یہ بات کلیئر کر لیجئے گا۔" اس نے عادتاً "اسٹکی نوٹس" کا پیڈ اٹھایا، قلم سے اس پہ لکھا۔۔۔ "گل خان، ڈبہ گاڑی، نوشیرواں۔" اردو میں یہ الفاظ لکھ کر اس نے میز کے کونے پہ چپکا دیے تاکہ زمر کو یاد رہیں اور خود مڑ کر دیوار کی طرف چلا گیا۔

"ہم اے ایس پی کی بات کر رہے تھے۔ فارس، اب ہمیں اس کو کارنر کرنا چاہیے۔"

"نہیں، پہلے ڈاکٹر بخاری۔" اس کا انداز قطعی تھا۔

"وہ سرجن جس نے سعدی کا آپریشن کیا تھا؟"

"وہ اس رات ڈیوٹی پہ نہیں تھا، سعدی کو اسپتال

لانے کے بعد وہ اچانک سے آیا اور ٹیک اوور کر لیا۔ اسی نے وارڈ بوائز بھیجے اور اسی نے سعدی کو اسپتال سے نکلوایا ہے۔ وہ راہداری جس کی اصلی فوٹیج نکال کر ایک ہی کلپ بار بار دہرایا گیا ہے' میں نے اس ملحقہ دو راہداریوں کی فوٹیجز چیک کی ہیں۔ وہ لوگ باری باری وہاں مڑے ہیں۔ ایک اے ایس پی' اور دوسرا وہ ڈاکٹر۔ یعنی اے ایس پی نے ڈاکٹر کے ساتھ اس کاریڈور میں باتیں کی تھیں اور بعد میں وہ فوٹیج مٹا دی تاکہ پتا نہ چل سکے کہ ان دونوں نے مل کر یہ کام کروایا ہے' اس لیے پہلے 'ڈاکٹر!'"

"تم نے کہا تھا کہ ہر چیز میری مرضی سے ہوگی۔"

"سب آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"آپ کو سعدی واپس چاہیے یا نہیں؟" وہ چپ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے' پہلے ڈاکٹر سہی!" قلم انگلیوں میں گھماتی وہ خشک لہجے میں بولی۔ کام اپنی جگہ' گریز اور اعراض اپنی جگہ۔ "اگر مجھے ــــــ اس کے لیے تمہاری مخلصی کا یقین نہ ہوتا تو میں کبھی بھی تمہاری بات نہ مانتی' اور...." قلم گھماتی انگلیاں تھمیں۔ نگاہیں میز کنارے چپکے نوٹ پہ جا ٹھہری تھیں جو فارس نے ابھی لگایا تھا۔

"گل خان' ڈبہ' گاڑی' نوشیرواں۔" اس نے ان الفاظ کو پڑھا ایک دفعہ' دو دفعہ.... شاید دس دفعہ' نگاہ اٹھا کے فارس کو دیکھا' پھر ان الفاظ کو۔ پھر نوٹ اتار کر مٹھی میں دبایا۔ پرس اٹھایا' اور ایک عجیب سی نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ فارس نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

(اب اسے کیا ہوا؟ پھر تو نہیں دماغ الٹ گیا؟)

☆ ☆ ☆

کیا روز تماشا کہ نیا خواب' نیا غم
مرنے کی جو ٹھانی ہے تو اک بار میں مر بھی

قصر کاردار میں ڈنر ٹیبل خوب صورتی سے سجی تھی۔ سب کھانا کھا رہے تھے جب زمر کا فون آیا تھا۔ نوشیرواں نے موبائل بند کیا تو ہاشم اور جواہرات اسی کو دیکھ رہے تھے۔

"زمر تم سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"

"پتا نہیں۔" شیریں کے صبح والے برتاؤ کے بعد وہ جو بدقت سنبھلا ہوا لگ رہا تھا' اس کال پہ رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ نگاہیں جھکا لیں۔ ہاشم نے نیپکن موڑ کر میز پہ ڈالا اکتاہٹ اور بےزاری سے۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"ہاشم! کیا ہو رہا ہے؟" سنگین نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا تو ہاشم کرسی دھکیل کر اٹھا۔ "میرے کمرے میں آئیں۔" ساتھ ہی ڈیوٹی پہ کھڑی فیونا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً" پلٹ گئی۔

"ہاشم! تم...."

"میرے کمرے میں آئیں ممی۔" ایک ملامتی نظر نوشیرواں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں بےزاری اور تلملاہٹ سے اٹھا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ہاشم کے بند دروازے کے پیچھے کا منظر قطعاً" خوش گوار نظر نہیں آ رہا تھا۔ نوشیرواں بیڈ کے کنارے' بےزاری سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ہاشم کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے براجمان تھا اور جواہرات.... وہ جلے پیر کی شیرنی کی طرح آگے پیچھے چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کی رنگت سفید اور سرخ کے درمیان بدلتی رہتی اور آنکھوں میں صدمہ' بےیقینی' غصہ سب کچھ تھا۔

"تم...!" رک کر نوشیرواں کو گھورا اور تین انگلیوں سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ شیرو نے (اونہوں) منہ پرے ہٹایا۔ "تم انتہائی احسان فراموش انسان ہو۔ اس نے جان بچائی تھی تمہاری اور تم نے اس کو مار دیا؟ اور تم؟" پلٹ کر شعلہ بار نظر ہاشم پہ ڈالی۔ "اگر وہ مر رہا تھا تو کیا ضرورت تھی اس کو اتنے تردد سے وہاں سے نکالنے کی؟" وہ اتنی دیر سے بول بول کر اب ہانپنے لگی تھی۔

"اس کو مرنے دیتا اور شیرو کو قاتل بنا دیتا؟ کیا یہ

اتنے بڑے گلٹ کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتا تھا؟" وہ بھی برہم ہوا۔ (شیرو کچھ بڑبڑایا۔)

"اور مجھے بتانے کا کب ارادہ تھا؟ تھا بھی یا نہیں؟"

"اوکے ممی! بہت سن لیا میں نے۔ اب بس کریں۔ بیٹھیں اور سوچیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ زمر شیرو سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟"

"تم مجھے بتاؤ گے کہ اب کیا کرنا ہے؟" وہ غرائی تھی۔ "اس گھر کی اس امپائر کی ملکہ میں ہوں' یہ فیصلے میں کرتی ہوں کہ کون کیا کرے گا۔ سمجھے تم!" ہاشم گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"یہ سنبھال رہے ہو تم چیزیں کہ ابھی ڈیڑھ ماہ نہیں ہوا اسے کھوئے اور زمر کو اس پہ شک ہو گیا ہے۔" ملامتی نظران دونوں پہ ڈالی۔ اس کو کسی پل سکون نہیں آرہا تھا۔

"شیرو پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ یہ اس وقت دبئی میں تھا' اس کے پاسپورٹ پہ مہر ہے۔"

"اس گھر کے ملازموں کی آنکھوں پہ تو مہر نہیں تھی۔ کس کس نے دیکھا تمہیں اس روز گھر پہ؟ بولو شیرو!" اس کے سر پہ کھڑی غرائی تو وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔

"فیونا نے... اور...." رکا... ذرا سوچا۔ "میں رات کمرے میں بند رہا۔ فیونا آئی تھی پھر صبح میں' ہاشم بھائی اور آپ آفس کے لیے جلد نکل گئے تھے۔ گیٹ کے دونوں گارڈز نے دیکھا اور ہاں' ڈائننگ ہال میں...."

"فہرست مت بتاؤ' مجھے معلوم ہے اس صبح ڈیوٹی پہ کون کون تھا۔ فیونا قابل بھروسا ہے مگر اس کے علاوہ' سب کو میں فائر کر کے دوسرے شہروں میں اچھی نوکریاں دلوا دوں گی۔ اگلے ماہ سے ہم نیا اسٹاف رکھ رہے ہیں۔" وہ رکی۔ "فارس نے تو نہیں دیکھا تمہیں؟"

اور ایک دم نوشیرواں سیدھا ہوا۔ اسے یاد آیا۔

"زمر... ڈی اے... اس نے دیکھا تھا مجھے۔" سفید پڑتے چہرے کے ساتھ شیرو نے دونوں کو دیکھا۔ "ہاشم بھائی' ان کی شادی کی صبح ان کے گھر سے جب نکلے تو میں ادھر بالکونی میں کھڑا تھا۔ وہ باہر نکلی تو اس نے مجھے دیکھا تھا اور وہ...." اسے سب سمجھ میں آنے لگا۔ "اس دن جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کی شادی سے پہلے ہی دبئی جا چکا تھا تو وہ...." اور پوری بات سن کر ہاشم کا دماغ گھوم گیا۔

"یہ بات زور دے کر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرے خدایا! نوشیرواں میں تمہارا کیا کروں۔" موبائل اٹھاتے ہوئے وہ کھڑا ہوا۔ "میں زمر کے پاس تمہارے ساتھ جاؤں گا اور بات سنبھال لوں گا' اگر...."

"بالکل نہیں...." جواہرات سلگتی نظروں سے اسے گھورتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اس کو بے بی سٹ کرنا چھوڑ دو ہاشم.... اس کو اپنے مسئلے خود حل کرنے دو۔ وہ اکیلا جائے گا اور وہ خود زمر کو کنوینس کرے گا' وہ ایک کاردار ہے' اگر وہ سعدی کو گولی مار سکتا ہے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

ہاشم شدید بے چینی کا شکار ہوا۔ "مگر ممی.... زمر کو شک...."

"نوشیرواں کو اب عادت ڈالنی ہے ہاشم' اپنے بگڑے کام خود سنبھالنے کی۔" وہ اس کی طرف آئی اور ان ہی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ "زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم اپنے مسئلے خود سنبھال سکتے ہو؟"

"جی۔" شیرو نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے اور ایک دفعہ پھر۔" باری باری دونوں کو گھورا۔ "لعنت ہے تم دونوں پہ!"

زمر کار کھڑی کر کے گھاس پہ اتری ہی تھی کہ "مسز زمر!" کی آواز آئی۔ وہ جو کسی اور دھیان میں تھی' پلٹی۔ نوشیرواں چلا آرہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ تھے اور چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"اوہ نوشیرواں۔" اسے اس سے بات کرنی تھی۔ ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ فراموش کر گئی۔ وہ قدم قدم چلتا قریب آیا۔ سبزہ زار تاریک تھا' انیکسی کے برآمدے کی

بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ بالکل سامنے آیا تو چہرہ روشنی میں آیا۔
"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ دراصل۔" وہ رکا۔ زمر ٹھہر کر سننے لگی۔
"میں نے اس دن آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں آپ کی شادی کی رات دبئی گیا تھا۔" اس کے چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر تھا۔ "میں آپ کی شادی کے وقت ادھر ہی تھا' ان فیکٹ اگلی صبح بھی ادھر ہی تھا۔ جب بھائی آفس گیا' تب میں اپنا سامان پیک کرکے نکلا تھا۔"
"مجھے معلوم ہے مگر آپ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟" اس نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے شیرو کو دیکھا۔
"کیونکہ آپ نے مجھے بالکونی میں دیکھ لیا تھا' اسموکنگ کرتے ہوئے۔" نگاہیں پشیمانی سے جھکائیں۔ "میں سگریٹ نہیں پی رہا تھا۔ وہ ڈرگز تھیں۔"
"اوہ!" اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ "آپ ڈرگز استعمال کرتے ہو؟"
"پلیز' ممی یا بھائی کو مت بتایئے گا۔ بھائی مجھے جان سے مار دے گا۔ اسی لیے میں نے آپ سے جھوٹ بولا۔ آپ ممی کو بتادیں گی' مجھے یہی ڈر تھا۔"
"آپ اپنی بالکونی میں اسموکنگ کررہے تھے' اور آپ کے گھر والوں کو نہیں پتا۔؟"
"پہلے پتا تھا جب میں ڈرگز لیتا تھا' پھر سعدی نے بہت مشکل سے میری عادت چھڑائی' ممی اور بھائی کو نہیں پتا کہ میں پھر سے لینے لگ گیا ہوں۔ صرف سعدی کو پتا تھا۔ ظاہر ہے دوستوں سے کوئی بات نہیں چھپتی۔ میں اسی لیے اس کے آخری دنوں میں اسے بھی اوائیڈ کررہا تھا' میں شرمندہ تھا۔ مگر اب۔ آئی سوئیر' میں چھوڑنے کی کوشش کررہا ہوں' بس آپ کسی کو کچھ مت بتایئے گا۔"
زمر چند لمحے غور سے اسے دیکھتی رہی۔ "آپ کا سعدی سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔ اس کے ریسٹورنٹ کے باہر' اور پھر یہاں پارٹی میں؟"
جھگڑا؟" نوشیرواں کی آنکھوں میں حیرت اتری۔ (اور دل کانپ کر رہ گیا۔) "میرا تو اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہاں بس اس نے مجھے جھڑکا تھا' ڈرگز کی وجہ سے' اور میں اس کو اوائیڈ کررہا تھا مگر مجھے پتا ہے وہ میرا بھلا ہی چاہتا تھا۔"
"او کے تھینک یو نوشیرواں۔" اس نے سر ہلایا الوداعی انداز میں اور عجلت میں گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ذہن میں فی الحال کچھ اور چل رہا تھا۔ نوشیرواں نے مسکراتے ہوئے اسے واپس جاتے دیکھا اور پلٹ گیا۔ جیبوں میں رکھے ہاتھ پسینے میں بھیگ چکے تھے اور دل ہنوز زور سے دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک تھا' مگر جواہرات کے دیے اعتماد (اور ہاشم کی آدھے گھنٹے کی Witness Preperation) نے واقعی ثابت کردیا تھا کہ وہ ایک کاروار ہے۔ آخری قہقہہ اسی کا ہوگا۔

☆ ☆ ☆

میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا
میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا

زمر اندر آئی تو ابا وہیں بیٹھے تھے لاؤنج میں۔ صداقت اور سیم ٹی وی کے آگے جڑ کر بیٹھے کوئی دکان رمضان کی نشریات دیکھ کر ڈھیروں ثواب کما رہے تھے۔ وہ سلام دعا کیے بغیر سیدھی اوپر چلی گئی۔ ابا نے فکرمندی سے اسے دیکھا تھا۔
کمرے میں آکر اس نے چیزیں گویا پھینکیں اور فارس کی لکھی چٹ لیے ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ مختلف خانے کھولے۔ آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ بے حد آرگنائزڈ زمر کو وہ ڈبی ڈھونڈنے میں تین منٹ لگے اس نے سیاہ مخملیں ڈبی کھولی' کسی زمانے میں اس ڈبی میں اس کو وہ لونگ ملی تھی' اور لونگ کے ساتھ ایک چٹ بھی تھی۔ زمر نے وہ چٹ نکالی اور پھر پرچیاں کھول کر سامنے کیں۔ الفاظ مختلف تھے مگر دونوں اردو میں لکھی گئی تھیں۔ لکھائی نہ اچھی تھی نہ بری' مگر وہ ایک تھی۔ "کاف" کی آنکھ' ل یا ن کی گولائی' بالکل ایک سی

تھی۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حق دق۔ متحیر۔ شل۔ بار بار ان الفاظ کا موازنہ کیا۔ بالکل ایک سے۔

پھر سنگھار میز پر ہتھیلیاں رکھ کر وہ کھڑی ہوئی تو آئینے میں عکس نظر آیا۔ گھنگریالے بال کھلے تھے، چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی حیرت اور صدمہ تھا اور ناک۔ ناک میں لونگ دمک رہی تھی۔ وہ ننھا خشت (ہیرا) اس وقت زمر یوسف کی پوری زندگی کو تہہ و بالا کر رہا تھا۔

پھر ان بھوری آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ اس نے نوچ کر وہ لونگ اتاری۔ کسی مکروہ شے کی طرح ڈبی میں ڈال کر بند کی۔ پھر باہر نکلی۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حنہ نے فوراً ہی کھول دیا۔ اس کو دیکھا تو ذرا دیر کو ٹھہری۔ اس کی آنکھوں میں سرخ لکیریں ابھری ہوئی تھیں، لب بھنچے ہوئے تھے اور۔ ناک میں لونگ نہیں تھی۔ حنین کی الجھی ہوئی نگاہیں اس کے ہاتھ پہ جا رکیں۔ زمر نے ہتھیلی سیدھی پھیلا رکھی تھی۔ "میری نوز رنگ، حنین!"

"جی؟"

"میں نے کہا حنین یوسف! کہ مجھے میری نوز رنگ واپس چاہیے۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ حنین کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔ اس نے پہلی دفعہ زمر کو اپنے ساتھ اتنے کٹیلے اور سرد لہجے میں بات کرتے دیکھا تھا۔ اور جیسے زمر کو دو جمع دو چار کرنے میں چند منٹ لگے تھے، حنہ کو بھی تھوڑی ہی دیر لگی۔ وہ خشک لبوں پہ زبان پھیرتی پلٹی، اور الماری کھولی۔ آگے پیچھے ہاتھ مارا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ اس کے ایک ایک خانے کو چیک کیا۔ زرتاشہ کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیں۔ کچھ البمز۔ کچھ سی ڈیز۔ بے حد ڈس آرگنائزڈ حنین کو نتھ کی ڈبی ڈھونڈنے میں کچھ دیر لگ گئی اور پھر اس نے جھکی نظروں کے ساتھ ڈبی اس کی طرف بڑھائی۔ زمر نے اسے جھپٹا اور ملامتی نظروں سے اسے گھورتی، مڑ گئی۔

فارس اور ندرت اکٹھے واپس آئے تو رات مزید تاریک ہو چکی تھی۔ وہ لاؤنج میں کھڑا، بڑے ابا سے رسمی کلمات کہہ رہا تھا جب حنہ آہستہ سے اس کے قریب آئی۔ جب وہ متوجہ نہ ہوا تو اس کی کہنی ہلائی۔ وہ چونک کر مڑا۔

"کیا؟"

حنین نے ابرو سے اوپر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"انہیں کیسے پتا چلا؟"

کیا؟" فارس کو اچنبھا ہوا۔

اوہ۔" (تو ابھی ان کی پیشی نہیں ہوئی تھی۔)

"پھپھو کو دیکھ لیں، وہ آتے کے ساتھ ہی کمرے میں بند ہو گئی ہیں۔" دھیرے سے کہا مگر ندرت نے سن لیا۔ ابا نے بھی۔ سیم نے بھی گردن موڑی۔ لاؤنج میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ فارس نے محسوس کیا سب اسی کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔

کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ رخ موڑے۔ وہ اندر آیا۔ کوٹ اتارا۔ اسے ٹکایا۔ سرسری سی نظر اس کے سر کی پشت پہ ڈالی۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ اور اب اس کی نگاہ اپنے صوفے پہ پڑی۔

اس کے سرہانے سیاہ مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا جو اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے سامنے، سینے پہ بازو لپیٹے، چبھتی نظروں اسے دیکھ رہی تھی۔

زمر کی آنکھوں میں دکھ کے ساتھ ملامت بھی ابھری۔ "تم کب مجھے دھوکا دینا چھوڑو گے، فارس؟"

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔" وہ بھی سامنے آکھڑا ہوا اور۔ لہجہ برہم ہوا۔ "اسٹوڈنٹس ٹیچرز کو گفٹس دیتے ہیں۔ میں نے بھی دے دیا۔ پہننا یا نہ پہننا آپ کا فیصلہ تھا۔"

"تم نے اپنا نام نہیں لکھا تھا اور۔"

"آپ میری لکھائی پہچان سکتی تھیں۔"

"اگر تمہیں بھول گیا ہے تو یاد کروا دوں، قانون کی کتابیں انگریزی میں ہوتی ہیں۔ میں نے تمہاری

انگریزی لکھائی دیکھی تھی صرف۔ پھر تم نے نام کیوں نہیں لکھا؟" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"او کے فائن!" وہ بھی اونچا بولا تھا۔ "نہیں لکھا' ٹھیک ہے۔ نہیں لکھا تو کیا کریں گی آپ؟"

زمر کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔

"تم اتنے سال میرا مذاق اڑاتے رہے' تمہیں بالکل کوئی لحاظ نہیں آیا۔ میں تمہاری ٹیچر تھی!" بولی وہ غصے سے تھی' مگر آواز بھیگی ہوئی تھی اور ان بھوری آنکھوں میں آنسو دیکھنا۔ فارس نے سر جھٹکا۔

"جب آپ کو گولی مار سکتا ہوں تو کچھ بھی کر سکتا ہوں' میں تو ہوں ہی بُرا۔ اس لیے میری طرف سے... پھینک دیں اسے یا آگ میں ڈال دیں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں معذرت کروں گا' تو یہ میں نہیں کرنے لگا۔ بلکہ میں تھک چکا ہوں آپ کو وضاحتیں دے دے کر۔ اس لیے میرا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت آپ میری ٹیچر تھیں' مجھے جیل بھیجنے والی گواہ نہیں تھیں!" وہ واپس مڑا' چابی اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا' تب دیکھا' ذرا سی درز کھلی تھی۔ وہ دروازہ پورا بند کرنا بھول گیا تھا۔ یا اللہ۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ ساری آوازیں نیچے گئی ہوں گی!

مڑ کر ایک نگاہ زمر پہ ڈالی' جو خاموش کھڑی' آنکھوں میں پانی اور ڈھیروں غصہ لیے اسے دیکھ رہی تھی اور پھر باہر نکلا۔ زور سے دروازہ بند کیا۔

نیچے لاؤنج میں سناٹا تھا۔ حنین' ندرت' ابا' سیم سب اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ لب بھینچے تیزی سے زینے اترتا گیا۔ ندرت اٹھیں۔

"فارس! کہاں جا رہے ہو؟"

"کام سے جا رہا ہوں۔ آ جاؤں گا۔" ہاتھ جھلا کر ان کو اشارہ کرتا وہ باہر نکل گیا۔

"حنین' جاؤ اس کو روکو۔ اسے کہو مت جائے۔"

مگر حنین وہیں بیٹھی رہی۔

"امی! خیر ہے' بیٹھ جائیں' وہ آ جائیں گے۔" اس نے بظاہر خود کو بے فکر ظاہر کیا البتہ بار بار پریشان نگاہ

اوپر اٹھتی تھی۔ (اسے پتا تھا فارس' ابا سے شرمندہ ہے کہ انہوں نے اسے ان کی بیٹی کے ساتھ اس طرح بات کرتے سنا ہو گا۔)

☼ ☼ ☼

بہت اندر تک جلا دیتی ہیں
وہ شکایتیں جو کبھی بیاں نہیں ہوتیں

ندرت چند لمحے چوکھٹ میں کھڑی رہیں' پھر واپس آئیں۔ سیڑھیوں کے پاس ٹھہر کر گردن اونچی کی۔

"زمر... زمر!" ان کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ حنین چونکی۔ ابا بھی چونکے۔ سعدی کے جانے کے بعد پہلی دفعہ ان کی اتنی بلند آواز سنی تھی۔ اور آنکھوں میں غصہ۔

زمر کمرے سے باہر آئی اور اوپر ریلنگ کنارے رکی۔ گیلی آنکھیں رگڑ لی تھیں۔

"جی؟" وہ پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم نے فارس کو کیا کہا ہے؟ وہ کیوں چلا گیا ہے؟" اوپر کھڑی زمر کی آنکھوں میں ذرا تعجب سا ابھرا۔ الفاظ پہ نہیں' انداز پہ۔

"میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔" (ابھی تو کچھ کہنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔)

"ہم نے خود سنا ہے' تم دونوں جھگڑ رہے تھے۔" وہ پریشان تھیں اور غصے میں تھیں۔ "تم اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہو؟ یہ شادی تمہاری مرضی کے بغیر تو نہیں ہوئی تھی۔"

حنین نے چہرہ موڑا۔ کچن کے دروازے پہ کھڑا صداقت بنا پلک جھپکے' ادھر دیکھ رہا تھا۔

"اے!" اس نے صداقت کو متوجہ کیا۔ وہ چونکا۔ کھلا منہ بند کیا۔

"جاؤ اپنے کوارٹر میں۔ ادھر کیا کھڑے ہو؟" ڈپٹ کر بولی تو وہ شرمندہ سا فوراً باہر کھسک گیا۔

ادھر زمر آواز نیچی کیے کہہ رہی تھی۔ "ایسا کچھ نہیں ہے' بھابھی میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ خود گیا

ہے۔"

"سعدی بھی ایسے ہی گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ اب فارس بھی واپس نہیں آئے گا۔ تم نے اسے مجبور کیا ہے گھر چھوڑنے پہ۔ سعدی بھی تمہاری وجہ سے گیا تھا۔" ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"میری وجہ سے؟" زمر دم بخود رہ گئی۔

"ہاں۔ تم اس روز سعدی سے لڑی تھیں۔ میں نے خود سنا تھا۔ تم اس کو ڈانٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ گھر سے چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔"

حنین کو لگا، کسی نے اس کے منہ پہ بیلچہ دے مارا ہو۔ وہ ہکا بکا سی کھڑی ہوئی۔ "نہیں امی، پھپھو تو میرے لیے... میری سائیڈ لے رہی تھیں۔" اس نے وحشت سے زمر کو دیکھا جو ریلنگ پہ ہاتھ رکھے سن سی کھڑی تھی۔

"سعدی میری وجہ سے نہیں گیا بھابھی۔"

"تم نے فارس کو گھر سے نکالا ہے، جیسے تمہاری امی نے مجھے نکالا تھا، تم لوگوں نے ساری زندگی ہمارے ساتھ یہی کیا ہے، اب تم فارس کے ساتھ وہی کر رہی ہو۔" دکھ سے ان کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"ندرت!" ابا نے برہمی سے ٹوکا۔

"میری امی کے بارے میں کچھ مت کہیے اور سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔" وہ بدقت بول پائی۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگی تھیں۔ "میں اس سے نہیں لڑی تھی، صرف ذرا سا خفا..."

"تمہیں کیا حق تھا اس سے خفا ہونے کا؟" وہ ایک دم زور سے چلائیں۔ حنین ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ "وہ میرا بیٹا تھا۔ تمہارا بیٹا نہیں تھا۔ یہ میرے بچے ہیں، ان کو صرف میں ڈانٹ سکتی ہوں، تم اپنے سارے حق اپنے بچوں کے لیے رکھو۔"

"ندرت! بس کر دو!" ابا بلند آواز میں سختی سے بولے اور ندرت چپ ہو گئیں۔ کیونکہ کہنے کے بعد ان کو احساس ہوا تھا کہ ان کا آخری فقرہ... ان کا آخری فقرہ مناسب نہ تھا۔ اور اس آخری فقرے نے زمر کا دل ہی توڑ دیا۔

اس کا ریلنگ پہ جما ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ چہرہ جھکائے قدم قدم زینے اترتی گئی۔ لاؤنج میں وحشت ناک سا سناٹا چھا گیا۔ زمر کسی کو بھی دیکھے بغیر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ حنین کی نظریں اس کے قدموں پہ جا ٹھہریں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ پھر وہ اسی طرح باہر نکل گئی مگر حنین میں کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

دروازہ بند ہوا تو ندرت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی سیڑھیاں چڑھتی گئیں۔ وہ شاید رو بھی رہی تھیں۔

ابا فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھ رہے تھے پھر سیم اٹھا اور باہر گیا۔ چند لمحے بعد وہ واپس آگیا۔ "پھپھو باہر نہیں ہیں۔ کہاں چلی گئیں؟"

حنین نے پریشانی سے فارس کا نمبر ملایا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ ایک بار، دوسری بار۔ پھر اس نے غصے سے ٹیکسٹ بھیجا۔

"امی اور پھپھو کی لڑائی ہوئی ہے اور امی نے پھپھو کو گھر سے نکال دیا ہے۔" اور پھر گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ حسب توقع فون فوراً بجا۔

"کیا ہوا؟" وہ واقعی تشویش سے بولا تھا۔ آواز سے لگتا تھا، ڈرائیو کر رہا ہے۔

"وہی جو لکھا تھا۔ امی نے پھپھو کو بہت سنائیں اور وہ گھر سے چلی گئیں۔"

"قصور کس کا تھا؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"آپ کا!" اور پھر امی کے سارے الفاظ دہرا دیے۔

تھوڑی دیر گزری اور گاڑی کی آواز آئی تو بڑے ابا کے چہرے پہ چھائی تفکر کی لکیریں کم ہوئیں۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا تو فکرمند لگ رہا تھا۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"یونہی۔ باہر۔" اس نے ابا سے نگاہیں چرائیں مگر ابا کو اس کا غصے سے ان کی بیٹی پہ چلانا یاد نہیں تھا، ان کو صرف زمر کی فکر تھی۔

"جاؤ، زمر کو دیکھو وہ کہاں چلی گئی۔"

"گاڑی تو کھڑی ہے اس کی۔ تمہاری امی کہاں ہیں؟" ساتھ ہی اوپر دیکھا۔

"امی ٹھیک ہیں، ان کی فکر مت کریں۔ بس پھپھو کو لے آئیں۔ ان کو کھونا ایسے ہے جیسے ہم سعدی بھائی کو دوسری دفعہ کھو دیں گے۔" حنین ایک دم اداس ہو گئی تھی۔

"میں دیکھتا ہوں، تم جاؤ اپنی امی کے پاس بیٹھو۔" وہ الٹے قدموں مڑ گیا۔

باہر سبزہ زار سنسان پڑا تھا۔ وہ قصر کے فرنٹ تک آیا۔ ملازموں کی آگے پیچھے آمدورفت کچھ غیر معمولی لگ رہی تھی۔

زمر کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ گیٹ کے قریب آیا تو اوپری کیبن سے گارڈ نے پکارا۔

"سر! مسز غازی اس طرف گئی ہیں۔" اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ گارڈ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ وہ باہر گئی تھی۔ باہر سڑک تاریک تھی۔

"فلیش لائٹ دو۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔ گارڈ نے لائٹ اس کی طرف اچھالی۔

"لے جائیں سر! بھلے ہمیشہ کے لیے لے جائیں۔" دل برداشتہ سا کہتا گارڈ واپس بیٹھ گیا۔

فارس نے لائٹ تھامی اور گیٹ سے باہر آیا۔ وہ سڑک پہاڑی کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ دور دور اونچے محلات تھے، کہیں کئی کئی کنال کی جگہ خالی تھی۔ وہاں جنگل اگے تھے۔ وہ جوگرز پتھروں پہ رکھتا، سڑک کنارے اوپر چڑھنے لگا جہاں اونچے درخت تھے۔ ساتھ ہی فکر مندی سے اسے پکارتا روشنی پھینک رہا تھا۔

"زمر!" آواز رات کے اندھیرے میں گم ہو جاتی، کبھی لوٹ کر سنائی دیتی۔ وہ اوپر چڑھتا آیا۔ ٹارچ والا ہاتھ مسلسل ہل رہا تھا۔ پھر روشنی ایک جگہ تھمی۔ درختوں کے بیچ اسے وہ نظر آئی تھی۔ زمین پہ ننگے پاؤں اکڑوں بیٹھی۔ تھوڑی گھٹنوں پہ رکھے۔

فارس نے گہری سانس خارج کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس تک آیا۔ پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کے جوگرز تلے کچلنے کی کرچ کرچ نے خاموشی کو توڑا۔ وہ اس کے قریب آ رکا۔

"آپ ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ گھر چلیں۔"

وہ نہیں ہلی۔ گردن بھی نہیں اٹھائی۔

"زمر، ہم سارے مسئلے گھر جا کر سلجھا سکتے ہیں۔ اٹھیں۔" جب اس نے جواب نہیں دیا تو فارس نے ٹارچ زمین پہ رکھی اور اس کے سامنے درخت سے ٹیک لگا کر خود بھی اکڑوں بیٹھ گیا۔

"آپا نے جو بھی کہا دل سے نہیں کہا۔ وہ آپ کو ہرٹ کر کے خود بھی ہرٹ ہیں۔ مجھے پتا ہے۔ ان سے ناراض مت ہوں۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ سعدی سے بھی نہیں تھی۔" وہ دھیرے سے بولی تو آواز رندھی ہوئی تھی۔ ٹارچ پتوں پہ پڑی تھی۔ روشنی مخالف سمت کے درختوں پہ پڑ رہی تھی۔ زمر کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

"ان کو پتا ہے، آپ سعدی سے خفا نہیں تھیں۔ نہ ان کو یہ بات اذیت دے رہی ہے۔" زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"سعدی میری وجہ سے نہیں گیا۔ میں نے اسے نہیں بھیجا۔ میں چار سال اس سے ناراض بھی نہیں تھی۔ مجھے یہ لگتا تھا کہ بچے اب مجھ سے محبت نہیں کرتے، اس لیے میں پیچھے ہٹ گئی تھی مگر میں غلط تھی۔ اور مجھے اس کے لیے بہت دکھ ہے۔" آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ کون سی لوننگ، کہاں کا خفت، دونوں کو بھول گیا تھا۔

رات کا سناٹا اور جنگل کے اونچے درخت خاموشی سے سن رہے تھے۔ سامنے تنے سے ٹیک لگائے فارس نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"سب کو پتا ہے یہ بات۔"

"میرے پاس کوئی امید نہیں ہے، سوائے ان بچوں کے۔ مگر نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ میرے بچے نہیں ہیں۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر

سعدی کو ہم واپس لے آئیں' سب کچھ ٹھیک ہو جائے' تو سب مینٹل ہو سکتے ہیں' سوائے میرے۔ میرا کیا ہو گا؟" آنسو برابر گرتے جا رہے تھے۔

"وہ واقعی آپ کے بچے نہیں ہیں۔ وہ آپ کے بھتیجے ہیں' اور یہ ایک مختلف رشتہ ہوتا ہے۔ اس کے اپنے حق ہوتے ہیں اور وہ آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" زمر نے جواب نہیں دیا۔ جھکے چہرے پہ لڑھکتے آنسو اندھیرے میں بھی ایسے دکھائی دے رہے تھے۔ ہلکی سی ہوا چل رہی تھی' جس سے اس کے گھنگھریالے کھلے بال بار بار اڑ کر چہرے پہ آ رہے تھے۔

"مجھے دوبارہ کبھی وہ خوشی نہیں مل سکتی جو کبھی میرے پاس تھی۔"

"زمر' روئیں مت۔ آپ کو روتے دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ آپ پہ یہ سوٹ نہیں کرتا۔ آپ مضبوط اچھی لگتی ہیں۔ اور مغرور بھی۔۔۔ اور اکھڑ بھی۔" اس نے چہرہ اٹھایا۔ گیلی آنکھوں میں تعجب در آیا۔ وہ اس کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اور بدتمیز بھی۔۔۔ اور روڈ۔۔۔ اور Bossy اور۔۔۔ بے مروت بھی' اور۔۔۔" وہ نرمی سے ایک ایک لفظ گنواتا جا رہا تھا۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے مسکرائی اور ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"میں ایسی نہیں ہوں۔" گردن اکڑا کر بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر بولی۔ "میں کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہوں۔"

"آپ کی ڈکشنری میں شائستگی کی تعریف کیا ہے؟" وہ بھی ذرا سا مسکرایا۔ زمر ہاتھ سے آنسو پونچھتی ہلکا سا ہنس دی۔

"عورتوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسی میں ہوں۔" پھر مسکراہٹ آہستہ آہستہ سمٹی۔ چند لمحے پہلے کی تلخی نے دل کو دوبارہ سے کسک دی۔ اس نے گردن موڑ کر دور تک پھیلے درختوں کو دیکھا۔ کہیں دور کبھی کسی گاڑی کی زن سے گزرنے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر سناٹا چھا جاتا۔

"کیا وہ مجھ سے بہت زیادہ خفا تھیں؟" وہ پھر سے آزردہ ہوئی۔

"اونہوں! انہیں آپ پہ غصہ نہیں ہے۔ ان کو الزام دینے کے لیے کوئی چاہیے۔ ہم سب کو چاہیے ہوتا ہے۔ وجہ یہ گھر ہے۔ ان کی اس گھر سے اچھی یادیں وابستہ نہیں ہیں۔"

"مطلب؟" وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ اندھیرے میں سامنے بیٹھے فارس کا چہرہ مدھم سا دکھائی دیتا تھا' مگر اس پہ آنچ سی تھی۔

"ابھی گھر چلیں۔ پھر کسی وقت ان سے پوچھ لیجیے گا۔"

"نہیں' بتاؤ' میں سن رہی ہوں۔" وہ دھیان سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ "یہ میری امی کا گھر ہے' اور۔۔۔" کہتے کے ساتھ ٹارچ اٹھائی کہ اسے بند کر دے' تب ہی روشنی زمر پہ گری تو وہ چونکا۔ ٹارچ اس کے اوپر ڈالی۔ زمر نے آنکھیں چندھیا کر چہرہ پرے ہٹایا۔ وہ اس کے قدموں میں دیکھ رہا تھا۔ کپڑوں پہ مٹی۔ کانٹے اور۔۔۔

"پاؤں کو کیا ہوا ہے آپ کے؟" چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ "آپ گری ہیں؟" زمر نے سر جھٹکا۔

"شاید۔"

اس نے روشنی اس کے پاؤں پہ ڈالی۔ انگوٹھا خون میں ڈوبا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"گھر چلیں۔"

"تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے' تمہیں پتا ہے۔" ہمیشہ کے برعکس وہ غصے یا تلخی سے نہیں بولی تھی' بس تھکن سی تھی آواز میں۔

"اچھا' میں آتا ہوں۔" جانے لگا' پھر رکا۔ "میرے آنے تک ادھر سے ہلیے گا نہیں' ورنہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں' آپ ابھی مجھے جانتی نہیں ہیں۔" تنبیہہ کرتا وہ نیچے اتر آیا۔ ٹارچ بجھا دی تھی۔ گیٹ تک دوبارہ آیا تو گارڈ کا کیبن خالی تھا۔ کیبن کی سیڑھی کے آس پاس دیکھا۔ مدھم مدھم سی آوازیں آئیں۔ فوراً

قریبی درخت کی اوٹ میں ہوا۔ پھر ٹہنیوں کے درمیان سے جھانکا۔ گارڈ کی پشت تھی اور اس کے سامنے فینو نا کھڑی کہہ رہی تھی۔

"مجھے واقعی نہیں معلوم کہ وہ سارے اسٹاف کو کیوں نکال رہے ہیں، مگر اکبر! تم بے فکر رہو۔ میں اپنے اسٹاف کی ہیڈ ہی نہیں، خیر خواہ بھی ہوں۔ میں مسز کاردار سے کہہ دوں گی کہ تم لوگ جاؤ گے تو میں بھی جاؤں گی۔"

"اور وہ تمہیں ایک بہتر پیکج دے دیں گے اور تم ٹھہر جاؤ گی۔ اگر تمہاری جگہ میری اینجیو ہوتی، تو وہ ہم سب کے لیے لڑتی۔" وہ مایوس لگ رہا تھا۔

"میرا قصور نہیں ہے اس میں۔ یہ سب مسز زمر نے کیا ہے۔ انہی کا فون آیا تھا اور اس کے بعد مسز کاردار نے یہ حکم جاری کیا۔"

وہ اوٹ سے نکلا اور آواز دی۔ "اکبر!" گارڈ فوراً گھوما۔ فینو نا بھی چونکی۔ وہ چلتا ہوا ان تک آیا۔

"میری بیوی کو چوٹ لگی ہے، کچھ لا دو پٹی وغیرہ کے لیے۔" فینو نا کو مخاطب کیا تو وہ فوراً تابع داری سے آگے ہوئی۔

"اکبر! اپنے کیبن سے ایڈ باکس لے آؤ۔ سر چوٹ زیادہ ہے؟ میں ڈاکٹر کو فون کروں؟ یا پھر میں ان کی پٹی کر دوں؟"

"اونہوں۔ میں کر لوں گا۔" اکبر باکس لے آیا تو فارس فینو نا پہ ایک گہری نظر ڈالتا، چیزیں لیے پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

بے خیالی میں کبھی انگلیاں جل جائیں گی
راکھ گزرے ہوئے لمحوں کی کریدا نہ کرو

اوپر آیا تو زمر ویسے ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا۔ ایک گھٹنا موڑے، دوسرا پاؤں زمین پہ رکھے۔

"اور کہاں چوٹ آئی ہے؟" آئس پیک نکال کر اسے دیا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا اور آستین اوپر کر کے کہنی پہ رکھا۔ فارس نے ٹارچ اسے تھمائی۔

"یہ اس اینگل پہ رکھیں۔" اور جب روشنی اس کے انگوٹھے پہ پڑنے لگی تو وہ ٹیلے وائپ سے اس کے پیر کا خون صاف کرنے لگا۔ زمر اس کے جھکے سر کو دیکھے گئی۔

"ندرت بھابھی کو اس گھر سے کیا مسئلہ تھا؟" ان دونوں کو معلوم تھا وہ کیا سننے کے لیے بیٹھی ہے۔ وہ سر جھکائے، زخم صاف کرتے، کہنے لگا۔

"یہ میری امی کا گھر ہے اور میری امی ان کی سوتیلی ماں تھیں۔" اس نے آہستہ سے وہ نوکیلی سی چیز اس کے ماس سے نکالی جس نے انگوٹھے کو کاٹا تھا۔ زمر کے لبوں سے "سس" نکلی۔ فارس نے رک کر اسے دیکھا۔

"ہلکا سا زخم ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ کل ٹیٹنس کا انجیکشن لگوا لیجئے گا۔"

"مجھے کوئی درد نہیں ہو رہا۔" اس نے شانے اچکائے۔ پھر رکی۔ سرسری انداز میں پوچھا۔

"تمہارے ابو اور تمہاری امی اور ان کی پہلی بیوی کے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ کیسے تعلقات تھے ان سب کے؟ ویسے مجھے پتا ہے مگر صرف ان کی سائیڈ کی اسٹوری۔ تمہاری سائیڈ کی نہیں معلوم۔"

اور یہ پہلی دفعہ تھا جب زمر نے بغیر کسی غصے یا عداوت کے اس کی طرف کی کہانی سننی چاہی۔ اس کے انگوٹھے پہ دوا لگاتے ہاتھ رکے۔ لمحے بھر کو ذہن کہیں دور جا پہنچا۔

"یہ گھر میری امی کا ہے۔ شادی سے پہلے وہ اپنے بھائی اور اورنگ زیب کاردار کے ساتھ ان کے گھر میں رہتی تھیں۔ تب یہ جگہ اتنی ڈیویلپڈ اور ایلیٹ نہیں تھی۔ ابو نے ان سے محبت کی شادی کی تھی۔ پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی۔ مگر اتنے گٹس نہیں تھے ان میں کہ اپنی بیوی کو ساتھ لے جاتے۔ ندرت آپا اور وارث کی امی نے بہت ہنگامہ کیا شادی پہ۔ سو پتہ نہیں کس نے طے کیا مگر امی ادھر انیکسی میں رہنے لگیں۔ ابو یہیں آ جاتے، کبھی رہتے، کبھی چلے جاتے۔ وہاں ان کے بچے تھے۔ یہاں صرف بیوی۔"

سر جھکائے' آہستہ آہستہ مرہم اس کے انگوٹھے پہ لگاتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ اس کو اتنا بولنے کی عادت نہیں تھی۔ زمر کے لیے وہ ایک کم گو' پراسرار سا شخص تھا۔ کیا سوچتا ہے' کیا چاہتا ہے' وہ کبھی نہیں کہتا تھا۔ آج کہہ رہا تھا' اور وہ بالکل یک ٹک محو ہو کر سن رہی تھی۔

"میں آٹھ سال کا تھا جب ندرت اور وارث کی امی کا انتقال ہوا۔ ابو مجھے اور امی کو پھر اپنے گھر لے گئے۔ ندرت آپا تب اٹھارہ سال کی تھیں' اور وارث بارہ کا۔ ہم لوگ چھ ماہ رہے ادھر۔۔۔" بولتے بولتے وہ چپ ہو گیا۔ پھر پیکٹ سے پٹی نکالی اور اس کے انگوٹھے کے گرد لپیٹنے لگا۔ جنگل کے اونچے درختوں میں خاموشی چھا گئی۔

"پھر؟" وہ بے چینی سے بولی۔ اپنی ساری انا' اکڑ اور بے نیازی چند لمحے کے لیے پس پشت ڈالے۔

"پھر کیا؟" وہ سر جھکائے سفید پٹی لپیٹ رہا تھا۔

"ندرت بھابھی لوگوں کا رویہ کیسا تھا تم لوگوں کے ساتھ؟" اس نے ندرت بھابھی کے ذکر کو ذرا نمایاں کیا۔ وہ یہ سوال صرف ان ہی کی وجہ سے تو کر رہی تھی۔

فارس نے گہری سانس لی۔ "وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے اور میری ماں سے بھی۔ ہم سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ امی بھی کوئی بہت صابر شاکر خاتون نہیں تھیں' ماموں جیسا غصہ تھا ان میں بھی' مجھ میں بھی' خیر بہت جھگڑے ہوا کرتے تھے آپا اور امی کے۔ وارث لڑتا نہیں تھا مگر جہاں میں آکر بیٹھتا' وہ اٹھ جاتا۔ اگر بول رہا ہوتا تو مجھے دیکھ کر چپ ہو جاتا۔ ہم چھ ماہ وہاں رہے۔ بدترین دن تھے وہ۔۔۔"

"پھر واپس کیوں چلی گئیں تمہاری امی؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔ پتا نہیں کیوں' اس مہیب تاریک جنگل میں اس کے ساتھ بیٹھے' اسے چار سال پہلے کی دو گولیاں' وہ فون کال' سب بھولنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا' وہ فارس غازی سے پہلی دفعہ مل رہی ہے۔

"امی نہیں گئی تھیں۔ میں گیا تھا۔" سر جھکائے'

فارس نے پٹی کے اوپر شفاف ٹیپ لگا کر اسے پکا کیا۔ پھر پیچھے ہٹا۔ زمر نے بھی پیر ذرا پیچھے کھینچ لیا۔ واپس درخت سے ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھا' اور دائیں جانب درختوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں اپ سیٹ تھا ایک دن' تنگ آگیا تھا ادھر سے تو بھاگ گیا۔ مذاق نہیں کر رہا۔ سچ میں۔ ڈھائی گھنٹہ بھاگتا رہا۔ پھر یہاں پہنچ گیا۔ واپس۔"

"تمہیں گھر کا راستہ آتا تھا؟ اتنی سی عمر میں؟" اس کو تعجب ہوا۔ فارس نے گردن اس کی طرف موڑی' اداسی سے مسکرایا۔

"مجھے تو بہت کچھ آتا ہے۔ آپ مجھے جانتی ہی کتنا ہیں؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔ بس پرسوچ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"میں ادھر آیا تو اورنگ زیب ماموں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ گھر پہ نہیں تھے۔ مسز کاردار تھیں۔ یہ لوگ تب بھی امیر تھے مگر اتنے امیر نہیں ہوتے تھے۔ ان کا گھر بھی تب مختلف تھا۔ یہ عالیشان قصر تو بعد میں ڈھا کر کھڑا کیا تھا۔ خیر مسز جواہرات گھر پہ تھیں۔ وہ مجھے اندر لے آئیں' میرے لیے کمرہ تیار کروایا' میرے پیروں کی مرہم پٹی کی۔ بہت خیال سے دو دن مجھے اپنے گھر رکھا۔ تیسرے دن میرے ماں باپ کو بلایا' اور کہا اپنے بچے کو لے جاؤ۔ یہ سارے کاردارز امریکی کھوپڑی والے ہیں' مہمان بس دو دن اچھا' پھر مچھلی بن جاتا ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ وہ بھی شاید مسکرایا تھا مگر اب پھر سے گردن موڑے اندھیرے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ "امی اور میں واپس ادھر ہی آگئے' اور ابو اپنے بچوں کے ساتھ رہے۔ اگلے سال ندرت آپا کی شادی ہو گئی۔ وارث کو ابو نے پڑھنے لاہور بھیج دیا' ذکیہ خالہ کے گھر۔ وہ وارث اور ندرت کی امی کی سگی بہن ہیں۔ یو نو' سارہ کی امی۔ وارث وہیں پڑھتا رہا' اور ابو میرے اور امی کے پاس واپس آگئے۔"

ہوا تاریک درختوں کے پتوں کے بیچ سرسراتی ہوئی

گزر رہی تھی۔ اس کی گھنگھریالی لٹیں چہرے پہ آرہی تھیں، جن کو وہ بار بار کان کے پیچھے اڑستی تھی۔ نگاہیں فارس کے چہرے پہ ٹکی تھیں۔ اس نے اب سر درخت کے تنے سے لگا رکھا تھا، اور آنکھوں میں بے پناہ تھکن تھی، کرب تھا۔

"میں دس سال کا تھا جب سعدی پیدا ہوا۔"

(میں آٹھ سال کی تھی) اس نے صرف سوچا۔ بولی نہیں۔ وہ کبھی کبھی تو بولتا تھا، اسے لگا اگر بولے گی تو اس کی یکسوئی ٹوٹ جائے گی۔

"اور میں تیرہ سال کا تھا جب ندرت آپا ناراض ہو کر ہمارے گھر آگئیں۔ ان کا آپ کی امی سے جھگڑا ہوا تھا۔ سعدی کو بھی وہیں چھوڑ دیا، غصے میں، کہ خود پالیں۔ اور ابو چونکہ دوسرا گھر بیچ چکے تھے، اس لیے ان کے پاس یہاں آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ وہ واحد عرصہ تھا جو آپا نے اس گھر میں گزارا، اور تب بھی حالات ایسے ہی تھے، جیسے آج ہیں۔ سعدی ان سے چھن چکا تھا، اور وہ بہت کرب اور تکلیف میں تھیں۔ تین ماہ بعد ابو کا انتقال ہو گیا اور ندرت آپا کی ساری زندگی گویا ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ وارث کی چھٹیاں تھیں، وہ بھی ادھر آگیا۔ اب ہمارے جھگڑوں کی ساری وجوہات ختم ہو چکی تھیں۔ سعدی نہیں تھا، تو پتا نہیں کیوں آپا کا رویہ مجھ سے بدلنے لگا۔ انہوں نے مجھے ایک چھوٹے بھائی کے طور پہ قبول کر لیا۔ وہ لوگ اب بھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے، مگر برا بھی نہیں کہتے تھے۔ پھر آپا کی صلح ہو گئی تو وہ چلی گئیں اور وارث بھی۔۔۔ میں اور امی ادھر ہی ہوتے۔"

وہ پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

"میں اٹھارہ سال کا تھا جب امی فوت ہوئیں۔ تب آپا آئیں اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئیں۔ اس صلح کے بعد ہی آپ کے بھائی نے ان کو الگ گھر لے دیا تھا۔ میں کافی عرصہ ان کے گھر رہا۔ حنہ تب ایک سال کی تھی۔ مگر اس کے بعد آپا اور وارث نے ہمیشہ میرا خیال رکھا، ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کر دیا اور ہمارے سارے اختلافات پتا نہیں کہاں غائب ہو گئے۔ بلکہ۔۔۔ وارث اور میں تو بہت اچھے دوست بن گئے تھے۔۔۔" وہ یاد کر کے، کہتا جا رہا تھا۔

"وہ پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا!"

خوب صورت رات کا فسوں چھناکے سے ٹوٹا۔ وہ کہہ کر ایک دم چپ ہو گئی۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا، پھر آنکھیں بھینچ کر جیسے بہت سارا ضبط کیا اور جب آنکھیں کھولیں تو زمر نے دیکھا، اس کے تاثرات اب سخت ہو چکے تھے۔ وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پیکٹ اٹھا لیا۔ (یہ عورت کسی دن واقعی میرے ہاتھوں ایک قتل کروائے گی!)

"سحری کا وقت شروع ہونے والا ہے، گھر چلیں، سب پریشان ہوں گے آپ کے لیے۔" وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ آگے چلنے لگا۔ زمر کو اندر ہی اندر اس موقعے پہ وارث کی موت کا افسوس کرنے پہ افسوس ہوا۔

وہ دونوں خاموشی سے گیٹ تک آئے تو اس نے پیکٹ اوپر کیبن تک اچھالا جسے گارڈ نے پھرتی سے کیچ کیا۔ پھر ایک نظر ساتھ چلتی زمر پہ ڈالی جو کسی اور خیال میں گم تھی۔

"مسز کاردار نے اسٹاف نکال دیا سارا۔" غور سے اسے دیکھا۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"ان کی مرضی۔" وہ اس سے لاعلم تھی۔ فارس نے فینو نا کی باتوں کو ذہن سے جھٹکا۔

"آپ نے نوشیرواں سے بات کی؟" اب وہ دونوں سرسری انداز میں بات کرتے سبزہ زار سے گزر رہے تھے۔

"ہوں۔" وہ بتاتی گئی۔

"آپ نے یقین کر لیا؟"

"نہیں، وہ اب بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ ضرور کچھ جانتا ہے اور اسے چھپا رہا ہے۔"

"میں بات کرتا ہوں۔"

"نہیں، فی الحال اس کو کھلا چھوڑ دو، اگر وہ کانشس ہو گیا تو کچھ نہیں بتائے گا۔"

جب وہ دونوں اندر آئے تو حنہ، سیم اور ابا ویسے ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ان کو پرسکون اور نارمل سا آتے دیکھ کر ان سب کی بھی سانس بحال ہو گئی۔ پھر کسی نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ صداقت کو حنہ نے بلا لیا، وہ آکر سحری تیار کرنے لگا۔ زمر دہی کا پیکٹ اور چمچ لیے، اوپر کمرے میں چلی گئی۔ ندرت نے بھی سحری کمرے میں ہی کی۔ باقی سب نیچے خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔

جب فجر اتر آئی، اور سورج طلوع ہو کر تپتا سنہرا ہو گیا اور سب اپنے کمروں سے نکلے، تیار ہو کر ایک نئے دن کے آغاز کے لیے تو زمر باہر آئی اور ندرت کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب بھی دیا اور یہ بھی پوچھا کہ وہ ابھی ریسٹورنٹ جائے گی یا بعد میں۔ زمر نے بھی اتنے ہی نارمل انداز میں بتایا کہ وہ پہلے کورٹ جائے گی، ایک کلائنٹ کی سماعت ہے اور پھر ریسٹورنٹ آئے گی۔ اور یہ سب کہتے ہوئے سب نے دیکھا کہ اس نے وائٹ گولڈ کی نتھ پہن رکھی ہے مگر کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ لونگ کہاں گئی۔

اور جیسے کہ عموماً "رشتے داروں میں ہوتا ہے" لڑائی کے بعد معافی تو کوئی نہیں مانگتا مگر موڈ اچھا کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ہمارے گلے شکوے ڈھل گئے ہیں، سو ان کے گھر کا ماحول بھی نارمل ہو گیا۔ البتہ اسی صبح، زمر کے نکلنے سے پہلے حنین نے سعدی کا لیپ ٹاپ لا کر اس کے سامنے رکھا۔

"یہ میں نے کھول دیا ہے۔ اب کوئی پاس ورڈ نہیں ہے اس پہ۔ آپ دیکھ لیں۔ کوئی اور بھی کام ہو تو بتایئے گا۔" نگاہیں جھکائے وہ پلٹ گئی۔ زمر نے بھی کچھ نہیں کہا۔

مگر اس واقعے کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ ندرت جو بالکل چپ ہو گئی تھیں، وہ نارمل ہونے لگیں۔ سیم، حنہ کو ڈانٹ ڈپٹ، گھر کے کام، سب کچھ انہوں نے نارمل انداز میں پہلے کی طرح کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے لیے دعا اور یاد ویسی ہی تھی مگر انہوں نے سمجھوتا کر لیا تھا۔ حنین نے بھی اس کے بعد زمر کو سنانا بند کر دیا اور زمر نے فارس سے تلخ باتیں کہنی چھوڑ دیں۔

بالآخر سعدی یوسف کے گھر والوں نے یہ جان لیا تھا کہ ایک دوسرے کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ جو پاس ہے، وہ بھی چلا جائے گا۔

☼ ☼ ☼

دو چار نہیں مجھ کو، فقط ایک دکھا دو
وہ شخص جو اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

سعدی نے آنکھیں کھولیں تو دھند سی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ منظر ذرا واضح ہوا۔ وہ آہستہ سے کہنی کے بل اٹھ بیٹھا اور آس پاس دیکھا۔

پچھلے چند دن سے وہ اس کمرے میں جاگا کرتا تھا۔ نیند کی حالت میں اسے شفٹ کیا گیا تھا، کہاں؟ کچھ معلوم نہیں۔ رمضان کتنا گزر چکا تھا، سحری کب ہے اور افطار کب، اس کمرے میں کچھ خبر نہ ہو پاتی تھی۔

وہ ایک سادہ بیڈ روم تھا۔ دیواریں ٹیالے رنگ میں رنگی تھیں۔ دروازے سفید تھے۔ ایک سنگل بیڈ تھا جس پہ وہ لیٹا تھا۔ ساتھ ملحقہ باتھ روم۔ اور کچھ نہیں، سوائے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے اس کے قرآن اور جائے نماز کے، یا پھر ایک کاؤچ کے جس پہ دن کا اکثر حصہ میری اینجیو آکر بیٹھ جاتی تھی۔

اس وقت وہ وہاں نہیں تھی بلکہ دروازہ کھول کر ڈاکٹر مایا اندر آرہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک میل نرس بھی تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر دیکھا، کھلے دروازے کے پار گارڈز کھڑے تھے، آگے شاید ٹی وی لاؤنج تھا۔ اتنا ہی نظر آیا اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

مایا بیڈ کے قریب اسٹول پہ بیٹھی۔ اس کے لمبے بال کھلے تھے جنہیں وہ کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ نیلی جینز پہ لمبا سفید اوور آل پہن رکھا تھا۔ کم عمر چہرے پہ معصوم سا تاثر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا رہا۔ مایا نگاہیں سعدی کے زخموں پہ جھکائے، نرس کو پٹی کی ہدایت دیتی رہی۔ اس کے زخم مندمل ہونے کے قریب تھے۔

نرس چلا گیا تو وہ اٹھی، گولیاں اور پانی کا گلاس بھر کر

اسے دیا۔ نگاہیں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی شفاف آنکھوں میں اس لڑکے کے لیے اپنائیت بھری ہمدردی تھی۔

"پی لو۔ تم روزہ نہیں رکھ سکتے' دوا دینی پڑتی ہے۔ یہ مسٹر کاردار کا حکم نہیں ہے' میرا ہے۔"

اس نے گلاس تھاما اور دوا پانی سے نگل لی۔

وہ اسٹول پہ بیٹھ کر یونہی اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"تمہاری فیملی میں کون کون ہے؟"

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی شفاف آنکھوں میں ڈھیروں ترحم لیے' اسے دیکھ رہی تھی۔

"بہن بھائی' امی اور بھی کچھ لوگ۔"

"کیا ان کو معلوم ہے کہ تم کس کے پاس ہو؟"

"نہیں۔" وہ ہولے سے بولا۔ سر جھکا دیا۔

"میں اپنے باپ کی وجہ سے مجبور ہوں۔ وہ مقروض ہیں ہاشم کاردار کے۔ اور میں اس نوکری پہ مجبور ہوں' ورنہ...." اس کی آواز سرگوشی میں بدلی۔ تب ہی دروازہ ایک دم کھلا۔ مایا کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی۔ سعدی نے بھی چونک کر دیکھا۔

میری اندر داخل ہو رہی تھی اور.... اسے کچھ کھٹکا تھا۔

"تم ابھی تک کیوں بیٹھی ہو؟"

مایا' ذرا گھبرا کر اٹھی۔ صاف ظاہر تھا وہ میری کے رعب میں تھی۔

"میں اس سے طبیعت پوچھ رہی تھی۔" وہ ڈر گئی تھی۔

میری نے گھوم کر اسے دیکھا۔ "تمہیں اس سے مخاطب ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ باہر جاؤ۔" مایا فوراً" ہی باہر نکل گئی تو میری اس کے قریب آئی۔ سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

"یہ کیا پوچھ رہی تھی؟"

"یہی کہ میری فیملی میں کون کون ہے؟"

میری چند لمحے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھتی رہی' پھر اس نے زوردار تھپڑ سعدی کے منہ پہ مارا۔ اس کا پورا دماغ گھوم گیا' دنیا چکرا گئی۔ دوسری طرف کو گرنے لگا اور ابھی سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ وہ جھکی اور اسے گردن سے دبوچ کر سامنے کیا۔

"میں زندگی میں تمہیں پہلی اور آخری نصیحت کر رہی ہوں' سعدی یوسف خان! مایا اچھی ہے' بہت اچھی۔ لیکن اگر تم نے اس کو استعمال کرنے کی کوشش کی تو تمہارا بہت برا حال ہو گا۔ ہاشم تمہاری جان لے لے گا۔" جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ سعدی کا — سر چکرا کر رہ گیا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا اسے۔" (اگر کسی مرد نے مارا ہوتا تو وہ وضاحت نہ دیتا مگر وہ میری تھی۔) لیکن میری سنے بغیر ہی تیزی سے باہر مایا کے پیچھے لپکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ مجھ کو قتل کر کے کہتے ہیں
مانتا ہی نہ تھا یہ' کیا کیجیے؟

انیکسی دھوپ میں جھلس رہی تھی جب وہ کسی کام سے گھر آیا اور سیدھا اوپر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ کھڑکیاں کھلی تھیں' روشنی اندر آ رہی تھی۔ زمر اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی' مٹھی گال تلے رکھے کچھ سوچے جا رہی تھی۔ سامنے سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔

وہ رات والے لباس میں تھی' بال بھی گول مول بندھے تھے۔ صبح سے باہر نکلی نہیں تھی۔ پیر کا انگوٹھا اس روز سے آج تک پٹی میں بند تھا۔ وہ اسے نظرانداز کرتا الماری کی طرف بڑھ گیا۔

"کیا تم نے میری پکچرز لی تھیں؟" اس کے سوال پہ وہ رکا اور پلٹا تو چہرہ سامنے آیا' اس پہ تعجب تھا۔ زمر پشت کیے بیٹھی رہی۔

"کیا؟"

"جب میں اس ریسٹورنٹ میں زخمی پڑی تھی' اور تمہاری بیوی بھی' تو کیا تم نے اس منظر کی پکچرز لی تھیں؟" بڑے ٹھنڈے انداز میں پوچھا۔ مڑی بھی نہیں۔ فارس کے ابرو تن گئے' آنکھوں میں سختی در آئی۔

"آپ جواب میں کیا سننا چاہتی ہیں؟ کیا بات آپ

کو خوش کرے گی؟ بتایئے میں کہہ دیتا ہوں۔"

زمر نے جواب نہیں دیا۔ چپ بیٹھی رہی۔ وہ بھی پلٹ گیا۔ الماری سے چند کاغذات نکالے اور پٹ زور سے مار کر بند کیا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ پھر سے اسکرین پہ وہی تصویریں نکال کر دیکھنے لگی' جو سعدی کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔ (یہ وہی تصاویر تھیں جو سعدی نے ہاشم کے لاکر سے نکالی تھیں' اس رات جب ہیرو نے اپنے اغوا کا ناٹک رچایا تھا۔) سعدی کے سامان' اس کے ٹیبلیٹ اور اب اس کے لیپ ٹاپ میں سوائے ان تصاویر کے کچھ بھی ایسا نہ ملا تھا جو اس کے کسی دشمن کی خبر کر سکتا۔

بالآخر زمر نے موبائل اٹھایا اور احمر کے نام میسج لکھا۔ "احمر شفیع' کیا ہم مل سکتے ہیں؟"

جواب چند لمحے بعد آگیا تھا۔

"پہلے بولیے' پلیز!" ساتھ ہی زبان نکالتا اسمائیلی!

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "ایک گھنٹے میں ریسٹورنٹ پہنچ جایئے' اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں۔" اور موبائل پرے ڈال دیا۔

آدھے گھنٹے بعد زمر تیار ہو کر' بال کیچو میں باندھے' پرس کہنی پہ ٹکائے باہر نکلی تو پرسکون لگ رہی تھی۔ کار کی طرف بڑھتے اس نے دیکھا' سامنے سبزہ زار پہ' مسز کاردار کے کمرے کے عقبی برآمدے میں جواہرات اور ندرت بیٹھی تھیں۔ (کافی دن سے جواہرات سے ملاقات نہیں ہوئی' سو اب ادھر جا بیٹھی تھیں۔) جواہرات نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور کار میں بیٹھی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے کار زن سے آگے گزر گئی تو جواہرات نے ندرت کی طرف چہرہ موڑا۔

"ایسا لگتا ہے زمر' فارس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔"

ندرت جو اسی طرف دیکھ رہی تھیں' چونک کر جواہرات کو دیکھا۔

"نہیں' وہ دونوں ٹھیک ہیں۔" ذرا سنبھل کر بولیں۔

"میں اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ مجھے ان دونوں کی فکر ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے ایسے ایک دوسرے سے کٹے کٹے نہیں رہتے جیسے یہ دونوں رہتے ہیں۔"

"سعدی کی وجہ سے... ایسا ہے!" وہ بس اتنا کہہ پائیں۔ آنکھوں میں ڈھیروں تکان اتری۔

"میرا نہیں خیال کہ صرف سعدی کی وجہ سے ایسا ہے۔ اگر سعدی آگیا تو کیا یہ دونوں ایک دم سے ٹھیک ہو جائیں گے' اونہوں۔"

ندرت خاموش رہیں۔

"یقیناً" یہ باتیں آپ کے ذہن میں بھی گھوم رہی ہوں گی ندرت! مگر ظاہر ہے آپ یہ فارس سے کہہ نہیں سکتیں کیونکہ آپ اس کے گھر میں رہ رہی ہیں۔" مسکراتے ہوئے نرمی سے وہ کہہ رہی تھی۔

"مگر کبھی کبھی انسان کو اپنے چھوٹوں کو ٹوک دینا چاہیے۔ اس میں ان ہی کا فائدہ ہے۔"

ندرت نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔ "نہیں مسز کاردار' میاں بیوی کے معاملے میں ہمیں نہیں بولنا چاہیے' ایک دوسرے کو الزام دینے سے صرف گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے اور پھر یہ گھر تو میرے ابو اور بھائی کا ہے۔ میرا اپنا ہی ہوا' اس لیے مجھے سب کا سوچنا چاہیے۔" اپنے ازلی گھریلو اور سادہ انداز میں وہ کہتی گئیں۔ جواہرات کو بات پسند نہیں آئی مگر خاموش رہی۔

وہ اٹھیں تو فیونا آئی۔ ایک ننھا سا باکس اور خط کا لفافہ سامنے کیا۔

"کوئی ڈرائیور تھا' آپ کے لیے دے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا' اوپر نام لکھا ہے۔" کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ جواہرات نے باکس کھولا۔ اندر میرون مخمل پہ ایک ہیروں سے جھلملاتا بریسلیٹ رکھا تھا۔ اس نے دو انگلیوں میں بریسلیٹ نکال کر دیکھا۔ پھر کارڈ کھولا۔ اس پہ فارسی میں لکھا تھا۔

من خشت بہ ملکہ داد!
چہ خشت را ملکہ مغرور!

ہارون عبید۔"

(میں نے پیش کیا ملکہ کو ایک ہیرا! کیونکہ ہیرے ملکہ کو مزید مغرور بناتے ہیں)

"ہارون عبید اور اس کی ایرانی ماں کا فارسی ٹچ!" وہ اس کارڈ کو دیکھ کر بے نیازی سے مسکرائی۔

"سوا تنے سال بعد ہارون عبید اسی شہر میں واپس آ ہی گئے۔" کوئی عجیب سا احساس تھا جو اس خوب صورت اور سنگ دل ملکہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا اور یہ احساس یقیناً "ناخوشگوار نہیں تھا۔

"من خشت بہ ملکہ داد!" اس نے مسکراتے ہوئے دہرایا۔

☆ ☆ ☆

تیرا بھولا ہوا پیمانِ وفا
مر رہیں گے اگر اب یاد آیا

ریسٹورنٹ پہ افطار ہونے کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ ملازموں کی بھاگ دوڑ لگی تھی۔ ایسے میں اوپری پورشن لاک کر کے، زمر نیچے آ بیٹھی تھی اور اس وقت اس کے سامنے ہنستا مسکراتا احمر بیٹھا تھا۔

"جی مسز زمر! کیسے یاد کیا آپ نے مجھے؟"

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے بولی۔ "مجھے آپ کی سروسز درکار ہیں۔"

"یعنی آپ مجھے ہائر کرنا چاہتی ہیں؟ گڈ۔" ذرا سا مسکرایا۔

"پہلے مجھے آپ کی ماہرانہ رائے چاہیے، خالص غیر جانبدار رائے۔"

"شیور! ویسے میری کنسلٹنسی فیس پانچ ہزار روپے ہے مگر چونکہ آپ غازی کی وائف ہیں تو آپ سے میں..." ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔ "پانچ ہزار ہی لوں گا۔" شرارت سے مسکرایا۔

زمر نے پرس سے ایک گلابی نوٹ نکال کر سامنے رکھا۔ "ایک غیر جانبدار اور سمجھ دار انسان کی حیثیت سے آپ..."

"میم! جب آپ اتنی عزت کرتی ہیں تو مجھے لگتا ہے، ابھی بے عزتی ہونے والی ہے۔" اس نے نوٹ والٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"احمر شفیع! میں سنجیدہ ہوں!" اور وہ واقعی سنجیدہ تھی۔ صرف ایک لمحہ لگا احمر کو سیدھا ہونے میں۔

"پوچھیے۔" اب کے وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"آپ sensible (سمجھ دار) اور ذہین انسان ہیں، کرمنل بھی رہ چکے ہیں اور پیدائشی فراڈ بھی ہیں، مطلب کہ تجربہ کار ہیں، اس لیے اپنی پوری ایمانداری سے بتائیے، آپ کی رائے میں، کیا فارس غازی نے اپنے بھائی اور بیوی کو قتل کیا تھا؟"

"ایمان داری سے بتاؤں؟"

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جی، میرے خیال میں، اس نے بالکل یہ دونوں قتل کیے تھے۔"

زمر ذرا سا مسکرائی۔ "واؤ۔ میرا خیال تھا، صاحبی السجن بہترین دوست ہوتے ہیں۔"

"مسز زمر، آپ نے مجھ سے میری دیانت دارانہ رائے مانگی، میں نے دے دی۔ غازی کو خود بھی علم ہے کہ مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں۔" وہ اب مکمل سنجیدہ تھا۔ پروفیشنل۔

"آپ کو کیوں یقین نہیں؟ آپ تو اس کے دوست ہیں۔"

"دوست ہوں، اندھا نہیں ہوں۔ غازی کے خلاف جتنے ثبوت ہیں، وہ اتنے ٹھوس ہیں، اتنی مضبوط گواہیاں ہیں، کہ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی اس حد تک جائے آپ کو پھنسانے کے لیے۔ اگر اس کا کوئی سرعام کھلے عام دشمن ہوتا تو میں پھر بھی مان لیتا مگر فی الحال میرے خیال میں، اس نے یہ قتل کیے تھے۔ ہاں آپ کے برعکس میں اسے مارجن دے سکتا ہوں۔ اس کی بیوی اور بھائی اس کو دھوکا دے رہے تھے، اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"میرے خیال میں بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے واقعی وہ قتل کیے تھے اور مجھ پہ گولی چلائی تھی۔" چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔

"مسز زمر' آپ نے یقیناً" مجھ سے اب اگلا سوال پوچھنا ہے کیونکہ صرف ایک سوال کے لیے تو آپ مجھے بلائیں گی نہیں۔ سو یاد رکھیے۔ اس کے پانچ ہزار الگ سے ہیں۔"

"شیور!" اس نے دوسرا گلابی نوٹ نکالا اور سامنے رکھا' پھر سعدی کے لیپ ٹاپ کو قریب کیا' چند بٹن دبائے اور پھر بولی۔ "مجھے یہ چند تصاویر ملی ہیں' اور ساتھ میں اس کال کی آڈیو جو فارس نے مجھے کی تھی۔ یہ دونوں ایک ہی وقت میں کاپی کی گئی ہیں' آج سے ڈیڑھ سال پہلے۔ یہ تصویریں مجھے اور زرتاشہ کو گولی مار دینے کے بعد کی ہیں۔" زمر نے لیپ ٹاپ کا رخ اس کی طرف موڑا۔ احمر سنجیدگی سے اسکرین کی طرف متوجہ ہوا مگر تصاویر دیکھ کر۔۔۔ اس کے لب کھل گئے۔ آنکھیں صدمے اور تعجب سے پھیلیں۔

پھر اس نے خود ہی اسکرین فولڈ کر دی۔ زمر بظاہر نارمل اور پرسکون' اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آئی ایم سو' سوری!"

"میں غلط ہو سکتی ہوں اپنی جانب داری کی وجہ سے مگر آپ بتایئے۔" وہ ٹھہری۔ "آپ کے خیال میں' کیا فارس یہ پکچرز لے سکتا ہے؟"

احمر کا سر نفی میں ہلا۔ "کبھی نہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ murderer (قاتل) ہو سکتا ہے' monster (شیطان) نہیں اور یہ تصویریں۔۔۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اونہوں۔ دیکھیں' آنر کلنگ ہوتی ہی ان دو لوگوں کو اپنی زندگی سے مٹانے کے لیے ہے' یہ ہاٹ بلڈڈ مرڈر ہوتا ہے مگر ایسی تصویریں۔۔۔ یہ تو کولڈ بلڈڈ مرڈر یہ لی جاتی ہیں جن میں آپ کی اپنے شکار کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوتی۔ نہ محبت' نہ نفرت۔ وہ آپ کے لیے صرف آپ کی مہارت کا ثبوت ہوتا ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل' کیونکہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں فارس کے بارے میں ہر بات یہ یقین کر سکتی ہوں مگر۔۔۔ وہ اس حد تک نہیں جا سکتا۔ وہ یہ نہیں کر سکتا۔" اس نے ٹی میں بندھے انگوٹھے کو جوتے سے مسلا۔ میز کی چمکتی سطح میں اپنا عکس نظر آیا تو وائٹ گولڈ کی نتھ چمکی مگر اس میں "خشت" (ہیرے) والی لونگ جیسی چمک اس میں نہ تھی۔

احمر چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ ریسٹورنٹ میں لوگوں کی چہل پہل سے وہ دونوں کٹ چکے تھے۔

"مسز زمر! آپ کو کچھ اور بھی چاہیے شاید مجھ سے؟"

زمر نے ہلکی سی گردن ہلائی۔ "مجھے ایک قابل اعتماد انویسٹی گیٹر چاہیے اور مجھے پتا ہے کہ آپ اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں' آپ مجھے پتا کر کے دیں کہ یہ تصویریں ہوٹل کے کس کمرے سے لی گئی ہیں' کس نے لیں۔ اور سعدی کو یہ کہاں سے ملیں؟ مجھے لگتا ہے وہاں کوئی اور بھی تھا۔ یہ فارس نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ ہو سکتا ہے اسی شخص کا سعدی کی گمشدگی میں ہاتھ ہو۔ فارس کے دشمن ہیں' اور سعدی کو اسی کے دشمنوں نے غائب کروایا ہے۔"

"شیور۔۔۔! میں پتا لگانے کی کوشش کرتا ہوں اور آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے اور آپ کے درمیان رہے گا۔"

"فارس۔۔۔" زمر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

احمر نے غور سے اسے دیکھا۔ "جی؟"

"آپ کا کبھی کسی غصہ ور آدمی سے واسطہ پڑا ہے احمر؟"

"جی۔ میرے ابو۔ بہت غصہ ور تھے۔ اسی لیے تو میں اتنا سوئیٹ ہوں۔"

"غصہ ور آدمی پتا ہے کیسا ہوتا ہے؟ اسے جلد غصہ چڑھتا ہے پھر وہ نہیں دیکھتا کہ آگے کون ہے' بس اسے رگید دیتا ہے' پھر غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو معافی مانگتا ہے' دوبارہ کبھی غصہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور کچھ دن بعد پھر وہی حرکت کرتا ہے۔ مگر فارس۔۔۔ وہ ایک طرف ایک غصیلا انسان مشہور ہے مگر۔۔۔ کوئی چیز ایڈاپ

نہیں ہوتی اس کے پرسنالٹی اسکیچ میں 'کچھ غلط ہے۔ وہ جیل میں کیسا تھا؟"

"وہ اپنا سارا وقت... مطلب زیادہ وقت... لڑائی جھگڑوں میں گزارتا تھا' یو نو... پھڈے' گروہ بندیاں اور وہ دوسروں کے لیے ہی لڑتا تھا۔ اگر اتنا وقت وہ اپنے پریزن رائٹس حاصل کرنے کے لیے لگاتا تو آج جیل جنت بن چکی ہوتی۔ ویسے میں ایک تحریک شروع کرنا چاہتا ہوں 'قیدیوں کے پریزن رائٹس کے حوالے سے اوہ..."

"تھینک یو احمر!" وہ ذرا تکان سے مسکرائی۔ "تو آپ میرے لیے کام کریں گے؟"

"بالکل' مگر کچھ وقت لگے گا اور... میم' میں پندرہ ہزار فی گھنٹہ لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کسی سے یہ کام کروا بھی نہیں سکتیں!"

"اس کو دوسرے لفظوں میں بلیک میلنگ کہتے ہیں۔"

"نہیں' اس کو ایک ایکسپرٹ ہائر کرنے کی فیس کہتے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ ہارون عبید مجھے کتنا پے کررہے ہیں؟"

"کون ہارون عبید؟"

احمر کا منہ بنا۔ "آپ اتنے مشہور سیاستدان کو نہیں جانتیں' میں نہیں مان سکتا۔"

"اچھا وہ ہارون عبید! انہوں نے تو ایک اسکینڈل کے بعد فارن منسٹری سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب کہاں سے آگئے؟"

"آہ' ہمارے سیاستدان! یہ کچھ عرصہ Hibernite کرتے ہیں پھر دوبارہ میدان میں آجاتے ہیں اور اپنا امیج درست کرنے کے لیے ان کو ہمارے جیسے کنسلٹنس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دیکھئے گا' تین ماہ کی میڈیا کمپین کے بعد میں ان کو کیسے مشہور کرتا ہوں۔" زمر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی چلتی زبان کو روکا۔

"میں قائل ہوگئی آپ کی فیس کے لیے۔ مگر میرا کام ہونا چاہیے۔"

"شیور!" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بالآخر زمر یوسف کو کچھ سکون ملا تھا۔

✡ ✡ ✡

بجھ گئی شمع حرم' باب کلیسا نہ کھلا
کھل گئے زخم کے لب' تیرا دریچہ نہ کھلا

جب زمر گھر آئی تو کمرے میں وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' گھٹنے پہ رکھے لیپ ٹاپ پہ کام کررہا تھا۔ آہٹ بھی نظر انداز کرتا کام کرتا رہا۔

"کل میں جاؤں گی ڈاکٹر توقیر سے ملنے۔ جیسا کہ ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا۔" وہ پرس اور فائلز سائیڈ ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔

"اونہوں۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں۔" زمر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"فارس! نیاز بیگ والے واقعے کو آٹھ دن گزر چکے ہیں' اب مزید کتنا انتظار کریں گے؟ اگر تب تک سعدی نہ رہا تو؟"

"وہ لوگ اسے نہیں ماریں گے' اگر مارنا ہوتا تو اوٹی میں مار دیتے۔ یہ آپ نے ہی کہا تھا۔" وہ ٹائپ کررہا تھا۔

"مگر جو مقصد انہیں اس سے چاہیے' وہ پورا ہوگیا تو وہ اسے زندہ کیوں رکھیں گے۔"

"وہ ایک سائنس دان ہے' ایک حساس ادارے کا سائنس دان۔ وہ اس سے ہر ممکن کام لیں گے۔ اور چند دن کی ہی تو بات کررہا ہوں میں۔ آگے آپ کا ہی فیصلہ ہوگا۔"

وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "میرا نہیں خیال کہ اب فیصلے میں کررہی ہوں۔ فی الحال تو تم ڈیسائڈ کررہے ہو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟" فارس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پتا نہیں آپ کیا بولے جارہی ہیں۔ میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر توقیر دبئی میں ہے۔ ذرا دونوں میاں

بیوی آجائیں' پھر ہم ان کو دیکھ لیں گے۔"
"دونوں میاں بیوی؟ اس کی بیوی کا کیا ذکر؟"
اور فارس غازی کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھمیں' ایک دم رک کر اس نے زمر کو دیکھا۔
"میرا مطلب تھا ہم دونوں۔"
"نہیں' تمہارا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سامنے کھڑی' چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "تم نے اس کی بیوی کا ذکر کیوں کیا؟"
"زمر' میں سارے دن کا تھکا ہوا آیا ہوں' کیا اس وقت میرا دماغ خراب کرنا ضروری ہے؟" ایک دم غصے سے اکتا کر اٹھا اور لیپ ٹاپ اٹھائے باہر نکل گیا۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر مڑی تو دیکھا' صوفے پہ اس کا والٹ پڑا تھا۔
زمر نے چند لمحے کے لیے سوچا' پھر والٹ اٹھایا۔ اندر جھانکا' اس میں پیسے تھے۔ چند ایک وزٹنگ کارڈز اور اے ٹی ایم کارڈ۔ اس نے وہی نکالا۔ اوپر جلی حروف میں لکھا تھا۔ Faris Taheer Ghazi
"فارس طہیر غازی؟" وہ بڑبڑائی۔ "مجھے تو اس کا پورا نام بھی نہیں معلوم۔" کارڈ واپس رکھ کر اس نے والٹ وہیں ڈال دیا۔ پھر وہ بیڈ پہ بیٹھی اور سینڈل اتارتے ہوئے سوچنے لگی۔
(مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک قاتل ہے' اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ سعدی کے ساتھ مخلص ہے مگر اس کے علاوہ میں کیا جانتی ہوں فارس کے بارے میں؟ ایک کم گو' غصہ ور اور پراسرار شخص مگر اس سے ہٹ کر... فارس غازی کون ہے؟) وہ سوچ میں گم بیٹھی رہی۔
پھر ایک دم وہ اٹھی۔ نیچے آئی تو فارس نہیں تھا۔ بیرونی برآمدے سے آوازیں آرہی تھیں' وہ ندرت کے ساتھ باہر بیٹھا تھا۔ زمر دبے قدموں سے چلتی بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے تہہ خانہ تاریک پڑا تھا۔ اس نے ایک ہی بتی جلائی' تو وہ وسیع کمرہ نیم روشن ہو گیا۔
وہاں کونے میں ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا' جیسے کوئی اسٹور وغیرہ ہو۔ فارس نے اس کو شادی کی پہلی رات بتا دیا تھا کہ بیسمنٹ کی چابی وہ اس کو نہیں دے رہا' ادھر زرتاشہ کی چیزیں پڑی ہیں۔ پھر جب حنہ لوگ ادھر آکر رہنے لگے تو سامان رکھنے کے لیے اس نے بیسمنٹ کھول دی مگر یہ کمرہ...! زمر اس کے بند دروازے کے سامنے آکر ٹھہری... اس کی چابی اب بھی اس نے کسی کو نہیں دی تھی۔ کیا رکھتا تھا وہ اس میں؟ اکثر وہ اسے بیسمنٹ سے اوپر آتے دیکھتی تھی۔ بار بار اسے اس کمرے میں جانے کی کیا ضرورت پڑتی تھی؟ زمر نے اس کمرے کا لاک گھمایا' وہ مقفل تھا۔ ذرا دھکا دیا۔ بے سود۔
"آپ ادھر کیا کررہی ہیں؟"
آواز تھی کہ صور' وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔
نیم تاریکی میں وہ سیڑھیاں اتر تا دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پہ سختی تھی اور آنکھوں میں برہمی۔ تہہ خانے میں اس رات عجیب سی پراسراریت بکھری تھی۔ زمر دو قدم پیچھے ہٹی۔ کمر دیوار سے جا لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس طرف آرہا تھا۔
"میں..." زمر نے تھوک نگلا۔ سابق ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے سارے الفاظ اس نیم تاریک کمرے میں کھو گئے تھے۔ "میں... سعدی کی چیزیں دیکھنے آئی تھی۔"
وہ اس کے عین سامنے آرکا' چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑیں۔
"سعدی کی چیزیں یا میری؟" ایک قدم مزید قریب آیا۔
اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا' مگر بظاہر گردن اکڑا کر بولی۔ "میں جو بھی کروں تم سے مطلب؟" اور سر جھٹک کر برابر سے گزرنے لگی کہ فارس نے اسے دونوں کہنیوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے واپس دیوار سے لگایا۔
"میں نے آپ کو منع کیا تھا ادھر آنے سے۔" چبا چبا کر' اس کو گھورتے وہ بولا تو زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ "منع کیا تھا یا نہیں؟"

"کیا تھا۔" اس کے الفاظ اٹکے۔ جنگل کی وہ رات اور اس کا سحر غائب ہو گیا، وہ پھر سے اس ریسٹورنٹ میں تھی اور وہ اسے کال پہ کہہ رہا تھا، وہ بد صورت اور خوفناک باتیں جو اسے کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ ایک اس دن اسے فارس سے ڈر لگا تھا اور ایک آج رات اسے ڈر لگ رہا تھا۔

"تو پھر شرافت کی زبان آپ کے اس اُلٹے دماغ کو کیوں سمجھ نہیں آتی 'ہاں؟" غصے سے بولا تو زمر کی اس جمی آنکھوں میں گویا سانس رکنے کی کیفیت سمونے لگی۔ مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے 'میں دیکھنے آئی تھی تمہاری چیزیں پھر کیا کر لو گے تم؟ میں... تم سے نہیں ڈرتی!"

"اچھا؟ بند کر کے چلا جاؤں آپ کو اسی کمرے میں دو چار دن کے لیے؟ ڈرتی تو نہیں ہیں نا آپ!" اسے کہنیوں سے پکڑے جھٹکا سا دیا۔

"مجھے مس ہینڈل مت کرو۔" بدقت اس نے اپنے بازو چھڑانے چاہے مگر بے سود۔

"میری بات کان کھول کر سنیں زمر بی بی!" برہم تپش نظروں سے اسے دیکھتے' وہ چبا چبا کر بولا۔ "میں جتنا آپ کا لحاظ کرتا ہوں' اتنی آپ بڑھتی جاتی ہیں۔ کسی دن مجھ سے واقعی اپنا قتل کروا کر رہیں گی' اس لیے آئندہ اگر میں نے کبھی آپ کو اپنی چیزوں کے قریب بھی بھٹکتے دیکھ لیا نا تو دیکھیے گا کہ کیا حال کرتا ہوں آپ کا۔ ابھی جانتی نہیں ہیں آپ مجھے۔" جھٹکے سے اسے چھوڑا اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی' تیزی سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ابا اور سیم کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں آ کر اس نے دروازہ مقفل کر لیا۔ پھر گہرے گہرے سانس لیتی دروازے سے پشت ٹکائے آنکھیں بند کیے کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔

"تمہیں اس سے شادی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی زمر 'اب بھگتو!" عادت کے برخلاف اس نے خود کو ملامت کیا۔ کتنی ہی دیر پھر وہ ادھر ہی کھڑی رہی۔ یہ تو طے تھا کل صبح تک وہ واپس کمرے میں نہیں جائے گی۔

آج دوسری دفعہ اسے فارس سے ڈر لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

زبان پہ مہر لگی ہے تو کیا ' کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

سعدی یوسف کا وہ کمرہ بجن خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً" باتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ قدرے لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ بیڈ کا سہارا لیا' اور بیٹھا۔ پھر بند دروازے کو دیکھا۔ چند لمحے سوچا اور جھک کر سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا۔ اندر ایک پیچ رکھا تھا جو اس نے سنک کے نیچے سے اتارا تھا۔ اس نے یہ پیچ بالکل خشک کر کے ادھر رکھا تھا۔ اب چند دن بعد وہ اسے نکال کر دیکھ رہا تھا۔

پیچ پہ زنگ لگ چکا تھا۔ سعدی مسکرایا۔ اس نے اپنی گردن کو چھوا جہاں ہلکا ہلکا سا پسینہ مسلسل آیا رہتا تھا۔ اس کا شک ٹھیک تھا۔ ہوا نم تھی۔ کچھ زیادہ ہی نم۔ ... وہ یقیناً" کسی ایسے شہر میں تھا جو سمندر سے قریب تھا۔

(اور ہاشم کو لگتا ہے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا تو یہ اس کی بھول ہے۔)

پیچ رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور سائیڈ ٹیبل سے قرآن اٹھا لیا۔ چہرے کے زخم اب تقریباً" مندمل ہو چکے تھے۔ البتہ وہ پہلے سے کمزور لگتا تھا۔

آج کون سا روزہ ہے' کچھ نہیں معلوم۔ وہ کتنے سپارے پڑھے گا' کوئی حساب نہیں' کبھی دل چاہتا تو پڑھتا جاتا' کبھی اتنا بے زار اور اداس ہوتا کہ دو' دو دن قرآن نہ کھولتا۔

(سب اس وقت کیا کر رہے ہوں گے؟ امی چھوٹے باغیچے والے گھر میں افطاری بنا رہی ہوں گی' کبھی ماموں اور پھپھو بھی آ جایا کرتے ہوں گے' اور ابا تو اب امی اور حنہ کے ساتھ رہتے ہوں گے ...) اس نے بھٹکتے ذہن کو قرآن کے صفحات پہ مرکوز کرنا چاہا۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔" تعوذ پڑھ کر اس نے النمل وہیں سے

کھولی جہاں سے اس روز چھوڑی تھی۔

”اور بے شک ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم)

سعدی کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔ (گھر والوں کی یاد محو ہونے لگی۔) واہ اللہ تعالیٰ! اس طرح کی آیات اور یہ شاہانہ انداز' دی کنگ آف آل کنگز جب تو۔ فرماتا ہے۔ ”ہم نے یہ کیا“ تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت فخر محسوس ہوتا ہے۔ میں بتوں کو پوجنے والوں' انسانوں کو خدا کا بیٹا ماننے والوں اور قبروں کو سجدہ کرنے والوں کے سامنے گردن اٹھا کر فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ دیکھو' میرا رب تو یہ ہے! بادشاہوں کا بادشاہ! میرے اور اس کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہے۔“ نرمی سے مسکراتے' سر جھکائے وہ کہہ رہا تھا۔ (اور اللہ کی باتیں تو ختم نہیں ہوتیں' سو سعدی نے آیات کے الفاظ پہ توجہ دی۔)

”ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو علم! اور ان دونوں نے کہا' سب تعریف اللہ کے لیے ہے' جس نے فضیلت دی ہم کو' بہت سے مومن بندوں کے اوپر۔“ اس نے رک کر ذرا سوچا۔ ”کتنی امیزنگ بات ہے اللہ تعالیٰ۔ اکثر ہماری فیملیز میں کئی بچوں میں سے ایک یا دو بہت لائق نکلتے ہیں' ماں باپ اپنی تربیت پہ اتراتے ہیں اور وہ بچے اپنی ذہانت پہ۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ جیسے داؤد علیہ السلام کے 19 انیس بیٹوں میں سے صرف ایک سلیمان علیہ السلام کو آپ نے خاص علم عطا کیا تھا' ویسے ہی ہر ایک کو' مجھے بھی' علم آپ نے ہی دیا۔ عمل بھی آپ دیتے ہیں' اگر ماں باپ دیتے تو ساری اولاد کو دے دیتے مگر باقی اولاد کو بھی آپ نے ضرور کچھ اور عطا کیا ہوتا ہے۔ پتا ہے اللہ تعالیٰ' لوگ مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں' سعدی تمہیں اتنا اچھا قرآن کس نے سکھایا؟ میں کہتا ہوں' مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ آپ اسی سے علم کے لیے دعا کریں' وہ آپ کو مجھ سے بھی اچھا قرآن سکھائے گا۔“

قید خانے کا وہ کمرہ اس تپتی دوپہر میں بھی کھلے پہاڑی مقام کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سعدی ارد گرد سب کچھ بھلائے' بس ان الفاظ کو پڑھ رہا تھا۔

”اور وارث ہوئے سلیمان' داؤد کے۔ اور کہا (سلیمان نے) کہ اے لوگو' ہم سکھائے گئے ہیں' پرندوں کی بولیاں' اور ہمیں عطا کی گئی ہے ہر چیز! بے شک یہ وہ فضل ہے جو روشن (نمایاں) ہے۔“ گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی۔

”اور فلمی اداکاروں' سیاسی لیڈرز اور ایسے تمام لوگ جن کی وجہ شہرت وہ کام ہیں جو اللہ کو نہیں پسند' ان سب کی پرستش کرنے والے پرستاروں کے سامنے میں گردن اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ دیکھو! میرے آباء تو یہ لوگ ہیں۔ جو انبیاء ہیں۔ جو اتنی شان سے بات کرتے ہیں۔ انہیں اللہ نے کیا کیا نہیں عطا کیا اور انہوں نے اپنا علم روک کر نہیں رکھا' بخل نہیں کیا۔ نعمتوں کا اعتراف کیا اور یہی شکر ہوتا ہے۔ اور ہم لوگ۔“ اس کی مسکراہٹ اداسی میں بدلی۔ ”ہمیں تو ذرا سا ہنر آ جائے' ہم کسی کو بتاتے نہیں کہ کہیں وہ ہم سے اچھا نہ کر لے۔ ہم اتنے تنگ دل کیوں ہیں' اللہ تعالیٰ؟“

کمرے میں اس وقت سکینت ہی سکینت اتری تھی۔ ٹھنڈی میٹھی سی چھایا۔ وہ سر جھکائے' آگے پڑھنے لگا۔

”اور اکٹھے کیے گئے سلیمان کے لیے ان کے لشکر' جنوں میں سے' اور انسانوں میں سے' اور پرندوں میں سے تو وہ پورے ضبط میں رکھے گئے تھے۔“

سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔

”اللہ تعالیٰ! ضبط کے لیے جو لفظ آپ نے استعمال کیا ”وزع“ اس کا اصل لغوی مطلب کیا تھا بھلا؟“ کچھ دماغ آج کل سست رہتا تھا' سو ذرا دیر سے یاد آیا۔ ”ہاں! فوج کو ترتیب وار حصوں میں رکھنا۔ ایک دوسرا مطلب بھی تھا۔“ ذرا ذہن پہ زور دیا۔ ”شاید۔ روکنا اور منع کرنا۔ سو بات یہ ہے اللہ تعالیٰ۔“ آنکھیں کھول کر وہ ذرا سکون سے اپنی بات سمجھانے لگا۔ ”کہ جنوں اور پرندوں کو تو رہنے دیں' صرف انسانوں پہ حکمرانی

کرنے کے لیے اپنا راج قائم رکھنے کے لیے، بھلے وہ گھر کا ہو یا کسی ادارے کا یا پورے ملک کا، ڈسپلن سب سے زیادہ ضروری ہے اور اس ڈسپلن کو بھی ڈسپلن کرنا چاہیے۔ نہ زیادہ روک ٹوک ہو، نہ کم۔۔۔ خیر پھر کیا ہوا؟" بہتیری بار پڑھی سورۃ ہر دفعہ نئی لگتی، سو دلچسپی سے اگلی آیت کی طرف آیا۔

"یہاں تک کہ وہ (سلیمان علیہ السلام) جب آئے چیونٹیوں کی ایک وادی تک۔" (وہ ہلکا سا مسکرایا۔ یہ چیونٹیاں اسے کتنی پسند تھیں۔) "تو کہنے لگی، ایک (ملکہ) چیونٹی، یا ایہا النمل (اے چیونٹیو!) اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، یہ نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کے لشکری تمہیں روند ڈالیں!"

"ارے واہ۔۔۔! آج کی آیات اتنی Regal شاہانہ آ رہی ہیں اللہ تعالیٰ، میں تو خود کو ایک قیدی محسوس ہی نہیں کر رہا۔ پہلے آپ، پھر سلیمان علیہ السلام، پھر چیونٹی! ہر کسی کی اپنی شان ہے۔" اس نے کھلے دل سے سراہا۔ "اب یہ چیونٹی۔۔۔ نہ ڈری، نہ گھبرائی، نہ بھاگی، اس نے پہلے باقی سب کا سوچا۔ وہ ملکہ تھی، اس نے اپنی جماعت کی خیر خواہی چاہی، مگر وہ ذہین بھی تھی، اس کو معاملہ ڈیل کرنا آتا تھا۔ شور نہیں مچایا، پورے وقار اور بردباری اور تحمل سے چیونٹیوں کو مخاطب کر کے اندر جانے کا کہا اور پھر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ اس نے بھی چھوٹی حرکت نہیں کی، بڑا دل رکھا۔ اچھا گمان کیا کہ اگر بالفرض سلیمان کا لشکر تمہیں روند بھی دے تو بے خبری میں ایسا ہو گا۔ آپ سے اونچے اور بڑے لوگ عادتاً آپ کو روند کر نکل جاتے ہیں، اپنی حفاظت آپ کو خود کرنی ہوتی ہے۔ اللہ بتاتا ہے کیا، میری ٹیچر کہتی تھیں، نمل ذہین مونث کی سورۃ ہے۔ اس میں ایک چیونٹی ہے، جو چیونٹی ہو کر بھی ملکہ ہے اور اس میں ایک ملکہ ہے، ملکہ بلقیس (ملکہ سبا) ۔۔۔ وہ ملکہ ہو کر بھی ایک چیونٹی ہی ہے۔ دیکھا جائے تو ساری عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ کسی کے لیے ملکہ اور کسی کے لیے چیونٹی ہوتی ہیں۔"

اس ٹھنڈی چھایا والے کمرے میں بیٹھا وہ لڑکا، اداسی سے مسکراتے ہوئے بولے جا رہا تھا جب دروازہ کھلا۔ سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ مایا اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں میں بے پناہ حزن تھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ قرآن اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ ٹیبل پہ دھرا۔ آنکھیں بند کیں، اپنے جسم پہ صلیب کا نشان بنایا۔

"خداوند یسوع مسیح، مجھے معاف کرنا۔" پھر آنکھیں کھولیں اور اس کی متعجب نظروں سے نگاہیں ملائے بغیر ایک انجکشن اس کے بازو میں پیوست کیا۔ وہ ابھی سوال بھی نہیں کر سکا تھا کہ سوئی چبھی اور پھر۔۔۔ ایک دم ساری دنیا ساکن ہوتی گئی۔ منظر دھندلاتا، پھر واضح ہوتا، پھر دھندلاتا، وہ ہل بھی نہ سکا۔ اس کا جسم سُن ہو چکا تھا۔ مایا نے اسے لٹایا، کروٹ کے بل، یوں کہ اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا اور دونوں بازو اسی سمت گرے ہوئے تھے۔ چہرہ حیرت زدہ اور ساکن تھا، جیسے وہ بت بن گیا ہو، مگر آنکھیں سب دیکھ رہی تھیں۔

مایا سر جھکائے باہر نکلی اور کھلے دروازے سے۔۔۔ سعدی کی بے جان آنکھوں نے دیکھا کہ ایک تھری پیس نفیس سوٹ میں ملبوس، وجیہہ اور اسمارٹ سا آدمی اندر داخل ہوا ہے۔ اس کے بال جیل لگا کر پیچھے سیٹ تھے، کلائی کی گھڑی، چمکتے بوٹ۔ وہ سب دیکھ سکتا تھا۔ کسی نے کرسی لا کر رکھی اور وہ سعدی کے قریب بیٹھا، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ شاہانہ انداز میں کرسی کی پشت پہ بازو پھیلایا۔

"ہیلو اگین۔۔۔ سعدی!" ہاشم کی آواز بھاری ہو کر اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ بنا پلک جھپکے، نیم مردہ سا پڑا اسے دیکھے گیا۔

"کیسے ہو تم؟ اوہ! آئی ایم سوری۔ اس انجکشن کے لیے۔ چند گھنٹوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں، بس یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم مجھ پہ حملہ کرو اور تمہارے زخم ادھڑیں۔ مجھے تمہاری فکر ہے بچے! اور میرا خیال ہے کہ تمہاری فکر صرف مجھے ہی ہے۔ تب ہی تو عید سے کچھ دن پہلے میں اسپیشل

تمہارے پاس آیا ہوں' تمہارا عید کا تحفہ لے کر۔"

آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا انگلی سے ٹھوڑی کو مسلتے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم میرا شکریہ ادا نہیں کرنا چاہو گے؟ میں نے تمہاری جان بچائی کیونکہ میں' سعدی۔۔۔! میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ایک اتنے ذہین اور قابل سائنس دان کو ضائع کیوں ہونے دوں؟ دیکھو میں نے تمہیں ایک اچھی آفر دی تھی کہ میرے لیے کام کرو مگر تم نے جواب میں کیا کیا؟ تم نے میرے بھائی کو گالی دی مگر میں تمہارا ہر قصور معاف کر رہا ہوں۔ آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔"

سعدی اسی طرح' بے جان' مردہ سا' خالی آنکھوں اور مفلوج بدن کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔ وہ اب جیب سے ایک بڑا پیکٹ نکال رہا تھا۔

"مگر اس سے پہلے۔۔۔ تمہارا عید کا تحفہ۔" پیکٹ سے اس نے ایک انلارج فوٹوگراف نکالا۔ "تمہیں معلوم ہے' تمہاری فیملی شفٹ ہو گئی ہے' گیس کرو (اندازہ لگاؤ) کدھر؟ میرے گھر کی انیکسی میں۔ تم نے کہا تھا کہ میں ان سے دور رہوں مگر وہ خود قریب آ گئے ہیں۔"

سعدی کی مفلوج آنکھوں میں سرخی سی ابھرنے لگی۔ مگر وہ ہل نہیں سکتا تھا۔ ہاشم نے تصویر اس کے سامنے کی۔ (لان کا منظر' سارہ اور ذکیہ خالہ کے ساتھ افطار کی میز پہ ہاشم' اسامہ اور نور کو پیار کر رہا تھا۔ یہ تصویر۔۔۔ اس دن اس کے حکم پر فینو نا نے لی تھی۔)

"دیکھو! تمہاری باس بھی عرصے بعد تمہارے گھر آ گئی' میں بھی کچھ دیر بیٹھا ان کے ساتھ۔ وہ سب یوں بات کر رہے تھے جیسے تم مر چکے ہو۔"

مفلوج پڑے سعدی کا دل مفلوج نہیں تھا اور وہ بری طرح ڈوبا تھا۔ (سارہ خالہ نے کسی کو نہیں بتایا؟)

ہاشم نے تصویر اچھال دی۔ وہ سعدی سے ٹکرا کر فرش پہ گری۔ اس نے دوسری تصویر سامنے کی۔ (رات کا منظر۔ انیکسی کے سامنے کھڑے بات کرتے شیرو اور زمر۔)

"معاف کرنا مگر کہیں یہ تمہاری ڈیئر زمر تو نہیں ہے جو اس وقت شیرو سے اتنے دوستانہ انداز میں بات کر رہی ہے؟ شیرو وہی ہے نا! جس نے تم پہ گولی چلائی تھی؟ مگر۔۔۔ زمر اور فارس کو فکر نہیں ہے اس بات کی۔ ویسے بھی نیاز بیگ نامی کرائے کا غنڈا پکڑا جا چکا ہے اور اس نے تمہارے قتل کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ اب سب تمہیں رو کر چپ بھی ہو گئے ہیں۔ اوہ ہاں' زمر کی جاب چلی گئی اور آج کل وہ بھی اپنی جاب کے لیے فارس کی طرح مصروف ہے۔"

وہ تصویر بھی بھیک کی طرح سامنے پھینکی۔ اور ایک اور تصویر نکالی۔ (انیکسی کے بیرونی زینے پہ خاموش اور اداس بیٹھی حنین۔)

"تمہاری بہن۔۔۔ بس وہی اکیلی رہ گئی مگر فکر مت کرو' مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری بہن کو مجھ پہ سیکرٹ قسم کا کرش ہے' سو۔۔۔ ہم اچھے دوست بن گئے۔" وہ کہہ رہا تھا' اور سعدی کی آنکھوں میں سرخ خراشیں ابھر رہی تھیں۔ اس نے پورا زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر جسم ہلنے سے قاصر تھا۔ کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

"اب وہ بے چاری بچی مجھے دن رات میسج کرتی ہے اور تمہیں پتا ہے' میں اب کیا کروں گا؟ کسی رات جب فارس گھر نہیں ہو گا' تو میں اسے اپنے پاس بلاؤں گا۔ جو بھی بہانا کروں گا' وہ معصوم بچی مان لے گی۔ تمہیں پتا ہے نا' میرا کمرہ اس کے کتنے قریب ہے' سو میں کوشش کروں گا کہ اس event کی بھی تصویریں لوں مگر۔۔۔ تمہیں برا لگے گا' اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ میں ایسا نہ کروں' تو آج سے ہم نئی شروعات کریں گے۔ تمہارے گھر والے بھول چکے ہیں۔ کوئی ثبوت میں نے نہیں چھوڑا اپنے خلاف اور ہاں' تمہاری بہن نے تو وہ فلیش بھی میرے حوالے کر دی۔ جس میں میری فائلز تھیں۔ سو تم ان لوگوں کو بھول جاؤ' سعدی۔ تمہاری فیملی اب میں ہوں' اور میرا کاروبار اب تم بنو گے۔"

وہ اٹھا اور قدم قدم چلتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"میں نے تمہیں اس لیے بچایا کیونکہ مجھے تم اچھے لگتے

ہو' لیکن تم پہ اتنی انویسٹمنٹ میں مفت میں نہیں کر رہا۔ اس لیے آج سے تم میرے لیے کام کرو گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا' تو تمہاری بہن کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں — ایکچوئلی مجھے واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کہیں کوئی گھنٹی بجی تھی۔ سعدی کی مفلوج آنکھوں نے دیکھا' وہ جیب سے سیل فون نکال رہا تھا۔ پھر مسکرایا۔

"نائس ٹائمنگ! پاکستان سے ہے اور وہ بھی تمہاری بہن کا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں' تب تک تم میری بات پہ غور کرو! پھر فون کان سے لگایا اور خوشگوار سے انداز میں بولا۔ "ہیلو حنین۔ کیسی ہو؟" اسپیکر آن کر دیا تھا۔ کمرے میں حنین کی آواز گونجی۔

"میں ٹھیک۔ آپ باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"ہوں۔ میں انڈیا آیا ہوں' ایک پرانے دوست سے ملنے۔"

مفلوج لیٹے سعدی کا تنفس تیز ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔

"اچھا وہ... مجھے پوچھنا تھا..." وہ عجلت میں لگ رہی تھی۔ "آپ نے وہ فلیش کھول لی؟"

"ارے ہاں' وہ خاور نے کھول ہی لی۔ شکریہ۔ تمہاری وجہ سے میرے اتنے قیمتی ڈاکومنٹس محفوظ رہے۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ "کون سے ڈاکومنٹس تھے اندر؟"

"میرے آفس کی فائلز تھیں۔"

وہ پھر چپ ہوئی۔ "آپ مجھے وہ فلیش واپس کر سکتے ہیں؟ وہ بھائی کی چیز تھی' میں اسے بھائی کی یاد کے طور پہ رکھنا چاہتی ہوں۔"

"آں...!" وہ رکا۔ "اچھا میں تمہیں پرنٹ شدہ ڈاکومنٹس بھیج دوں گا واپس آ کر... یا پھر..." ذرا رکا۔ "تم کسی دن آ کر میرے کمرے سے لے جانا۔" اور کہتے ہوئے اس نے کروٹ لیے لڑکے کا چہرہ دیکھا۔ ایک آنسو اس کی ساکت آنکھ سے ٹپک کر تکیے میں جا گرا تھا۔

ہاشم باہر نکل گیا اور پیچھے کمرے میں قبر سی خاموشی چھا گئی۔

کیا مرنا ایسا ہوتا ہے؟

☆ ☆ ☆

وہ یہیں سے لوٹ جائیں جنہیں سر عزیز ہیں
ہم سر پھروں کے ساتھ کوئی سر پھرا چلے

اور ہزاروں میل دور' اسلام آباد کے اس مضافاتی علاقے میں... قصر کی انیکسی کے بیسمنٹ میں کھڑی حنین نے ہاشم کی کال کاٹی تو اس کے چہرے پہ شدید ملال چھایا تھا۔

"تو اب آپ مجھ سے بھی جھوٹ بولنے لگ گئے ہیں' ہاشم؟" وہ بڑبڑائی۔ "آپ نے وہ فلیش کھولی ہی نہیں' یا پھینک دی یا کسی کو دے دی' اگر کھولتے تو دیکھ لیتے کہ اس میں میرے دو کورین ڈرامے تھے۔ جو میں نے اسی رات لاک کر کے آپ کے لیے تیار رکھے تھے کیونکہ میں آپ کو بتانے کی غلطی کر چکی تھی اور اب ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ مگر آپ نے کیسے مجھ سے جھوٹ بول دیا؟"

سر جھٹکا اور پھر اپنے سامان سے اس نے علیشا کے نیکلس کے ساتھ رکھی سفید فلیش ڈرائیو نکالی جو سعدی نے اس کو دی تھی۔

"آپ کو تو اس ڈرائیو کا رنگ بھی نہیں پتا تھا تو یہ آپ کی کیسے ہوئی؟ اتنا جھوٹ؟" اس کا دل بری طرح دکھا۔ "محبت ایک طرف' لیکن میں بھائی کی چیز آپ کو نہیں دے سکتی تھی۔" اس نے باکس بند کیا اور فلیش لیے اوپر زینے چڑھنے لگی۔

(آخر دیکھوں تو سہی' اس میں اتنا کیا خاص ہے۔ جو سعدی بھائی اور ہاشم دونوں اس کو حاصل کرنا چاہتے تھے؟)

کچھ دیر بعد وہ لیپ ٹاپ کھولے لاؤنج میں بیٹھی تھی' فلیش لگا رکھی تھی اور وہ اس پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جس کے ذریعے ان ڈاکومنٹس کو مقفل کیا گیا تھا۔ تب ہی زمر سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔

"میں بیسمنٹ میں جا رہی ہوں حنہ' فارس آئے تو اسے بتا دینا کہ نیچے تہہ خانے میں جو اسٹور روم بنا ہے' اس کا لاک تڑوایا ہے میں نے آج۔" اطلاع دے کر وہ نیچے چلی گئی۔ حنہ نے بے دھیانی سے اس کی بات سنی۔

ذرا دیر بعد ہی فارس گھر میں داخل ہوا تو اسے لیپ ٹاپ پہ کام کرتے دیکھا۔

"تمہارے ہاتھ میں کمپیوٹر؟ خیریت؟" دروازہ لاک کرتے اس نے ایک اچٹتی نگاہ گھر پہ ڈالی جو رات کی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"جی' اور پھپھو نیچے آپ کے اسٹور تک گئی ہیں۔ اس کا لاک تڑوایا تھا آج انہوں نے۔" وہ الجھی الجھی تھی' بے توجہی سے بتایا۔

اور فارس غازی کا دماغ ایک دم گھوم کر رہ گیا۔ پھر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکا۔

سبک رفتاری سے زینے پھلانگتا نیچے آیا تو وسیع تہہ خانہ تاریک پڑا تھا۔ کونے والے کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ اسی دروازے سے کمر ٹکائے' سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ منتظر۔ وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"کس کی اجازت سے آپ نے اس کمرے کا لاک تڑوایا؟ منع کر کے گیا تھا نا میں کہ...." غضب ناک ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ غراتے ہوئے قریب آیا کہ دفعتاً" رکا۔

زمر بس ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اتنا کیوں ڈر گئے ہو؟ میں نے تو حنہ سے مذاق کیا تھا۔"

فارس نے بے ساختہ ہو کر دروازے کو دیکھا' وہ مقفل تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ وہ اس کو اکسا رہی تھی۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟"

"پلیز! اپنا غصہ مجھ پہ ضائع مت کرنا کیونکہ نہ میں تم سے ڈرتی ہوں اور نہ میں کبھی اس کمرے کا لاک تڑواؤں گی بلکہ تم مجھے خود یہ کمرہ کھول کر دکھاؤ گے۔" ٹھنڈے انداز میں وہ کہہ رہی تھی۔ "اور تم مجھے خود بتاؤ گے کہ تم اس میں کیا رکھتے ہو۔ تم سارا دن کیا کرتے ہو۔ تم چار سال سے کیا کرتے رہے ہو۔ تم ہمیشہ کہیں جا رہے ہوتے ہو' کہیں سے آ رہے ہوتے ہو۔ تم سے شادی سے پہلے میں نے اس ریسٹورنٹ میں آ کر تم سے صرف سچ بولا تھا۔ دشمنی اپنی جگہ' دیانت داری اپنی جگہ' سو اب سچ بولنے کی باری تمہاری ہے۔" وہ کچھ دیر لب بھینچے' برہمی سے اسے دیکھتا رہا۔

"ڈرتا نہیں ہوں آپ سے۔ صرف اس لیے اپنی کچھ چیزیں الگ رکھتا ہوں کیونکہ اگر آپ دیکھیں گی تو میرے ساتھ کام نہیں کریں گی۔"

زمر دو قدم آگے آئی' تیکھی نظریں اس کی آنکھوں پہ گاڑیں۔ "فارس! جیسے ہم نے نیاز بیگ کو گھیرا' ویسے ہی سرمد شاہ کو بھی گھیر لیں گے اور آہستہ آہستہ سعدی کے ہر ایک مجرم کو' مجھے کم از کم سعدی کے معاملے میں تم پہ اعتبار ہے لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ فارس طہیر غازی کون ہے؟ کم از کم مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں؟" کس کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔

فارس نے گہری سانس لی اور پھر جیب سے چابیوں کا گچھا نکالتا اس کمرے کے دروازے تک آیا۔ ایک چابی لاک میں گھمائی اور پھر دروازہ کھول دیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن

مکمل ناول

ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر' سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی' ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے۔ حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس، زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی، ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی، ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم، خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم، خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث، فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم، فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی، زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین، وارث کیس کی ایل ای ڈی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں، مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات، زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے۔ اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی، فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم' حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیروا پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" "کون؟" "زمر نے پوچھا۔
"مثلاً"... مثلاً" ہاشم کا کردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔
زمر کو ہاشم کا کردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی' زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین' علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو اِن کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کر دیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر' فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا' حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے' جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب' نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہو جاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کر دیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے __________ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کر لیتی ہے۔

۱۴ چودہویں قسط

من خشت بہ ملکہ داو

ابھی تو دل میں ہے جو کچھ بیان کرنا ہے
یہ بعد میں سہی کس بات سے مکرنا ہے

دروازہ کھلا تو تاریک سا کمرہ سامنے آیا۔
فارس نے سوئچ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہوئیں اور۔۔۔ چوکھٹ میں کھڑی زمر کی آنکھوں میں تحیر اتر آیا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور گردن گھما کر دیکھا گو کہ اس نے کسی ایسے ہی منظر کی توقع کی تھی' مگر اس کا حجم اتنا زیادہ ہو گا' یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔
اس کمرے میں کاغذ تھے۔ بے شمار کاغذ۔۔۔ تین دیواریں کاغذوں سے بھری ہوئی تھیں۔ نوٹس' تصاویر' اخبار کے تراشے' اوپر نیچے چپکے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیمپ کے ساتھ کچھ فائلز دھری تھیں اور کچھ جدید آلات۔ دو مزید لیپ ٹاپس۔ زمر نے چہرہ فارس کی طرف موڑا تو وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟"
"جو میں کر رہا ہوں۔ پچھلے چار سال سے۔"

زمر کی نظریں پھر سے کاغذوں سے ڈھکی ایک دیوار تک گئیں۔ وہاں بہت سے لوگوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ کو تو وہ پہچانتی تھی۔ جسٹس سکندر ' (فارس کے کیس کا جج) اے ایس پی سرمد شاہ ' وارث غازی کا باس "الیاس فاطمی ' ڈاکٹر توقیر بخاری (جنہوں نے سعدی کا آپریشن کیا تھا) کی بیوی ڈاکٹر ایمن بخاری ... اور بھی کچھ لوگ جن کو وہ پہچانتی نہیں تھی۔ وہ ڈاکٹر ایمن کی تصویر پہ نظریں مرکوز کیے آگے آئی۔

"تو تم واقعی ڈاکٹر توقیر کی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ تمہاری ..." اس نے تصویر کے اوپر نیچے لگے کاغذوں پہ نظر دوڑائی۔ "وہ تمہاری سائیکولوجسٹ تھی!"

فارس خاموش رہا۔

"اس نے کورٹ میں بیان دیا تھا کہ تم نے اس کے سامنے اعتراف جرم کیا ہے اور یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں جیل بھجوایا اور جیل سے نکلنے نہیں دیا۔" وہ اوپر سے نیچے تک ان دیواروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "تم ... !تم واقعی چار سال سے فارغ نہیں بیٹھے تھے۔" زمر کہتے کہتے چونکی۔ "تم انتقام پلان کر رہے تھے؟" فارس طہیر غازی نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب وہ چوکھٹ سے ٹیک لگائے ' بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔

"اور یہ لوگ ..." وہ ایک دوسری دیوار پہ چسپاں کاغذ دیکھنے لگی۔ "یہ کون ہیں؟"

"جیل کے ساتھی!"

زمر نے اچنبھے سے ان تصاویر کو دیکھا۔ "یہ وہ کرمنلز ہیں جن کو جیل میں جب کسی سے لڑنا ہوتا یا کام نکلوانا ہوتا ' یہ تمہیں آگے کر دیتے ' یہ تمہارے غصے اور جارحیت کو استعمال کرتے تھے مگر یہ لوگ۔ ان کا تمہارے اس ... اس انتقام سے کیا تعلق؟"

"آپ سے کس نے کہا کہ یہ مجھے استعمال کرتے تھے؟" وہ تلخی سے مسکرایا تو زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"زمر بی! کسی نے ایک دفعہ مجھے کہا تھا کہ تمہاری کمزوری تمہارا غصہ ہے۔ سو اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنالو۔ میں نے اتنے سال یہی کیا ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے ' اتنا بے وقوف ہوں میں کہ بنا سوچے سمجھے پرائے پھڈوں میں کودوں گا؟"

وہ ایک دم ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔ ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"انہوں نے تمہیں استعمال نہیں کیا ' بلکہ تم نے ... تم نے ان کو استعمال کیا۔ اوہ۔ !" سب بے اختیار سکڑے۔ اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔ "میں نے جیل میں چار سال ان کرمنلز ' اسمگلرز ' کرائے کے قاتلوں اور ڈرگ ڈیلرز کے ساتھ تعلقات بنائے ہیں ' ان کے مسئلے سلجھائے ' ان پہ احسان کیے ' ان کی کمزوریاں بھی جانیں ' اور ان کی طاقت بھی ' تاکہ وقت پڑنے پہ ان دونوں کو استعمال کر سکوں۔ میں ایک بڑے تالاب میں تھا جس میں گندی مچھلیاں تھیں۔ مجھے باہر کے مگرمچھوں سے لڑنے کے لیے ان کی مدد چاہیے تھی۔"

چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑے فارس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "جب جیل گیا تھا تو اکیلا تھا اب باہر آیا ہوں تو بہت سے کانٹیکٹس ہیں میرے پاس۔"

"اور وہ سب تمہیں تمہارے انتقام میں مدد دیں گے؟"

"بالکل!" اس نے شانے اچکائے۔

زمر پھر سے آگے پیچھے گھوم کر اس کمرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں تحیر کے ساتھ الجھن بھی تھی۔

"مگر ان لوگوں نے۔" وہ ڈاکٹر ایمن، اے ایس پی وغیرہ کی تصاویر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہیں جیل میں ڈالا تھا تو تمہارے اپنے جرائم کی وجہ سے اور....."

"اوکے، مسز زمر! میں آخری دفعہ آپ کو یہ بات بتانے جا رہا ہوں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا اور بہت تحمل سے بولا۔ "اور اس کے بعد آپ کبھی میری منت بھی کریں گی تو میں نہیں دہراؤں گا، اس لیے ابھی دھیان سے سنیں۔" سنجیدگی سے چبا چبا کر بولا۔ "میں نے وہ قتل نہیں کیے تھے، نہ آپ پہ گولی چلائی تھی۔" ذرا ٹھہرا۔ "مگر مجھے پتا ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گی، ٹھیک ہے۔ سو سنیں، مجھ سے زندگی میں ایک ہی بڑی غلطی ہوئی ہے، وہ یہ کہ وارث کی چیزیں جب میری کار سے برآمد ہوئیں تو مجھے احتیاط کرنی چاہیے تھی مگر میں اوور کانفیڈینٹ تھا۔ مجھے لگا مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا اور اسی اعتماد نے مجھے جیل پہنچا دیا۔"

تلخی مگر تحمل سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"آپ مجھے قاتل سمجھتی ہیں، ٹھیک ہے بالفرض میں نے وہ قتل کیے بھی تھے، تب بھی کیا مجھے فیئر ٹرائل کا حق نہیں تھا؟"

"تھا!" زمر کا سر خود بخود اثبات میں ہلا تھا۔

"کیا اس بدترین تشدد کی اجازت تھی جو مجھ پہ کیا گیا؟ کیا اس سائیکالوجسٹ کو حق تھا کہ میرے پرائیوٹ سیشنز کورٹ میں بیان کرے؟"

اس کی گردن نفی میں ہلی۔ "نہیں۔"

"کیا اس جج کو حق تھا کہ وہ مجھے تو تو، اس دس ماہ بعد کی تاریخیں دیا کرے؟ کیا پراسیکیوٹر بصیرت کا فرض نہیں تھا کہ وہ کیس کی پوری تفتیش کرے؟"

زمر نے اب کے بس گردن ہلائی۔

"تو زمر بی بی....! میرا بھائی مرا تھا، بیوی مری تھی، میرا خاندان تباہ ہو گیا تھا اور مجھے فیئر ٹرائل کا حق بھی نہیں دیا گیا۔ سو۔" دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ آنکھوں میں تپش سی تھی جو زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ "جیل جانے کے چار ہفتے بعد میں نے یہ سب پلان کرنا شروع کیا تھا اور میں انتقام ضرور لوں گا۔ میری زندگی کے ان چار سالوں کا حساب ان لوگوں کو دینا ہو گا۔"

پُراسرار اسٹور روم میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد وہ بول پائی۔ "تم ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "میں قاتل نہیں ہوں اور قتل کرنے سے یہ لوگ ایک ہی دفعہ مر جائیں گے، اس لیے موت نہیں، یہ اپنی زندگیوں سے اپنے کیے کا حساب چکائیں گے۔"

زمر نے ایک گہری سانس لی اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ وہ گہری سوچ میں دکھائی دیتی تھی۔

"تمہیں جیل سے نکلے ڈھائی ماہ سے اوپر ہو چکے ہیں، مگر یہ لوگ تو آزاد ہیں۔ میرا مطلب ہے، تم نے ابھی تک کچھ کیا کیوں نہیں؟ تم کس چیز کا انتظار کر رہے تھے؟" اس نے دوسری کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔

"دو چیزیں۔" اب کے قدرے نرمی سے بتانے لگا۔ "پہلی مجھے فنانشلی اسٹرانگ ہونا تھا، پیسہ چاہیے تھا۔ امی نے ایک فلیٹ چھوڑا تھا میرے نام، لاہور میں۔ اس کو بیچنا تھا، اسی میں لگا تھا۔ اور دوسرا، مجھے ابھی یہ جاننا تھا کہ ان سب لوگوں کو چلانے والا کون ہے؟ کون ان کو حکم دے رہا تھا؟ آپ بے شک یہی سمجھ لیں کہ میں نے وہ قتل کیے تھے، تو پھر کون ہے میرا

دشمن جس نے مجھے جیل بھجوایا' اور باہر نکلنے نہیں دیا؟ اتنا بے وقوف تو نہیں ہوں نا میں کہ ایسے ثبوت اپنی کار میں چھوڑوں گا!"

زمر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"کسی نے تو مجھے ایسے پھنسایا تھا نا کہ میں باہر نہ نکل سکوں؟"

زمر نے پھر ہاں میں گردن ہلائی۔ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ فارس کی ٹیچر جیسا نہیں' اس کی اسٹوڈنٹ جیسا لگ رہا تھا۔

"پھر... کیا تمہیں معلوم ہو سکا؟"

فارس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں' لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ تمام لوگ جو مجھے جیل برد کرنے میں ملوث تھے' وہی لوگ سعدی کی گمشدگی سے جڑے ہیں۔ جب وہ ہسپتال لے جایا گیا' تو ڈاکٹر بخاری کی اس دن ڈیوٹی نہیں تھی' مگر ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اس ہسپتال میں ان کے کام کا بندہ کون ہے' اس کی بیوی کو پہلے استعمال کر چکے تھے سو انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو ہسپتال بھیجا' وہ آیا اور اپنا کام دکھا گیا۔ اگر مجھے اس وقت معلوم ہوتا کہ یہ ڈاکٹر ایمن کا شوہر ہے' تو میں..." بے بسی اور غصے سے اس نے کچھ سخت کہنا چاہا' مگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔

"کیا سعدی کو یہ سب معلوم تھا؟"

"نہیں۔" فارس گردن موڑ کر ان کاغذوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ ایک دن صبح کے وقت آیا تو میں نے اس کمرے کو لاک کر دیا اور خود باہر والی ٹیبل کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ وہاں چند کاغذ لگا رکھے تھے۔"

زمر نے مڑ کر دیکھا' وہاں چند کاغذ اور الیاس فاطمی کی تصویر اب بھی لگی تھی۔

"وہ یہی سمجھا کہ میں صرف اس ایک ماسٹر مائنڈ کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں اور اسے مارنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کی تصحیح نہیں کی۔ میں اسے اس سب سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ اس کو کچھ معلوم تھا شاید جسے وہ چھپا رہا تھا کیونکہ وہ سعدی تھا' آپ کی طرح تھا!"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ دونوں ایک ہی جیسے ہیں' اسٹریٹ فارورڈ۔ مجھے پتا ہے کہ اس نے مجرم تک پہنچ کر کیا کیا ہو گا!" سر جھٹکا۔

"ان لوگوں کو کنفرنٹ کیا ہو گا' دو چار نصیحتیں جھاڑ آیا ہو گا اور ارادہ ہو گا کہ سب کو اپنا کارنامہ بتا کر کہے' فلاں فلاں ملوث ہے اس میں' اس کے خلاف مقدمہ درج کراتے ہیں اور یوں ہمیں انصاف مل جائے گا۔"

اس نے تلخی سے پھر سر جھٹکا۔

"مجھے پورا یقین ہے اس نے ضرور ان لوگوں کو احساس دلایا ہو گا کہ وہ ان کے راز جانتا ہے' اور انہوں نے اسے خاموش کر دیا۔ مگر میں..."

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولا۔ "میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔ میں فارس غازی ہوں۔ میں لمبی لمبی باتیں نہیں کرتا اور جو میں ان لوگوں کا حشر کروں گا' وہ دنیا دیکھے گی۔"

"سو تم اسی لیے ڈاکٹر والا معاملہ ڈلے (ملتوی) کر رہے تھے' کیونکہ تم میرے پلان کے مطابق ان کو صرف اکیلا اور ایکسپوز ہی نہیں کرنا چاہتے بلکہ... تم ان کو تباہ بھی کرنا چاہتے ہو۔"

"بالکل۔"

"اور تمہیں معلوم تھا کہ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی' اس لیے تم نے یہ سب مجھ سے چھپایا۔"

"ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ مجھے کسی چیز سے روک سکیں' مگر میں آپ کی بلاوجہ کی بحث نہیں سن سکتا تھا۔" ذرا سے شانے اچکائے۔

"اسی لیے پہلے تم نے مجھے اعتماد میں لیا اور پھر آہستہ آہستہ سارا کنٹرول میرے ہاتھ سے لینے لگے اور جب مجھے شک ہوا' تم نے مجھے غصے میں ٹال دیا' ایکچوئلی فارس..." وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں کہنے لگی۔ "میں نے تمہیں کبھی حنہ یا ندرت بھابھی یا سعدی پہ غصہ کرتے نہیں دیکھا' کبھی

اباسے بھی غصے سے بات نہیں کی' صداقت کو بھی نہیں جھاڑا' سو میں تمہیں بتاؤں مجھے کیا لگتا ہے؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے' تم اپنا غصہ کنٹرول کرنا جانتے ہو' مگر تم اسے استعمال کرتے ہو۔ جیسے تم اسے جیل میں استعمال کرتے تھے۔ تم اتنے غصہ ور ہو نہیں' جتنا خود کو ظاہر کرتے ہو' تاکہ لوگ تمہیں زیادہ جذباتی سمجھیں اور تم اپنا کام کر جاؤ۔ اور تم نے دیکھا' وہ اے ایس پی تم سے قطعاً" خوف زدہ نہیں ہے جتنا وہ مجھ سے جھجکتا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"تو آپ اتنے دن سے مجھے اسٹڈی کر رہی تھیں۔"

"واٹ ایور!" اس نے شانے اچکائے۔ پھر اٹھ کر ایک کاغذوں سے بھری دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"تو اب تم چاہتے ہو کہ ہم ان لوگوں کو صرف استعمال ہی نہ کریں بلکہ ان کو سزا بھی دیں۔"

"میں یہ کام اکیلا کر سکتا ہوں' آپ نہ شامل ہوں تو آپ کی مرضی!"

"ہاں' تم بہت کچھ کر سکتے ہو' مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ میرا ساتھ دیں گی؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر دیوار کو دیکھتی رہی۔

"اگر تم سعدی کو واپس لے آؤ تو میں سب کچھ کرنے پہ تیار ہوں۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔

"جب میں جیل میں تھا اور یہ سب لوگ میرے خلاف تھے' مجھے اذیت دے رہے تھے تو صرف ایک شخص تھا جس نے میری بات پہ اعتبار کیا تھا اور جس نے مجھے باہر نکالا تھا اس قید سے۔ وہ سعدی تھا اور میں اسے واپس لے آؤں گا۔ لیکن اس کے لیے آپ کو میرے طریقے سے کام کرنا ہو گا' سوزمر بی بی۔" وہ دو قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جب بولا تو آنکھوں میں مضبوط عزم تھا۔ "آج سے سارے فیصلے میں کروں گا۔ اور آپ مجھ سے زیادہ بحث نہیں کریں گی۔" چند لمحے زمر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے مگر ایک آخری سوال۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "تمہارے ان سارے مجرموں میں میری تصویر کدھر لگی ہے؟ آخر تمہیں جیل تو میں نے بھیجا تھا نا۔"

فارس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔

"میرا نمبر ان میں کون سا ہے؟ کب آئے گی میری باری؟" وہ چند ثانیے کچھ کہہ نہیں پایا۔

"جیسا کہ آپ نے خود کہا تھا' جب سعدی مل جائے گا' تب آپ مجھ سے اپنا حساب لیں گی' سو میں بھی تب ہی آپ سے حساب لوں گا۔"

اور اس نے صرف اپنی انا کے باعث وہ کہا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور وہ اس بات سے بے خبر کہ یہ وہ عورت ہے جسے وہ ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہے' سر ہلا کر گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تب تک تمہارے ساتھ ہوں جب تک سعدی نہیں مل جاتا۔ مگر آج سے' میں ہر جگہ تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"آپ کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟"

"نہیں' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کیسے کام کرتے ہو' کل کو جب تم مجھ سے اپنا حساب لو' تو کم از کم مجھے تمہارے طریقوں کا علم تو ہو نا۔"

قطعیت سے کہتی وہ مڑ گئی۔ فارس خاموشی سے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا رہا۔ تہہ خانے میں ایک دم اداسی چھا گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

اب جو چاہیں بھی تو اس طرح نہیں مل سکتے
پیڑ اکھڑے تو کہاں بار دگر لگتا ہے

ان سے سینکڑوں' ہزاروں میل دور' اس کمرے میں مقید سعدی یوسف بیڈ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تین تصویریں تھیں جن کو وہ بار بار اوپر نیچے کر کے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم اپنا زہر اگل کر جا چکا تھا اور سعدی کا ٹن ہوا جسم بھی آہستہ آہستہ نارمل ہو چکا

تھا۔

(ڈاکٹر سارہ نے کسی کو نہیں بتایا) وہ یاسیت سے سوچ رہا تھا۔ (اس نے اپنا قلم ایک غلط شخص کے ہاتھ میں دے دیا' اسے ہمیشہ سے معلوم تھا وہ کتنی بزدل اور ڈرپوک ہے' مگر یہ سب بنا سوچے سمجھے ہوا۔ اس کی زندگی کی دوسری بڑی غلطی زمر اور حنہ سے جھوٹ بولنا تھی کہ وہ کسی سائنس دان سے ملنے جا رہا ہے اور پہلی بڑی غلطی.... سارہ پہ اعتبار کرنا تھی۔)

مسلسل تصویریں شفل (الٹ پلٹ) کرتے زمر اور نوشیرواں کی تصویر اوپر لایا۔ آنکھوں میں سرخی سی دوڑنے لگی۔ حنین کی تصویر اوپر آئی تو دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہرے سانس لیے' خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تب ہی دروازہ کھول کر میری این جیو اندر داخل ہوئی۔ اس کے قریب آ کر سپاٹ سا بولی۔ "مجھے ذرا کام ہے' مایا ابھی آتی ہوگی' تمہاری پٹی دیکھے گی۔ زیادہ ہوشیاری مت دکھانا۔ مایا اچھی ہے' بہت اچھی مگر اسے استعمال کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

وہ سر جھکائے تصویریں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ اس کی بات گویا ان سنی کی۔ وہ چلی گئی تو مایا اندر آئی۔ میل نرس بھی ساتھ ہی آیا' مگر مایا نے ایک دم اسے مخاطب کیا۔

"وہ.... میرا بلیک بیگ داخلی دروازے کے قریب رہ گیا ہے' ذرا لیتے آؤ۔" وہ سر ہلا کر باہر گیا' تو مایا تیزی سے اس کی طرف آئی۔ بے چینی سے اس کو دیکھا۔

"سنو' میری این جیو گھر پہ نہیں ہے' اور میں ابھی سیدھی بازار جاؤں گی' کاردار صاحب کا آدمی بازار کے اندر میرے ساتھ نہیں جائے گا تم مجھے اپنی فیملی کا کوئی نمبر دو' میں ان کو کال کر کے اطلاع کر دوں گی کہ تم کہاں ہو۔" وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

سعدی نے گویا سنا ہی نہیں' بس ان تصویروں کو ہی دیکھتا رہا۔

"تم سن رہے ہو؟" وہ جھنجلائی اور اس کا کندھا ہلایا۔ "سعدی' مجھے کوئی کانٹیکٹ نمبر دو جہاں میں فون کر سکوں۔ تاکہ تم ان کے پاس واپس جا سکو۔"

سعدی نے اس کے یوں ہلانے پہ آنکھیں اٹھا کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری کوئی فیملی نہیں ہے' نہ مجھے کسی کے پاس واپس جانا ہے!"

مایا دھک سے رہ گئی۔ پھر اس کی شفاف آنکھوں میں بے پناہ دکھ ابھرا۔

"ایسے مت کہو۔ تمہاری فیملی تمہاری منتظر ہو گی۔"

"میں نے کہا نا' میری کوئی فیملی نہیں ہے۔" اس نے وہ تصویریں اکٹھی کیں اور شڑپ سے پھاڑیں' پھر اکٹھی کر کے دوبارہ پھاڑیں اور دروازے کی طرف اچھال دیں۔ تب ہی نرس واپس اندر داخل ہوا۔ سارے پرزے اس کے قدموں میں گر گئے۔

مایا اب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی مگر آنکھوں میں بے پناہ تکلیف اور کرب لیے وہ نرس کو ہدایات دینے لگی۔

☆ ☆ ☆

اجنبی لگنے لگے خود تمہیں اپنا ہی وجود
اپنے دن رات کو اتنا بھی اکیلا نہ کرو

اس رات انیکسی میں خاموشی چھائی تھی۔ سیم اور ابا اپنے کمرے میں سونے جا چکے تھے۔ فارس گھر پر نہیں تھا۔ اور ندرت کو آج ذکیہ خالہ بہت اصرار سے اپنی طرف لے گئی تھیں۔ ایسے میں حنین اکیلی لاؤنج کے صوفے پہ لیٹی تھی۔ ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا مگر وہ چھت کو تکتی سوچے جا رہی تھی۔ ہاشم کے جھوٹ کے بارے میں۔ فلیش کے بارے میں جسے وہ کھول نہیں سکی تھی۔ ہاشم سے بات نہ کرنے کے بارے میں....

تب ہی میز پہ رکھا فون بجنے لگا۔ حنین نے ست روی سے گردن موڑی۔ ہاشم کی کال آ رہی تھی۔ اسی پل دروازہ کھلا اور اس نے فارس کو اندر آتے دیکھا۔ وہ موبائل اٹھانے کے لیے ہاتھ بھی نہ بڑھا سکی۔

"کس کا فون ہے؟" وہ اس کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ وہ بس یک ٹک گردن اٹھائے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"حنین! میں پوچھ رہا ہوں' اس وقت کس کا فون آ رہا ہے؟" وہ غصے سے پوچھ رہا تھا اور حنین کا پورا وجود سُن تھا۔ دل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا' جسم سے جان نکل رہی تھی۔۔ فارس نے فون اٹھالیا تھا۔ اب وہ سب جان جائے گا۔

کرنٹ کھا کر جیسے اس کی آنکھ کھلی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورا جسم پسینے میں ڈوبا تھا۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ وہ اکیلی تھی۔ ٹی وی ہنوز چل رہا تھا۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ وہ کب سوئی پتا ہی نہیں چلا۔ پہلے اس نے موبائل دیکھا۔ کوئی کال نہیں تھی۔ اوہ وہ خواب تھا!

آہٹ پہ چونکی۔ فارس دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسی طرح متوحش سی بیٹھی تھی۔ اس نے لاک لگایا' اور قدم قدم چلتا قریب آیا۔ حنہ کو دیکھ کر آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

"ادھر کیوں سو رہی ہو؟"

"وہ امی۔۔۔ امی ذکیہ نانی کی طرف گئی ہیں نا' تو۔۔۔ میں اکیلی تھی۔"

"ہاں انہوں نے مجھے بتایا تھا' تو تم اکیلی کیوں ہو؟ سیم کو اپنے ساتھ سلانا تھا۔" ایک نظر ابا کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ "اچھا اب ادھر مت سوؤ۔ صبح ملازم لڑکا آتا ہے' اس کے لیے دروازہ کھولنا ہوتا ہے۔ شاباش' اٹھو' اوپر ہمارے کمرے میں آجاؤ۔" ساتھ ہی اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر آنکھوں میں حنہ کے لیے بے حد نرمی تھی۔

حنین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم اٹھی اور اس کے بازو کے گرد ہاتھ لپیٹ کر اس کے کندھے سے ماتھا ٹکا دیا۔

"ماموں! میں آپ کو کبھی نہیں کھونا چاہتی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا۔ میں آپ کو کھونے والی تھی۔" آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔"

فارس نے گہرا سانس لیا۔ "نہیں حنہ! میں تمہیں اس وقت کچھ کھلانے باہر نہیں لے جا سکتا۔"

روتے روتے حنہ نے ناراضی سے چہرہ اٹھایا۔ "دنیا میں کھانے سے بڑے مسائل بھی ہو سکتے ہیں۔"

"مثلاً"؟" اس نے غور سے حنین کے چہرے کو دیکھا۔ بالوں کو پونی میں باندھے' اس کی آنکھیں گیلی نظر آ رہی تھیں۔ اس سوال پہ مزید بھر آئیں۔

"میں بہت بری ہوں۔" احساس جرم بہت شدید تھا۔

فارس نے ابرو اٹھائی۔ "شکل میں؟"

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ اس کا بازو چھوڑا۔ آنسو رگڑے۔ "آپ کے ساتھ ایموشنل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"چلو' اب اپنا ڈرامہ ختم کرو اور آؤ۔" وہ مسکرا دی۔ دل ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو حنہ نے سوچا' بس اب وہ ہاشم کو یوں چھپ کر ٹیکسٹ نہیں کرے گی۔ بس ختم یہ سلسلہ۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو زیرو بتی جل رہی تھی' اور زمر آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔ فارس کی نگاہیں اس کے پاؤں پر جا رکیں' جس کا انگوٹھا ہنوز پٹی میں مقید تھا۔

"زمر!" اس نے پکارا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

"حنہ آپ کے ساتھ سوئے گی' میں آپا والے کمرے میں جا رہا ہوں۔" اطلاع دیتے ہوئے وہ اپنی چیزیں اٹھا رہا تھا۔ زمر اٹھ گئی۔

"ارے تم اکیلی کیوں تھیں؟ سیم کو بولا تھا میں نے... خیر آجاؤ' اب سو جاؤ۔" وہ نرمی سے کہتی اٹھی اور اس کے لیے لحاف نکالنے لگی۔

حنین چپ چاپ آ کر زمر کے دوسری طرف لیٹ گئی۔ موبائل پہ سحری کا الارم لگا کر اپنے اور زمر کے تکیے کے درمیان رکھ دیا۔ (زمر سے کوئی بات نہیں کی) اور ماتھے پہ بازو رکھ لیا۔ موبائل کی لائٹ جل رہی تھی۔ روشنی بجھنے کا وقت دو منٹ تھا۔ ڈیڑھ منٹ بعد

حنہ نے کروٹ بدل لی۔ تب ہی موبائل تھرتھرایا۔ زمر چونکی۔ موبائل ٹیڑھا پڑا تھا۔ اوپری بار میں نئے میسج کی پہلی سطر نظر آرہی تھی۔

ہاشم کاردار: "کیا میں تمہیں کال کرلوں؟"

حنہ نے کروٹ لی' زمر نے فوراً" آنکھیں بند کر لیں۔ اسے آہٹ سنائی دی۔ پھر فون آف ہونے کی ٹون گونجی۔

پھر وہ سو گئی' مگر زمر یوسف کی نیند اڑ چکی تھی۔ (ہاشم نے ایسا میسج حنہ کو کیوں کیا؟)

اگلی شام وہ کمرے میں بیٹھی کیس اسٹڈی کر رہی تھی تو دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سارہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ آنکھوں میں اداسی' لبوں پہ نرم مسکراہٹ اور بال نفیس سے فرنچ ناٹ میں بندھے تھے۔ وہ اور ذکیہ خالہ' ندرت کو شاپنگ کے لیے اپنے ساتھ لے جانے آئی تھیں۔ یہ بھی ندرت کا اصرار تھا۔ عید کی تیاری کرنی تھی۔ سعدی کے کپڑے بھی لینے تھے۔ زمر کے لیے کل ہی لے آئی تھیں۔

"آیئے سارہ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سارہ اس کی فائلز کو دیکھتے قریب آکر بیٹھی۔ وہ ان دو ماہ میں دوسری دفعہ آئی تھی۔ پہلے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں۔ پھر وہی ذکر آیا۔

"سعدی کا کچھ پتا چلا؟" (مٹھی میں پسینہ آیا)

"نہیں' مگر پتا چل جائے گا۔"

"آپ کو اتنا یقین کیسے ہے کہ وہ زندہ ہو گا؟" یہی بات سارہ کے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

زمر آزردگی سے مسکرائی۔ "کیونکہ ہم زندہ ہیں۔" سارہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ بدقت چند باتیں کرپائی۔ "کیا کوئی گواہ سامنے نہیں آیا؟ کسی نے کچھ تو دیکھا ہو گا؟" بظاہر سرسری سا پوچھا۔

زمر نے گہری سانس بھری۔ "نہیں' کوئی سامنے نہیں آیا۔ گواہ عموماً" سامنے کم آتے ہیں۔ سب کی اپنی فیملیز ہوتی ہیں۔ ویلکم ٹو پاکستان!"

"تو کیا گورنمنٹ ان کو وٹنس پروٹیکشن (گواہوں کو تحفظ) نہیں دے سکتی؟ ان کی فیملیز کی حفاظت نہیں کر سکتی؟"

"سارہ! ہمارا سسٹم بہت زبوں حال ہے۔ ہم گواہ چھپا دیں' تب بھی لوگ ان کا پتا نکال لیتے ہیں۔ خیر!" اس نے سر جھٹکا۔ "ہر کوئی اتنا بہادر نہیں ہوتا۔"

سارہ کے لیے مزید بیٹھنا دوبھر تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اس کا مطلب ہے گواہوں کو اپنی حفاظت خود کرنی ہوتی ہے۔ خیر! میں چلتی ہوں۔" زمر نے مسکرا کر الوداع کہا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

ہم خاک نشین ' تم سخن آرا سر بام
پاس آکے ملو' دور سے کیا بات کرو ہو

رمضان اسی طرح خاموش سا گزر گیا اور عید کی شام قصر اور اس کے سبزہ زار پہ اتری تو بے پناہ رونقیاں لیے ہوئے تھی۔ بے فکر' خوب صورت اور خوش باش لوگ ٹہل رہے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے' مشروبات سے تواضع کرتے نظر آرہے تھے۔ ایسے میں سبزہ زار کے وسط میں ہاشم' میرون شلوار قمیص میں ملبوس' گلاس تھامے' ہنستا ہوا مہمانوں سے باتیں کرتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات بھی قریب کھڑی تھی۔ سبز گاؤن میں مسکراتی ہوئی' کانوں میں زمرد اور ہیرے جڑے آویزے پہنے۔ کاردارز کی عید کی پارٹی اتنی ہی جگمگاتی ہوتی تھی۔

ان سے دور ہٹو تو سبزہ زار کے بالکل کنارے پہ ایک الگ تھلگ میز پہ Yousufs (یوسف) کا ٹیگ لگا تھا۔ وہاں سیم اور حنین کھڑے مدھم آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ندرت جو ساتھ بیٹھی تھیں' ایسے ہلکی پھلکی بات کرتیں' پھر خاموش ہو جاتیں۔ سعدی کی باتیں۔ سعدی کے نہ ہونے کی اداسی۔ ابھی سیم کے آف وائٹ کرتے جیسا بڑا سائز سعدی کے لیے بھی لیا تھا۔ سعدی کی یاد' سعدی کی محبت سے بڑھ گئی تھی۔

سیم بد دل لگ رہا تھا۔ بد دل تو حنہ بھی تھی۔ لمبی

نیلی قمیص میں ملبوس' بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے ہوئے تھی۔ ماتھے پہ تراشیدہ بال ترچھے ہو کر ابرو سے نیچے گرتے تھے۔ (ماموں والے خواب کے بعد اس نے ہاشم سے بات نہیں کی تھی' نہ ہاشم نے پھر ٹیکسٹ کیا) حنہ کی نظریں بھٹکتی ہوئی ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ وہ دور تھا' ایفل ٹاور کی طرح۔ اسے دیکھ کبھی نہیں رہا تھا۔ ہونہہ' اس نے منہ پھیر لیا۔

قریب میں زمر کھڑی فارس سے بات کرتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے امی کی لائی سرخ ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال جوڑے میں تھے اور صرف دو گھنگھریالی لٹیں گالوں پہ ٹکی ہوئی تھیں۔

"کیا تم پارٹی میں شامل نہیں ہو گے؟" خفگی سے فارس سے پوچھا جو ابھی باہر سے آیا تھا اور سیدھا اندر جا رہا تھا۔ جینز پہ سفید کرتا۔ پیروں میں پشاوری چپل۔ منہ میں کچھ مسلسل چباتا ہوا۔ بے نیازی سے ابرو اچکائے۔ "کاردار کی پارٹیز کی عادت نہیں مجھے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔"

وہ گویا کھول گئی۔

"ہم انجوائے کرنے نہیں آئے۔ میں اس لیے تیار ہوئی ہوں تاکہ بھابھی کو یہ نہ لگے کہ میں نے وہ باتیں نہیں بھلائیں۔ اگر تم نہ آئے' تو ان کو یہی لگے گا۔ کیوں میری فیملی کو میرے خلاف کرنا چاہتے ہو؟"

"اوکے' یہیں ہوں میں۔" فارس نے تحمل سے اس کی بات سنی' اور چند لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں برہمی تھی۔ (کوئی بیک وقت اتنا خوب صورت اور اتنا سنگ دل کیسے ہو سکتا ہے؟) پھر رخ پھیر لیا۔ وہ حنہ کی طرف آ گئی۔

"سو یہ یو ایس بی کا کیا قصہ ہے؟ جو اس دن تم نے ہاشم کو دی' وہ سعدی نے تمہیں نہیں دی تھی؟" کچھ دن سے حنہ کو لیپ ٹاپ میں الجھے دیکھ کر زمر نے صبح جب پوچھا تھا تو اس کے جواب سے نکلا نتیجہ اب سوالیہ انداز میں دہرایا تو حنین نے بس سر ہلایا۔

"جی' میں بھائی کی چیز ان کو نہیں دے سکتی تھی۔ نہ آپ کو دوں گی۔"

"اوکے مگر جب وہ کھل جائے تو بتانا۔" اور دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ البتہ زمر محسوس کر رہی تھی حنہ کی بار بار ہاشم کی طرف اٹھتی نظریں' کچھ تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

دور کھڑے ہاشم نے فارس کو دیکھا تو ساتھ میں موجود خاور سے سرگوشی کی۔ "یہ جیل کب جا رہا ہے؟"

"بس کچھ دن تک۔۔۔ میں پکا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"جلدی کرو۔ مجھ سے یہ ادھر برداشت نہیں ہوتا۔" ناگواری سے کہہ کر گھونٹ بھرا۔

"آپ کی اس سے پھر بات ہوئی؟" خاور نے دبے لفظوں میں پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی تو اسے اس کی بہن کے حوالے سے خوفزدہ کیا ہے۔ کچھ دن سوچے گا وہ۔ پھر بات کروں گا۔"

پھر نگاہیں جواہرات پہ جا ٹھہریں جو ذرا فاصلے پہ کھڑی ہارون عبید سے بات کر رہی تھی۔ ہاشم نے رخ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا کرب اٹھتا تھا' ہارون عبید کو دیکھ کر۔ کوئی بہت شدت سے یاد آتا تھا۔

"مجھے امید تھی' آپ میرے تحفے کو پہنیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔" ادھر وہ جواہرات سے کہہ رہے تھے۔ وہ دراز قد اور باوقار سے سیاستدان تھے۔ آنکھیں سرمئی تھیں اور ان میں وہی نرم سا شاطر پن تھا جو سیاستدانوں کا خاصا ہوتا ہے۔

"میرے پاس دن بھر میں ڈھیروں تحفے آتے ہیں ہارون! اگر ہر ایک کا دل رکھنے لگ گئی تو ملکہ نہیں رہوں گی۔ حکمرانی "ناں" کرنے کا نام ہے۔ ورنہ "ہاں" تو سب کہہ دیتے ہیں۔"

وہ مسکرائے۔ "میں آپ سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ آپ کے گھر میں کھڑا ہوں۔ آپ ہماری دعوت پہ جب آئیں گی' تو ہم اس گفتگو کو وہیں سے شروع کریں گے۔"

"تب کی تب دیکھی جائے گی!" جواہرات نے انگلی سے بال پیچھے کرتے کہا۔ "اور میرا خیال ہے ان ٹیبلز

کی طرف بہت سے لوگ آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔"

ہارون عبید نے ذرا کی ذرا اس طرف دیکھا' پھر سر کو خم دیا۔ "آپ اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کریں اور میں انہیں ـ" مسکرا کر پلٹ گئے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کو جاتے دیکھتی رہی' انگلی مسلسل نیکلس کے سبز پتھروں پہ پھیر رہی تھی۔

"اس عمر میں بھی آپ سے سیکھنے کو بہت کچھ ہے مسز کاردار۔" شہرین کھنکھار کر کہتی ہوئی اس کے قریب آئی تو جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ آسمانی رنگ کی میکسی میں ملبوس تھی' باب کٹ سنہرے بال بلوڈرائے کر کے سیٹ تھے اور آنکھوں میں معنی خیز مسکراتا تاثر تھا۔

"اگر آپ ان کا تحفہ پہن لیتیں' یا ان سے چند فقرے مزید کہہ دیتیں تو آپ کی کشش ماند پڑنے لگتی' کیا ہی اچھا ہنر ہے کسی کو اکسانے کا۔"

جواہرات نے ایک پرتپش نظر اس پہ ڈالی' مگر لبوں پہ مسکراہٹ جمی رہی۔ ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر ویٹر کی ٹرے سے گلاس اٹھایا اور اتنی تیزی سے واپس لائی کہ وہ الٹنے لگا' شہری کے اوپر۔۔۔ مگر کسی نے گلاس اور جواہرات کے ہاتھ' دونوں کو سختی سے پکڑ کر مشروب گرنے سے روکا۔ شہری ہل بھی نہ سکی۔ جواہرات نے بھی چونک کر دیکھا۔

فارس اس کا ہاتھ پکڑے' گلاس واپس ٹرے میں رکھ رہا تھا۔ "دھیان سے مسز کاردار' آپ اپنی بہو کے کپڑے خراب کرنے والی تھیں۔"

جواہرات کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ گھور کر فارس کو دیکھا۔

"تمہارا شکریہ فارس' میں اسے یاد رکھوں گی۔"

ان دونوں کو گھورتے آگے بڑھ گئیں۔

شہری جو اس غیر متوقع صورت حال کے لیے تیار نہ تھی' بمشکل سنبھلی تھی۔ جوس کے گلاس کو دیکھ کر جھرجھری لی اور پھر فارس کو دیکھا۔

"تھینک یو' تم نے میرا ڈریس بچا لیا۔" اس نے بس ہلکے سے کندھے اچکائے۔ منہ میں کچھ چبا رہا تھا اور گردن موڑے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ذرا اکتایا ہوا' ذرا بے نیاز۔ شہری نے کتنے دن بعد غور سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں جیل سے باہر دیکھ کر اچھا لگتا ہے فارس بدّ"

پھر نگاہ دور کھڑی سرخ ساڑھی والی زمر پر پڑی' جو مسکرا کر کسی سے بات کر رہی تھی۔

شہری کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ "تم نے جلدی نہیں کر دی شادی میں؟"

وہ چونکا۔ "کیوں؟"

"یونہی ۔ ڈی۔ اے کے چہرے سے لگتا ہے وہ خوش نہیں ہے تمہارے ساتھ۔۔۔"

"کیوں؟ کیا اس کے چہرے پہ وہی ناخوش گوار تاثر ہے' جو تمہارے چہرے پہ ہوتا تھا' جب تم ہاشم کی بیوی تھیں؟"

انگاروں پہ پانی ڈالا تو وہ اور بھڑک اٹھے۔ شہری کی آنکھوں میں چبھن بھری' بے بسی ابھری۔ "تمہیں ان مظالم کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ جو ہاشم نے مجھ پہ کیے ہیں' اس نے مجھے اتنے سال ٹارچر۔۔۔"

"چار سال جیل میں رہا ہوں شہری' اپنے ٹارچرز کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ کسی دوسرے کے ٹارچرز سننے میں دلچسپی نہیں رہی۔ سی یو!" ذرا اکتا کر کہتا' سر کو الوداعی انداز میں خم دیتا وہ آگے بڑھ گیا۔ شہری کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ پھر نرمی سے مسکرائی۔ اس کی کوئی بھی بات اسے بری نہیں لگی تھی۔ اپنی میز سے نوشیرواں نے غور سے یہ سب دیکھا تھا پھر بڑبڑا کر منہ موڑ لیا۔

اسی اثناء میں زمر کو پیچھے سے کسی نے "السلام علیکم" کہہ کر پکارا تو وہ چونک کر پلٹی۔ ڈنر جیکٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا احمر وہاں کھڑا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ ادھر کہاں؟"

"بھول گئیں؟ ہارون عبید کا کمپئین (الیکشن کی مہم) منیجر ہوں۔ جہاں وہ' وہاں ہم۔" سر کو جھکا کر اسٹائل سے کہا۔

"میرے کام کا کیا بنا؟"

"مصروف رہا بہت' جلد اپ ڈیٹ کروں گا' مگر ایک بات.... ہارون عبید کا کمپئن مینیجر۔ پندرہ ہزار فی گھنٹہ لیتا اچھا نہیں لگے گا' سو...." ذرا سوچنے کی اداکاری کی۔

"میری فیس بڑھائیں۔ پچیس ہزار فی گھنٹہ!"

"پچیس ہزار فی گھنٹہ؟" زمر نے مسکرا کر دہرایا۔

"ویسے تو یہ بھی کم ہیں' مگر چلیں' آپ کے لیے اتنی رعایت کر سکتا ہوں۔"

"تھینک یو سو مچ احمر! آپ بہت اچھے ہیں اور اتنے ہی اچھے لگ رہے تھے اس فوٹیج میں جس میں آپ کریڈٹ کارڈ فراڈ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ صبح ہی میں نے دیکھی' واحد اوراوریجنل کاپی جو آپ کا کیس بند کرنے کے بعد مجھے ملی' اتنی بڑی نہیں ہے کہ دوبارہ کیس کھولا جا سکے لیکن۔" چہرہ موڑ کر سوچتی نظروں سے ہارون عبید کو دیکھا۔ "اگر ہارون عبید نے یہ ویڈیو دیکھی اور ان کو لگا کہ اس کا ریلیز ہونا ان کی کیمپئن کے لیے شرمناک ہو گا' تو وہ کیا کریں گے؟ خیر یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے۔ ہاں تو ہم آپ کی فیس کی بات کر رہے تھے۔" گھونگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے' بڑی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ لب بھینچے' دانت پیسے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے آپ کا ایک بڑا خوب صورت نک نیم رکھا تھا میں نے' اس وقت بہت یاد آ رہا ہے۔" جبراً" مسکرا کر بولا۔ "اور فیس؟ چھوڑیں بھابھی! آپ میرے دوست کی بیوی ہیں' آپ سے فیس لیتا اچھا لگوں گا۔"

"تھینک یو احمر!" مسکرا کر سر کو خم دیا۔ "میرا کام ہو جائے تو وہ فوٹیج آپ کی ہوئی!" چڑیل آگے بڑھ گئی اور وہ کینہ توز نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"وہ ڈاکٹر جس نے گولیاں لگنے کے بعد اس کو بچایا تھا' اس کو چوک میں کھڑا کر کے پچاس درے تو لگنے ہی چاہئیں!" پھر زور سے جوتا گھاس پہ مارا اور اسی برے منہ سے پلٹا تو سامنے کھڑی لڑکی پہ نظر پڑی۔ وہ نیلی لمبی قمیص میں ملبوس تھی اور دور کچھ دیکھتی سوچ میں گم تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا دو قدم قریب آیا۔

"آپ سعدی کی بہن ہیں نا؟" حنہ نے چونک کر گردن موڑی' پھر سیدھی کھڑی ہوئی۔ اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"جی۔"

"میں نے اس دن آپ کو پہچان لیا تھا' آپ کی تصویر دیکھی تھی ایک دفعہ' کسی اخبار میں۔ آپ نے کسی بورڈ میں ٹاپ کیا تھا' ہے نا؟" بالآخر اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے حنہ کو کہاں دیکھا تھا۔

حنین یوسف کے چہرے کی رنگت سفید پڑی۔

"جی۔" تھوک نگلا۔

"اچھا تو کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟"

"بی اے کیا ہے۔"

وہ حیران ہوا۔ "صرف بی اے؟ آپ کو تو ڈاکٹر یا انجینئر بننا چاہیے تھا' ورنہ بورڈ میں کیوں ٹاپ کیا؟ کیا نقل کر کے کیا تھا؟"

احمر کے لیے بہت سی باتیں صرف مذاق ہوتی تھیں' یہ بات بھی کہہ دی' مگر حنین کی رنگت برف کی طرح ہو گئی۔

"آپ ہیں کون مجھ سے ایسی بات کرنے والے؟" احمر کو ایک دم غلطی کا احساس ہوا۔

"میں غازی کا دوست ہوں' سوری مگر...."

"مطلب مجھے ماموں سے بات کرنی پڑے گی۔" ایک دم وہ گھوم کر فارس کی طرف گئی۔

احمر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ زمر سے بات کر لیتا تھا' وہ جاب کرنے والی' سمجھ دار لڑکی تھی' کسی کو خود سے بے تکلف نہ ہونے دیتی' اس کی اور بات تھی' مگر فارس کے گھر کی کسی دوسری لڑکی کو غصہ دلانے کا مطلب اتنے برسوں کی دوستی بھاڑ میں جھونکنے جیسا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ دور کھڑے فارس تک گئی اور اس کو متوجہ کیا۔ احمر سانس روکے اس طرف دیکھے گیا۔

حنین نے اس سے کچھ کہا' فارس نے فوراً" مڑ کر احمر کی طرف دیکھا۔ وہ تیز تیز بولتی اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہے جا رہی تھی۔ فارس نے اچنبھے سے پھر

احمر کی طرف دیکھا' پھر آگے بڑھا (میں دیکھتا ہوں) مگر حنہ نے فوراً" اس کا بازو تھام کر روکا' اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی کروائی (میں دیکھ لوں گی) فارس نے مڑ کر دو تین دفعہ اس طرف دیکھا اور واپس پلٹ گیا۔
حنہ نے ایک تیز نظر احمر پہ ڈالی' (اب مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہ کرنا) اور آگے بڑھ گئی۔
احمر کا گلاس کو تھاما ہوا ہاتھ پسینے میں بھیگا تھا۔ وہ شل کھڑا تھا۔ (خدایا' وہ غازی کو کیسے صفائی دے گا؟)
تھوڑی دیر بعد اس نے ہمت کی' فارس کی طرف آیا۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔ اس لڑکی نے جانے کس انداز میں بات کی ہو۔ فارس دور جا رہا تھا' وہ روک نہیں سکا' پھر وہاں کھڑے بور۔۔۔ ہوتے سیم کو مخاطب کیا۔
"سنو۔۔ میں سعدی کا دوست ہوں۔" سیم متوجہ ہوا تو تذبذب سے کہنے لگا۔ "ابھی آپ کی کسسٹر میرے بارے میں' جو کہہ رہی تھیں غازی سے' وہ۔۔۔"
"جی؟" سیم نے حیرت سے اسے دیکھا' پھر مڑ کر دور جاتی حنہ کو۔ "آپ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا' وہ تو ان کرسیوں کا پوچھ رہی تھیں کہ وہ زرتاشہ ممانی کے جہیز کی ہیں نا۔" اس نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جو وہاں رکھی تھیں جہاں ابھی احمر کھڑا تھا۔ "مگر ماموں کہہ رہے تھے کہ انہیں نہیں یاد کہ وہ زرتاشہ کی ہوں' حنہ نے کہا کہ رہنے دیں وہ خود چیک کرلے گی۔ آپ کو تو کچھ نہیں کہا۔" وہ حیران سا صفائی دینے لگا' اور احمر کے اوپر تو مانو ٹھنڈا پانی ڈال دیا کسی نے۔ جلدی سے غلط فہمی کی معذرت کرتا پلٹا تو تلملا رہا تھا۔
"یہ کیا چیز تھی؟"

☼ ☼ ☼

تو بھی ہیرے سے بن گیا پتھر
ہم بھی کل کیا سے کیا ہو جائیں گے

اگلی صبح جب جواہرات ڈائننگ ٹیبل کی مرکزی کرسی پہ براجمان ناشتہ کر رہی تھی' تو سامنے کھڑی فیونا نے جھکی آنکھوں مگر اٹھی گردن سے کہا۔
"اگر اسٹاف جائے گا تو میں بھی جاؤں گی مسز کاردار!"

گلاس سے گھونٹ بھرتی جواہرات نے آنکھیں اٹھائیں اور مسکرائی۔ پھر ٹیک لگا کر بغور اسے دیکھا۔
"تم فیونا ہو۔۔۔ جواہرات کاردار نہیں ہو۔ تمہیں خواہش ہے کہ تم جواہرات ہوتیں' مگر تم نہیں ہو۔ تو میں تمہیں پہلی اور آخری بار ایک بات بتاتی ہوں۔ سارے اسٹاف کو نکال کر تمہیں اس لیے رہنے دیا کیونکہ تم وفادار ہو مگر۔۔۔ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ' میں تمہارا اپے چیک بنا دیتی ہوں۔ لیکن جاتے وقت تمہیں بونس اور وہ نیکلس چھوڑنا پڑے گا جو تم نے میری اینجیو سے چوری کروایا اور جو میں نے بعد میں تمہیں دے دیا تھا۔"
فیونا نے نظریں اٹھائیں۔ ان میں تعجب تھا اور فکرمندی بھی۔
"میں نے وہ آپ کے کہنے پہ چوری کروایا تھا میری سے!"
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو' اتنا بڑا الزام۔ فیونا! اگر یہ بات تم ہاشم کے سامنے کہو تو وہ کیا حال نہ کرے تمہارا؟ چچ چچ۔" افسوس سے کہتے' اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔
فیونا برے دل سے پلٹ آئی۔ کچن کے قریب راہداری تہہ خانے میں جاتی تھی' جہاں ملازمین کے کمرے تھے۔ چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے۔ اس کے کمرے میں ایک سنگل بیڈ بچھا تھا' ایک سنگھار میز اور ایک الماری تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور دراز سے وہ نیکلس نکال کر گردن سے لگایا جو مسز کاردار نے اسے اکیس مئی کی شام بڑی لاپروائی سے دان کر دیا تھا۔
آئینے میں نظر آتے عکس میں' ہیروں کی چمک سحر انگیز تھی۔ اس چمک میں اسے وہ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا یاد آیا جس کی جیب میں اس نے یہ نیکلس پارٹی کے دوران ڈالا تھا۔ یقیناً" اسی نے یہ مسز کاردار کو واپس کیا ہوگا۔ اور اب یہ فیونا کا تھا۔
ملازموں کی ملکہ نے ہیروں سے جھلملاتے

نیکلس کو گردن پہ لگائے' چہرہ تن کر اٹھائے رکھا تو آنکھوں میں بھی وہی چمک ابھر آئی۔
کچھ دیر بعد وہ مسز کاردار کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔
"نیا اسٹاف کس تاریخ سے رکھنا ہے میم؟ کیا میں بھی انٹرویو میں شامل ہوں گی؟"
"آف کورس!" جواہرات مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

مرے ہی لہو پر گزر اوقات کرو ہو
مجھ سے ہی امیروں کی طرح بات کرو ہو

ملاقاتی کمرہ آج بھی ویسا ہی تھا مگر ماحول میں تناؤ کا رخ اور تناسب بدل چکا تھا۔ اے ایس پی سرمد شاہ موجود نہیں تھا' اور یالآخر کئی دن بعد وہ دونوں نیاز بیگ سے تنہائی میں مل رہے تھے۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا' قدرے بے چین اور مضطرب لگتا تھا۔ ایک آنکھ سوجی تھی' کان تلے زخم' ہونٹوں اور گردن پہ جما خون۔ زمر گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اوپر سے نیچے اس کے زخم دیکھ رہی تھی۔
"میں نے اس کو گولی نہیں ماری تھی۔ میں۔۔۔" وہ کہنے لگا تھا مگر فارس غصے سے میز پہ ہاتھ مارتے ہوئے آگے ہوا۔
"بکواس مت کرو۔ میرے بھانجے کو تم نے مار کر پھینک دیا' اور اب تم اپنا بیان بدل رہے ہو۔"
"فارس! ریلیکس!" زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا جو غصے سے نیاز بیگ کو گھور رہا تھا۔ "وہ بیان نہیں بدل رہا' میرا خیال ہے وہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بولو نیاز بیگ ہمیں سن رہی ہوں۔"
"پہلے مجھے بتائیں' میرے بولنے سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟" وہ زمر سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔
"کیا مطلب تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟" وہ گویا کھول اٹھا۔ "مجھے پانچ منٹ مل جائیں تمہارے ساتھ' تم سے سب اگلوالوں گا' اس لیے زیادہ فائدے' نقصان کی بات مت کرو' کام کی بات پہ آؤ۔"
"فارس! تم غصہ مت کرو' مجھے بات کرنے دو!" تحمل سے گویا اس کو سمجھاتی وہ نیاز بیگ کی طرف متوجہ ہوئی۔ فارس سر جھٹک کر پیچھے ہو کر بیٹھا اور تن دہی سے اس کو دیکھنے لگا۔
"میں تمہیں وعدہ معاف گواہ بنالوں گی' تم اس کیس سے بھی نکل جاؤ گے' اور شہزاملک کے کیس سے بھی۔ میں سرکاری پراسیکیوٹر (وکیل استغاثہ) نہیں ہوں مگر سعدی یوسف کیس میں پراسیکیوٹر میں ہی ہوں سو مجھے بتاؤ' ہر بات' جو تم جانتے ہو۔"
"شہزاملک کیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہا تمہارے لڑکے کا قتل۔۔۔ تو وہ قتل نہیں ہوا۔" وہ بے بسی بھرے اضطراب سے بولنے لگا۔ "اکیس مئی کی رات مجھے اے ایس پی نے فون کیا اور ہسپتال بلایا' پھر اس سرجن بخاری کے پاس لے گیا' بولا کہ یہ لڑکا غائب کرنا ہے مگر جب آپریشن ہو جائے اور اس کی حالت خطرے سے باہر آجائے' تب! ان کو وہ زندہ چاہیے تھا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ کچھ ماہ کے لیے اس لڑکے کے قتل کے جرم میں اندر جانا ہو گا' پھر ہم تمہیں نکلوالیں گے۔"
"بدلے میں کیا دیا؟"
"پیسے۔۔۔ اور میرے بھائی علیم بیگ کے اوپر کیس ختم کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ میرا بھائی ابھی تک مفرور ہے' پچھلے سال اسمگلنگ کی وجہ سے۔۔۔ خیر۔۔۔ میں نے وہی کیا۔ میرے ساتھ جو دوسرا وارڈ بوائے تھا' وہ ان کا اپنا لڑکا تھا۔ ہم تمہارے لڑکے کو اسٹریچر پہ باہر لائے' ایمبولینس میں ڈالا' اندر سب تھا' مشینیں' ڈاکٹر' نرس۔ خیر' میں وہیں سے گھر چلا گیا۔ اے ایس پی نے کہا کچھ دن چھپ جاؤ' پھر پکڑیں گے تمہیں۔ یہاں تک سب ٹھیک ہو گیا مگر اس روز اس نے مجھے شہزاملک کے کیس میں پھنسا دیا۔ اس نے مجھے وہاں بلوایا اور پھر گرفتار کر لیا۔ یہ سب اے ایس پی نے کیا ہے۔"

چند گہری سانسیں لیں، ذرا توقف کیا اور پھر باری باری ان دونوں کو دیکھا جو خاموشی سے سن رہے تھے۔
دفعتاً" زمر اٹھ گئی۔ فارس بھی کھڑا ہوا۔ نیاز بیگ نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"مجھے کب گواہی دینی ہوگی؟"
"کون سی گواہی؟" زمر نے ساتھ ہی پرس کندھے پہ ڈالا۔
"ابھی.... تم نے کہا وکیل صاحبہ کہ تم مجھے وعدہ معاف گواہ بنالوگی اور...."
"میں نے کب کہا؟" زمر نے تعجب سے فارس کو دیکھا۔
"نیاز بیگ...." وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "جو آدمی اپنا بیان اتنی دفعہ بدلے، اس پہ ہم یقین نہیں کر سکتے۔ تم ہی قاتل ہو، ہمیں معلوم ہے۔"
نیاز بیگ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔
"اور اے ایس پی ہمارا دوست ہے، اس نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم یہ سب کہو گے، اس لیے.... دوبارہ ہم سے ملنے کی زحمت مت کرنا۔"
زمر نے کہا اور وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ گئے۔ پیچھے وہ بے اختیار اٹھ کر مضطرب سا چلا رہا تھا۔
"میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں.... سرمد شاہ نے کروایا ہے یہ سب۔" مگر وہ باہر نکل آئے۔
دروازے پہ زمر رکی اور اس کی طرف مڑی۔ غور سے اس کو دیکھا۔
"آج اپنی ہیل نہیں ماری آپ نے میرے پاؤں پہ؟"
"اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میری سمجھ میں آگیا تھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔" وہ دبی آواز میں بولی۔ "جب ہم ہسپتال سے فوٹیج نکلوانے گئے تھے اور جب پہلی دفعہ ہم نیاز بیگ سے ملنے آئے تھے، تو مجھے واقعی تمہارے غصے سے کوفت ہوئی تھی۔
مگر تم Good cop bad cop کھیل رہے تھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔
(مشہور زمانہ اور قدیم تفتیشی حربہ جس میں مجرم کے سامنے ایک آفیسر غصے سے بات کرتا ہے، دھمکیاں دے کر ڈراتا ہے اور دوسرا نرمی سے بات کر کے ہمدردی کرتا ہے تاکہ اگر مجرم خوف کا شکار نہ ہو تو ہمدردی کا نشانہ ضرور بن جائے۔) "تمہیں معلوم تھا کہ میں فوٹیج نکلوالوں گی، تم صرف میرے لیے چیزیں آسان کر رہے تھے، مگر یو نو واٹ فارس، اگلی دفعہ کچھ کرنے سے پہلے مجھے آگاہ کر دینا۔"
"اچھا! میں سمجھا آپ کو پہلے سے معلوم ہوگا۔ کیونکہ آپ کو تو میرے ہر جرم کی خبر ہوتی ہے۔" اس کی طرف جھک کر دھیرے سے کہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر ضبط کر کے پیچھے آئی۔
"اس نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ سارا ملبہ آپ پہ ڈال دیا۔ اور اس ڈاکٹر پہ بھی۔" اے ایس پی سے رخصت ہوتے وقت وہ کہہ رہی تھی۔ سرمد شاہ نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے۔
"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس کا یقین نہیں کیا۔"
"شاہ صاحب، ہم نے اتنا عرصہ ساتھ کام کیا ہے، یہاں روز بیان بدلے جاتے ہیں، پھر اس کی باتوں کی کس کو پروا ہوگی؟" شانے اچکا کر کہتی وہ پرس کی اسٹرپ کندھے پہ ڈال رہی تھی۔ جیبوں میں ہاتھ دیے کھڑے فارس کا مسلسل گم چباتا منہ رکا، اور اس نے آنکھیں تیکھی کر کے اے ایس پی کو دیکھا۔
"سنو، دوبارہ ہمیں یہاں نہ بلانا کیونکہ تمہارے اس کرائے کے غنڈے کی بک بک سن کر میرا دماغ گھوم جاتا ہے۔ اس کا بھائی تمہارے ساتھ کیا کرے گا، مجھے پروا نہیں لیکن اگلی دفعہ اس نے اپنے بھائی کی دھمکی میرے خاندان کے لیے دی، تو یہ حوالات سے جیل کے آدھے رستے تک بھی نہیں پہنچ پائے گا۔" درشتی سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سرمد شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"اس کے بھائی کا کیا ذکر؟"
"مجھے نہیں پتا، کسی علیم بیگ کے نام کی دھمکی

دے رہا تھا کہ وہ ہمیں 'اے ایس پی اور ڈاکٹر کو دیکھ لے گا وغیرہ وغیرہ۔ واٹ ایور!" وہ موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتی باہر نکل گئی۔ سرمد شاہ پُر سوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

ہم کو جو ملا ہے ' وہ تم ہی سے تو ملا ہے
ہم اور بھلا دیں تمہیں ' کیا بات کرو ہو؟

اس رات جب آسمان سیاہی سے ڈھک گیا اور سڑکیں 'اسٹریٹ لائٹس سے روشن ہو گئیں تو ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں ڈاکٹر توقیر بخاری کے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر توقیر سرمئی قلموں اور تراشیدہ مونچھوں والے درمیانی عمر کے شخص تھے اور اس وقت عینک کے پیچھے آنکھیں سکیڑے وہ دعوت نامہ پڑھ رہے تھے جو زمر نے ان کو دیا تھا۔

"میموریل ڈنر اگلے ہفتے ہے۔ سعدی کے دوستوں نے ارینج کیا ہے۔ چونکہ آپ نے اس کی جان بچائی تھی 'تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئیں 'اور ہمارے ساتھ کچھ وقت اسے یاد کرنے میں گزاریں۔" وہ نرمی اور امید سے کہہ رہی تھی۔ فارس خاموش بیٹھا ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے نگاہیں اٹھائیں 'اداسی سے مسکرائے۔

"ہم ضرور آئیں گے اور مجھے بہت افسوس ہے آپ کے بھتیجے کے لیے۔ کیا آپ لوگوں کی کسی سے دشمنی تھی؟" وہ دعوت نامہ لفافے میں ڈالتے 'سادگی سے پوچھ رہے تھے۔

زمر نے گود میں رکھی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں' آنکھوں میں تپش سی اٹھی مگر پھر بظاہر ریاسیت سے مسکراتے 'نفی میں سرہلایا۔

"چند پیسوں کے لیے ایک شخص نے اسے مار کر لاش پھینک دی۔ ہم آج اسی سے ملنے گئے تھے 'اس نے اپنا بیان بھی تبدیل کر دیا۔ لوگ پیسوں کے لیے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔ ہے نا ڈاکٹر صاحب؟"

"بالکل 'آئی ایگری!" وہ افسوس سے سرہلا رہے تھے۔ "خدا کرے 'جو قاتل پکڑا گیا ہے 'وہ اپنے انجام کو پہنچے۔"

"خدا کرے سب اپنے انجام کو پہنچیں۔" وہ نظریں جھکائے دھیرے سے بولا تھا۔ ڈاکٹر توقیر کو کمرے میں ایک دم آکسیجن کی کمی محسوس ہونے لگی۔ زمر کو دیکھتے ہوئے بات کا رخ بدلا۔

"اے ایس پی صاحب کا مجھے فون آیا تھا 'وہ کہہ رہے تھے نیاز بیگ پولیس اور ہسپتال انتظامیہ کو مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔"

"پولیس؟" زمر نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"پولیس نہیں 'صرف آپ کا ذکر کیا تھا۔"

"مسز زمر 'میرا یا ہسپتال کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے 'میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔" سینے پہ ہاتھ رکھ کر وہ فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔

"آف کورس ہمیں پتا ہے 'بلکہ جب اے ایس پی صاحب نے کہا بھی کہ ہم ایف آئی آر میں کوئی اور نام درج کروانا چاہتے ہیں 'تو ہم نے۔" فارس کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا۔ "انکار کر دیا۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ نیاز بیگ جھوٹ بول رہا ہے۔"

"اے ایس پی نے آپ سے... میرا نام ایف آئی آر میں ڈالنے کا پوچھا؟" انہوں نے بروقت فقرہ پکڑا تھا۔

"نہیں 'انہوں نے صرف کسی اور کا نام پوچھا تھا۔ دیکھیں 'وہ ہمارے بہت اچھے دوست ہیں 'وہ صرف انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہمیں ہمارے تمام حقوق دے رہے تھے 'خیر... آپ ڈنر پہ ضرور آئیے گا 'ہماری فیملی اور فرینڈز آپ کے اس جذبے کی بہت قدر کریں گے۔" وہ چائے کا آخری گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فارس بھی اٹھا 'ڈاکٹر توقیر کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا 'جسے انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے تھاما۔ البتہ ان کے تاثرات میں اضطراب تھا۔ وہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے خاصے پریشان تھے۔

اور اسی لمحے دروازہ کھلا۔ فارس کی اس طرف پشت

تھی مگر ایک مانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔ انگوٹھی کے ٹکینے سے دستک دینے کا انداز ہ زمر مڑی۔
اندر آنے والی عورت ذرا بھرے چہرے اور بوٹے قد کی حامل تھی' بال کیچر میں بندھے تھے' دلکش شخصیت' بہترین لباس' کانوں میں ٹاپس۔ دونوں ٹاپس میں ایک' ایک موٹا سا Solitaire (سولی ٹائیر) ڈائمنڈ جڑا تھا۔ وہ جھلملاتے ٹاپس اتنے خوب صورت تھے کہ اس عورت کی شخصیت کو کئی گنا مزید نکھار گئے تھے۔
"یہ میری وائف ہیں' ڈاکٹر ایمن۔۔۔ یہ مسز زمر۔۔۔ اور۔"
فارس نے آہستہ سے گردن موڑی۔ ڈاکٹر توقیر کے الفاظ کنویں میں گونجتی آواز کی مانند دور دور تک سنائی دے رہے تھے' لمحوں میں ساری دنیا ساکن ہو گئی تھی' اور مسکراتی ہوئی ڈاکٹر ایمن قریب آرہی تھیں۔ اس نے اس عورت کے ہلتے لب دیکھے' وہ زمر سے کچھ کہہ رہی تھی' تعارف پھر تعزیت بھرے الفاظ۔۔۔ آوازیں بند ہو چکی تھیں۔۔۔ پھر ڈاکٹر ایمن نے چہرہ اس کی طرف موڑا اس کی آنکھوں میں جھانکا' مسکرائی اور ہاتھ سے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپایا۔ جیسے کسی پرانے مریض بچے سے عرصے بعد اس کا ڈاکٹر مل رہا ہو۔ اس کی انگوٹھی کے اندر کی طرف کوئی نوکیلی شے تھی جو فارس کے کندھے پہ چبھی تھی۔۔۔ اور وہ چبھن۔۔۔ بہت کچھ تازہ کر گئی۔۔۔ اس کے اردگرد کا منظر بدلا۔ کمرہ بدلا۔ کیلنڈر بدلا۔ ساڑھے تین سال قبل وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا اور ڈاکٹر ایمن چلتے ہوئے اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔
"میرے مریض میرے بچوں کی طرح ہیں۔" اس کے کندھے کو تھپکا۔ انگوٹھی چبھی تھی۔ فارس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔
"نہ میں آپ کا مریض ہوں' نہ آپ کا بچہ۔ میرا نام فارس غازی ہے۔"
"اور میں ڈاکٹر ایمن بخاری ہوں۔" مسکرا کر نرمی سے کہتی وہ سامنے کرسی پہ جا بیٹھی۔
"مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن اور مجھے پتا ہے۔ کورٹ مجھے کیوں ان سیشنز پہ مجبور کر رہی ہے۔ اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس طرح میں ان جرائم کا اعتراف کرلوں گا' جو میں نے نہیں کیے تو آپ اپنے فیکٹس (اندازے) درست کرلیں۔" وہ ٹیک لگائے بیٹھا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے خشک سا کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے نشان تھے اور ایک ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔
"تمہارے خیال میں اس کا مقصد صرف Confession کن فیشن (اعتراف) کروانا ہے؟"
"اونہوں!" نفی میں سر ہلایا۔ "Confession وہ واحد C ہے' جس کا میرے اور تمہارے ریلیشن شپ سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہیں معلوم ہے پنجاب پرزن کے چار C کون سے ہیں؟"
وہ کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتا رہا۔
"کسٹڈی۔۔۔" وہ نرمی سے کہنے لگیں۔ "کیئر۔۔۔ کنٹرول اور Correction (کریکشن)! ہم یہاں ان ہی کے لیے ہیں۔ میں تمہاری طرف کی کہانی سننا چاہتی ہوں' تاکہ تمہاری ذہنی حالت متوازن رہے۔" وہ نوٹ پیڈ سامنے رکھے قلم کھول رہی تھی۔ "تم جو بھی کہو گے' وہ ڈاکٹر پیشنٹ privilige (محرم راز) کے تحت محفوظ رہے گا۔"
"میں پنجاب پرزن کے چار C جانتا ہوں' کیا آپ Confidentiality کے پانچ C جانتی ہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا پوچھ رہا تھا۔
"ہاں' وہ پانچ سی جن کے تحت پری ویلیج توڑا جا سکتا ہے۔

Consent court order comply with the law a threat treatment and communicate continued

(مریض کی اجازت' کورٹ کا حکم' قانون کی پاسداری کے لیے' مریض کے علاج کے لیے ناگزیر ہونا' یا

مریض کی طرف سے دوسروں کو خطرہ ہونے کی صورت میں سدباب کے لیے۔ ان میں سے کسی وجہ کی بنا پہ سائیکالوجسٹ کسی کو اپنے مریض کی بات بتا سکتا ہے ' ورنہ نہیں۔)

''کیسے ہو فارس غازی!'' انگوٹھی کی چبھن لوٹی اور اردگرد کا منظر بدلا۔ ماضی تحلیل ہوا اور وہ حال میں' ڈاکٹر ایمن کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عادتاً'' اس کا کندھا تھپک کر ہاتھ نیچے گرا چکی تھی۔ ایسی عادت عام طور پہ اس معاشرے کی خواتین ڈاکٹرز میں نہیں ہوتی مگر وہ عورت عام نہیں تھی۔

''آپ... '' اس نے سوالیہ نظروں سے باری باری دونوں میاں بیوی کو دیکھا' آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''میں ڈاکٹر توقیر کی بیوی ہوں۔''

''اوہ!'' اس کے لب سکڑے۔

''آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' زمر نے بظاہر خوشگوار حیرت سے فارس کو دیکھا' آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا بھی۔ (کتنا اداکار ہے یہ اور ہاشم کہتا تھا' اسے اداکاری نہیں آتی۔)

''یہ... ڈاکٹر ایمن ہیں... میری۔'' فارس نے ڈاکٹر ایمن کو دیکھا' آواز ٹوٹ سی گئی۔

''میں فارس کی ڈاکٹر رہی ہوں اور اس کے بھائی کی بھی اور بدقسمتی سے مجھے اپنے پیشنٹ کے خلاف کورٹ میں گواہی دینی پڑی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''اوہ۔ تم تو ان سے خفا ہو گے اس کے لیے۔'' زمر کی آنکھوں میں فکرمندی ابھری۔

''ایسا نہیں ہے' ڈاکٹر ایمن نے میرا بہت ساتھ دیا ہے جیل کے وقت میں' ان دونوں میں ذہنی طور پہ متوازن نہیں تھا' اس لیے ان کو کورٹ کو میری ذہنی حالت کے بارے میں بتانا پڑا' انہوں نے جو کیا' اچھا کیا۔'' وہ مدافعانہ انداز میں زمر کو کہنے لگا۔

''مسز غازی' فارس صحیح کہہ رہا ہے' اس وقت اس کے لیے یہ ضروری تھا۔'' پھر نرمی سے اس کو دیکھا۔

''اب کیسے ہو تم؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے اسی نرمی سے جواب دیا۔ ''کورٹ نے مجھے بری کر دیا' میں نے اپنے کیے کی سزا کاٹ لی' زمر نے مجھے معاف کر دیا ہم نے شادی کر لی۔ I Moved on!'' (میں نے نئے سرے سے زندگی شروع کی)۔

زمر کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی' مگر کچھ کرنے سے قاصر تھی۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر فارس!''

''مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہو گی۔'' وہ بظاہر مسکرایا۔ سینے میں کوئی زور سے اسے جکڑ رہا تھا' مگر وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔

''آپ کے ٹاپس بہت خوب صورت ہیں!'' جاتے ہوئے زمر نے تعریف کی۔ ڈاکٹر ایمن مسکرائی۔

''توقیر نے لاسٹ منتھ اپنی ورسری کا گفٹ دیا ہے۔ مرد عموماً'' اپنی محبت کا اظہار ہیروں سے کیا کرتے ہیں۔ ہے نا' فارس؟'' مسکرا کر فارس کو دیکھا' اس کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر ایمن نے زمر کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''آپ کی تو ابھی شادی ہوئی ہے' مگر آپ نے کوئی ڈائمنڈ نہیں پہنا ہوا۔''

کمرے میں لمحے بھر کو خاموشی چھائی۔

''مجھے چمکتے پتھروں میں کوئی کشش نظر نہیں آتی!'' بس مسکرا کر اتنا کہہ پائی۔

☆ ☆ ☆

''زمر نے مجھے معاف کر دیا' ہم نے شادی کر لی' واؤ!'' باہر کار کی طرف جاتے وہ استہزائیہ انداز میں دہرا رہی تھی۔

''مجھے اس کو یقین دلانا تھا کہ میں موو آن کر چکا ہوں۔'' وہ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر گھوم کر اس کے سامنے آئی اور تیز نظروں سے اسے گھورا۔ وہ رک گیا۔

''تم نے اسی لیے مجھ سے شادی کی ہے نا؟ تاکہ تم ساری دنیا کو یقین دلا دو کہ تم موو آن کر چکے ہو؟ نئی

زندگی شروع کر چکے ہو' کون بے چارے فارس غازی پہ شک کرے گا اب؟" وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ سے شادی کرنے کے لیے میرے پاس تین وجوہات تھیں۔ پہلی آپ کے والد کے احسان ہیں مجھ پہ' ان کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری' میں شادی کر کے واقعی سب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھ چکا ہوں۔"

"اور تیسری؟" فارس کی نظریں اس کی خفا آنکھوں سے ہوتی ہنتھ پہ پھسلیں۔ وہ رخ موڑ گیا۔

"میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں کیونکہ اس شادی کے معاملات آپ نے شروع کیے تھے' میں نے نہیں!" اور ایک طرف سے نکل کر کار کی طرف بڑھ گیا۔

اندر کلینک میں ڈاکٹر توقیر کمرے کا دروازہ بند کر کے ناراضی سے ڈاکٹر ایمن کی طرف گھومے۔

"تمہیں بتایا تھا میں نے کہ وہ آ رہے ہیں' پھر یہاں اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' وہ ماتھے کا پسینہ صاف کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ایمن سامنے کرسی پہ بیٹھی۔ لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اس کو آج نہیں تو کل پتا چلنا ہی تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"وہ چار سال جیل میں رہا ہے' تم نے اس کی ضمانت نہیں ہونے دی' وہ تھوڑی دیر میں دو جمع دو کرلے گا' پھر کیا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اتفاق سے تمہارے ہی شوہر نے اس کے بھانجے کا آپریشن کیوں کیا ہے؟"

"ریلیکس! میں اس کو جانتی ہوں' اس کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں' میں اپنے کام میں بہت ماہر ہوں' مجھے اندازہ تھا کہ کبھی نہ کبھی وہ جیل سے ضرور نکلے گا' یا بھاگے گا' اس لیے میں نے اس کا ایسے برین واش کیا تھا کہ وہ میرے خلوص پہ کبھی شک نہیں کرے گا۔ نہ آج' نہ کل۔ چار سال جیل میں رہا ہے' اب کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جو اسے دوبارہ جیل بھجوائے۔" گریبان میں اڑسے سن گلاسز اتار کر ان کو وہ اب بیگ میں ڈال رہی تھی۔

"ایمن۔ ایمن!" وہ متفکر اور پریشان سے ان کے سامنے آ بیٹھے۔ "ہم نے ان کا بھانجا غائب کروایا ہے اور وہ جعلی وارڈ بوائے ہمارا نام لے رہا ہے' کھلم کھلا۔"

"ڈونٹ وری! سرمد شاہ اسے سنبھال لے گا۔ یہی وقت ہے' جب ہم اس سے مزید ڈیمانڈز منوا سکتے ہیں' ورنہ ہم کسی بھی وقت کہہ سکتے ہیں کہ پولیس نے ہمیں مجبور کیا یہ سب کرنے کے لیے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

ڈاکٹر توقیر نے سر جھٹکا' آستین سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا۔

"وہ کسی کا بیٹا تھا' ہمارے بھی تین بچے ہیں' ہم نے اس کی زندگی داؤ پہ لگادی۔"

"تمہیں ان ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے توقیر جنہیں ہم اپنے اسپتال سے بچائیں گے' صرف دو ماہ رہتے ہیں اس ہسپتال کی اوپننگ میں جس کے لیے میں نے اور تم نے پچھلے کئی سال کام کیا ہے۔ سرمد شاہ نے فارس کے خلاف گواہی دینے کے لیے کیا دیا تھا ہمیں؟ صرف پلاٹ کا قبضہ۔ اس کے اوپر ہر چیز ہم نے خود لگائی ہے۔ اس لیے تم سرمد شاہ سے بات کرو اور اس سے کہو' ہماری ڈیمانڈز پوری کرے!"

وہ دونوں گفتگو کر رہے تھے اور باہر رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی' سب کے گناہوں کو چھپائے' سب پر پردے ڈالے!

☆ ☆ ☆

جب عشق تجھے راس نہیں ہے تو مرے دل
ہونا تھا یہی حال ترا بار دگر بھی
یہ تین دن بعد کا ذکر ہے۔

رات کی تاریکی اس زیر تعمیر گھر پہ بھی چھائی تھی۔ پورچ میں خون کا تالاب بہہ رہا تھا' اس پہ وہ

گھنگھریالے بالوں والا لڑکا اوندھا گرا تھا اور نوشیرواں جا بجا جوتوں سے اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ پھر تھک کر' وہ رکا۔ ایک استہزائیہ نظر اس بے سدھ وجود پر ڈالی اور جانے کے لیے مڑا۔ اسی پل وہ اوندھا لڑکا سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ خون سے اور آنکھیں نفرت سے سرخ تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے نوشیرواں کو بالوں سے پکڑا اور زور سے اس کا سر دیوار سے دے مارا۔ وہ درد سے چیخا۔۔۔ اور۔۔۔

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا' اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود نوشیرواں کا پورا جسم پسینے میں بھیگا تھا' دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' بتی جلائی' پانی کی بوتل لرزتے ہاتھوں سے لبوں سے لگائی' پانی کچھ اندر انڈیلا' کچھ بیڈ پہ چھلکا۔ چند گھونٹ بھر کر وہ گہرے سانس لیتا ٹیک لگا کر بیٹھا۔ (بھول جاؤ اس کو شیرو' یہ صرف ایک خواب تھا۔ سعدی کبھی واپس نہیں آئے گا۔) آنکھیں بند کیے وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب ان ڈھائی ماہ میں اس نے سعدی کو خواب میں دیکھا تھا۔ ڈھائی ماہ ہو گئے سعدی کو کھوئے؟ اس نے موبائل اٹھا کر تاریخ دیکھی۔ اگست کا وسط آ پہنچا تھا اور وہ ابھی تک اکیس مئی والے واقعے کو بھول نہیں پایا تھا۔ اف

نوشیرواں کے کمرے کے باہر سبزہ زار تاریک پڑا تھا۔ انیکسی کی بھی ایک دو کے سوا تمام بتیاں بجھی تھیں۔ اندر جھانکا تو لاؤنج نیم تاریک تھا۔ ایسے میں زمر تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتی دکھائی دے رہی تھی۔

نیچے آ کر وہ رکی۔ ایک طائرانہ نگاہ کھلے تہہ خانے میں ڈالی۔ اس کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ فرش پہ کچھ کاغذ بکھرے تھے' ان پہ ریاضی کے نمبرز اور پتا نہیں کیا کیا لکھا تھا۔ دو لیپ ٹاپ کھلے تھے اور حنین فرش پہ بیٹھی' ملگجے لباس اور گول مول بال باندھے' بے قراری سے ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

"حنہ۔۔۔ تم سوئی کیوں نہیں ہو؟" وہ فکر مندی سے کہتی قریب آئی۔ حنین ٹھک ٹھک ٹائپ کر رہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کی یہی حالت تھی۔ کھانا' سونا' سب چھوڑ کر وہ دن رات یہیں بیٹھی اس یو ایس بی کو کھولنے کی کوشش کرتی رہتی۔

"پھپھو! بھائی غلط تھا' فائلز کرپٹ نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہوئی تھیں' مگر میں نے ری کور کر لیں۔ مجھے لگا یہ اسٹینڈرڈ
RSA 4096 Bit Encryption ہو گی مگر یہ algorithm جس نے بھی فیکٹر کیا ہے' یہ مختلف ہے۔" وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"حنین!" وہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھی۔

"مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہا اس میں مختلف کیا ہے' یہ آر ایس اے لگتا ہے assymteric ہے اس کی دو کیز ہونی چاہیں ایک پبلک اور ایک پرائیویٹ مگر۔۔۔"

زمر نے فلیش لیپ ٹاپ سے کھینچ لی۔ وہ جو ہوش و حواس کھوئے ہوئے انداز میں بولے جا رہی تھی' ہکا بکا ہوئی۔ زمر نے فلیش کا کور چڑھا کر اسے پرے ڈالا پھر نرمی سے حنہ کو دیکھا۔

"یہ فلیش' اس کی فائلز' مجھے کچھ نہیں چاہیے' کچھ بھی اہم نہیں ہے حنہ! تم سے زیادہ نہیں۔" حنین ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے کہا تھا اگر سعدی کی جگہ تم کھو جاؤ تو میں کیا کروں گی؟ حنہ! تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم کھوئی نہیں ہو؟"

حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' آنکھوں میں پانی آ گیا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں ایک Failure (ناکام انسان) ہوں!"

"میں جس حنین کو جانتی ہوں وہ ایک سپر گرل تھی' جس نے شیرو کے اغوا کا پول کھولا تھا' مجھے آج بھابھی نے وہ قصہ سنایا۔"

"میں بدل گئی ہوں!" آنسو اس کے گال پہ لڑھکے۔ زمر آزردگی سے مسکرائی۔

"جس دنیا سے میں تعلق رکھتی ہوں' اس میں

انسان نہیں بدلتے۔ بدل سکتے ہیں لیکن وہ نہیں بدلتے۔ صرف اپنے نقاب بدلتے ہیں' سو تم واقعی کچھ بھی نہیں کر سکتیں' اگر خود سے بھاگتی رہو گی۔"

"میرے اندر بہت سارا شر ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"تم اس کو نہیں بدل سکتیں۔ سو اس کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتیں؟" ذرا دیر کو ٹھہری۔ گردن پھیر کر اس مقفل اسٹور روم کو دیکھا۔ پھر سر جھٹکا۔ "مجھے دیکھو' میں بے جا ضدی اور ہٹ دھرم ہوں' جب اپنی فطرت نہیں بدل سکی تو یہ احساس ہوا کہ اگر میں ایسی نہ ہوتی تو پراسیکیوشن کی سیاسی کرسی پہ دو دن بھی نہ بیٹھ سکتی' سعدی کے مجرموں کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کو معاف کر چکی ہوتی' مگر اب۔۔۔ میری وہی بری چیزیں میرے کام آ رہی ہیں۔ تم بھی یہ کر سکتی ہو' مگر اس کے لیے تمہیں اس کیڑے کو باہر نکالنا ہو گا جو تمہیں اندر سے کھا رہا ہے۔"

تہہ خانے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر حنہ نے نگاہیں جھکا لیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرش پہ بیٹھی تھیں۔

"آپ مجھ سے نفرت کریں گی!"

"ٹرائی می!" ذرا توقف کیا۔ جیسے کوئی راہ نکالی۔ "آج ہم ایک دوسرے سے باری باری سچ بولتے ہیں۔ پہلے میں بولوں گی!"

حنہ نے اثبات میں سر ہلایا' پھر خود ہی بولی۔ "مجھے پتا ہے' آپ بھائی کی فیس دیتی تھیں' مجھے ماموں نے بتایا تھا' اس رات جب امی سے لڑائی کے بعد آپ جنگل میں چلی گئی تھیں۔" نگاہیں جھکا لیں۔

"آئی ایم سوری۔" زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہم یہاں سوری اور تھینک یوز کے لیے نہیں بیٹھے۔ سچ بولنے بیٹھے ہیں۔" (ماموں کی طبیعت تو میں بعد میں صاف کروں گی!) اس کے سامنے' فرش پہ بیٹھی' وہ لٹ انگلی پہ لپیٹے کہہ رہی تھی۔

"میرا سچ یہ ہے کہ میں نے فارس کے رشتے سے انکار نہیں کیا تھا' امی نے کیا تھا۔ مجھے اس رشتے کی خبر اس دن تمہارے منہ سے ہوئی' اور مجھے لگا فارس نے مجھ پہ گولی "انتقاماً" چلائی تھی۔" زمر نے آنکھیں بند کیں۔ تکلیف پھر سے عود آئی تھی۔ "اسی لیے میں نے اس سے شادی کی' اس سے انتقام کے لیے مگر میں اس کو کوئی مادی نقصان نہیں پہنچا سکی کیونکہ میں نے سعدی سے وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرٹ نہیں کروں گی۔" آنکھیں کھولیں۔ اداسی سے مسکرائی۔ حنہ بالکل شل اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے شک تھا' مگر اس نے اتنا سب کچھ نہیں سوچا تھا۔

"اب تمہاری باری!"

حنین نے نگاہیں جھکا لیں۔ "میں ہاشم سے بات کرتی ہوں' ٹیکسٹ پہ' کال پہ۔ میں ان کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں اور یہ دن بدن جان لیوا ہوتی جا رہی ہے۔" بہت دیر بعد نظریں اٹھائیں تو زمر اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی ملامت' نہ حیرت۔

"تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو یا تم یہ تعلق ختم کرنا چاہتی ہو؟"

"میں اسے ختم کر دوں گی' مجھے پتا ہے' ہم کبھی شادی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مجھ سے اس فلیش کے بارے میں جھوٹ بولا' تب سے میں نے ان سے بات نہیں کی۔ میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" آنسو ابل ابل کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تمہیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ مگر تم جو بھی فیصلہ کرو گی' میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔ کوئی غصہ' کوئی ڈانٹ' کچھ بھی نہیں۔

حنہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔ "آپ کی باری!"

"ویل۔۔۔" زمر نے گہری سانس لی اور سر جھکایا۔ فرش پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔ "مجھے سعدی کے لیپ ٹاپ سے جو پکچرز ملیں' وہ میں نے فارس کو نہیں دکھائیں' وہ پکچرز فارس نہیں لے سکتا۔

ایسی پکچرز Trophy Collector لیتے ہیں۔

وہ قاتل جو اپنے شکار سے وابستہ کوئی شے اپنے پاس رکھتے ہیں۔) اس لیے میں ان کی تحقیق کروا رہی ہوں مگر حنین! میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ اتنے سالوں بعد اگر وہ بے گناہ نکل آیا۔۔۔ تو مجھے یہ چیز مار ڈالے گی۔" اس کی آنکھوں میں کرب اترا۔ "پتا ہے کیا! میرا ایک حصہ چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ نہ نکلے۔ مگر دوسرا حصہ سچ جاننا چاہتا ہے۔"

چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا' پھر حنہ کی طرف دیکھا۔ "تمہاری باری!"

حنین فارس کے حق میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔ وہ جج کرنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

"میں نے کسی کی جان لی ہے۔"

پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ متوجہ تھی۔ "میں سن رہی ہوں۔"

"میرے بورڈ کے او سی پی میری فرینڈ کے ابو تھے..."

وہ کہتی گئی' ساری تفصیل' ساری باتیں سناتی گئی۔

"اور جب میں ان کو بلیک میل کر رہی تھی تو پھپھو میں اپنی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی' شاید میں زمر بننے کی کوشش کر رہی تھی مگر میں غلط تھی۔ آپ بہت سے لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں مگر چیٹنگ جیسے کام کے لیے۔" پہلے دن سے لے کر ان کی موت تک اس نے سارا واقعہ سر جھکائے کہہ سنایا۔ وہ ٹوٹی بکھری نظر آ رہی تھی۔ باربار آنسو پونچھتی۔ پھر نگاہیں دھیرے دھیرے اٹھائیں۔ اب زمر اسے کیا کہے گی؟

"تم ایسی شرمناک حرکت کیسے کر سکتی ہو حنہ؟" وہ یوں چلائے گی؟

یا وہ نرمی سے کہے گی۔ "تم نے معافی مانگ لی' توبہ کر لی جو ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔"

مگر زمر کچھ نہیں بولی۔ حنین کی آنکھوں میں بے قراری ابھری۔

"پلیز کچھ تو کہیں۔ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" آنسو پھر سے نکلنے لگے۔

"تمہیں سن کر افسوس ہوگا۔"

"نہیں' میں سن لوں گی' آپ کہیں' جو بھی آپ کے دل میں ہے۔" گیلے چہرے کے ساتھ وہ بولی۔ وہ واقعی تیار تھی۔

"حنہ! میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تمہاری کہانی بہت کمزور ہے۔"

"جی؟" حنہ کا ہکا بکا منہ کھل گیا۔ آنسو رک گئے۔

"یا تو تم مجھے پوری بات نہیں بتا رہی ہو' یا پھر تمہاری کہانی میں بہت سے جھول ہیں۔"

"میں۔۔۔ میں سب سچ بتا رہی ہوں' آئی سویئر!" وہ حیران تھی۔

"مجھے پتا ہے تم سچ کہہ رہی ہو مگر مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی ہے کہ ایک او سی پی' جو اتنے سال سے اس پوسٹ پہ تھے' انہوں نے تمہارے چند فقرے سن کر گھٹنے کیسے ٹیک دیے؟"

"کیونکہ میں نے بتایا نا' میری ویڈیو والی دھمکی سے ان کی فیملی۔۔۔"

"حنین! ساری دھمکیاں فیملی سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ او سی پی صاحب کو اتنے برسوں میں کیا کبھی کسی نے دھمکایا نہیں ہوگا؟ یا پیسوں کا لالچ نہیں دیا ہوگا؟ ایسی پوسٹ پہ موجود لوگ بہت ٹرینڈ اور تجربہ کار ہوتے ہیں' ان کو بلیک میلر کو ٹیکل کرنا اچھے سے آتا ہے اور تمہارے بقول وہ بہت ایمان دار بھی تھے' تو انہوں نے اتنی آسانی سے تمہیں پیپرز کیسے دے دیے؟ ایک ادھیڑ عمر کا سرکاری آفیسر' ایک اٹھارہ سالہ بچی کے آگے چند منٹ میں ڈھیر کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بھائی نے بھی یہی کہا تھا مگر بھائی کا کہنا تھا کہ وہ بزدل تھے' ان کو اللہ پہ بھروسا کرنا چاہیے تھا اور۔۔۔" وہ الجھن سے کہہ رہی تھی۔ زمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"سعدی کو تو رہنے دو۔ وہ تو آئیڈیلسٹ ہے' مگر میں پریکٹیکل ہوں اور میرا نہیں خیال کہ تمہیں خود بھی پورا قصہ معلوم ہے۔" وہ نرمی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔ اور حنین حیران پریشان بیٹھی تھی۔ اس کو

ملامت کی امید تھی یا ڈھارس بندھانے کی۔ گو کہ زمر اتنی پریکٹیکل کیوں تھی' وہ پہلے سے زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

"حنین! شاید تمہیں پورا قصہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بات پہ سوچنا۔ اب سو جاؤ' ہم صبح بات کریں گے۔"

وہ مسکرا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ سیڑھیوں تک گئی تھی جب حنین نے پکارا۔

"آپ کو مجھ پہ ذرا بھی غصہ نہیں آیا' ہاشم والی بات سن کر؟" زمر مڑی تو دیکھا' حنین پشیمان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زمر نرمی سے مسکرائی۔

"اس میں غصے والی کیا بات ہے؟ اب سو جاؤ۔" اور زینے چڑھتی گئی۔ اوپر آ کر لاؤنج کا دروازہ بند کیا تو چہرے کے تاثرات بدلے۔ جبراً" پر سکون' نارمل رکھا چہرہ غم و غصے میں ڈھلتا گیا۔

"اس گھٹیا آدمی کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ حنین کو یوں ایکسپلائٹ کرے؟ اس نے اپنی عمر نہیں دیکھی؟" وہ غصے سے کھولتی لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ "اگر فارس کو پتا چلا تو ہاشم کی جان لے لے گا۔ حنین تو کم عمر ہے' نا سمجھ ہے مگر ہاشم' وہ اس کی فیلنگز کے ساتھ کیوں کھیل رہا ہے؟ تمہیں تو میں اچھا سبق سکھاؤں گی ہاشم!"

وہ جو سوچ رہی تھی' اس کے چہرے پہ حرف بہ حرف اترتا جا رہا تھا۔ فارس اوپر سے سیڑھیاں اترتا آیا تو ایک نظر اسے دیکھا جو غصے سے کھولتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ پھر کچن میں گیا۔ پانی کی بوتل فریج سے نکالی اور واپس آیا' اس کے قریب رکا۔

"کیا ہوا ہے؟"

اس نے خفگی سے فارس کو دیکھا۔ "مجھ سے بات مت کرو۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔"

"آپ کو چوبیس میں سے پچیس گھنٹے غصہ آیا رہتا ہے' پانی پئیں اور چند منٹ کے لیے کنٹرولڈ' ٹھنڈے اور شائستہ مزاج کی ہو جائیں۔"

بوتل سامنے رکھی اور اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے تلملا کر اسے جاتے دیکھا۔ (یہ مجھے میرے الفاظ لوٹا رہا تھا؟ ہاں بہت بولنا نہیں آ گیا اس کو میرے آگے؟)

اور ساتھ والے قصر میں نوشیرواں' بیڈ پہ بیٹھا' سفید سا پاؤڈر (آنکھیں بند کیے) ناک سے سانس کی صورت اندر اتار رہا تھا۔ سیاہ رات ایک دفعہ پھر سب کے گناہ اور سب کے راز چھپائے' تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

نیلے رنگ کی دیواروں والا کمرہ خاموش تھا۔ سعدی بیڈ پہ ٹیک لگا کر لیٹا تھا۔ دفعتاً" دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور دروازے کی اوٹ میں آ کھڑا ہوا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ اب بہت کم تھی۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مایا اندر داخل ہوئی۔ خالی کمرہ دیکھ کر وہ رکی' گارڈ سے کچھ کہا تو گارڈ تیزی سے اندر آیا۔ اسی پل سعدی اوٹ سے نکلا' اور گارڈ پہ جھپٹا۔ گارڈ تیار نہیں تھا' قدرے لڑکھڑایا۔ باہر سے دو مزید گارڈ اس طرف لپکے اور کھینچ کر سعدی کو اس گارڈ سے علیحدہ کیا اور بیڈ پر پٹخا۔

"آہ!" اس کے کسی زخم پہ کسی کا ہاتھ پڑا تھا۔ دہرا ہو کر بیڈ پہ گرا' وہ کراہا تھا۔ گارڈ غصے میں بول رہے تھے مگر ڈاکٹر مایا تیزی سے آگے آئی۔ "اس کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے' ٹھیک ہے' میں سنبھال لوں گی' تم لوگ جاؤ۔" ان کو اشارہ کیا تو وہ قدرے پس و پیش کے بعد باہر چلے گئے۔ سعدی اب سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ درد سے آنکھیں بار بار میچتا۔ وہ اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" وہ جواب دیے بنا سیدھا ہوا اور ٹیک لگا کر بیٹھا۔ پاؤں اوپر کیے۔

"اس جگہ یہ واحد گارڈز نہیں ہیں' یہاں قدم قدم پہ پہرے ہیں' تم اس طرح یہاں سے نہیں بھاگ سکتے۔" آواز آہستہ کی۔

سعدی نے اس کو دیکھا۔ پھر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"میرے زخم ٹھیک ہو گئے ہیں' اب تو کوئی نرس بھی کافی ہے' تو تم کیوں ہر روز آجاتی ہو؟"

"کیوں کہ میں ..." اس نے بے بسی سے بند دروازے کو دیکھا' آواز مزید دھیمی کی۔ "مجھے تمہاری فکر ہے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

اچھا واقعی؟ "کیسی مدد؟"

"یہاں سے نکلنے میں۔" وہ بے بس نظر آرہی تھی۔

"ڈاکٹر مایا!" اس نے چبھتی ہوئی نظریں مایا پہ گاڑیں۔ "کیا میری شکل سے یہ لگتا ہے کہ میں کل پیدا ہوا تھا؟"

"کیا مطلب؟" وہ الجھی' سعدی اس کو گھورتا چبا چبا کر بولا۔

"اپنی اداکاری مجھ پہ ضائع مت کرو۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہی ہو۔ ہاشم میری ذہنی کیفیت اور ارادوں سے باخبر رہنا چاہتا ہے' اس لیے اس نے تم سے کہا کہ ہمدردی کی آڑ میں تم میرا اعتماد جیتو' اور میرے فرار کے ہر طریقے کی مخبری کر کے اسے ناکام بناؤ' اس حد تک کہ میں اس قید کی زندگی سے کمپرومائز کرلوں اور نکلنے کا ارادہ ترک کر دوں۔" اور چہرہ پھیر لیا۔

مایا کے حیرت زدہ چہرے پہ دکھ کے تاثرات ابھرے۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تمہیں اپنے ہمدردوں اور دشمنوں میں فرق کرنا ہی نہیں آتا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ مجھ پہ الزام لگانے سے پہلے تمہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک غریب آدمی کی مجبور بیٹی ہوں' مگر تم اپنی غلطیوں سے نکلو گے تو تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔"

پھر ملامت بھری نگاہ اس پہ ڈالتی اٹھی۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر آکر مایا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے ٹشو باکس سے دو ٹشو نکالے' آنکھیں رگڑیں اور ساتھ ہی کچن میں دیوار پہ لگے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہاشم کاردار کو ملا دو۔" آپریٹر کو ہدایت دی۔ چند لمحے بعد ہاشم کی آواز ابھری تو وہ تیزی سے بولی۔

"سر! اسے شک ہو گیا ہے کہ آپ نے مجھے کس کام کے لیے رکھا ہے۔"

دوسری طرف بمشکل ہاشم نے ضبط کیا۔ "ایک کام کہا تھا میں نے تم سے کہ اس کو اٹریکٹ کرنے کی کوشش کرو' اتنا کہ وہ تمہیں اپنا بہترین ساتھی سمجھنے لگے مگر نہیں... تم سے یہ ایک کام بھی نہ ہو سکا۔"

"سر! میں کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں کرتا۔ میری بھی ہر وقت روک ٹوک کرتی ہے۔ آپ میری انجیو کو میری جاب بتا کر اسے سمجھا دیں کہ ایسا نہ کیا کرے۔" وہ اکتا کر کہہ رہی تھی۔

راہداری میں کھڑی میری نے رک کر ساری بات سنی اور پھر تیزی سے سعدی کے کمرے میں آئی۔ گارڈ نے دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا' وہ بستر پہ نیم دراز ہے۔ میری نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے غصے سے گھورا

"کیا کہا ہے تم نے مایا سے؟" سعدی نے نظریں اٹھائیں۔

"وہی جو تم نے مجھے بتایا تھا میری!"

"میں نے؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں۔" وہ پر سکون سا کہہ رہا تھا۔ "تم ہمیشہ کہتی تھیں' مایا اچھی ہے' مایا اچھی ہے' مگر تم نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی ہے یا اچھی ڈاکٹر ہے' یو نو' تمہارے تھپڑ کے بعد میں یہ جان گیا تھا کہ تمہارا مطلب ہے' مایا اچھی Cop ہے۔ یو نو گڈ کاپ۔ بیڈ کاپ' اس تھپڑ سے تم نے میری توجہ حاصل کی' تھینک یو اس ٹپ کے لیے۔" مسکرا کر سر کو خم دیا۔

میری کا رنگ ذرا بدلا' بے اختیار بند دروازے کو دیکھا' پھر جی کڑا کر بولی۔ "پتا نہیں کیا بولے جا رہے ہو'

میں نے تمہیں کوئی ٹپ نہیں دی' خود سے باتیں مت فرض کیا کرو۔" غصے سے اسے ڈانٹ کر وہ واپس جانے کو مڑی۔ "اور گارڈ پہ آئندہ حملہ مت کرنا' اس طرح تم بھاگ نہیں سکتے!"

اس کے جانے کے بعد سعدی نے سر جھٹکا۔ "کس نے کہا کہ میں بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا؟" اور اپنے نیچے سے وہ سگریٹ لائٹر نکالا جو اس نے گارڈ کی جیب سے نکالا تھا۔ "گڈ جاب سعدی!" اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔

☆ ☆ ☆

اسے گنوا کر اسے پھر پانے کا شوق دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

جب ہاشم نے فون رکھا تو وہ ایک ہوٹل میں چند افراد کے ساتھ بوفے ٹیبل کے پاس کھڑا تھا۔ بات ختم کر کے وہ ان کے قریب واپس آیا اور سلاد کھاتے ہوئے گفتگو کو وہیں سے جوڑنے لگا جہاں سے مایا کی کال نے توڑا تھا۔

قریباً" تین گھنٹے بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا' تو اس کے سینے میں عجیب سی جکڑن ہو رہی تھی۔ یہ یقیناً" سلاد تھا جس کی کوئی باسی یا خراب شے اسے لگ گئی تھی۔ ایک لمحے کو اسے لگا' وہ گرنے لگا ہے' پھر دیوار کا سہارا لیا۔ سامنے فینونا کا حیران اور پریشان چہرہ نظر آیا' سب سلو موشن میں ہو رہا تھا۔ آوازیں بند تھیں۔ نوکر بھاگ کر اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ سہارے کے لیے بڑھے ہاتھ جھٹکتا' لڑکھڑاتا ہوا کمرے تک آیا۔ کوٹ اس نے کہاں گرایا' جوتا کدھر اتارا' کچھ خبر نہیں۔ باتھ روم تک بمشکل پہنچا' واش بیسن پہ ہاتھ رکھے جھکا۔ بے حد تکلیف دہ سی قے آئی۔ پھر پانی منہ پہ پھینکا۔ چہرہ اٹھا کر آئینے میں دیکھا تو رنگ بگڑا ہوا' اور آنکھیں نڈھال لگتی تھیں۔ آگے اسے ٹھیک سے یاد نہیں۔۔۔ کب بیڈ پہ لیٹا۔۔۔ کب اس نے جواہرات اور ڈاکٹر کو اپنے سر پہ کھڑے بات کرتے سنا "(ڈاکٹر) فوڈ پوائزننگ ہے میم' صبح تک بالکل ٹھیک ہوں گے کاردار صاحب!) کب کمرے میں اندھیرا چھایا۔ کب روشنی ہوئی۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں بستر پہ نڈھال لیٹا رہا۔

متلی کی سی کیفیت سے اس کی آنکھ کھلی۔۔۔ چھت گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔ کہنی کے بل ذرا سیدھا ہوا۔ کرسی پہ ایک فلپائنی ملازمہ بیٹھی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ہاشم نے ذرا ناگواری سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ نہیں گئی تو بدقت مگر سختی سے بولا۔ "میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ!" وہ متذبذب سی باہر نکل گئی۔

کمرہ ٹھیک نہیں تھا۔ بمشکل اٹھ پایا اور بے جان قدموں سے چلتا باتھ روم تک آیا۔ واش بیسن پہ جھکا۔ اسے بہت زور کی قے آئی تھی مگر ایسا لگتا تھا جیسے اندر تک سب کچھ صاف ہو گیا ہو۔ بدقت منہ پہ پانی ڈالا۔ شرٹ اور کف بھیگ گئے۔ دیوار کو پکڑ پکڑ کر چلتا باہر نکلا۔ بیڈ کے بجائے کاؤچ تک آیا اور نڈھال سا اس پہ لیٹ گیا۔ کروٹ کے بل' نیم مردہ سا۔ اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اے سی یا پنکھا بند کرپاتا۔ کروٹ کے بل لیٹے' اس کی آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں۔ پلک جھپکتا' تو منظر صاف ہوتا' دوبارہ جھپکتا تو ہر طرف بادل ہوتے' کبھی کھڑکی بڑی ہو کر دکھائی دینے لگتی' کبھی پروں کے ہلنے کی آواز سمندروں کی لہروں کے شور جتنی بلند ہو جاتی۔ ہر شے' ہر آواز کئی گنا بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ شکلیں' ہیولے' بادل' سب آنکھوں کے آگے ناچ رہے تھے۔ ایسے میں ایک دفعہ اس نے پلک جھپکی تو کھڑکی کے آگے بہت سی روشنی نظر آئی۔ اتنی دودھیا روشنی کہ آنکھیں چندھیا جائیں' پھر اس روشنی میں سے ایک ہیولا سا ابھرنے لگا۔

سفید لمبی میکسی میں ملبوس کوئی لڑکی۔۔۔ اس سوتی جاگتی hallucinating ہیلو سی نیٹنگ (بیماری کے باعث غیر حقیقی چیزوں کا نظر آنا) سی کیفیت' میں بھی اسے لگا کہ اس کی موت آ پہنچی ہے' وہ مرنے والا ہے اور وہ ملک الموت کا عکس ہے' جو اس کی روح لینے آیا

ہے۔۔۔ اس نے دھندلی بصارت سے اس وجود کو قریب آتے دیکھا۔ اس کی میکسی پاؤں تک آتی تھی اور سینے پہ بندھے ہاتھوں میں گلدستہ تھا۔ سرخ گلابوں کا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر اوپر دیکھنا چاہا۔ دھندلا سا نظر آیا۔ اس کے چہرے کے گرد سرخ ریشمی اسٹول لپٹا تھا، جو کندھوں پہ اکٹھا ہو کر سامنے انگریزی حرف U کی طرح گر رہا تھا۔ ہاشم نے نیم غنودگی سے انداز میں پلکیں جھپکیں۔ وہ قریب آئی۔ دودھ ملائی سا چہرہ، کرسٹل جیسی گرے آنکھیں اور سرخ ہونٹوں پہ ہمدردی بھری مسکراہٹ۔ جھک کر وہ اس کے پاس پھول رکھ رہی تھی۔

"Get well Soon Grim Reaper!"

گیٹ ویل سون گرم ریپر

(جلد صحت یاب ہو، موت کے فرشتے!) مسکرا کر سرگوشی کی۔ وہ بول نہیں سکا۔ انہی نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ملک الموت نہیں تھی، ملک الموت تو وہ خود تھا۔ اب وہ اس کے اوپر کوئی چادر سی ڈال رہی تھی۔ یکدم سردی لگنا بند ہو گئی تھی۔ ہاشم کی پلکیں بھاری ہو کر گر گئیں۔ بمشکل کھولیں تو کمرے میں روشنی ویسی ہی تھی مگر وہ غائب تھی۔۔۔ اس کا دماغ نیند میں ڈوبتا گیا۔

جانے کتنی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔ وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں شام کی نیلاہٹیں تھیں۔ بتیاں بجھی تھیں۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ ماتھا ٹھنڈا تھا اور حواس بہتر تھے۔ اٹھتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

نہ اس کے اوپر چادر تھی، نہ ساتھ پھول رکھے تھے۔ ہاشم نے بے حد کرب سے آنکھیں میچیں۔ (ایک باسی سلاد نے اسے اتنا بیمار کر دیا کہ وہ اس بری طرح سے واہموں میں مبتلا ہونے لگا؟ ایسا تخیل؟ ایسا خواب؟) سر جھٹک کر وہ اٹھا اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد نکلا تو ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ تکان ابھی تک چہرے پہ واضح تھی۔ سست قدمی سے چلتا باہر آیا۔

لاؤنج روشن تھا۔ جواہرات صوفے پہ بیٹھی، چائے پی رہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر فکرمندی سے کپ رکھا۔

"تمہیں ابھی آرام کرنا چاہیے۔ اب کیسے ہو؟"

"بہتر!" وہ اس کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھا اور پاؤں میز پر رکھ لیے۔ آنکھیں موند لیں۔

"کیا کھا لیا تھا؟ اتنے بیمار لگ رہے ہو۔ شیرو اور میں بہت پریشان تھے۔" اس کو بہتر دیکھ کر بھی جواہرات کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں اور چھت کو تکنے لگا۔

"میں نے ایک خوب صورت خواب دیکھا۔"

"اچھا۔" وہ نرمی سے مسکرائی۔ "کس کو دیکھا؟" اب وہ صوفے پہ آدھی مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"تھی کوئی!"

جواہرات نے گہری سانس لی۔ "اسے کال کر لو۔ ڈنر پہ بلا لو۔ کتنے عرصے سے تم نے اس سے بات نہیں کی۔"

ہاشم نے آنکھیں بند کر لیں۔ "میں مصروف تھا۔ اب بھی ہوں۔" پھر سیدھا ہوا تو دیکھا، جواہرات اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں ممی، ہم اس بارے میں بات نہیں کرنے لگے۔ وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے، انوسینٹ ہے، میں نہیں چاہتا اسے کبھی میرے بارے میں وہ سب معلوم ہو۔ وہ گناہ جو میں نے کیے ہیں۔۔۔ وارث، زرتاشہ وہ سب۔" اس نے سر جھٹکا۔

"کسی کو کبھی علم نہیں ہو گا، موو آن ہاشم!" اس نے خفگی سے ٹوکا اور کپ اٹھا لیا۔

ہاشم اٹھ گیا۔ "میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر لیٹتا ہوں۔" جواہرات خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ موضوع سے بچنا چاہ رہا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو فینو نا ساتھ ہی آئی۔

"فینو نا! مجھے کافی لا دو۔" لائٹ جلاتے ہوئے اس نے کہا پھر رکا۔ "میرا لیپ ٹاپ کہاں ہے؟"

"سر، سوری! آپ کو کافی نہیں مل سکتی۔ آپ کا

لیپ ٹاپ اور بریف کیس بھی مسز کاردار کے کمرے میں رکھ دیا ہے میں نے' اگلے دو دن آپ کو ڈاکٹر کے تجویز کردہ ڈائٹ پلان پہ عمل کرنا ہو گا۔ کوئی کام نہیں۔ صرف ریسٹ۔"

"تم ابھی اور اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔"

فیٹونا نے مسکراہٹ دبائی۔ "تھینک یو سر اگر آپ کو اپنی چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا' سوائے آپ کے سیل فون کے۔" سائیڈ ٹیبل پہ دھرے فون کی طرف اشارہ کیا "ابھی جوس لاتی ہوں اور پرہیزی کھانا۔" مستعدی سے کہتی وہ ایڑیوں پہ گھومی۔ ہاشم مسکرا کر قدم قدم چلتا بیڈ تک آیا۔

"اور ہاں سر!" وہ جیسے کچھ یاد کر کے واپس گھومی۔ "میں نے پھول ادھر رکھ دیے تھے۔" آتش دان کی طرف اشارہ کیا تو ہاشم نے چونک کر دیکھا۔ وہاں شیلف پہ گلدان میں سرخ گلاب رکھے تھے۔ ہاشم کی نظریں فوراً" صوفے تک گئیں۔ صوفے کے قدموں میں گول مول سی ہوئی چادر پڑی تھی۔

(جو شاید اس نے نیند میں اتار دی تھی۔ تو وہ اس کا خواب نہیں تھا)

"یہ کون لایا؟" وہ متحیر سا آتش دان کے قریب آیا۔

"سر! کسی لڑکی نے صبح آپ کے لیے کال کی تھی' میں نے بتایا آپ بیمار ہیں تو وہ دوپہر میں آئی۔ نام نہیں بتایا' مگر تو شیرواں صاحب اس کو جانتے تھے۔ مسز کاردار اس وقت گھر پہ نہیں تھیں۔ میں نے اسے آنے دیا۔ آپ کو دیکھ کر اور یہ پھول رکھ کر وہ چلی گئی!"

"تم دوسری دفعہ اپنی نوکری سے فارغ ہو فیٹونا۔" خفگی سے کہتا وہ پھولوں تک آیا اور اندر لگا کارڈ نکالا۔ سفید سے کارڈ پہ سرخ روشنائی سے تحریر تھا۔

"Get Well Soon Grim Reaper!"

اور نیچے چھوٹا سا لکھا تھا۔ "آبدار ہارون عبید!"

ہاشم ذرا سا مسکرایا۔ موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ اوپر کی۔ ایک نام پہ رکا۔ Red Riding Hood پہلے کال کا بٹن دبایا۔ پھر (اونہوں) کال کاٹی۔ اور میسج لکھا۔ "تھینکس آبی!"

باہر سیڑھیاں اترتی فیٹونا' ساتھ گزرتے شیرو کو دیکھ کر رکی۔ "سر' دوپہر میں جو لڑکی آئی تھی ہاشم صاحب کے لیے' اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ کیا آپ اس کو جانتے تھے؟"

شیرو جو فون میں الجھا تھا' رکا اور تیز نظروں سے فیٹونا کو گھورا۔

"آف کورس۔ وہ ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ اور زہر لگتی ہے مجھے وہ۔ اب ہٹو سامنے سے۔" اور برے موڈ کے ساتھ اوپر آیا۔

(ایک تو ہاشم بھائی کو وہی لوگ کیوں پسند آتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتے ہیں؟ ایک سعدی اور ایک یہ فسادی! میں ابھی تک بھولا نہیں ہوں کہ کس طرح یونیورسٹی میں اس نے مجھے اپنے منگیتر سے پٹوایا تھا۔ ہونہہ!) منہ میں بڑبڑاتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

ہاشم نے جب ٹیکسٹ بھیجا تو اس کے موبائل سے نادیدہ لہر نکلی اور اڑتی ہوئی ہوا میں بہتی چلی گئی۔ سڑکیں عبور کیں' گھر پھلانگے اور بالآخر سرسبز میدانوں سے گھرے ایک اونچے محل میں تیرتی ہوئی آئی' ایک کھڑکی سے اندر کودی' اور اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے موبائل میں جا اتری۔ موبائل اسکرین میسج ٹون سے چمکی اور بجھ گئی۔

وہ ایک وسیع و عریض سی اسٹڈی سی لگتی تھی۔ اس کے دروازے پہ نیم پلیٹ لگی تھی۔ "آبدار عبید۔ Hypnotheropist۔" اندر دیکھو (اسی کھڑکی سے) تو اسٹڈی ٹیبل کی کنٹرول چیئر کی پشت نظر آتی تھی۔ سفید آستین میں ملبوس' کہنی کرسی کے بازو پہ جمی تھی اور سرخ اسٹول میں ڈھکا سر پیچھے سے دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے اس کا چہرہ تو نظر نہ آتا تھا البتہ سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' قیمتی سوٹ میں ملبوس درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا واضح دکھائی دے رہا تھا اور وہ

قدرے الجھن سے کہہ رہا تھا۔

"تو آپ میرا علاج کیوں نہیں کر سکتیں؟"

سرخ اسکارف والا سر جیسے گہری سانس لے کر جھکا۔ "مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا یہ کہتے ہوئے مگر آپ کو سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے اور میں سائیکاٹرسٹ نہیں ہوں، نہ ہی سائیکالوجسٹ۔ یہ وہ ہوتے ہیں جو ذہنی امراض کا علاج کرتے ہیں، نہ ہی میں میڈیکل ڈاکٹر ہوں جو کسی جسمانی بیماری کا علاج کر سکوں۔ میں hypnotheropist ہوں۔" اس کی آواز نرم اور سادہ تھی۔

"مگر..." وہ الجھا۔ "نہ جسمانی نہ ذہنی، اگر دونوں کا علاج آپ کے پاس نہیں ہے، تو... آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں Hupnosis کے ذریعے آپ کو ایک بہتر ذہنی حالت میں لے جا سکتی ہوں، جہاں آپ خود کو ایک بہتر انسان کے طور پہ دیکھ سکتے ہیں، یہ سیلف امپروومنٹ کے لیے ہوتا ہے، بری عادتیں اور بری یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے۔ اور اس کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔ میں ایک ریفر کر رہی ہوں۔" قلم سے کاغذ پہ چند الفاظ گھسیٹے اور شڈ پ سے پیڈ سے صفحہ اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ ان سے مل لیں۔ یہ آپ کا بہترین علاج کریں گے۔"

ان صاحب نے تذبذب سے پرچہ تھام لیا۔ "مگر... آپ کے والد نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت اچھی تھراپسٹ ہیں۔"

"میں بہت اچھی تھراپسٹ ہوں، اسی لیے آپ کو ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔" وہ صاحب اٹھے، چند الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل گئے۔ دروازہ بند ہوا تو اس نے کرسی موڑی، اب کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھو تو اس کا داہنا رخ نظر آتا تھا۔ وہی ملائی سا چہرہ اور بلی جیسی سرمئی آنکھیں جن کے ابرو ناراضی سے بھنچے تھے۔

سرخ ہونٹ دانت سے کاٹتے اس نے موبائل سے ہاشم کا نیا میسج سرسری سا پڑھ کر ایک کال ملائی۔

"امین... بابا کہاں ہیں...؟ نہیں ان کو فون مت دو۔ بس اتنا بتا دو کہ ان کا بھیجا پانچ سو چھبیسواں مریض بھی میں نے واپس کر دیا ہے۔ اسی لیے اپنے سیاسی دوستوں کو میرے پاس مت بھیجا کریں، اس امید پہ کہ ان کے سارے راز میں آپ کو بتا دوں گی۔ اور ہاں امین، یہ زور دے کر کہنا کہ میں بہت بہت خفا ہوں۔" نرم سی خفگی سے کہہ کر موبائل رکھ دیا۔ پھر اٹھی اور دروازے کی طرف چلی گئی۔

چند لمحے بعد وہ اس اسٹڈی کے بیرونی دروازے سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں سبزہ زار دور دور تک پھیلا تھا۔ وہ ایک نظر سبزے پہ ڈالتی گھاس کے کنارے چلنے لگی۔ سادہ لمبا سفید فراک پہنے، جس کی چوڑی دار آستینیں تھیں اور چہرے کے گرد سختی سے سرخ اسٹول لپیٹے۔ وہ چلتے ہوئے ہاتھ پودوں کے پتوں سے گزارتی جا رہی تھی۔ ایک سفید ایرانی بلی دور سے بھاگتی آئی اور اس کے قدموں کے برابر چلنے لگی۔

"سنو... بیلا۔" اس نے خفگی سے بلی کو مخاطب کیا۔ "میرا موڈ بہت خراب ہے اور آج میں مزید کوئی کلائنٹ نہیں دیکھنے لگی۔" ذرا آگے آ کر رکی۔ برآمدہ خالی تھا۔ کرسیاں بھی خالی تھیں۔ آبدار نے "OOPS" والے انداز میں بلی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے کندھے اچکائے۔

"چلو اچھا ہوا۔ اور کوئی کلائنٹ ہے بھی نہیں، میں انکار کرتی تو برا لگتا نا ان کو۔" بلی نے اس کے قدموں سے خود کو رگڑتے اس کے گرد چکر کاٹا۔ وہ پھر سے چلنے لگی۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے؟ بابا نے میری بات کا برا مانا ہو گا؟ مگر... اوہ نہیں بیلا۔" وہ اداس ہوئی۔ "امین (ڈرائیور) نے پوری بات بتائی ہی نہیں ہو گی ان کو۔ بابا سمیت کوئی بھی مجھے سیریس نہیں لیتا۔ سوائے میرے کلائنٹس کے۔ حالانکہ ان کو بھی مجھے سنجیدہ نہیں لینا

چاہیے۔ اب میں دیکھنے میں کوئی ہینو تھراپسٹ تھوڑی لگتی ہوں؟ ایک تو میں نرم دل اتنی ہوں' اوپر سے کیوٹ بھی ہوں۔" رک کر پوچھا۔ "ہوں نا؟" بلی جواب میں میاؤں میاؤں کرتی مسلسل اس کی ٹانگوں سے خود کو رگڑ رہی تھی۔

دور سے دو ملازموں نے دیکھا کہ وہ چلتی آرہی ہے۔ جو ذرا ادھیڑ عمر تھا' وہ نوجوان ملازم کی طرف مڑا۔

"تم آبدار بی بی کو بتاؤ اپنے سارے مسئلے مسائل' جن کی وجہ سے تم کک (باورچی) نذیر کا قرضہ واپس نہیں کر سکتے۔ بی بی بہت ہمدرد اور مہربان ہے' تم ابھی ان کو نہیں جانتے' نئے ہو نا۔ وہ تمہیں کک سے مہلت دلا دیں گی۔" ہمدردی سے مشورہ دیا۔ نوجوان ملازم کی ہمت بندھی۔ فوراً" آگے گیا' جہاں وہ روش پہ چلتی آرہی تھی۔

"آبدار میم!" اس نے ہاتھ باندھے مؤدب ہو کر پکارا۔ وہ رکی۔ نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"آپ نے اس دن کہا تھا کہ کک سے لیے گئے پیسے جلد واپس کر دوں۔"

"ہاں غضنفر! وہ بے چارہ پہلے ہی اتنا غریب ہے' نرم دلی میں دے تو بیٹھا ہے' لیکن ابھی اس کو سخت ضرورت ہے ان کی۔"

"وہ دراصل۔۔۔" سر جھکا کر بے چارگی سے بتانے لگا۔ "میری بہن کی شادی قریب ہے' وہ سارے پیسے اس میں لگ گئے' پھر بھی کم پڑ رہے ہیں۔ والد میرے سرطان کے مریض ہیں' ڈاکٹر نے کہا کہ علاج کی منزل سے نکل چکے ہیں۔ دوا کا خرچا بہت ہے۔ آپ پلیز کک سے کہہ دیں' وہ ذرا مجھے مہلت دے دے۔ آج کل دو وقت کے کھانے کا خرچا بھی پورا نہیں ہو پاتا ہمارے گھر کا۔" وہ دکھ اور بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

آبدار کی آنکھوں میں فکر مندی ابھری۔ دو قدم قریب آئی۔ "اوہ ہو۔ آئی ایم سو' سوری غضنفر۔ تمہارے تو بہت برے حالات ہیں' میں ابھی کک سے بات کرتی ہوں' نہ صرف وہ مہلت دے گا' بلکہ تم کہو تو میں تمہاری بہن کی شادی کے لیے پانچ دس لاکھ ارینج کر دوں؟" اپنائیت اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ ملازم غضنفر نے آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں امید کی خوشی تھی۔

"بی بی! یہ تو آپ کا احسان ہو گا۔"

"شیور۔ میں ایسا کرتی ہوں' کک کے پیسے بھی خود ہی ادا کر دیتی ہوں اور تمہیں مزید رقم بھی دے دیتی ہوں۔ اوکے؟" وہ آگے بڑھی پھر رکی۔ غضنفر فرط جذبات سے شکریہ بھی نہ کہہ پایا تھا جب وہ واپس گھومی۔

"مگر ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے غضنفر۔" بہت ہی فکر مندی سے بتانے لگی۔ "میں نے تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروایا تھا' ایسا ہے کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے اور والد تمہارے دس بارہ سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ تمہارا۔ بینک اکاؤنٹ جس میں ہر ماہ تمہاری تنخواہ جاتی ہے' اس میں بھی کافی رقم ہے اور کک کے پیسوں سمیت وہ تمام رقم تم نے اپنے ہمسائے کو دینی ہے' اس کی بیٹی سے شادی کے بدلے میں' سو یو نو واٹ! میرے محنتی اور ایمان دار کک سے جو پیسے تم نے باپ کی بیماری کا کہہ کر ہتھیائے تھے نا' وہ ان کو کل صبح سے پہلے واپس ملنے چاہئیں' ورنہ۔۔۔ اگر میں نے بابا کو بتایا تو۔۔۔"

بہت ہی نرمی سے کہتے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکرائی اور مڑ گئی۔ ادھر غضنفر کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ ہکا بکا سا وہ ادھیڑ عمر ملازم کی طرف گھوما جس نے مسکرا کر مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"بولا تھا نا' ابھی تم بی بی کو نہیں جانتا۔" غضنفر نے تلملا کر اسے دیکھا تھا۔ (کک کا وفادار)

وہ اپنے قصر کی چار دیواری کے ساتھ قدم قدم چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ بلی بھی ساتھ ہی تھی۔ دفعتاً" ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ آنکھیں چمکیں۔ شرارت سے بلی کو "شش" چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں آگے آئی۔ کھلے دروازے سے گردن نکال کر جھانکا۔

وہ کمیٹی آفس کے طور پہ استعمال ہونے والا کمرہ تھا۔ دیواروں پہ کاغذ۔ چارٹس۔ ملٹی میڈیا۔ نوجوان ورکرز آگے پیچھے ٹہل رہے تھے' کوئی بول رہا تھا' کوئی کمپیوٹر پہ بیٹھا تھا۔ ان میں ذرا اونچے چبوترے پہ کھڑا' ٹی شرٹ اور پی کیپ والا نوجوان' جس کو وہ احمر شفیع کے نام سے جانتی تھی' ہتھم کہہ رہا تھا۔

"فاطمہ! مجھے رات ایک دوست کے میموریل ڈنر پہ جانا ہے' پیچھے جب ہارون صاحب پرائم ٹائم میں انٹرویو دیں گے' تو تم میری جگہ ہو گی۔" فاطمہ کے پیچھے کسی ورکر کو دیکھ کر اونچا بولا۔ "یہ کیا ہے' رضا؟" آبدار کی نظریں اس طرف گھومیں جہاں ایک لڑکا ہینگنگ ڈریس بیگ اٹھائے چلا آرہا تھا۔

"سر' یہ عبید صاحب کا شلوار سوٹ ہے' یہ شو کے لیے بھیجا ہے ڈیزائنر نے۔" وہ ہینگنگ بیگ میں لباس دکھا رہا تھا۔ احمر کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"ہرگز نہیں۔ وہ شلوار سوٹ میں مزید دراز قد لگیں گے' شو کے فارمیٹ میں تینوں سیاست دانوں کے سامنے میز نہیں ہو گی اور وہ کھڑے ہوں گے۔ مخالف والے چیمہ صاحب کو دیکھا ہے تم نے' کتنے کمزور اور منحنی سے ہیں۔ ہارون صاحب ان کو bully کرتے نظر آئیں گے۔ اس کو بدل کر تو پیس تیار کرواؤ۔ ٹائی گہرے رنگ کی ہو۔ ان کو فائیٹر لگنا چاہیے' ڈکٹیٹر نہیں۔" پھر اسی سنجیدگی سے فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا' تب ہی دروازے میں گردن نکال کر دیکھتی لڑکی پہ نگاہ پڑی جو فوراً" سے اوٹ میں ہو گئی۔ فاطمہ کو رکنے کا کہہ کر تیزی سے باہر آیا۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔

"ہیلو احمر!" اسے دیکھ کر سنبھل کر مسکرائی۔ "میں فارغ تھی' سوچا کمیٹی کے لیے خود کو ابزا اے والنٹیئر کروں۔ کوئی کام ہے میرے لیے؟" معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

احمر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ "نہیں مس عبید' آپ کے لیے کوئی کام نہیں۔ بلکہ آپ کے اس کمرے میں داخل ہونے پہ بھی میں پابندی لگانے جا رہا ہوں۔"

آبدار کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ "سو رووڈ۔ میں بابا سے شکایت کروں گی۔"

"پھر مجھے بھی بتانا پڑے گا کہ جب بھی آپ کمیٹی آفس میں آتی ہیں' کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوتا ہے۔" دانت پہ دانت جمائے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "کبھی میرے بیگ سے مرا ہوا چوہا نکلتا ہے' کبھی موبائل چارجرز ڈسٹ بن میں خود بخود جا پہنچتے ہیں' کبھی ہماری فائلز میں چھپکلی کی دم خود سے آگرتی ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر انگلیاں موڑنے لگی' تو احمر نے چند ایک گہرے سانس لیے۔ "مجھے پتا ہے' آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے بابا کامیاب ہوں کیوں کہ اس صورت میں وہ آپ کو وقت نہیں دے پائیں گے مگر اچھا ہو گا اگر آپ اپنے ریلیشن شپ کو بہتر بنانے پہ توجہ دیں' بجائے میرے کام میں ٹانگ اڑانے کے۔" انگلی سے چوکھٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ باؤنڈری اب آپ کراس نہیں کریں گی۔"

آبدار کی تلملائی ہوئی نظریں اوپر اٹھیں۔ نروٹھے پن سے کچھ کہنے لگی تھی کہ احمر کی شرٹ دیکھ کر رکی۔ آنکھیں سکیڑیں۔

سفید شرٹ پہ بلیک اینڈ وائٹ ایک مسکراتے نوجوان کی تصویر بنی تھی' جس کے چھوٹے گھنگھریالے بال تھے اور اوپر ریاضی کا نشان hash tag ڈال کر لکھا تھا SaveSaadi

"یہ کون ہے؟" وہ اچنبھے سے بولی۔ احمر اپنی ساری تقریر اکارت جاتے دیکھ کر مزید جل گیا۔

"میرا دوست ہے' مسنگ ہے' اس کے میموریل ڈنر میں جانا ہے رات کو' اسی کے لیے پہنی ہے۔" خفگی سے کہتا پلٹ گیا۔

آبدار الجھی سی کھڑی سوچتی رہی۔ (یہ کون تھا؟ کہاں دیکھا ہے میں نے اسے پہلے؟)

اس کی بلی اب بیٹھی اس کے پیر چاٹ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میموریل ڈنر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کے بینکوئٹ ہال میں منعقد تھا۔ اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے دیوار گیر بینر لگا تھا جس میں سعدی مسکراتا ہوا نظر آرہا تھا اور ساتھ Save Saadi # لکھا تھا۔ یہی تصویر پرنٹ ہو کر ہال میں بیٹھے بہت سے لڑکے لڑکیوں کی شرٹس پر چھپی تھی۔

احمر شفیع اسی شرٹ میں ملبوس کھڑا' سعدی کے دو منتظم دوستوں سے بات کر رہا تھا' جب اس نے زمر کو اس طرف آتے دیکھا۔ وہ گھنگھریالے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' قدرے عجلت میں لگ رہی تھی۔

"السلام علیکم احمر!" پھر دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا۔ "تیسرے نمبر پہ تقریر میری بھتیجی کرے گی۔۔۔ اوکے؟ اور اس کو آدھے پون گھنٹے کا ٹائم چاہیے ہو گا۔ وہ سعدی کی بہن ہے آخر!"

"آ۔۔۔ اوکے مسز زمر!" اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔ احمر کچھ کہنے لگا مگر وہ مڑ گئی۔ اب وہ داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے۔ سامنے سے ڈاکٹر ایمن اور ڈاکٹر توقیر چلے آرہے تھے۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ لوگ آئے۔" ان کو ریسیو کر کے وہ انہیں ان کی میز کی طرف لے آئی۔ "بچے نہیں آئے آپ کے؟"

"وہ بہت چھوٹے ہیں مسز زمر' میموریل کی باتیں ان کے ذہنوں پہ ناخوش گوار اثر نہ ڈالیں' اس لیے ان کو نانی کی طرف چھوڑا ہے۔" ڈاکٹر ایمن بتا رہی تھیں۔ زمر کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری' "مگر جبرا" مسکراتی رہی۔

"بالکل۔ ہر شخص کو اپنے بچے کو پروٹیکٹ کرنے کا حق ہے۔" اور پھر جب مڑی تو مسکراہٹ غائب تھی اور آنکھوں میں شدید تکلیف تھی۔ اسی طرح چلتی وہ حنین کی میز تک آئی جہاں ندرت' سیم اور فارس بیٹھے تھے۔ فارس بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ زمر نے اس کے ساتھ خاموش نظروں کا تبادلہ کیا' پھر حنین کے قریب جھکی۔

"تیسرے نمبر پہ وہ تمہیں اسٹیج پہ بلائیں گے۔ تمہیں تقریر کرنی ہے' وہ بھی چالیس منٹ کی۔"

"واٹ؟" حنہ نے دہل کر اسے دیکھا۔ "مگر میں اپنے بھائی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی کسی سے۔ آپ نے مجھے کہا تھا کہ مجھے کوئی تقریر وغیرہ نہیں کرنی ہو گی۔"

"مجھے نہیں پتا میں نے کیا کہا تھا۔" وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ "مگر تمہیں اگلے چالیس منٹ اسٹیج پہ جا کر بولنا ہے اور اتنا اچھا بولنا ہے کہ کسی کو میری اور فارس کی کمی محسوس نہ ہو۔ اب میں جا رہی ہوں۔ کوئی سوال نہیں۔" فارس اتنا سن کر اٹھ کر اسٹیج کے عقب میں جانے لگا۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ "مگر۔۔۔ میں کیا کہوں گی؟"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ خود سوچو۔" رسان سے کہہ کر وہ اٹھ آئی۔

وہ کار میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے اندر بیٹھتے ہی بے چینی سے بولا۔ "میں اکیلا کر لیتا سب' آپ کو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"میں تمہاری مدد کے لیے نہیں آرہی۔" اور زور سے دروازہ بند کیا۔

اندر چند منٹ تو حنین یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب اس کا نام پکارا گیا تو اس نے بہت سی نظریں خود پہ اٹھتی محسوس کیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی ڈائس تک آئی۔ پسینے سے نم ہوتے ہاتھوں سے مائیک سیدھا کیا۔ ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی۔ جس میں ہر عمر کے افراد' سول سوسائٹی کے اراکین' طلبا' کچھ رشتے دار' سب بیٹھے تھے۔ دل کانپا۔ نگاہ جھکا لی۔ چند رسمی کلمات کہے' پھر رکی۔

"میں کوئی تقریر لکھ کر نہیں لائی' کیوں کہ میں تقریر کرنا بھی نہیں چاہتی۔ عجیب سا لگتا ہے اپنے بھائی کے لیے تقریر کرنا' رسمی جملے کہہ کر' چند آنسو بہا کر' تالیاں سمیٹنا۔" جھکی آنکھوں سے سر جھٹکا۔

"پاکستان میں ہر سال ہزاروں لوگ قتل کیے جاتے

ہیں' بم دھماکوں میں' ٹارگٹ کلنگ میں۔ اور ہزاروں اغوا کیے جاتے ہیں۔ کچھ مار دیے جاتے ہیں' کچھ تاوان لے کر چھوڑ دیے جاتے ہیں' مگر چند لوگ۔۔۔ چند لوگوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ وہ شہباز تاثیر ہو' فرزند یوسف رضا گیلانی ہو' یا سعدی یوسف ہو۔ ان کے اغوا کار برسوں ان کو زندہ رکھتے ہیں اور ان کے گھر والوں کو روز مارتے ہیں۔۔۔"

جھکی نظروں سے ڈائس کی سطح پہ دیکھا۔ وہاں میموریل کا پمفلٹ رکھا تھا۔ سعدی کی تصویر۔ اس کو دیکھ کر بہت کچھ یاد آنے لگا۔

"ہم عام بہن بھائیوں جیسے تھے۔ امی کو تنگ کرتے تھے بہت۔ وہ فون پہ کبھی کسی خالہ' ممانی سے کسی کی غیبتیں کر رہی ہوتیں تو بھائی پکارتا' امی یہ غیبت ہے' اور امی غصے سے جوتا اٹھا کر پھینکتے ہوئے کہتیں' میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" چہرہ جھکائے وہ ذرا سا ہنسی۔ ہال میں بھی نم سی ہنسی گونجی۔ "امی سارا دن ہم بہن بھائیوں کو برا بھلا کہتی تھیں اگر کبھی کسی رشتے دار کے سامنے ہماری تعریف کرتیں تو بھائی کہتا' حنہ! تمہیں نہیں لگتا کہ امی جھوٹ بول رہی ہیں؟" نظریں اٹھائیں تو دیکھا۔ سامنے بیٹھی ندرت اور سیم مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں پرنم تھیں۔

وہ پھر سے پلکیں جھکا کر کہنے لگی۔

"بھائی اور میں اکٹھے اسکول جاتے تھے۔ پانچ سال کا فرق تھا ہم میں۔ دو بجے چھٹی ہوتی' دو بیس پہ ہم گھر پہنچتے۔ آتے ساتھ یہی بے چینی ہوتی کہ آج کھانے میں کیا پکا ہوگا؟ بھاگ کر دیگچی کا ڈھکن اٹھاتی۔ جس دن کو بھی یا کریلے ٹنڈے ہوتے' بس اس دن مجھے لگتا میں امی کی لے پالک اولاد ہوں۔"

مسکرا کر سر جھکائے' وہ کہہ رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر سب ہنسے تھے۔

"خیر' پونے تین تک نہا دھو کر کھانا کھا کر میں جلدی سے سونے لیٹ جاتی' معلوم تھا کہ بمشکل آنکھ لگے گی کہ۔۔۔ تین بجے۔ وہ چنگھاڑتی ہوئی آواز اٹھا دے گی۔ جی ہاں۔ قاری صاحب کی گھنٹی کی آواز۔ اف۔۔"

ہال میں زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ (اور وہ سمجھتی تھی صرف اسی کے گھر قاری صاحب تین بجے آتے تھے۔)

"میں روز تین بجنے سے پانچ منٹ پہلے دعائیں' منتیں شروع کرتی' اللہ کرے قاری صاحب آج نہ آئیں۔ بارش ہو جائے۔ بیمار ہو جائیں۔ کبھی تین سے پانچ منٹ اوپر ہو جاتے اور گھنٹی نہ بجی ہوتی' تو میں اتنی خوش ہوتی' مگر عین اسی وقت گھنٹی بج جاتی۔ اف۔ بہت تپ چڑھتی تھی' لیکن کبھی۔۔۔ سال میں ایک آدھ بار۔۔۔ وہ سرپرائز چھٹی کر بھی لیتے۔ اس خوشی کا کوئی ثانی نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی کبھی لگتا ہے کہ اسی طرح ایک دن بھائی گھر آجائے گا۔ سرپرائز۔ اس خوشی کا بھی کوئی ثانی نہیں ہوگا۔"

جھکے چہرے پہ آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے مگر اس کی آواز ہموار تھی۔ ہال چپ تھا۔ ڈاکٹر ایمن جذبات سے عاری چہرہ لیے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر توقیر بار بار پہلو بدلتے تھے۔

"مگر پتا ہے کیا۔۔۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "بھائی قاری صاحب کے آنے پہ میری طرح نہیں چڑتا تھا۔ میں غصے سے قاری صاحب کی برائیاں کرتی۔ کہتی' بھائی یہ غلط فتوے دے دیتے ہیں' کبھی کہتے ہیں یہ حرام' کبھی وہ حرام۔ یہ مولوی اتنے تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟ ایک دن بھائی نے مجھے صوفے پہ بٹھایا اور بولا۔ "حنہ پتا ہے' مولوی کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی معمولی تعلیم ہوتی ہے' مسجد کے ایک حجرے میں رہتا ہے' چار پانچ بچے ہوتے ہیں اور اتنی کم تنخواہ جس میں ہم ایک ڈنر کرلیں۔ وہ اس میں پورا مہینہ گزارتا ہے۔ بچوں کو پڑھاتا ہے۔ وہ وقت کی روٹی کی فکر بھی کرتا ہے' اس کو کہاں ملے ذہن کھلا کرنے کے مواقع؟ مدینہ یونیورسٹی یا گلاسگو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی نہیں کی ہوتی اس نے۔ یہ جو سوٹڈ بوٹڈ بہترین اسلامک اسکالرز بڑے بڑے سیمینار اور فورمز پہ لیکچر دیتے ہیں' ریسرچ پیپرز نکالتے ہیں' نہ ان جیسا ذہن ہوتا ہے اس کا' نہ اتنے

مواقع ملے ہوتے ہیں۔ وہ تو منہ اندھیرے اذان دیتا ہے' لوگوں کو نماز کے لیے اٹھاتا ہے' رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے' بچوں کو قرآن پڑھنا سکھاتا ہے۔ اس کی انکم دیکھو' اس کے حالات اور اس کا پس منظر تو دیکھو' پھر اگر وہ تنگ نظر ہے' سخت فتویٰ دے دیتا ہے' تو کیا تم لوگ اس کی ان باتوں کو' اس کے ان سارے احسانات کے پیش نظر جو وہ تم لوگوں پہ کرتا ہے' اگنور نہیں کر سکتے؟ کیا اس کے حلوے کی پسندیدگی پہ لطیفے بنانا ضروری ہے؟ مگر میں نے پھر بھی کہا۔ جو بھی ہے بھائی' تین بجے آنا کوئی انسانیت نہیں ہے!" ہلکا سا ہنسی تھی وہ... سب سن رہے تھے اسے۔ غور سے خاموشی سے اور وہ بولتی جا رہی تھی... اس کے اندر کا کھانا کیڑا دم توڑنے لگا تھا۔

✡ ✡ ✡
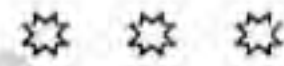
ضبط غم نے اب تو پتھر کر دیا ورنہ فراز!
دیکھتا کوئی کہ دل کے زخم جب آنکھوں میں تھے

ان سے دور' نیم تاریک کالونی میں ایک بنگلے کے سامنے' چار دیواری کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا۔

"ان کا گارڈ نہیں ہے کیا؟" ساتھ کھڑی زمر نے پوچھا تھا۔

"اونہوں' آج کل ان کا گارڈ اسپتال کی عمارت میں ہوتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے گیٹ کے تالے میں تار ڈال کر گھما رہا تھا۔ زمر نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ "کسی دن ہم عدالت میں کھڑے اس لمحے کی بات کر رہے ہوں گے اور میں چاہتی ہوں کہ خود کو perjure (کٹہرے میں جھوٹ بولے بغیر) کیے بغیر کہہ سکوں کہ تمہیں کبھی کچھ ال لیگل کرتے نہیں دیکھا۔"

گیٹ کھل گیا' وہ ان سنی کرتا اندر بڑھ گیا۔ زمر پیچھے آئی۔ باہر لگی نیم پلیٹ جگمگا رہی تھی۔

ڈاکٹر توقیر بخاری۔ ڈاکٹر ایمن بخاری۔

"کالونی میں ایک ہی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے' جس کو میں نے دوپہر میں ڈس ایبل کر دیا تھا۔" وہ گھر کے اندرونی دروازے کے سامنے بیٹھا' اور ایک ننھی سی پک Pick (لوہے کا تار) لاک میں گھماتے بولا۔

زمر سینے پہ بازو لپیٹے ساتھ کھڑی اسے دیکھے گئی۔

"کسی کے گھر کا لاک توڑنا' کسی کی پراپرٹی پہ ٹریس پاس کرنا' مجھے یقین نہیں آ رہا میں ایسے کام میں ملوث ہو رہی ہوں۔ تمہیں پتا ہے ٹریس پاسنگ کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟" وہ جھری جھری لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ایکس ٹورشن (بلیک میلنگ) کی سزا کتنے سال ہوتی ہے؟" وہ اسی سنجیدگی سے پک کو کی ہول میں گھسائے باری باری لاک کی پنیں دھکیلنے لگا۔ زمر کلس کر چپ ہو گئی۔

وہ ایک ایک پن دھکیل رہا تھا۔ یوں جیسے پیانو کی کیز پہ انگلیاں چلا رہا ہو اور جو تال اٹھی تھی' اس نے اندھیرے میں ایک منظر اس کے سامنے لہرا دیا۔

"ندرت بہن بھی چابی کدھر کھو بیٹھیں' اور آپ نہ ہوتے تو ہم آج گھر کے باہر رات گزارتے ماموں۔" وہ چھوٹے باغیچے والے گھر کے دروازے پہ کھڑے تھے' فارس پنجوں کے بل بیٹھا' لاک میں Pick گھسا رہا تھا اور کم عمر سعدی ستائشی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "ویسے بغیر چابی کے کیا کوئی لاک اتنی آسانی سے کھل سکتا ہے؟"

"ابھی دنیا میں وہ لاک نہیں بنا جو توڑا نہ جا سکے۔ ادھر غور سے دیکھو میں یہ کیسے کر رہا ہوں۔"

"میں سیکھ کر کیا کروں گا؟" کم عمر لڑکے نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ فارس نے سر اٹھا کر تندی سے اسے دیکھا۔

"کبھی کہیں لاکڈ ہو جاؤ تو باہر تو نکل سکو گے۔ اب دیکھو۔" وہ بتانے لگا۔ "یہ سمپل لاک ہے۔ چھ پنیں ہیں اندر۔ اس کی چابی کے ایسے دانت ہوتے ہیں جو اندرونی سانچے میں فٹ ہو جاتے ہیں' تم چابی گھماؤ تو Pins آگے سرک جاتی ہیں اور لاک کھل جاتا ہے۔"

سعدی ساتھ بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ "یہی کام تم چابی کی جگہ اس سادہ Pick (ننھی سی لوہے

کی اسٹک) سے بھی کر سکتے ہو۔ باری باری ہر پن کو سرکاتے جاؤ' ون' ٹو' تھری۔" اس کی انگلیاں مہارت سے چل رہی تھیں۔ "فور' فائیو' سکس' کلک!"

کلک کی آواز آئی' لاک کھلا تو وہ چونکا۔ پیانو کی دھن غائب ہوئی۔ ارد گرد منظر بدلا۔ وہ اندھیرے پورچ میں کھڑا تھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ (امید کرتا ہوں سعدی کہ جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا تھا وہ تمہیں یاد ہو۔)

دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

"میں اپنا کام کرتا ہوں' آپ تب تک بیڈ روم میں جا کر ان کے دراز وغیرہ چیک کریں۔" وہ بیگ کندھے سے اتار تا ڈرائنگ روم کی طرف جاتے کہہ رہا تھا۔

زمر نے رک کر اسے دیکھا۔

"مجھے آرڈر مت دو۔ مجھے پتا ہے' مجھے کیا کرنا ہے۔"

فارس نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ "بہت بہتر!" اور آگے بڑھ گیا۔

وہ بیڈ روم میں آئی۔ چند منٹ لگے اسے تمام دراز' الماریوں کے کاغذات دیکھنے میں۔ فارس کی دی گئی چابیوں میں سے کوئی نہ کوئی چابی ہر دراز اور لاکر میں لگ رہی تھی۔ چند ایک کی کیمرہ سے پکچرز لیں۔ پھر واپس ڈرائنگ روم کی چوکھٹ تک آئی تو وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا' اپنا کام کر رہا تھا۔

اسے مصروف دیکھ کر زمر اس کھلے سے اسٹڈی روم میں آئی جو ڈاکٹر ایمن کے ہوم کلینک کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ اندر آتے ہی وہ تیزی سے الماریوں کی طرف لپکی۔ جس شے کی اسے تلاش تھی' وہ ڈھونڈنے میں چند منٹ لگے۔ ایک الماری' جس میں دروازوں کی طرح خانے تھے' اس میں پیشنٹ نوٹس رکھے تھے۔ فائلز اور آڈیو سی ڈیز۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ جی۔۔۔" وہ حروف تہجی کے اعتبار سے آرگنائزڈ فائلز پہ انگلی پھیرنے لگی۔ پھر رکی۔ ای ایف جی۔۔۔ جی سے غازی۔ فارس غازی۔ اس نے فائل نکالی۔ اندر چند سی ڈیز بھی تھیں۔

(اور ڈاکٹر ایمن نے کورٹ میں کہا تھا کہ اس نے کبھی غازی کے سیشن ریکارڈ نہیں کیے' مگر یہ جھوٹ تھا۔) اس نے باکس میں سے سی ڈیز نکال کر اپنے پرس میں منتقل کیں۔ پھر ایک دوسرے مریض کی سی ڈیز اس باکس میں ڈال دیں اور اسے واپس فارس کے فولڈر میں رکھ کر دراز بند کرتی مڑی ہی تھی کہ۔۔۔۔

"چلیں!" وہ چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ زمر کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی پھر بھی وہ اس کا قدرے بوکھلایا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" غور سے اس کو دیکھا۔ اس نے اس کو سی ڈیز نکالتے نہیں دیکھا تھا۔

"تم نے اپنا کام کر لیا؟" وہ خود کو نارمل کرتی آگے آئی۔ "میرا مطلب ہے' ایک اور ال لیگل کام؟"

فارس کے لب بھینچ گئے۔ "آپ آرہی ہیں یا آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں؟"

وہ اب تک نارمل ہو چکی تھی' اس بات پہ سلگ کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور نیم تاریکی میں چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ مجھے ادھر چھوڑ کر جا سکتے ہو؟"

فارس کے لبوں پہ مدھم مسکراہٹ رینگی۔

"اور آپ کے خیال میں' میں آپ کو ادھر چھوڑ کر کیوں نہیں جا سکتا؟"

وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"کیوں کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم اپنی بیوی کو جان سے تو مار سکتے ہو' مگر اس کو یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی دو قدم آگے آئی۔ "کیوں کہ تم اپنے ابو کی طرح نہیں بننا چاہتے۔"

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی' چہرے پہ سنجیدگی اتری۔ "چلیں!" اور بیگ کندھے پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ وہ گہری سانس لے کر (شکر کا) اپنے پرس کو مضبوطی سے تھامے اس کے پیچھے آئی۔

اور حسب معمول کچھ دیر بعد وہ کار میں بیٹھے' سرسری اور خشک انداز میں بات کر رہے تھے۔ زمر اس کو بنائی گئی تصاویر دکھا رہی تھی۔

"تم نے جو ان کے بینک اکاؤنٹس کی ڈیٹیلز نکالی تھیں' ان اکاؤنٹس کے علاوہ کوئی اور چیک بک نہیں نظر آئی مجھے۔ میرا خیال ہے' یہ ان کے واحد اکاؤنٹس ہیں۔"

"لیکن ان میں کوئی پیسے ٹرانسفر نہیں ہوئے۔ سعدی والے واقعے سے اب تک۔ مطلب کوئی لمبی چوڑی رقم نہیں۔ بلکہ صرف نکلوائے گئے ہیں۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زمر نے ایک اور تصویر سامنے کی۔

"وہ جو ڈائمنڈ نکلس ڈاکٹر ایمن نے پہن رکھے ہیں' ان کا ان وائس بھی لاکر میں موجود تھا' جو بڑی رقم نکلوائی گئی تھی' وہ ان ہی کے لیے تھی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ سعدی کے بدلے انہوں نے ڈاکٹر بخاری کو کچھ نہ دیا ہو۔ کچھ تو دیا ہے کہ وہ مالی طور پہ اتنے بے فکر ہو گئے ہیں کہ مہنگے تحفے خرید رہے ہیں۔"

ہال آگیا تھا' وہ کار کھڑی کرنے لگا۔ یہ ہال پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ تھا اور زمر کے کہنے پہ لڑکوں نے ڈاکٹر بخاری کی ہی ہاؤسنگ سوسائٹی میں بک کروایا تھا۔

"فارس! ہم یہ کیوں فرض کر رہے ہیں کہ ان کو صرف پیسے ہی دیے جاسکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کچھ اور دیا ہو۔ کوئی فیور' کوئی سفارش۔"

"میں کل چیک کرتا ہوں۔" وہ سر ہلا کر نکلنے لگی' جب وہ آہستہ سے بولا۔

"میری بیوی نے آخری ملاقات میں آپ سے کیا کہا تھا؟"

زمر نے مڑ کر اسے دیکھا' اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی تھیں۔ (آخری ملاقات؟) اس کے اندر ابال سا اٹھنے لگا جسے بمشکل دبایا۔

"یہی کہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے اور تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" وہ بے بسی بھرے غصے اور عجلت میں کہتی نکل گئی۔ اسے دیر ہو رہی تھی' حنہ نے پتا نہیں کیسے سنبھالا ہو سب۔ اور یہ کہتے ہوئے اس نے فارس کا چہرہ نہیں دیکھا جو ایک دم دھواں ہو گیا تھا۔

جب وہ ہال میں واپس پہنچا تو حنین' جو ابھی تک تقریر کر رہی تھی' ان کو باری باری آتے دیکھ کر جلدی سے "وینکس آل" کہہ کر نیچے اتر آئی۔ ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ وہ اتنا اچھا بولی تھی کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ احمر شفیع بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔

(ماننا پڑے گا' غازی کے خاندان میں کوئی نارمل نہیں ہے۔)

وہ واپس آکر بیٹھی تو زمر' جو اپنی کرسی پہ بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی' آہستہ سے بولی۔ "آئم ایم سوری' میں نے تمہیں اس پوزیشن میں ڈالا کہ۔۔۔"

"ایکچوئلی تھینک یو زمر!" حنہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتے مسکرائی۔ "مجھے لگا آج بہت دن بعد بھائی سے باتیں کی ہیں۔" ایک دم گڑبڑا کر رکی۔ "مطلب' زمر پھپھو!" لاحقہ لگا کر خفت سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زمر صرف مسکرا دی۔ فارس خاموشی سے دور بیٹھی ڈاکٹر ایمن کو دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں' میں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں
زمانہ اب مجھ کو' مرا آئینہ بھی دکھائے تو کچھ نہ پائے

چند دن مصروف سے گزرے' وہی لگی بندھی زندگی۔ اور پھر ایک چمکیلی صبح ہاشم کاردار کے آفس کے باہر حلیمہ فون پہ کسی کو ہدایات دیتی نظر آرہی تھی۔ بند دروازے کے پیچھے ہاشم پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے براجمان تھا اور سامنے کرسی پہ بیٹھا نوشیرواں برا منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

"طبیعت آپ کی خراب ہوئی' شامت میری آگئی۔ مطلب اب مجھے روز آفس آنا پڑے گا؟"

وہ ہولے سے ہنس دیا۔ "نہیں' میں بوڑھا نہیں ہو رہا لیکن تم بھی اب بچے نہیں رہے۔ تمہاری کمپنی اب تمہارے حوالے ہے۔ تم اس کو کہاں لے جاتے

ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔" ذرا رکا۔ "اب سعدی تھر کول میں نہیں ہے۔ یہی وقت ہے' جب ہم پراجیکٹ لے سکتے ہیں۔" نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ "بھائی یار' ایک اس کے نہ ہونے سے تھر کول کا کیا بگڑے گا۔"

ہاشم میز سے ایک کرسٹل بال اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے مسکرایا۔ "تم میری بات نہیں سمجھے۔ وہ ان کی سائیڈ پہ نہیں ہے' وہ ہماری سائیڈ پہ ہے۔"

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ ہمارے لیے کبھی کام نہیں کرے گا۔"

"کرے گا۔ اس کی بہن اس کی کمزوری ہے۔ میں نے اسے اس حوالے سے اچھا خاصا خوف زدہ کر دیا ہے۔"

"آپ کیا کریں گے اس کی بہن کا؟"

ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "وہ چھوٹی بچی ہے' مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں' مگر اسے ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ سعدی کی واحد وارث ہے۔ سعدی کی ماں کو تو رہنے دو' اس کو ان سین (پاگل) قرار دینا آسان ہے۔"

"بھائی۔" شیرو الجھ کر سوچنے لگا۔ "اگر۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اس چھوٹی لڑکی کو کچھ ہو جائے' مطلب کہ یہ مرڈر جائے تو حق قصاص کا کیا ہو گا؟"

"حق قصاص منتقل ہو جائے گا۔ اس لڑکی کے شوہر کو۔"

وہ چونکا۔ "اور شوہر چاہے تو معاف کر دے؟"

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔"

نوشیرواں نے ستائش سے ابرو اکٹھے کیے۔ "واؤ۔ انٹرسٹنگ۔ اس کو واقعی ہاتھ میں رکھیں پھر' مگر آپ کہہ رہے تھے کہ کئی دن سے اس نے آپ کو ٹیکسٹ نہیں کیا۔"

"کیوں کہ میں نے اسے ٹیکسٹ نہیں کیا۔ جس دن میں کروں گا۔ وہ فوراً" جواب دے گی۔ کیا تم لڑکیوں کو جانتے نہیں ہو؟"

لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوتے اس نے تبصرہ کیا۔ شیرو گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ (واف۔ بھائی کمال کا تھا۔ ایک اس سے تو نہ قتل ٹھیک سے ہوا' نہ ایک لڑکی پٹ سکی۔) سینے میں ٹیس سی اٹھی۔

☼ ☼ ☼

سینکڑوں طوفان لفظوں کے دبے تھے زیر لب
ایک پتھر تھا خموشی کا کہ جو ہلتا نہ تھا

انیکسی میں وہ صبح خاموشی سے پھیلی تھی۔

لاؤنج میں ابا بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ساتھ صوفے پہ زمر پیر اوپر رکھے بیٹھی' لیپ ٹاپ گود میں رکھے' کانوں میں ایئر فونز لگائے ہوئے تھی۔ اسکرین پہ جو ونڈو کھلی تھی' اس سے ظاہر تھا کہ وہ فارس کے آڈیو سیشنز سن رہی تھی۔ بہت سے سن لیے تھے اور بہت سے رہتے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا یہی معمول تھا۔ جب وقت ملتا' اسی طرح بیٹھ کر اس کی باتیں سنتی رہتی۔ پتا نہیں کیوں عادت سی ہوتی جا رہی تھی اس کی آواز کی۔

ابا مسلسل خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان آوازوں سے بے خبر تھے' جو زمر کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"تمہیں اپنی بیوی سے محبت تھی؟" ڈاکٹر ایمن پوچھ رہی تھی۔ زمر کے ابرو سکڑے' ابا نے محسوس کیا وہ دھیان سے سننے لگی ہے۔

"وہ میری بہت اچھی دوست تھی' اٹیچ منٹ تھی ہمارے درمیان' ہمدردی' خیال کا رشتہ تھا' اور کیا ہوتی ہے محبت؟"

"مطلب کہ محبت نہیں تھی۔"

"وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی اور میں اس کو بہت مس کرتا ہوں' جیل میں تو بہت زیادہ۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں' کیوں کہ میں صرف سچ بولنا چاہتا ہوں اور میرا سچ آپ کے علاوہ کوئی سننا نہیں چاہتا۔"

"تمہیں کسی اور سے محبت تھی' ہے نا؟"

"مجھے جج کیوں کر رہی ہیں آپ؟" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"یہ میری جاب ہے۔ تمہارے اندر کے خیالات

باہر لانا' مگر یہ محفوظ رہے گا۔ تم جانتے ہو' confidentiality کے پانچ C ۔"

"واٹ ایور!"

"تو اس سے شادی کیوں نہیں کی جس سے محبت تھی؟"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ زمر کو بے چینی ہوئی' کہیں آگے ٹیپ خالی تو نہیں؟ مگر پھر فارس کی آواز ابھری۔

"ہو نہیں سکی۔"

"اس نے انکار کر دیا؟"

"پتا نہیں۔"

(اف' اس کو کیا مسئلہ ہے' ٹھیک سے بتاتا کیوں نہیں ہے؟ بات گھمانی ضرور ہے؟) وہ چڑی۔

"کبھی بتایا اس کو؟"

ذرا وقفہ ہوا۔ "میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ یہ کس چیز کا انجکشن تھا۔" ایک دم زمر چونکی۔

"تمہاری اجازت سے لگایا ہے' یہ serum truth تھا۔ میں چاہتی تھی' تم سچ بولو۔"

زمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس کی آواز میں تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔ (کیا ڈاکٹر نے اس کو سائیکوایکٹو ڈرگز دے کر اعتراف کروایا تھا؟) فارس سے سارے اختلاف اپنی جگہ' اس کا اعتراف قتل سننے کا اشتیاق اپنی جگہ' مگر اس کے اندر کی انصاف پسند لڑکی کو کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

"آئندہ مجھے یہ انجکٹ مت کیجئے گا۔" وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔ "جو پوچھنا ہے ایسے ہی پوچھ لیا کریں۔"

"او کے' اس لڑکی کا بتاؤ' اسے کبھی بتایا یا نہیں؟"

"نہیں۔" اس کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔

"کبھی کوشش کی؟"

"کی تھی۔"

"کیسے؟"

"میں نے اسے۔۔۔ ایک ہیرا دیا تھا۔"

وہ جو چہرے پہ اذیت لیے سن رہی تھی' ایک دم ٹھہر سی گئی۔ بالکل مبہوت۔

"کون تھی وہ؟"

"میرے نروز بہت مضبوط ہیں' ڈاکٹر! جو نہیں بتانا چاہتا۔ نہیں بتاؤں گا۔" آواز ہلکی اور غنودہ تھی۔ چند لمحے کی خاموشی۔

"فارس! تم نے اپنے بھائی کو کیوں قتل کیا؟" نرمی سے پوچھا۔

"میں نے نہیں کیا۔" گہری سانس لینے کی آواز۔

"او کے۔ تم سو جاؤ۔" چند منٹ کی خاموشی کے بعد سیشن ختم ہو گیا۔ وہ متحیر' الجھی' حیران سی بیٹھی رہی۔ پتا نہیں اس کا دل کس بات پہ دکھا تھا۔ اور حیرت کس بات پہ تھی۔

"چھوڑو زمر۔ اس کو لڑکیوں میں ہیرے بانٹنے کی عادت ہے؟ ایک اپنی ٹیچر کو دیا' ایک اس لڑکی کو اور زرتاشہ کا ولیمہ کا سیٹ بھی ڈائمنڈ کا تھا۔ ہونہہ!" ایئر فونز اتارتے ہوئے وہ تکلیف میں ڈوبی آواز کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "اچھا بالفرض وہ میری بات کر بھی رہا تھا تو وہ تب کی بات تھی۔ اب تو میں اس کی دشمن ہوں۔"

"کیوں پریشان ہو؟" ابا کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے سر جھٹکا۔

"بس۔۔۔ ایک پرانا کیس اسٹڈی کر رہی تھی۔" اٹھ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔ انہوں نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"کتنے عرصے سے ہم نے بات نہیں کی۔ تمہارے پاس اب وقت نہیں ہوتا زمر!"

وہ ٹھہر گئی۔ دل کو دھکا سا لگا۔ "ایسا نہیں ہے۔ میں سعدی والے معاملے میں الجھی رہتی ہوں۔ ورنہ۔۔۔ آپ کو پتا ہے آپ پہ طنز کرنے کا موقع میں چھوڑا نہیں کرتی۔" وہ سان سے کہتی' ان کے قریب آ بیٹھی۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"سعدی مل جائے گا۔ میں بہت دعا کرتا ہوں۔ دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہے جو دعا سے نہ مل سکتا ہو۔"

وہ اداسی سے مسکرائی تب ہی فون بجا۔ نمبر دیکھا تو

اس دن وہ واقعی اسے اسٹپنی لگا۔ "سوری ' ابا' مجھے یہ کال لینی پڑے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" انہوں نے گہری سانس بھری۔ اب وہ بات کرتی سیڑھیوں پہ چڑھتی جا رہی تھی۔

"مسز زمر! میں اسی ہوٹل سے آرہا ہوں۔" وہ بتا رہا تھا۔ "تصاویر میں پیچھے ایک ہورڈنگ بورڈ نظر آرہا ہے۔ پورے ہوٹل میں اوپر نیچے صرف نوایسے کمرے ہیں جن سے یہ اینگل بن سکتا ہے۔"

"آپ نے نو کے نو کمرے دیکھے؟"

"جی۔ مگر پکچرز اسی کمرے سے لی گئی ہیں جس سے آپ پہ فائرنگ کی گئی۔"

"کیسے؟" زمر نے بات کاٹی۔ (اف' اس کے معالج کو سو درے تو لگنے چاہئیں۔) مگر بظاہر تحمل سے بولا۔

"دیکھیں' تصویر میں کھڑکی کے پٹ پہ ایک نشان سا ہے' کیل وغیرہ ٹھونک کر نکالنے کا۔ یہ نشان مجھے ان نو کمروں کی کسی کھڑکی پہ نہیں ملا۔ سوائے اسی کمرے کے۔ اب پینٹ کی وجہ سے ڈھک گیا ہے' لیکن موجود ہے۔"

"یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔ تو وہ فارس کے جانے کے بعد آیا ہو گا؟"

"نہیں' وہ کافی دیر سے یہاں تھا۔"

"احمر! میں بہت احسان مند ہوں گی اگر آپ ایک ہی سانس میں پوری بات بتادیں۔" وہ اکتائی۔

(یہ ہوئے پورے ایک سو پچاس درے!)

"تصاویر میں کھڑکی کے شیشے میں جو عکس پڑ رہا ہے' اس میں میز کے اوپر گرے ایش ٹرے نظر آرہی ہے۔ زوم کر کے دیکھا ہے میں نے' مگر ہوٹل کی کراکری میں تمام ایش ٹریز اب بھی اور تب بھی' شفاف شیشے کی ہیں۔ سو غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھری ہونے کے باعث گرے لگ رہی ہے۔ یعنی ہمارا ٹرافی کلیکٹر کافی دیر سے بیٹھا انتظار کرتے ہوئے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ چین اسموکر ہے اور غازی سگریٹ نہیں پیتا۔"

زمر چند لمحے خاموش رہی۔

"یعنی وہ فارس کے ساتھ تھا؟"

"یا شاید غازی اس کے ساتھ تھا ہی نہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے واقعی فریم کیا گیا ہو۔"

"اس کو بے گناہ مت سمجھیں' اس نے یہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔" مگر لہجہ اتنا سخت اور مضبوط نہیں تھا۔

"مجھے اس ٹرافی کلیکٹر کے بارے میں مزید کچھ ٹھوس معلوم کر کے دیں۔ آپ نہ بھی کر سکیں' تب بھی آپ کی فوٹیج آپ کو دے دوں گی۔" احمر کے اندر تک ٹھنڈ سی پڑ گئی۔ (چلو پچاس درے واپس لیے!)

وہ فون رکھ کر آئی تو ابا کو سیم لان میں لے جا رہا تھا۔ اور فارس باہر سے آرہا تھا۔ زمر نے جلدی سے آکر اپنا لیپ ٹاپ آف کیا۔ وہ سیدھا اس تک آیا۔

"آپ کا اندازہ درست تھا۔ ڈاکٹر بخاری کو سعدی کو غائب کرنے کے لیے کوئی رقم نہیں دی گئی۔" وہ چند کاغذات اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ "مگر ایک ماہ قبل کچھ فارن ڈونرز نے اسپتال کے لیے مشینری عطیہ کی ہے۔"

"سارا پیپر ورک کلین ہے۔ قانونی طور پہ اب ان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔" وہ کاغذات الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا' ایسی مسکراہٹ جس میں شدید تپش تھی۔

"قانون کی بات ہی کون کر رہا ہے؟ اس وقت جج' جیوری اور جلاد' فارس طہیر غازی ہے!"

سینے پہ انگلی سے دستک دی اور اوپر چڑھتا گیا۔ زمر نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن
زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

ان سے دور' اس نیلے رنگ کی دیواروں والے کمرے میں وہ بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھا تھا۔ اپنے قرآن کو ہاتھ میں لیے' وہ سرورق پہ ہاتھ پھیرتا کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ قرآن کھولا' پانی کے جگ کو وہ دیکھا جو

سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔ اس میں اپنا عکس نظر آیا۔ گردن کے نشان واضح تھے' باقی سب کچھ مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے گننے کی کوشش کی۔ یہ اگست کے آخری دن تھے۔ اسے تین ماہ ہو چکے تھے اس قید میں۔ خیر۔ میرا وقت بھی آئے گا۔

نظر میری پہ پڑی جو سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔

"تم نے کیا کیا تھا جو مسز کاردار نے نوکری سے نکالا؟"

"روز روز یہ سوال مت دہرایا کرو۔" کہتا کر میگزین لیے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اسے اس کو باہر ہی نکالنا تھا سواب آرام سے توجہ قرآن کی طرف مبذول کی۔

"میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔"

اس روز وہ چیونٹی والا قصہ پورا ابھی نہیں پڑھ پایا تھا' جب ملایا نے اسے انجکشن دیا تھا۔ پھر بعد میں صرف ناظرہ تلاوت کرتا رہا کچھ دن۔ کہاں تھا وہ تفسیر میں؟ مطلوبہ آیت ڈھونڈ کر زیر لب پڑھنے لگا۔

"تو (سلیمان) مسکرا دیے ہنستے ہنستے' اس (چیونٹی) کی بات پہ۔۔۔" سعدی وہیں رکا۔

مسکرا دیے' ہنستے ہنستے؟ پتا ہے کیا اللہ میں نے بہت دفعہ سوچا کہ ان الفاظ کی کیا ضرورت تھی قرآن میں؟ دیکھیں نا' یہ تو افسانہ نگار کرتے ہیں' کرداروں کے چہرے کے تاثرات' ہنسی' وغیرہ بتانا۔ قرآن میں مگر کچھ بھی ایکسٹرا نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ۔ خیر وجوہات تو بہت سی ہوں گی' مگر مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ دیکھیں' یہی قصہ تورات میں یوں لکھا ہے' کہ چیونٹی کی بات سے سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا' انہوں نے اسے پیغ دیا' وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس آیت نے دوسری آسمانی کتابوں میں درج اس مسخ شدہ قصے کو گویا کینسل کر دیا' اور بتایا کہ آپ کے انبیا کتنے پیارے اور نرم دل لوگ تھے۔" نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ "اور دوسری بات' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کہ "وہ ہنستے ہنستے مسکرا دیے"۔ میں نے ان دو الفاظ پہ غور کیا تو یہ لگا کہ خالی "وہ مسکرا دیا" بھی کہا جا سکتا تھا۔ پھر "ہنستے ہنستے مسکرا دیا" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر احساس ہوا کہ غالباً" اس کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات نے اتنا لطف دیا تھا کہ وہ ہنسنے کو تھے' مگر ضبط کر کے صرف مسکرا دیے۔ انبیا بہت مسکرانے والے لوگ تھے' مگر ان کے مسکرانے میں بھی مہنوز ہوتے تھے' گریس تھی' وقار تھا۔ وہ اونچا قہقہہ نہیں لگاتے تھے' ایسے نہیں کہ حلق کا کوا نظر آئے' اسی لیے ان کے دل زندہ تھے۔ کیا کوئی ہے۔ جو میرے انبیا کا مقابلہ کر سکے؟"

ان قدیم قصے کہانیوں کو پڑھتے ہوئے وقت کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اپنا کمرہ' گھٹن' ان تین ماہ کی اذیت' ہاشم کی باتیں' سب بھولتا جا رہا تھا اور پڑھتا جا رہا تھا۔

"پھر (سلیمان) اس کی بات سے ہنستے ہنستے مسکرا دیے اور کہنے لگے' اے میرے رب' مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے احسان کا شکر کروں جو آپ نے مجھ پہ کیا اور میرے ماں باپ پہ کیا اور یہ کہ میں وہ نیک کام کروں جو آپ پسند کریں اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لیں۔"

"ہوں!" اس نے تھکی ہوئی سانس لی۔ "سو۔۔۔ سلیمان علیہ السلام نے احسان کا شکر کرنے کا کہا تو۔۔۔ اپنے ماں باپ کا ذکر کیوں کیا؟ ایک منٹ" گھنگھریالے بالوں والا لڑکا ہونٹ دبا کر سوچنے لگا۔

"وہ چیونٹی کی ذہانت پہ مسکرائے تھے' بات تو چیونٹی کی ہو رہی تھی' تو سلیمان علیہ السلام کو اپنے ماں باپ کا خیال کیوں آیا؟ شاید اس لیے کہ۔۔۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں جو اولاد کو یہودی' عیسائی یا مسلمان بناتے ہیں' نمازی یا بے نمازی بناتے ہیں' ورنہ پیدا تو ہر کوئی اللہ کی فطرت پہ ہوتا ہے۔ یعنی کہ۔۔۔ شکر ادا کرنا بھی "توفیق" سے ملتا ہے' "توفیق" بھی "دعا" سے ملتی ہے۔ مطلب کہ دنیا میں ہر چیز دعا سے ملتی ہے۔ اگر دعاؤں سے یقین اٹھ جائے تو اس "یقین" کے لیے بھی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور دیکھیں اللہ! سلیمان علیہ السلام تو پیغمبر تھے۔ وہ آل

ریڈی اتنے نیک تھے۔ پھر بھی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ آپ مجھے نیک بندوں میں شامل کرلیں اور پھر وہ نیک کام جو اللہ آپ پسند بھی کریں۔"

کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ دل میں بول رہا ہے یا زبان سے کہہ رہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ! میں اکثر دیکھتا ہوں' لوگ میوزک شوز منعقد کرکے چیریٹی جمع کرتے ہیں' اب کوئی مانے یا نہ مانے' موسیقی کی اجازت اللہ تعالیٰ آپ نے ہمیں نہیں دے رکھی' اور کسی کے نہ ماننے سے حرام' حلال نہیں ہو جائے گا' سو انسان کو نیک کام کرتے وقت سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ کے اصولوں کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ ورنہ جیسے اللہ آپ نے کہہ رکھا ہے کہ بعض اوقات اللہ گناہ گاروں سے بھی دین کا کام کروالیتا ہے۔ یعنی کہ اگر نیت یا طریقہ درست نہ ہو تو ہم بہت عمل کرنے والے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟ عاملتہ ناصبتہ اف! میں صرف ڈرانے والی باتیں کیوں سوچتا اور کرتا ہوں؟" جھرجھری لی۔ "شاید اس لیے کہ مجھے لگتا ہے ہر وقت لوگوں کو اور خود کو "سب معاف ہو جائے گا" اور "جنت کی حوروں" کا کہہ کہہ کر سلائے رکھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ بار بار انسان کو Reality Check (حقیقتوں کا ادراک) ملتے رہنا چاہیے۔"

"خیر" وہ اگلی آیت کی طرف بڑھا۔

اور (سلیمان نے) پرندوں کی حاضری لی تو کہا' کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا' یا اسے ذبح کروں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔"

"تو ثابت ہوا اللہ کہ حسن اخلاق اور چیز ہے' اور ڈسپلن کے لیے سخت اصول بنانا اور چیز ہے۔ خیر" نگاہیں اگلی آیت پہ جمائیں۔

"پھر تھوڑی دیر بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں' اور لایا ہوں ملک سبا سے یقینی خبر۔ میں نے ایک عورت کو پایا ہے' جو ان پہ حکمرانی کرتی ہے (ملکہ سبا) اور اسے ہر چیز دی گئی ہے' اور اس کا بڑا سا تخت ہے۔ میں نے پایا ہے کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں' اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوب صورت کرکے دکھائے ہیں' اور انہیں راستے سے روک دیا ہے' سو وہ درست راہ پہ نہیں چلتے۔"

اس دلچسپ قصے کو پڑھتے پڑھتے وہ ان الفاظ پہ ٹھہرا۔

"شیطان نے ان کے اعمال ان کو خوب صورت کرکے دکھائے ہیں؟ مطلب کہ یہ مسئلہ کیا ہے شیطان کے ساتھ؟" ایک دم سے اسے بہت زیادہ غصہ آیا۔ "کیا یہ انسان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا؟ ہمیں بری چیزیں اچھی بنا کر دکھانا ترک نہیں کرسکتا؟ ہم سکون سے اللہ کی عبادت کیا کریں' شکر کیا کریں۔ حلال کھائیں' لوگوں سے بھلائی کریں' آپ نا شیطان کو لاک اپ کردیں کبھی اور۔" بولتے بولتے وہ رکا۔ "اور۔ رمضان میں یہی تو ہوتا ہے مگر۔ پھر بھی۔" نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"اچھا سوری' یہ شیطان کو لاک اپ والی بات واپس لیتا ہوں میں۔ خواہ مخواہ ایموشنل ہو گیا میں۔" سر جھٹک کر آیات کی طرف دھیان دیا۔ وہاں ہدہد کہہ رہا تھا۔

"اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے؟ اور جو تم چھپاتے ہو' اور جو تم ظاہر کرتے ہو' سب کو وہ جانتا ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔"

"ویسے اللہ تعالیٰ۔" وہ ستائش سے کہنے لگا۔ "ایک بات ہے۔ ہدہد بہت ہی سیانا تھا۔ مطلب کہ۔ ہدہد۔ ایک پرندہ۔ ملکہ سبا کے عظیم الشان تخت کو دیکھ کر بھی اے اللہ وہ آپ کا وہ عرش عظیم نہیں بھولا جو اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ایک ننھا سا پرندہ بھی دل کا ایسا بادشاہ ہے کہ اس کو ملکہ کی شان و شوکت نے یوں مرعوب نہیں کیا کہ وہ اللہ کو بھول جائے۔ مگر ہم کیا

کرتے ہیں؟ کسی لش لش چمکتے مال میں جائیں' کسی سیون اسٹار ہوٹل کے فنکشن میں چلے جائیں' تو دولت کی ریل پیل نگاہوں کو یوں خیرہ کردیتی ہے کہ ہم سب بھول جاتے ہیں۔ اکثر اچھی اچھی عبایا یا اسکارف کرنے والی لڑکیاں یورپ یا امریکہ چلی جائیں تو ایک ہفتے میں حجاب اتر جاتا ہے۔ وہ مغربی لباس کو اپنا لیتی ہیں۔ میں سوچتا ہوں' ملک بدلنے سے اللہ تو نہیں بدلتا۔ دین تو نہیں بدلتا۔ ایک پرندے کو بھی جو بات پتا ہے' وہ ہمیں کیوں بھول جاتی ہے؟"

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔ کڑھتا رہا۔ پھر قرآن رکھا' دعا مانگی۔

"مجھے کم از کم اتنا مضبوط تو کردیں جتنا وہ ہدہد تھا۔ دل کا بادشاہ۔" اور یہ تو سعدی یوسف کی 25 سالہ زندگی کے تجربوں کا نچوڑ کہتا تھا کہ قرآن پڑھنے کے بعد مانگی جانے والی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ سو دعا مانگ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ نیلی جینز اور سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ قدرے کمزور مگر آنکھیں سنجیدہ لگتی تھیں۔ خود کو دیکھتے وہ سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر دروازہ بجایا۔ میری اور گارڈ اسے کھولتے ہی سامنے نظر آئے۔

"میں کھانا لارہی ہوں ہم۔"

"مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ ابھی اسی وقت۔ اور تم۔" گارڈ کو دیکھا۔ "مجھے گھورو مت۔ اپنی گن کی نمائش بھی مت کرو میرے سامنے۔ مجھے کبھی شوٹ کیا نا تو تمہارا مالک تمہیں شوٹ کردے گا۔ اس کمپاؤنڈ میں اگر کوئی نہیں مرنے والا تو وہ میں ہوں۔ اب فون لاکردو مجھے۔"

میری اس کی تبدیلی پہ حیران ہوئی مگر بلاچوں چرا فون لاکراس کو تھمایا۔ "وہ لائن پہ ہیں۔ یہ صرف دن وے فون ہے' اس لیے کال بند کرکے کسی اور کو کرنے کی زحمت مت کرنا۔" ساتھ ہی اسے گھورا۔ سعدی نے وہیں کھڑے کھڑے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔

"مسٹر ہاشم کاردار۔ سنا ہے اس روز آپ مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"وعلیکم السلام سعدی۔"

"طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ السلام وعلیکم ایک دعا ہے اور دعا وہ آخری چیز ہے جو میں تمہیں دوں گا۔ فی الحال تو ہاشم' میرے پاس تمہیں دینے کے لیے ایک فہرست ہے۔" چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور ادھ کھلے دروازے میں میری اور گارڈز ہکا بکا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے اس لہجے میں بات کرتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"میرا خیال تھا' تمہارا ٹیسٹ اچھا ہے۔ مگر جو کھانا مجھے دیا جاتا ہے' وہ تمہارے کتے بھی نہیں کھاتے ہوں گے' اس لیے آئندہ جو میں بتاؤں گا' وہی مینو مجھے دیا جائے' مجھے میری مرضی کی کتابیں' پین اور لکھنے کے لیے صاف جرنلز چاہئیں۔ مجھے ایک ٹی وی چاہیے۔ جس پہ میرے ملک کے لوکل چینلز آتے ہوں۔ مجھے کپڑوں کے دس نئے جوڑے چاہئیں' اور مجھے واک کرنے کے لیے کوئی جگہ چاہیے۔ اسی کمپاؤنڈ کا کوئی بڑا کمرہ ہو بے شک۔"

"اور کچھ؟" سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

"اور بس اتنا کہ اس روز جو تم نے کیا' وہ بزدلانہ حرکت تھی۔ مجھے مفلوج کردیا کیونکہ تم میرے ری ایکشن سے ڈرتے تھے۔ اتنا بھی کیا ڈرنا ہاشم؟ میں تم پہ تب جھپٹتا جب مجھے تمہارے کسی لفظ کا اعتبار ہوتا۔ مگر تم جھوٹ بول رہے تھے۔ وہ تصویریں اور وہ باتیں تم نے میرا ذہن خراب کرنے کے لیے کہی تھیں۔ اس لیے میں نے ان کو پھاڑ دیا ہے کیونکہ میری بہن نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ وہ تم سے یو ایس بی کا ہی پوچھ رہی تھی۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ میرے پاس آؤ' میرے سامنے بیٹھو اور میرے آنکھوں میں دیکھ کر وہ سب دہراؤ جو تم نے اس دن کہا مگر مجھے مفلوج نہ کرو۔ پھر دیکھو' میں کیا جواب دیتا ہوں۔ تمہیں اپنی آفر کا جواب چاہیے نا؟"

"سعدی! مجھے تمہاری بہن میں کوئی انٹرسٹ

نہیں۔ میرے نزدیک وہ میری بیٹی کی عمر کی ہے‘ لیکن جو میں نے کہا‘ وہ خالی دھمکی نہیں تھی۔ میں کرنے پہ آؤں‘ تو کچھ بھی کرسکتا ہوں۔"

"فون پہ نہیں ہاشم۔ میرے سامنے‘ میری آنکھوں میں دیکھ کر یہ بات کہنا۔" اور فون میری کی طرف بڑھادیا۔ ہاشم نے فون رکھتے ہی انٹرکام اٹھایا۔

"کیپٹن اشعر سے کہو‘ ہفتے کے روز جیٹ تیار رکھے‘ مجھے ملک سے باہر جانا ہے‘ کسی کا دماغ درست کرنا ہے۔" اپنے پرائیویٹ جیٹ کے پائلٹ کے لیے پیغام دے کر اس نے ریسیور واپس ڈال دیا۔

اور ادھر سعدی کے کمرے میں کھڑی میری نے فون گارڈ کو دے کر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ چلا گیا تو وہ دروازہ بند کرکے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

"نیکلس!"

"کیا؟" سعدی نے ابرو اٹھائی۔

"میں نے مسز کاردار کا نیکلس چرایا تھا۔ اسی لیے انہوں نے مجھے نوکری سے نکالا۔"

اور پھر اس کو دیکھے بنا باہر چلی گئی۔ سعدی وہیں کھڑا گہرے سانس لیتا‘ خود کو نارمل کرنے لگا۔ دل کا بادشاہ بننا اتنا مشکل نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

کرو کج جبیں پہ سر کفن‘ میرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن‘ پس مرگ ہم نے بھلا دیا

وہ رات گرم تھی‘ اور بے رحم۔ ٹھنڈی تھی اور ختم۔

اس علاقے میں ویران پلاٹ تھے یا فاصلے پہ عمارتیں۔ رات کے اس پہر سڑک سنسان تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اسٹریٹ لائٹس بھی اچانک آف ہو گئی تھیں۔ ایسے میں ڈاکٹر ایمن کے نو تعمیر شدہ اسپتال کی عمارت اس وقت اندھیری پڑی تھی۔ دروازے پہ تالا لگا تھا۔ اور باہر دو گارڈز بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں اسٹریٹ لائٹس کی بات کر رہے تھے۔ پیڈسٹل فین ساتھ ہی چل رہا تھا۔ ایک گارڈ جمائی لیتے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کندھے میں کوئی شے آکر چبھی۔

چبھن شدید تھی‘ پھر ہلکی ہوتی گئی۔ جسم کسی خالی بادل کی مانند ہو رہا تھا۔ گردن اور کندھے کے درمیان کوئی سرنج سی چبھی تھی۔ کن اکھیوں سے اسے نظر آیا کہ ساتھ والا گارڈ کرسی سے نیچے گرتا جا رہا تھا۔ اس کا اپنا جسم بھی ڈھلک رہا تھا۔ اور اسی ڈھلکی گردن سے اس نے دیکھا۔ دو جوگرز والے پیر اس کے سامنے آرکے تھے۔ جوگرز سے اوپر جینز نظر آئی‘ اس سے اوپر نہ دیکھ سکا اور غنودگی میں ڈوبتا گیا۔

جینز کے اوپر اس نے سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی جس کی آستینیں کلائی سے بالشت بھر پیچھے ختم ہو جاتی تھیں۔ نگاہ اوپر اٹھاؤ تو اس کا چہرہ نظر آتا تھا جو اس وقت پتھریلا سا تھا۔ چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں سرد تپش تھی۔ اور پہلو میں گرے ہاتھ میں پستول تھی۔ اندھیرے میں بھی فارس غازی کی ٹھنڈی آنکھوں میں چبھن نظر آتی تھی۔

"ڈاکٹر ایمن میرے ساتھ دہرائے۔ میں اللہ کو حاضر۔ ناظر جان کر حلف اٹھاتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی‘ سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔" تین سال پہلے وہ سفید کرتے میں ملبوس ڈیفنس کی کرسی پہ بیٹھا سلگتی ہوئی نظروں سے کٹہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کھڑی ڈاکٹر ایمن سے حلف لیا جا رہا تھا۔

"میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی‘ اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔"

"اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

"اور عدالت سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

فارس نے پستول پچھلی جیب میں اڑسا۔ جھکا۔ دونوں گارڈز کی گردنوں سے ٹرنکولائزر ڈارٹس darts نکال کر کندھے پہ لٹکے بیگ میں ڈالے۔ پھر ایک کو کندھوں سے گھسیٹتا ہوا سڑک کے اس پار لے جانے لگا جہاں جھاڑیاں تھیں۔

"کیا آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں ڈاکٹر ایمن؟"

"جی۔ یہ وارث غازی کی تصویر ہے۔ وہ میرا پیشنٹ تھا۔ تین ماہ تک وہ میرے پاس آتا رہا تھا۔"

"آپ جانتی ہیں جج نے آپ کو ڈاکٹر پیشنٹ Previlige مریض اور ڈاکٹر توڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے آپ وارث غازی کے سیشنز کی نیچر سے عدالت کو مطلع کریں۔"

اب دونوں بے سدھ ہوئے گارڈز دور جھاڑیوں میں اوندھے پڑے تھے۔ اور وہ کندھے پہ بیگ لٹکائے' واپس اسپتال کی عمارت تک چلتا جارہا تھا۔ اب ایک ہاتھ میں چھوٹا کلہاڑا بھی نظر آرہا تھا۔ دروازے کے سامنے وہ رکا' اور زور سے کلہاڑا تالے پہ مارا۔ تالہ ٹوٹا۔ اس نے جوگر سے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جالگا۔ وہ اندر داخل ہوا۔

"وارث پریشان تھا۔ اور گلٹی بھی۔ اس نے بتایا' اور یہ سب میرے نوٹس میں بھی لکھا ہے جو میں نے عدالت کے حوالے کیے ہیں کہ وہ اپنے بھائی فارس کی بیوی کو پسند کرتا تھا اور اس کے اس کے ساتھ تعلقات تھے۔"

کٹہرے میں کھڑی عورت سکون سے کہہ رہی تھی اور سامنے بیٹھا سفید کرتے والا غازی' اس کو ان ہی چبھتی نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔ آنکھوں میں سرخی آرہی تھی اور مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔ "اس نے کہا کہ شروع میں لڑکی راضی نہیں تھی' سب زبردستی ہوا' مگر اب وہ بھی مکمل طور پہ انوالوڈ ہو چکی تھی۔ وہ بہت گلٹی تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے بھائی کو علم نہ ہو جائے۔"

اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا۔ بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اندر سے اسپتال' ٹائلز کے فرش اور سفید دیواروں سے جگمگا رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر' بہترین مشینری۔ بس دو مہینے بعد وہ افتتاح کے لیے تیار تھا۔ وہ بتیاں جلاتا' آگے بڑھتا گیا۔ آنکھوں میں سرد سی ٹھنڈ لیے۔ وہ ایک ایک کمرے کو دیکھتا جارہا تھا۔

"اپنی موت سے دو دن قبل وہ میرے پاس آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے بھائی کو اس کے افیئر کا علم ہو گیا ہے اور وہ اس سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اسی لیے وہ گھر نہیں جارہا۔ بلکہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔ وہ تنہائی میں فارس سے ملنے سے گھبرانے لگا ہے۔"

فارس قدم قدم چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تین سال پہلے کے عدالتی کمرے کی ساری کارروائی اس کے چہرے پہ اترے سرد پن کے اندر کرب میں پنہاں تھی۔

"جی ہاں' فارس غازی کے لیے بھی کورٹ نے مجھے اپائنٹ کیا تھا۔ میں پچھلے آٹھ ماہ سے فارس کا علاج کررہی ہوں۔ اپنے کلائنٹ کا پری ویلج توڑتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ کانفیڈینشلٹی کے پانچ C's میں سے ایک اگر Consent ہے تو وہ میرا مریض مجھے نہیں دے گا۔" نظروں کا رخ فارس کی طرف موڑا۔ وہ ان ہی سرخ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھے جارہا تھا۔ "دوسرا سی کورٹ آرڈر ہے مگر میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم Treatment Continued ہے۔ اور فارس کے لیے یہ بہتر ہے کہ میں یہ سب کورٹ کو بتاؤں۔ آئی ایم سوری فارس!"

وہ وسط کمرے میں آکھڑا ہوا۔ بیگ کھولا' اور اندر سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالا۔ پہلے صفحے پہ چند الفاظ نظر آئے۔ سرکار بنام فارس غازی۔ پی ڈبلیو (پراسیکوشن Witness) ڈاکٹر ایمن کی گواہی۔ وہ ان ہی سرد آنکھوں میں آنچ لیے اس پلندے کو دیکھ رہا تھا۔

"ٹریٹمنٹ کے دوران فارس نے مجھے بتایا کہ اسے پہلے دن سے اپنی بیوی کی حرکتیں پسند نہیں تھیں۔ وہ امیچور اور بچکانہ سی تھی۔ مگر وہ اس کو چانس پہ چانس دینے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے ساتھ دیکھ لیا۔ اس کی غیرت کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ وہ دو دن سو نہیں سکا۔ کس کو بتا نہیں سکا۔ وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔"

"کیا آپ نے اس سے یہ اعتراف کروانے کے لیے کبھی کوئی ڈرگ استعمال کی؟"

اس نے بیگ سے ایک چھوٹی استری نکالی۔

کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھا اور استری کا لوہا کاغذوں کے اوپر لٹا دیا۔ پلگ لگا کر سوئچ آن کیا۔ پھر کلہاڑا اٹھایا۔

"اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو قتل کردے مگر وہ گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ یہ آنر کلنگ نہ لگے۔ فارس غازی نے 2 نومبر اور اٹھائیس جنوری والے سیشن میں اعتراف کیا تھا کہ اس نے یہ دونوں قتل کیے ہیں' اور اسے ان پہ بہت افسوس ہے۔ آپ میرے نوٹس چیک کرسکتے ہیں۔ آڈیو ٹیپ کی اجازت اس نے مجھے نہیں دی تھی۔ اب میں یہ سب اس لیے کورٹ کو بتا رہی ہوں کیونکہ اگر آپ نے فارس کو ضمانت پہ رہا کیا تو وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اپنے پیشنٹ کی فکر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی اور جرم میں ملوث ہو کر چند دن بعد پھر جیل میں بند ہو۔ اس لیے ابھی کچھ ماہ تک اسے کسٹڈی میں رکھنا ضروری ہے۔"

وہ دیوار تک آیا' چند لمحے اپنی سرد آنکھوں سے دیوار پہ لگے پائپ کو دیکھتا رہا' پھر پوری قوت سے کلہاڑا اس پہ مارا۔ پائپ پھٹ گیا۔ سس کی آواز سے گیس لیک ہونے لگی۔

فارس طہیر غازی نے اپنا بیگ کندھے پہ ڈالا اور راہداری کی طرف چلتا گیا۔ استری تلے رکھے کاغذ درمیان سے ہلکے ہلکے بھورے ہونے لگے تھے۔ وہ دروازے سے باہر نکل آیا' اور اسے بند کردیا۔ ایک نظر اٹھا کر اس دو منزلہ خوب صورت عمارت کو دیکھا۔

"مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خفا ہو گے۔" سماعت ختم ہونے کے بعد وہ اس کی کرسی کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔

"مگر مجھے تمہاری فکر ہے' تم ٹھیک نہیں ہو۔ اگر باہر جاؤ گے تو خود کو نقصان دو گے۔" فارس نے سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔ تم نے یہ سب اس دن مجھے بتایا تھا' جب میں نے تمہیں ٹروتھ سیرم دیا تھا۔ تمہیں یاد نہیں ہو گا مگر میں کورٹ میں یہ کہنے پہ مجبور تھی۔ مجھے نوٹس پہ نوٹس آرہے تھے۔ پھر میں نے جو بھی کیا' تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لیے کیا۔"

اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپکا۔ انگوٹھی کے اندر کچھ نوکیلا سا چبھا۔ "تم ایک دن دوبارہ نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤ گے۔ چند سال کی ہی تو بات ہے۔" اب وہ جا رہی تھی۔ سفید کرتے والے شخص نے سرخ آنکھوں کا رخ موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔

"مجھے اس دن کا انتظار ہے' ڈاکٹر!" وہ بڑبڑایا تھا۔

اسپتال کی عمارت اسی طرح اندھیرے میں کھڑی تھی اور فارس غازی اب اس سے دور چلتا جا رہا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ اٹھائے' وہ مطمئن سے قدم اٹھا رہا تھا۔ پس منظر میں کھڑی تاریک عمارت دور ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم۔ رات میں روشنی ہوئی۔ عمارت کے اندر دھماکہ سا ہوا۔ سنہری آگ کے شعلے کھڑکیوں سے باہر لپکنے لگے۔ دروازے جل رہے تھے۔ آگ کے ہاتھ انگلیاں پھیلائے آسمان کی طرف بڑھ رہے تھے' چلا رہے تھے۔ اور وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اب وہ پھرتے ہیں اسی شہر میں تنہا لیے دل کو
اک زمانے میں مزاج ان کا سر عرش بریں تھا

آسمان پہ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اسپتال کی عمارت کوئلے کی طرح سیاہ پڑی تھی' دھوئیں کے بادل ابھی تک اوپر اٹھ رہے تھے۔ اردگرد رش تھا۔ فائر بریگیڈ' رپورٹرز کے کیمرے۔ پولیس۔ ایک جگہ وہ دونوں گارڈز کھڑے ایک پولیس افسر سے بات کر رہے تھے۔ فاصلے پہ ایک پولیس موبائل کے ساتھ اے ایس پی سرمد شاہ کھڑا تحمل سے توقیر بخاری کو سن رہا تھا۔ جو

پاگلوں کی طرح غرارہے تھے۔
"تم لوگوں نے میری برسوں کی محنت برباد کردی۔ اپنے بچوں کی طرح خیال کیا تھا اس عمارت کا میں نے۔"

"ڈاکٹر صاحب آرام سے' میں نے کہا نا ہم تفتیش کررہے ہیں۔"
"خاک تفتیش کرو گے تم؟ کل تم نے مجھے فون پہ کہا تھا کہ اوپر والے کہہ رہے ہیں' اگر پھر کوئی مطالبہ کیا تو جو ہے وہ بھی نہیں رہے گا' اور آج میرا اسپتال جلا ڈالا گیا۔ اندھا ہوں میں؟ بچہ ہوں میں؟" آستین سے کف رگڑتے' پسینے سے تر چہرے اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے دبا دبا سا چلائے تھے۔ "تم سب بھگتو گے۔ وہ۔ نیاز بیگ کا بھائی اور تم۔ تم سب ملے ہوئے ہو۔"
"میں بڑا لحاظ کررہا ہوں آپ کا۔ محنت سی محنت۔ جگہ ہم نے آپ کو دی تھی۔ آدھی سے زیادہ مشینیں ہم نے آپ کو دی تھیں۔" ناگواری سے ٹوکا۔
"میں نے اپنی ساری جمع پونجی کنسٹرکشن پہ لگائی' میرے اوپر قرضہ ہے' مجھے کنگال کردیا تم لوگوں نے۔"
وہ بال نوچ رہے تھے۔ وہ واقعی بال نوچ رہے تھے۔
قدرے فاصلے پہ کار رکی اور تیزی سے دروازہ کھول کر ڈاکٹر ایمن باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھتے' قدم بڑھائے تو سامنے عمارت نظر آئی۔ وہ زنجیر پا ہوئی۔ برف ہوئی۔ نمک کا مجسمہ ہوئی! اس کی آنکھیں اس کوئلے کی سی ہوئی عمارت پہ جا ٹھہریں' لب ہلکے سے کھل گئے۔ اور دل۔ دل خالی ہو گیا۔ بے اختیار اس نے کار کے دروازے کا سہارا لیا۔
سب جل کر راکھ ہو گیا تھا۔
بنا پلک جھپکے' وہ اس عمارت کو دیکھے جارہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا' اور کانوں کے ہیرے ویسے ہی جگمگا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مدمقابل تو بتاؤ
وہ کہاں ہیں کہ جنہیں ناز بہت اپنے تئیں تھا

اس شام ڈاکٹر ایمن بہت تھکی تھکی' نڈھال سی اپنے لاؤنج میں اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔ گھر خالی تھا۔ بچوں کو نانی کی طرف بھیج دیا تھا اور ڈاکٹر توقیر تھانے گئے ہوئے تھے۔ وہ پیر اوپر کیے' یک ٹک بیٹھی خلا میں دیکھ رہی تھی۔ پھر یکایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ چونکی۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ مدھم سی بیٹ۔ وہ ست روی سے اٹھی اور راہداری کی طرف آئی۔ اندھیرے گھر میں ادھر ادھر چلتی اپنی اسٹڈی کے دہانے پہ آرکی۔ دروازہ دھکیلا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی سے نیلگوں روشنی آتی تھی۔ وہ جانے لگی' تب ہی ایک دم رکی۔
میز کے پیچھے' مرکزی کرسی پہ کوئی بیٹھا تھا۔ اس کا سارا وجود اندھیرے میں تھا۔ صرف ایک ہاتھ نظر آرہا تھا جس سے وہ میز پہ ایک پین کو "ٹھک ٹھک" بجا رہا تھا۔
"پنجاب پر زن کے چار سی ہوتے ہیں۔ کنٹرول' کسٹڈی' کیئر اور کریکشن۔" تاریکی میں بھی وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔ وہ بت بن گئی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔
"کانفیڈنشیلٹی کے پانچ سی ہوتے ہیں' جن کے تحت پریولیج توڑا جاسکتا ہے۔ آپ کو یہ نو کے نو C یاد رہے۔ مگر مجھے صرف ایک C کا علم ہے۔"
"وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی۔ پلکیں جھپک کر اندھیرے میں آنکھوں کو عادی کیا' تو منظر واضح ہوا۔"
"اور وہ C ہے۔ کاربن۔" وہ آگے ہوا۔ نیلی روشنی میں فارس کا چہرہ واضح ہوا۔ اس پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھوں میں تپش تھی۔ وہ آگ اور برف ایک ساتھ دیکھ رہی تھی۔
"وہ کاربن نہیں جو آپ کے کانوں میں ہیں۔" انگلی سے ڈاکٹر ایمن کے کانوں کی طرف اشارہ کیا جن میں جگمگاتے ہوئے دنیا کے سخت ترین کاربن تھے۔
"بلکہ ایک ہائیڈرو کاربن۔ وہ سی جو آپ کو بھول گیا تھا۔ CH4

ڈاکٹر ایمن کا سانس حلق میں اٹک گیا۔

"ممتھین؟ نیچرل گیس۔" وہ شل رہ گئی۔ "تم نے۔ تم نے آگ لگائی ہے میرے اسپتال میں۔ ہے نا؟ تم نے کیا نا یہ سب؟" اُس کا سارا خون سمٹ کر چہرے میں آیا۔ وہ ایک دم آگے آئی۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ وہ میرے برسوں کی محنت تھی۔ وہ میری پوری زندگی تھی۔" وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔ "ہمارے اوپر قرضہ ہے۔ اسے کیسے اتاروں گی میں؟ میں تباہ ہو گئی ہوں فارس غازی!"

"گڈ!" اس نے سر کو خم دیا۔ ایمن کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

"تم۔ تم نے مجھ سے بدلہ لیا نا۔ پریولیج توڑنے کا۔ پرجری کا۔ ہاں بولا تھا میں نے جھوٹ۔ اور اب تم دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے، جھکی کھڑی وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔ "میں ابھی کے ابھی پولیس بلا رہی ہوں۔ توقیر، اے ایس پی، میں سب کو بتاؤں گی کہ تم نے کیا ہے یہ سب۔ کاؤنٹ آف مونٹی کرسٹو واپس آگیا ہے اور وہ ایک ایک سے بدلہ لے رہا ہے۔ اور میں۔" اس کا سانس بھر رہا تھا۔ "میں میڈیا پہ بھی سب بتاؤں گی۔ تمہاری بیوی اور تمہارے بھائی کے افیئر کی ایک ایک تفصیل بتاؤں گی۔"

"نہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔" آواز پہ وہ چونکی۔ کھڑکی کے پردے کے ساتھ کھڑی لڑکی آگے چلتی آئی اور فارس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ ایک انگلی سے مسلسل اپنی گھنگھریالی لٹ لپیٹ رہی تھی اور اس کا چہرہ نیلی چاندنی میں دمک رہا تھا۔

ڈاکٹر ایمن ہاتھ ہٹا کر سیدھی ہوئی۔ شرربار نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ فارس اب پیچھے کو ٹیک لگائے بیٹھا، مسلسل پین سے میز کی سطح پہ ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔

"یہ تم دونوں کی بھول ہے کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

فارس نے قلم رکھا اور میز پہ پڑا فوٹو فریم اٹھا کر سامنے کیا جس میں ایمن، توقیر اور ان کے تین بچے مسکرا رہے تھے۔ "آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے، ڈاکٹر!"

ڈاکٹر ایمن نے استہزائیہ "اوہ" کر کے سینے پہ بازو لپیٹے۔ "اچھا تو تم میرے بیٹے کو مارنے کی دھمکی دے رہے ہو؟ ہونہہ۔ تم یہ نہیں کر سکتے۔

You Dont' Have It In You۔ تم قاتل ہو، نہ ہو سکتے ہو۔" اس بات پہ زمر نے چند لمحے کے لیے فارس کو دیکھا، پھر چہرہ ڈاکٹر کی طرف موڑا۔

"کوئی کسی کو قتل کرنے نہیں جا رہا ڈاکٹر ایمن۔" وہ سکون سے بولی۔ "مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ڈرائنگ روم میں دو سرویلنس کیمرے لگے ہیں۔"

ڈاکٹر ایمن نے بے یقینی بھرے غصے سے انہیں دیکھا۔ "تم لوگوں نے میرے گھر میں کیمرے لگائے ہیں؟ اچھا، تو کیا ریکارڈ کیا تم نے؟ اے ایس پی اور ہماری باتیں؟ ہونہہ۔ ہم ایسی ملاقاتیں گھر پہ نہیں کرتے۔"

"ہم یہی ریکارڈ کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے کچھ زیادہ دلچسپ ریکارڈ کیا ہے۔" کہتے ہوئے زمر نے اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین روشن کی۔ نیم تاریک کمرے میں روشنی چمکی۔ اسکرین اس کے سامنے لائی۔ ایمن کی آنکھیں اس پہ جھکیں۔

"یہ آپ کی اور آپ کے بہنوئی کی ایک گفتگو ہے۔" اس نے پلے نہیں کیا، صرف اسٹل امیج نظر آ رہا تھا مگر ڈاکٹر ایمن کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔

"جیسا کہ میرے ہزبینڈ نے کہا، آپ کا بڑا بیٹا بہت پیارا ہے مگر وہ صرف آپ کا بیٹا ہے۔ ڈاکٹر توقیر کا نہیں۔" اسکرین سامنے لہرائی۔ "اس کا باپ آپ کی بہن کا شوہر ہے۔ اوہ۔ ڈاکٹر توقیر کو تو علم نہیں ہے نا اس بات کا؟"

ڈاکٹر ایمن کرسی کی پشت پکڑے پکڑے جھکی۔ چند گہرے سانس لیے۔ پھر سامنے بیٹھی۔ اس کا چہرہ وہ

نہیں تھا جس کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔
فارس نے دونوں ہاتھ باہم ملائے' میز پہ آگے کو ہوا۔ اس کی نیم مردہ آنکھوں میں دیکھا۔ "اللہ کا ایک اصول ہے کہ جب کوئی کسی پہ ایسا الزام لگاتا ہے جو اس نے نہ کیا ہو یا ترک کر چکا ہو تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں ضرور ملوث ہو جاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے فارس کی نظروں میں تپش ابھری۔ "تم نے میری بیوی پہ بھری کچہری میں الزام لگایا' تم نے میرے بھائی پہ الزام لگایا۔"
چند لمحے تک ایمن کچھ بول نہ پائی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "کیا تم یہ سب بھول نہیں سکتے تھے؟ رہا ہو گئے' شادی کرلی' سیٹل ہو گئے۔ کیا تم۔ تم معاف نہیں کر سکتے تھے؟"
"تم لوگوں نے معافی مانگی کب تھی؟ تم لوگوں نے میرے بھانجے کے ساتھ بھی وہی کیا جو میرے ساتھ کیا۔ لیکن اب کم از کم تم ایک لمبے عرصے تک کسی کے ساتھ دوبارہ یہ نہیں کر سکو۔ گی۔" دوبارہ ٹیک لگائی۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے تپش سے دیکھا۔
"اور اب۔ محترمہ! آپ وہی کریں گی جو ہم آپ کو بتائیں گے۔"
"جی ڈاکٹر ایمن' اور ہم میں اور آپ میں یہی فرق ہے۔" وہ بھی خشک سا کہہ رہی تھی۔ "ہم چاہیں تو آپ کے شوہر کو بتادیں۔ آپ کا میکہ بھی چھوٹے گا' سسرال بھی۔ شوہر اور دو بچے تو جائیں گے ہی۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی ذاتی زندگی خراب نہیں کریں گے۔ تب تک جب تک آپ ہمارے کیے پہ عمل کرتی رہیں گی۔"
اس کے آنسو بہہ رہے تھے' اور وہ بے بسی سے انگلیاں موڑتی زمر کو سن رہی تھی۔
"آپ ہر ایک کو یقین دلائیں گی کہ اس واقعے میں علیم بیگ کا ہاتھ ہے' یہ بھی بتائیں گی کہ وہ آپ کو فون پہ دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ آگے آپ کو پتا ہے آپ کو کیا کرنا ہے۔" ڈاکٹر ایمن نے بھیگے چہرے سے اثبات میں سر ہلایا۔
"اور اب!" وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ "اب آپ بتائیے' سعدی یوسف کے بارے میں۔ ہر وہ چیز جو اس رات ہوئی۔ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ دیکھ چکی ہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔" چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر اس نے چہرا اٹھایا۔ وہ آنسوؤں سے تر تھا۔
"وعدہ کرو' تم کبھی توقیر کو نہیں بتاؤ گے' میرے اور کامران کے درمیان اب کچھ نہیں ہے' وہ ایک پرانی بات تھی۔ توقیر کو مجھ سے بہت محبت ہے' پلیز تم۔"
"ڈاکٹر ایمن! اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں اسی وقت یہ ویڈیو ڈاکٹر توقیر کو فارورڈ کردوں گا۔"
"اوکے' اوکے!" اس نے ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہاتھ اٹھائے۔ "اس رات توقیر کو اے ایس پی کا فون آیا' اس نے کہا کہ ایک لڑکا غائب کرنا ہے' جب اس کی حالت خطرے سے باہر۔"
"یہ سب مجھے پتا ہے۔ یہ بتائیں' اے ایس پی کے علاوہ کون شامل تھا اس میں؟"
وہ لمحے بھر کو خاموش رہی۔ "ہمارا رابطہ صرف اے ایس پی سے تھا مگر اے ایس پی اسی شخص سے ہدایات لیتا تھا جس سے تمہارے کیس میں لیتا آیا تھا۔" رک کر اس کو دیکھا۔ "تمہارا جج' جسٹس سکندر۔"
"مجھے پتا ہے جج بکا ہوا تھا اور۔۔۔"
"تمہیں غلط پتا ہے۔ جج بکا ہوا نہیں تھا۔ جج خریدار تھا۔"
زمر اور فارس نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔
"وہ جج ہمارے یا نیاز بیگ کی طرح ایک مہرہ نہیں تھا۔ وہ اسی جرم میں برابر کا حصے دار تھا جس کو چھپانے کے لیے یہ سب ہوا تھا۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی۔ پلیز اب یہاں سے جاؤ۔" کرب سے کہتے اس نے منہ پھیر لیا۔
وہ اٹھا اور گھوم کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ زمر بھی پیچھے گئی' تب ایمن بولی۔

"آئی ایم سوری 'جو میں نے کیا تمہارے ساتھ۔"
فارس نے مڑ کر ایک نظر اس پہ ڈالی۔
"نہیں ' آپ کو قطعاً" کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ دس منٹ پہلے آپ وہ سب دہرانا چاہتی تھیں۔"
اس نے گردن موڑ کر بھیگے چہرے سے فارس کو دیکھا "تب میں غصے میں تھی۔"
"اور اب آپ صرف خوف زدہ ہیں۔" مدھم مگر مضبوط آواز میں بولا۔ "کم از کم چار سال لگیں گے آپ کو اپنا قرضہ اتارنے اور دوبارہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لیے اور آپ جانیں گی کہ ہر پل اپنی زندگی تباہ ہو جانے کا خوف کیا ہوتا ہے' خوف کی قید کیسی ہوتی ہے' وہ فیلنگ کیسی ہوتی ہے جب آپ اپنی صفائی بھی نہ دے سکیں' جب آپ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگیں۔ مگر ڈونٹ وری ڈاکٹر' آپ ایک دن نارمل ہو جائیں گی۔ چند سال کی ہی تو بات ہے۔"
ہلکا سا ڈاکٹر ایمن کا کندھا تھپکا اور اور تیز قدموں سے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼
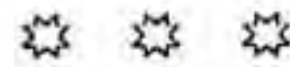
اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا
وہ ریسٹورنٹ کے سامنے کار میں بیٹھے تھے اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی تھی۔ زمر تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے دو دن لگاتار تمام فیڈز دیکھی تھیں اور قسمت سے اس کو مطلوبہ شے مل گئی تھی۔ مگر اب تھک چکی تھی۔ کچھ ذہن بھی الجھا تھا۔ فارس کے فقرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ (گناہ گار لوگ اپنی بے گناہی پہ ایسے پُر اعتماد تو نہیں ہوتے.... اف زمر! بس کردو' اس کے حق میں کوئی صفائی نہیں۔) کراہ کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔
"گڈ ایوننگ مسز زمر! میرا نام فارس طہیر غازی ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"
اور وہ تھکی تھکی سی ہلکا سا مسکرائی۔ "مجھے بھی۔"
پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

"میں نے جھوٹ بولا تھا۔ آئی ایم سوری۔" باہر دیکھتے ہوئے وہ بولی تو وہ چونکا۔
"تمہارے لیے نہیں بتا رہی' اس لیے بتا رہی ہوں کیونکہ میں نے غلط کیا۔ تمہاری بیوی نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ آخری وقت تک تمہارے لیے پوزیسو تھی۔" کچھ دیر باہر دیکھتی رہی' جواب نہیں آیا تو آنکھوں کا رخ اس کی طرف پھیرا۔
اس نے جیسے گہرا سانس لیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ کم از کم زمر سے اب وہ اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "کچھ کھائیں گی؟"
"ہوں!" گردن ہلادی اور سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کردیں۔ وہ اندر چلا گیا۔
باہر پھولوں کے اسٹال پہ ڈوبتی شام کے اندھیرے میں بیٹھا گل خان چھڑی سے فٹ پاتھ پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے فارس کو باہر جاتے دیکھا' اس کی آنکھیں چمکیں۔ دوڑ کر زمر کی کھڑکی تک آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس نے شیشہ بجایا۔ زمر چونک کر سیدھی ہوئی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔
"زمر باجی۔" وہ چہکا "ہم کو تمہیں کچھ دینا تھا۔" بے چینی سے دیکھا' اندر فارس کاؤنٹر پہ کھڑا نظر آرہا تھا۔ پھر جیب سے سیاہ ہیرے والا کی چین نکال کر دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھائی۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا۔
"یہ تمہیں کہاں سے...."
"بعد میں بتائے گا' جب یہ تمہارا بندہ نہیں ہوگا سامنے۔ کل رات سعدی بھائی کو خواب میں دیکھا۔ بھائی بہت خفا تھا ام سے۔" وہ واپس آتا نظر آرہا تھا' گل خان کا منہ کڑوا ہوا اور وہ پلٹ گیا۔ زمر نے بے اختیار شکریہ پکارا۔ پھر کی چین کو دیکھا۔ اس سے ایک سلور پین بھی ننھی تھی۔ اس نے پین کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ فارس قریب آرہا تھا' اس نے جلدی سے اسے پرس میں رکھ لیا۔
جب وہ گھر آئی اور کھانے کے شاپرز صداقت کو پکڑائے تو حنین اور سیم لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سیم

فوراً" اٹھا۔ "پھپھو! حنہ کہہ رہی ہے میری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں گے ہم۔" وہ مسکرا دی۔ اس کا گال تھپتھپایا۔

"حنہ نے مجھے بتایا تھا۔" پھر حنین کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر پیچھے آئی۔ زمر نے اوپر کمرے میں آکر پرس سے کی چین نکالا اور اپنے دراز میں رکھ دیا۔ پھر دروازے میں کھڑی حنہ تک گئی۔

"کیا ہاشم کا کوئی ٹیکسٹ آیا؟"

حنین نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے' اب سیم کی برتھ ڈے کے لیے انوائٹ کرنے ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے اور جیسا ہم نے ڈیسائیڈ کیا تھا' وہی کریں گے۔"

"آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ چلو۔" بال جوڑے میں لپیٹتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ فارس نے دیکھا تو پوچھا۔ "کدھر؟ صداقت کھانا لگا رہا ہے۔"

"بس پانچ منٹ میں آتے ہیں۔ مسز کاردار سے کام تھا۔ حنہ میرے ساتھ آؤ۔" اور حنین سر جھکائے' نظر ملائے بغیر اس کے ساتھ باہر آگئی۔

کچھ دیر بعد وہ ہاشم کے سامنے اس کے لان میں بیٹھی تھیں۔ ہاشم نے اپنی بیماری کا بتایا البتہ اب وہ فریش لگ رہا تھا۔

"سوری ہاشم! ہمیں نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ بیمار تھے۔" زمر نے کہہ کر حنہ کو دیکھا۔ تو وہ بظاہر مسکرا کر بولی۔ "تبھی آپ نے اتنے دن سے مجھے ٹیکسٹ نہیں کیا' ہاشم بھائی۔"

اور وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے جا رہا تھا' چونکا۔ زمر کو دیکھا اور پھر حنہ کو۔

"ہاں میں بس آرام کرتا رہا۔" البتہ وہ قدرے بے چین ہوا تھا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ یہ ایک چھپی ہوئی چیٹ ہے' مگر زمر واقف تھی؟ منظر نامہ بدلنے لگا تھا۔

"اسی لیے میں نے حنہ سے کہا کہ ان کی خیریت پوچھتے ہیں' ورنہ تمہیں یا سعدی کو وہ جواب نہ دیں' یہ ناممکن ہے۔" وہ مسکرائی۔ ہاشم جبراً" مسکرایا۔

"اچھا ہاشم بھائی! پھر آپ کل آرہے ہیں نا سیم کی سالگرہ پہ؟" حنین کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی مگر وہ زمر کی ہدایت پہ عمل کرنے پہ مجبور تھی۔ (ہمیں اس کو یقین دلانا ہے کہ یہ کوئی چھپا ہوا افیئر نہیں ہے' بلکہ سب اس سے واقف ہیں' تاکہ وہ کبھی زندگی میں تمہیں یا فارس کو بلیک میل نہ کر سکے' حنہ!)

"کل میرا ایک ڈنر ہے' مجھے وہ کینسل کرنا پڑے گا ---"

"تو بس آپ ڈنر کینسل کریں۔" زمر رسان سے بولی۔ وہ دونوں بہت اپنائیت سے اصرار کر رہی تھیں۔ منظر نامہ واقعی بدل رہا تھا۔ (حنین نے زمر کو بتا رکھا ہے؟ تو فارس؟ اوہ پلیز نہیں!)

"اوکے!" اسے پورا منظر نامہ جاننا تھا۔ سو مسکرایا۔ "میں کرتا ہوں۔" کال ملا کر موبائل کان سے لگایا۔

"کل کے ڈنر کی ریزرویشن کروا دی ہے؟ چلو یہ اچھا ہو گیا۔ ہاں اسے پرسوں پہ رکھ دو۔ کل میری فیملی میں ایک ڈنر ہے۔ اوکے تھینک یو' حلیمہ!" موبائل رکھ کر مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"چلیں شکر ہے' حلیمہ نے ابھی انویٹیشن کال نہیں کی تھی۔" وہ بالکل بے خبر کہے جا رہا تھا۔

اور سامنے بیٹھی حنین کی ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ دونوں یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر زمر ذرا سنبھل کر مسکرائی۔

"یہ کون تھی؟ آپ کی کسی ڈیٹ کو تو ہم نے خراب نہیں کر دیا؟"

"ارے نہیں' یہ حلیمہ تھی' میری سیکرٹری۔" ہنس کر سر جھٹکا۔

اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھو اور سوچو کہ وہ کون سا لمحہ تھا' وہ ایک لمحہ جس نے انصاف اور انتقام کی وہ جنگ شروع کی تھی' جس نے ان سب کی زندگیاں بدل دی تھیں' تو وہ یہی لمحہ تھا جب ہاشم نے کہا تھا۔

"یہ حلیمہ تھی' میری سیکرٹری!"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں 'ان کے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ حنین اور اسامہ 'سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر 'سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے 'جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہوچکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔

جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔
فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔
والد کے کہنے پر زمر' سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔
پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
چیف سیکریٹری آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔
نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔
سعدی' حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنسن اینور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

مکمل ناول

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی' ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام

ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی' زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی بیسٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین' وارث کیس کی ایلی بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں' مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم' حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔
جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔
فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔
ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔
ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔
اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔
تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔
حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیروا پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔ سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلاً" .... مثلاً" ہاشم کاردار...." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی' زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین' علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کر لی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے

کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کر دیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا، حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے بڑھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہو جاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کر دیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے ____________ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کر لیتی ہے۔

پندرہویں قسط

"اور وحی کی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف!"

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی نہیں گئی
یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی سانس نہیں لے سکی
اندھیرا یہاں چمگادڑ کی طرح پھیلا ہے
کوئی روشنی نہیں سوائے ایک مدھم ٹارچ کے
(شہد کی مکھیوں کی) چینی زردی ہر شے پہ ہے
اور سیاہ غلبہ۔ تباہی ہے۔ساس ملکیت
مگر یہ وہ ہیں جو میری مالک ہیں
نہ ظالم نہ بے حس۔ صرف لاعلم
یہ شہد کی مکھیوں کا وقت ہے!
سرما میں وہ خود کو سارے برف زار میں پھیلا لیتی ہیں
جہاں گرم دنوں میں مکھیاں صرف اپنے لاشے اٹھاتی تھیں
شہد کی مکھیاں سب عورتیں ہوتی ہیں
کنیزیں اور ملکہ
وہ اپنے مردوں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی ہیں
موسم سرما عورتوں کے لیے ہے
کیا اس سرما میں ان کا چھتہ برقرار رہ پائے گا؟
کیا وہ اگلے سال میں داخل ہو سکے گا؟
وہ کس چیز کا ذائقہ محسوس کریں گی؟
کرسمس کے گلابوں کا؟
شہد کی مکھیاں آزادا اڑنے لگی ہیں
وہ بہار کی چمک محسوس کر رہی ہیں
(سلویا پلاتھ)

ہاشم سے جلد معذرت کر کے وہ دونوں واپس آگئیں۔ خاموش۔ بالکل خاموش۔
گھر میں کھانے کی میز سیٹ تھی۔ حنین اور زمر چپ چاپ آکر بیٹھ گئیں۔ کھانا شروع ہوا۔ حنین نے چند لقمے بمشکل لیے۔ زمر کی تو بھوک مر چکی تھی۔ فارس کھانا کھاتے ہوئے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

ادھر کھانا ختم ہوا' ادھر حنہ تہہ خانے کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی تیزی سے پیچھے گئی۔ سب مڑ مڑ کر ان کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں کیا ہوا؟

پہلے زمر نے تہہ خانے کا دروازہ لاک کیا۔ پھر نیچے آئی تو دیکھا' حنہ ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ ساتھ میں نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"حنین! یاد ہے میرے نکاح والے روز سعدی کسی حلیمہ سے اس کے باس سے ملنے کی اپائنٹمنٹ لے رہا تھا؟"

"سارے شہر میں ایک ہاشم کی سیکرٹری تو نہیں ہوگی حلیمہ نام کی۔" حنین ماننے کو تیار نہ تھی۔ زمر تیز نظروں سے اسے گھورتی' سامنے آکھڑی ہوئی۔

"مگر سارے شہر میں جس حلیمہ کا باس تمہارے ایگزام میں چیٹنگ والی بات جانتا تھا' وہ ہاشم ہی تھا۔"

حنین ایکدم شل رہ گئی۔

"دیکھو حنہ' ہاشم ہمیں پہلے دن سے کہہ رہا ہے کہ وہ سعدی سے اس شادی کے بعد سے نہیں ملا۔" اس نے کرن' حماد کے جاننے والوں کی شادی کا ذکر کیا (وہ شادی جس پہ زمر نے مسز جواہرات سے مدد مانگی تھی) "مگر ہاشم ہم سے جھوٹ بول رہا تھا۔ نوشیرواں بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ دونوں ضرور کچھ جانتے ہیں۔"

"کبھی نہیں۔ وہ کبھی ایگزام والی بات بھائی کو نہیں بتائیں گے۔" وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "اور بھائی کو ہاشم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ کی کیا ضرورت؟ بھائی کے کال ریکارڈز میں بھی آپ کے نکاح کے وقت کسی کو کال کرنے کا ریکارڈ نہیں ملا تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ کوئی اور سم استعمال کر رہا ہو۔ کچھ تو تھا اس ملاقات میں جو ہاشم نے اسے ہم سے چھپایا۔"

"ہاشم۔۔۔ ہاشم! بس کر دیں پھپھو!" وہ ایک دم چلائی تھی۔ "ہر وقت ہاشم برا ہے کی گردان۔ کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟"

زمر کے ابرو ناگواری سے بھنچے۔ "تمہاری عقل پہ جو پٹی چڑھی ہے' اس کو اتار کر دیکھو گی تو نظر آئے گا۔"

"مجھے آپ کو وہ سب بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ پتا تھا ایک دن آپ مجھے یونہی جج کریں گی۔" بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر آنکھیں رگڑیں۔ ایک دم ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"وہ نیکلس۔۔۔ جو بھائی کی جیب میں کسی نے پارٹی والے دن ڈالا تھا۔ وہ نیکلس بھائی کی چیزوں میں نہیں تھا جب ہم ادھر آئے تھے۔ اگر واقعی بھائی' ہاشم سے ملنے گیا تھا تو ہو سکتا ہے وہ وہی واپس کرنے گیا ہو۔ کیا بتاتے ہاشم ہمیں؟ چوری شدہ نیکلس واپس کرنے آیا تھا سعدی؟ ان کو لگا ہوگا کہ ہم غلط سمجھیں گے' سو بھائی کی عزت رکھی۔" وہ زمر سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"تو پھر سعدی کی کون سی عزت رکھنے کے لیے ہاشم نے اس کو ایگزام والی بات بتائی؟"

ایک دم حنہ کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔ "انہوں نے کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ میں کبھی یقین نہیں کر سکتی۔ مگر آپ تو مجھے جج کریں گی نا اب۔ ٹھیک ہے' ساری عقل آپ میں ہے' میں اندھی سہی۔"

زمر پیر پٹخ کر مڑی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ حنین گہرے گہرے سانس لیتی وہیں کرسی پہ بیٹھ گئی۔ اس کی رنگت اڑ چکی تھی اور ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ مگر گردن نفی میں ہل رہی تھی۔ (میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔ زمر اپنے بغض اپنے پاس رکھیں۔ کبھی ان کو فارس ماموں قاتل لگتے ہیں' کبھی ہاشم)۔

اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ ہاشم کا آخری پیغام "کین آئی کال یو؟" ڈیڑھ ماہ پہلے آیا تھا۔ پورا اگست دونوں کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ابھی پھر اس کا میسج آیا۔

"زمر جانتی ہیں کہ تم مجھ سے بات کرتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں تو پچھلے سات سالوں سے آپ سے بات کرتی آئی ہوں' اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟" وہ بظاہر حیران ہوئی' مگر ذہن مزید الجھتا جا رہا تھا۔ مگر وہ بات کر لی گئی۔

زمر اوپر کمرے میں آکر بیٹھی تو شدید غصے میں

تھی۔ وہ صوفے پہ بیٹھا سیل فون پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا، نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں سن رہا ہوں۔"

وہ چونک کر فارس کو دیکھنے لگی۔ "کیا؟"

"وہی، جو آپ کہنا چاہتی ہیں۔ بتائیں، کیا مسئلہ ہے؟"

اور اس ایک لمحے میں زمر کو لگا، اگر کوئی ایک شخص تھا جو واقعی تحمل سے اس کی ساری بات سنے گا تو وہ، وہی تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے کوئی اتنا اندھا انسان دیکھا ہے، کبھی جس کے سامنے ایک ہزار ثبوت لا کر رکھو، تب بھی وہ نہ مانے؟"

فارس نے نظر اٹھا کر سر سے پیر تک زمر کو دیکھا۔

"جی۔ دیکھا ہے۔" زمر غور کیے بنا کہہ رہی تھی۔

"لوگ اتنے اندھے کیوں ہو جاتے ہیں کہ نہ بات سنیں، نہ سمجھیں؟"

"کیونکہ ان کے ایموشنز انوالوڈ ہوتے ہیں۔"

زمر بالکل چپ ہو گئی، پھر سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔ وہ چند لمحے اس کو دیکھتا رہا۔ "آپ اور حنہ تہہ خانے میں کیوں گئی تھیں؟" زمر کے پاس جواب پہلے ہی سے تیار تھا۔

"حنین سے کہا تھا ایک کلائنٹ کے لیے کچھ کام کرنے کو، وہی دیکھ رہی تھی۔" اسے پتا تھا زمر جھوٹ نہیں بولتی، سو مطمئن ہو گیا۔ مگر وہ خود بے چین تھی اور اس سب میں دراز میں رکھی کی، چین اس کے ذہن سے یکسر محو ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆
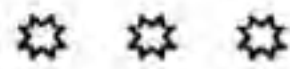
جب کنج قفس مسکن ٹھہرا اور جیب و گریبان طوق و رسن
آئے کہ نہ آئے موسم گل، اس درد جگر کا کیا ہو گا؟

نیچے تہہ خانے میں بیٹھی حنین موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ "او کے، گڈ نائٹ۔"

فون رکھا تو خمار کا اثر ہوا ہونے لگا۔ سکون ختم ہو گیا۔ وہ تو زخم پہ صرف برف کی ڈلی رکھ رہی تھی۔ ادھر برف پگھلی، ادھر جلن پھر سے شروع۔

جب سوچوں سے تنگ آ گئی تو شیخ کی کتاب اٹھائی اور وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

پچھلے دو ماہ سے اس نے یہ کتاب نہیں پڑھی تھی۔ جب بھی تکلیف ہوتی، وہ ہاشم میں "پناہ" ڈھونڈتی۔ اب صفحے کھولے تو روشنی کا سا چمکتا دروازہ سامنے نظر آیا۔ اسے دھکیلا تو قدیم دمشق کی ایک دوپہر کھلتی چلی گئی۔

مدرستہ الجوزیہ کے سامنے کا منظر نامہ زرد سا تھا۔ ایسے میں مسجد کے سامنے درخت تلے بیٹھی تھی۔ وہ تھک چکی تھی۔ تکان بہت شدید تھی اور اپنا آپ کمزور محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کتنی دیر وہیں تپتی دوپہر میں بیٹھی رہی۔ قریب میں پانی کا جوہڑ تھا۔ وہ کنکر اٹھا اٹھا کر اس میں پھینکتی رہی۔ پانی میں دائرے بنتے رہے۔ دفعتاً اس نے قدموں کی چاپ سنی۔

سر اٹھایا تو ہر طرف سے لوگ چلتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے گرد دائرہ سا بن گیا۔ ہجوم کا دائرہ۔ وہ سب اسے دیکھ رہے تھے، چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ تب ہی لوگوں نے راستہ چھوڑا اور حنہ نے دیکھا، اس کے باریش شیخ استاد قدم قدم چلتے آ رہے ہیں۔ وہ اسی طرح بیٹھے ان کو ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ وہ اس کے قریب آ ٹھہرے۔ تاسف بھری مسکراہٹ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اور اسی وقت ایک صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

"کیا ہے اس شخص کی دوا جس کو ایک لاعلاج مرض نے یوں جکڑ لیا ہو کہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہونے والے ہوں؟"

شیخ نے گہری سانس بھری۔ "اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے، وہ اسے جانتا ہے، جو اسے نہیں جانتا، وہ اسے نہیں جانتا۔"

اور تب حنہ نے دیکھا کہ شیخ کے ساتھ کوئی موجود ہے۔ اس پرانے زمانے کے پرنٹ میں ایک رنگین لڑکی۔ اس کی آنکھوں پر عینک لگی تھی، بالوں کی فرنچ

چوٹی تھی۔ چہرہ تازہ اور شاداب تھا' اور وہ حنین کی طرف اشارہ کرکے شیخ سے پوچھ رہی تھی۔

"اسے کیا مرض لاحق ہے؟"

درخت تلے بیٹھی حنہ نمک کا مجسمہ ہو گئی۔ ششدر۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ساتھ والی لڑکی سے گویا ہوئے۔

"اسے مرض عشق ہے۔"

حنین ایک دم بدک کر کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔ "یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ میں یہاں نہیں ہوں' میں وہاں ہوں" اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں.... یہاں تو وہ بیٹھا ہوتا تھا۔ وہ لاغر' کمزور' ہڈیوں کا پنجر.... وہ بیمار شخص۔" مجھے' مجھے کوئی بیماری نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔"

دونوں بازو سینے پہ پھیلائے' وہ وحشت سے کہہ رہی تھی۔ پھر قدم بڑھائے تو جوہڑ کنارے زنجیر پا ہوئی۔ پانی میں اس کا عکس جھلملایا۔ وہ ڈل' کمزور اور بے رونق چہرے والی' کہیں کھوئی کھوئی سی لڑکی۔ وہ واقعی اس کا چہرہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

وہ اس کے قریب آکھڑے ہوئے۔

"علاج کے لیے ضروری ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا ادراک بھی ہو۔ وہ خود صحت یاب ہونا چاہے' تب ہی ہو سکتا ہے۔ کیا تم ٹھیک ہونا چاہتی ہو؟"

حنین کا گویا دل ہی ٹوٹ گیا۔ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

"یہ میں نہیں ہوں.... یہ میں نہیں ہو سکتی۔" ہاتھ مٹی پہ رکھے وہ رونے لگی تھی۔ "میں اس بیمار شخص جیسی نہیں بننا چاہتی۔ میں کیا کروں' شیخ؟" وہ پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھے۔

"میرے پاس تمہارے مرض کا علاج ہے۔ اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ "دوائے شافی کے سفر پہ.... تم چلو گی'

لڑکی؟"

حنین نے کتاب بند کی تو آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں پڑھنا اس کتاب کو۔" اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔ برف کی ڈلی لگانا' زخم پہ مرہم لگانے سے زیادہ آسان تھا۔

☆ ☆ ☆

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

وہ صبح چمکیلی اور گرم طلوع ہوئی تھی۔ اوائل ستمبر کے دن تھے۔ جس میں کمی تھی مگر گرمی ہنوز ویسی ہی تھی۔ انیکسی میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ فارس آفس کے لیے تیار' چائے پی رہا تھا۔ زمر ہاشم کو فون کر کے سالگرہ کی تقریب کے ملتوی ہونے کا بتا کر معذرت کر رہی تھی اور سیم اس پہ خوش نہ ہونے کے باوجود خاموش تھا۔

اسی دوران حنہ نے فارس سے کہا کہ اسے ریسٹورنٹ چھوڑ دے۔ ہامی بھر کر وہ کہنے لگا۔

"جیسے زمر کی کلائنٹ کے لیے کیا' ویسے ہی میرا ایک کام کرو گی؟"

حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ زمر نے بظاہر اطمینان سے فون رکھا اور ادھر آئی۔

"فارس پوچھ رہا تھا کہ رات ہم تہہ خانے میں کیا بات کر رہے تھے تو مجھے بتانا پڑا کہ کس طرح تم نے میری کلائنٹ کے کنٹیکٹ کا اکاؤنٹ کھول کر دکھایا مجھے۔" آنکھوں سے اشارہ کیا۔ حنین نے نظریں جھکا دیں۔

"جی۔ کروں گی۔"

وہ چابی اور والٹ لینے اٹھ گیا۔ میز کے گرد وہ دونوں رہ گئیں۔ ابا اور سیم کافی فاصلے پہ ٹی وی کے آگے بیٹھے تھے۔

حنین نے صرف ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

"کیا یہ دھمکی تھی؟ کہ اگر میں نے یہ کانٹیکٹ ختم نہیں کیا تو آپ ماموں کو بتا دیں گی؟"

زمر نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اس سے نہیں' ہاشم سے بات کروں گی اب' اور جس دن میں نے ہاشم سے بات کی نا' وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی جائے گا' اس لیے بہتر ہے کہ تم خود سے رابطہ ختم کر دو۔" اسے گھورا۔ بہت ہو گئی نرمی اور لاڈ۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں کیا کروں' اللہ تعالیٰ؟" پھر ٹی وی پہ نگاہ پڑی۔ ابا چینل بدلتے ہوئے ایک لوکل کیبل چینل پہ رکے' جس پہ تلاوت لگی تھی۔ ایک ہی نظر میں حنہ نے پہلی سطر پڑھی۔

"واوحی ربک الی النحل۔ (اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف)" مگر فارس واپس آ گیا تھا اور زمر سے آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"جب میں رہا ہوا تھا تو سعدی نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے جج کو بلیک میل کیا ہے۔ اس کے پاس جج کے خلاف مواد تھا۔ وہ مواد مجھے اس کی چیزوں میں نہیں ملا۔

اس کے لیپ ٹاپ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے یقیناً جج کو واپس کر دیا ہو گا۔"

حنین بے دھیانی سے سننے لگی۔ ندرت اپنا مگ اٹھائے آ بیٹھیں تو ان کی بات پہ رخ موڑ لیا۔ یہ باتیں ان کو عجیب سی وحشت میں مبتلا کرتی تھیں۔ مگر وہ ان کو ان پیچیدگیوں میں پڑنے سے روک بھی نہیں سکتی تھیں۔ فارس کہہ رہا تھا۔

"مگر سعدی نے ایک کاپی ضرور رکھی ہو گی اور کوئی اس بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔"

زمر کھڑی ہوئی۔ "اس "کوئی" کو ریسٹورنٹ بلاؤ' اور اس سے کہو کہ انسانوں کی طرح سب اگل دے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

قصر کاردار کے ڈائننگ ہال کی اونچی کھڑکیوں سے سبزہ زار پہ حنہ اور فارس کار میں بیٹھتے نظر آ رہے تھے۔

اگر ہال میں دیکھو تو سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات تمکنت سے گردن اٹھائے خاور کو دیکھ رہی تھی۔ ہاشم بھی ناشتہ کرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مودب سا کھڑا کہہ رہا تھا۔

"بظاہر یہ سب گیس لیکیج کی وجہ سے ہوا۔ مگر ڈاکٹر بخاری اور ڈاکٹر ایمن نے کھلم کھلا نیاز بیگ کے بھائی کو الزام دینا شروع کر دیا۔ اس کے خلاف ایک کیس اور بڑھ گیا۔"

"ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ان کے آپس کے مسئلے ہیں یہ۔" جواہرات نے ناک سے مکھی اڑائی۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔

"مسئلہ یہ ہے مسز کاردار کہ سب کچھ بہت پرفیکٹ تھا۔ گارڈز کو مارا نہیں گیا' جلنے نہیں دیا بلکہ آگ سے دور کر دیا گیا۔ اسٹریٹ لائٹس آف ہو گئیں آگے پیچھے کے سی سی ٹی وی خراب کر دیے گئے۔ علیم بیگ ایک غنڈہ ہے اور غنڈے ایسے پرفیکشن سے کام نہیں کرتے۔"

"فارس!" ہاشم نخوت سے لب بھینچتے ہوئے پیچھے ہو کر بیٹھا۔ "یہ فارس نے کیا ہے' ہے نا؟"

خاور نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے بھی یہی لگا' یہ اسی کا اسٹائل ہے مگر اس رات وہ گھر پہ ہی تھا۔ گارڈز نے اسے آتے دیکھا... اور پھر صبح جاتے دیکھا۔ وہ رات گھر سے نہیں نکلا۔ یہی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے اس نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروایا ہو۔"

"بہرحال میں پتا کر رہا ہوں۔" وہ چلا گیا تو شیرواں آتا دکھائی دیا۔ نیند سے بھری آنکھیں' اور سست انداز' کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ ذرا حواس بیدار ہوئے تو گفتگو کی طرف توجہ دی۔ جواہرات' فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔

"اس ڈاکٹر نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس کے شوہر نے سعدی کو غائب کروایا۔ یقیناً" فارس نے ان سے بدلہ لیا ہے۔"

"ضروری نہیں ہے یہ اس نے کیا ہی ہو۔ وہ ابھی جیل سے آیا ہے۔ مزید ٹربل افورڈ نہیں کر سکتا۔" ہاشم پُریقین نہیں تھا۔ پھر شیرو کو دیکھا جو اپنے ناشتے پر ڈھکا شیشے کا کور اٹھا رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

"یعنی تو شیرواں کاردار آج آفس وقت پہ آئیں گے؟"

شیرو نے جمائی روکتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

"لیکن سعدی پھر ہمارے لیے لازمی کام کرے گا۔" شیرو یاد دلائی۔

"بالکل! میں تین چار دن تک جاؤں گا اس سے ملنے۔ جو تفصیلات چاہئیں' وہ لے کر ہی آؤں گا۔" سیل فون اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"تم سعدی سے چھٹکارا حاصل کرو ہاشم۔ وہ تمہیں نقصان پہنچا دے گا۔"

"کچھ نہیں کر سکتا وہ۔" بے نیازی سے سر جھٹکتے وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس مال کی دھن میں پھرتے تھے
تاجر بھی بہت' رہزن بھی کئی

"چلیں۔" حنہ کار میں آکر بیٹھی تو فارس کال پہ کسی سے بات کر رہا تھا' سر ہلا کر فون رکھا۔

"ہم ایک جگہ سے ہو کر ریسٹورنٹ جائیں گے۔ گیس کرو کس نے کال کر کے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے؟" اس کے الفاظ پہ حنہ چونکی۔

جس وقت وہ دونوں ریسٹورنٹ کی طرف جاتی سڑک پہ گامزن تھے' قصر کاردار کی چار دیواری کے ساتھ' خاور محتاط نظروں سے دیوار کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ دیوار کا وہ حصہ تھا جو فارس کی انیکسی کے عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے سڑک تھی۔ آنکھیں سکیڑ کر دیکھتا' وہ اس جگہ رکا۔ یہاں ایک لوہے کا دروازہ تھا جو زمانوں سے بند پڑا تھا۔ اس پہ پرانا تالا لگا تھا۔ اس جگہ

گارڈز نہیں تھے' نہ کیمرے۔ خاور کچھ دیر متذبذب سا اسے دیکھتا رہا پھر جھک کر تالے کو چھوا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

تالا پرانا تھا' اور زنگ آلود بھی۔ مگر۔۔۔ اس کے مقفل ہونے کی جگہ پہ زنگ نہیں تھا۔ جیسے تیل وغیرہ ڈال کر صاف کیا گیا ہو۔ چابی داخل کرنے والی جگہ کا زنگ بھی صاف تھا۔

(سوفارس غازی رلت کو ادھر سے نکلتا تھا۔ گڈ گڈ!) تھا۔

اس کے ہاتھ خزانہ لگ گیا تھا۔

فارس اور حنین ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو ایک دم حنہ رکی۔ تعجب سے فارس کو دیکھا اور شکل یوں بنائی جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا ہو۔

سامنے ایک کونے والی کرسی پہ تازہ دم اور خوب صورت' شیرین کاردار بیٹھی تھی۔ لبوں پہ سرخ لپ اسٹک اور سنہرے بالوں کی چھوٹی سی پونی۔ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی۔ حنہ پر نظر پڑی تو مسکراہٹ میں کمی آئی۔

"تو آپ پھپھو سے چھپ کر اس سے ملتے ہیں؟" اس کی ددھیالی محبت پھر سے جاگی۔

"یکومت۔ اس نے پہلی دفعہ ملنے کو کہا ہے۔ کوئی کام تھا۔" کہ کھرک کر وہ آگے آیا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ حنین بھی (منہ بناتی) ساتھ بیٹھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تمہاری بھانجی بھی تمہارے آفس جاتی ہے۔" شیری کو حنہ کا آنا ناگوار گزرا تھا۔ حنین نے صرف ایک کاٹ دار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہم ضروری کام سے جا رہے تھے' تمہارے فون پہ۔" فارس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ "پندرہ منٹ نکلے ہیں۔ اب بتاؤ کیا بات تھی؟"

ایک لمحے کے لیے شیری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے' پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔

"میں سعدی کے کیس کا پوچھنا چاہتی تھی۔ میں نے سنا تھا کوئی مہنگی گن استعمال ہوئی ہے۔ سعدی کی شوٹنگ میں۔ اگر تم کہو تو۔۔۔" ہاتھ میز پہ باہم ملا کر رکھتی آگے ہوئی۔۔۔ "تو میں پاپا سے کہہ کر اس گن کے لائسنسز نکلوا سکتی ہوں' تاکہ۔۔۔"

"میں یہ کام ڈھائی ماہ پہلے کر چکا ہوں۔ جن لوگوں کے پاس وہ گن ہے' ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارا دوست ہے نہ دشمن۔"

"تو پھر۔۔۔ وہ گن کس کی ہوگی؟"

"ظاہر ہے اس کا نام اور ریکارڈ لسٹ سے مٹا دیا ہو گا۔" وہ سنجیدگی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"کون سی گن تھی وہ؟"

"آپ کو گنز کے بارے میں کتنا پتا ہے شیرین؟" حنین رہ نہیں سکی۔ شیری نے تنک کر اسے دیکھا۔ پھر پرس سے ایک Cobilt (پستول) نکال کر میز پہ رکھی۔

"اگر آپ ہاشم کاردار کی بیوی ہوں اور شوٹنگ کلب کی ممبر بھی ہوں' تو آپ کو گنز کے بارے میں بہت علم ہوتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے تمہارے' ہاشم اور شیرو کے پاس کون کون سی گن ہے۔" ذرا اکتا کر اسے ٹوکا۔ "مگر جو برانڈڈ گن استعمال ہوئی ہے' وہ ماڈل آگے پیچھے کسی کے پاس نہیں ہے۔ گلاک جی فورٹی ون۔"

اور شیرین کا سانس اٹک سا گیا۔ بمشکل آنکھوں کو اس پہ رکھے مسکرا پائی۔

"جی فورٹی ون؟ اچھا۔" وہ رکی۔ تاثرات پہ قابو پا لیا۔ وہ گنز کی بات کرنے ہی نہیں آئی تھی۔ وہ تو حنہ کو دیکھ کر بات بنانی پڑی۔ اگر اس نے پہلے چیک کر لیا ہوتا کہ۔۔۔ اونہوں۔

"اگر کچھ اور نہیں ہے تو ہم جائیں؟" وہ فون جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا۔ شیری نے جبراً" مسکرا کر سر خم کیا۔

حنہ بھی بے دلی سے اٹھی۔ تب ہی نگاہ سامنے دیوار پہ جا ٹھہری جہاں بڑی سی فریم آویزاں تھی اور اس پہ خطاطی سے لکھا تھا۔

"(اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف)"

حنین کی آنکھیں سکڑیں۔ صبح والی ٹی وی اسکرین یاد آئی۔ مگر سر جھٹکا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا۔ فارس کے ساتھ وہ باہر نکلی تو ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

"خوامخواہ ٹائم ضائع کر لیا اس پلاسٹک نے۔" وہ سخت کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔

فارس نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"پلاسٹک کیا؟"

"یہ شہرین۔ اس کا تعلق Plastics سے ہے۔ آپ کو نہیں پتا Plastics کا؟" تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر ٹیک لگائے بتانے لگی۔ "یہ اپر مڈل کلاس اور ایلیٹ میں پائی جاتی ہیں۔ بچپن سے ان کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ بھاری کتاب سر پر رکھ کر سیدھا چلنے کی' ہونٹوں کو مخصوص زاویے پہ رکھنے کی۔ جب بھی کھڑی ہوں گی کہنیاں برابر اور ہاتھ تین انچ کے فاصلے پر ہوں گے۔ چہرے کو بالکل سپاٹ اور گردن کو اٹھا ہوا رکھتی ہیں۔ وائٹ اور بیج کا ہر شیڈ ان کے پاس ہوتا ہے۔ بے حد دبلی پتلی اور ڈائٹ کانشس ہوتی ہیں۔ دراصل اینوریکسک ہوتی ہیں۔ فاقے کرتی ہیں۔ کسی دن کچھ زیادہ کھالیں تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتی ہیں۔ اس شدید جسمانی مشقت کے بعد ان کے چہرے پہ گویا خول سا چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ پلاسٹک پلاسٹک لگنے لگتی ہیں۔" وہ خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

ڈرائیو کرتا فارس بے اختیار ہنس دیا۔

"اچھا۔ ویسے تمہاری پھپھو کیا ہیں؟"

"وہ پلاسٹک تھوڑی ہیں۔ وہ نیچرل ہیں۔" ذرا قریب ہو کر آہستہ سے بولی۔ "مگر نیچرل سیمنٹ!"

"وہ بھی کھولتا ہوا۔" وہ بڑبڑایا اور پھر دونوں ہنس پڑے۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ریسٹورنٹ قریب تھا۔

☼ ☼ ☼
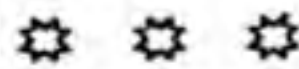
مجھے شکوہ ہے مرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے
لے گئے ساتھ مری عمر گزشتہ کی کتاب

احمر شفیع جب ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو دیکھا' سامنے ایک میز کے پیچھے وہ تینوں بیٹھے تھے۔ کسی انٹرویو پینل کے انداز میں۔ بار بار گھڑی دیکھتا' کان کی لو مسلتا فارس' گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' منتظر سی زمر' اور انگلیاں موڑتی گردن جھکائے بیٹھی حنین۔ احمر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

(چلو جی۔ سارا پاگل خاندان اکٹھا جمع ہے' احمر شفیع کی کلاس لینے۔ ان کو بے عزتی کرنے کے لیے کوئی اور نہیں ملتا؟) منہ بناتا آگے آیا' سلام کیا۔ جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر بھی مسکرا کر سامنے بیٹھا۔

"مجھے ہارون عبید کے ساتھ ایک گھنٹے میں چترال جانا ہے' اس لیے......"

"سعدی نے جج کو کس چیز سے بلیک میل کیا تھا۔" فارس نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ احمر نے گہری سانس بھری۔ (ہو گئی کلاس شروع!)

"مسز زمر کانوں پہ ہاتھ رکھ لیں تو میں بتانا شروع کروں؟" معصومیت سے پوچھا۔

زمر نے گھور کر اسے دیکھا۔ "میں سن رہی ہوں۔"

احمر نے تھوڑی کھجائی۔ "سعدی نے مجھے ایک بورڈ کے آفیسر کانفیڈینشل پریس (او سی پی) کے بارے میں بتایا تھا جو کہ ایک کرپٹ آدمی تھا اور ہر سال پیپر لیک کیا کرتا تھا۔"

حنین یوسف کا سانس رک گیا۔

ذرا دیر کے لیے احمر اور ان تینوں کو یہیں چھوڑ کر ہم پچھلے سال کے جنوری میں واپس جاتے ہیں جب سعدی او سی پی صاحب کے گھر گیا تھا۔

وہ ایک پشیمانی سے بھرا دل اور جھکے کندھے لے کر وہاں آیا تھا۔ حنین کے اعتراف نے اس کے دل پر ایک بوجھ رکھ دیا تھا۔ آنٹی کے پاس ڈرائنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے' اس نے بھاری ضمیر سے کہا تھا۔

"میں ان کی وفات کے اتنے عرصے بعد آ رہا ہوں۔ میں پاکستان میں نہیں تھا۔ مجھے بہت افسوس ہے ان کا۔" (یہ حنین کے اعتراف جرم کے ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔)

"کوئی بات نہیں' جو تمہاری بہن نے کیا' وہی

ہمارے لیے بہت ہے۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا مگر آنٹی بہت محبت اور سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ صرف وہی جانتی تھیں جو حنہ نے کیا۔ وہ نہیں جوان کے شوہر نے کیا۔ اور جس کی پشیمانی ان کو لے کر ڈوبی۔

وہ چائے کے لیے اٹھیں تو سعدی نے سر ہاتھوں میں گرائے' بے اختیار دعا مانگی۔

"اللہ تعالیٰ' میں آپ کے سامنے اپنی بہن کی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔ میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ لیکن اس کی نیت ان کی جان لینے کی نہیں تھی۔ اللہ' آپ کو پتا ہے کہ اس کو علم نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ پلیز میری مدد کریں' میں کس طرح ان کی فیملی سے معافی مانگ سکوں' ایک ایمان دار افسر کے ضمیر کی قیمت لگانے کے بوجھ سے دل کو آزاد کر سکوں۔ جو آپ پہ بھروسا کرتے ہیں آپ ان کو رسوا نہیں کرتے۔ پلیز مجھے اس بوجھ سے نکال لیں۔"

چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ سیدھا ہوا۔ آنٹی چائے لا رہی تھیں۔

"انکل کی ڈیتھ ہارٹ اٹیک سے ہوئی تھی' کیا زیادہ پریشان رہتے تھے آخری دنوں میں؟" وہ نظریں ملائے بنا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں' ٹھیک تھے بالکل۔ بیٹی کی شادی ہو گئی تو مطمئن تھے۔ بلکہ خوش بھی تھے۔" سعدی نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ دیوار پہ ان کی بیٹی کی شادی کی فوٹوشوٹ کی چند فریمز لگی تھیں۔ خوب صورت' جگر جگر کرتے لباس میں موجود گھر کی عورتیں۔ قیمتی زیور۔ سعدی کی نگاہیں ڈرائنگ روم میں ادھر ادھر دوڑیں۔ قیمتی پردے' ڈیکوریشن۔ اس نے سر جھٹکا۔

"آخری دن کیسے تھے؟ اس دن رزلٹ آیا تھا نا۔"

"بالکل ٹھیک تھے سعدی۔ نارمل باتیں کر رہے تھے اور بلکہ جسٹس صاحب سے بھی ٹھیک گپ شپ کرتے رہے۔ وہ تو ان کے جانے کے کافی دیر بعد میں ان کے کمرے میں گئی تو۔۔۔" سر نفی میں ہلا کر آنٹی نے آنکھ کا کنارہ صاف کیا لیکن سعدی یوسف خان کا دماغ ایک جگہ اٹک چکا تھا۔

"کون جسٹس صاحب؟"

"ان کے بڑے اچھے دوست ہیں جسٹس سکندر۔ سیشن کورٹ میں ہوتے ہیں' وہ ملنے آئے تھے' ناحمیرا کے ابو سے۔ کمرے میں ان سے باتیں کرتے رہے' ہم لوگ باہر لاؤنج میں تھے۔ وہ نکلے تو بتایا کہ او سی پی صاحب ابھی کام کر رہے ہیں' کہہ رہے ہیں بچے شور نہ کریں۔ میری بڑی بیٹی کے دو بچے بھی آئے ہوئے تھے نا۔ ان کے جانے کے کافی دیر بعد میں اور حمیرا اندر آئے تو دیکھا' وہ فوت ہو چکے تھے۔ استعفیٰ بھی لکھا پڑا تھا۔"

سعدی ایک دم آگے ہو کر بیٹھا۔ "آپ نے۔۔۔ آپ نے ڈاکٹر کو بلایا تھا؟"

"ہاں' ڈاکٹر نے بتایا ہارٹ اٹیک سے موت ہوئی ہے۔"

"آپ نے پوسٹ مارٹم کروایا تھا؟"

"نہیں بیٹا! اس کی کیا ضرورت تھی۔ میرے بیٹے نے کہا بھی تو ان کے دوستوں' رشتے داروں نے منع کیا کہ لاش کی بے حرمتی ہوتی ہے ایسے۔"

"جی بالکل میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔" جبراً مسکرایا۔ بے چینی سے پہلو بدلا۔ (یعنی بیٹے کو معلوم ہو گیا تھا؟)

"ان کا کمرہ دیکھ سکتا ہوں میں؟ ان کا کمپیوٹر وغیرہ؟"

"بیٹا کمپیوٹر اور فائلز تو محکمے والے اٹھا کر لے گئے تھے۔ کمرہ دیکھ لو تم۔ اپنے گھر کے بچے ہو۔ صفائی وغیرہ کرتی ہوں' مگر ان کی باقی چیزیں نہیں چھیڑتی۔"

وہ اسے ایک کمرے میں لے آئیں۔ وہ بیڈ روم چھوٹا مگر پرتعیش تھا۔ گھر کافی دفعہ رینوویٹ ہوا لگتا تھا۔ سعدی کے جھکے کندھے اٹھ چکے تھے اور بھاری دل ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ ان کی کتابیں دیکھتا رہا۔ آگے پیچھے کوئی کاغذ' کوئی فائل نہیں چھوڑی تھی "محکمے والوں" نے۔ دفعتاً" وہ رکا۔ اسٹڈی ٹیبل کے وسط میں کپ رکھا تھا۔ اس میں چند پین تھے۔ ایک پین مختلف تھا۔ سعدی نے وہ سلور پین اٹھایا اور ڈھکن کھولا۔ اندر یو

ایس بی پلگ تھا۔ اس نے جلدی سے ڈھکن بند کیا۔ پھر آنٹی کی طرف مڑا۔

"مجھے انکل سے بہت عقیدت تھی' اگر آپ کو برا نہ لگے تو ان کا ایک قلم رکھ لوں؟ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو نا رہے گا۔"

اور آنٹی نے کھلے دل سے اجازت دے دی۔ وہ ان سے چارجر نہیں مانگ سکتا تھا' لیکن کوئی بات نہیں' چارجر کہیں سے خرید لے گا۔

انسانی عقل مہینوں' سالوں لگی رہتی ہے' کسی ایک سرے کی تلاش میں' جیسے سعدی لگا تھا' اتنے دن سے جج کے کمپیوٹر میں کوئی ایک کام کی چیز تلاش کر رہا تھا مگر جب عقل تھک جاتی ہے تو ایک دم سے سب سے قیمتی چیز انسان کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گرا دی جاتی ہے۔ آگ لینے کے لیے جانے والوں کو پیغمبری مل جاتی ہے۔ وہ لمحہ' الہام کا لمحہ ہوتا ہے۔۔۔ کچھ لوگ اسے "اتفاق" کہتے ہیں۔ ایمان والے اسے "غیبی مدد" کہتے ہیں۔۔۔ اور یہ انسان کی اچھی نیت کا پھل ہوتا ہے۔

اور آج احمر شفیع زمر اور فارس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "سعدی ان کی تعزیت کے لیے ان کے گھر گیا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک پشیمانی کا احساس لیے ادھر گیا تھا' ان کی فیملی کو وہ پہلے سے جانتا تھا۔" احمر سانس لینے کو رکا۔ ان کو متوجہ پا کر مسکرایا۔ "ویسے میری کنسلٹنسی فیس۔۔۔"

"کام کی بات پہ آؤ!" فارس ایک دم برہمی سے کہتا آگے ہوا تو وہ ہاتھ اٹھاتے جلدی سے ذرا پیچھے ہوا۔ "بتا رہا ہوں' بتا رہا ہوں۔" گہری سانس لی۔ "ان کی چیزوں میں سعدی کو ایک پین کیمرہ ملا۔" (زمر نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اف!) "اس پین کے ذریعے اوسی پی صاحب جج کی ویڈیوز بناتے تھے۔ وہ کانفیڈنشل پریس کے آدمی تھے۔ ان کے پاس بہترین Gadgets تھے۔ وہ پین چھوٹا سا تھا' اس میں جیمر لگا تھا' جو اس کو ڈٹیکٹرز کے باوجود ناقابل گرفت بناتا تھا۔ بہر حال اس پین میں کچھ ویڈیوز تھیں۔ کالے دھندوں کے اعتراف کی ویڈیوز۔ سعدی نے تمہارے رہا ہونے کے بعد وہ تمام ویڈیوز مٹا دیں سوائے ایک کے۔ اس ویڈیو میں جج اور اوسی پی کی آخری ملاقات تھی اور وہ ایک terrible (خطرناک) ویڈیو تھی۔ اوسی پی نے صرف یہ سوچ کر کیمرہ آن رکھا تھا کہ جج کی دھمکیوں کو ریکارڈ کرے گا' اس لیے اس نے استعفیٰ بھی آرام سے لکھ دیا۔ مگر۔۔۔" اس نے جھرجھری لی۔ "اس ویڈیو کی وجہ سے جج نے غازی کو رہا کیا۔"

"اب وہ پین کہاں ہے؟" فارس کے سوال پہ احمر نے شانے اچکائے۔

زمر جلدی سے بولی۔ "میں سعدی کی چیزیں دوبارہ دیکھوں گی' مل جائے گا!" ذرا رکی۔ "لیکن اگر جج کے طاقتور مجرم دوست ہیں' تو اس نے فارس کو رہا کرنے کی بجائے ان دوستوں سے مدد کیوں نہیں مانگی۔"

"مسز زمر' آپ وہ ویڈیو دیکھیں گی تو جان لیں گی کہ کوئی بھی اپنے ساتھی مجرموں کو ایسی چیز کی ہوا نہیں لگنے دے سکتا۔ وہ اس کی مدد کرتے' لیکن پھر اس کی کمزوری کے ذریعے اس کو غلام بنا لیتے۔ غازی کو رہا کرنا زیادہ آسان تھا۔"

"تو اوسی پی صاحب نے خودکشی کیوں کی تھی؟" حنین ان ہی گیلی شاکی نظروں سے احمر کو دیکھ کر بولی تو احمر نے اسے دیکھا' پھر فارس کو۔ پھر شانے اچکائے۔

"اس ویڈیو اور سعدی کے مطابق' اوسی پی صاحب کو قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا آپس میں لین دین کا کوئی تنازعہ تھا۔"

"سعدی نے آپ کو خود یہ بتایا؟" حنین کی آواز غصے سے بلند ہوئی۔ احمر نے سنبھل کر "جی۔" میں سر ہلایا۔

حنین نے گلے بھری نظر زمر پہ ڈالی۔ احمر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کون ہیں؟ ان کو کیوں بتایا؟ میں بہن تھی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟" ایک دم سے صورت حال گھمبیر ہو گئی تھی۔ فارس احمر کو اشارہ کرتا اٹھ گیا۔ وہ دونوں چلے گئے تو حنین نے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔

"بھائی کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں سمجھتی رہی میں نے ان کی جان لی ہے۔ میں نے ان کی جان نہیں لی تھی۔"

"حنین! یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کیونکہ ہمیں سعدی نے کچھ نہیں بتایا۔ رہی او سی پی کی بات تو میں نے تمہیں کہا تھا نا' ان کے لیے پیپرز دینا آسان تھا کیونکہ وہ یہ کام پہلی دفعہ نہیں کر رہے تھے۔"

"مگر جب میں نے ان سے کہا تو ان کے تاثرات... وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔"

"کیونکہ حنہ! جس چیز کو وہ اتنے سال پیسوں کے بدلے بیچتے آئے تھے' پہلی دفعہ وہ انہیں اپنے خاندان کی عزت کے بدلے بیچنی پڑی۔ یہ جھٹکا کسی کو بھی ہلا سکتا ہے۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا' اور آنسو گرے۔

"میں نے ان کی جان نہیں لی۔ لیکن میں پھر بھی قصور وار ہوں۔ بلیک میل اور چیٹنگ کی۔"

"حنین! دنیا میں تمہارے آس پاس کوئی ایسا انسان نہیں ہے۔ جس سے کبھی کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ گناہ کے بعد تم کیا کرتی ہو۔"

"میں نے توبہ کی تھی' سچے دل سے۔"

"توبہ یہ نہیں ہوتی کہ اس گناہ کا ڈپریشن لے کر ہر شے تیاگ کر بیٹھ جاؤ۔ توبہ مایوسی اور خود اذیتی کا نام نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسے کی جاتی ہے توبہ؟" وہ ہلکا سا بولی۔

"توبہ النصوح کا مطلب ہے۔ انسان کو احساس گناہ ہو' پھر ندامت گناہ ہو' پھر معافی مانگے اور اگر کوئی کفارہ ہے تو وہ ادا کرے۔ پھر دوبارہ وہ کام نہ کرنے کا عہد کرے' اور پھر اچھے کام کرے۔ توبہ مثبت سوچ کا نام ہے۔ فریش اسٹارٹ لینے کا۔ نئی زندگی کے آغاز کا۔"

"اور پھر سب معاف ہو جاتا ہے؟"

"ہاں سب معاف ہو جاتا ہے۔ مگر ہر گناہ سے بڑا گناہ' پتا ہے کیا ہے؟ اپنے گناہوں کو جسٹی فائی (صحیح ثابت کرنے کی کوشش) کرنا۔" حنین نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے بے اختیار اپنی کتاب اور شیخ یاد آرہے تھے۔

"ہاشم سے یوں بات کرنا' ایگزام سے بڑی چیٹنگ ہے۔ یہ سعدی اور فارس کے ساتھ چیٹنگ ہے۔"

اس کا فون بجنے لگا تو گفتگو ختم ہو گئی۔ حنین اٹھ کھڑی ہوئی۔ زمر نے موبائل اٹھاتے ہوئے اسے پکارا۔

"مجھے وہ پین مل گیا ہے حنین۔" حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ "مگر اس کی بیٹری ختم ہے۔ اس کا چارجر ڈھونڈ دو مجھے' اور ہم اس کو کھول لیں گے۔ ابھی فارس یا احمر کو نہیں بتانا۔ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔"

اس کو وہیں چھوڑ کر زمر گل خان کی تلاش میں نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

جو تجھ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں!
علاج گردش لیل و نہار رکھتے ہیں

چند منٹ بعد وہ اس زیر تعمیر مکان میں کھڑی تھی۔ وہ اب تعمیر کے آخری مرحلے میں تھا۔ دروازے لگ چکے تھے۔ پلستر ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی چھت پہ بنے ایک کمرے (جو تین ماہ پہلے کھلا میدان تھا' اور جہاں سارہ چھپی تھی۔) میں گل خان ساتھ کھڑا۔ مایوسی سے ادھر اُدھر زمین پہ ہاتھ مار رہا تھا۔ پھر ہاتھ جھاڑ کے اٹھا۔

"وہ موتی ادھر ہی چپکے تھے باجی۔ بعد میں فرش برابر ہوا تو گم ہو گئے۔"

"کس کے موتی؟ اور تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ سعدی کی کی چین تمہیں کہاں سے ملی؟" وہ دونوں اب گھر کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

"باجی' ہمارا تایا ادھر مزدوری کرتا ہے' اسے سعدی بھائی نے یہاں نوکری دلوایا تھا۔ بھائی کو گولی لگنے کے تیسرے یا چوتھے دن اس گھر کا ٹھیکیدار ہمارے گھر آیا' تایے کو بولا کہ کسی عورت کا پرس ادھر گرا ہے' اس گھر میں کس نے اٹھایا ہے؟ تائے نے بولا ہم ڈھونڈ دے

گا۔ وہ ٹھیکیدار چلا گیا۔ مگر باجی یہ جو گل خان ہے نا اس کا کھوپڑی بہت چلتا ہے۔" وہ اب مرچ مسالہ لگا کر پورے ایکشن کے ساتھ کہانی بیان کر رہا تھا۔ "ام کو تائے پہ شک ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ام نے تائے کا جاسوسی کیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ الماری سے ایک گلابی رنگ کا بٹوہ نکال کر دیکھ رہا ہے۔ اس کو یہ ادھر چھت پہ پڑا ملا تھا۔ اس کا دو موتی ٹوٹا ہوا تھا اور سیمنٹ میں چپکا تھا۔ تائے نے پرس اٹھا کر اس جگہ۔ بجری ڈال دی۔ یہ سارا بات اس نے اگلے دن ٹھیکیدار کو بتایا۔ ٹھیکیدار بہت دیندار آدمی ہے' پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور صرف دو ٹائم ہیروئن بیچتا ہے' مگر اس نے کہا کہ بٹوہ عورت کو واپس کرنا ہے۔ تو تائے نے اس میں سے تھوڑے سے پیسے نکال کر الگ کیے اور بٹوہ الگ رکھا۔ بس ادھر تایا سویا' ادھر گل خان نے الماری پہ چھاپا مارا۔" وہ تحمل سے سنتی ہوئی چلتی جا رہی تھی۔

"مگر اندر کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہیرے کی انگوٹھی ہے۔ یہ جگر جگر چمکتی۔ اور بھی پیسے ہیں۔ ایک دو انگریزی کے کارڈ بھی تھے اور باجی۔۔۔ اس میں سعدی بھائی کا چابی بھی تھا۔" زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"پھر؟"

"پھر ہم نے چابی اٹھا لیا۔ دیکھو باجی ہم بھائی کا بہت وفادار ہے۔ ہم نے اسے حفاظت سے رکھا۔ پھر ہم پشور چلا گیا۔ واپس آیا تو۔۔۔"

"تو اتنے دن ہو گئے مجھے کیوں نہیں دیا؟"

گل خان کی اس بات پہ سٹی گم ہو گئی۔ "وہ۔۔۔ باجی تمہارا بندہ ہر وقت آگے پیچھے پھر تا رہتا ہے۔ ام کو اس سے ڈر لگتا ہے۔" سر کھجایا۔ مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔ واپس مڑی۔

"مجھے اس ٹھیکے دار سے ملواؤ۔ فکر نہ کرو' میں کسی چینل کا نہیں بتاؤں گی۔" ٹھیکے دار کا منہ کھلواتے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے' وہ فر فر بتانے لگا۔

"ایک عورت تھی۔ اس نے چادر کر رکھی تھی۔ چہرہ بھی ڈھک رکھا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اور اپنے پرس کا پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک وکیل ہے اور یہاں اس قتل کیس کے سلسلے میں آتی جاتی رہتی ہے' اس لیے پرس کھو بیٹھی۔ میں نے ایک دو روز میں پرس ڈھونڈ کر دے دیا۔ وہ دوبارہ اسی گھر میں ملنے آئی تھی۔ اس نے پیسے بھی دیے مجھے' مگر وہ خوش نہیں تھی۔ بار بار چابیوں کے گچھے کا پوچھتی تھی۔"

"کوئی اور بات جو اس کے بارے میں یاد ہو؟"

وہ سوچنے لگا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں میڈم جی۔ دبلی پتلی تھی' لڑکی سی لگتی تھی۔ ہاں رنگ گورا تھا اور آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ نیلی سبز سرمئی۔"

"اگر وہ کبھی دوبارہ آئے تو آپ اس نمبر پر مجھے بتائیں گے۔" ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی۔ جب وہ واپس آئی تو سوچ میں گم تھی۔

ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی اور سیدھی اوپر چڑھتی گئی۔ نیچے ریسٹورنٹ میں اکا دکا لوگ تھے۔ حنین کونے والی میز پہ آ بیٹھی اور ہتھیلی پہ چہرہ گرا لیا۔

(میں توبہ کر چکی ہوں' معافی مانگ چکی ہوں' مگر ہاشم کو کیسے چھوڑوں؟ نہیں انہوں نے بھائی کو کچھ نہیں بتایا' مگر مجھے پھر اتنا شک کیوں ہے؟)

سر جھٹک کر حنین نے سیل فون نکالا' اور پھر دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے آن لائن قرآن ڈاؤن لوڈ کیا۔ کتنے عرصے سے اس نے قرآن نہیں پڑھا تھا۔ اس کو وہ ایسے سمجھ میں نہیں آتا تھا' جیسے سعدی بھائی کو آتا تھا۔ حالانکہ سعدی اور سیم نارمل ذہانت کے لوگ تھے' جینئس تو وہی تھی' تو ساری مات جینئس لوگ کیوں کھاتے ہیں؟

قرآن کھلا تو وہ بے دلی سے انگوٹھے سے اسکرین اوپر کرتی گئی۔ صفحات اوپر نکلتے گئے۔ بالآخر ایک جگہ وہ رکی۔ آنکھیں بند کیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی وہ آیت پڑھے گی' اس پہ عمل کرے گی' چاہے وہ یہ کیوں نہ کہے کہ عورتوں کو چھپے دوست نہیں بنانے چاہییں یا پردہ کرنا چاہیے یا نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ آنکھیں کھولیں اور اسکرین کو دیکھا۔

"اور اللہ ہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تاکہ زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ

کرے۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور سے سنتے ہیں۔"

(ہوں۔ بارش کا ذکر ہو رہا ہے یہاں۔ گڈ۔ آگے چلو) اس نے اگلی آیت پہ نظریں مرکوز کیں۔

"اور تمہارے لیے بے شک چوپائے مویشیوں میں ایک نشانی ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے پیٹوں میں سے 'خون اور گوشت کے درمیان سے خالص دودھ' جو خوشگوار ہے پینے والوں کے لیے۔"

(مطلب کہ۔۔۔؟ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ خون اور گندگی کو دودھ سے ملنے نہیں دیتا' یوں ہم خالص دودھ پی لیتے ہیں؟ ٹھیک ٹھیک!)

"اور کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی۔ تم ان سے بناتے ہو نشہ آور چیزیں اور پاک رزق بھی۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔

(مطلب کہ۔۔۔ اونہوں۔ شراب کا میں نے کیا کرنا ہے؟ آگے چلو۔)

اور تمہارے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف کہ بنالے اپنا گھر پہاڑوں میں اور درختوں کے اوپر' اور اونچی چھتوں پہ۔ پھر کھا تمام پھولوں میں سے اور چل اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔ ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں میں نکلتا ہے ایک مشروب' مختلف سے ہیں جس کے رنگ' شفا ہے جس میں لوگوں کے لیے' بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

حنین نے ایک دم موبائل الٹا کر کے رکھ دیا۔ یہ تو وہی آیت تھی جو وہ آج تیسری بار۔۔۔؟ کوئی سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی تھی' گردن پہ ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ایسا لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

(بس' مجھے نہیں پڑھنا قرآن' نہ شیخ کی کتاب۔ یہ سب چیزیں ڈراتی ہیں۔) جھرجھری لے کر اٹھی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بہت دن بعد اس کا دل تھا کہ وہ کچھ کھائے' کچھ اچھا' اتنا اچھا کہ سب بھول جائے۔

☼ ☼ ☼

آگے لے جاؤ' تم اپنا یہ دکھتا ہوا پھول
مجھ کو لوٹا دو مری عمر گزشتہ کی کتاب

حنین نے اگلے تین چار روز خود کو کھانے' ٹی وی' کمپیوٹر گیمز اور ہاشم میں مصروف کرلیا' مگر بے سکونی بڑھ گئی تھی۔ نہ ان چیزوں میں دلچسپی رہی تھی' نہ ہاشم پہ اعتبار رہا تھا۔ زمر کے پاس بھی نہیں گئی' نہ دل لگا کر پین کیمرے کا چارجر ڈھونڈا۔ زمر نے بھی اس سے دوبارہ بات نہیں کی۔ چھ ستمبر والے روز حنین نے ہتھیار ڈال دیے' اور امی کا قرآن کا نسخہ اٹھائے' کاپی پین لیے' فوڈلی اور آفٹر ریسٹورنٹ کے اوپری کمرے میں آبیٹھی جہاں آج زمر نہیں تھی۔

اب حنین نے وہ آیت نحل ایک بڑے کاغذ پہ لکھی اور سر پہ دوپٹہ لیے' ہاتھ میں قلم پکڑے۔۔۔ اس پہ غور کرنے لگی۔ آن لائن تفسیر بھی پڑھی۔ شہد کی افادیت شہد سے شفا۔ ایک دم وہ چونکی۔ شیخ کے پیارے اس کو اپنا خیال آتا تھا۔ تو کیا اس کے مرض عشق کی شفا بھی شہد میں تھی؟ کیا اس بات کی کوئی تک بنتی تھی؟

کچھ سوچ کر جنید کو پکارا جو کسی مہمان کو اٹینڈ کر رہا تھا۔

"سنو جنید بھائی۔" وہ آیا تو وہیں کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔ "یہاں آگے پیچھے کوئی ایسی جگہ ہے' جہاں سے خالص' بالکل خالص شہد مل سکے؟"

جنید نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "مجھے نہیں پتا۔" جانے لگا' پھر دوبارہ عجیب انداز میں اسے دیکھا۔ "ایک دفعہ سعدی بھائی نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"پتا نہیں۔" وہ خود عجیب سے اچنبھے کا شکار' واپس لوٹ آئی۔

☼ ☼ ☼

ہر آئے دن یہ خداوند گن مہر و جمال

لہو میں غرق مرے غم کدے میں آتے ہیں

ان سب سے دور' سمندر پار... سعدی یوسف اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اب کے وہاں کونے میں ایک اسٹڈی ٹیبل نظر آتی تھی جس پہ صاف جرنل رکھا تھا اور وہ پین سے اس پہ بے خیالی میں تکونیں بنا رہا تھا۔ آج نئی میرون شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی' اس نے سر اٹھایا۔ وہ گارڈز اندر داخل ہوئے اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ اٹھا اور ان کے ہمراہ پہلی دفعہ اس کمرے سے باہر آیا۔

باہر کوئی لاؤنج' ڈرائنگ روم ٹائپ کچھ نہ تھا' جیسا کہ اس کا گمان تھا۔ بلکہ ایک قدرے کھلا کمرہ تھا جس میں ٹی وی لگا تھا۔ کونے میں چند کرسیاں رکھی تھیں۔ وسط میں چھوٹی میز اور اس کے گرد دو کرسیاں۔ ایک کرسی پہ وہ شخص زینگنا کے گرے سوٹ میں ملبوس' قیمتی پرفیوم کی مہک میں بسا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کو دیکھ کر سعدی کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں آگیا' مگر نہ وہ کچھ بولا' نہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی' بس شرربار نگاہوں سے اسے دیکھتا' میز کی دوسری طرف بچھی کرسی پہ آبیٹھا۔

کمرے میں' سعدی کے پیچھے دو گارڈز تھے' تین گارڈز دروازوں پہ تھے۔ کچن کی چوکھٹ پہ مودب سی میری کھڑی تھی۔

"ہیلو اگین سعدی!"

وہ چپ رہا۔ صرف اسے چبھتی نظروں سے گھورتا رہا۔ ہاشم کاردار نے گہری سانس لی۔

"یو آر ویلکم!" طنز کیا۔

سعدی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"تمہیں لگتا ہے کہ اپنی جان بچانے پہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا؟ لونہوں!" مسکراہٹ سمٹ کر صرف تپش رہ گئی تھی۔ "پچھلے تین ماہ سے میں اگر کسی کے جسم میں تین گولیاں اتارنا چاہتا ہوں' کندھے' پیٹ اور ٹانگ میں' تو وہ نوشیرواں ہے' نفرت ہو گئی ہے مجھے تمہارے بھائی سے۔ لیکن اس کے باوجود۔ سچ یہ ہے کہ نوشیرواں مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہترین نشانہ باز ہے' ذرا سی کوکین کے باوجود اس کا نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے تھا' وہ مجھے سر میں گولی مار سکتا تھا' سینے میں بھی مار سکتا تھا مگر اس کو خود بھی علم نہیں کہ وہ مجھے گولیاں صرف اس لیے مار رہا تھا تاکہ مجھے نیچے گرا کر اپنے بوٹ سے مار سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی گولیوں سے میں مر سکتا تھا اور میں اس کے لیے اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" ذرا ٹھہرا۔ "لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے مجھے بچایا ہے' تو خود کو آئینے میں دیکھو۔" نفرت سے اسے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "کیونکہ تم اپنے بھائی سے کہیں زیادہ sick (بیمار) ہو۔ جو الفاظ تم نے میری بہن کے بارے میں کہے' سچ کہوں تو تم سے امید نہیں تھی اس گھٹیا پن کی لیکن پھر سوچا جو قتل کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ایک دفعہ پھر کہوں گا' میری غیرت کو للکارنے سے پہلے آئینے میں دیکھنا' کیونکہ یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے مضحکہ خیز لگتے ہیں' جو نہ اپنی بہن کی حفاظت کر سکا' یہاں تک کہ وہ جیل چلی گئی' نہ اپنی سابقہ بیوی... خیر۔" سر جھٹکا۔ "میں تمہارے لیول پہ آکر تمہارے والی زبان استعمال نہیں کر سکتا۔" حالانکہ اس نے یہ فقرے تیار کر رکھے تھے۔ ہر مرد کی طرح اس کو بھی غصہ تھا لیکن بولنے کا وقت آیا تو اسے پتا تھا وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

ہاشم کاردار' انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رخسار رکھے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا سنتا رہا۔

"تمہاری تقریریں مجھے پسند ہیں مگر ان کو مجھ پہ ضائع مت کیا کرو۔ اگر تم کہہ چکے تو اب سنو!" سعدی پہ جمی اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ "تم میرے آفس آئے' تم نے میرے خاندان کو دھمکایا' تم نے میرے بھائی کو گالی دی۔"

"مجھے ان دو الفاظ پہ افسوس تھا' مگر کیا وہ اتنے بڑے تھے کہ تمہارا آدھے موجتا بھائی مجھے گولیاں مار دے؟"

عزت' غیرت صرف تم لوگوں کی ہے؟ ہمارے سامنے ہماری عورتوں کی بات کرو اور ہم چپ چاپ سن لیں؟"

"میری بات دوبارہ مت کاٹنا!" ہاشم نے انگلی اٹھا کر اس کو تنبیہہ کی۔ "تم نے میرے بھائی کو گالی دی' اس نے اپنا انتقام لیا۔ اس کے بعد بھی میں نے تم پہ رحم کھایا' اور تمہیں بچالیا۔ میں تمہیں یہاں لے آیا۔ تمہارے اوپر اتنا خرچا کیا' اس کے بعد تم مجھے کال کر کے ایک لسٹ تھماتے ہو کہ تمہیں یہ' یہ چیز چاہیے۔" استہزائیہ انداز سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "جیسے تم یہاں پکنک پہ ہو!"

"کیا تم اتنی دور مجھے انکار کرنے آئے ہو؟"

"اونہوں۔۔۔ میں صرف یہ جتانے آیا ہوں کہ تمہیں تھوڑی بہت سہولتیں مل سکتی ہیں اور تمہاری فیملی کو تحفظ مخصوصاً" تمہاری بہن کو' اگر تم۔۔۔"

"میری بہن کا دوبارہ نام مت لینا!" اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں' بلند آواز سے غرایا۔ مگر وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر تم مجھے وہ دو' جو میں چاہتا ہوں۔" کہتے ساتھ ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔ سعدی نے شرربار نظروں سے اسے گھورتے' فولڈر پہ آنکھیں جھکائیں۔ پہلے صفحے کے چند الفاظ پڑھے۔

ایک نظر میں اس کی سمجھ میں آگیا ہاشم اس سے تھرکول کے کوئلہ کی porosity Density اور مونسچرز Content پوچھ رہا تھا اور اس کے تمام لیب ورک کا ڈیٹا مانگ رہا تھا جو ان کے پراجیکٹ کو Scale up کرنے کے لیے ضروری تھا۔

"میرا جواب ناں میں ہے' تم جا سکتے ہو۔" فولڈر بے زاری سے واپس ڈالا۔ ہاشم چند لمحے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم وہ گفتگو بھول گئے ہو غالباً" جو پچھلی دفعہ یہاں آکر میں نے کی تھی؟" گود میں رکھی سعدی کی مٹھیاں بھینچ گئیں' مگر اس نے خود کو ٹھنڈا رکھنا چاہا۔ (نہیں سعدی' وہ تمہیں توڑنا چاہتے ہیں۔ تم کو نہیں ٹوٹنا۔)

"وہ گفتگو' جس میں تم نے میرے خوف سے مجھے مفلوج کر دیا تھا؟"

"میں وہ ایک۔۔۔ ایک لفظ دوبارہ دہرا سکتا ہوں' مگر تمہیں تکلیف ہوگی بچے! اور میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تمہارا محبت کا فلسفہ تمہارے ہی طرح کرپٹ ہے۔ تم اپنے محبوب لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تم نے کبھی نوشیرواں کو بڑا نہیں ہونے دیا' وہ ایک ایک چیز کے لیے تمہارا محتاج ہے۔ تم نے شہرین کے ساتھ بھی یہی کیا۔ اسے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ تم مجھے پسند کرتے ہو' میں جانتا ہوں کیونکہ مجھے تو سب پسند کرتے ہیں۔" کندھے اچکا کر بظاہر لاپروائی سے بولا۔ دل میں ابلتے غصے کو دبانے کی کوشش کی۔ "تم نے مجھے اس لیے نہیں بچایا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ تم اپنے بھائی کو گلٹ سے بچانا چاہتے تھے اور مجھے اس کی کمپنی کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے مگر۔۔۔ میں۔۔۔" رک رک کر بولا۔ "میں نوشیرواں۔۔۔ نہیں ہوں۔"

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

"تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ سوچ لو۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ مجھے واپسی پہ یہ کاغذ بھرے ہوئے ملنے چاہئیں' ورنہ تمہاری ہٹ دھرمی کی قیمت تمہاری بہن ادا کرے گی۔"

سعدی نے سختی سے میز پہ ہاتھ جما دیے۔ پھر خود کو روکا۔ اس نے ایک مہینہ اس دن کے لیے مشق کی تھی۔ وہ اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جاؤ اپنے کام بھگتاؤ۔"

"تین گھنٹے!" ہاشم نے کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے تنبیہہ کی اور گارڈز کو اشارہ کرتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس کمرے میں موجود تھا مگر اب کی بار انہوں نے کمرے کا صرف شیشے کا دروازہ بند کیا' دوسرا لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ یہ اسی دن سعدی کو

معلوم ہوا تھا کہ اس کے کمرے کے دو دروازے تھے۔ لکڑی کا اندر کی طرف کھلتا۔ شیشے کا باہر کی طرف۔ لکڑی کے دروازے پہ دو لاکس لگے تھے' اور شیشے والے پہ نمبر زپیڈ۔ یعنی وہ کوڈ سے کھلتا تھا۔
اب وہ بیڈ پہ بیٹھا لاؤنج نما کمرے میں مستعد گارڈز دیکھ سکتا تھا۔ فولڈرز اور پین بیڈ پہ ساتھ رکھے۔ اور

میری قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔
"وہ جو کہہ رہا ہے' کرے گا بھی ضرور۔"
"جب مشورہ مانگوں تب دینا۔ ابھی مجھ سے بات مت کرو۔" منہ پھیر لیا۔ میری سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆
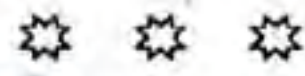
کون قاتل بچا ہے شہر میں فیضؔ
جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی

ہارون عبید کے گھر کے آرام دہ اور کوزی لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا اور وہ صوفے پہ بیٹھے چند کاغذات دیکھ رہے تھے۔ ساتھ آبدار بیٹھی گاہے بگاہے ان کو دیکھتی تھی' جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ تبھی ایرانی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور جست لگا کر آبدار کی گود میں بیٹھ گئی۔ ہارون نے (اونہوں) خفگی سے بلی کو دیکھا' پھر اسے۔
"آبی! اپنی بلیوں' گھوڑوں اور پرندوں کو گھر کے اندر مت لایا کرو۔" ٹوکا مگر نرمی سے اور کاغذ دیکھنے لگے۔ آبدار نے تو جیسے سنا ہی نہیں' آلتی پالتی کر کے اوپر ہو بیٹھی' اور بلی کی نرم کھال پہ ہاتھ پھیر کر کہنے لگی۔
"بابا! آج آپ اتنے دن بعد دوپہر میں گھر پہ ہیں۔ ایسا کرتے ہیں میں چائنیز بنا لیتی ہوں' پھر ہم ساتھ لنچ کریں گے۔ ٹھیک؟"
"نہیں مجھے ایک لنچ پہ پہنچنا ہے ابھی۔ یاد آیا' مسز کاردار نے ویک اینڈ پہ ہمیں کھانے پہ بلایا ہے۔ تم چلو گی؟"

اور انہوں نے دیکھا ہی نہیں کہ چائنیز کا پلان کینسل ہونے پہ آبی کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھ گئی ہے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ "میرا دل نہیں ہے جانے کا۔ اس دن بھی تو گئی تھی نا ہاشم کی عیادت کے لیے۔ اب اگر وہ لوگ آئے تو پھر جاؤں گی۔ روز روز جانا اچھا نہیں لگتا۔"
"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کاغذات دیکھتے رہے۔

آبدار سر جھکائے بلی کو ست روی سے سہلاتی رہی۔ "مسز کاردار کو آپ کا تحفہ کیسا لگا؟ آپ نے بتایا نہیں۔" دل کو پھر سے جوڑ کر گفتگو کا آغاز کیا۔
"اتنا قیمتی بریسلیٹ کسے اچھا نہیں لگے گا؟"
"میں اس شعر کی بات کر رہی ہوں بابا جو آپ نے مجھ سے لکھوایا تھا۔ من خشت بہ ملکہ داد۔"
"میں نے تمہیں انگریزی میں لکھنے کے لیے کہا تھا' تم نے فارسی میں لکھ دیا۔"
"کوئین کی سمجھ میں آ گیا ہو گا۔ خیر' کیسی ہیں وہ؟ آپ لوگ ابھی بھی اپنے کارٹیل میں ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔"
تب ہی ہارون کا فون بجا۔ آبدار نے اچک کر اسکرین دیکھی۔ ہاشم کاردار کالنگ۔
"اوہ۔ پہلے میں بات کر لوں۔ میں نے اسے اس دن سے کال بیک ہی نہیں کی۔" اس نے موبائل لینا چاہا مگر ہارون نے سختی سے فون پیچھے کر لیا۔ "یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔" ایک دم سارے کاغذ چھوڑ کر وہ فون کان سے لگائے اٹھ گئے۔ آبدار متعجب سی بیٹھی رہی۔ پھر کاغذوں کو دیکھا۔ وہ محض بلز تھے۔ تو بابا اتنی دیر سے ہاشم کی کال کا انتظار کر رہے تھے؟
"شش" بلی کو تھپک کر بھگایا اور پھر ننگے پاؤں سبج سبج کر چلتی ان کے پیچھے آئی۔ وہ گیلری سے گزر کر اسٹڈی روم میں چلے گئے تھے اور اب دروازہ بند تھا۔ وہ دبے قدموں دروازے تک آئی اور اسے ہلکا سا دھکیلا۔ بنا آواز کے وہ ذرا سا کھلا۔ ہارون دوسری طرف رخ کیے بات کر رہے تھے۔ آبدار آنکھوں میں معصوم سی

شرارت لیے تکتی رہی۔ اس کی برتھ ڈے اگلے ماہ تھی۔ ہاشم اس کی سالگرہ پہ انوکھے تحفے بھیجا کرتا تھا۔ بابا بھول جاتے تھے تو کیا ہوا؟ ہو سکتا ہے اس سال وہ

"تمہارا تھرکول والا Scientist (سائنس داں) کہاں تک پہنچا ہاشم؟" وہ کہہ رہے تھے۔
"تمہیں یقین ہے وہ تمام معلومات فراہم کردے گا؟ ذرا ٹھہرے۔" "میں جلدی اس لیے مچا رہا ہوں کیونکہ

ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں چائنیز رجسٹرڈ کمپنی جلد از جلد شروع کرنی ہے۔" وہ ناخوشی سے کہہ رہے تھے۔ آبدار کی آنکھوں کی شوخی الجھن میں بدلی۔

"میں نے لڑکے کو ملک سے باہر بھیجنے اور اس کو اپنے سیف ہاؤس میں رکھنے میں تمہاری جتنی مدد کی تھی' اب تم بھی اتنی ہی جلدی مجھے کوئی رزلٹ دو ہاشم!"

وہ مڑنے لگے تھے۔ آبدار فوراً" الٹے قدموں واپس بھاگی البتہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
یقیناً" بابا کوئی غلط کام نہیں کر رہے' وہ کسی سائنسدان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کیا؟ مگر سر جھٹک دینے سے وہ سوچیں جھٹکی نہیں جا رہی تھیں' وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو' وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے' جب تاج اچھالے جائیں گے

ہاشم واپس آیا تو گارڈز ہتھکڑی لگے سعدی کو لیے اس کے سامنے آئے اور کرسی پہ بٹھایا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کروفر سے بیٹھے ہاشم کاردار نے سر کو خم دیا۔ وہ ان ہی خاموش چبھتی نظروں سے ہاشم کو دیکھتا رہا۔ ایک گارڈ نے کاغذات لا کر میز پہ رکھے اور ساتھ قلم بھی۔
"چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔ تم نے ابھی تک لکھنا شروع نہیں کیا۔" نارمل انداز میں سوال کیا۔
"میں جواب دے چکا ہوں۔" لڑکے کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔
"کیا چاہتے ہو؟ تمہاری بہن کو تمہارے سامنے فون کروں؟ اوہ سعدی!" افسوس سے سر جھٹکا۔ "کیوں مجھ سے ایسے کام کروانا چاہتے ہو جنہیں کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے۔"
سعدی کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "بار بار میری

بہن کا نام مت لو۔" وہ غرایا تھا۔ "تم یہ سب اس لیے کر رہے ہو ناکہ میں اپنی فیملی سے بدظن ہو جاؤں۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہو گا ہاشم!"
"حالانکہ ایسا ہو جانا چاہیے' کیونکہ تمہاری فیملی تمہیں بھول کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہے۔ اگر میرا بھائی کھویا ہوتا تو میرے پاس الفیشو چلانے کا وقت نہ ہوتا' مگر تمہاری بہن۔۔۔"
وہ ایک دم بھوکے شیر کی طرح ہاشم پہ جھپٹا تھا۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑ کر اس کی گردن دبوچنی چاہی' مگر ہاشم نے سختی سے اسے پیچھے دھکیلا۔ گارڈز نے بروقت اسے قابو کیا۔ وہ سرخ' پسینے سے تر چہرے سے چلا رہا تھا۔
"اللہ غارت کرے تمہیں' اللہ برباد کرے تمہیں۔" اس کی سرخ آنکھیں کھلی تھیں اور چلانے کے باعث آواز بیٹھ گئی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے کالر جھٹکے' میری نے جلدی سے رومال لا دیا' جس سے اس نے گردن تھپتھپائی جہاں ذرا سی خراش پڑ گئی تھی۔
گارڈز سعدی کو زبردستی بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تیز تیز سانس لیتا ہانپتے ہوئے مسلسل چلا رہا تھا۔ ہاشم رومال رکھ کر چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔
"اپنی جذباتیت کو پرے رکھ کر میری بات سنو۔۔۔ کان کھول کر۔" آنکھوں میں سختی لیے وہ بولا تھا۔ "تم یہاں اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہو' تمہیں اپنے سے

بڑے دشمن نہیں بنانے چاہیے تھے مگر تم نے بنائے۔ اب اپنے خاندان کو اپنی غلطیوں کی سزامت دو۔ پندرہ منٹ پہلے میں نے تمہاری بہن کو میسج کیا تھا کہ مجھے اس سے ملنا ہے۔ گھر میں نہیں 'ایک ہوٹل میں۔" وہ موبائل نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا' نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کہا کہ میرا ڈرائیور اسے پک کرلے گا۔ اسے نہیں معلوم کہ میں ملک سے باہر ہوں۔" اسکرین اس کے سامنے کی۔ "اس کا آڈیو میسج آیا ہے۔

یہ اصلی ہے۔ خود سن لو۔" سعدی کی نظریں اسکرین پہ ٹھہریں۔ اس پہ واٹس ایپ کی گفتگو کھلی تھی۔ اوپر "حنین یوسف" لکھا تھا۔ ہاشم نے نگاہیں سعدی پہ جمائے پلے کا بٹن دبایا۔

"اوکے ' میں آجاؤں گی ' آپ ڈرائیور بھیج دیں۔ میں ریسٹورنٹ میں ہوں۔ مجھے واپس بھی ادھر ڈراپ کروایئے گا۔ مجھے بھی آپ سے بات کرنی ہے۔ بائے!" حنین کی مصروف سی آواز ختم ہوئی۔ سعدی کا دل کانپ کر رہ گیا۔ ہاتھوں میں لگی ہتھکڑیاں کیا ہوتی ہیں' کوئی اس سے پوچھتا۔

"سو سعدی یوسف ...! میرا ڈرائیور ٹھیک بیس منٹ بعد اس کو پک کرنے جائے گا اور ایک ہوٹل میں چھوڑ دے گا۔" سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتانے لگا۔ "ڈونٹ وری' تمہاری بے وقوف بہن کو کچھ نہیں ہو گا مگر میرے گارڈز اسے وہیں بند کر دیں گے اور صبح سے پہلے اس کو لوٹنے نہیں دیں گے۔ اور تمہاری جیسی فیملیز میں ایسا ایک واقعہ اس بچی کی ساری زندگی برباد کر سکتا ہے۔ سو اب سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" خود بھی پیچھے ہو کر بیٹھا اور تسلی سے جیسے اسے مژدہ سنایا۔

"اللہ برباد کرے تمہیں۔"

"اگر تمہیں یقین نہیں ہے۔ تو یہ نمبر دیکھ لو۔ یہ تمہاری بہن کا ہی نمبر ہے۔ مگر شاید اس نے تمہارے جانے کے بعد لیا تھا۔" اس کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے حنین کے نام پہ کلک کیا تو اس کی پروفائل کھل گئی۔

سعدی کی بے بسی بھری غصیلی نظریں ہاشم سے ہوتی اسکرین پہ ٹھہریں۔

اسکرین پہ حنہ کی پروفائل پکچر تھی۔ اس کی اور سیم کی سیلفی۔ نیچے ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کا واٹس ایپ اسٹیٹس۔

"واوحی ربک الی النحل!" (اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف) ساتھ میں ایک ویڈیو کیمرے کا نشان اور لکھا تھا۔

Updated 6 mins Ago۔ سعدی ایک دم چونکا۔ ہاشم کو دیکھا۔

"آڈیو دوبارہ سناؤ۔" ہاشم نے حکم کی تعمیل کی۔ آڈیو پلے کی مگر سعدی صرف آڈیو کا وقت دیکھ رہا تھا۔ وہ بیس منٹ پہلے کی تھی۔ حنین کی آواز اس کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ صرف اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

بیس منٹ پہلے؟ پچیس منٹ پہلے؟ کیمیکل انجینئر نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ جواب گھمانے کا نہیں تھا۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں، مگر اب ان میں نہ غصہ تھا، نہ نفرت، نہ بے بسی بھرا دکھ۔

ان میں کوئی عجیب سا تاثر تھا۔ ٹھنڈے گوشت جیسا۔

پھر سعدی نے گہری سانس لی اور ذرا پیچھے کو ہوا۔

"سو؟" کندھے اچکائے۔

"سو جتنی جلدی تم یہ کاغذ پُر کردو گے، اتنی جلدی میرے بندے تمہاری بہن کو عزت اور حفاظت سے واپس چھوڑ دیں گے۔"

سعدی ان ہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم چاہو تو میری بہن کو اغوا بھی کرسکتے ہو مگر تم ایسا نہیں کرو گے، تم کوئی لوور جرم افورڈ نہیں کرسکتے اور چاہتے ہو کہ میری نظروں میں میری بہن کو گراؤ۔ ہے نا؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔ اس کی آواز میں کاٹ تھی۔

ہاشم دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی میں پہلی دفعہ خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھو۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہا تھا۔ "اب جب اپنی بہن کو بچانے کے لیے تم یہ کاغذ پُر کرکے ایک جرم کرو گے، تو تمہیں احساس ہوگا کہ انسان کو اپنے خاندان کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ پھر تم جانو گے کہ تم ہیرو نہیں ہو، میں ولن نہیں ہوں۔ بلکہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔" زخمی سا مسکرایا۔ "آج ہم برابر ہوجائیں گے سعدی! کیونکہ جو کرنا ہوتا ہے، وہ کرنا پڑتا ہے۔"

سعدی بھی آگے کو ہوا۔ (گارڈز فوراً" چوکس ہوئے) مگر اب وہ ہاشم پہ حملہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا تھا۔

"میں اور تم۔۔۔ برابر نہیں ہیں کیونکہ میں۔۔۔" کاغذ پرے دھکیلے۔ "ان کو پُر نہیں کروں گا۔"

"اور بے غیرت بننا پسند کرو گے؟ اپنی بہن کا کوئی خیال نہیں ہے؟" اس نے گویا ملامت کی۔ سعدی پیچھے ہوا۔ مسکرایا۔

"میری بہن تم سے ملنے نہیں آئے گی۔"

"یہ آڈیو جعلی نہیں تھی۔ یہ اصلی تھی۔ میرا ڈرائیور اب تک نکل چکا ہوگا۔ تمہاری بہن واقعی آ رہی ہے۔"

"مجھے پتا ہے، یہ آڈیو اصلی ہے مگر۔۔۔ میری بہن نہیں آئے گی۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہاشم نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"مجھے اس لڑکی پہ ترس آرہا ہے۔ تم اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔ خیر، تم سوچ لو۔ ہمارے پاس پوری رات ہے۔" گردن کی خراش کو مسلتے ہوئے وہ سکون سے بولا اور دور رکھی میری کو لگا، سعدی پھر سے اس پہ جھپٹے گا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

"وہ ابھی تمہیں کال کرے گی، اور کہے گی کہ تم گاڑی نہ بھیجو۔ تمہارے ڈرائیور کو خالی ہاتھ آنا پڑے گا کیونکہ فارس غازی کی بہن کے ریسٹورنٹ سے تم ایک لڑکی کو زبردستی تو لے جا نہیں سکتے۔" اس کا اعتماد واپس آرہا تھا۔ ہاشم کو پہلی دفعہ اچنبھا ہوا۔ وہ کیا مس کر رہا تھا؟

"تم نے شاید غور سے سنا نہیں، تمہاری بہن میری بارت رد نہیں کرسکتی، وہ۔۔۔" جیب میں اس کا موبائل بجا۔ وہ ایک دم رکا۔ سعدی کی زخمی مسکراہٹ پھر سے نمودار ہوئی۔

"اٹھاؤ ہاشم کاردار، اور اسپیکر آن رکھو، کیونکہ میری بہن ابھی تم پہ غرائے گی اور میں وہ سننا چاہوں گا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے مگر اپنا شوق پورا کرلو۔" وہ اسی کروفر سے اٹھا اور گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ اس کا ہر اشارہ پہچانتے تھے، اس سے سعدی کو اندازہ ہوا کہ وہ اس قید خانے میں لایا جانے والا پہلا قیدی نہیں تھا۔ یہ کوئی ویئر ہاؤس تھا، جو سیف ہاؤس کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

گارڈز اسے واپس اس کے کمرے میں لے آئے۔

لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا' اور شیشے کا دروازہ مقفل کر دیا۔ سعدی بیٹھا نہیں' دروازے کے ساتھ کھڑا رہا۔ دیوار میں لگا انٹر کام کی طرح کا اسپیکر ایک گارڈ نے چلا دیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ ہاشم نے اپنے سیل کو کس طرح اس سے جوڑ رکھا تھا' مگر اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس اسپیکر سے اس کو ان کی گفتگو سنائی دے سکتی تھی مگر سعدی کی آواز نہیں جا سکتی تھی۔

ہاشم کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ جب دروازہ بند ہو چکا اور اس نے اپنے قیدی کو شیشے کے دروازے پہ ہاتھ جمائے' خود کو دیکھتے پایا تو کال اٹھالی۔

"ہیلو حنین!" خوشگوار لہجے میں بولا۔ نظریں شیشے کے پار سعدی پہ جمی تھیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ گہرے سانس۔

"حنین؟" ہاشم نے پھر پکارا۔

"آپ نے ڈرائیور بھیج دیا؟" سپاٹ سا انداز تھا۔

"ہاں! بھیجنے والا ہوں۔ تم تیار ہو؟" طنزیہ نظروں سے سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر خاموشی۔

"نہیں' میں نہیں آ رہی۔ ڈرائیور کو مت بھیجیں۔"

سعدی کی اٹھی گردن مزید اٹھ گئی۔ ہاشم پہ جمی چبھتی نظروں میں ملامت در آئی۔

ہاشم کار دار کو ایک دم گردن کی خراش میں شدید درد ہوا۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا تم۔۔۔"

"مجھے پتا ہے میں نے کیا کہا اور اب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نہیں آ رہی' سو نہیں آ رہی' بات ختم۔"

شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے سعدی نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

"کیا مطلب؟ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی حنین۔" ہاشم کا گلا بند ہو رہا تھا۔ میز پہ رکھے کاغذ دیکھتے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ ہارون کو کیا جواب دے گا؟

"رات کو گھر آیئے گا' ماموں کے سامنے کر لیجیے گا جو بات بھی ہو۔ آخر آپ ماموں کے کزن ہیں' اتنا تو حق ہے نا آپ کا۔" وہ سرد مہری مگر گیلی سی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "اور پلیز مجھے بے وقت کال مت کریں۔ میں آپ سے رشتے دار سمجھ کر کبھی بات کر لیتی ہوں تو آپ اس کا غلط فائدہ مت اٹھایا کریں۔"

ہاشم نے متعجب ہو کر دروازے کو دیکھا۔ سعدی اسی طرح وہاں کھڑا تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ ایک دم سب غلط ہو رہا تھا۔

"تمہیں دس منٹ میں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔ کسی نے منع کیا ہے مجھ سے ملنے کے لیے آنے کو؟" وہ ذرا غصے ہوا۔

شیشے کے پار کھڑے سعدی کی نظریں۔ ہاشم کا چہرہ احساس توہین سے سرخ پڑنے لگا۔

"ہاں۔ کیا ہے منع! میرے بھائی نے منع کیا ہے۔"

ہاشم کا سانس رک گیا۔ وہ بالکل پلک جھپکے بنا سعدی کو دیکھے گیا۔

"سعدی۔ تمہاری سعدی سے بات ہوئی ہے؟" وہ اگلی دس زندگیوں میں بھی اس بات پہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔ سعدی تو سارا وقت اس کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔ تو پھر۔۔۔؟

"ہاں ہوئی ہے میری سعدی بھائی سے بات۔ اب پلیز۔ مجھے ڈسٹرب مت کریں۔" اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔

ہاشم نے بمشکل "ہیلو" کہا۔ پریشانی سے' تعجب سے۔ چند لمحوں کے لیے اسے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے' صرف یہی یاد تھا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا ہے' اور اس کا دل حیرت اور صدمے سے دھڑکنا بھول چکا ہے۔ فون کان سے ہٹا کر جھو اٹھایا۔

شیشے کے دروازے کے پار کھڑا سعدی آنکھوں میں چبھن بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاشم تیزی سے آگے آیا'

کوڈ دبا کر دروازہ کھولا' اور اسے گریبان سے پکڑ کر سامنے کیا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟ ہاں؟" تعجب اور غصے سے وہ چلایا تھا۔ "دس منٹ میں کیا بدل دیا ہے تم نے؟ اس (گالی) نے میرے منہ پہ فون بند کر دیا۔"

"فاذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم" (پھر جب تم قرآن پڑھو تو پناہ مانگا کرو دھتکارے ہوئے شیطان سے) سعدی تیز تیز سانسوں کے درمیان بولا تھا۔

ہاشم نے اس کو گریبان سے جھٹکا دے کر چھوڑا اور ان ہی بے یقین نظروں سے دیکھتا پیچھے ہوا۔

سعدی واپس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے ٹھہرے، تھکے سانس لے کر خود کو پرسکون کر رہا تھا۔ "بے شک اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا ان لوگوں پہ جو ایمان لائے..." اپنی پیشانی ہتھیلیوں پہ گرائے، وہ چہرہ جھکائے، آنکھیں بند کیے پڑھ رہا تھا۔ "اور جو اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔"

ہاشم ان ہی بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"بے شک (اس) شیطان کا زور ان ہی لوگوں پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں..." (سورۃ نحل) اس کی آواز دھیمی ہو رہی تھی۔ ہاشم تر پیشانی اور حیرت زدہ آنکھیں لیے دروازے تک پیچھے ہٹ گیا۔

"آج کے بعد تم میری بہن کو میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتے' اس لیے اگلی دفعہ مجھے دھمکانے آنا تو کوئی اور طریقہ ڈھونڈنا۔" وہ بلند آواز سے کہہ کر گویا اسے چیلنج کر رہا تھا۔

"تم... تمہاری بہن... فارس... سب اس کی سزا بھگتو گے۔ تم انتظار کرو۔" چوکھٹ تک رکا اور زور سے غرایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور گردن کی خراش دہک رہی تھی۔ آستین سے تر پیشانی رگڑی اور مڑ کر باہر نکلتا گیا۔

سعدی ابھی تک زیر لب کچھ پڑھ رہا تھا مگر اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ سنائی نہ دیتی۔ پورے زنداں خانے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ پھر میری اس کے پاس آئی۔

اسے پانی لا کر دیا۔

"تم نے کیا کیا سعدی؟"

سعدی نے بجھا ہوا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم نہیں سمجھو گی۔"

میری کی آنکھوں میں تاسف در آیا۔ "جب تم سات سال پہلے قصر کاردار آئے تھے تو تمہارے آگے دروازہ میں نے کھولا تھا۔ اگر نہ کھولتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" سعدی کچھ کہے بنا پانی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں 'اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں' تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

سعدی اور اس کے زنداں خانے کو وہیں چھوڑ کر ہم چند منٹ پیچھے واپس اسلام آباد کے اس ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں جہاں اوپری کمرے میں حنین بیٹھی' رجسٹر پہ پھول بوٹے بنا رہی تھی۔ وہ آیت ہنوز لکھی موجود تھی' مگر حنین کو جب کچھ خاص سمجھ نہ آیا تو غور و فکر کرنا ترک کر دیا۔ تبھی زمر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

"موبائل کمپنی نے بالآخر سگنل رپورٹ بھیج ہی دی۔" وہ اندر سے کاغذ نکالتے ہوئے دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مگر بھائی کا موبائل سگنل آخری دفعہ ہماری کالونی میں آن ہوا تھا' یہ بتایا تو تھا پولیس نے۔"

"ہاں مگر اس کا واٹس ایپ اگلے دن بھی آن ہوا تھا' بائیس مئی کو' پولیس نے یہ نہیں بتایا۔ اس لیے میں نے کمپنی سے رابطہ کیا تھا۔ سست روی سے سہی' کام انہوں نے کر دیا۔ تم تو کر کے دینے پہ تیار نہیں تھیں۔" وہ طنز نہیں تھا' بس سادگی سے کہا اور صفحے کھول کر چہرے کے سامنے کیے۔

حنین نے خفگی سے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر اس کے قریب آئی اور کاغذ پہ دیکھا۔ پھر دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ علاقہ... یہ تو وہی ہے پھپھو جہاں ہم اب رہتے ہیں۔"

اور جہاں کاردار رہتے ہیں۔ زمر سوچتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔ حنین الجھ کر رہ گئی۔

"سعدی کو آخری کال ہاشم کی طرف سے کی گئی ہے۔ دیکھو۔ یہ پولیس کی رپورٹ میں نہیں تھا۔" وہ دکھا رہی تھی۔

"اس رات ہم سب ہی بھائی کو کال کر رہے تھے۔"

"مگر ہاشم کی کال کے وقت فون قصر کاردار یا ہماری انیکسی کے آس پاس تین کلومیٹر کے علاقے میں تھا۔ دوبارہ وہ بارہ بجے کے بعد آن ہوا، تقریباً" رات کے تین بجے۔ تب بھی وہ اسی علاقے میں تھا۔ اس کا واٹس ایپ بھی تب ہی آن ہوا ہو گا۔" کاغذ رکھ کر وہ سنجیدگی سے حنین کو دیکھنے لگی۔

"سعدی کی دو چیزیں کھوئی تھیں۔ کی چین اور موبائل۔ کی چین ممکنہ طور پر اس گواہ لڑکی کے پاس تھا مگر سیل فون کس کے پاس تھا؟ اور وہ اسے اس علاقے میں کیوں لے کر گیا؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ صرف ایک گواہ نہ ہو بلکہ قصرِ کاردار میں سے بھی کوئی گواہ ہو۔" چند لمحے سوچا۔

"نوشیرواں اس دن سے متضاد باتیں کہہ رہا ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی وہاں موجود ہو۔ ظاہر ہے وہ سعدی کا دوست ہے، وہ..."

"نہیں، وہ بھائی کا دوست نہیں ہے۔" وہ ایک دم بولی۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ "مگر... سب جانتے ہیں کہ وہ دونوں دوست ہیں۔"

"میں باقی سب سے زیادہ جانتی ہوں بھائی کے بارے میں۔ میں نے سگنل ڈھونڈنے میں مدد نہیں دی مگر پچھلے چار سال سے، جب نہ فارس غازی ادھر تھا، نہ زمر یوسف، تب حنین ہی تھی جو سعدی کے ساتھ تھی اس لیے وہ دوست نہیں تھے۔" قطعیت سے بتایا اور یہ بھی طنزنہ تھا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"وجہ؟"

"وہ کسی لڑکی کو شیرو تنگ کرتا تھا، اس لڑکی نے اپنے منگیتر سے شیرو کو پٹوایا۔ بھائی نے سامنے موجود ہونے کے باوجود شیرو کی کوئی مدد نہیں کی۔ آرام سے بیٹھا رہا۔ اس پہ وہ بھائی سے خفا ہو گیا۔"

"مگر سعدی نے کوئی مدد کیوں نہیں کی؟"

"پتا نہیں۔ پھر بعد میں وہ ڈرگز لیتا تھا تو بھائی نے اس کی شکایت اس کی ممی کو لگائی، پھر میں نے اس کے اغوا کا پول کھولا۔ شیرو بھائی تو تب سے ہمارے جانی دشمن ہیں۔"

"تم نے پہلے نہیں بتایا۔"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا خیال ہے کہ... شیرو سعدی کو گولی مار سکتا ہے؟"

"ارے نہیں... اس سے تو اغوا بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا، گولی کہاں مار سکتا ہے کسی کو۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ وہ دوسرا گواہ ہو سکتا ہے مگر بھائی سے بغض کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ خاموش ہو۔"

"جو بھی ہے، تم مجھے شام میں وہ پین چارج کر کے دو گی، ہو سکتا ہے اس میں کچھ اہم ہو۔" پھر واپس گھوم کر دوبارہ سے کاغذ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا چیز ہے حنین! نظر بھی نہیں آتا مگر اتنا مضبوط ہے کہ ختم ہو جانے کے بعد بھی اپنا نشان نہیں کھوتا۔"

حنین نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور رُخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ الجھی نگاہوں سے اس آیت کو دیکھنے لگی۔ تبھی موبائل بجا۔ اس نے بےزاری سے دیکھا۔ ہاشم کا پیغام تھا۔ اسے ملنے کے لیے بلا رہا تھا۔ وہ ٹائپ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ گردن موڑ کر دیکھا، زمر فون پہ کسی وکیل سے بات کرتی اٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ چلی گئی تو حنین نے پیغام ریکارڈ کر کے اسے بھیجا۔ ملنا ہی تھا تو آدھے گھنٹے کے لیے وہ مل لے گی اور

حلیمہ والی بات بھی کلیئر کرلے گی۔ اور پھر سے رجسٹر کے کنارے پھول بوٹے بنانے لگی۔ وہ آیت ابھی تک صفحے پہ جگمگا رہی تھی۔ واوحی ربک الی النحل۔

شہد میں شفا ہے 'مگر۔۔۔ دل کی بیماری کی شفا شہد میں کیسے ہے؟ اس آیت میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ مگر کون سی نشانی؟ وہ سوچتی جارہی تھی۔ ذہن میں زمر کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین۔۔۔"

شہد کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ عسل؟ اس نے ذہن سے اس آواز کو جھٹکتے ہوئے آیت پہ توجہ دی۔ ہو سکتا ہے "عسل" کا کوئی اور مطلب بھی ہو۔ کہتے ساتھ اس نے عسل کا لفظ آیت میں ڈھونڈنا چاہا۔

"یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے۔۔۔"

مگر ایک منٹ۔ وہ اچھی۔ عسل کا لفظ تو آیت میں تھا ہی نہیں۔ آیت میں شہد کا لفظ تو تھا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف "مشروب" (شراب) لکھا تھا۔ پھر۔۔۔ وہ شہد کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟"

"یہ موبائل سگنل بھی۔۔۔"

وہ صفحہ اپنے قریب لائی۔ آنکھوں کے بالکل قریب پلکیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ غلط شے کو تلاش رہی تھی۔ وہ "آیت عسل" نہیں تھی۔ وہ "آیت نحل" تھی۔ موضوع شہد نہیں تھا' موضوع شہد کی مکھی تھا۔ ہنی بی۔

زمر ساتھ آکر بیٹھی اور اپنا کام کرنے لگی۔ حنین اسی طرح صفحے کو دیکھ رہی تھی۔

(سعدی بھائی بھی مجھ سے ایک دفعہ پوچھ رہے تھے۔)

(یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین۔)

وہ متحیر سی بڑبڑائی۔ "موبائل سگنل۔"

"سوری؟" زمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' اسے لگا حنہ نے اسے پکارا ہے' مگر حنین اس وقت کسی اور دنیا میں تھی۔ اس نے نہیں سنا۔ بس تیزی سے اٹھی اور زمر کے آگے رکھا سعدی کا لیپ ٹاپ اٹھایا' اور اسے اپنی میز پہ لے آئی۔ بے قراری سے وہ جلدی جلدی کیز دباتی فیس بک کھول رہی تھی۔

سعدی کا فیس بک پہ دوستوں کا ایک گروپ تھا' چھوٹا سا' جہاں وہ ہر ہفتے اپنی ایک سیلف ویڈیو پوسٹ کرتا تھا' اس میں وہ کسی منتخب آیت کی اپنی سمجھ اور علم کے لحاظ سے تفسیر بیان کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اس نے سال بھر پہلے چھوڑ دیا تھا' جاب کی مصروفیت کی وجہ سے مگر وہ ویڈیوز اب بھی اس گروپ میں تھیں۔ حنہ اس گروپ میں تھی مگر چونکہ وہاں سعدی کے دوست تھے سو اس کو کمنٹ کرنے کی اجازت بھائی کی طرف سے نہیں تھی لیکن ویڈیوز وہ دیکھا کرتی تھی' نیٹ چھوڑنے کے بعد بھی وہ ان ویڈیوز کو تب دیکھ لیتی جب بھائی امی کو دکھاتا۔۔۔ اسے لگتا تھا وہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے' لیکن آج وہ دونوں کانوں کے درمیان کچھ اٹک گیا تھا۔

مطلوبہ صفحہ کھل گیا۔۔۔ وہ ویڈیو آج بھی وہاں موجود تھی۔ اس کا نام "آیت نحل" تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ویڈیو کھولی۔ کانوں میں ایئر فونز لگائے۔

اسکرین پہ ریسٹورنٹ کی کونے والی میز نظر آنے لگی۔ ایک یا سوا سال پہلے کا سعدی ادھر بیٹھا تھا' اور اسکرین پہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چند ابتدائی فقرے۔ حنہ نے اسکرین کو انگلیوں سے چھوا۔ کتنے دن بعد اس نے سعدی کو بولتے دیکھا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ موضوع پہ آگیا تھا۔

"کل صبح فجر میں سورۃ نحل' پڑھ رہا تھا تو آیات نحل نظروں سے گزریں تو میں نے ان پہ غور و فکر کیا۔ ہم اکثر قرآن میں اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنتے ہیں کہ "اس میں نشانی ہے اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے۔" غور و فکر کرنا کیا ہوتا ہے؟ اس آیت کی تفاسیر پڑھ لینا؟ کیا یہ کافی ہوتا ہے؟ میرے خیال میں نہیں۔" ذرا رک کر سانس لی۔

"غور و فکر کہتے ہیں تفتیش کو' جیسے انگریزی فلموں میں سراغ رساں حضرات چھوٹے چھوٹے کلیوز کا

تعاقب کرتے ہوئے مجرم تک پہنچتے ہیں۔ میرے نزدیک قرآن میں غور و فکر کرنا بھی میٹریل evidence کو فالو کرنے جیسا ہے۔ یعنی ٹھوس شواہد کا پیچھا کرنا۔ ٹھوس شواہد میں ہر وہ چیز آتی ہے جو ٹھوس ہو جسے آپ چھو سکیں۔ جیسے 'ایمان' کفر' شرک' روزہ' نماز' یہ ٹھوس چیزیں نہیں ہیں۔ مگر سمندر' پانی' جانور' شہد' یہ ٹھوس چیزیں ہیں۔ سو' آیت نحل کو پڑھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس میں موجود ٹھوس شواہد کا تعاقب کرتا ہوں۔ شاید تب کچھ سمجھ آئے۔"

وہ سانس لینے کو ٹھہرا اور حنہ بالکل سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

"اس میں مٹیریل چیز شہد تھی' میں چند جگہوں پہ گیا' خالص شہد کے لیے۔ مگر پھر ایک دن مجھے اندازہ ہوا کہ لفظ شہد تو آیت میں لکھا ہی نہیں ہے' یہ آیت عسل نہیں تھی' یہ آیت نحل تھی۔ موضوع نحل ہے' سارا مسئلہ نحل کا ہے۔ تب مجھے ایک بہت دلچسپ بات معلوم ہوئی' مگر اس کے لیے ہمیں پچھلی تین آیات کو ملا کر پڑھنا ہوگا۔" اب اس نے میز پہ رکھا قرآن کھولا اور اس میں سے دیکھ کر بتانے لگا۔

"ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی ڈرنکس کا ذکر کیا ہے۔ ایک ایک کر کے سب کو دیکھتے ہیں۔"

وہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر آیت پڑھنے لگا۔ "اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی' پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ بے شک اس میں البتہ ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور سے سنتے ہیں۔" چہرہ اٹھایا اور اپنی اسی معصوم مگر پیاری مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"اب بظاہر یہ زمینداروں اور کسانوں سے متعلقہ آیت لگتی ہے کہ کیسے بارش کے بعد بنجر زمین زرخیز ہو جاتی ہے' مگر جو لوگ سنتے ہیں' یعنی جو لوگ قرآن کو غور سے سنا کرتے ہیں' ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں عموماً "جب' آسمان سے نازل شدہ پانی" کا ذکر کرتے ہیں' تو اس سے مراد وحی ہوتی ہے۔ وحی الٰہی۔" قدرے توقف سے کہنے لگا۔

"وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو قرآن' اور الہامی کتابوں کی صورت میں۔ اللہ بندے سے مخاطب ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ پردے کے پیچھے سے خود بندے سے مخاطب ہو' جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پہ ہوتا تھا' یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقعے پہ ہوا تھا۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ اپنے فرشتے کو انسان کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجے۔ اس تیسری وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جو انبیاء کے پاس جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اترا کرتی تھی۔ اور دوسری "الہام" یعنی دل میں خیال کا ڈالے جانا۔ یہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھیے 'الہام شیطانی بھی ہو سکتا ہے' اور فرشتے کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے' اس کو جج آپ شریعت کے اصولوں پہ ہی کریں گے۔ یہی الہام موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا تھا جس کی بناء پہ انہوں نے اپنا بچہ نیل میں اتارا تھا' اور یہی شہد کی مکھی کو ہوا تھا' یعنی اس کے دل میں خیال ڈالا گیا تھا۔" چند لمحے کے لیے رک کر قرآن کو دیکھا۔

"تو ان پانچ آیات میں پہلی قسم کا ڈرنک "پانی" ہے۔ وحی الٰہی جو آسمان سے اترتی ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ کوئی بھی چیز دل کو ایسے زندہ نہیں کرتی جیسے قرآن کرتا ہے اور کوئی بھی چیز ایسے دل مردہ نہیں کرتی جیسے اونچے قہقہے کرتے ہیں۔"

پھر صفحہ پلٹا۔ "اگلی آیت دیکھتے ہیں۔" پہلے عربی پڑھی' پھر اردو میں بتانے لگا۔

"اور بے شک تمہارے لیے مویشی جانوروں میں ایک سبق ہے۔ ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں' خوشگوار ہے وہ پینے والوں کے لیے۔" سعدی نے چہرہ اٹھایا۔

"بارش وہ چیز ہے' جو فصل پہ ہو یا دل پہ' اس کا فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ بارش کو اللہ نے ہمیشہ رحمت کہا ہے' ہم ڈیم نہیں

بناتے اور پلاننگ نہیں کرتے' اس لیے بارش زحمت بن جاتی ہے' ورنہ بارش تو سراسر فائدہ ہوتی ہے۔ اب دوسری قسم کی چیز دیکھیے۔ دودھ۔" وہ کہہ رہا تھا اور حنین ہر شے بھلائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب اس طرح کیوں نہیں سمجھ آیا تھا جیسے سعدی کو آیا تھا؟

"دودھ ان اچھی چیزوں کی مثال بیان کرتا ہے جو بُری چیزوں سے نکلتی ہیں۔ خون اور گوبر کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ کا نکلنا' ہمیں یہ بتاتا ہے کہ بُرے سے بُرے حالات میں بھی ہم اپنے خلوص اور پاکیزہ نیت سے راستے نکال سکتے ہیں' اگر ہم چاہیں تو۔ آپ کو معلوم ہو گا وہ واقعہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پیالوں میں سے دودھ کا انتخاب فرمایا تھا۔ کیونکہ دودھ عین فطرت ہے۔ تو فطرت میں کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی' آپ گندگی میں سے بھی اچھی چیز نکال سکتے ہیں۔ اب تیسری ڈرنک دیکھیے۔"

قرآن سے پڑھ کر سنانے لگا۔

"اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بنا لیتے ہو نشہ آور چیزیں (شراب) اور اچھا رزق (بھی بناتے ہو)۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لیے جو عقل رکھتی ہے۔"

"تو میرے عقل والے دوستوں' تیسرا مشروب' یعنی شراب بنایا جاتا ہے پاکیزہ پھلوں سے۔ کھجور جیسے شجر طیبہ سے بھی بُری چیزیں بن سکتی ہے۔ یہ سب آپ کے اوپر ہے۔ آپ اچھی چیز سے بھی بُری بنا سکتے ہیں' اور بُری سے بھی اچھی نکال سکتے ہیں۔ اس لیے چیزوں کا درست استعمال کریں۔ کمپیوٹر سے اچھے کام کیا کریں۔ جو نہیں دیکھنا چاہیے' وہ نہ دیکھا کریں اور جس کی اجازت نہیں ہے' وہ بھی نہ کیا کریں۔ آپ کوئی ناول پڑھ رہے ہیں مگر پیرنٹس نے اجازت نہیں دی ناول پڑھنے کی' تو اسے پڑھ کر آپ پیرنٹس کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں۔ ان کو کنوینس کریں' لیکن چھپ کر مت پڑھیں۔ یہ غلط ہے۔"

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور وحی کی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف۔
کہ بنائے اپنا گھر پہاڑوں پہ
اور درختوں میں' اور اس میں جو وہ پڑھاتے ہیں (اونچی چھتیں)
پھر کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔
پھر چلتی رہ اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔
نکلتا ہے ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے شربت۔
مختلف ہیں رنگ اس کے۔
شفا ہے اس میں لوگوں کے لیے۔
البتہ یقیناً" اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

سعدی چہرہ اٹھا کر واپس کیمرے میں دیکھنے لگا۔ بظاہر یہ ایک بہت سادہ سی آیت ہے۔ اس میں چوتھے مشروب کا ذکر ہے۔ شہد۔ جس کے پینے میں شفا ہے۔ میری ٹیچر کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے "پینے" میں شفا کا ذکر کیا ہے۔ ویسے شہد پینے اور شہد کھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کبھی آزما کر دیکھیے گا۔

ذرا رک کر گہری سانس لی۔ حنین بے قراری سے اس کو دیکھتی اس کے اگلے الفاظ کی منتظر تھی۔

"اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ آبادیوں سے دور' اونچی محفوظ جگہوں پہ اپنے گھر بنائے' پھلوں میں سے کھائے اور آسان راستوں پہ چلے۔ پھر جو اس کے پیٹ سے نکلے گا' شہد' اور ایک دوسری رطوبت بھی وہ شفا بخش ہوتی ہے۔ یہ تو ہو گیا آسان ترجمہ۔

مگر غور و فکر کرنے والے لوگ سادہ ترجمے پہ بس نہیں کرتے۔ ان کو کوئی نہ کوئی مزید مطلب ڈھونڈنا ہوتا ہے اور وقت اور حالات کے ساتھ یہ مطلب بدل جایا کرتے ہیں' قرآن میں وسعت ہے' مگر افسوس کہ قرآن پڑھنے والوں میں وسعت نہیں ہے۔ خیر۔"

صفحے پہ ایک نظر دوڑاتے گردن جھکائی۔

"میں کافی دیر شہد ڈھونڈتا رہا۔ خالص شہد' پھر مجھے اندازہ ہوا کہ خالص شہد ناپید ہوتا جارہا ہے' تو میں شہد کی مکھی کی طرف آیا۔ اس آیت میں ٹھوس شے وہی تھی۔ مجھے اس دوران ایک دلچسپ ریسرچ ملی۔ گو کہ کچھ لوگ اس تحقیق کو نہیں مانتے' اور وہ کہتے ہیں کہ شہد کی کمی کی وجہ biopestides کا بے دریغ استعمال ہے' لیکن میں اس تحقیق کو مان سکتا ہوں' کیونکہ مجھے اس میں اور اس آیت میں ایک لنک نظر آتا ہے۔"

کہنے کے ساتھ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کی تاریک اسکرین کمرے میں دکھائی دی۔

"شہد کیوں ناپید ہوتا جارہا ہے' اس کی وجہ ہے یہ چیز۔ نہیں' بلکہ اس کے گرد چکراتا' ان دیکھا موبائل سگنل۔"

فون رکھا اور پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ موبائل سگنل بہت عجیب چیز ہے' آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں' کوئی آپ کو فون کرے تو یہ آپ کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ عین آپ کے کان کے قریب آجاتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جگہ جگہ اونچے ٹاورز لگے ہوتے ہیں جن سے جڑا ان نادیدہ لہروں کا جال پوری دنیا میں بچھا ہے' یہاں تک کہ دنیا ان ہی کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مگر یہ بری بات نہیں ہے' سیل فون ایک ضرورت ہے' ٹیکنالوجی ہے۔ سب کے پاس ہوتا ہی ہے۔ لیکن۔۔۔"

حنین کی آنکھیں یکدم بھیگنے لگیں۔ اس کو یاد تھا کہ وہ آگے کیا کہے گا' مگر وہ اسے ایسے سنے گی' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"لیکن ہوا یوں کہ شہد کی مکھی اللہ کے حکم پہ دور پہاڑوں' درختوں میں اپنا گھر بناتی ہے۔ وہ سارا دن باہر پھرتی ہے۔ ہر پھول' پھل پہ بیٹھتی ہے' اس کا رس لیتی ہے' اور پھر وہ واپس اپنے گھر جاتی ہے اور۔۔۔ نہیں۔ یہیں رک جائیں۔ کیونکہ جب بچپن میں آپ نے یہ عمل پڑھا تھا' تب شہد کی مکھیاں گھروں کو لوٹتی تھیں' مگر آج 2014ء میں ایسا نہیں ہوتا۔ وجہ ہے۔۔۔

موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

"جب مکھی گھر سے نکلتی ہے تو اس کو اپنے گھر کا راستہ مقناطیسی لہروں کی مدد سے یاد رہتا ہے۔ وہ پھول' پھل پہ بیٹھتی ہے' اور رس لے کر واپس گھر کی طرف اڑتی ہے' لیکن درمیان میں۔۔۔ موبائل سگنلز کی لہروں کا جال بچھا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی جب کسی سگنل کی لہر سے ٹکراتی ہے' تو مقناطیسی فیلڈ متاثر ہوتا ہے' یوں سمجھیں' وہ چکرا کر رہ جاتی ہے' اور "کنفیوژڈ" ہو جاتی ہے۔ اس ٹکر سے وہ سمت کا تعین کھو دیتی ہے۔ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جاتی ہے۔ وہ پھر باری باری ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتی ہے' اور یونہی بھٹک بھٹک کر کہیں گر کر مر جاتی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ گھر لوٹنے والی مکھیوں کی تعداد کم سے کم ہو رہی ہے۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے سوچا۔ کہ یہ آیت نحل ہے' اتنی اہم آیت۔ جس میں سورۃ کا نام لکھا ہے' تو شہد کی مکھی کی مثال بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے'"

حنین نے آنکھیں بند کرلیں' ان سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ ایک سال پہلے کا سعدی بے خبر سا اسے کہہ رہا تھا۔

"تب مجھے احساس ہوا کہ۔۔۔ یہ موبائلز ہماری دنیا سے مٹھاس کیسے غائب کر رہے ہیں۔ کتنی ہی پیاری اور اچھی لڑکیاں' جنہوں نے شہد سے میٹھے گھر بنانے تھے' وہ روز گھر سے نکلتی ہیں' پھولوں' رنگوں اور خوشبوؤں کی آس لے کر' آسان راستوں پہ چلتی ہیں' مگر پھر۔ درمیان میں یہ موبائل سگنلز آجاتے ہیں۔ اور ان کے راستے مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ کنفیوز ہو جاتی ہیں۔

کسی نامحرم سے فون پہ بات کرنے کے لیے ڈھیروں دلیلیں گھڑتی ہیں' فتوے گھڑتی ہیں' کزن بھی تو بھائی ہوتا ہے' اسلام اتنا بھی سخت نہیں' میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی' وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی کرب اور تکلیف میں وہ گھر کا راستہ بھول جاتی ہیں۔ وہ دربدر بھٹکتی رہتی ہیں۔ انہوں نے تو آسان راستوں پہ چلنا تھا' اپنے

دلوں میں موجود قرآن سے اور نور سے 'لوگوں کو شفا دیتی تھی' اپنے ٹیلنٹ اور پوٹینشل کو میٹھے کاموں کے لیے استعمال کرتا تھا' مگر یہ موبائل سگنلز ان کو بیمار کر دیتے ہیں۔
مرض عشق بہت موذی مرض ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی اس میں مبتلا ہے تو یاد رکھیے 'اس مرض کی شفا ہے 'لیکن اس شفا کے لیے پہلے آپ کو اپنے راستے ٹھیک کرنے ہوں گے۔ وہ مشکل راہیں جن میں کرب ہے پکڑے جانے کا خوف ہے 'ان کو ترک کرنا ہو گا۔"
کہنے کے ساتھ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔
"وقت کم ہے 'میں اپنی باتوں سے کسی کو بور نہیں کرنا چاہتا 'اس لیے قصہ مختصر' یہ آیات نحل ہمیں سکھاتی ہیں کہ جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے پاکیزہ چیز نکل سکتی ہے 'اور جیسے انگور اور کھجور سے ناپاک شے بن سکتی ہے 'ویسے ہی شہد کی مکھی کے راستوں کو مشکل بنانے والی چیزوں کا صحیح یا غلط استعمال آپ کے ہاتھ میں ہے۔
مگر اتنا یاد رکھیے گا۔
کہ جو آپ کے نصیب میں ہے 'وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ چاہے حرام سے چاہے حلال سے۔ لیکن اگر آپ اس کو حرام سے لینے کی کوشش کریں گے 'تو اللہ آپ کے حلال کی لذت لے لے گا۔ کچھ میاں بیوی پسند کی شادی کے باوجود بڑی ناخوش زندگی گزار رہے ہوتے ہیں 'کبھی سوچا ہے کیوں؟ کیونکہ وہ شادی سے پہلے سب حرام سے لے چکے ہوتے ہیں 'جو بعد میں ان کو مل ہی جانا تھا اس لیے ان کے حلال کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کسی کے ساتھ 'بھلے اپنے منگیتر کے ساتھ ہی سیل فون پہ انوالوڈ ہیں 'تو اتنا یاد رکھیں کہ محرم اور نامحرم کے قوانین آپ کی دلیلوں اور حیلوں بہانوں سے بدل نہیں جائیں گے۔ جو غلط ہے 'وہ غلط ہے۔ آپ جتنا حرام لیں گے 'اتنا اپنے حلال کو کھوتے جائیں گے۔"
ایک ثانیے کو رک کر اس نے طویل سانس بھری۔
"لیکن 'اس کے برعکس اگر آپ حرام چھوڑ دیں 'جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے 'اس کو اللہ کے لیے ترک کر دیں 'تو اللہ وہی چیز کچھ ہی عرصے میں آپ کو حلال بنا کر دے دے گا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا' یہ امام ابن القیم نے سات سو برس پہلے کہا تھا۔ آپ جانتے ہیں 'اللہ کسی کا کچھ نہیں رکھتا' وہ بہت غیرت والا ہے 'آپ جو بھی اس کی راہ میں صدقہ کریں 'یا قربانی 'تو وہ اس کو کئی گنا برکت دے کر آپ کو لوٹا دیتا ہے۔ اس لیے۔"
دوبارہ گھڑی دیکھی۔
"حرام کو چھوڑ دیں 'اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اس کو حلال بنا کر آپ کو لوٹا دے گا۔ میرا وقت ختم ہوا۔ اپنے واٹس ایپ اسٹیٹس کو صرف چوبیس گھنٹوں کے لیے ان آیات میں تبدیل کر دیجیے گا تاکہ مجھے پتا چل سکے کہ کس کس گروپ ممبر نے آج کی آیات سن لی ہیں اور مجھے پتا ہے کہ آپ میں سے آدھے لوگوں نے نہیں سنی مگر خیر۔ السلام و علیکم ورحمتہ اللہ۔"
اور ہاتھ بڑھا کر اس نے کیمرہ آف کر دیا۔ ویڈیو بھی رک گئی اور حنین کی تو جیسے زندگی ہی ٹھہر گئی۔
وہ وہاں بیٹھی تھی' ہونٹوں پہ مٹھی رکھے 'بھیگے چہرے کے ساتھ۔ آنسو ٹپ ٹپ تھوڑی تلے گر رہے تھے۔ اس نے تین ماہ اتنی دلیلیں 'اتنے حیلے 'اتنی صفائیاں سوچی تھیں۔ سعدی نے ان کو دس منٹ کی ایک ویڈیو میں ختم کر دیا تھا۔
محرم اور نامحرم کے اصول؟ ساری بات ہی ختم ہو گئی۔ اس کا پورا دماغ سن تھا۔
زمر کام کرتے کرتے مڑی تو اس پہ نظر پڑی۔ وہ ہیڈ فونز لگائے 'اسکرین کو آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟" فکر مندی سے پوچھا۔
"آئینہ!" وہ بس اتنا بولی۔ پھر فون اٹھایا 'اور واٹس ایپ اسٹیٹس بدل دیا۔ ساتھ میں ویڈیو کلپ کا نشان بھی بنایا۔ بھائی نہیں دیکھ سکتا' وہ جانتی تھی 'مگر یہ ایک عادت تھی جو گئے برسوں میں کچھ عرصے کے لیے اس نے اپنائی تھی 'سو اب بھی کر لی۔
"حنین؟" زمر نے نرمی سے پکارا۔ حنین جواب دیے بنا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ زمر نے سخ

موڑ لیا اور اسے رونے دیا۔ وہ روتی گئی ' روتی گئی۔ یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا ' آنکھیں رگڑیں اور ہاشم کو کال کی۔

(وہ واٹس ایپ پہ ہی کال کرتی تھی ' اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ملک سے باہر ہے)

زمر نے رخ موڑے ایک ایک بات سنی جو اس نے ہاشم سے کہی اور پھر اس نے جب فون رکھنے کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا۔ وہ اب سختی سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ دونوں نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سب کہہ رہی تھی۔

اور اگر تم سے کبھی کوئی کہے ' کہ انسان کی کی گئی نیکی گھوم پھر کر اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتی ہے تو یقین کر لینا! کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

قصہ سازش اغیار کہوں یا نہ کہوں
شکوہ یار طرحدار کروں یا نہ کروں؟

کلب کے لاؤنج میں روشنی مدھم تھی۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ نوشیرواں اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا ' اور مسلسل دونوں ہاتھوں سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

شہرین باریک ہیل سے چلتی قریب آئی اور ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھی ' رخ اس کی طرف موڑا ' اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ شیرو نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر ان میں خفگی آئی۔

"آپ ادھر؟ خیریت؟" خشک روی سے کہتا ' دوبارہ بٹن دبانے لگا۔ شہری نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کاؤنٹر پہ رکھا۔

"تین دن سے تمہیں کال کر رہی ہوں ' اٹھاتے کیوں نہیں ہو؟" روٹھے پن سے گویا ہوئی۔ شیرو نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ "مجھ سے کیا کام آپڑا آپ کو؟"

"ہر وقت مجھ سے خفا کیوں رہتے ہو؟ دیکھو! ہم اچھے دوست بھی تو ہیں ' آؤ اب موڈ ٹھیک کرو ' کارڈز کھیلتے ہیں۔" اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ وہ زیادہ دیر بے زار رویہ برقرار نہ رکھ سکا ' اور ساتھ کھنچتا آیا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھے ' پتے کھیل رہے تھے۔

"تم ہار رہے ہو شیرو!"

"نہیں.... ابھی دیکھے گا۔" اس کی مکمل توجہ کارڈز پہ تھی۔ اپنے پتے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کون سا پھینکے کہ....

"مجھے کچھ دن کے لیے تمہاری جی فورٹی ون مل سکتی ہے؟" ایک دم چونک کر شہری کو دیکھا۔ وہ بھی پتوں کو دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"کیا؟" بظاہر نا سمجھی دکھائی۔ شہری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اتنے ڈمب مت بنو۔ تمہاری جی فورٹی ون ' گلاک گن ' جو پچھلی برتھ ڈے پہ تمہیں ہاشم نے گفٹ کی تھی ' میرے سامنے تو تم نے تحفہ کھولا تھا۔ مجھے دے سکتے ہو چند دن کے لیے۔ کچھ دوستوں میں شو آف کرنا ہے۔"

شیرو نے پتے میز پہ ڈال دیے ' تندہی سے اسے دیکھا۔ "تو یہ سارا میٹھا انداز اس لیے تھا؟ اور میں سمجھا آپ کو واقعی میرا خیال ہے۔"

"خیال ہے تو دوست سمجھ کر ایک گن مانگ رہی ہوں ' نہیں دینی تو نہ دو۔ غصہ کیوں کر رہے ہو؟"

نوشیرواں کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔

"میرے پاس جی فورٹی ون نہیں تھی ' فورٹی فائیو تھی۔ ماڈل تو ٹھیک سے یاد رکھا کریں۔" سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہتھیلیاں نم تھیں ' اور رنگت بدل رہی تھی۔

شہرین کارڈز رکھ کر آگے ہوئی اور بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "رئیلی؟ مجھے تو جی فورٹی ون یاد پڑتی ہے۔"

"تو پھر آپ اپنی یادداشت کا علاج کروائیں ' کیونکہ میرے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے ' سنا آپ نے؟" بھڑک کر کہتے وہ اٹھا۔ پیشانی بھی تر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔ شہری نے گردن اٹھا کر

دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے، مجھے غلط یاد ہوگا ایک گن ہی تو ہے، اس میں اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟"

وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ "آئندہ میرے راستے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، جائیں، فارس کے آگے پیچھے پھریں۔ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں۔"

شہرین کی ذرا رنگت بدلی، بے اختیار ادھر اُدھر دیکھا۔ وہ اب سیدھا ہو کر مڑ گیا تھا اور باہر کی طرف جا رہا تھا۔

مگر شہری کو اپنا جواب مل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼
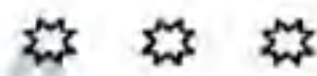
یہ رات اس درد کا شجر ہے
جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے

وہ رات جب قصر کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ اتری تو ستمبر کی گرم اور حبس زدہ فضا سے پُر تھی۔ نوشیرواں اپنے بیڈ پہ بے چینی سے کروٹ بدل رہا تھا، ذہن میں ہاشم کی باتیں گونج رہی تھیں۔

("میرے پاس شہرین سے بڑے مسائل ہیں اس وقت۔ تم نے جو کہا، وہ بہت ہے، مزید اس پر بات مت کرو۔ کچھ نہیں معلوم ہوگا اسے۔")

البتہ ایک عجیب سی پریشانی اس کے وجود سے لپٹی تھی۔ کیا یہ مسئلہ کبھی نہیں ختم ہوگا؟ سعدی یوسف کا آسیب اس کا پیچھا کب چھوڑے گا؟

اس کمرے سے دور انیکسی کی تقریباً" تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ فارس سو رہا تھا، جب زمر احتیاط سے کمرے سے نکل آئی۔ تہہ خانے میں آکر دروازہ مقفل کیا، (دروازے ساؤنڈ پروف تھے) اور پھر جلدی سے فرش پہ بیٹھی حنہ تک آئی۔

"کیسے چارج کیا پین؟"

"لیپ ٹاپ سے۔ اس میں دو ویڈیوز ہیں۔ ایک جج صاحب کی ہے، میں نے ابھی وہی شروع کی تھی۔ دیکھیں۔" وہ ویڈیو دیکھنے کے بعد دونوں نے جھرجھری لی۔ پھر حنہ نے دوسری ویڈیو کھولی۔ اب وہ دونوں فرش پہ بیٹھی تھیں، اور سامنے اسکرین پر چہرہ جھکائے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کھلا اور ایک راہداری سی نظر آئی۔ آفس کے باہر کا منظر۔ ٹیبل کے پیچھے موجود سیکرٹری۔ ڈیسک کیلنڈر پہ واضح لکھی تاریخ۔ اکیس مئی۔ خاور اور ساتھ ایک گارڈ۔ کیمرے کے آگے پیچھے تھپتھپا کر تلاشی لے رہے تھے۔ ایک موبائل، چابیاں نکال کر سیکرٹری کی ٹوکری میں رکھا۔ سعدی کی آواز پس منظر سے آئی۔ حنین کے ابرو اٹھے۔

"بھائی نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا ہوا ہے پین۔"

"اور یہ ہاشم کا آفس ہے۔ وہ اس کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

پھر "اوکے" کے سگنل کے بعد کیمرہ آگے بڑھتا گیا۔ زمر کی آنکھوں میں تعجب ابھرا۔ "وہ ڈیٹیکٹر سے چیک کر رہے تھے تو پین کیوں نہیں پکڑا؟"

"ماموں کے اس۔۔۔ آرٹسٹ دوست نے بتایا تو تھا یہ پین نہیں پکڑا جاتا۔ خاور اسلحہ یا وائرڈھونڈ رہا تھا، اسے لگا ہوگا کہ یہ عام پین ہے۔ وہ ہاشم کا مہمان تھا، خاور اس کا کوٹ تو نہیں اتروا سکتا تھا۔" دونوں کی نظریں اب اسکرین پہ ٹھہر گئی تھیں۔ اندر آفس میں تینوں کاردارز تھے۔ خاور تھا۔ سعدی نیکلس میز پہ رکھ رہا تھا۔۔۔

تہہ خانے میں لگی گھڑی کی ٹک ٹک واضح سنائی دے رہی تھی۔ سعدی قتل عمد کے بارے میں اسلام کے دونوں نقطہ نظر بتا رہا تھا۔۔۔

گھڑی کا پنڈولم مسلسل جھول رہا تھا۔۔۔ دائیں بائیں۔

وہ سعدی کو تیس کروڑ دے رہا تھا، جواب میں سعدی نے اس کے بھائی کی قیمت ساٹھ کروڑ لگائی تھی

کونے میں چھوٹے سے باتھ روم کی ٹونٹی سے پانی ٹپک رہا تھا۔ ٹپ ٹپ۔

ہاشم اب سعدی کو جج کو بلیک میل کرنے والا قصہ سنا رہا تھا۔ فائل دکھا رہا تھا۔

تہہ خانے میں پنکھے کی ہوا سے دیوار پہ لگے کاغذ ہلکے ہلکے پھڑپھڑا رہے تھے۔

ہاشم اب حنین کے امتحانی مرکز والے وکیل صاحب کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس دوبارہ کھلوا سکتا ہے۔

پنکھے کی گڑ گڑ گڑ مسلسل سنائی دے رہی تھی۔۔۔

اب سعدی باہر سیکرٹری کے ڈیسک کے ساتھ نوشیرواں کو کہہ رہا تھا کہ مرو بنے۔۔۔ اور پھر۔۔۔ لفٹ کے دروازے بند ہوتے دکھائی دیے۔۔۔ اور اسکرین تاریک ہو گئی۔

اس وقت۔۔۔ اس دنیا میں۔۔۔ اس شہر میں۔۔۔ اس گھر میں۔۔۔ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سانس لینے کی بھی نہیں' دل دھڑکنے کی بھی نہیں۔ کہتے ہیں جب فرشتے روح نکالتے ہیں تو آواز تک نہیں آتی۔ مگر کیا کبھی تم نے شیطان کو روح نکالتے دیکھا ہے؟

اس کی بھی آواز نہیں آتی۔

☆ ☆ ☆

مری سرکشی بھی تھی منفرد' مری عاجزی بھی کمال تھی
میں انا پرست بلا کا تھا سو گرا تو اپنے ہی پاؤں میں

"کاردار ز نے کیا ہے یہ سب۔" حنین کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ "بھائی کو بھی انہوں نے ہی شوٹ کروایا تھا۔ بھائی انہی کے پاس ہے۔"

زمر فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے حنین کو نہیں دیکھا۔ بس ننگے پیروں سے زینہ چڑھنے لگی۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا۔ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ وہ قدم قدم اٹھاتی سیڑھیوں تک آئی۔ اوپر چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سب دھندلا تھا۔ اندھیرے اور روشنی کے جھماکے سے چمک رہے تھے۔ کبھی منظر صاف ہوتا' کبھی اندھیرا چھا جاتا۔ گرم گرم آنسو اپنے گالوں پہ گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اس نے اوپر چڑھنا چاہا۔ قدم وزنی تھے' دل بھاری تھا' اور سانس۔۔۔ سانس اکھڑ رہی تھی۔

چوتھے زینے پہ وہ رکی' دہرے ہو کر چند گہرے سانس لیے۔۔۔ پانی سے بھری آنکھیں جھپکیں' پھر قدم اٹھائے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اندھیرا' روشنی' پھر اندھیرا۔ دھواں ہی دھواں تھا۔

وہ اوپری سیڑھی پہ گھٹنوں کے بل گر سی گئی۔ ہاتھ ریلنگ سے پھسلتا نیچے آ گرا۔ چہرہ جھکائے' تیز تیز سانس لیتے' وہ دوہری ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے بہتے گرم گرم پانی میں روانی آ گئی تھی' مگر ایسا لگتا تھا' وہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کسی سلو موشن فلم کی طرح۔

دونوں ہاتھ فرش پہ رکھے' وہ دوہری ہوئی' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں لینے لگی' مگر ان کی آواز نہیں آتی تھی۔ سانس بے ترتیب تھا' اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ دل لگتا تھا کسی نے کند چھری سے چار ٹکڑوں میں کاٹ دیا ہو۔ اندر سے خون بھل بھل نکلنے لگا ہو' اور اوپر سے آنسو گر رہے ہوں۔ اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔

اس نے گیلے چہرے اور اکھڑتے سانس کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کی' پیروں میں جان نہیں تھی۔ بدقت وہ کھڑی ہوئی۔ دیوار کا سہارا لیا۔ اسے لگا اس کو واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔

دیوار پہ ہاتھ رکھے' اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر مدھم نائٹ بلب جل رہا تھا۔ وہ کاؤچ پہ سو رہا تھا۔ وہ آج آفس سے تھکا ہوا آیا تھا' اس لیے بے خبر سو رہا تھا۔

بے خبری بھی نعمت تھی۔ وہ نعمت زمر یوسف خان سے چھن چکی تھی۔

وہ دروازے سے سر ٹکائے' وہیں چوکھٹ میں بیٹھتی گئی۔ اندر اے سی کی ٹھنڈ تھی۔ اسے یکدم سخت سردی لگنے لگی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑنے لگے۔ سانس ڈوبتا جا رہا تھا۔

پہلی دفعہ ہاشم کے ذہن میں گونجتے فقروں' فارس کی بے گناہی' سعدی' ان سب سے ہٹ کر پہلی دفعہ' زمر کو احساس ہوا کہ اسے واقعتاً سانس نہیں آ رہا۔ وہ

کیفیت صرف جذباتی نہیں تھی۔ وہ جسمانی تھی۔ اس پردے کا حملہ ہو رہا تھا۔ اس نے کھانسنے کی کوشش کی' نہ ہوا اندر جاتی تھی' نہ سانس باہر آتی تھی۔ اس کے ناخن سفید پڑ رہے تھے۔ منظر اندھیرے میں ڈوبتا' کبھی واپس روشن ہوتا۔

نیم جان آنکھوں میں بے بسی لیے اس نے صوفے پہ لیٹے فارس کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ویڈیو دیکھنے سے پہلے' یا ان تین ماہ میں اگر کسی کو وہ اس تکلیف میں آواز دے سکتی تھی' تو وہ وہی تھا۔ مگر اب؟ کھویا ہوا حق کوئی کیسے واپس لائے؟

"فارس!" اس نے مدھم سرگوشی میں پکارا۔ آنکھوں سے آنسو برابر گر رہے تھے۔ دل پہ مٹھی رکھے' وہ شدید تکلیف میں کھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا' اور واقعی نیند میں تھا' اس تک آواز نہیں گئی۔ زمر بمشکل اٹھی۔ چند قدم خود کو گھسیٹا۔ صوفے کے آگے رکھی میز کا کونا پکڑے پکڑے شدید تکلیف میں بیٹھی۔ وہیں فرش پہ۔

"فارس!" آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹ ہلے۔ اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بے جان ہوتے ہاتھ سے فارس کی آنکھوں پہ رکھا بازو ہلایا۔

"فارس۔۔۔ اٹھو!" آواز اب بھی نہ نکل پائی' مگر فارس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو ہٹایا اور ایک دم اٹھتے ہی دوسرا ہاتھ تکیے تلے رکھی پستول تک گیا' مگر پھر' وہ رک گیا۔

"زمر؟" خوابیدہ آنکھوں میں تعجب بھرے وہ اٹھا۔ اور پھر۔۔۔ کوئی احساس طمانیت تھا جو زمر کا منظر پھر سے دھندلانے لگا۔ نڈھال' تھکن زدہ۔

اگلے مناظر اس کو ٹوٹ ٹوٹ کر نظر آئے تھے۔ اندھیرے کے درمیان چند روشن لمحے۔۔۔ وہ پریشانی سے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا وہ روشن باتھ روم کے سنک پہ کھڑی تھی اور آئینے میں اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹونٹی سے اس کا منہ دھلا رہا ہے۔ اب بھی وہ اسے پکار رہا تھا۔۔۔۔ اندھیرا۔۔۔ پھر روشنی۔۔۔ اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پہ لیٹی تھی' تکیوں کے سہارے سر کی جگہ اونچی تھی' سردی کے باعث اس نے لحاف گردن تک تان رکھا تھا۔ پنکھا' اے سی سب بند تھا۔ اور وہ اس کو ان ہیلر دے رہا تھا۔۔۔

زمر نے نڈھال ہو کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لیے۔ آکسیجن بحال ہو چکی تھی۔ اس کی رنگت بہتر ہو رہی تھی۔ اس نے پانی سے بھری آنکھیں کھولیں۔ وہ ساتھ ہی ایک گھٹنا موڑے بیڈ پہ بیٹھا' فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اسے آواز آنے لگی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"آپ اپنے استھما کے لیے ان ہیلر کیوں نہیں ساتھ رکھتیں؟ آپ کو اندازہ ہے' اگر آپ کے میڈیسن کیبنٹ میں ان ہیلر نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے لگا وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔ پوری آستین کی ٹی شرٹ' ٹراؤزر' چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں چھپا تفکر۔ زمر بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے' اسے دیکھتی رہی۔

"وہ بیج زہریلے تھے!"

فارس ناسمجھی سے ذرا آگے ہوا۔ "کیا چیز؟"

"کئی سال پہلے۔۔۔ جب یہ شہر۔۔۔ اسلام آباد۔۔۔ غیر آباد تھا۔۔۔ اور ہم' ہم سادہ' غریب لوگ تھے۔" اس کے چہرے کو تکتی وہ کہہ رہی تھی۔ "تو ہم نے۔۔۔ ہم نے غلط دوست بنائے فارس۔۔۔ ہم نے آسٹریلیا سے دوستی کی۔۔۔ اس وقت وہ۔۔۔ ہمیں بے ضرر لگتے تھے' امیر تھے' مگر اچھے تھے۔ خوش اخلاق تھے' ہمیں لگا وہ ہمارے جیسے ہی ہیں' ہمارا بھلا چاہتے ہیں۔" آنکھوں سے گرتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔ وہ غور سے اسے دیکھتا' اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہماری حکومت۔۔۔ ہم اپنا شہر آباد کرنا چاہتے تھے ہمارے امیر دوست نے کہا وہ ہماری مدد کرے گا۔۔۔ ہم نے اس پہ بھروسا کیا۔۔۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فارس ہم نے کیوں اس پہ بھروسا کیا؟" بے چارگی سے پوچھتے وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"آپ بے کار باتیں مت سوچیں' آرام سے سو جائیں' اب آپ کا سانس ٹھیک ہے۔" وہ نرمی سے اس کی توجہ ہٹا رہا تھا' مگر اس نے نفی میں سرہلایا۔ اسی طرح روتے کہتی رہی۔

"تمہیں پتا ہے... آسٹریلین حکومت نے ہمیں بیج دیے' پھر اوپر..." اشارہ کیا۔ "اوپر ہیلی کاپٹر سے وہ بیج پورے شہر میں گرائے گئے... ان سے درخت نکلے... اونچے مضبوط تناور درخت... وہ فارس' ہماری دوستی کی علامت تھی... مگر وہ بیج زہریلے تھے... انہوں نے... اس شہر کو تباہ کر دیا۔ ان درختوں کی جڑیں میلوں دور تک پھیلی ہیں' اور وہ اس شہر کا میٹھا پانی پی گئے... اور ان کے پتے ان کے پتے ایستھما الاحق کرتے ہیں... اس دوستی نے ہم سے ہمارا سانس تک چھین لیا فارس! ہم نے کیوں ان پہ اعتبار کیا؟" وہ پھر سے بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"زمر حکومتی پالیسی آپ کی غلطی نہیں ہے۔ وہ درخت آسٹریلیا میں بھی ہیں' بس ہمارے ماحول کو سوٹ نہیں کیے' جیسے ان کو خرگوش سوٹ نہیں کیے تھے۔ آپ کا ایستھما ٹھیک ہو جائے گا۔"

زمر نے نفی میں سرہلایا۔ "یہ تکلیف اب کبھی نہیں جائے گی۔ جب... جب وہ درخت لگائے جا رہے ہوں گے... تو کسی نے تو روکا ہو گا... کہا ہو گا کہ اس کی بات سنی جائے... ہم نے اس کی بات کیوں نہیں سنی؟ ہم اتنے ضدی' اتنے ہٹ دھرم' اتنے اندھے بہرے کیوں ہو گئے تھے؟ ہم نے اس کو کیوں نہیں سنا؟ اس کو ایک دفعہ وضاحت کا موقع کیوں نہیں دیا؟"

"زمر..." اس نے غور سے زمر کی روتی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیا کچھ ہوا ہے؟ کوئی اور بھی بات ہے؟ یا یہ صرف اس دمے کی تکلیف کی وجہ سے ہے؟"

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "یہ تکلیف چھوٹی نہیں ہے۔ یہ تکلیف بہت زیادہ ہے فارس۔" مٹھی سے دل پہ دستک دی۔ "مجھے اندر تک جلن ہو رہی ہے۔" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"پہلے کبھی ہوا ہے اتنا درد؟"

"کبھی نہیں ہوا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی تکلیف ہو گی فارس! میں کدھر جاؤں فارس؟"

"اٹھیں' میں آپ کو ہسپتال لے جاتا ہوں۔" وہ واقعی اٹھ رہا تھا۔ زمر نے نفی میں سرہلایا۔ "مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"ضد مت کریں۔"

"ضد؟" اس کے دل کو آری نے چیر کر رکھ دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں' وہ نیم دراز تھی' پھر سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔

"مجھے سونا ہے اور کبھی نہیں اٹھنا۔" اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"کچھ کھانے کے لیے لادوں آپ کو؟"

"زہر دے سکتے ہو؟" وہ بند آنکھوں سے بڑبڑائی تھی۔

"استغفراللہ... کیوں مجھے دوبارہ جیل بھیجنا چاہتی ہیں؟" اور فارس غازی تو ایسی باتیں کرتا رہتا تھا' اب بھی کہہ کر جھکا' اور اس کا تکیہ ٹھیک کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں کھولیں' ان میں ایسا دل کٹنے والا احساس تھا کہ... الفاظ کو روک نہ پائی۔

"تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوتی؟"

وہ جھک کر تکیہ درست کرتے رکا۔ قدرے تعجب سے اس کو دیکھا۔ "مجھے آپ سے نفرت کیوں ہو گی؟"

"میں نے چار سال پہلے تمہیں قید میں ڈالا تھا!"

"آپ نے سات سال پہلے مجھے قید میں ڈالا تھا!" وہ آہستہ سے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وقت چند لمحوں کے لیے بالکل تھم سا گیا۔ اس کا سانس پھر سے تھم گیا۔ مگر اب یہ دمہ نہیں تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

زمر کی آنکھوں سے آنسو ایک دفعہ پھر بہنے لگے۔ وہ سیدھا ہو گیا' نظریں چرا کر اس کو سونے کی تاکید کرنے لگا۔ زمر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب وہ واپس صوفے کی طرف جا رہا تھا...

☼ ☼ ☼

نیچے تہہ خانے میں بتی اور پنکھا ہنوز چل رہا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک، ٹونٹی کی ٹپ ٹپ... سب سنائی دے رہی تھی۔ حنین اسی طرح بے سدھ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں روئی تھی۔ بس بھنویں بھینچے بیٹھی رہی، بیٹھی رہی، بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم اٹھی۔ تیزی سے اوپر آئی۔ گھر خاموش اور ساکن تھا۔ وہ کچن میں آئی۔ اسٹینڈ سے پھل کاٹنے والا چاقو اٹھایا اور بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

باہر سبزہ زار رات کے اس پہر خاموش تھا۔ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا، شاید بارہ یا ایک بجا تھا۔ وہ تیز قدموں سے گھاس پہ چلتی آگے جارہی تھی، اس کا چہرہ پتھریلا تھا اور آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔

وہ کھڑی کتنی ہی دیر اس قصر کو دیکھتی رہی، پھر کنارے پہ لگے درختوں تک آئی۔ ایک درخت کے قدموں میں بیٹھی اور زور زور سے اس کے تنے پہ چاقو مارنے لگی۔ ضرب در ضرب۔ نفرت سے، غصے سے، شاک سے۔

"حنین!" آواز پہ چونک کر گردن گھمائی۔ خاور موبائل پہ بات کرتا اس طرف آرہا تھا۔ پھر فون رکھا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اس وقت اِدھر کیا کررہی ہو؟"

"میں اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

"فارس صاحب کو پتا ہے کہ تم ادھر ہو؟ وہ خفا ہوں گے۔"

وہ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مجھے یہ درخت زہر لگنے لگا ہے۔ دل چاہتا ہے اسے ایک ہی ضرب لگا کر گرادوں؟ میں یہی سوچ کر چھری لیے گھر سے نکلی تھی۔ مگر میں غلط تھی۔ ایک ٹکڑے میں ذبح کردینے سے تو سارا مزا ختم ہوجائے گا۔ کیوں نہ بار بار کاٹا جائے؟ ہزار ٹکڑوں میں؟"

(اف ٹین ایجرز) خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے مسکرا کر اسے سائیلنٹ کیا۔ "انگریزی فلمیں کم دیکھا کرو، اب اندر جاؤ۔ فارس صاحب نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ جاؤ۔"

"تھینک یو، خاور..." رکی۔ الجھن سے شانے اُچکائے۔ "میں آپ کو کیا کہہ کر پکارا کروں؟ صرف نام سے پکارنا برا لگتا ہے اور ریلیشن شپ ٹائٹلز سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔"

"کرنل خاور! تم مجھے کرنل خاور کہہ سکتی ہو۔"

"اوہ یس۔ آپ ایکس ملٹری مین ہیں نا، یاد آیا۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اچھا لگا آپ سے بات کرکے کرنل خاور... ہمیں اکثریات کرنی چاہیے۔"

وہ سر کو خم دیتا مڑ کر جانے لگا تو حنہ نے پکارا۔ "کرنل خاور... آپ کی فیملی ہے؟"

خاور نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "ظاہر ہے!"

"اچھا۔ کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟"

"میری والدہ، میری بیوی اور..." ذرا رکا، چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ "میرا بیٹا۔"

"گڈ!" اذیت سے مسکرائی۔ خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ وہ مڑ گیا تو حنین بھی گھر کی طرف واپس چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سرخ مگر خشک تھیں۔

☼ ☼ ☼

انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن
تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

رات جانے کس پہر بارش ہوئی تھی کہ جب صبح طلوع ہوئی تو موسم خوشگوار اور ابر آلود تھا۔ زمر نے کروٹ بدلی، نیند ٹوٹی تو آنکھیں کھولیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا گھڑی پہن رہا تھا۔ کھڑکی سے روشنی اندر چھن چھن کر آرہی تھی۔

زمر کی آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹے، لحاف گردن تک تانے، آہستہ سے پکارا۔

"فارس!" وہ چونک کر مڑا۔ گول گلے کی شرٹ میں ملبوس، وہ گھڑی کی اسٹریپ بند کرتے آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔
"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"
"بہتر..." وہ رکی، آواز خراب گلے جیسی تھی۔
"تمہیں کیسے پتا تھا، مجھے استھما ہے؟"
"مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ پتا ہے۔ اسی لیے..." اسٹریپ کا بکل بند کرتے ہوئے وہ اس کے سرہانے آکھڑا ہوا۔ "کیا کل کچھ ہوا تھا؟ آپ صرف استھما کی وجہ سے ایسے نہیں رویا کرتیں۔"
زمر نے تھوک نگلا۔ ذرا سا بدقت مسکرائی۔ "مجھے سعدی یاد آرہا تھا اور میں اس سے چار سال تک تعلق نہ رکھنے پہ گلٹی تھی۔ اب بھی میں بہت بہت گلٹی ہوں فارس!" گلا پھر سے رندھا۔
"وہ مل جائے گا، میں اسے ڈھونڈ لوں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" پھر گھڑی دیکھی۔ "میں چلتا ہوں، آپ آرام کیجیے گا۔"
"تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو؟" اسے عجیب وقت پہ عجیب سوال یاد آرہے تھے۔
فارس نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔"
اور فارس غازی تو اکثر ایسی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج سے پہلے اتنا درد نہیں ہوا تھا۔ زمر نے اثبات میں سرہلایا۔ "کل رات کے لیے شکریہ!"
اس نے محض سر کو خم دیا اور مڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے ایک دفعہ پھر زمر کو دیکھا تھا۔ (کچھ ہوا ہے اس کے ساتھ۔ کچھ بدل گیا ہے۔) لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیدار اہل قافلہ، سوئے کے دن گئے
ہشیار، آگ سے ہے جنگل گھرا ہوا

چند گھنٹے مزید گزرے تو وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ بڑے ابا کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا تھا۔ نیچے کشن رکھ کر نیم دراز حنین نظر آرہی تھی۔ وہ ادھر آئی، دروازہ بند کیا اور کاؤچ پہ آبیٹھی۔ دونوں نے خالی ویران نظروں کا تبادلہ کیا۔
"میں نے پین سے وہ فلم مٹا دی ہے، اور اس کو سات مختلف جگہوں اور سی ڈیز میں ڈال کر محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کیسی ہیں؟"
"تم کیسی ہو؟"
حنہ نے شانے اچکائے۔ "میں شاکڈ ہوں۔"
چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ زمر اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور حنہ چھت کو۔
"میں شروع میں فارس کو اچھا سمجھتی تھی، مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔"
"میں شروع میں ہاشم کو برا سمجھتی تھی، مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔"
زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔
"میں نے اس پہ بالکل اعتبار نہیں کیا۔"
"میں نے اسی پہ اعتبار کیا۔" حنین چھت کو دیکھتے میکانکی انداز میں بولی تھی۔
"میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی حنہ!"
"میں صرف اسی کو سنتی رہی۔"
"مجھے نہیں پتا تھا وہ ایسا نکلے گا۔"
نہیں پتا تھا وہ ایسا نکلے گا!"
"میں نے اس کا یقین کیوں نہیں کیا حنہ؟"
"میں نے اس کا یقین کیوں کیا، پھپھو؟"
پھر حنین نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور یاسیت سے اس کو دیکھا جو رات والے ملگجے لباس میں اداس سی کاؤچ پہ ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔ ناک کی لونگ کی چمک ماند تھی۔ حنین کو احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا عکس تھیں۔ مرر امیج۔ جو ہو بہو ایک سا ہونے کے باوجود دائیں بائیں سے الٹا ہوتا ہے۔
"فارس ماموں نے کیا کہا، جب آپ نے ان کو بتایا؟"

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ حنین ایک دم اٹھی۔ سوگ جیسے ٹوٹا۔ "او گاڈ آپ نے ان کو نہیں بتایا؟"

"نہیں اس کو نہیں بتاؤں گی! کیا مجھے بتانا چاہیے؟"
حنین بالکل چپ ہو گئی۔ "ماموں ہاشم کو گولی مار دیں گے۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا جانتے ہیں' لیکن اس ویڈیو سے وہ سمجھ جائیں گے کہ سعدی بھائی کاردارز کے ہی پاس ہے۔ اور۔۔۔"

"اور وہ اس دفعہ صرف ان کو ایکسپوز کرنے یا مالی نقصان پہ بس نہیں کرے گا۔ وہ ان کی جان لے لے گا۔ میں ساری رات سوچتی رہی ہوں حنین۔ یہ ڈاکٹر ایمن یا نیاز بیگ یا جسٹس سکندر نہیں ہے' یہ ہاشم کاردار ہے' فارس کا اس سے تعلق ہے۔ وہ پاگل ہو جائے گا اور سب خراب ہو جائے گا۔ اس کا دل اسے کنٹرول کرنے لگے گا۔ اور ایسے میں وہ غلطی کر بیٹھے گا۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "سعدی نے مجھ سے کہا تھا' اسے ہاشم پہ شک ہے' میں نے کیوں اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے فارس کی زندگی برباد کر دی حنہ!"

حنین اس کے قریب آئی۔ اس کے قدموں میں بیٹھے' اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے۔

"اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انہوں نے ہر چیز بہترین طریقے سے پلان کی تھی۔ آپ نے اپنی صحت کھوئی تھی' آپ کے ابا کو فالج ہو گیا تھا' آپ اور کیا کرتیں؟"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔"

"آپ نے سنی تھی' پھر اپنی گواہی بھی واپس لے لی تھی۔ آپ نے ان کو جیل نہیں بھیجا۔ یہ سب کرنل خاور اور ہاشم کاردار نے کیا ہے۔ میری طرح خود کو الزام دے کر مایوسی کا شکار مت ہوں۔ مجھے دیکھیں۔" بے چارگی سے شانے اچکائے۔

"مجھے لگتا تھا میں بہت روؤں گی' مگر میں نہیں روئی۔ میرے اندر کی آگ میرے آنسوؤں کو سکھا چکی ہے۔ مجھے ان سے انتقام لینا ہے۔ کل میں خنجر لے کر ان کے گھر گئی' سوچا جو سامنے آئے اس کو قتل کر دوں گی۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ ہم' یوسف خاندان' ہم ان سے ہر دفعہ کیوں ہار جاتے ہیں؟ کیونکہ ہم یوسف بن کر سوچتے ہیں' ہم کاردار بن کر نہیں سوچتے۔"

"اور سعدی کو واپس لانے کے لیے ہمیں کاردار بن کر سوچنا ہو گا۔" زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ نم آنکھیں رگڑیں۔ "ہم فارس کو ابھی کچھ نہیں بتائیں گے۔ کاردار نے ہمارے ساتھ ناٹک کھیلا اتنے برس۔ اب اداکاری کرنے کی باری ہماری ہے۔"

"اور ہم سے اچھی اداکاری وہ کر نہیں سکتے۔"
حنین انگارے ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ فارس ماموں کو اتنا تو بتا سکتی ہیں ناکہ آپ کو ان کی بے گناہی پہ یقین ہے؟"
زمر نے گہری سانس لی۔ "حنین میں بہت گلٹی ہوں' مجھے نہیں لگتا میں کبھی دوبارہ لاء پریکٹس کر سکوں گی' میں نے اپنا اعتبار کھو دیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے' لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فارس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی تو ایسا نہیں ہو گا۔ اگر میں زمر یوسف ہوں تو میں سرنڈر نہیں کر سکتی۔"
حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔

"پھپھو! ہم کیوں بے وقوف بن گئے؟ ہم تو اتنے جینئس لوگ تھے' اتنے اسمارٹ۔ کاردارز کو پہلے ہی دن سے کیوں نہ پکڑ سکے؟"

"یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا' ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ حنین! آپ جتنے اسمارٹ ہو جائیں' کوئی آپ سے زیادہ اسمارٹ ہوتا ہے' اور کبھی آپ ان سے زیادہ اسمارٹ ہوتے ہیں۔ ہم بے وقوف نہیں تھے۔ ہم صرف انسان تھے۔ ہم خدا نہیں تھے۔ ہم دلوں کے حال نہیں جان سکتے۔ وہ ہمارے اتنے اچھے' اتنے مهذب اور ملنسار سے رشتے دار تھے' رشتے

داروں پہ کون شک کرتا ہے حنہ؟؟"
"فی الحال ہمیں ان سے زیادہ اسمارٹ ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کمزوریاں ہیں تو ان کی بھی ہوں گی۔"
"ہم ان کمزوریوں کو ڈھونڈیں گے اور ہاشم کو ایسی سزا دیں گے کہ دوبارہ وہ کسی کے ساتھ وہ نہ کرسکے جو ہمارے ساتھ کیا۔"
حنین ایک دم اٹھی۔ "چاکلیٹ کھائیں گی؟؟"
کچھ دیر بعد اس کمرے میں جھانکیں تو حنہ پاؤں لمبے کیے نیچے کشن پہ لیٹی تھی اور زمر اوپر صوفے پہ لیٹی تھی۔ دونوں اپنی اپنی چاکلیٹ کا ریپر کھول رہی تھیں۔ فرش پہ سنہری گول چاکلیٹس کا یہ بڑا سا ڈبا کھلا تھا۔ اور اردگرد دس بیس سنہرے ریپر بکھرے تھے۔ آدھا ڈبا ختم ہو چکا تھا۔
زمر نے ایک ریپر توڑ مروڑ کر نیچے اچھالا اور چاکلیٹ چباتے ہوئے ایک دم ہنسنے لگی۔ "میں واقعی چار سال پہلے ایک ریکارڈڈ کال سے بات کررہی تھی اور مجھے لگا میں فارس کی روح کو قتل جیسے جرم سے بچا رہی ہوں۔"
حنین نے ہنستے ہنستے گردن پیچھے کی ۔۔۔ "اور ہاشم اور اس کی بوٹوکس کی ماری ماں۔۔۔ بائیس مئی کی صبح ہمارے گھر آکر بولے۔۔۔ ہمیں کیوں اطلاع نہیں دی؟ ہاہاہا۔" زمر ہنستی جارہی تھی۔
"اور ہم نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔"
حنین کے ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
"اور میں ہاشم کو میسج کرتی رہی وہ تو سارے میسج بھائی کو پڑھاتا ہوگا کہ دیکھو میں تمہاری بہن کے ساتھ کیا کیا کرسکتا ہوں۔"
زمر بھی ہنستی جارہی تھی۔ "اور ہاشم میرے ہاسپٹل بلز پے کرتا ہے۔ جیسے مجھ پہ احسان کررہا ہو۔"
حنین کے ہنستے ہنستے بہتے آنسوؤں میں تیزی آگئی تھی۔

باہر لاؤنج میں سیم منہ بسورے بیٹھا تھا۔ اندر جو چاکلیٹ کا ڈبا کھایا جارہا تھا وہ وہی تھا جو حنہ نے بہت پیار سے سیم کو برتھ ڈے پہ تحفے میں دیا تھا اور آج اتنے ہی پیار سے اس کی الماری سے نکال لیا تھا۔ تب ہی فارس اندر داخل ہوا۔ ابا کو سلام کرکے سیم کو پکارا۔
"تمہاری پھپھو اٹھی تھیں؟"
"ہاں وہ اسٹڈی میں ہے۔ حنین کے ساتھ۔"
"تم جلدی آگئے بیٹا۔" ابا کو حیرت ہوئی۔
"زمر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ہمیں نہیں لے کر جاؤں گا تو وہ چیک اپ کے لیے نہیں جائیں گی۔"
سیم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ "بالکل ٹھیک ہیں وہ۔ اور وہ کٹو بھی بالکل ٹھیک ہے۔"
فارس نے غور سے اسے دیکھا اور ساتھ آبیٹھا۔
"کیا ہوا؟"
"پھوپھو کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔"
(تمہیں آج پتا چلا ہے؟) مگر صرف سوالیہ ابرو اٹھایا۔
"میری ساری چاکلیٹس لے لیں اب اندر بیٹھی ہیں اور ہنستی جارہی ہیں میں ایک دفعہ اندر گیا تو وہ کٹو بولی باہر جاؤ ہم اس وقت بہت دکھی ہیں۔ یار ماموں دکھ دکھ میں دونوں میری ساری چاکلیٹس کھا گئی ہیں۔" فارس نے اچنبھے سے بند دروازے کو دیکھا۔ پھر اٹھ کر دستک دی۔ حنہ نے دروازہ کھولا۔
"جج والی ویڈیو مل گئی ہے ہمیں۔ دیکھیں اور آپ بھی انجوائے کریں۔" مسکراتے ہوئے پین اس کی طرف بڑھایا۔ فارس کی نظریں پیچھے صوفے پہ دراز زمر تک گئیں۔ وہ چاکلیٹ کھولتے ہوئے مسلسل ہنستی جارہی تھی۔
(استغفراللہ) وہ خفگی سے بڑبڑا کر پین لیے اوپر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

ہر اک قدم اجل تھا ہر اک گام زندگی
ہم گھوم پھر کر کوچہ قاتل سے آئے ہیں

یہ چند دن بعد کا قصہ ہے۔ رات ہارون عباد کے گھر بھی ویسی ہی سیاہ اتری تھی۔ ڈائننگ ہال میں لمبی سی

میز کے گرد شاہانہ طرز کی اونچی کرسیاں رکھی تھیں۔ سربراہی کرسی پہ ہارون براجمان تھے، اور دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھی جواہرات سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ رات کی مناسبت سے سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔ گردن میں سیاہ نگوں اور ہیروں سے جگمگاتے نیکلس پہ انگلی پھیرتی مسکرا کر ہارون کی بات کا جواب دے رہی تھی۔

جواہرات کے دائیں ہاتھ آبدار بیٹھی، سر جھکائے چاولوں میں سست روی سے چمچ چلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر جواہرات کو بھی دیکھ لیتی۔ ان نگاہوں میں ناراضی تھی، پوزیسو قسم کی ناراضی۔ تبھی آبی کے موبائل پہ پیغام آیا۔ ڈاکٹر نوید کا۔

"آبدار، دو کمپنیز مزید آئی ہیں، آپ کی ریکوائرمنٹ کے مطابق ہیں، انٹرویو ارینج کروادوں؟"

وہ ایک دم خوشی سے "جی شیور" لکھنے لگی۔

"آبی!" دفعتاً" جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "تم اس روز ڈنر پہ نہیں آئیں، ہاشم تمہارا پوچھ رہا تھا۔" آبی فوراً" سنبھل گئی۔ ذرا سا مسکرائی۔

"آپ کو پتا ہے میں پارٹیز، اور ڈنر پہ نہیں آیا کرتی۔ میں ہاشم سے معذرت کرلوں گی۔"

"اتنے سال بعد دوبارہ سے شہر موو کرنا، تمہیں مشکل تو نہیں ہوئی؟"

آبدار نے شانے اچکائے۔ "مجھے سارے شہر اچھے لگتے ہیں۔ کراچی میں چند سال رہنے سے وہ بھی اچھا لگنے لگ گیا تھا۔"

"ہاشم میری کالز کا جواب نہیں دے رہا جواہرات۔" ہارون نے گلہ کیا۔

"وہ جب سے واپس آیا ہے اپ سیٹ ہے، تم کچھ دن کے لیے میرے بیٹے کو تنگ نہ کرو تو اچھا ہے ہارون۔" اور اس بات پہ فارمل سا قہقہہ بلند ہوا۔ آبی جبراً" مسکرائی اور سر جھکائے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ دفعتاً" نظر سرکے کی بوتل پہ پڑی۔ سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ احتیاط سے ان کو دیکھا۔ جواہرات ہارون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اور یہ چانسز کمپنی کا کیا مقصد ہے؟ ہاشم اور تم کن کاموں میں لگے ہو؟"

آبدار نے سرکے کی بوتل اٹھائی۔ بوتل چھوٹی تھی مگر اس پہ کوئی ٹیگ نہیں تھا۔ اس نے اپنے گلاس میں تھوڑا سا ڈالا، پھر۔ مصروف سے انداز میں جواہرات کے گلاس میں انڈیلا۔ اسے پورا بھرا۔ وہ دونوں ہنوز ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ قدرے فاصلے پہ کھڑے ملازم نے بے بسی سے آبدار کو دیکھا، مگر آبی کی ایک گھوری اور وہ چپ رہ گیا۔

آبدار نے معصومیت سے بوتل بند کر کے پرے رکھ دی اور بہت سنجیدگی سے کھانا کھانے لگی۔ مگر لبوں پہ مسکراہٹ مسلسل تھی۔

دفعتاً" اجازت طلب کر کے احمر اندر داخل ہوا۔ آبدار نے چونک کر سر اٹھایا، پھر خفگی سے اسے اور پھر ہارون کو دیکھا۔

"بابا، کیا ڈنر ٹیبل پہ بھی کمپنی منیجر کا ہونا ضروری ہے؟"

"احمر کو میں نے ہی بلایا تھا۔ لاؤ پیپرز دو۔" احمر نے مودب سے انداز میں پیپر بڑھایا تو انہوں نے عینک ناک پہ جماتے دستخط کیے۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر احمر کو دیکھا۔

"احمر شفیع ... تمہیں ہارون کے لیے میں نے ریکمنڈ کیا تھا۔ امید ہے تم نے ان کا مایوس نہیں کیا ہوگا۔"

احمر نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا، گویا شکریہ ادا کیا۔ پھر ڈیوٹی پہ کھڑی فلپینو میڈ کو مخاطب کیا۔

"سوزین پلیز مسز کاردار کا واٹر گلاس اٹھالو، اس پہ ڈسٹ ہے۔ گلاس بدل کر لاؤ۔"

آبدار نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ سوزین کا انتظار کیے بغیر خود ہی گلاس اٹھا کر اسے پکڑانے لگا۔ آبی کی آنکھوں میں تلملاہٹ ابھری۔ احمر اسے دیکھے بغیر، کاغذ لیے واپس پلٹ گیا۔ وہ معذرت کر کے پیچھے آئی۔

"سنو احمر شفیع!" لان میں تیزی سی چلتی آئی اور ناراضی سے اسے پکارا۔ احمر تسلی سے مڑا۔ "جی؟"

"میرے ملازموں کی ہمت بھی نہیں ہے کہ میری ڈائننگ ٹیبل پہ مداخلت کریں' تو آپ کو کس نے اجازت دی کراکری ہٹانے کی؟"

"مس عبید' ہم دونوں کو پتا ہے آپ نے کیا کیا ہے۔ ایک کڑوا گھونٹ پی کر' ذرا سا کھانس کر' مسز کاردار یہاں آنا ترک نہیں کریں گی۔ اگر کچھ خراب ہوگا تو آپ کا اور آپ کے والد کا رشتہ۔"

وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"مجھے فارسی میں گالیاں ذرا اونچی دیا کریں تاکہ میری سمجھ میں آئیں۔"

"تمہارے دوست کی جگہ تمہارا مرڈر ہونا چاہیے تھا۔" اندرانے اس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آج پھر وہ کسی "سیو سعدی" واک سے واپس آیا تھا۔

"نوازش لیکن وہ صرف مسنگ ہے۔ امید ہے کہ زندہ ہوگا۔"

وہ جو خفگی سے اندر جانے لگی تھی رکی۔

"تو تاوان نہیں مانگا کسی نے؟"

"نہیں۔ مگر وہ نیسکام کا سائنس دان تھا' تھرکول میں کام کرتا تھا' ایسا بندہ بذات خود بہت قیمتی ہوتا ہے' تو یقیناً" اس کو مقید رکھ کر اس سے قیمتی معلومات نکلوائی جارہی ہوں گی۔ خیر' یہ صرف ایک تھیوری ہے۔" اور آبدار عبید' جو احمر شفیع پر فاتحہ پڑھ کر جانے لگی تھی' اور محض انسانی ہمدردی کے لیے چند سوال پوچھ لیے تھے' ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم کہہ رہے ہو کہ وہ تھرکول کا سائنس دان تھا' اور... اسے کسی نے کہیں چھپا رکھا ہے؟" دل زور سے دھڑکا۔

"ہوں۔ اوکے۔ میں آفس جارہا ہوں۔ آپ ڈنر مکمل کریں۔"

اور آبدار عبید وہیں گم صم کھڑی رہی۔ ایک لمحے نے اسے قید کرلیا تھا۔

وہ الہام کا لمحہ تھا۔

یہ غم جو اس رات نے دیا ہے

یہ غم سحر کا یقین بنا ہے

اس رات انیکسی کے تہہ خانے کی ساری بتیاں جلی تھیں' اور اس چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فارس اور حنہ کرسی پہ بیٹھے تھے' جبکہ زمر میز سے ٹیک لگائے کھڑی حنین کو بتارہی تھی کہ کس طرح انہوں نے پچھلے ساڑھے تین ماہ میں اس گن کے تمام خریداروں کا پتا کیا۔ مگر بے سود۔ جائے وقوعہ کے آگے پیچھے سی سی ٹی وی کیمرے چیک کروائے' مگر ہر جگہ سے ریکارڈنگ صاف ملتی۔ ایمبولینسز' ایئر ایمبولینس' پرائیوٹ ڈاکٹرز' سعدی کے ہر ممکنہ دوست' ایک ایک سے ملے۔ وہ بتائے جارہی تھی اور حنین سن رہی تھی۔

(کیا جنگ میں جانے والے اور پیچھے بیٹھے رہ جانے والے برابر ہوسکتے ہیں؟)

جب وہ خود کو ہاشم میں مصروف رکھ رہی تھی تو یہاں کوئی راتوں کو جاگ جاگ کر ایک ناممکن کام کو ممکن بنانے کی کوشش کررہا تھا۔

"ہاشم' اف!" اس نے سر جھٹکا۔ وہ کوئی ٹین ایج کرش نہ تھا کہ حقیقت معلوم ہونے پہ دل سے نکل جاتا اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگتی۔ وہ تو مرض عشق تھا اور آج بھی پہلے کی طرح جان لیوا تھا۔

فارس دیوار پہ لگی جج کی تصویر دیکھ رہا تھا جب حنہ نے پکارا۔

"آپ کو ہسپتال یوں جلانا نہیں چاہیے تھا۔"

فارس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"آپ کو ان دونوں میاں بیوی کو اندر لاک کر کے ہسپتال جلانا چاہیے تھا۔"

وہ ہلکا سا ہنسا۔ بہت دن بعد۔ شاید بہت سالوں بعد اس نے حنہ کو واپس موڈ میں دیکھا تھا۔ پھر آگے ہو کر لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اسے کام سمجھایا۔

"تم یہ کرلوگی؟ شیور؟"

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں!"

زمر کافی بنانے جارہی تھی' آج پوری رات جاگ

کر ہر چیز فائنل کرنی تھی۔ جاتے جاتے رکی۔ "حنہ! تمہارے لیے کریم ڈالوں؟"

"جی۔ بالکل۔" حنہ نے مسکرا کر کہا۔ زمر بھی مسکرا کر سرہلاتی چلی گئی۔ فارس نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' دوسری حنین پہ۔ پھر ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کیا۔

"کسی کی بڑی دوستی ہو گئی ہے۔"

حنین نے چونک کر اسے دیکھا' پھر چمک کر بولی۔

"کسی کو بڑی جلن ہو رہی ہے۔"

"واٹ ایور!" اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

حنین مسکرا کر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔ صد شکر کہ دل کی حالتیں راز ہی رہتی ہیں' ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے۔۔۔

اوپر زمر کچن میں کھڑی کافی بناتے ہوئے ندرت سے معمول کی باتیں کر رہی تھی۔ کھڑکی سے قصر کی پشت اور ہاشم کی بالکونی دکھائی دیتی تھی۔ زمر نے رخ بالکل موڑ لیا۔ کم از کم اگلے کچھ دن تک وہ ان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی ورنہ خود پہ قابو رکھنا مشکل ہو جاتا۔ ابھی خود کو تیار کرنا تھا۔ مضبوط کرنا تھا۔ ایک لمبی اداکاری کے لیے۔

☆ ☆ ☆

ہر اک سیہ شاخ کی کمان سے' جگر میں ٹوٹے ہیں تیر جتنے
جگر سے نوچے ہیں اور ہر اک کا ہم نے تیشہ بنا لیا ہے

دو ہفتے بعد جب ستمبر دم توڑ رہا تھا' اور حبس اور گرمی کافی حد تک کم ہو چکی تھی' انیکسی پہ شام پھیلی تھی۔ فارس اپنے کمرے کے باتھ روم آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے' وہ ریزر سے آہستہ آہستہ شیونگ کریم صاف کر رہا تھا۔ ایک جگہ ہلکا سا کٹ لگا تو وہ رکا۔ انگلی سے خون کی ننھی بوند کو چھو کر دیکھا۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تپش تھی۔

"میں نے تمہیں اپنے چیمبر میں صرف اس لیے بلایا ہے فارس غازی! تاکہ تم وہاں تماشا نہ کرو۔" وہ میز کے سامنے ہتھکڑی میں کھڑا تھا اور میز کے پیچھے کھڑے

جج' کپ میں ٹی بیگ گھولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"اب کہو' جو تم نے کہنا ہے' اور پھر خاموشی سے غائب ہو جاؤ۔"

فارس نے بلیڈ رکھا اور ٹونٹی کھولی۔ جھک کر ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرا اور چہرے پہ ڈالا۔ ٹھنڈا پانی چہرے کو دھوتا' کچھ چھینٹے آئینے پہ بھی گرا آگیا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ بے گناہ ہوں' یہ فیصلہ میرا کیس سننے کے بعد آپ کو کرنا ہے' صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرا کیس سنا جائے۔ ہر چودھویں دن کسی قربانی کے جانور کی طرح مجھے کورٹ لا کر ریمانڈ میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ چھ چھ مہینے تک سماعتیں نہیں ہوتیں۔"

ہتھکڑی لگے ہاتھوں کو میز پہ رکھے' وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ "تاریخ ملے تو پراسیکیوٹر نہیں آتا' کبھی جج غائب ہوتا ہے' کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے۔ میں دو سال سے چودہ' چودہ دن کی امید پہ جیل میں معلق ہوں۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے باہر نہیں لانا چاہتا' پھر بھی' میں تم سب کو ایک موقع دیتا ہوں۔۔۔" ان کی آنکھوں میں دیکھ کر توڑ توڑ کر الفاظ ادا کیے۔ "میرا۔۔۔ کیس۔۔۔ سنا جائے۔ ہر ہفتے سنا جائے۔ غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی نہ کیا جائے۔ جج صاحب!"

وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' سوچ میں گم ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ تین۔۔۔ دو ایک اوپری بٹن کو کاج میں مقید کرتے' اس کی آنکھوں میں وہی سرد سی آگ تھی۔

"جج صاحب نے اپنی کرسی پہ بیٹھے۔ رعونت سے اسے دیکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا' پھر کپ رکھ کر آگے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اگلی دفعہ اگر مجھے پکارنے کی غلطی کرنا' تو مجھے یور آنر' کہنا۔ سنا تم نے! یور آنر۔ کیونکہ میں۔۔۔ ایک عزت مآب عدالت کا آنریبل جج ہوں۔" سینے پہ انگلی رکھ کر تکبر سے کہا۔ "میں ایک مین آف آنر ہوں۔ اگر تم سے بات کر رہا ہوں تو اس کو اپنی خوش قسمتی

سمجھو۔ یور آنر' سنا تم نے؟ میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ ایک دن میں عدالت عظمیٰ کا چیف جسٹس ہوں گا۔ اور تم جیسے آنر کلرز تب بھی جیل میں سڑ رہے ہو گے۔ تم مجھ پہ رشوت کا کیا الزام لگاؤ گے' پیسہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں فارس غازی' میں جسٹس سکندر حسین ہوں۔ میں اپنے آنر کے لیے جیتا ہوں۔"

وہ اب کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے کوٹ پہنتے ہوئے اس نے اپنے عکس کو دیکھتے کالر درست کیے۔ پھر پرفیوم کی شیشی اٹھا کر اپنی گردن پہ اسپرے کیا۔ لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کیں۔ خوشبو سی ہر جگہ پھیل گئی۔

("تو تم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہو کہ میں مجرم ہوں۔ اب میری بات سنو۔" ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پر رکھے' وہ کھڑے کھڑے جج کی طرف جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں پتا ہے کون ہوں؟ میرے پاس دو گنز کیوں ہوتی ہیں؟ کیونکہ میں... ایک... شکاری ہوں۔ اور میں قبر تک اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوں۔ اس لیے یور آنر' تمہیں میں اس کیس سے دست بردار ہونے کے لیے تو کہوں گا ہی' لیکن ایک بات اپنے مالکوں کو بھی بتا دینا۔" بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ "انہیں کہنا کہ ایک دن فارس غازی باہر ضرور آئے گا اور اس دن... فارس غازی ہو گا جج بھی... جیوری بھی... اور جلاد بھی!" پھر سر کو خم دیا۔ "یور آنر!"

"فارس!" وہ مسکرائے۔ "جس دن میں سپریم کورٹ کے جسٹس کا حلف اٹھا رہا ہوں گا' اس دن بھی تم جیل میں سڑ رہے ہو گے۔")

اس نے آنکھیں کھولیں۔ (اس واقعے کے ایک دن بعد اس نے جج کو کیس سے دست بردار ہونے کی درخواست دے دی تھی' جج ہٹ بھی گیا لیکن سعدی کے ہاتھ ویڈیو لگ جانے کے بعد... سعدی نے سارا کھیل ترتیب دیا اور وہی جج دوبارہ اس کیس کی سماعت کرنے لگا۔)

فارس نے آہستہ سے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ عکس میں اپنے پیچھے زمر کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ وہ اس کی شرٹ کے کالر کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹائی کیوں نہیں پہنتے؟" فارس نے چہرہ موڑ کر ان ہی سرد پتلی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ ٹائی مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگتی ہے۔"

اور فارس غازی تو ایسی باتیں کیا کرتا تھا' لیکن آج سے پہلے اتنا درد... زمر نے نگاہیں چراتے سر جھٹکا۔ وہ سیاہ ڈریس میں بال ہاف باندھے تیار کھڑی تھی۔

"تم تیار ہو؟"

"پوری طرح!" وہ کہتے ہوئے چابیاں اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

صبح کے تخت نشین شام کے مجرم ٹھہرے
ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا!

ہال میں وسیع پیمانے پہ ڈنر ٹیبلز لگی تھیں۔ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبرز' ججز' سینئر وکلا' پراسیکیوٹرز' سب شامل تھے۔ ایک بھورے سوٹ والا شخص جو وکیل نہیں تھا' مگر جس طرح آگے پیچھے ہدایات دے رہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ جو ڈنر بظاہر جسٹس سکندر کی طرف سے "ہائیکورٹ کا جج مقرر ہونے کی خوشی" میں دیا گیا ہے' اس کی فنڈنگ کرنے والا یہی امیر آدمی ہے۔

ایک میز پہ زمر یوسف کھڑی تھی۔ سیاہ لباس' اور ہلکی جیولری کے ساتھ' مسکراتے ہوئے وہ جسٹس سکندر کو مبارک باد دے رہی تھی۔

"آپ آج کل نہیں نظر آرہیں۔" سعدی والی تلخی بھلائے (کہ یہ تو کچہری کا روز کا معمول تھا) وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔

"جاب ختم ہونے کے بعد کچھ ماہ پرائیویٹ پریکٹس کی تھی۔ کچھ دن سے وہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آج کل ہاؤس وائف ہوں۔" مسکرا کر ساتھ' سوٹ میں ملبوس

ہینڈسم سے فارس کی طرف اشارہ کیا تو جسٹس صاحب اس کی طرف مڑے۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"معلوم پڑتا ہے کہ شکاری نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔ گڈ!" مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ فارس کھلے دل سے مسکرایا۔ بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

"کر تو چکا ہوں 'لیکن انسان اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔" جسٹس صاحب کی آنکھوں میں دیکھ کر اضافہ کیا۔ "یور آنر!"

"گڈ گڈ!" انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ "ہماری دعوت قبول کرنے کا شکریہ۔ خوشی ہوئی تم سے دوبارہ مل کر۔"

"مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہوگی۔ اور بہت مبارک ہو آپ کو یور آنر۔ آپ کو وہ سب ملنے جارہا ہے جس کے آپ مستحق ہیں۔"

جج صاحب نے سر کے خم سے شکریہ وصول کیا۔ فخر سے ارد گرد پھیلی تقریب اس عزت اور وقار کو دیکھا جو ہر ایک کی آنکھوں میں ان کے لیے تھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا 'شکاری۔ ایک دن ہم سپریم کورٹ بار میں ملیں گے۔" فارس ہلکا سا ہنس دیا۔

"اور ہاں تمہارے بھانجے کا افسوس ہوا۔ لگتا ہے اس نے اپنے قد سے بڑے دشمن بنالیے تھے مگر تم اپنا خیال کرنا۔"

کالر جھاڑے اور آگے بڑھ گئے۔ ان سے ہاتھ ملانے کے لیے بہت سے لوگ منتظر تھے۔ طویل میز کے گرد بیٹھے افراد اب اٹھ اٹھ کر بوفے ٹیبل کی جا رہے تھے۔

زمر اپنی جگہ سے اٹھی۔ چند وکلا حد سماعت میں بیٹھے تھے سو شائستگی سے فارس کو مخاطب کیا۔

"آپ کو کچھ لادوں۔"

"میں آرہا ہوں۔" وہ اس کے ساتھ اٹھا۔ وکلا برادری کو یاد تھا کہ وہ مرڈر ٹرائل کے تحت چار سال جیل میں رہا ہے 'یہ بھی یاد تھا کہ زمر نے اس کے خلاف گواہی دی تھی' اور اکثریت کو اس کے گناہ گار ہونے کا یقین بھی تھا 'لیکن مقدمے' جیل 'پیشیاں یہ اس کیمونٹی میں اتنا عام تھا' خود ہر ایک پہ اتنے کیسز تھے اور اتنے کیسز میں انہوں نے ایک دوسرے کو پھنسا رکھا تھا کہ عام لوگوں کی نسبت ان کو اس بات سے فرق کم پڑتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے بوفے ٹیبل تک گئے۔ فارس نے جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"مجھے آپ نہ کہا کریں 'میں صداقت تھوڑی ہوں؟"

زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا تھا۔ وہ نہیں مسکرائی' چپ چاپ کھانا ڈالنے لگی۔ وہ ڈل لگ رہی تھی۔

دفعتاً "ایک ویٹر وہاں سے گزرا اور ریموٹ اٹھائے" اس نے باری باری ریسٹورنٹ میں لگے ہر ٹی وی اسکرین کا چینل بدلا۔ ایک مخصوص چینل سیٹ کیا۔ اور آواز اونچی کردی۔ پھر سر جھکائے فارس کے قریب سے گزرنے لگا تھا تو فارس نے اس کی جیب میں لپٹے ہوئے نوٹ رکھے' اور کندھے کو ہلکا سا تھپکا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ فارس نے نظر اٹھا کر سی سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا' جس کا رخ اس طرف نہیں تھا اور مسکرایا۔

(آج کی شام یور آنر کے نام!)

وہ دونوں واپس طویل میز پہ آبیٹھے تو جسٹس سکندر ان کے سامنے' مگر چند کرسیاں چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ وقار سے کھڑی گردن اور فخر سے اٹھے کندھوں کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

"میں آپ کو بتاؤں جسٹس اسد 'ایسے موقعے ہر شخص کے کیریئر میں آتے ہیں 'لیکن حلال کا ایک لقمہ جو آپ اپنی اولاد کے حلق سے گزارتے ہیں اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔"

وہ کہہ رہے تھے اور باقی افراد نے ہر شے جاننے کے باوجود بھی سر دھنا۔

"وہ کہتے ہیں نا کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتا ہے....."

"شیر کا ایک دن!" فارس نے مسکراتے ہوئے

گلاس لبوں سے لگایا۔ جسٹس صاحب اپنا فقرہ پورا نہیں کرسکے کیونکہ زمر نے کانٹا زور سے پلیٹ میں گرایا تھا۔

"اوہ گاڈ!" چہرہ موڑے وہ اتنا اونچا بولی کہ چند لوگ اسے دیکھنے لگے، پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ٹی وی اسکرین کو دیکھا اور.....

ریسٹورنٹ کے اس ہال میں تین ٹی وی اسکرینز نصب تھیں۔ یہ بڑی بڑی صاف اور واضح اسکرینز۔ اور سب لوگ اب مڑ مڑ کران پہ چلتی نیوز دیکھ رہے تھے۔ نیوز کاسٹر حسب معمول حلق پھاڑ کر اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

"یہ ویڈیو کچھ دیر پہلے انٹرنیٹ پہ پوسٹ ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی وائرل ہو گئی ہے۔ ہم آپ کو ایک دفعہ پھر بتاتے چلیں کہ ویڈیو میں موجود سیاہ کوٹ والے شخص کی شناخت ہائیکورٹ جج جناب جسٹس سکندر حسین شاہ کے نام سے ہوئی اور....."

ریسٹورنٹ میں سناٹا چھا گیا تھا' جسٹس سکندر ہاتھ میں گلاس پکڑے سُن سے گردن اٹھائے وہ ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ ایچ ڈی کوالٹی کی صاف اور واضح ویڈیو۔ جس میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے ایک کرسی پہ اوسی پی صاحب نظر آرہے تھے' اور تیز تیز کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ان کے سر پہ جسٹس صاحب کھڑے تھے اور غصے سے کچھ کہہ رہے تھے' آواز ٹھیک سے نہیں آرہی تھی' مگر آواز کی ضرورت بھی نہ تھی' کیونکہ جیسے ہی اوسی پی نے کاغذ اور قلم رکھا' جج نے جواب اس کے سر کے پیچھے کھڑے تھے اور کیمرے میں بہت واضح نظر آرہے تھے' ایک دم اوسی پی کی گردن میں بازو ڈال کر ان کو جکڑا اور اس سے پہلے کہ وہ ان کا ہاتھ ہٹا پاتے' جج نے ایک سرنج اس کے کندھے میں گھیڑی۔ اوسی پی مزاحمت کر رہے تھے' ان کا بازو ہٹاتے' ہاتھ پاؤں مار رہے تھے' لیکن پھر..... ان کا جسم ڈھیلا پڑ تا گیا۔ گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ جج نے سرنج جیب میں ڈالی' کالر جھٹکے۔ اوسی پی کا سر کاغذ پہ رکھا' بازو درست کیے۔ جیسے وہ لکھتے لکھتے سو گئے ہوں' اور جانے کے لیے مڑ گئے۔ یہ ایک طویل ویڈیو میں سے کاٹا ہوا ایک ننھا سا کلپ تھا جس کی قیمت سعدی یوسف نے فارس غازی کی بریت لگائی تھی۔ اب وہی کلپ ریسٹورنٹ میں ایک قومی ٹی وی چینل پہ چل رہا تھا اور جسٹس سکندر کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

پھر لوگ مڑ مڑ کران کو دیکھنے لگے۔ حیرت' شاک' اور ایکسائٹمنٹ سے۔ ان کا الٹا رکھا موبائل مسلسل وائبریٹ ہونے لگا۔ ڈنر کے فنڈر نے جلدی سے ویٹر کو اشارہ کیا' وہ اب اس سے پچھلے دروازے کا پوچھ رہا تھا۔ جسٹس سکندر ایک دم اٹھے۔ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ وہ کلا ان کے ساتھ لپکے۔

فارس غازی نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ گلاس سے مزید ایک گھونٹ بھرا اور دلچسپی سے اردگرد پھیلی افراتفری دیکھی.....

جسٹس سکندر نے بیرونی دروازے سے باہر قدم رکھا' تو نیچے سڑک پہ رپورٹرز تھے۔ ان کے کیمرے فلیش کی چمکتی لائیٹس۔ مائیکس کی قطار۔ پریشان حال منیجر کہہ رہا تھا۔ "سر ہمیں نہیں معلوم ان کو کس نے ادھر بلایا ہے لیکن....."

اندر ٹیک لگائے بیٹھے فارس نے گلاس سے آخری گھونٹ بھرا۔ اس کے لبوں پہ سرد سی مسکراہٹ ہنوز جمی تھی۔

جسٹس سکندر کو کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ وہ سر جھکائے' زینہ اُتر رہے تھے۔ (اے ایس پی' آج رات ایک لڑکے کو غائب کرنا ہے۔ ہسپتال کا نام بھیج رہا ہوں' مگر پہلے اس کا آپریشن ہونے دو۔ ڈاکٹر توقیر بخاری کو بھی ادھر بلا لو۔ لڑکے کو زندہ سلامت نکالنا ہے۔)

گارڈز میڈیا کے نمائندوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یکے بعد دیگرے مائیک ان کے چہرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"کیا آپ اس ویڈیو کی تصدیق کرتے ہیں؟"

"کیا انٹرمیڈیٹ بورڈ کے آفیسر کانفیڈنشل پرلیس

کی جان لینے والے آپ ہی تھے۔"

(میرے بس میں ہوتا تو اس لڑکے کو وہیں ختم کروا دیتا۔ لیکن دوستوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ ارے نہیں، فکر مت کرو، کسی کو علم نہیں ہو گا۔ ہو بھی جائے تو وہ متوسط طبقے کے معمولی لوگ ہیں، ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ جانے دو اے ایس پی، بہت دیکھے ہیں فارس غازی جیسے!)

وہ چہرہ جھکائے، اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہجوم سے نکل رہے تھے۔ ساتھی وکلا اور گارڈز بمشکل رپورٹرز کے درمیان سے راستہ بنا پا رہے تھے۔ ریسٹورنٹ میں کھانا بھول کر چہ مگوئیاں اور پھر ڈسکشن شروع ہو چکی تھی۔ ٹی وی کی آواز اونچی کر دی گئی تھی۔ ڈنر کے فنڈر کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس کے ہائیکورٹ میں تیرہ کیسز پھنسے تھے، اور ان کو چند منٹ پہلے تک پہیے لگ جانے تھے، مگر اب...؟

باہر جسٹس صاحب کی کار روانہ ہوئی اور ذرا طوفان تھما، تو وہ دونوں بھی نکل آئے۔ پارکنگ ایریا تک جاتے ہوئے فارس کہہ رہا تھا۔

"اسٹیبنی کے مطابق، سعدی نے جج کو کہہ رکھا تھا کہ یہ ویڈیو اس کے لائر کے پاس ہے اور اسے کچھ ہونے کی صورت میں، وہ اس کو انٹرنیٹ پہ ڈال دے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جج کو اس اسکینڈل سے نکالنے کے لیے کون آتا ہے؟" وہ محظوظ سا کہتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔ زمر دوسری طرف خاموش کھڑی تھی۔

"جج ایک مہرہ نہیں تھا، وہ ان لوگوں کا دوست ہے، سو اس کے دوست اس کو بچانے ضرور آئیں گے۔ کوئی سیاستدانوں میں سے، کوئی وکلا برادری سے، کوئی بزنس کمیونٹی سے اور کوئی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے۔ ہم یہ دیکھیں گے کہ کون کون اس کو بچانے آتا ہے۔ وہ لوگ اب بوکھلا چکے ہوں گے اور وہ غلطیاں کریں گے۔ زمر میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔" لاک میں چابی روک کر اس نے اسے پکارا۔

زمر نے چونک کر سر اٹھایا، پھر گردن ہلائی۔ "ہوں، میں جا رہی ہوں گے۔"

فارس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "ہم سعدی تک پہنچنے کے اتنا قریب ہیں۔" انگلی اور انگوٹھے سے ایک انچ کا فاصلہ دکھایا۔ "مگر آپ اتنی ڈل اور بجھی بجھی کیوں لگ رہی ہیں؟"

"نہیں تو۔"

"کچھ تو ہوا ہے۔ ورنہ کل رات تک آپ بہت ایکسائٹڈ اور خوش تھیں۔" پھر یاد آیا۔ "صبح آپ اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔ کیا کہا اس نے؟"

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ (مسز زمر" ذہن میں ڈاکٹر قاسم کے الفاظ گونجے۔ "میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔")

"ہاں میں گئی تھی۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(جس عطیہ شدہ گردے پہ آپ سروائیو کر رہی ہیں، وہ ناکارہ ہو چکا ہے۔)

"مگر فارس... ڈاکٹر صاحب تھے ہی نہیں۔ میں انتظار کر کے واپس آ گئی۔" وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا، مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ 'سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر 'سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

مکمل ناول

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔
ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈر گز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔
سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آئس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔
اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں' بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔
زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔
فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔
حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔
زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔
جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے۔ اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔
سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔
سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔
زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔ سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً" ۔ مثلاً" ہاشم کاردار۔" سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔

حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو اُن کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے۔ جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔
زمر، فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی، وہ کمرے میں جاتی ہے تو وہ دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے 'یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری' ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ.... فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہوگا۔
ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان جواہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر' احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کیمپین چلا رہا ہے۔ آب دار ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس' زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کرکے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے' وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کرچکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتا دیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک اوسی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہوسکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔

سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے' جہاں احمر شفیع' ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔ زمر اور فارس' حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔

ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شان دار اسپتال جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔

حنین اور زمر' ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔

ہاشم' سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہو جاتا ہے' پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے' تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔

جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو جس میں وہ اوسی پی کو قتل کر رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔

زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ جو سعدی نے دیا تھا۔ ناکارہ ہو چکا ہے۔

سولہویں قسط

"میرا مرض مستمر!"

میں نے ایک سمر کیمپ اٹینڈ کیا تھا۔
اس چھڑی جیسی لڑکی ٹوانلا اسٹینز بری کے ساتھ۔
وہ بہترین ایتھلیٹ تھی۔
اسے فٹنس کا جنون تھا۔
جتنی دبلی ہو جائے' کم تھا۔
ایک پاؤنڈ یہاں سے' ایک پاؤنڈ وہاں سے۔
ہرنی کی طرح بھاگتی تھی۔
مگر پھر۔ وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہی'
تب میں نے جانا کہ وہ اینوریکسک (نفسیاتی بیمار) تھی۔
اس بیماری نے اس کی بصارت چھین لی تھی۔
میں نے نہیں دیکھا ٹوانلا سے زیادہ کسی کو
اپنے جسم کے بارے میں اتنا جنونی۔
ساری زندگی اس نے جس چیز کے پیچھے بھاگتے گزاری'
اس نے اسے تباہ کر دیا۔
تم کہتے ہو برلن' انتقام تمہارا جنون ہے۔
میں تمہیں بتاؤں' انتقام جنون نہیں ہوتا۔
یہ تو ایک بیماری ہے۔
جو دل کو کھاتی ہے'
اور روح کو زہریلا کر دیتی ہے۔
(دی بلیک لسٹ کے کردار "ریمنڈ ریڈنگٹن" کا مکالمہ)

ستمبر کے آخری ایام میں گرمی کم تھی' مگر حبس اب بھی تھا۔ ایسے میں اس اسپتال کی اونچی بلڈنگ کی ایک کھڑکی سے جھانکو تو اندر ڈاکٹر قاسم بشارت کے کمرے میں زمر بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ڈاکٹر قاسم اس کو تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو اپنے ہزبینڈ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔"

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ مجھے میری کڈنی کا بتائیں۔ کیا وہ مکمل طور پہ ختم ہو چکی ہے؟" بظاہر مضبوط انداز سے پوچھا۔

"زمر! آپ نے چار سال اس ڈونیٹڈ کڈنی پہ گزارے ہیں۔"

"مگر یہ پرفیکٹ میچ تھا' آپ نے کہا تھا' میری قسمت اچھی ہوئی تو بیس سال بھی گزار سکتی ہوں۔"

ڈاکٹر پہ جمی آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔
"آئی ایم سوری زمر! مگر پچھلے تین ماہ سے نہ آپ دوا ٹھیک سے لے رہی ہیں' نہ چیک اپ کے لیے آتی ہیں' پچھلے ہفتے ٹیسٹس کے لیے بھی میں نے زبردستی آپ کو بلایا تھا۔" وہ رکے' گہری سانس لی۔ "آپ کی کڈنی تقریباً" ختم ہو چکی ہے۔ مکمل نہیں' تقریباً"۔"
"کتنے عرصے بعد مجھے نئی کڈنی کی ضرورت پڑے گی؟"
"جلد از جلد۔ جتنی دیر کریں گی۔ اتنا مسئلہ ہو گا۔ کیا آپ نے کسی اور ڈاکٹر کی رائے لی؟"
"جی' میں ڈاکٹر فاروق احسان کے پاس گئی تھی۔ ٹیسٹس بھی دوبارہ کروائے۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مجھے جلد از جلد ٹرانسپلانٹ کروانا ہو گا۔" کمرے میں ایک آزردہ سی خاموشی آٹھہری۔
"کیا آپ کی فیملی میں کوئی ایسا ہے' جو آپ کو کڈنی ڈونیٹ کر سکے؟" قدرے توقف سے انہوں نے پوچھا۔
"میں کوئی گیم تو نہیں کھیل رہی کہ ایک چیز ضائع ہو جائے تو دوسرے سے مانگ لوں۔ کڈنی ڈونیشن بہت بڑی بات ہے اور میں اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں مانگنا چاہتی مزید۔" وہ اس سوال پہ ناخوش ہوئی۔
"اوکے ریلیکس!" انہوں نے اسے تسلی دی۔ "میں ڈونر کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جتنی جلدی اورگن ملے' اتنی جلدی ہم ٹرانسپلانٹ کر دیں گے' لیکن آپ نے پہلے کی طرح اب بداحتیاطی نہیں کرنی۔ میں پھر کہوں گا' آپ اپنی فیملی میں کسی کو راضی کرنے کی۔۔۔"
وہ مزید باتیں نہیں سن سکتی تھی۔ فضا میں موجود حبس اور گھٹن بڑھ گئی تھی' اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

اپنی تلاش کا سفر ختم بھی کیجیے کبھی
خواب میں چل رہے ہیں آپ

اسی حبس زدہ دن جب پرندے اکتائے اکتائے اڑ رہے تھے' ایک اور اسپتال کے پرائیویٹ روم میں آب دار عبید ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور سامنے بستر پہ لیٹے مریض کی باتیں توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ایک درمیانی عمر کے صاحب تھے۔ ابھی مکمل طور پہ صحت یاب نہیں ہوئے تھے۔ نالیاں وغیرہ ہنوز لگی تھیں۔ چہرے پہ بھی نقاہت تھی۔
"پچھلی ملاقات میں آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔" وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہی تھی۔ "ویسے تو میں ہپنو تھراپسٹ ہوں' مگر ایک ریسرچ کے سلسلے میں مجھے آپ کا کیس سننا ہے۔ کیا آپ کمفرٹیبل ہیں؟"
"جی! آپ پوچھیے۔" انہوں نے نقاہت سے اسے دیکھتے سرہلایا۔
"اوکے۔" آب دار نے گہری سانس لی۔ "آپ کی سرجری کے دوران جواد صاحب! ایک وقت ایسا آیا تھا جب آپ کا دل بند ہو گیا تھا' اور آپ کو واپس لانے میں ڈاکٹرز کو پچاس سیکنڈ لگے تھے۔ ان پچاس سیکنڈز کے لیے آپ کلینیکلی مردہ ہو چکے تھے۔" وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے پھر اثبات میں سرہلایا۔ "ان پچاس سیکنڈز میں۔۔۔ کیا ہوا تھا؟ کیا دیکھا آپ نے؟"
جواد صاحب کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ "آپ یقین نہیں کریں گی۔"
"ٹرائی می!" وہ مسکرائی۔
انہوں نے گہری سانس لی۔ آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ "اس وقت میری سرجری جاری تھی۔ نشے کے باوجود مجھے تکلیف ہو رہی تھی' کچھ آوازیں بھی کانوں میں پڑتی تھیں' ڈاکٹرز وغیرہ کی' پھر میں نے سنا کہ وہ لوگ مجھے لوز کر رہے ہیں' ذرا سی افراتفری پھیلی۔" وہ رکے۔
وہ غور سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ "پھر؟"
"پھر جیسے اچانک سے میری ساری تکلیف ختم

ہوگئی، میں نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا۔ میں اس بارے میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا، لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو۔۔۔" سر جھٹکا۔ "ایسے جیسے میں کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا ہوں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"میں نے۔۔۔ محسوس کیا کہ" وہ آنکھیں موندے وقت سے بول رہے تھے۔ "۔۔۔ کہ جیسے کوئی مجھے کھینچ رہا ہے۔ میں آپریشن ٹیبل پہ لیٹا تھا۔ میں نے خود کو اس کے نیچے سے نکلتا محسوس کیا، ہلکا اور آزاد، اور اس کے آگے۔۔۔ ایک تاریک جگہ تھی، جیسے کوئی غار یا سرنگ ہوتی ہے، میں اس میں سے گزر کر دوسری طرف نکلتا گیا۔" آب دار نے نوٹ بک پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔ "پھر؟"

"اس غار نما تاریکی سے نکل کر میں نے دیکھا کہ۔۔۔ میں اسی آپریشن تھیٹر میں ہوں، مگر اوپر۔۔۔ فضا میں تیر رہا ہوں۔ آپ یقین نہیں کریں گی، مگر میں نے اوپر سے دیکھا کہ نیچے ٹیبل پہ میرا جسم لیٹا ہے، اور ڈاکٹرز مجھے مسلسل ریوائیو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اس دفعہ آب دار نے کاغذ کو دیکھے بنا چند الفاظ گھسیٹے۔ "اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد۔۔۔" انہوں نے یاد کیا۔ "میں نے اوپر فضا میں دیکھا، اپنے والد کو، اور ایک بچی کو جو میرے بچپن میں اسکول میں کرنٹ لگنے سے مر گئی تھی اور بھی چند فوت شدہ رشتہ داروں کو۔ وہ مجھے دیکھ رہے تھے لیکن میرے اور ان کے درمیان ایک سرحد تھی، مادی سرحد نہیں، نہ ہی کوئی لکیر۔ وہ ایک ایسی ان دیکھی باؤنڈری تھی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں اس طرف تھا اور وہ لوگ دوسری طرف وہ مجھے مسلسل واپس جانے کا کہہ رہے تھے، اور میں نہ آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔"

"کیا آپ نے وہاں کسی اور کو دیکھا؟"

کتنے ہی لمحے وہ کچھ نہ بولے۔ پھر اسی طرح بند آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔ "روشنی۔ وہ روشنی تھی، مگر ٹیوب لائٹ یا سورج یا چاند کے جیسی روشنی نہیں۔ وہ مختلف قسم کی تھی۔ شاید اسی کو نور کہتے ہیں، مگر وہ صرف نور نہیں تھا، وہ نور کا وجود تھا۔ A being of light ۔ آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ کیا اس نے آپ سے بات کی؟" وہ بغور ان کے چہرے کی اذیت دیکھ رہی تھی۔

"جی۔ مگر ایسے نہیں جیسے انسان کرتے ہیں، الفاظ سے نہیں، پھر بھی میری سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا، اور یہ کہ مجھے واپس جانا ہوگا۔" انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ "پھر ہر شے ریوائنڈ ہوگئی۔ میں واپس ہوتا ہوا اپنے جسم میں داخل ہو گیا۔ بھاری اور وزنی۔"

"اس وجود کے قریب کیا محسوس کیا آپ نے؟"

"غیر مشروط محبت۔ احساس قبولیت۔ علم کی تڑپ۔ وہ سراپا محبت تھا۔ وہ کون تھا؟ اور کیا یہ صرف ایک خواب تھا؟"

"نہیں، یہ NDE تھا Near Death Experiance (موت کی قربت کا تجربہ) آپ سمیت دنیا میں ہزاروں لوگ اس سے گزر چکے ہیں۔ چونکہ آپ کی موت کا مقررہ وقت ابھی نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے آپ مر کر بھی زندہ ہو گئے۔" اس نے قدرے توقف کیا۔ "رہی بات کہ وہ کون تھا، تو آج تک کوئی انسان نہیں بتا سکا کہ وہ کون تھا۔ اس تجربے سے گزرنے والے یہود کہتے ہیں کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے، عیسائی کہتے ہیں وہ مسیح ابن مریم تھے، مسلمان کہتے ہیں کہ وہ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام تھے، لیکن مجھ سے پوچھو تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نورانی وجود جو مر کر زندہ ہونے والوں کو ملتا ہے، وہ کون ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ وہ آپ کو کیا سکھاتا ہے؟" اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے اب چلنا چاہیے۔"

"آپ خوش نہیں لگ رہیں، جیسے آپ کو جس چیز کی تلاش تھی وہ آپ کو نہیں ملی۔"
آب دار کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ جبراً" مسکرائی۔ "کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کیجیے۔" اب وہ مسکرا کر الوداعی کلمات کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆
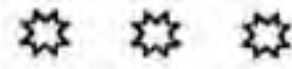
کہ جس ہاتھ میں پتھر، کماں میں تیر نہ ہو
کوئی بھی ایسا مرے شہر مہراں میں نہ تھا
قصر کاردار کے لاؤنج میں اس صبح کھلی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر آرہی تھی۔ شہرین سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا۔
اندر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ شرٹ کے کالر کھڑے تھے اور میز پہ رکھی تین عدد ٹائیز میں سے ایک اٹھا رہا تھا۔ آہٹ پہ نظر اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ سفید شرٹ اور خاکی پینٹ میں ملبوس، سنہرے بالوں کی اونچی پونی بنائے شہری، مسکراتی ہوئی آرہی تھی۔
"سونی ہم دونوں کو اپنے اسکول فنکشن میں ساتھ ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اونہہ گرے ٹائی نہیں چلے گی اس کے ساتھ۔" وہ آگے آئی اور ہاشم کے ہاتھ سے نرمی سے گرے لے کر رکھی اور بلیو اٹھائی۔ ہاشم نے بس مسکرا کر اسے دیکھا، بولا کچھ نہیں۔ شہری اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
"شیرو کی کمپنی کیسی جارہی ہے؟ میں نے سنا ہے تم دونوں ہارون عبید کے ساتھ شراکت داری کررہے ہو اس کمپنی میں؟" اس کے کالر مزید کھڑے کیے اور ٹائی گردن میں ڈالی، پھر گرہ لگانے لگی۔
"تم نے صحیح سنا ہے۔"
وہ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کر گرہ کو اوپر تک لائی۔
"ہاشم!" مٹھاس سے پکارا۔ "سعدی کہاں ہے؟"
"یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔ تمہاری بہت دوستی تھی اس سے۔" وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔
"جس گن سے اسے مارا گیا ہے، وہ گلاک جی فورٹی ون تھی۔ شیرو کے پاس ہے ایسی گن۔ انکار مت کرنا۔" مسکرا کر اس کے کھڑے کالر سیدھے کیے، پھر ٹائی کی ناٹ پکی کی۔ "کہیں یہ نہ ہو کہ میں فارس کو کال کردوں۔" اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹائی پن اٹھانے مڑی تو ہاشم نے اپنا موبائل اٹھایا۔ شہری واپس ہوئی، اس کی ٹائی کو شرٹ کے ساتھ پن کے ذریعے نتھی کیا، تو ہاشم نے نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا۔ تیسری گھنٹی پہ فارس کا "ہیلو؟" کمرے میں گونجا۔ ٹائی پن لگاتی شہری نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔
"فارس یار! شہری کو تم سے ضروری بات کرنی ہے، اس کے فون کی بیٹری ختم تھی۔ اس کی بات سن لو ذرا!" اعتماد سے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ شہری کے ہاتھ اس کی ٹائی پن پہ ہی جم گئے۔ دم بخود، ساکت۔ فارس "ہیلو؟" کہہ رہا تھا اس نے بدقت تھوک نگلا۔
"ہاں فارس، کیسے ہو؟" زخمی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھتے جبراً" مسکرا کر بولی۔ "4 اکتوبر کے پہلے ویک اینڈ پہ ہماری ہاؤس وارمنگ ہے۔ تم آسکو گے؟"
"نہیں۔ بزی ہوں۔" ذرا توقف سے بولا۔ "اور کچھ؟"
"نہیں۔ تھینک یو۔" جلدی سے بولی۔ ہاشم نے فون بند کرکے میز پہ ڈالا۔ پرفیوم اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھتے گردن پہ چھڑکا۔ فضا ایک دم معطر ہوگئی۔
"تمہارے تو الفاظ ہی غائب ہوگئے شہری یقیناً اس لیے کہ تمہارے باپ کا سارا کاروبار میرے اوپر ہے تم نے سنا میرے اوپر انحصار کرتا ہے۔ رہی سعدی کی بات تو اس کو غائب کرنے میں میرا نہیں، تمہارا ہاتھ ہوسکتا ہے اور اگر تم نے فارس کو کچھ کہنا ہو تا تو بہت پہلے کہہ دیتیں۔ کوٹ؟" کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ شہری نے مرے مرے ہاتھوں سے کوٹ کو سامنے کیا۔ ہاشم نے اس میں اپنے بازو ڈالے اور پھر اسے کندھوں پہ برابر

کرتے اسی طرح بولتا گیا۔
"اور جو گن میں نے شیرو کو گفٹ کی تھی' وہ جی فورٹی فائیو تھی۔ اس کا تمام پیپر ورک میرے لاکر میں موجود ہے۔ سو اگلی دفعہ مجھے بلیک میل کرنے کے لیے کوئی بہتر طریقہ ڈھونڈنا بجائے۔۔۔" کوٹ کو بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف گھوما اور مسکرا کر اس کے کندھے پہ لٹکا پرس اتارا۔ بجھے چہرے والی شہری حرکت بھی نہ کر سکی۔ "بجائے میرا اعتراف ریکارڈ کرنے کے۔" پرس سے ریکارڈنگ پہ رکھا سیل فون نکال کر اس کے سامنے لہرایا' اور دروازے تک آیا۔ فیشونا کو بلایا۔
"اس کو چولہے میں پھینک دو۔" سیل فون اس کو تھماتے درشتی سے بولا۔ پھر مڑ کر بت بنی شہری کو دیکھا۔
"تم آرہی ہو یا میں اکیلا جاؤں؟"
"مجھے تمہاری نئی کمپنی میں شیئرز چاہئیں۔ تینتیس فیصد۔" بمشکل گردن اکڑا کر بولی۔ ہاشم مسکرایا۔
"شہری۔۔۔" چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔ "میں تمہیں اپنی کمپنی سے ایک پائی بھی نہیں دینے والا۔"
وہ باہر نکل گیا تو شہری نے تلملا کر پیر پٹخا۔

☼ ☼ ☼
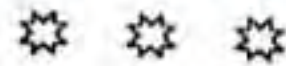
ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج؟
آنکھیں بھی ہیں' چراغ بھی ہے' آئینہ بھی ہے

اس صبح حنین اسٹڈی ٹیبل پہ اپنی پسندیدہ کتاب "درمیان" کھولے بیٹھی تھی۔ کچھ دن سے وہ اسے باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی اور اٹھاسی فصلیں پڑھنے کے بعد' دل پہ گناہوں سے لگنے والے زنگ کو سمجھنے کے بعد وہ اس فصل پہ پہنچ گئی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔
"باب 89 - مرض عشق کی دوا!"
ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پوری توجہ سے وہ دروازہ ڈھونڈا جو قدیم زمانوں میں لے جاتا تھا' اور پھر گزرے زمانوں ——— میں خود کو غرق

کرتے ہوئے پٹ کھول دیے۔

دوسری جانب ایک روشن دوپہر واضح ہوئی۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ ایک چراگاہ پہ بکھری تھی۔ سبزہ۔ ہر سو سبزہ۔ اور اس زمردی گھاس پر سفید، پھولے پھولے سے، بھیڑ جا بجا گھاس چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کیا واقعی دمشق میں اتنا سبزہ تھا؟ مگر کوئی بات نہیں۔ یہ حنہ کی دنیا تھی۔ وہ قدم قدم چلتی آگئی اور ایک پتھر پہ بیٹھے شیخ کے دائیں جانب آبیٹھی۔ جھکے کندھوں کے ساتھ اس نے محض اتنا کہا۔

"میں آگئی ہوں۔ مجھے بتایئے۔ کیا ہے میرا علاج؟"

شیخ اپنے سفید سرمئی لباس میں بیٹھے تھے۔ نگاہیں دور چرتے بھیڑوں پہ تھیں۔ دھیرے سے بولے۔

"وقف الھوی بی حیث انت فلیس لی۔ متاخر عنہ ولا متقدم"

(تیری محبت نے مجھے وہاں لا کھڑا کیا ہے جہاں تو ہے

اب یہاں سے مجھے نہ کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے نہ آگے بڑھا سکتا ہے۔)

"درست۔ میں بھی ایسے ہی نقطے پہ کھڑی ہوں۔" وہ بھی سامنے دیکھنے لگی۔ "میرا دل جل رہا ہے، میں بے چین ہوں، مضطرب ہوں۔ کیا اس قاتل جادو کے اتار کا کوئی منتر ہے؟ میرے دل میں یہ مرض مستمر (پرانا، مسلسل چلے آنے والا مرض) اپنی جگہ بنا چکا ہے اور میں اپنا دل کھو چکی ہوں۔ کیا میں پھر سے اپنے دل کی مالکن بن سکتی ہوں؟ وہ گناہ گار ہے، قاتل ہے، پھر بھی میں اس سے نفرت نہیں کر پا رہی۔"

"مریض محبت کو سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے لڑکی! کہ کسی شخص کے قبضے سے اپنا دل چھڑانے کے لیے اس کو "بھولنا" یا اس سے نفرت کرنا ضروری نہیں۔"

"بھولے بغیر موو آن کیسے کیا جائے پھر؟"

"اس کا علاج کرکے۔ انسان کو چاہیے کہ اس مرض کو یا تو پیدا نہ ہونے دے، لیکن اگر پیدا ہو چکا ہے تو اس کے علاج کے دو طریقے ہیں۔ آج میں تمہیں پہلا طریقہ سمجھاتا ہوں۔"

"اور کیا گارنٹی ہے کہ میں یہ کروں گی تو میرا دل مجھے واپس مل جائے گا؟"

"یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ تم کتنی اچھی دوا لیتی ہو۔"

اس کا دل پھر سے شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگا۔ سات سو سال پرانے شیخ کو کیا معلوم موبائل، انٹرنیٹ، آئل کارٹیلز، پاکستان کے مرڈر ٹرائلز اور ان سارے مسئلوں کا جو اسے درپیش تھے، مگر پھر بھی اس نے سننا چاہا۔ شیخ کا پہلا توڑ۔

"غض بصر۔"

"آ۔۔۔ مطلب؟" اسے عربی بھول بھال گئی تھی۔

"اپنی نگاہ کو پست رکھو، نگاہ کی حفاظت کرو۔ اس کو نہ دیکھو جس کی وجہ سے دل کھویا ہے۔" حنین نے حیرت سے ان کو دیکھا جن کی نگاہیں سامنے تھیں۔ بھیڑ چراگاہ میں چر رہے تھے۔ ہوا چل رہی تھی، مگر حنہ کا دماغ الجھ گیا۔

"نگاہ پست کرنے سے کیا ہوگا؟"

"دس فائدے ہیں۔ سنوگی؟" شیخ نے مسکرا کر چہرہ اس کی طرف موڑا۔ حنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پہلا۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اور جو بھی انسان فلاح پاتا ہے، وہ حکم الٰہی مان کر ہی فلاح پاتا ہے، اور جو ناکام ہوتا ہے، وہ حکم نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔"

حنین مزید توجہ سے سننے لگی۔

"دوسرا فائدہ۔ اس کی نظر جو زہر آلود تیر تمہارے دل تک پہنچا کر تمہارا دل ہلاک کرتی ہے، آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر تمہارے دل تک نہیں پہنچے گا۔" وہ انگلیوں پہ گنوا رہے تھے۔

"سوئم، نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجہ سے اللہ کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے، ورنہ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے، ان کا دل منتشر رہتا ہے۔ آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔"

"صحیح!" وہ منہمک ہو کر سن رہی تھی۔

"چہارم۔ آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پُرسکون رہتا ہے اور آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا شخص کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔"

"پنجم۔ نگاہ پست رکھنے سے دل میں "نور" پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ سورہ نور میں اللہ نے غض بصر کی آیت کے بعد ہی آیت نور پیش کی؟ کیونکہ دل میں نور نظروں کی حفاظت سے داخل ہوتا ہے' اور جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اس انسان کی طرف دوڑتی ہے۔ اور جن کے دل اندھیر ہوں' ان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رکھتے ہیں۔"

چراگاہ اور اس کے اجلے اجلے بھیڑ' ہر چیز حنین کے ذہن سے محو ہو چکی تھی اور وہ مکمل یکسوئی سے سن رہی تھی۔ بوڑھا استاد کہہ رہا تھا۔

"ششم۔ تم اللہ کا اصول جانتی ہو۔ اس کے لیے جو چھوڑو گے' وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ تم "نگاہ" چھوڑو' وہ بدلے میں "نگاہ" عطا کرے گا۔ وہ تمہیں بصیرت دے گا' فہم و فراست کی نگاہ عطا کرے گا' اور تمہاری فراست کبھی خطا نہیں ہوگی۔ مومن اسی نگاہ کی وجہ سے ایک سوراخ سے دوسری بار نہیں ڈسا جاتا۔"

حنین کے دل کی گرہیں کھل رہی تھیں۔

"ساتویں چیز۔ آزاد نگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے' اپنے نفس کے قدموں میں خود کو رول کو بے توقیر کر دیتا ہے' مگر جو نگاہ کی حفاظت کرتا ہے' اللہ اس کو عزت دیتا ہے' لوگوں میں بھی' فرشتوں میں بھی۔" وہ سانس لینے کو رکے۔

"آٹھویں بات۔ نگاہ کے ذریعے شیطان اتنی تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے' جتنی تیزی سے کسی خالی جگہ میں خواہشات بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ امیدیں دلاتا ہے' گناہوں کی توجیہات پیش کرتا ہے' اور انسان گناہ کی آگ میں یوں جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لیے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔"

"اوہ۔" وہ چونکی۔ "یہ جو جہنم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں' یہ گناہوں کو Symbilize کرتی ہیں' جیسا گناہ اسی شکل کی سزا؟"

شیخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نویں چیز۔ غض بصر سے دل کو قرآن پہ غور و فکر کرنے کو موقع ملتا ہے۔ ورنہ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں' ان کے دل اتنے پھنسے اور الجھے ہوتے ہیں کہ یہ فراغت ان کا مقدر نہیں بن سکتی۔"

"آخری یعنی دسویں چیز!" انہوں نے گہری سانس لی۔ "انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک سوراخ ہے' ایک راستہ ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول' اسی میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے' ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی نگاہ کو صاف رکھو' اس شخص کو نہ دیکھو جس کی طرف دل ہمکتا ہے' کیونکہ یہ تمہارے لیے حرام ہے۔ اگر حلال ہوتا تو ٹھیک تھا' لیکن حلال نہیں ہے۔ سو جب اپنی نگاہ کی مالک بن جاؤ گی تو دل کو بھی واپس حاصل کر لو گی۔ یہ پہلا طریقہ کرو۔"

حنین نے کتاب بند کی تو قدیم زمانوں کا فسوں' سبز چراگاہ اور اجلے بھیڑ' سب غائب ہو گئے' آنکھیں موند کر اس نے کتاب پہ سر رکھ لیا۔ وہ صبح شام کھڑکی سے ہاشم کی بالکونی دیکھا کرتی تھی' وہ کب آتا ہے' کب جاتا ہے' اسے ساری خبر تھی۔ کیونکہ نگاہ وہیں لگی تھی۔ یہ نظر ہوتی ہے جو اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچاتی ہے۔ کیا نظر بد والی حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے؟ وہ کسی اور دنیا میں گم سوچے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

میں اپنے باپ کا یوسف تھا اس لیے محسنؔ
سکوں سے سو نہ سکا' بھائیوں سے ڈرتا رہا

سعدی یوسف کے زنداں خانے میں خاموشی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑا قلم سے ایک لکیر لگا رہا

تھا۔ نیلی جینز پہ سبز ٹی شرٹ پہنے تھی وہ اب پہلے سے دبلا لگتا تھا۔ میری نے میز پہ کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہاں کونے میں کئی اور لکیریں بھی لگی تھیں۔ چار ماہ اور دو دن۔ وہ قید کے دنوں کا یوں حساب رکھتا تھا۔

"کیا آج ہماری عید ہے' میری؟" میز کی طرف آتے اس نے اداسی سے پوچھا۔

"نہیں' کل ہے۔"

(مجھے یہاں شاید چار ماہ ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک کوئی میرے لیے نہیں آیا۔ کیا واقعی میرے گھر والے میرے لیے کوشش کر رہے ہوں گے) سوچتے ہوئے وہ بے دلی سے کھانا شروع کرنے لگا۔ پھر رک کر اسے دیکھا۔

"میری اینجیو۔ رات کو کیا ہوا تھا؟ تم پڑھتے پڑھتے اس کاؤچ پہ سو گئی تھیں' پھر نیند میں ایک دم سے اٹھیں اور باہر چلی گئیں۔ دیکھو مجھے تمہارے ادھر آنے پہ اعتراض نہیں۔ اگر تو میں تمہیں پسند آ گیا ہوں تو میرے جیسے ہینڈسم لڑکے۔"

"بکو مت۔ تم میرے بیٹے سے چند سال ہی بڑے ہو گے۔" خفگی سے اسے جھڑکا۔ پھر ایک ہاتھ سے کنپٹی سہلائی۔ "میں سونے جا رہی ہوں' گارڈ برتن لے جائے گا۔ مایا تو اب ویسے بھی نہیں آتی۔" اسے پتا تھا کہ میری کے سوا وہ کسی کو اپنے کمرے میں برداشت نہیں کرتا۔

"اگر تم نے رات کو کوئی برا خواب دیکھا ہے تو بتاؤ' میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں' یا صاحب السجن!"

"خود کو جوزف سمجھنا چھوڑ دو اور کھانا کھاؤ۔" درشتی سے ٹوکتی وہ سامنے بیٹھ گئی۔ مگر سعدی نے کھانا ڈھک دیا۔

"کون سا خواب ہے جو تمہیں اکثر رات کو نیند سے جگا دیتا ہے؟"

میری کچھ لمحے خاموش رہی' پھر بولی تو لہجہ ذرا نرم تھا۔ "پہلے نہیں۔ پہلے تو میرے بیٹے کا ہی خیال آتا تھا' اس کا علاج ہاشم کروا رہا ہے نا۔ مگر جب سے میں نے تمہیں وہ نیکلس والی بات بتائی ہے' وہ سب یاد آنے لگا ہے۔ جب مسز کاردار نے علاج کی رقم دینے سے انکار کیا تو کیسے فینونا میری ہمدرد بن کر مجھے اکساتی تھی کہ ان کا نیکلس چرا لوں۔ اس کو ان کے جیولری باکس کا کوڈ بھی معلوم تھا۔"

"اسے کیسے پتا تھا؟" وہ چونکا۔

"صاف بات ہے' مسز کاردار مجھے نوکری سے نکالنا چاہتی تھیں' مگر کانٹریکٹ کے تحت میرا دورانیہ رہتا تھا ابھی' سو فینونا نے ان کے ایما پہ سارا کھیل ترتیب دیا۔ میں نے چوری کر ڈالی اور ڈی پورٹ ہونے کے قریب تھی کہ تمہاری وجہ سے ہاشم مجھے یہاں لے آیا۔"

"مسز کاردار کو کانٹریکٹ سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"ہاشم بلاوجہ ان کو اپنے باپ کی ملازمہ کو نہ نکالنے دیتا۔"

"مطلب؟" وہ الجھا۔

"ان میاں بیوی کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے۔ اور نگ زیب کاردار مجھ سے جواہرات پہ نظر رکھواتے تھے' وہ اسی لیے مجھ سے بدظن رہتی تھیں۔ حالانکہ ان کی پسند کی شادی تھی۔ جواہرات نے اپنے ایک بے حد چاہنے والے کو ٹھکرا کر اور نگ زیب سے شادی کی' اور اور نگ زیب کی پہلی شادی بھی تڑوائی' اس سے اور نگ زیب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جواہرات نے اور نگ زیب کو دو بیٹے دیے۔ دولت دی۔ مگر اب وہ ایک دوسرے سے بے زار ہو چکے تھے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتا ہے؟"

میری مسکرائی۔ "بے وقوف لڑکے' میں اس گھر کی ملازمہ رہی ہوں' مالک سمجھتے ہیں جیسے ہماری زبان نہیں' ویسے ہمارے کان بھی نہیں ہیں مگر ہم ہر کھانے پہ' ہر چائے پر موجود ہوتے ہیں۔ گھر کے سارے راز ہمارے سینوں میں دفن ہوتے ہیں۔"

"واؤ۔ خیر اب کیا چیز تمہیں ڈسٹرب کرتی ہے؟"

"وہ رات' جب اور نگ زیب کاردار کی موت

ہوئی۔" اس نے جھرجھری سی لی۔ "شاید اندر سے میں خود اتنے برس مسز کاردار کی محبت بھری ایک پکار کی منتظر رہی ہوں۔ اس رات زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ انہوں نے مجھ سے مسکرا کر بات کی تھی۔ میں اوپر ہاشم کی بالکونی میں پودے دیکھ رہی تھی' ساتھ فون پہ اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔" وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔ "وہ نیچے اپنے باتھ روم کے دروازے سے' جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا' باہر نکل رہی تھیں۔ ان کو سردی میں دیکھ کر مجھے فکر ہوئی' میں نے ان کو کچھ گرم اوڑھنے کا مشورہ دیا۔ وہ مسکرائی تھیں۔ پھر مجھے اورنگ زیب کے لیے کافی لانے کا کہا۔ سب اچھا تھا۔ مگر کچھ وقت بعد اورنگ زیب صاحب کی موت۔" جھرجھری لی۔ "اس کے بعد سعدی! وہ کبھی بھی میرے ساتھ اچھی نہیں رہیں۔ ہر وقت ترش اور خفا۔ سعدی! میں نے گیارہ سال ان لوگوں کی خدمت کی۔ مگر ان میں سے کسی نے گیارہ منٹ انٹرنیٹ پہ میرے بیٹے کے کیس کو سرچ نہیں کیا۔ صرف تم نے احساس کیا تھا میرا۔ کاش میں نے تمہارے لیے اس قصر کا دروازہ کبھی نہ کھولا ہوتا۔"

"میری!" وہ ہمدردی سے آگے ہوا۔ "تم اس رات کو اس لیے بار بار دیکھتی ہو کیونکہ تم نے اورنگ زیب کاردار جیسے اپنے ایک حمایتی کو کھویا تھا۔ تم دل سے چاہتی ہو کہ وہ واپس آجائیں۔ اور کچھ نہیں۔"

"کیا میرے خواب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا' جوزف؟" اسے مایوسی ہوئی۔

"اگر ہم قدیم مصر کے قید خانے میں ہوتے اور میرے ساتھ فرعون کی کنیز قید ہوتی تو تمہارا خواب بہت قیمتی ہوتا' اس کے بدلے میں یا تو تمہیں سزائے موت دی جاتی اور پرندے تمہارا سر نوچ کھاتے' یا تم ایک دفعہ پھر سے شاہی محل جا کر ملکہ اور اس کے بیٹوں کی خدمت کرتیں۔ مگر نہ میں جوزف ہوں' نہ مجھے خواب کی تعبیر بتانی آتی ہے' میں تو تمہارا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔"

میری نے غیر مطمئن انداز میں سر ہلایا مگر اٹھتے ہوئے وہ ناخوش لگ رہی تھی۔ شاید کچھ اور تھا جو اسے ہمیشہ سے الجھاتا تھا۔

☆ ☆ ☆

میں اپنے ڈوبنے کی علامت کے طور پر
دریا میں ایک آدھ بھنور چھوڑ جاؤں گا

جسٹس سکندر کے ڈرائنگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی اسکرین پہ مسلسل وہی خبر چل رہی تھی۔ سامنے ٹہلتے جسٹس صاحب نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ پھر ہاشم کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا تھا' بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا اور ناخوشی کے باوجود خود کو پرسکون رکھے ہوئے تھا۔

"میرا گھر سے نکلنا تک عذاب کر دیا ہے رپورٹرز نے۔ آپ کو تو کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ خاور نے کالونی خالی کروالی تھی پولیس سے۔" ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ تب ہی خاور اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور جسٹس صاحب کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"یہ سب نہ ہوا ہوتا سر' اگر آپ ہیں مئی کو مجھے پوری بات بتاتے۔ آپ نے بتایا کہ سعدی آپ کو آپ کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات اور آپ کے افیئر کی تصاویر کے ساتھ بلیک میل کر رہا ہے۔ جو اسے آپ کے کمپیوٹر سے ملی تھیں۔"

"یہ سچ ہے۔ اس نے میرے کمپیوٹر کے ری سائیکل بن سے مٹائی ہوئی چیزیں نکال لی تھیں۔" وہ سچ کہہ رہے تھے۔

"اور ویڈیو؟ اس ویڈیو کا کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"

جسٹس سکندر نے سر جھٹکا اور آگے پیچھے ٹہلنے لگے۔ وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آرہے تھے۔

ہاشم نے قدرے ٹھنڈے انداز میں پکارا۔ "وہ ویڈیو سعدی کو کہاں سے ملی تھی۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ اب کس کس کے پاس

ہوگی؟ کیونکہ میرے خیال میں یہ فارس غازی کا کام ہو سکتا ہے۔" ہاشم پر یقین تھا۔

"اونہوں۔" جسٹس سکندر نفی میں سرہلاتے سامنے صوفے پہ بیٹھے۔ "وہ دماغ سے نہیں' ہاتھوں سے سوچتا ہے' اتنی لمبی پلاننگ وہ نہیں کر سکتا۔"

ہاشم اور خاور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم نے گہری سانس لی۔ "وہ میرا کزن ہے' میں برسوں سے اس کو جانتا ہوں' یہ اسی کا کام ہے۔"

"اس لڑکے نے کہا تھا کہ یہ ویڈیو صرف اس کے وکیل کے پاس ہوگی' اگر سعدی کو کچھ ہوا تو وکیل اس کو ریلیز کروے گا۔" خاور نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ہاشم کے بھی ابرو بھنچے۔

"کون ہے اس کا وکیل؟"

"زمر یوسف نہیں ہے' کوئی اور ہے۔"

"تو سر اس نے چار ماہ انتظار کیوں کیا؟" خاور کو الجھن ہوئی۔ "اگلے ہی دن ویڈیو کیوں نہ ریلیز کردی؟"

"وہ (گالی) میرے ہائی کورٹ جج بننے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کوئی عام جج نہیں ہوں' میرا بھائی سیکریٹری ہے' سیاسی خاندان ہے میرا۔ اور اب (گالی) کی وجہ سے مجھے استعفیٰ دینا پڑ رہا ہے۔ مجھے نہیں پتا ہاشم' لیکن لڑکا تمہارے پاس ہے' اس سے پوچھو کہ ویڈیو کس نے ریلیز کی ہے' اس سے پوچھو ورنہ اگر میں ڈوبا تو یاد رکھنا' تم سب کو لے ڈوبوں گا۔" وہ غصے سے انگلی اٹھا کر کہہ رہے تھے۔ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر دھیرج کا اشارہ کیا۔

"آرام سے یور آنر۔ ہارون عبید اور ہاشم کاردار جیسے دوستوں کی موجودگی میں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔" مگر واپس کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے خاور سے کہا تھا۔

"سعدی سے اس وکیل کے بارے میں پوچھنا ہوگا۔"

"آپ کو نہیں سر' مجھے پوچھنا ہوگا۔" خاور سختی سے بولا تو ہاشم نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

"جو بھی پوچھنا منہ زبانی پوچھنا۔ اس پر کسی قسم کا ٹارچر مت کرنا۔" خاور اس بات سے شدید کوفت کا شکار ہوا مگر خاموش رہا۔ اسے فارس سے زیادہ وکیل پہ شبہ تھا۔

☆ ☆ ☆

میں جب بھی عالم حیرت میں آئینہ دیکھوں؟
ہزار نیزوں پہ اپنا ہی سر نظر آئے

اینکسی پہ دم توڑتے ستمبر کی وہ تندرے حبس آلود رات اتر رہی تھی۔ نیچے تہہ خانے میں زمر چند کاغذات کھول کھول کر دیکھ رہی تھی' اور فارس ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہا تھا۔ حنین انگلی سے میز پہ لکیریں بنا رہی تھی۔

"خلجی صاحب نے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ سعدی کا وکیل کون تھا۔" فارس نے فون رکھا تو زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ بلیک پینٹ پہ گرے شرٹ پہنے' وہ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے الجھا الجھا لگ رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے فارس' سعدی نے جھوٹ بولا ہو' اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔"

"نہیں' اس نے کسی کو تو بتایا ہوگا۔" وہ مطمئن نہیں تھا۔

"حالانکہ بھائی کو یہ سب ہمیں بتانا چاہیے تھا۔" حنین نے صرف سوچا' مگر شاید اس کا ذمہ دار سعدی نہیں' وہ اور زمر تھیں۔

"ویڈیو کی فارنزک جلد آجائے گی۔ جج مستعفی ہو جائے گا مگر وہ کبھی گرفتار نہیں ہوگا' ویڈیو جعلی اور اوسی پی کی موت طبعی قرار دے دی جائے گی۔ کچھ دن بعد میڈیا نیا ایشو پکڑ لے گا اور اس کو سب بھول جائیں گے۔ ویلکم ٹو پاکستان!"

"ابھی تک سوائے پولیس کے' کوئی کھل کر جج کی حمایت میں سامنے نہیں آیا۔ دیکھتے ہیں۔" ان دونوں کی باتوں سے حنین کو بوریت ہونے لگی تو اوپر چلی آئی۔

کل عید تھی۔ اس دفعہ حنین نے نئے کپڑے نہیں لیے تھے۔ امی سعدی کے لیے بھی نئے کپڑے نہیں لائی تھیں۔ پتا نہیں کیوں۔

وہ کچن کی گول میز پہ آ بیٹھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور بڑے ابا قریب بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ندرت اس کے ساتھ آ بیٹھیں۔

"شبنم باجی کے ہاں سے کارڈ آگیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ان کے بیٹے کی شادی ہے۔ سوچ رہی ہوں ولیمہ بھگتا آؤں ذکیہ خالہ اور سارہ کے ساتھ۔"

"امی! آپ کا جانا ضروری ہے کیا؟" وہ سوچ میں ڈوبی بولی۔ بڑے ابا نے چونک کر کتاب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اے لو۔ ضروری کیوں نہیں؟ خاندان کا معاملہ ہے۔ پھر کچھ دینا دلانا بھی پڑتا ہے۔"

"اُف امی، پوری بات تو سنیں۔" وہ جھلائی۔ "آپ کا بھی شائستہ خالہ سے وہی رشتہ ہے نا جو فارس ماموں کا ہے؟"

"ہاں تو؟"

"تو ماموں سے کہیں نا کہ وہ چلے جائیں۔" ابا اسے دیکھتے زیر لب مسکرائے۔ مگر ندرت نہیں سمجھی تھیں۔

"اس کو کیوں تنگ کروں حنین؟ وہ بے چارہ پہلے ہی کام میں مصروف رہتا ہے، اس کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں امی۔ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا کیونکہ وہ پچھلے چار ماہ سے سعدی بھائی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ امی، وہ لوگ اپنی شادی کے بعد سے ایک دفعہ بھی باہر کھانا کھانے نہیں گئے۔ کبھی ساتھ گھومنے نہیں گئے۔ سعدی بھائی کے ساتھ یہ سب انہوں نے نہیں کیا۔ پھر ہم کیوں سارا بوجھ ان دونوں پہ ڈال دیں۔ اور ان کو کوئی احساس ہی نہ دیں۔"

ندرت چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ "مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔"

"مگر مجھے تو آگیا نا۔ اب سنیں۔" پرجوش سی، راز داری سے کہنے لگی۔ "آپ کہہ دیں ماموں سے کہ آپ کے گھٹنوں میں درد ہے، اور آپ نہیں جا سکتیں سو وہ چلے جائیں۔ آگے سے وہ کہیں گے، اچھا میں حنین اور سیم کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ آپ کہنا، کوئی ضرورت نہیں، اپنی بیوی کو لے کر جاؤ۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے، بلکہ صرف زمر پھپھو کو دیکھیں گے، وہ خود ہی کہہ دیں گی کہ میرا تو کورٹ میں فلاں کام ہے، آپ کہنا، ہفتہ کی شام کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ پھر دو تین جذباتی ڈائیلاگ بولنا کہ میرا سعدی ہوتا تو وہی چلا جاتا، ساتھ آنکھوں میں آنسو بھی لے آنا، جیسے دادی کے سامنے ایکٹنگ کرتی تھیں ویسے ہی، بس پھر دونوں مان جائیں گے۔"

چٹکی میں مسئلہ ہی حل کر دیا حنین نے۔ ندرت کا بس جوتے پہ ہاتھ جاتے جاتے رہ گیا۔ بڑے ابا مسکرا کر کتاب پڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی میز کے گرد سب بیٹھے تھے اور خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔ تب ہی ندرت نے بات چھیڑی۔

"فارس! شبنم باجی کے بیٹے کا ولیمہ ہے اگلے ہفتے۔ تمہارا الگ کارڈ بھیجا ہے۔"

اس نے لقمہ لیتے ہوئے محض سر ہلا دیا۔

"میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے آج کل، ایسا کرو تم چلے جاؤ، صرف چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔" فارس نے رک کر انہیں دیکھا۔ بڑے ابا نے مسکرا کر سر جھکایا۔

"میں؟"

"میں نہ کہتی مگر جانا ضروری ہے، اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" فارس کی نظریں حنین کی طرف اٹھیں۔

"حنہ اور سیم کو ساتھ بھیج دیں پھر۔"

بے خبر سیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ "میں؟ سچی؟ کب جانا ہے؟" حنین نے زور سے اس کے پاؤں پہ اپنا جوتا مارا، اس کی بولتی بند ہوئی، پھر بے چارگی سے فارس کو دیکھا۔ "سوری ماموں، میرے ایگزامز ہیں۔"

"ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے

تمہیں زمر کے ساتھ بلایا ہے' تو تم دونوں میاں بیوی چلے جاؤنا۔"

زمر نے نوالہ منہ میں رکھتے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر فارس کو۔ اس نے بھی زمر کو دیکھا۔ پھر وہ سنبھل کر بولی۔

"بھابھی' میں ضرور جاتی' مگر کورٹ میں میری ایک ضروری سماعت ہے اور۔"

"ارے ہفتے کی رات کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ ویسے بھی اگر میرا سعدی ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ کہتی' مگر۔"

"ٹھیک ہے' ہم چلے جائیں گے۔" فارس نے سنجیدگی سے بات ختم کی۔ زمر بھی چپ ہو گئی۔ بڑے ابا مسلسل زیر لب مسکراتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ حنہ نے ابا کو "یعنی نہ ہوتی تو اس گھر کا کیا بنتا؟" والی نظروں سے دیکھ کر فخریہ شانے اچکائے۔

☆ ☆ ☆
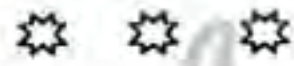
قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستیں
اس کو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

عید قرباں بہت سی قربانیوں کی داستان اپنے اندر سموئے آئی۔ تو اداس موسم میں خوشی سی گھل گئی۔ سعدی یوسف نے اپنے کمرے کی دیوار پہ آج ایک لکیر کا مزید اضافہ کرتے ہوئے ان کو گنا تو معلوم ہوا اس قید میں اسے چار ماہ اور دو دن بیت چکے تھے۔ دل کے نہاں خانے میں شکوہ پھر سے اٹھا تھا۔ کیا ان چار ماہ میں کسی نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا؟ مگر پھر سر جھٹک دیا۔ اور باتھ روم میں آیا۔ کموڈ کے اوپری ٹینک کا ڈھکن کھولا۔ اندر کلنگ فلم (جو سینڈوچ کے اوپر سے وہ اتار کر سنبھال لیتا تھا) میں لپٹی چند چیزیں رکھی تھیں جو اس نے گزرے دنوں میں جمع کی تھیں۔ گارڈ کا لائٹر۔ ایک اسٹیل کا کانٹا۔ کانٹے کے دانتوں کو اس نے لائٹر سے پگھلا پگھلا کر ایک Pick بنانے کی کوشش کی تھی' مگر وہ پوری طرح سے نہ بن پائی تھی۔ اس کو یاد تھا کہ لاک کیسے کھولتے ہیں۔ مگر کیا یہ لاکس وہ کھول پائے گا؟ مایوسی اس کے رگ و پے میں پھیلنے لگی۔

پاکستان میں عید کی دوسری شام قصر کاردار میں باربی کیو کی مہک پھیلی تھی۔ طویل ڈائننگ ٹیبل پہ ڈنر سجا تھا اور تینوں کاردارز کے ہمراہ ان کے ائیکسی والے رشتے دار موجود تھے۔ یہ ڈنر ہاشم کی طرف سے تھا' اور وہ' سربراہی کرسی پہ براجمان تھا۔ دوسری سربراہی کرسی پہ فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کی سیدھ میں۔

ڈنر سرو کیا جا رہا تھا' موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ملازم بار بار تازہ اشیاء لا رہے تھے۔ سیم کا دھیان صرف کھانے پہ تھا۔ ندرت جواہرات سے نارمل بات چیت کر رہی تھیں۔ بڑے ابا بھی نارمل تھے۔ نوشیرواں ازلی بے زار' سر جھکائے کھانا زہر مار کر رہا تھا۔ فارس اپنی کرسی پہ بیٹھا بے نیاز' مگر اکتایا ہوا الگ رہا تھا۔ وہ سب نارمل تھے۔ سوائے دو لوگوں کے۔

ندرت کے دائیں بائیں بیٹھی زمر اور حنین۔

زمر تنے نقوش اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ گود میں رکھی دوسری مٹھی بار بار بھینچ لیتی لیکن حتی الامکان کوشش تھی کہ آنکھوں میں وہ غصہ نہ نظر آئے جو اندر ابل رہا تھا۔ ذہن میں وہ سارے ماہ و سال چل رہے تھے جب وہ ہاشم کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی رہی' کیسے جواہرات اسے اسپتال میں دیکھنے آئی تھی' اور وہ کبھی نہ جان سکی کہ یہ لوگ۔ "اف زمر' یہ ابھی مت سوچو۔"

حنین بالکل سر جھکائے آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔ وہ غصے میں نہیں تھی۔ وہ تکلیف میں تھی۔ ہاشم نے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا تھا' اس کا دل جل رہا تھا' لیکن اداکاری جاری تھی۔ (وہ کتنے سکون سے فون پہ سعدی کے سامنے اس امتحانی مرکز والے وکیل کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس کھلوا سکتا ہے؟ حنین اس کے لیے کیا تھی؟ ایک بے وقوف لڑکی؟ کاش وہ اس سے نفرت کر سکے' مگر نفرت بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ مگر یہ تو طے تھا کہ وہ اس کو دیکھے گی نہیں۔ (نگاہ کی مالک بنے گی تو دل کی مالک بنے گی۔)

"جسٹس سکندر کے ساتھ بہت برا مذاق کیا گیا ہے'

یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے زمر!" ہاشم نے جتنے سکون سے اسے مخاطب کیا' زمر نے اتنے ہی اطمینان سے چہرہ اٹھایا۔ فارس بالکل آرام سے کھانا کھاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

"ظاہر ہے ان کے کسی دشمن کی ہوگی لیکن نہ وہ گرفتار ہوں گے نہ کسی مشکل میں پڑیں گے۔"

"نگران کو اپنی کرسی چھوڑنی پڑے گی زمر!"

"تو کیا ہوا؟" وکالت شروع کردیں گے۔ الیکشن لڑیں گے' بار چلائیں گے۔ ایک قتل ہی کیا ہے نا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"اف!!۔" جواہرات نے نزاکت سے جھرجھری لی۔ "کوئی انسان اتنی سفاکی سے کیسے کسی کی جان لے سکتا ہے؟ پتا نہیں اس کو رات کو نیند کیسے آتی ہوگی؟" بہت ہی حیرت اور افسوس سے تبصرہ کیا۔ زمر نے گود میں رکھی مٹھی مزید زور سے بھینچ لی۔ ایک کاٹ دار نظر صرف جواہرات پہ ڈالی مگر خاموش رہی۔

"پھپھو! کس نے کیا ہوگا ان کے ساتھ ایسا؟" سامنے بیٹھے سیم نے پوچھا تو زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ چودھویں سالگرہ کے بعد سے بڑا بڑا لگنے لگا تھا۔ قد بھی نکال رہا تھا۔ آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

"یہ تو جج صاحب کو ہی معلوم ہوگا کہ ان کا دشمن کون ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ گناہ ہیں جو انسان کا تعاقب کرتے ہیں۔ اب دیکھو۔" زمر لاپروائی سے بولی۔ "ہمارے سعدی کو کسی نے گولیوں سے بھون کر رکھ دیا ہم نے سعدی کو ڈھونڈ سکے نہ ان لوگوں کو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ چین سے رہیں گے۔ کوئی بھی قتل کرکے بچ نہیں سکتا۔ جرم کی اذیت ہی انسان کی جان کو آجاتی ہے۔"

نوشیرواں کا پلیٹ میں چلتا کانٹا ساکت ہو گیا۔ جھکے چہرے پہ ایک دم اکتاہٹ اور اذیت نمودار ہوئی۔ ہاشم نے البتہ سر ہلا کر شربت کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "بالکل۔ ایسا ہی ہے۔ ڈونٹ وری سیم' سعدی جلد مل جائے گا۔" مسکرا کر نرمی سے تسلی دی۔

حنین نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ پھر گہری سانس لے کر دوبارہ سے کھانے لگی۔ وہ نارمل نہیں تھی۔ وہ نارمل رہی بھی نہیں تھی۔

"زمر کیا آپ نے جسٹس صاحب کی خیریت پتا کی؟ ہو سکتا ہے ان کو آپ کی کسی مدد کی ضرورت ہو۔" ہاشم نے اسے پھر مخاطب کیا۔ فارس نے گلاس لبوں سے لگاتے' ہاشم کی آنکھوں پہ نظریں جمائیں۔

"تمہیں اس جج کی اتنی فکر کیوں ہے ہاشم؟"

ایک دم سے سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر ہاشم کھلے دل سے مسکرایا۔

"تمہاری وجہ سے۔ تمہیں بری کرنے والے جج کی کریڈیبلٹی پہ حرف آئے گا' تو اصل پریشانی تو تمہیں ہوگی نا۔" فارس بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' تب ہی فیونا کیمرہ لیے چلی آئی۔

"میں فیملی فوٹوز اتار لوں' سر؟" اس نے ہاشم سے پوچھا تو زمر نے چونک کر اسے دیکھا' پھر اشارہ کیا۔

"ابھی نہیں' کھانے کے بعد" فیونا نے تابع داری سے کیمرہ رکھ دیا۔

"اب ڈیزرٹ پہ توجہ دینی چاہیے۔" جواہرات نے مسکرا کر ماحول کا تناؤ کم کرنا چاہا۔ ندرت اور ابا سعدی کے ذکر کے بعد خاموش ہو گئے تھے۔ ملازم برتن بدلنے لگے۔ زمر نے موبائل پہ حنین کو ایک ٹیکسٹ کیا۔ وہ ذرا چونکی' لیکن پھر معذرت کرکے صداقت کو کوئی کام یاد کروانے کا کہہ کر چلی گئی۔ تین چار منٹ بعد واپس آکر خاموشی سے بیٹھ بھی گئی۔

کھانا ختم ہوا اور سب لاؤنج میں جانے لگے تو زمر نے فیونا سے تصاویر اتارنے کا کہہ دیا۔ اس نے خاموشی سے چند تصاویر اتریں' اور ہر دفعہ کی طرح ان کو ایک کاپی دینے کا وعدہ کیا۔

چائے بھی اسی رسمی' تناؤ سے بھرے ماحول میں پی گئی۔ نوشیرواں ڈسٹرب سا پہلے ہی اٹھ کر جا چکا تھا۔ ہاشم اور جواہرات آخری پل تک میزبانی نبھاتے رہے۔ جاتے سے زمر سے ملتے ہوئے جواہرات نے سرگوشی کی۔ "ہنی! مجھے لگتا ہے تم نے اپنا انتقام کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

زمر نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اس ملکہ کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھا۔ "میں کچھ بھی نہیں بھولی۔ فی الحال صحیح موقعے کے انتظار میں اپنے دشمن کے ساتھ ایک چھت تلے رہنے کی پریکٹس کر رہی ہوں۔"

جواہرات نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

ندرت اور ابا ابھی ہاشم کا شکریہ ہی ادا کر رہے تھے' وہ دونوں پہلے ہی نکل آئیں۔ اب برداشت ختم ہو چکی تھی۔

تاریک سبزہ زار پہ چلتے ہوئے حنین دبے دبے غصے سے بول رہی تھی۔

"یہ کس طرح کے لوگ ہیں؟ ان کو خود رات کو نیند کیسے آجاتی ہے؟"

زمر سر اٹھا کر تاریک آسمان دیکھنے لگی۔ پتا نہیں وہ کدھر ہوگا' (اسے کو عید کا معلوم بھی ہوگا یا نہیں۔)

"پھپھو!" وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ "میں ان کے کمپیوٹرز کو ہیک کرنے کی کوشش کروں؟ کہیں تو کوئی کانٹیکٹ نمبر ملے گا اس جگہ کا جہاں بھائی کو رکھا ہوگا۔"

"حنین' ہم ابھی کوئی غلطی افورڈ نہیں کر سکتے۔ خاور پکڑ لے گا اور سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ ابھی ہم خاموشی سے فارس کو اس کا کام کرنے دیتے ہیں۔ ہاشم کے ساتھ ساتھ تمام ملوث افراد کا سامنے آنا ضروری ہے۔"

"مگر مجھے بھائی سے بات کرنی ہے۔"

"تم نے ابھی اس سے بات کرلی ہے۔"

وہ چونکی۔ پھر مٹھی میں دبی شے کو دیکھا۔ "مطلب؟"

"یہ ہر تہوار یا پارٹی پہ ہماری تصویریں کیوں بناتے ہیں؟ پہلے تو اتنا خاص طور پر نہیں پوچھا کرتے تھے۔ یہ تصویریں وہ سعدی کو دکھاتے ہوں گے۔"

حنین یک دم سن رہ گئی۔

"وہ چاہیں تو خفیہ طور پر بھی اتروا سکتے ہیں' لیکن وہ اپنے ساتھ اچھے پوز میں تصویریں بنوانے پہ زور دیتے ہیں۔ تاکہ سعدی کو مینٹلی ٹارچر کر سکیں کہ دیکھو' تمہاری فیملی تم سے بے فکر ہو کر اپنی دنیا میں گم ہے۔"

"اوہ!" اس کے لب سکڑے' پھر آنکھیں یکدم چمکیں۔ "یعنی ہمیں ان کے فونز ہیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ان کے ہاتھوں سے ان ہی کے ذریعے بھائی کو پیغام بھیج سکتے ہیں' پھپھو!"

زمر نے نرمی سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تم مجھے صرف زمر بھی کہہ سکتی ہو۔"

حنین یک دم بالکل ٹھہر گئی۔ منظر دھندلا ہو گیا۔ وہ ایک چھ سالہ بچی کے روپ میں ڈھل گئی جو شرمیلی آواز میں ندرت سے کہہ رہی تھی۔ "بھائی پھپھو کو پھپھو نہیں کہتا امی۔ میں بھی زمر کہہ لیا کروں؟"

"بیٹا بھائی بڑا ہے' اس کی اور بات ہے مگر تم تمیز سے پھپھو کہا کرو۔" شرمیلی آنکھوں کی جوت ایک دم بجھ گئی۔ دھندلا منظر گم ہو گیا' وہ واپس سبزہ زار پہ کھڑی تھی اور زمر اس کے آگے چلتی دور جا رہی تھی۔ اس کے آدھے بندھے گھونگھریالے بال ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔

حنین نم آنکھوں سے مسکرائی۔ "اوکے' زمر!" اور اس کے عقب میں ہولی۔

☼ ☼ ☼

عجیب پیشہ وری کے عجیب تر ہیں معیار
جو سنگ زن ہے وہ آئینہ گر نظر آئے

ہارون عبید کے اونچے قصر کو گھیرے' سبزہ زار سے شام کی ٹھنڈی ہوا سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ گھاس نم تھی اور اس پہ مور ٹہل رہے تھے۔ آب دار بھی سوچ میں گم' ننگے پاؤں چل رہی تھی۔ چہرہ سرخ اسکارف میں لپٹا تھا۔

دفعتاً" وہ رکی۔ آنکھوں کی پتلیوں کو سکیڑا۔ دور سے ایک ملازم ایک گھوڑا لیے چلا آرہا تھا۔ سفید براق سا ننھا گھوڑا۔ ساتھ ہاشم کاردار چلا آرہا تھا۔ بلیک سوٹ' جیل سے پیچھے کو سیٹ بال' وجیہہ چہرے کی مسکراہٹ۔ دور سے اس کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ نہیں

مسکرائی۔ صرف سوچتی رہ گئی۔

لمحے بھر میں اس کا ذہن چھ سال پیچھے چلا گیا تھا۔

وہ اٹھارہ انیس برس کی تھی تب۔ چہرے کے گرد تب بھی سرخ اسکارف لپٹا ہوا تھا۔ اور وہ قدم قدم پانی میں چل رہی تھی۔ مڑ کر اس نے ساحل پہ بیٹھے بابا کو دیکھا جو موبائل پہ کسی سے بات کر رہے تھے۔ بیرے ان کی ڈنر ٹیبل سیٹ کر رہے تھے۔ سوٹ میں ملبوس دو افراد اور ایک عورت جسے وہ جواہرات کاردار کے نام سے پہچانتی تھی، ٹیبل پہ بابا سے مل رہے ہیں۔ وہ نظر انداز کیے جانے کا دکھ لیے چلتی رہی۔ پانی اس کے گھٹنوں برابر پہنچ گیا۔ وہ چلتی رہی۔ پھر اس نے پیچھے سے آوازیں سنیں۔ مگر وہ نہیں رکی۔ لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ در آئی۔ ستانے کا شوق۔ وہ چلتی رہی۔ پانی کمر تک تھا جب اس کا پاؤں رپٹا۔ وہ اوندھے منہ گری۔ پانی۔ سرمئی پانی۔ اندر سے سب نیلا۔ سیاہ۔ ہر جگہ پانی۔ بمشکل چہرہ باہر نکالا۔ دھندلا سا نظر آیا کہ گارڈ اس طرف بھاگے آرہے ہیں۔ اس نے ایک شخص کو دیکھا۔ بابا کا مہمان۔ وہ کوٹ اتار کر پرے پھینکتا پانی میں کودا تھا۔ پھر ہر سو پانی تھا۔ اگلے مناظر فلیشز کی طرح آبی کی آنکھوں میں چمکے تھے۔ وہ اسے نکال کر لایا تھا۔ وہ خود بھی بھیگ چکا تھا۔ مگر جب آبی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پہ جھکے شخص کو دیکھا تو اسے معلوم تھا کہ اس شخص کی پشت پہ سفید شرٹ پہ ایک ننھی سیپی چپکی تھی۔

اس کے لبوں سے پہلے الفاظ یہی نکلے تھے "گریم ریپر!" (موت کا فرشتہ) وہ گیلے چہرے کے ساتھ ہلکا سا ہنسا۔ "گریم ریپر اتنے قیمتی سوٹ نہیں پہنتے۔" اس نے بابا اور دوسرے چہرے بھی خود پہ جھکے دیکھے۔ مگر وہ اس شخص کو "ملک الموت" نہیں کہہ رہی تھی۔ پھر بھی گزرے ماہ و سال میں، وہ جب بھی آتا، اس سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ اسے گریم ریپر ہی کہتی تھی۔ یہ نام اس ایک شخص کے ساتھ نتھی ہو چکا تھا۔ کوئی عجیب سا موت کا احساس بھی اس کے ساتھ نتھی ہو گیا تھا۔

اور آج بھی وہ اس کی سالگرہ نہیں بھولا تھا۔ مسکراتے ہوئے قریب آیا۔

"ہیپی برتھ ڈے، ریڈ!" آبی مسکرائی۔ گھوڑے کے سفید نرم بالوں کو چھوا۔ اعلا نسل کا قیمتی گھوڑا۔

"تھینک یو گریم ریپر! کیسے ہو تم؟" وہ اس سے ہمیشہ بہت تکلف سے ملتی تھی۔ اس کی کالز کا جواب دینا بھول جاتی، سالوں فون نہ کرتی، مگر پھر بھی وہ اسے "تم" کہہ کر پکارتی تھی۔

"میں اچھا ہوں۔ پسند آیا۔" گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ آبی نے مسکرا کر سہلایا۔

"بہت زیادہ۔" چند لمحے خاموشی میں کٹے۔ ہاشم نے اسی احتیاط پسندی سے سر کو خم دیا۔ "میں تمہارے بابا کے پاس جا رہا ہوں۔"

"میں بھی آتی ہوں۔" وہ مڑتے مڑتے رکا۔ ذرا چونکا۔ آبی اس طرح کبھی اس کے ساتھ نہیں بیٹھا کرتی تھی۔ اس کے پاس ہاشم سے کرنے کے لیے کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ اگر وہ اس کا برتھ ڈے یاد رکھتا تھا، تو وہ اس کی بیماری میں ضرور حال احوال پوچھنے آتی تھی۔ احسان کا بدلہ احسان۔ اور کچھ نہیں۔ ہاشم کاردار کے لیے یہ رشتہ ایک ایسا شیشہ تھا جس کو وہ اپنے سانس کی دھند سے بھی میلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر آج کچھ مختلف تھا۔

وہ اندر ہارون کی اسٹڈی میں آکر بیٹھا تو خاور، ہارون کو سعدی کے بارے میں اپ ڈیٹ کر رہا تھا۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔

دفعتاً" دروازہ پر کھٹکا ہوا۔ خاور خاموش ہو گیا۔ آب دار نرمی سے مسکراتی اندر آئی اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ میز کے پیچھے کنٹرول چیئر پہ بیٹھے ہارون، قریب کھڑا خاور، اور سامنے بیٹھا ہاشم۔ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ معصومیت سے مسکرائی۔ ابھی تک ننگے پیر تھی۔

"مجھے کچھ پوچھنا تھا آپ لوگوں سے۔" سادگی سے گویا ہوئی۔ ہاشم نے "شیور، پوچھو۔" کہہ کر حوصلہ افزائی کی۔

"آپ لوگوں نے اسے کہاں رکھا ہے؟"
"کسے؟" ہارون کو تعجب ہوا۔
"وہ لڑکا جو مسنگ ہے۔" باری باری سب کے چہرے دیکھے۔ خاور صرف چونکا' لیکن ہارون مطمئن نظر آئے' اور ہاشم پرسکون۔
"کون سا لڑکا آب دار؟" ہاشم ناسمجھی سے بولا۔
"ہاشم!" اس نے آگے ہو کر بے یقین نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے پتا ہے آپ لوگوں نے اسے کہیں رکھا ہوا ہے' آپ کو اس سے اہم معلومات چاہئیں مگر یہ غلط ہے ہاشم بھائی!"
"آبی تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بیٹا۔ ہم نے کسی کو کہیں نہیں رکھا ہوا۔"
"اور ہم کیوں کسی کو رکھیں گے ریڈ؟" وہ تعجب سے مسکرایا۔ جیسے اس کی کم علمی پہ تاسف ہوا ہو۔
"بس مجھے آپ لوگوں کی باتوں سے شک ہو رہا تھا۔ پلیز اگر ایسا ہے تو اس کو اس کی فیملی کے پاس بھیج دیں پلیز۔ وہ لوگ کتنا پریشان ہوں گے۔"
ہاشم پورے یقین سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "کیا تم ہمیں ایسا سمجھتی ہو کہ ہم یوں کسی کو اس کی فیملی سے الگ کر کے رکھیں گے؟ آبی کیا اتنے سالوں میں بھی تم مجھے نہیں سمجھ سکی؟ کیا تم اپنے باپ پہ بھی شک کر رہی ہو؟"
آبی کے چہرے پہ تذبذب نظر آیا۔ "آئی ایم سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا' مگر مجھے لگتا ہے وہ آپ لوگوں کے پاس ہے۔ میں اس کے ماموں سے بھی ملی تھی' وہ کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکا ایسے ہی نہیں کھویا بلکہ یہ کسی کریمنل کا کام ہے جس نے اسے گولیاں مار کر اغوا کر لیا ہے' وہ اتنا ڈیسنٹ آدمی جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا نا۔" ہاشم کے اندر ایک دم غصہ ابلا تھا۔
"اور وہ خود کیا ہے؟ دو قتل کر کے جیل جانے والا؟ اس کی باتیں سن کر تم ہم پہ شک کر رہی ہو؟ آنکھیں کھولو آبدار' فارس غازی خود ایک خطرناک مجرم ہے۔" وہ غصے سے بولا۔
آب دار اداسی سے مسکرائی۔ پھر آگے ہوئی۔ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھا۔
"ہاشم کاردار۔ پاکستان میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ لوگ مسنگ ہیں' میں نے تو کسی کا نام نہیں لیا' پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں فارس غازی کے بھانجے کی بات کر رہی ہوں؟"
ہاشم کے منہ پہ کسی نے کھولتا ہوا تیل پھینک دیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بالکل گنگ ہو گیا۔ وہ شہری کے ہاتھوں مات نہیں کھا سکتا تھا' وہ صرف ان ہی کے ہاتھوں مات کھاتا تھا جن سے اسے محبت ہوتی تھی۔
آب دار کے تاثرات بدل گئے۔ معصومیت معدوم ہوئی۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہو بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔
"سو ثابت ہو گیا کہ سعدی یوسف نیسکام کا گمشدہ سائنس دان آپ لوگوں کے پاس ہی ہے۔ ویسے میں اس کے ماموں سے نہیں ملی' احمر سے ان کا ذکر سنا تھا صرف۔" کندھے اچکا کر بولی۔ ہارون ایک دم غصے سے بولے۔
"جو تمہارا مسئلہ نہیں ہے' اس میں تم نہ بولو آبی۔"
"اچھا ٹھیک ہے ہارون!" ہاشم نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر ان کو چپ کروایا۔ پھر آبی کو دیکھا۔ اس کی نظریں بھی بدل چکی تھیں۔ "مجھے معلوم ہے تم فارس کو کچھ نہیں بتاؤ گی کیونکہ تم ایک قاتل کو اپنے باپ کا دشمن نہیں بنانا چاہوں گی۔ اب دھیان سے سنو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں' وہ ہمارے پاس ہے' لیکن ہم اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ سائنس دان ہے' اس کی جان کو خطرہ ہے' چند ماہ کے لیے اس کو منظر عام سے غائب کرنا ضروری تھا۔ اور وہ میرا دوست بھی ہے۔ اب بولو' اس میں کیا غلط ہے؟" اس کا لہجہ خشک ہو گیا تھا۔
"مجھے غلط صحیح سے سروکار نہیں ہے۔"
"تو کیا چاہتی ہو تم؟"
"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"ناممکن!" ہارون نے سختی سے اسے جھڑکا۔

"تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟" ہاشم نے پوچھا۔
"کیوں کہ میں نے اس کے میموریل ڈنر کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ دیکھی ہے' اس میں اس کے ڈاکٹر نے تقریر کے دوران کہا تھا کہ وہ لڑکا آپریشن ٹیبل پہ چند لمحے کے لیے مرگیا تھا' مگر پھر اس کو ری کور کرلیا گیا۔ میں NDE سے گزرنے والے مریضوں کا انٹرویو کرتی ہوں' آپ سب کو پتا ہے۔ مجھے صرف اس کا انٹرویو کرنا ہے۔ آپ کے بقول وہ آپ کا مہمان ہے' قیدی نہیں۔ سو یہ آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"
"میں تمہیں اس کی جگہ دس اور کیسز لادوں گا! وہ کسی سے بات نہیں کرتا۔"
"میں سپیچ تھراپسٹ ہوں ہاشم' میں اپنے جواب نکلوالیتی ہوں۔" خاور نے ذرا چونک کر اسے دیکھا' مگر خاموش رہا۔
"تو ایک کلوز' آپ وار۔ تم اس سے نہیں مل رہیں' اور نہ تم کسی کو کچھ بتا کر اس کی اور ہماری جان خطرے میں ڈالوگی' سمجھیں؟" ہاشم نے کبھی اس سے اتنی درشتی سے بات نہیں کی تھی۔ آبی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ناراضی سے اٹھ گئی۔
ہارون خفا نظر آرہے تھے اور ہاشم شدید ناخوش تھا۔ یہ دن اس کے لیے قیمتی تھا اور یہ آج سعدی کی وجہ سے برباد ہوگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ستارے گر بتا دیتے' سفر کتنا کٹھن ہوگا
پیالے شہد کے پیتے' تلخ ایام سے پہلے

اکتوبر کی پہلی دوپہر' سعدی یوسف اپنے کمرے کے باتھ روم میں کھڑا تھا اور آئینے میں کندھے پہ گولی کا نشان دیکھ رہا تھا' گول سا سرخ بھورا نشان جواب ساری عمر اس کے ساتھ رہے گا۔ اسی وقت دروازہ زور سے پیٹا گیا۔ اس کے ابرو بھینچے' باہر نکلا تو ایک دم کسی نے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔ سعدی بمشکل سنبھلا تو دیکھا' وہ خاور تھا۔ ہاشم کا پرسنل سیکورٹی آفیسر۔
سیاہ کوٹ' بالوں کا کریو کٹ اور سیاہ مونچھوں والا اونچا لمبا' بھرے جسم والا خاور' اس کو دیوار سے لگائے غصیلی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔
"تمہارا وکیل کون ہے؟" سعدی نے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی' مگر خاور "کومبیٹ" میں اعلا درجے کی تربیت رکھتا تھا' ذرا سا بھی نہ ہلا۔
"سیدھی طرح بتاؤ' جج والی ویڈیو کس کو دی تھی تم نے؟ کس نے لیک کی وہ؟"
سعدی کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ "وہ لیک ہوگئی ہے؟ گڈ!"
خاور اسے گردن سے دبوچ آگے لایا' اور بڑے سے پانی کے برتن میں اس کا چہرہ جھکایا۔ سعدی نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔
"بولو۔ نام بولو وکیل کا۔"
"تم ایکس ملٹری مین ہونا' خاور۔ کیا رینک تھا تمہارا؟"
خاور نے اس کا چہرہ پانی میں ڈبو دیا۔ چند لمحے رکا' پھر کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ بھیگ چکا تھا۔ منہ کھول کر وہ گہرے سانس لے رہا تھا۔
"کون ہے تمہارا وکیل؟"
"تم ہاشم کے جتنے وفادار بن جاؤ' تم کاردار نہیں بن سکتے۔ تم ہمیشہ ان کے غلام رہوگے۔" خاور نے زور سے اسے دوبارہ ڈبکی دی۔ ساتھ ہی چلایا۔ "نام بتاؤ مجھے اس کا۔" پھر باہر نکالا۔ "ہا" منہ کھول کر سانس لیتا چہرہ سیدھا کیا۔ آنکھیں بند کیے وہ ہانپ رہا تھا۔
"تم ان کے ساتھ ہوتے ہو' لیکن تم ان کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ نہیں سکتے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے خاور! تم ہمیشہ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہو۔"
"نام بولو ورنہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔"
اس نے چند مزید ڈبکیاں سعدی کو دیں۔ پھر اس کا رخ اپنے سامنے کیا۔ سعدی کا پورا سر اور چہرہ ٹپ ٹپ پانی ٹپکا رہا تھا۔ شرٹ بھیگ چکی تھی۔ ایسے گیلے چہرے

کے ساتھ وہ ہولے سے ہنسا۔
"تم نے مجھے ایک تھپڑ تک نہیں مارا۔ ہاشم کاردار نے تمہارے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ مار بھی لو تو مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔ میں وکیل کا نام نہیں بتاؤں گا۔"
خاور کا چہرہ سرخ ہوا' اس نے جھٹکے سے سعدی کو بیڈ پہ دھکیلا۔ وہ مسکرایا۔ "تم کاردار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے۔" چلا رہا تھا۔ خاور کوٹ درست کرتا' منہ میں کچھ بڑبڑاتا باہر نکل آیا۔ ہاشم کی طرف سے بھجوائی گئی اس کی فیملی کی تصویریں اس نے آتے ساتھ ہی بیڈ پہ ڈال دی تھیں اور وہ اب بھی وہیں پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

گھنے سے پیڑوں میں بھی سایہ ہمیں نصیب نہیں
میرے سورج کی بھی سب سمتیں تمہاری ہیں

یہ ہوٹل کا وہ فلور تھا جہاں چار سال قبل زمر کو گولی ماری گئی تھی۔ صبح کے اس وقت وہ خاموش اور سنسان پڑا تھا۔ احمر کے کہنے پہ زمر ادھر آگئی تھی اور اب وہ دونوں لفٹ کے پاس کھڑے تھے۔ احمر بولے جا رہا تھا اور زمر بے توجہی سے سن رہی تھی۔
"گواہوں کے مطابق فارس غازی اس لفٹ سے آیا تھا' لیکن جب میں نے تحقیق کی' یعنی اپنے قیمتی وقت سے چند گھنٹے نکالے' جن کے پیسے میں آپ سے روز قیامت مانگوں گا' تو دیکھا کہ ایک گواہ کے بیان میں تضاد ہے۔ اس نے ایک دفعہ کہا کہ غازی اس کے "ساتھ" لفٹ سے اترا تھا۔ مگر ایک دفعہ کہا کہ غازی اس کے "سامنے" لفٹ سے اترا۔ اب سامنے دیکھیے۔" احمر نے جوش سے اشارہ کیا۔ زمر نے بہت صبر سے ادھر دیکھا۔ وہاں ایک اور لفٹ تھی "یہ پرائیویٹ لفٹ ہے۔ ہوٹل کے مالکان کے لیے یا بہت خاص شخصیات کے لیے۔ سو ہمارا اٹرانی کلمکٹو بھی کوئی ایسی آسامی ہے جس کے ہوٹل مالکان سے روابط ہیں' وہ یقیناً" ادھر سے ہی آیا ہو گا۔ اور۔۔۔"

زمر نے پرس سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔
"یہ آپ کی ویڈیو ہے اور فیس بھی۔"
"ارے!" اس کو تعجب ہوا۔ پیکٹ کھول کر اندر جھانکا۔ پھر مسکرایا۔ "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی' میں نے کچھ مانگا تھوڑی تھا؟"
"نہیں رکھنی تو واپس کر دیں۔" فوراً" ہاتھ پھیلایا۔ احمر نے جلدی سے پیکٹ اپنے پیچھے کیا۔ منہ بگاڑا۔
"کیا آپ کی امی نے آپ کو رسمی انکار کرنا نہیں سکھایا؟" پھر دوبارہ لفٹ کی طرف دیکھا۔ "ویسے کام تو ابھی ختم نہیں ہوا۔ آپ ٹرانی کلمکٹو کے بارے میں مزید نہیں جاننا چاہتیں کیا؟"
"نہیں۔"
"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔"
"تصحیح کیجیے احمر' میں آپ سے بہت کچھ چھپا رہی ہوں۔" وہ آگے چلنے لگی تھی۔ احمر گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہو لیا۔
"آپ کے خاندان میں کوئی ایک بندہ ہے' جو مجھے عزت دے؟"
"احمر!" وہ سنجیدگی سے اس کی طرف گھومی۔ "کیا ہارون عبید نے آپ کو کوئی ہدایت دی ہے؟ جج صاحب کی مدد کے لیے؟ کیوں کہ جس ٹی وی چینل میں ہارون صاحب کے اکثریتی شیئرز ہیں' وہ آج کل جج صاحب کی بہت حمایت کر رہا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ احمر چپ ہوا۔ پھر شانے اچکائے۔
"کنسلٹنٹ کلائنٹ پریولیج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔"
"اچھا۔ کیا انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ کسی اور مشہور شخص کا کوئی اسکینڈل لیک کیا جائے تاکہ یہ اسکینڈل دب جائے؟"
"میں پریولیج کے تحت جواب نہیں دے سکتا۔"
"وہ مجھے یاد آیا' کیا ہارون صاحب نے بتایا' وہ میری بھتیجی کی سالگرہ پہ ہمارے گھر آ رہے ہیں؟"

"نہیں تو۔" وہ حیران سا ایک دم بولا' پھر فوراً "چپ ہوا۔ زمر مسکرائی۔
"مطلب کہ پہلے تین جواب ہاں میں تھے۔ تھینک یو احمر!"
"میں نے کچھ بھی نہیں بتایا' اچھا!" وہ تلملایا تھا۔
(یہ ہوئے پورے ایک ہزار' چھے سو ننانوے درّے!)
"ویسے ہارون عبید کا کاروبار کتنے ممالک میں ہے؟" وہ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"مسز زمر!" وہ سنجیدہ ہوا۔ "وہ میرے باس ہیں' اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں ان کی معلومات آپ کو لیک کروں گا تو آپ غلط ہیں۔"
"اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ جو سعدی کے ساتھ ہوا' وہ آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتا تو آپ بھی غلط ہیں۔ جج صاحب کی ایکسٹورشن میں آپ بھی ملوث تھے' آپ ہمارے ساتھ اس سارے میس میں برابر کے حصے دار ہیں۔ اس لیے مجھے شام تک وہ لسٹ چاہیے۔" ٹھنڈے اور نرم سے انداز میں وہ بولی۔ احمر ناخوش نظر آنے لگا۔
دور راہداری سے گزرتے ویٹر نے اوٹ میں کھڑے' موبائل سے ان دونوں کی تصویر لی اور پھر سر جھکائے آگے بڑھتا گیا۔ سیڑھیوں تک پہنچ کر اس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ بھیجی اور پھر فون ملایا۔ تیسری گھنٹی پہ "ہیلو" سنائی دیا۔
"غازی بھائی' آپ نے مجھے کہا تھا کہ کوئی کام کی بات ہو تو بتاؤں۔" وہ دبی آواز میں زینے اترتے بول رہا تھا۔
"ہاں بولو۔" فارس ڈرائیو کر رہا تھا۔
"ایک نوجوان دو تین دفعہ یہاں آیا ہے' آج پھر نظر آیا' ساتھ میں لڑکی بھی ہے۔ اس نے سب کو یہی بتایا ہے کہ وہ جسٹس ڈپارٹمنٹ سے ہے اور آپ کے کیس کو ری اوپن کرنے کے لیے چھان بین کر رہا ہے۔ کچھ گواہ اب بھی ہوٹل میں تھے' ان کے انٹرویو بھی کیے ہیں۔ میں نے سوچا آپ کو بتا دوں۔ ان کی تصویر بھی لے کر بھیج رہا ہوں۔" اور دوسری طرف فارس کے چہرے پہ تناؤ در آیا۔ شکریہ کر کے فون رکھا اور پھر میسج کھولا۔
تصویر پہ نظر پڑتے ہی اس کے ابرو تعجب سے بھینچے۔ کار آہستہ کر کے روکی۔ اچنبھے سے اسکرین کو زوم ان کر کے وہ تصویر دیکھی۔ بار بار (یہ دونوں میرا کیس ری اوپن۔۔۔؟) ایک دم سے تفکرات نے اسے آن گھیرا تھا۔ اس نے کار کا رخ موڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

یہ جانتا ہوں جانتے ہو مرا حال دل
یہ دیکھتا ہوں دیکھتے ہو کس نگاہ سے

سہ پہر میں احمر واپس ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ آکر اپنے کمپین آفس میں مصروف ہو گیا تھا۔ آب دار اپنے کلینک میں تھی۔ کسی کام سے وہ باہر نکلی تو دیکھا' ملازم ایک شخص کو لان میں لا رہا تھا۔ وہ اسمارٹ اور دراز قد تھا' جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلا آرہا تھا۔ ملازم نے اسے لان چیئر پیش کی' وہ بیٹھ گیا تو ملازم آبی کی طرف آیا۔
"یہ کون ہے؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
"احمر صاحب کے دوست آئے ہیں۔ فارس غازی۔"
آب دار نے ایک دم چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "سنو' کچن میں چائے کے لیے بولو۔ اور اگلے آدھے گھنٹے تک احمر صاحب کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" آہستہ سے کہتی وہ آگے چلتی آئی۔
وہ کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بے نیاز سا بیٹھا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آئی تو فارس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔
"اسٹیپ۔۔۔ احمر؟" ابرو اچکائے۔
"جی' وہ آتے ہی ہوں گے۔" آبی نے اپنے چہرے پہ اپنی ازلی معصومیت طاری کر لی اور مسکرائی۔ "آپ کا بھانجا ہے نا جو مسنگ ہے؟ احمر نے ذکر کیا تھا۔ سعدی یوسف کی یونیورسٹی میں' میں چند ماہ کے لیے گئی تھی' ایکس چینج پروگرام کے تحت۔ وہیں ایک دفعہ

دیکھا تھا اسے۔" فارس خاموشی سے اس لڑکی کی سرمئی آنکھیں دیکھتا رہا۔ زمر نے بتایا تھا کہ ٹھیکیدار کے بقول سعدی کی' کی چین لینے آنے والی لڑکی کی آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ سرمئی نیلی۔ (سارہ اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ اس نے ہمیشہ سمجھا تھا کہ وہ گواہ لڑکی سعدی کی عمر کی اس کی کوئی دوست' کوئی کلاس فیلو ہو سکتی ہے۔)

"مجھے اس کے بارے میں بتائیں' کیسے ہوا یہ حادثہ؟" اس کی خاموشی کے باعث وہ چپ ہوئی' پھر دوبارہ ہمت کی۔

"سوشل میڈیا پہ دیکھ لیں' ساری تفصیل مل جائے گی۔" لاپروائی سے کہہ کر اس نے پھر سے گھڑی دیکھی۔ اور ذرا اکتا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ملازم ٹرالی دھکیلتا آرہا تھا۔

"چائے لیجیے۔" آب دار نے شائستگی سے پیش کش کی۔

"میں اپنی جیب سے چائے پیتا ہوں صرف۔" اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تب ہی احمر ادھر آتا دکھائی دیا۔ اسے فارس کا میسج مل گیا تھا۔ وہ ذرا حیران تھا۔

"تم ادھر؟"

"مجھے کام تھا' تم کدھر تھے؟ صبح سے کال کررہا تھا۔" فارس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔ احمر ذرا رکا۔

"ایک کلائنٹ کے ساتھ تھا۔" احتیاط سے بولا۔

"تمہارے کلائنٹ ہارون عبید نہیں ہیں؟"

"وہ کسی دوسری نوعیت کا کلائنٹ ہے۔ لوگ مجھے بہت سے کاموں کے لیے ہائر کرتے ہیں' غازی!" سادگی سے مسکرایا' البتہ ذرا تشویش بھی ہوئی مگر جب فارس نے محض سر ہلا دیا تو اسے ذرا سکون ہوا۔ پھر خاموش بیٹھی آبی کا تعارف کروانے لگا۔

"یہ آب دار عبید ہیں' ہارون صاحب کی صاحبزادی۔ یہ کریم ریپرز سے obsessed ہیں۔ کلینکل ڈفتھیریہ ریسرچ کررہی ہیں' لیکن پروفیشنلی یہ ایک ہپنوتھراپسٹ ہیں۔" ذرا ہلکی آواز میں اضافہ کیا۔ "وہ جو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گھڑی لہرا کر ان کو ہپنٹائز کرکے کہتے ہیں کہ الٹے لٹک جاؤ۔"

"احمر صاحب' آپ کی hypnosis کے بارے میں معلومات کافی کمزور ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔ "کوئی بھی کسی کو ہپنٹائز کرکے اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروا سکتا۔ یہ صرف فوکس کرنے کے لیے' بری عادتوں کو چھڑوانے کے لیے یا بھولی یادوں کو واپس لانے کے لیے ہوتا ہے۔ ہم سب دن میں کئی بار تنویمی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں جب کوئی مووی دیکھتے ہوئے' کوئی کتاب پڑھتے ہوئے' ہم بے ارادہ اس میں کھو جاتے ہیں۔ یہ تنویم کی ایک ہلکی شکل ہے۔ اور میں گھڑی دکھا کر لوگوں کو ہپنٹائز نہیں کرتی۔" وہ ناراضی سے بولتی پلٹ گئی۔ احمر نے سر جھٹکا۔

"جانے دو۔ یہ بھی نارمل نہیں ہے۔ تمہارے خاندان کی طرح۔" آخری چار الفاظ بس دل میں کہے اور متوجہ ہوا۔ "کیا کام تھا؟"

"بہت دن پہلے تمہیں الیاس فاطمی کو ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا۔"

"پہلے میں سستی کررہا تھا' لیکن اب کچھ کرتا ہوں کیوں کہ مجھے بس یوں ہی لگنے لگا ہے کہ تم بے گناہ ہو۔" وہ مسکرا کر بولتا جارہا تھا اور فارس متضاد کیفیات میں گھرا اس کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼
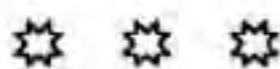
ہم نے مدت سے الٹ رکھا ہے کاسہ اپنا
دست زردار! ترے درہم و دینار پہ خاک!

ان سب سے دور' سعدی یوسف اپنے قید خانے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے قرآن کھلا تھا اور اردگرد سے بے نیاز' ایک ٹھنڈی میٹھی سی چھایا کے زیر اثر تھا۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔" وہ تعوذ پڑھ کر انمل اس جگہ سے کھول رہا تھا جہاں سے اس نے ایک روز چھوڑی

تھی۔ آج کل بے ترتیب زندگی کی طرح تلاوت بھی بے ترتیب ہوتی جارہی تھی۔ ہاشم نے سوائے نئے کپڑوں اور کتابوں کے اس کی کوئی ڈیمانڈ پوری نہیں کی تھی' سعدی کی طرف سے بھی اس کے ہر در ہم' ہر دینار پہ خاک! قرآن بھی کبھی کہیں سے پڑھتا' کبھی کہیں سے۔ آج محفل میں ہدہد والے واقعے کو وہیں سے جوڑا۔

"سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ اب ہم دیکھیں گے (اے ہدہد) کہ تم نے سچ کہا یا ہو تم جھوٹوں میں سے؟ میرے اس خط کو لے جا کر اس کے پاس ڈال دے' پھر ان کے پاس سے ہٹ آ' پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔"

"وہ پیارا ہدہد!" سعدی نے گہری سانس لی۔

"میں سوچتا ہوں اللہ تعالیٰ کہ پہلے سلیمان علیہ السلام نے اس ہدہد کی غیر حاضری پہ معقول وجہ نہ پیش کر سکنے کی صورت میں اس کو ذبح کرنے کی دھمکی دے دی' اب وہ بے چارا خبر لے آیا' اتنی لمبی تقریر بھی کردی' پھر بھی سلیمان علیہ السلام نے کہا دیکھتے ہیں کہ تم سچے ہو بھی یا نہیں۔ کتنے عرصے سے وہ سلیمان علیہ السلام کا وفادار جاسوس رہا ہوگا' پھر بھی انہوں نے ایک دم سے اس کا یقین نہیں کرلیا' اور اگر کر بھی لیا تو جتایا ضرور کہ تمہاری تحقیق ضرور کروں گا۔ میں نے بہت سوچا کہ کیوں؟ شاید اس لیے کہ انسان جتنے اہم عہدے پہ ہو' اتنے اس کے دشمن ہوتے ہیں' اتنا اس کو محتاط ہونا چاہیے اور آنکھیں' کان بند کر کے کسی کی بات پہ اعتبار نہیں کرلینا چاہیے۔ اور شاید ایک بادشاہ کی بارعب شخصیت کے بھی منافی تھا کہ ایک دم سے اس ہدہد کی تعریف کردیتے' جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ ڈسپلن ہر ادارے' ہر فوج اور ہر گھر کے لیے ضروری ہے۔"

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

"وہ (ملکہ سبا' سلیمان کا خط پانے کے بعد) کہنے لگی' اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (خط کا مسودہ یہ تھا) "یہ ہے سلیمان کی طرف سے اور یہ شروع ہوتا ہے بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے۔ (بس اتنا کہ) تم سرکشی نہ کرو میرے سامنے اور مسلمان بن کر میرے پاس چلی آؤ۔"

سعدی نے قلم سے اس آیت کو انڈر لائن کیا۔

"ملکہ بھی کیا ملکہ تھی۔ خط کی مہر سے پہچان لیا کہ یہ کسی عام آدمی کی طرف سے نہیں ہے' کنگ سلیمان کی طرف سے ہے۔ سو غرور سے اسے رد نہیں کردیا' بلکہ اپنے سرداروں کے پاس اسے لے کر گئی اور ان کو پڑھ کر سنایا۔ اس زمانے میں خط بھیجنے والے کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ مجھے یاد آیا اللہ تعالیٰ' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کو خط لکھے تھے' کسی کو صفحے جتنا لمبا' کسی کو صرف دو الفاظ (اسلام قبول کرلو' سلامت رہو گے) اور سلیمان علیہ السلام نے بھی محض دو فقرے لکھے۔ صرف دو فقرے۔ عجب بات ہے' آپ ایک اتنی بڑی ملکہ کو دعوت دے رہے ہیں' تو صرف دو فقرے کیوں لکھے؟ مگر اللہ تعالیٰ' یہ دیکھیں۔ ملکہ نے کہا کہ اس کی طرف باعزت خط ڈالا گیا ہے۔ خط پہ شاہی مہر تھی۔ اور وہ باقاعدہ قاصد کے ذریعے نہیں ڈالا گیا تھا۔ اسے ایک پرندہ روشن دان سے گرا جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے تبلیغ کے لیے الفاظ سے زیادہ طریقہ اہم ہوتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھا' کس کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ مگر ہم آج کے مسلمان ہم کیا کرتے ہیں؟"

اس کے چہرے پہ افسوس اترا۔ کمرے میں بھی اداسی بکھر گئی۔

"میرے جیسے لوگ جن کے عقائد قرآن اور صحیح حدیث کے مطابق ہوتے ہیں اور ہم بدعت سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور بدعت کو پہچانتے بھی ہیں' ہم جیسے لوگ اپنے ملک میں دن رات ہونے والی بدعتوں کے خلاف کیا کرتے ہیں؟ فیس بک جہادی بن کر لمبے لمبے کمنٹ کرتے ہیں۔ یہ حرام وہ حرام۔ کسی محفل میں بدعت دیکھ لیں تو وہیں شور برپا کیا اور پھر دو فریق بنا کر لڑائی شروع۔ کوئی بدعتی ایس ایم ایس بھیجے تو جواب میں گرما گرم میسج بھیج دیا۔ میں بتاؤں اللہ

تعالیٰ! کہ میرے ملک کا ایک بڑا طبقہ بدعتی کیوں ہے؟ وہ بدعتی ہے میرے جیسے قرآن و سنت کے پیروکاروں کی وجہ سے۔"

قطعیت سے کہتے وہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔

"ان بدعتی مسلمانوں کو اگر کسی چیز کا علم نہ تھا' وہ اگر اپنے ماں باپ کے طریقے پہ چل رہے ہیں تو ہمیں تو اس کا علم تھا نا' ہم نے ان کو کیوں راہ راست پہ لانے کی کوشش نہ کی؟ اور اگر کوشش کی تو کیسے؟ ٹوک کر' غصہ کر کے؟ تنقید کر کے؟ خود کو درست ثابت کرنے کی ضد میں بحث کر کے؟ ہم وہ لوگ ہیں جو اندھیرے میں بھٹکتے لوگوں کو چلا چلا کر اندھی کھائیوں سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چلانے سے صرف اتنا ہوگا کہ وہ لوگ ذرا ٹھہریں گے' الجھیں گے' مگر پھر جتنا ان کی آنکھیں دیکھنے کی عادی ہو چکی ہیں' اتنے کو بہت سمجھ کر چلتے جائیں گے۔ اندھیروں میں چیخنا چلانا تھوڑی جاتا ہے؟ اندھیرے میں تو دیے جلائے جاتے ہیں۔ روشنی آئے گی تو تاریکی خود چھٹ جائے گی' حق آئے گا تو باطل خود بخود چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ! ہم مسلمان یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ بحث' ضد اور لڑائی سے کوئی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ علوم الحدیث دیکھنے میں' صحیح' حسن' ضعیف' موضوع حدیث کا فرق جاننے میں' حدیث کی سند' راوی کی شرائط' یہ سب باتیں سمجھنے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔ ہم قرآن و حدیث کا علم رکھنے والے خود تو کئی مہینے اور کئی سال لگا کر دینی کورس کرتے ہیں' ڈپلومے یا سند لیتے ہیں' مگر دوسرے سے یہ امید کرتے ہیں کہ جو بات ہمیں خود کئی برس لگا کر سمجھ آئی ہے' وہ دوسرا شخص چار لائن کے ایک ایس ایم ایس میں سمجھ جائے؟ چلانا آسان ہے' لیکن دیے جلانا مشکل ہے۔ امر بالمعروف پہلے آتا ہے' نہی عن المنکر کا دوسرا نمبر ہے۔ آہستہ آہستہ نرمی سے' پیار سے' تحمل سے لوگوں کو تعلیم دی جائے تو وہ ہم سے اچھے سنت کے پیروکار بن سکتے ہیں' لیکن ہم مسلمان یہ تحمل کہاں سے لائیں؟ اللہ کی جنت بہت بڑی ہے' مگر ہم یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ ہمارے فرقے کے علاوہ کوئی دوسرا فرقہ بھی جنتی ہو سکتا ہے؟ یہ الفاظ نہیں ہوتے' یہ طریقہ ہوتا ہے تبلیغ کا جو دلوں پہ اثر کرتا ہے۔ اسی لیے سلیمان علیہ السلام نے الفاظ کے بجائے طریقے کو سحر انگیز رکھا تھا۔ سوری اللہ تعالیٰ! میں بھی کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہو گیا۔"

تاسف سے سر جھٹکتے اس نے قرآن بند کیا۔ پھر دل سے دعا کی کہ کاش اس کے پاس بھی کوئی ہدہد ہوتا جو اس کے گھر والوں کا پیغام چونچ میں دبائے اس کی کھڑکی میں آگراتا' لیکن سعدی کے اس کمرے میں تو کھڑکی تک نہ تھی۔ وہ بھی کس چیز کی امید کر رہا تھا۔ دعا کرتے کرتے اس نے چھوڑ دی۔ اور وہ پیکٹ کھولا جو خاور دے کر گیا تھا۔ اندر عید ڈنر کی تصاویر تھیں۔ وہ ان کو چند دن میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ سعدی کا دل پھر سے ایک دم خراب ہونے لگا۔

"سارہ نے کسی کو نہیں بتایا۔ وہ لوگ مجھے مس بھی نہیں کرتے کیا؟ یہ کیسے ہاشم کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں؟ اور وہ ان لوگوں کے لیے پیامبر پرندے کی دعا کر رہا تھا۔۔۔؟" ان سے گلہ کرتے کرتے وہ ٹھہرا۔

یہ حنین اور زمر کی سیلفی تھی' دونوں مسکراتے ہوئے کیمرے میں دیکھ رہی تھیں۔ یہ تصویر اس نے کتنی دفعہ دیکھی تھی' لیکن جو آج نظر آیا' وہ پہلے نظر نہیں آیا تھا۔

حنہ کے ہاتھ میں اس کے سیل کے ساتھ وہی سلور پین تھا۔ او سی پی کا پین کیمرہ۔ (زمر نے یہی اسے لانے بھیجا تھا تاکہ وہ اس کیمرے کے ساتھ تصاویر بنوائیں) سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پھر سے حنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس نے سیلفی کے لیے دو انگلیوں کی وی بنا رکھی تھی۔ پہلی دفعہ سعدی کو لگا وہ وکٹری کی "وی" ہے۔

وہ پین حنین کے پاس ہے۔ وکیل نے نہیں حنین نے جج کی ویڈیو لیک کی ہے۔ سارہ نے اس کو اکیلا

نہیں چھوڑا' اس نے وہ پین حنین کو دے دیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کی گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے تھے۔

(کوئی ناممکن سمجھ کر یوں دعا مانگنا چھوڑا کرتا ہے سعدی؟)

☼ ☼ ☼

وہ دل کہ تیرے لیے بے قرار اب بھی ہے
وہ آنکھ جس کو تیرا انتظار اب بھی ہے

موسم کی بتدریج تبدیلی کے باعث انیکسی کا تہہ خانہ اب اتنا گرم اور پر حبس نہیں تھا۔ زمر ابھی ابھی تھکی ہاری گھر آئی تھی اور اب لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی حنین' رازداری سے اسے بتا رہی تھی۔

"میں نے ہاشم کی سیکریٹری کے ای میل پہ چند لنکس بھیجے تھے' ایک پہ اس نے کلک کر دیا تو اس سے میں نے اس کا سیل فون اپنے کمپیوٹر پہ مرر کر لیا ہے' یعنی وہ جو دیکھے گی وہ مجھے بھی نظر آئے گا اور ہاشم کا پچھلے چار ماہ کا سارا شیڈول بھی میں نے حاصل کر لیا ہے۔ اب بتائیں' آپ نے یہ کیوں مانگا تھا؟" اوپر ٹی وی لاؤنج میں سب بیٹھے تھے' سوائے فارس کے وہ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔

"ہم رات کو ڈسکس کر رہے تھے نا کہ ہاشم نے سعدی کو کس جگہ رکھا ہو گا۔" وہ دبی آواز میں کہنے لگی۔ گزشتہ رات دیر تک وہ یہی بات کرتی رہی تھیں۔ "اور ہم نے ہر وہ شہر سوچا جس میں وہ اسے لے جا سکتے ہیں' لیکن سوچو حنین' وہ لوگ کتنے امیر' کتنے ری سورسز کے مالک ہیں' پرائیویٹ جیٹ' سیکورٹی گارڈز کی نفری' کیا کچھ نہیں ہے ان کے پاس؟ وہ وقت کے فرعون ہیں۔ وہ لوگ سعدی کو اس ملک میں کیوں رکھیں گے؟ جیسے آج کل کراچی سے لوگ اغواء کر کے افریقی ممالک میں لے جائے جا رہے ہیں' ویسے ہی ہو سکتا ہے کہ وہ سعدی کو بھی کسی دوسرے ملک میں لے گئے ہوں۔"

"اور ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ وہ کون سا ملک ہے؟"

حنہ سنتے ہی پریشان ہو گئی۔

زمر میز کے کنارے بیٹھی' اور مزید سرگوشی کی۔

"جج کو بچانے کے لیے آنے والے بھی سعدی کے اغوا کار شمار ہوں گے نا' آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہارون عبید بھی چاہتے ہیں کہ جج کا اسکینڈل دب جائے اور ہارون عبید کاردارز کے فیملی فرینڈ ہیں۔"

"نہ صرف فیملی فرینڈ' بلکہ وہ ان کے کارٹیل کے رکن بھی ہیں اور ایک آئی پی پی (خود مختار بجلی بنانے والے ادارے کے مالک) بھی۔" حنین نے اسکرین دکھائی۔ اس پہ وہ تمام معلومات کھلی تھیں جو اس نے انٹرنیٹ سے اٹھائی تھیں۔ ان کی ویب سائٹس اور سوشل میڈیا وغیرہ سے۔

"بالکل۔ اور سعدی ٹھہرا تھرکول کا سائنس دان۔ آئی پی پیز اور تھرکول والوں کا پرانا کلیش ہے۔"

حنین اداسی سے مسکرائی۔ اسے یاد آیا وہ دن جب زمر' سعدی کی سالگرہ پہ سوئی کی پارٹی کا کارڈ لے کر ان کے گھر چار سال کے وقفے بعد آئی تھی۔ (مجھے اتنا عرصہ پتا ہی نہیں تھا کہ کاردارز کا کاروبار کیا ہے' یہ بھی نہیں پتا تھا کہ کارٹیل کیا ہوتا ہے۔ سب کچھ تب کتنا مختلف تھا۔)

"فرض کرو ہاشم اور ہارون عبید شریک جرم ہیں تو وہ دونوں بہت آسانی سے سعدی کو کسی بھی ملک لے جا سکتے ہیں۔"

"مگر کون سے ملک' زمر؟"

"اس کے لیے احمر ہے نا!" اس نے مسکرا کر موبائل کی اسکرین حنہ کو دکھائی۔ اس پہ احمر کی ای میل کھلی تھی۔ اس میں ممالک کی فہرست تھی' جس کے اوپر لکھا تھا۔ "یہ لسٹ میں نے آپ کو نہیں دی۔ یہ جو بھی آپ دیکھ رہی ہیں' یہ آپ کا تخیل اور تصور ہے' قوی امکان ہے کہ آپ ایک شیزوفرینک پیشنٹ بن چکی ہیں جو غیر مرئی چیزیں تصور کرتے رہتے ہیں' اس لیے پڑھنے کے بعد اسے مٹا دیجیے گا۔"

"اس لسٹ کا ہم کیا کریں گے؟"

"دیکھو' ہاشم کی رجسٹرڈ اکہتر سے زائد کمپنیز پوری دنیا

میں پھیلی ہیں، مگر کہاں کہاں؟ ان ممالک کی فہرست ہمارے پاس نہیں، لیکن ہارون عبید کے چودہ ممالک ہمیں معلوم ہیں۔ وہ سعدی کو کسی ایسے ملک میں رکھیں گے جہاں ان دونوں کا آنا جانا ہو۔"

"تو؟"

"تو مجھے یہ بتاؤ حنہ، کہ ہاشم پچھلے چار ماہ میں کتنے ممالک میں گیا ہے؟"

حنین کی آنکھیں چمکیں۔ آگے ہوئی۔ چند کیز دبائیں۔ ہاشم کا شیڈول دیکھا۔ "چھ ممالک۔" ذرا مایوسی ہوئی۔ "چھ ملک بہت زیادہ ہیں۔"

"ہارون عبید کی فہرست کے چودہ ممالک اور ہاشم کے چھ ممالک میں کتنے ملک مشترک ہیں؟"

"تین!" حنین بھی قدرے پرجوش ہوئی۔ فہرست چھوٹی ہوگئی تھی۔

"گڈ۔" زمر بال جوڑے میں لپیٹتے بولی۔ "وہ سعدی کو ان ہی تین ملکوں میں سے کہیں لے کر گئے ہوں گے۔ پہلا ملک کون سا ہے؟"

"امریکا۔"

"اونہوں۔" زمر نے بالوں میں اسٹک لگاتے نفی میں سرہلایا۔ "امریکا لے جانا ان کے لیے مشکل نہیں، مگر وہ اتنا رسک افورڈ نہیں کرسکتے۔ کوئی ایسا ملک ہونا چاہیے جس میں رسک کم ہو۔ دوسرا ملک؟"

"انڈیا۔ مگر یہاں..." احمر کی لسٹ سے پڑھا۔ "یہاں ہارون عبید کا کاروبار واجبی سا ہے۔ اور ہاشم صرف ایک دن کے لیے کسی سیمینار میں گیا تھا۔"

"نہیں، انڈیا بھی نہیں۔ بہت خطرناک ہے۔ تیسرا ملک بتاؤ۔"

حنین ذرا غور سے اسکرین کو دیکھنے لگی۔

"اس تیسرے ملک میں ہاشم پچھلے چار ماہ میں کئی دفعہ گیا ہے، یہاں ہارون عبید کا کاروبار بھی کافی زیادہ ہے۔ بلکہ اس ملک کے دارالحکومت میں سمندر کے ساتھ ان کا ایک ہوٹل بھی واقع ہے۔"

"کہاں؟" زمر دلچسپی سے آگے ہوئی۔

"سری لنکا کا شہر کولمبو۔" حنین نے یونہی چند تصویریں گوگل کرکے اس کے سامنے کیں۔ وہاں سری لنکا پھیلا تھا۔

پرنم ہواؤں کا ملک۔ سری لنکا۔

"بالکل، سری لنکا۔" زمر نے میز پہ ہاتھ مارا۔ "انسانی اسمگلنگ کے لیے بے حد مشہور ملک۔ نوے فیصد امکان ہے کہ وہ اسے یہیں لے کر گئے ہوں گے۔"

"مجھے تو سو فیصد لگ رہا ہے۔" حنین ایک دم بے قرار ہوگئی۔ "زمر، چلیں ماموں کو بتاتی ہیں۔"

"حنین!" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "ہم فارس کو ہارون عبید والی بات بتائیں گے، سوائے ہاشم کے، ہم ہر بات اسے بتائیں گے تاکہ وہ ہاشم کے ساتھ باقی سب کو بھی ڈھونڈ نکالے، مگر ہم کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے وہ لوگ گھبرا کر سعدی کو ماردیں۔"

"مگر ہم سری لنکا کیوں نہیں جاسکتے؟"

"تمہیں یاد ہے بچپن میں پڑھی وہ کہانیاں جن میں ایک ظالم دیو شہزادی کو اغوا کرکے کالے پہاڑوں پہ لے جاکر قید کردیتا ہے؟ اور ایک شہزادہ اس کو ڈھونڈنے نکلتا ہے؟ وہ شہزادہ، حنین! کالے پہاڑ پہ نہیں جاتا، وہ ایک جنگل میں جاتا ہے جہاں ایک طوطا ہے، وہ طوطا جس میں اس دیو کی جان ہے سو جب وہ طوطے کی گردن موڑے گا تو دیو بھی اس کے قدموں میں آگرے گا، کالے پہاڑ بھی تباہ ہوجائیں گے اور شہزادی خود بخود آزاد ہوجائے گی۔ سو فارس کو اپنا کام کرنے دو، تم ان فائلز کو کھولنے کی کوشش کرو۔ ہاشم کی جان ان ہی میں ہے۔"

اوپر سے فارس کی آواز آئی تو وہ دونوں خاموش ہوگئیں۔ وہ گھر آگیا تھا اور زمر کا پوچھ رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ نیچے اترتا دکھائی دیا۔

اس کے بیٹھنے کے بعد زمر اس کو "مجھے احمر نے بتایا..." کہہ کر ہارون عبید کے بارے میں بتانے لگی اور یہ بھی کہ وہ سعدی کو کسی دوسرے ملک لے جاسکتے ہیں۔ سری لنکا ایک مشکوک ملک تھا۔ فارس بغور اسے دیکھتے سنتا رہا۔

"آپ آج احمر سے ملی تھیں؟" نارمل سے انداز میں سوال پوچھا۔

"نہیں۔ فون پہ بات ہوئی تھی۔" اس نے جی کڑا کرکے کہا اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔ وہ چپ رہا، مگر جب اٹھنے لگا تو صرف اتنا کہا۔ "میں ہارون عبید کو چیک کرلوں گا۔ شاید اس کا کوئی تعلق ہو جج سے۔"

"شاید نہیں 'یقیناً' ہے۔ ٹرسٹ می!" وہ زور دے کر بولی۔ فارس نے چند لمحے غور سے اسے دیکھا۔

"ڈونٹ وری! میں آپ پہ ٹرسٹ کرتا ہوں' اسی لیے زیادہ سوال جواب نہیں کر رہا۔" اور یہ کہہ کر وہ خود بھی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

زمر کا ذہن ابھی تک سری لنکا میں الجھا تھا۔ فارس اب کل کے لیے اپنی چیزیں تیار کر رہا تھا۔ کل اسے اے ایس پی سعد شاہ سے اپنا حساب چکانا تھا۔ اذان کی آواز آئی تو زمر سر جھٹک کر عشا پڑھنے اٹھی۔ پھر ان دونوں کو دیکھا جو اپنے اپنے کمپیوٹرز پہ مصروف تھے۔

"کیا تم لوگوں پہ نماز فرض نہیں ہے؟"

"پڑھتا ہوں ابھی۔" وہ کچھ پیپر زپرنٹ کر رہا تھا' وہی کرتا رہا۔ حنہ نے ان سنا کرتے ہوئے چہرہ مکمل جھکا لیا۔ زمر کو پتا تھا کہ ان دونوں نے نہیں پڑھنی نماز۔ وہ گہری سانس لے کر اوپر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ حسن اتفاق ہے یا حسن اہتمام

ہے جس جگہ فرات وہیں کربلا بھی ہے

اگلی شام جب شہر پہ جلوہ گر ہوئی تو اس میں اکتوبر کی خزاں آلود اداسی تھی۔ سیاہ بادل آسمان پہ جمع ہو رہے تھے اور گویا مینہ برسنے کو بے تاب تھا۔ ایسے میں جب وہ گھر سے نکلنے لگا تو حنین نے پوچھا۔

"کیا آپ کا جانا ضروری ہے؟" وہ دونوں داخلی دروازے کے اندر کھڑے تھے۔ فارس نے سنجیدگی سے سر کو خم دیا۔

"وہ ہوٹل جہاں سعد شاہ کی خاندانی تقریب ہے' وہاں کیٹرنگ میں میرا بندہ ہے' وہ سب سنبھال لے گا' میں صرف اس کی بربادی دیکھنے جا رہا ہوں۔ ہر ٹیبل موجود ایک زائد ڈش کا ڈھکن' جب مہمان اٹھائیں گے تو اندر سے ان کاغذات کا ایک ایک پیکٹ نکلے گا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "اور جب اس کے سسر' آئی جی صاحب یہ کاغذ دیکھیں گے' تو اے ایس پی اپنی سب سے بڑی سپورٹ کھو دے گا۔ ایک وہی ہے جو کھل کر جج کی حمایت کر رہا ہے' اسکی تباہی کے بعد ان لوگوں کو خود سامنے آنا پڑے گا۔"

"آپ کا نام تو نہیں آئے گا نا؟" وہ متفکر ہوئی۔

"حنین اگر تم یہ نہ کہتیں تو مجھے یہ خیال ہی نہ آتا۔ میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں؟" وہ خفا ہوا۔ حنہ کے ابرو ناراضی سے بھنچے۔

"اچھا نہ بتائیں۔ مجھے پتا ہے آپ نے الزام کسی اور کے سر ڈالنے کا انتظام کر لیا ہوگا۔" فارس نے محض شانے اچکائے اور باہر نکل گیا۔ حنہ نے گہری سانس بھری۔ پھر اوپر آئی۔ زمر کا دروازہ کھٹکھٹا کر دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی' ہتھیلی پہ گال جمائے سوچ میں گم تھی۔ حنہ میز کے ساتھ آکھڑی ہوئی تو وہ چونکی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کی رنگت آج کل بہت زرد رہنے لگی ہے۔"

زمر نے گہری سانس لی۔ کندھے اچکائے۔

"ہاں یونہی بدلتے موسم کا اثر ہوگا۔"

"آپ میری طرح ہوتی جا رہی ہیں۔ سست اور' بے کار۔"

"چھوڑو۔ مجھے بتاؤ فلیش کہاں تک پہنچی۔"

"اس چپن والی ویڈیو میں دیکھا تھا' کیسے خاور نے فلیش کے ذکر پہ گردن تان لی تھی۔ اسی نے وہ فائلز encrypt کی ہیں۔ اور وہ ایک بے حد ماہر' اور قابل آدمی ہے۔ اس کا فیکٹر کیا گیا Algorithm توڑنا میرے لیے ناممکن ہے۔"

زمر کے چہرے پہ بے چینی پھیلی۔ "یعنی اب ہم وہ

فائلز نہیں دیکھ سکتے؟"

حنین مسکرائی۔ "میں نے یہ نہیں کہا۔ بے شک میں اسے نہیں کھول سکتی۔ لیکن ایک شخص ہے جو اسے کھول سکتا ہے۔ سعدی بھائی کے پاس میرے جیسا دماغ نہیں تھا' اسی لیے وہ اس شخص کے پاس نہیں گئے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ یہ کھول سکتا ہے؟"

"بالکل۔ کیونکہ وہ ماہر ہے اور وہ بہترین ہے۔"

اس بات پر زمر الجھی۔

"مگر وہ کون ہے؟" حنہ نے مسکراتے ہوئے چہرہ اس کے قریب کیا۔

"آپ کو' سعدی بھائی کو' سب کو مجھ سے امید تھی کہ میں اسے کھول لوں گی' مگر نہیں زمر۔ یہ فلیش۔ یہ سارے فساد کی جڑ۔ اس کو وہی شخص کھولے گا' جس نے اسے مقفل کیا ہے۔ کرنل خاور! میں اس فلیش کو خاور سے کھلواؤں گی۔" اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنے مخصوص نارمل نہیں' حنین والے انداز میں مسکرائی تھی۔ زمر نے بے حد تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جرس گل نے کئی بار بلایا لیکن
لے گئی راہ سے زنجیر کی جھنکار مجھے

اکتوبر کی وہ بارش ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ بھی برس رہی تھی۔ ایسے میں جب آبدار نے اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا تو ہارون عبید کے سامنے کرسی پہ کرنل خاور براجمان نظر آیا۔

"بابا آپ نے بلایا؟" خاور کو نظرانداز کر کے اس نے کرسی کھینچی۔

ہارون قدرے ناخوش نظر آ رہے تھے۔ مگر پھر بھی خاور کو اشارہ کیا۔ وہ آبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں نے آپ کے والد صاحب سے بات کر لی ہے' وہ راضی ہیں۔ آپ ہمارے سائنس دان سے ملنا چاہتی تھیں' میں آپ کو اس سے ملوا سکتا ہوں۔"

آبی نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ "اتنی مہربانی کی وجہ؟" جواب میں خاور سمجھانے لگا۔

"ہمارے ایک دوست کے بارے میں اس لڑکے نے کچھ معلومات کسی وکیل کو دی ہیں۔ وہ شخص ان کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ ہم اس لڑکے پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے اور پیار سے وہ اس وکیل کا نام نہیں بتا رہا۔ میں نے کاروار صاحب سے بات کی تھی کہ کسی عامل تنویم (ہپناٹسٹ) کے ذریعے نام اگلوالوں' انہوں نے اجازت دے دی ہے۔ پھر مجھے آپ کا خیال آیا۔ آپ نے کچھ عرصہ فرانزک Hypnotist کے طور پہ بھی انگلینڈ میں کام کیا ہے۔ آپ سے زیادہ قابل اعتماد عامل تنویم میرے پاس کوئی نہیں۔ بدلے میں آپ کو اس کا تجربہ سننے کا موقع مل جائے گا' اور ہمیں ہماری معلومات کیا ہم یہ ڈیل کر سکتے ہیں؟"

آبی نے ایک دفعہ پھر دونوں کو دیکھا۔ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا کہ ہارون نے اسے اپنے کسی کاروباری کام کے لیے استعمال کرنا چاہا تھا۔ "کیا ہاشم کو معلوم ہے کہ آپ مجھے وہاں لے جانا چاہتے ہیں؟"

"نہیں' لیکن آپ راضی ہو جائیں میں ان کو بتا دوں گا۔"

"میں راضی ہوں۔" اس نے گردن اکڑائی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ ہارون کے کام کے لیے راضی ہوئی تھی۔ "لیکن آپ ہاشم کو میرے واپس آنے کے بعد بتائیں گے' ورنہ وہ مجھے نہیں جانے دے گا۔" خاور لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "لیکن ان کو بتائے بغیر۔"

"جیسے تم اس کو بتائے بغیر ادھر آئے ہو' اسی طرح تم اس کو بتائے بغیر یہ سارا کام کرو گے۔ وہ میرا قیدی ہے' ہاشم کا نہیں!" ہارون نے سختی سے کہا۔ آبدار نے اس بات پہ بے اختیار ہارون کو دیکھا۔ انہوں نے قیدی کو مہمان سے بدلنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ لمحے بھر کے تامل کے بعد شاہ کا وفادار راضی ہو گیا۔

"شیور۔ مجھے صرف معلومات سے غرض ہے۔"

اور آبدار کو دیکھا۔ "ہمیں اگلے ہفتے جانا ہو گا۔"

"میں صرف فصیح کے ساتھ جاؤں گی۔" اس نے

اپنے باپ کے پرسنل سیکورٹی آفیسر کا نام لیا۔ "میری رہائش اور روانگی کا بندوبست وہی کرے گا۔"

خاور نے بہت تحمل سے کڑوا گھونٹ پی لیا۔

"شیور۔ لیکن سعدی کے ساتھ جو بھی بات ہوگی وہ آپ صرف مجھے بتائیں گی۔"

"بالکل۔ میں یہ بہت دفعہ کر چکی ہوں۔" پھر اسی سنجیدگی سے ہارون کو دیکھا۔ "پھر کہاں جانا ہے مجھے بابا؟ کس جگہ رکھا ہے آپ نے اپنے قیدی کو؟"

آواز میں طنز اور آنکھوں میں گلہ۔ یہی چیز ہارون کا ناخوش کر رہی تھی مگر وہ معلومات زیادہ اہم تھیں۔ سو تحمل سے بولے۔

"کولمبو۔" انہوں نے سری لنکا کے کمرشل دار الحکومت کا نام لیا۔ آبدار سرہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹے! ہم ابھی تفصیل سے اس بارے میں بات کرتے ہیں، ہم صرف اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔" انہوں نے قدرے نرمی سے پکارا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بابا۔" اور اسی خفگی سے باہر نکل گئی۔ ہارون گہری سانس لے کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

میں اس شان سے ہارا تھا
کہ دشمن جیت کے رویا تھا

ہوٹل کی کھڑکیوں پہ بھی بارش تڑتڑ برس رہی تھی۔ سرمد شاہ کے بک شدہ ہال میں گہما گہمی تھی۔ تقریب کے لیے پہنچنے والے مہمان لابی سے گزر کر ہال کی طرف جا رہے تھے۔ سامنے ریسٹورنٹ میں بیٹھے فارس غازی کو وہ مہمان صاف نظر آ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ سے تھپتھپا کر اندرونی شرٹ میں موجود پیکٹ کو محسوس کیا، جس میں اے ایس پی سرمد شاہ کی اپنی دوسری بیوی، جو کہ ایک بدنام زمانہ نائیکہ کی بیٹی تھی، کے ساتھ تصاویر موجود تھیں۔ نکاح نامے کی کاپی تھی۔ اور اس گھر کے کاغذات تھے جو سرمد شاہ نے اس لڑکی کے نام سے خریدا تھا۔

فارس کو چند ماہ لگے تھے یہ سب حاصل کرنے میں۔ اسے یہ سب کس نے دیا، اس شخص کا قصہ تم بعد میں سنو گے، ابھی اتنا جان لو کہ سرمد شاہ کی ماں متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اس کا ماموں، جو آئی جی کے عہدے پر فائز تھا، وہ امیر بھی تھا اور بارسوخ بھی۔ نہ صرف اس نے اپنی بیٹی (شہزا ملک کی بڑی بہن عائزہ) سے سرمد شاہ کی شادی کی، بلکہ اس کا کیریئر بھی بنوایا۔ اس کو اپنے طبقے میں پیر جمانے دیے۔ سرمد شاہ نے ان سب کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ وہ شیشہ توڑنے کے لیے کنکر فارس کی جیب میں تھا۔

پی کیپ والا سر جھکا کر بیٹھا وہ گزرے سالوں کو سوچ رہا تھا۔ پھر ایک لمحہ ہر یاد پہ حاوی ہونے لگا۔ ارد گرد موجود "حال" تحلیل ہو کر ماضی میں بدلنے لگا۔

وہ سفید کرتے میں ملبوس اس کال کوٹھڑی میں تھا۔ اس کے ہاتھ دیوار کے ساتھ اونچے بندھے تھے۔ آنکھیں بند کیے سختی سے دانت پہ دانت جمائے وہ یوں کھڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ چہرے پہ اذیت کے آثار تھے۔ ایک سپاہی یکے بعد دیگرے اس کی کمر پہ ہنٹر سا مار رہا تھا۔ سرمد شاہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ یونیفارم کی بجائے سفید ٹی شرٹ پہنے وہ پسینے میں تر تھا۔ ایک دم لپک کر فارس کی گردن دبوچی۔

"مجھے تمہارا اقبالی بیان چاہیے۔ غازی!"

"میں نے۔ قتل۔ نہیں کیا۔" وہ بند آنکھوں سے نڈھال ہو کر بولا۔ جواب میں سرمد شاہ زور زور سے چیخنے لگا۔

ویٹر نے پیالی میز پہ رکھی تو فارس چونکا۔ ماضی تحلیل ہوا۔ وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھا تھا۔ کھڑکیوں پہ بوندیں ہنوز گر رہی تھیں۔ ماحول نم اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس نے بھاپ اڑاتی کافی کی پیالی لبوں سے لگائی۔

لابی میں سے گزرتے لوگ اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بل پے کر کے اٹھا اور سر جھکائے جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلا گیا۔ ذہن میں ہر وہ لمحہ گزر رہا تھا، وہ جیل کے اذیت ناک ماہ و سال اور وہ اس رات اسپتال میں گزرے چند گھنٹے۔ جب ان کے ہاتھوں سے اس اے ایس پی نے سعدی کو غائب

کروا دیا تھا۔ نفرت' غصہ انتقام' وہ ہر جذبے میں گھرا آگے بڑھتا گیا۔
متعلقہ ہال کے داخلی حصے سے اندر کی رنگا رنگ تقریب نظر آرہی تھی۔ کونے میں رک کر فارس نے' دور کھڑے آئی جی صاحب کے ساتھ بات کرتے سعد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس تھا اور مسکرا کر خوش باش سا اپنے سسر کے ساتھ مگن تھا۔ فارس کی سرد نظریں اس سے ہوتیں' مرکزی دیوار تک جا رکیں۔
"ہیپی برتھ ڈے ارصم شاہ۔" وہاں لکھا تھا۔
ایک دم فارس کی نظروں میں الجھن ابھری۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا۔ غبارے' پھول' اور اونچی سی کیک ٹیبل۔ مہمانوں میں جابجا نظر آتے بچے۔ اور سب سے نمایاں' وہ سیاہ ٹوپیس اور ٹائی میں کھڑا پیارا سا سات سالہ بچہ۔ جو سعد شاہ کی بیوی عائزہ کے ساتھ کھڑا تھا۔
(تو وہ خاندانی تقریب سالگرہ کی تھی؟)
فارس بالکل سن سا ہو کر اس بچے کو دیکھے گیا۔ بچہ بہت پیارا تھا۔ اس کے ہونٹ گلابی اور آنکھیں کانچ جیسی تھیں۔ شرما کر' مسکرا کر وہ اپنے جیسے کم عمر بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کسی ننھے شہزادے کی طرح۔ اس کی کانچ سی آنکھوں کی معصومیت ایک دم ہر شے' ہر جذبے پہ حاوی ہونے لگی۔
فارس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ سرد پن غائب ہوا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ پھر ایک دم وہ مڑا۔
ہوٹل کے کچن کی پشت پہ جب وہ پہنچا تو ایک کنٹور اس کا منتظر تھا۔
"لائیں پیکٹ دیں' میں ارینج کردوں گا۔" ادھر ادھر دیکھتے رازداری سے بولا۔
"نہیں۔ ابھی نہیں۔" وہ پریشان لگ رہا تھا۔
کنٹور نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ نے ایک مہینہ مجھے تنخواہ دی اس کام کے لیے اور اب؟"
"میں نے کہا نا ابھی نہیں۔ تم جاؤ کام کرو۔" اور واپس پلٹ گیا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا' بارش مسلسل برس رہی تھی۔ حنین اور زمر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ وہ دروازہ لاک کرکے آگے آیا تو پانی میں بھیگا ہوا لگتا تھا۔ جانے کتنی دیر سڑک کنارے بارش میں چلتا رہا تھا۔
حنین اسے دیکھ کر بے قراری سے اٹھی۔ "کیا بنا اس آدمی کا جس نے میرے بھائی کو ہماری نظروں کے سامنے اسپتال سے غائب کروایا تھا؟"
فارس نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ حنین نے ناسمجھی سے زمر کو دیکھا۔ وہ خود بھی چونکی تھی۔ پھر فوراً پیچھے گئی۔
وہ کمرے میں کھڑا گھڑی اتار رہا تھا۔ زمر سامنے آئی۔
"کیا بنا؟"
"میں نے۔" وہ چپ ہوا۔ گھڑی اتار کر میز پہ رکھی۔ پھر پیکٹ نکال کر ساتھ رکھا۔ "میں نے نہیں کیا۔"
"کیا مطلب نہیں کیا؟" وہ حیران رہ گئی۔
"وہ اس کے بچے کی سالگرہ تھی۔ اس کا بیٹا وہاں موجود تھا۔" وہ اب صوفے پہ بیٹھا' سر جھکائے جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔
"تو؟"
"تو یہ کہ وہ ایک سات سال کا بچہ تھا۔" اس نے جوگرز اتارے۔
"تمہیں اس پر رحم آگیا؟" زمر کو آگ لگ گئی۔ "کیا تم وہ سب بھول گئے جو اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا؟"
"زمر بی بی۔ میرا دماغ اس وقت خراب مت کریں۔ میں اس بچے کے سامنے اس کے باپ کا کردار نہیں کھول سکتا تھا۔" وہ ایک دم غصے سے اس کے سامنے آیا۔ "تقریب میں سارے لوگ اس کے باپ پہ پل پڑتے' وہاں ایسی ایسی باتیں کی جاتیں' جن کو وہ بچہ کبھی نہ بھولتا۔ اس کا باپ اس کی ماں سے بے وفائی کررہا ہے' اس سے جھوٹ بولتا رہا ہے' وہ کبھی نہ

بھولتا۔ وہ ساری زندگی کسی محبت' کسی رشتے کا اعتبار نہ کرتا۔ ہر انسان کا باپ اس کے لیے آئیڈیل ہوتا ہے' آئیڈیل ٹوٹنے سے اس کی شخصیت بھی ٹوٹ جاتی ہے۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ کھڑکی پہ بارش تڑتڑ برس رہی تھی۔ زمر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہاری سوتیلی ماں نے بھی ایسا ہی کیا تھا نا!" کوئی برف کا اولہ ساز ور سے کھڑکی پہ گرا تھا۔

"مجھے درمیان میں مت لائیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"تم خود اپنے آپ کو درمیان میں لائے ہو۔ جو سعد شاہ نے کیا' وہ اس کے ذمے ہے۔ اس کے بچے کو کبھی نہ کبھی پتا چل جائے گا۔ یا تم اسے معاف کر رہے ہو؟"

"میں کسی کو معاف نہیں کر رہا۔ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ چیز کسی اور طریقے سے کسی اور وقت کی جاسکتی ہے۔ بعد میں وہ اپنے بچے کو کیسے ڈیل کرے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آج کی اہانت کی وجہ میں نہیں بننا چاہتا۔ میرا انتقام میری بیماری نہیں ہے' نہ اس نے مجھ سے میری انسانیت چھینی ہے۔" وہ مڑا اور خشک کپڑوں کے لیے الماری کھول لی۔

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "تم غلطی کر رہے ہو اور تم اس کے لیے بہت پچھتاؤ گے۔"

وہ نظر انداز کر کے کپڑے نکالنے لگا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ مزید تیز ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

قاتل مرا نشان مٹانے پہ ہے بضد
میں بھی سناں کی نوک پہ سر چھوڑ جاؤں گا

موسم اگلے چند دن ویسا ہی ٹھنڈا رہا' مگر پھر آہستہ آہستہ بارش کا اثر ختم ہو گیا' حبس اور گرمی واپس آگئی۔ البتہ آزاد کشمیر کی طرف جاتی اس پہاڑی' بل کھاتی سڑک پہ اب بھی ٹھنڈی چھایا سی تھی۔ ایک چمکتی کار وہاں دوڑ رہی تھی۔ نوشیرواں کار وار

اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے موجود تھا۔ آنکھوں پہ برانڈڈ گلاسز لگے تھے' کلائی میں قیمتی گھڑی۔ چیونگم چباتا' وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈیش بورڈ پہ پڑے فون کی اسکرین دفعتاً" چمکی۔ اس نے اسے اٹھایا۔ اسید کا پیغام تھا۔ سب دوست کشمیر پہنچ چکے تھے' اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ "میں دوپہر تک پہنچ جاؤں گا۔" لکھ کر پیغام بھیجا اور پھر سے ڈرائیو کرنے لگا۔

یکدم اس نے کار کو بریک لگائی۔ ٹائر چرچرائے۔ خون کی بوندیں ونڈ اسکرین تک اڑ کر آئیں۔ لمحے بھر کو وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ لیکن پھر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مرنے والا کوئی کتا تھا اور اس نے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی مگر...

باہر آکر وہ رکا۔ اگلے ٹائروں تلے آیا۔ وہ کتا نہیں تھا۔

وہ کتے کا بچہ تھا۔ ایک معصوم سنہری لیبراڈار۔

وہ کچلا گیا تھا۔ خون جا بجا بکھرا تھا۔ نوشیرواں پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ پریشانی سے اس کو دیکھا۔ پلے کی گردن میں کالر تھا۔ "آریو" اور مالک کا نام "اینڈرس۔" دوسرا لفظ خون میں ڈوبنے کی وجہ سے نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ کسی فارن سیاح کا کتا تھا۔ شاید ہسپانوی۔

نوشیرواں کی سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے آواز سنی۔ اوپر پہاڑ پہ درختوں سے کوئی عورت پکار رہی تھی۔ "آریو۔ آریو۔"

نوشیرواں نے بجلی کی تیزی سے اپنی ڈیزائنر جیکٹ اتاری' کتے کو اس میں لپیٹا اور بھاگتا ہوا کار کے اندر جا بیٹھا۔ جیکٹ کی گٹھڑی فرنٹ سیٹ پر ڈالی اور تیزی سے کار آگے بڑھالی۔ چند کوس آگے جا کر رفتار آہستہ کی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ خون سے بھرے تھے۔

شیرو کو اک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس نے کار روکی۔ اور جیکٹ کی گٹھڑی لیے باہر نکلا۔ سڑک کے دہانے پر کھڑے اس نے سوچا کہ کتے کی لاش نیچے

کھائی میں پھینک دے 'مگر وہ اسے نہیں پھینک سکا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔
وہ سڑک کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور خون آلود ہاتھوں سے مٹی کھودنے لگا۔ نرم مٹی بھی نہیں کھودی جا رہی تھی۔ سانس چڑھنے لگا تھا۔ بمشکل' بدقت وہ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود پایا پھر جیکٹ کھولی تو اندر ننھا معصوم پلا خون میں ڈوبا مرا پڑا تھا۔
نوشیرواں کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے چار سو دیکھا۔
ویران پہاڑ' اونچے درخت۔ کھائی۔ کھلا آسمان۔
وہ لاش کو وہیں چھوڑ کر کار میں آ بیٹھا۔ خون آلود ہاتھ' خون آلود فرنٹ سیٹ۔ کپکپاتے ہاتھوں سے دوبارہ کار اسٹارٹ کی۔ اسے گھر جانا تھا۔
(کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا' شیرو! وہ تو پھر انسان کا بچہ تھا۔)
شیرو نے سر جھٹکا اور ایکسیلیٹر پہ دباؤ بڑھا دیا۔ وہ ہر جگہ تھا' وہ ہر منظر میں تھا' اس سے فرار ناممکن تھا۔ اور اب گلٹ کا یہ مرض بڑھتا جا رہا تھا۔
چند گھنٹوں بعد قصر کاردار میں جھانکو تو نوشیرواں کار گھر کے اندرونی گیراج میں لے آیا تھا' اور اب گارڈ کو ہدایات دے رہا تھا۔ "اس کو اچھی طرح صاف کرواؤ۔ ایک دھبہ بھی نہ باقی رہے۔"
لاؤنج میں جواہرات تیار بیٹھی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے' گردن میں دمکتے ہیرے۔ ہاتھ فیونا کے سامنے بچھا رکھا تھا جس پہ وہ کیوٹکس لگا رہی تھی۔ شیرو کو اس طرح آتے دیکھ کر حیرت ہوئی۔
"تم تو دوستوں کے ساتھ گئے تھے؟ اور یہ کپڑوں کو کیا ہوا ہے؟" وہ جواب دیے بنا اوپر چلا گیا۔ جواہرات نے چٹکی کے اشارے سے فیونا کو روکا' ہاتھ نکالا اور اس کے پیچھے اوپر گئی۔
شیرو اپنے کمرے کے ڈریسنگ روم میں' الماریوں کے پٹ کھولے کھڑا تھا۔ چہرے پہ عجیب بے زاری اور بے چینی تھی۔
"تمہارے کپڑوں پہ خون کیوں لگا ہے؟ کیا کسی سے لڑ کر آئے ہو؟" وہ فکر مندی سے اس کے سامنے آئی۔
"فکر نہ کریں' کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔"
"مجھے سچ بتاؤ شیرو' کسی سے جھگڑا کیا ہے؟" اس نے اسے کہنی سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ نوشیرواں بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔
"آپ کو لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"
"تمہاری حالت جو بتا رہی ہے وہ تمہارے الفاظ نہیں کہہ رہے۔" اب کے وہ سختی سے بولی۔ شیرو نے افسوس سے اسے دیکھا۔
"کتے کا بچہ تھا وہ ممی' کتے کا بچہ۔" وہ ایک دم بلند آواز میں بولا۔ "میں نے غلطی سے اسے مار دیا' مگر میں اس کا خون آلود وجود نہیں دیکھ سکا۔ میں اس کو دفنا بھی نہیں سکا۔ مجھے ہر جگہ اس کا خون نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالکن اس کو پکار رہی تھی۔ وہ ممی' کتے کا بچہ۔" وہ ایک دم بلند آواز میں بولا۔ "میں نے غلطی سے اسے مار دیا' مگر میں اس کا خون آلود وجود نہیں دیکھ سکا۔ میں اس کو دفنا بھی نہیں سکا۔ مجھے ہر جگہ اس کا خون نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالکن اس کو پکار رہی تھی۔ آریو' آریو۔ وہ آوازیں مجھے پاگل کر رہی ہیں" وہ وحشت سے چلایا۔
"اوکے اوکے!" جواہرات نے نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ "ریلیکس' کوئی بات نہیں' یہ صرف ایک حادثہ تھا۔ تم ان چیزوں سے بہت اوپر' بہت مضبوط ہو۔ تم ایک کاردار ہو اور......"
"اور میں ایک بڑے خاندان کا بڑا آدمی ہوں' عظمت میرا مقدر رہے' یہی نا؟" یہی بتاتی آئی ہیں نا آپ مجھے ساری عمر؟" غصے سے کہنی چھڑائی۔ "بس کردیں' نہیں سننی مجھے یہ باتیں اس وقت۔ کیونکہ ممی۔ اب مجھے ان پہ یقین نہیں آتا۔" برہم سا صدمے سے اسے دیکھا' کپڑے لیے باتھ روم میں چلا گیا اور دروازہ جواہرات کے منہ پہ بند کر دیا۔
وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ (خیر' وہ نارمل ہو جائے گا۔) اور واپس نیچے چلی آئی۔ اس کی ابھی تیاری رہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

میں ریگ زار تھا مجھ میں بسے تھے سناٹے
اسی لیے تو میں شہنائیوں سے ڈرتا رہا

ان سے دور چلے آؤ تو شام کے اس پہر' ایک اعلا درجے کے ہوٹل کے بینکویٹ ہال میں ولیمہ کا فنکشن منعقد تھا۔ روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دلہا دلہن پھولوں سے سجے اسٹیج پہ بیٹھے' مسکرا کر تصویریں بنوا رہے تھے۔ نیچے ایک میز کے گرد زمر بیٹھی غیر دلچسپی سے اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے زرد لمبی قمیص پہن رکھی تھی' بال جوڑے میں تھے اور کانوں میں آویزے تھے' موقعے کی مناسبت سے ہلکی پھلکی سی تیار وہ اچھی لگ رہی تھی۔ فارس ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مسلسل سیل کے بٹن دبا رہا تھا۔ ایک دوسرے سے کٹے کٹے اور بے نیاز۔

تب ہی سارہ ادھر آتی دکھائی دی۔ وہ سادہ سی تیار ہوئی تھی۔ ایک بیٹی امل ساتھ تھی' دوسری کو نہ جانے کس وجہ سے ساتھ نہیں لائی تھی۔ ان کو دیکھ کر پھیکا سا مسکرائی۔ زمر بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نہیں دیکھا تھا' سر جھکائے سیل پہ لگا تھا' مگر امل نے جیسے ہی اسے دیکھا' ایک دم ماں کی انگلی چھڑا کر آگے لپکی اور اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ چونکا' مگر پھر نگاہ بچی پہ پڑی تو نرمی سے اس کے گرد بازو حمائل کیے' اور اسے خود سے لگائے رکھا۔ سارہ جو زمر سے رسمی کلمات کہہ رہی تھی' ایک دم رک کر دیکھنے لگی۔ آنکھیں گلابی ہوئیں۔

وہ تو بس ایک دفعہ ملنے آیا تھا۔ رہائی کے بعد' اور سارہ نے اسے رکھائی سے خود سے دور رہنے کو کہا تھا' پھر وہ صرف دو دفعہ آئی ان کے گھر (انیکسی میں) مگر تب جب وہ گھر پہ نہیں تھا' کہ فارس غازی کا مطلب تھا "مصیبت"۔ اور امل تو اس سے پتا نہیں کتنے عرصے بعد مل رہی تھی' پھر بھی اسے وہ یاد تھا؟ امل اب فارس سے الگ ہوئی تو وہ اسے دونوں کہنیوں سے تھامے' مسکرا کر اپنے سامنے کھڑا کیے' پوچھ رہا تھا۔

"تم کیسی ہو امل؟"

"میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔" اس نے اپنے ننھے ہاتھ کو فارس کے گال اور ٹھوڑی پہ پھیرا' جسے فارس نے دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما۔

لمحے بھر کے لیے ان کے ارد گرد ولیمہ کا فنکشن غائب ہو گیا۔ وہ چار' ساڑھے چار سال پیچھے چلے گئے' جہاں قبرستان سے لوگ لوٹ رہے تھے' اور ایک تازہ کچی قبر پہ وہ کھڑا ہنوز مٹی ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ ویران تھا' اور آنکھوں میں گلابی سا پانی تھا۔ قبر مکمل طور پر ڈھک چکی تھی۔ ساتھ پانچ سالہ امل خاموش اور اداس بیٹھی تھی۔ لوگ دور جا رہے تھے۔ نور گھر تھی' وہ الگ مزاج کی تھی' اس کو سارہ نے نہیں آنے دیا تھا' مگر امل کو وہ زبردستی اس کے باپ کے جنازے پہ لے آیا تھا۔

قبرستان تقریباً" سنسان ہو چلا تھا۔ سورج اوپر تپ رہا تھا۔ وہ بھی تھکان زدہ سا مٹی پہ آبیٹھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔

"آپ رو رہے ہیں' چاچو؟" امل نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ فارس نے نفی میں چہرہ ہلایا' زکام زدہ سی سانس اندر کو کھینچی' آنکھوں میں گلابی پانی تھا مگر اس نے ان کو رگڑ لیا' پھر امل کو دیکھا۔

"اپنے باپ کی قبر مت بھولنا کبھی امل۔ اس کو اس لیے مارا گیا کیونکہ وہ ایک سچا آدمی تھا' ایک ایسا آدمی جو ظلم کے خلاف اٹھ گیا ہو۔ وہ بہادر تھا۔ میں بھی اسی کا بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سمجھتے ہیں' ہم غریب ہیں' کمزور ہیں' تو ان کا ہاتھ نہیں روک سکتے؟ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ کبھی یہ نہیں سمجھو گی کہ تمہارے باپ نے خودکشی کی تھی اور میرا وعدہ ہے' میں اس کے ایک ایک قاتل کا سر تمہارے ہاتھ میں لا کر دوں گا۔" اسے پتا تھا امل کو اس کی باتیں سمجھ نہیں آئیں گی مگر وہ جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔

قبرستان تحلیل ہو گیا' وہ روشنیوں سے مزین اس ہال میں موجود تھے۔ فارس بیٹھا ہوا تھا' اور اس نے امل کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

"آپ اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟ جب بھی ماما سے کہوں آپ سے ملنا ہے' وہ کہتی ہیں" چاچو

پڑی ہیں۔" وہ اس کے کان کے قریب شکوہ کر رہی تھی۔

فارس نے زخمی نظر اٹھا کر سارہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہوں یہ میرا خون ہے، تم خون میں لکیر نہیں کھینچ سکتیں؟ سارہ کا گلا رندھا۔

"تم چاچو کو اتنا مس کر رہی تھیں تو کہتیں، میں تمہیں ملوا لاتی۔" بیٹی کو مخاطب کیا۔ شرمندگی اور خفت کے ساتھ۔ وہ اتنے سال انگلینڈ رہے، فارس کے ساتھ ایک شہر میں تو صرف چند ماہ رہے، پھر وہ جیل چلا گیا، لیکن ایسے وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھی، جیسے برسوں کا ساتھ ہو۔ یہ خون کیا چیز تھی؟ اس کا رگوں میں بہنا کیسے سب کو جوڑ کر رکھتا تھا۔ اس کا ناحق بہائے جانا کیسے سب کو توڑ دیتا تھا۔

زمر بس خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"سعدی کا کچھ پتا چلا فارس؟" اس نے پوچھا، تو آواز میں آس بھی تھی، خفت بھی۔ وہ ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ال کو کسی نے بلا لیا تھا سو وہ بھاگ گئی۔

"میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔" خشک انداز میں کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میز پہ عجیب سا تناؤ در آیا۔ اسے سارہ کا اپنے ساتھ رویہ یاد تھا۔

"تمہیں آئل کمپنیز۔ یعنی آئی پی پیز کو چیک کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ان کا اس میں کوئی ہاتھ ہو۔" سارہ نے خود کو کہتے سنا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سر ہلایا۔

"کر رہا ہوں۔" سارہ اٹھ گئی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس پرائیویٹ نمبر تھا، چاہتی تو خفیہ ایس ایم ایس بھی بھیج دیتی، لیکن وہ جانتی تھی، وہ اس کو ڈھونڈ لے گا، اور زمر اسے کورٹ میں دھکیل دے گی۔

"ہارون عبید والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟" وہ تنہا رہ گئے تو زمر نے سرگوشی کی۔ اے ایس پی کو وہ اب ڈسکس نہیں کرتے تھے، وہ مانتا تھا لیکن وہ اس کو معاف کر چکا تھا۔

"ہوں۔ میں ہارون عبید کے پیچھے ہی لگا ہوا ہوں، مگر اتنے دن میں اس کی ایک بھی قابل گرفت چیز نہیں مل سکی۔" وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ "میں جج، ہارون عبید، اور اے ایس پی کا لنک جوڑنا چاہتا ہوں، الیاس فاطمی کے ساتھ۔ مگر ان تینوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں بن رہا۔"

"یعنی درمیان میں کچھ مسنگ ہے؟"

درمیان میں "کوئی" مسنگ ہے۔ کوئی ایک شخص ہے ان سب کے درمیان۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ زمر نے تھوک نگلا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"کھانا لگ رہا ہے۔" وہ اٹھنے لگی تو ایک دم اسے چکر سا آیا۔ میز کا سہارا لے کر واپس بیٹھی۔ فارس اپنے فون پہ بٹن دبا رہا تھا، اس نے نہیں دیکھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود پہ قابو پایا۔

"ہم باہر کہیں اور ڈنر کر سکتے ہیں فارس؟" اسے اتنے لوگوں میں ایک دم گھٹن ہونے لگی تھی۔ اتنی دور ٹیبل تک جائے گی کھانا ڈالنے تو کہیں گر جائے گی۔ فارس نے اس بات پہ بے اختیار اسے دیکھا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کی بات مان لی۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا کہ اسے فارس کو بتا دینا چاہیے۔ اپنی خرابی طبیعت، کڈنی، وہ سب۔ پرس میں ایک رپورٹ بھی تھی، اسے وہ فارس کو دکھا دینی چاہیے۔

☆ ☆ ☆

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب ان کو زباں ملی تو ہم ہی پہ برس پڑے

کچھ دیر بعد وہ اسی ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ وہاں زرد بتیاں تھیں۔ میز پہ تازہ پھول رکھے تھے۔ موم بتی جل رہی تھی۔ وہ ٹیک لگائے، مسلسل کان کی لو مسلتا، ویٹر کو آرڈر دے رہا تھا اور زمر کے ہاتھ گود میں رکھے پرس پہ تھے۔ فارس کے ساتھ پہلی دفعہ ایسی جگہ پہ ڈنر کرنا۔ بہت آکورڈ تھا۔ تب ہی زمر کا فون بجا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔

"جی صداقت؟ جی ظاہر ہے وہ کپڑے استری کرنے

تھے۔ میں نے نہیں بتایا تو آپ کو خود سمجھنا چاہیے
تھا۔" رک کر خفگی سے سنا۔ "میں نے وہاں کپڑے
نہیں رکھے تھے تو کیا کسی چڑیل نے آکر رکھے تھے؟ روز
اسٹینڈ پہ کپڑے کون رکھتا ہے؟ حد کرتے ہو آپ
بھی۔" بڑبڑا کر فون رکھا تو دیکھا فارس ذرا چونک کر
اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے خود کو "چڑیل" کیوں کہا؟"

"مثال دی تھی۔ کیوں؟ کیا ہوا؟" اس نے نا سمجھی
سے اسے دیکھا۔ "تم مسکرا رہے ہو؟"

فارس نے مسکراہٹ دبائے چہرہ جھکا کر نفی میں سر
ہلایا۔ "میں بالکل بھی نہیں مسکرا رہا۔"

وہ فوراً" آگے ہوئی۔ "نہیں سچ سچ بتاؤ۔ تم ایسے
صرف تب مسکراتے ہو جب تمہیں کوئی بات معلوم
ہوتی ہے اور مجھے نہیں۔" پھر رک کر اپنی بات پر غور
کیا۔ "کیا کسی نے تمہارے سامنے مجھے چڑیل کہا
ہے؟"

"میرے سامنے کوئی آپ کو چڑیل کہنے کی ہمت
کر سکتا ہے کیا؟" فارس نے سنجیدگی سے اسے تسلی
دی۔ زمر کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ اس
کے انداز میں اتنا مان، اتنا اعتماد تھا۔ پرس میں ہاتھ ڈال
کر رپورٹ دو انگلیوں سے پکڑی۔ پھر سرسری انداز
میں بولی۔

"اس بات کا کیا مطلب تھا جو اس رات تم نے
کہی؟" اسے یقین تھا کہ فارس کو معلوم ہے وہ کسی
بات کا ذکر کر رہی ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرایا۔ "اس کا
مطلب یہ تھا کہ آپ نے مجھے۔ سات سال پہلے۔ قید
میں ڈالا تھا۔"

وقت ایک لمحے کے لیے تھم گیا، موم بتی کا شعلہ
دھیرے سے ٹمٹمایا۔ پھولوں کی خوشبو آس پاس
پھیلی۔ زمر یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

(مجھے سات سال پہلے آپ سے محبت ہو گئی تھی)
with you Seven Years Ago!"
"I Fell in Love

وہ آرام سے کہہ گیا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ
تھی، مگر وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتی تھی۔ دو انگلیاں
اب بھی رپورٹ پہ تھیں۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تیسری وجہ بھی بتائے دیتا
ہوں۔" اس نے لمحے بھر کے لیے بھی زمر کی آنکھوں
سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ "میں سات سال پہلے جب
اس شہر میں پوسٹڈ ہو کر آیا تھا تو میں نے آپ کی کلاس
میں داخلہ لیا تھا۔ مجھے۔ آپ سے محبت ہو گئی تھی۔"
وہ نرمی سے کہہ رہا تھا مگر یہ نرمی آنکھوں میں نہیں
تھی۔ "میں آپ کے قریب رہنے کے لیے بہانے
ڈھونڈنے لگا تھا۔ آپ کے بارے میں ہر چیز جاننے لگا
تھا۔ آپ سعدی کی فیس دے رہی ہیں، آپ حنہ کے
لیے اپنی چابیاں جان بوجھ کر اٹھانا بھول جاتی ہیں۔
آپ کو کب سے استھما ہے۔ مجھے بہت کچھ معلوم
تھا۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھے نوٹس
نہیں ملے۔ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھاڑ کر پھینک
دیے تاکہ آپ مجھے زیادہ وقت دے سکیں۔ مجھے تب
احساس ہوا کہ میں مریض عشق بنتا جا رہا ہوں۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔ وہ بالکل دم سادھے اسے سن
رہی تھی۔

"پانچ سال پیچھے چلتے ہیں زمر۔ میں نے آپ کو وہ
نوز بن بھیجی، مجھے لگا تھا آپ میری لکھائی پہچان جائیں
گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی لیے جب آپ کی والدہ نے
رشتے سے انکار کیا تو میں نے دوبارہ کوشش نہیں کی۔
میں "آپ" کے لیے نہیں لڑا۔ میرے نزدیک ایک
ایسی عورت کے لیے لڑنا بے سود تھا۔ جو میری لکھائی
بھی نہ پہچان سکے۔ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ شادی
بھی کر لی لیکن میرا ایک حصہ پہلے بھی اور آئندہ بھی
آپ سے محبت کرتا رہے گا۔ اس ایک حصے کی وجہ سے
میں اپنی بیوی سے ویسی محبت نہیں کر سکا جیسی کرنی
چاہیے تھی۔ شروع شروع میں، میں اس کے نام کو
اپنے بھائی کے نام سے جوڑنے پہ لڑتا تھا، مجھے لگتا تھا یہ
صرف اس سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے ورنہ اس

کے حقوق و فرائض تو میں نے سب پورے کیے تھے۔ ڈانٹتا تھا مگر بلاوجہ نہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست تھی۔ لیکن جیل کے چار سال' میں یہ نہیں سمجھ سکا' اگر میرا اور اس کا تعلق صرف دوستی یا گلٹ کا تھا میں اسے اتنا مس کیوں کرتا ہوں؟ محبت تو مجھے آپ سے تھی مگر آپ کے لیے میں کبھی نہیں لڑا' اس کے لیے پھر بھی لڑ رہا ہوں۔" فضا میں ایک دم Winters Rebecca De کی مہک پھیل گئی۔ وہ اب بھی سانس روکے ہوئے تھی۔

"مجھ سے شادی کرنے کی تیسری وجہ کیا تھی؟"

"وہ مسکرایا۔" محبت نہیں تھی۔ اگر محبت کے لیے آپ سے شادی کرنی ہوتی تو ساڑھے پانچ سال پہلے کرلیتا۔ مگر نہیں۔ میں نے آپ سے شادی بھی کی' اور آپ کی ہر بات برداشت کی۔" کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس لیے نہیں کہ میں کمزور تھا' محبت میں خاموش تھا' یا یہ میری شرافت تھی۔ ٹرسٹ می زمر' میرا ایک حصہ ساری زندگی آپ کی قید سے نہیں نکل سکے گا' میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا' اور میں آپ کو ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہوں' مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ کے ساتھ جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا لیکن۔"

وہ رکا' وقت بھی رک گیا۔

وہ نمک کا مجسمہ بنی ٹک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔

"لیکن میرا اور آپ کا تعلق' میری برداشت' میری خاموشی' میرا آپ کی پرواہ کرنا' آپ کے زخموں پر مرہم رکھنا محبت اس میں کبھی بھی شامل نہیں تھی۔ میں نے آپ سے غلط کہا تھا کہ میں آخر میں آپ سے اپنا حساب لوں گا' مجھے آپ سے نہ انتقام لینا ہے نہ کوئی حساب لیکن۔"

وہ پھر رکا' زمر کا سانس بھی رکا۔

"لیکن جو آپ نے میرے ساتھ کیا' میں ایک بات بھی نہیں بھولا۔ آپ سے شادی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ۔۔۔" چہرہ مزید آگے کیا۔ موم بتی کے ٹمٹماتے شعلے کے پیچھے اس کی پرتپش آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

"میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ (پشیمانی) دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ تب کیا کریں گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں صرف اسی دن کے انتظار میں ہوں اس دن جب آپ کو سچائی معلوم ہوگی۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کروں گا اور آپ ٹوٹیں گی۔"

موم بتی کا شعلہ ایک دم بجھ گیا۔ زمر کی انگلیوں نے رپورٹ کو چھوڑ دیا۔ نگاہیں ہنوز فارس پہ جمی تھیں۔

"یہ جو آپ کو بہت غرور ہے نا خود پہ کہ آپ بہت قابل ہیں' میں یہ غرور ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی انتقام' کوئی انصاف نہیں چاہیے مجھے آپ سے۔ صرف احساس ندامت' اسی لیے میں نے آپ سے کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش نہیں کی' کوئی حق نہیں مانگا' کیوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رشتہ بنانے میں دلچسپی نہیں رہی۔ وہ وقت کب کا گزر گیا۔ اب ہم صرف پارٹنرز ہیں' ساتھ کام کر رہے ہیں' میں آپ سے کبھی نفرت نہیں کر سکتا اور محبت کرنا چھوڑ بھی نہیں سکتا' لیکن آپ جیسی عورت کے ساتھ میرے جیسا بندہ کبھی بھی ساری زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں' لیکن میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے صرف اس دن کا انتظار ہے جب آپ میرے سامنے ٹوٹیں گی اور اس دن زمر بی بی! میں آپ کو آزاد کردوں گا' عزت سے طلاق کے کاغذات تھماؤں گا' مگر اس سے پہلے میں آپ کی ہر کڑوی بات برداشت کرتا رہوں گا' محبت یا شرافت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ میں آپ کو آزما رہا ہوں۔ یہی آپ کی سزا ہے۔ کیوں کہ میرے نزدیک آپ ایک بے وقوف عورت اور بہت بری وکیل ہیں۔"

موم بتی سرد ہو چکی تھی۔ پھولوں میں ربیکا کے ساتھ کافور کی بو بھی رچ بس گئی تھی۔ موم بتیاں پراسرار اور خوف ناک لگ رہی تھیں۔ وہ بہت سکون سے سرد لہجے میں کہہ کر پیچھے ہوا۔ ویٹر کھانا سرو کرنے آکھڑا ہوا تھا۔ سیزل پلیٹو پہ گرم اسٹیک شڑ شڑ

کررہی تھی، یوں لگتا تھا زمر کے اندر تک کوئلے دہک رہے ہوں۔ کوئی آس سی ٹوٹ گئی تھی۔

ویٹر ہٹا تو وہ بیرئیے سے بولا۔ "کھانا کھائیے۔ وہ وقت گزر چکا جب آپ کو مجھے سننا تھا۔ تب آپ کو اپنی صحت عزیز تھی۔ حالانکہ مری تو میری بیوی تھی، آپ کو تو ڈونیشنل کڈنی بھی مل گیا۔"

تلخی سے کہہ کر وہ جو بے خبر تھا کھانا شروع کرنے لگا، مگر یہ آخری بات... یہ آخری باتیں زمر کا دل ایسے ہی توڑ دیا کرتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ زور سے پرس کی زپ بند کی اور آگے کو ہوئی۔

"فارس غازی!" اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ہزار سال بھی انتظار کرو تو وہ دن نہیں آئے گا۔ میں زمر یوسف ہوں اور اپنی نظروں میں میری بہت عزت ہے۔ زمر۔ تمہارے سامنے... نہیں ٹوٹے گی۔ کبھی بھی نہیں۔" پھر اسی تنی گردن کے ساتھ کھڑی ہوئی اور پرس اٹھالیا۔

"کہاں جارہی ہیں آپ؟" اس نے بند لبوں سے لقمہ چباتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔ وہ ویسا ہی مدھم، خیال رکھنے والا فارس غازی بن گیا تھا۔

"گھر۔"

"اتنی رات کو آپ کیب سے نہیں جائیں گی۔ تھوڑی دیر رک جائیں، میں ڈراپ کردیتا ہوں آپ کو۔"

زمر نے بغیر جانے کو مڑی تو وہ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے آیا۔

"اچھا آپ کار لے جائیں، میں کیب سے آجاؤں گا۔" چابی بڑھائی۔ زمر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا، پھر چابی جھپٹی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی سکون سے واپس بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

حنین نے قصر کاردار کی چوکھٹ عبور کی تو جواہرات، مکمل تیار، باہر کے لیے چلتی آرہی تھی۔ حنین مسکرا کر قریب آئی۔

"مسز کاردار! مائی گاڈ، آپ کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں۔" سادگی اور معصومیت سے تعریف کی۔ جواہرات مسکرائی، نرمی سے اس کا گال چھوا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تم کیسے آئیں؟"

"مجھے خاور سے کام تھا۔ کیا وہ اندر ہیں؟" پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ "پلیز آپ ان سے میری سفارش کردیں کہ وہ میرا کام لازمی کریں۔"

"جواہرات عجلت میں تھی، پھر بھی اس کے ساتھ کنٹرول روم تک آئی اور چوکھٹ سے حکم جاری کیا، "خاور، حنہ کو اسسٹ کردو۔" اور چلی گئی۔

اندر چند اسکرینز لگی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ کے سامنے خاور بیٹھا تھا، کام کرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا اور قدرے ناراضی سے حنہ کو دیکھا۔

"ہیلو کرنل خاور!" وہ دوڑ کر آئی اور سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"ہیلو حنین! کیا کام ہے؟"

"بہت اہم کام ہے۔" ایک فلیش اس کی طرف بڑھائی۔ "اس میں میرے دو کورین ڈرامے ہیں۔ ان کو encrypt کردو۔"

خاور نے گہری سانس لی۔ "حنین، تم یہ کام خود بھی کرسکتی ہو، پاس ورڈ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔"

"مجھے پاس ورڈ چھوڑیں، اسٹینڈرڈ RSA تک کا معلوم ہے، مگر یہ سب میری اس دوست کو بھی معلوم ہے جس کو میں ٹریپ کرنے جارہی ہوں۔ سو مجھے ان فائلز کو ایسے encrypt کرکے دیں خاور کہ وہ اسے نہ کھول سکے۔"

"میرے پاس اس وقت بہت کام ہے حنین۔ کسی اور وقت آنا۔" کہا کر کہتا وہ واپس ٹائپ کرنے لگا۔

"پلیز کرنل خاور!" منت کرتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

خاور جواب دیے بنا کام کرتا رہا۔ حنہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ "ارے یہ ڈیجیٹل فریم ہے نا" اچک کر ایک فوٹو

فریم اٹھائی۔ "ان میں ہیری پوٹر کی طرح تصاویر چلتی پھرتی ہیں۔ یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟"

"ہاں۔ اسے واپس رکھ دو۔" اس نے فریم حنہ کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا تو اس نے اچک کر لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھے گلاسز اٹھائے۔ "ان میں کیمرہ لگا ہے نا' واؤ' یہ میں ایک دن کے لیے اپنی کزنز کو دکھا سکتی ہوں؟" خاور نے جلدی سے وہ اس سے واپس لی۔

"پلیز حنین کسی چیز کو ہاتھ مت لگاؤ۔" پھر بمشکل ضبط کرتے ہوئے ایک نظر اپنے سامنے پھیلے کام کو دیکھا اور دوسری اس پہ ڈالی جو معصومیت سے آنکھیں جھپکاتے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر قدرے خفگی سے فلیش اس سے لی اور ایک دوسرے کمپیوٹر کی طرف آیا۔ حنہ بھی جلدی سے اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔

اب وہ خاموشی سے اس کا کام کر کے دے رہا تھا۔

"پاس ورڈ ٹائپ کرو۔" تھوڑی دیر بعد اس نے کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ اور کسی مہذب انسان کی طرح دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حنہ نے ٹائپ کیا اور سیدھی ہوئی۔ چند منٹ مزید ضائع کیے خاور نے' پھر اس کی طرف گھوما۔

"ہو گیا تمہارا کام۔ اب جاؤ۔"

"مگر میں اسے کھولوں گی کیسے؟"

"اف۔" اس نے اکڑ کر چند بٹن دبائے اور کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ "پاس ورڈ ٹائپ کرو' کھل جائے گا۔"

"تھینک یو سوچ۔ کرنل خاور۔" خوشی سے کہتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔ پھر مسکراہٹ الجھن میں بدلی۔

"یہ کیوں نہیں کھل رہا؟"

"کیوں کہ تم غلط پاس ورڈ لکھ رہی ہوگی۔ تمہیں یقین ہے کہ یہی پاس ورڈ تھا۔" تحمل سے بولا۔

"کیا مطلب یقین ہے؟ میں پاگل تو نہیں ہوں نا۔ اتنا سادہ پاس ورڈ تھا میرا۔ اف یہ کیوں نہیں کھل رہا۔"

وہ پریشانی سے بار بار پاس ورڈ ٹائپ کرنے لگی۔ خاور نے قدرے غصے سے ٹوکا۔ "مت کرو' تم فائلز کرپٹ کرو گی۔" مگر تیسری دفعہ جب پاس ورڈ نہ لگا تو۔۔۔ فائلز کرپٹڈ۔۔۔ لکھا آنے لگا۔

"اف حنین۔" خاور نے بے زاری سے فلیش کھینچی اور اسے تھمائی۔ "اب اسے جا کر آگ میں جھونکو اور مجھے کام کرنے دو۔"

"کیا مطلب؟ میں نے ایک ہفتہ لگا کر ان کو ڈاؤن لوڈ کیا ہے' میری فرینڈ سے شرط لگی ہے' پلیز کرنل خاور! مجھے یہ کھول کر دیں۔" وہ بدحواس ہو گئی تھی۔

"حنین مجھے ایک سیمینار کے لیے سیکورٹی پلان تیار کرنا ہے' میرے پاس بہت کام ہے' تمہاری ٹین ایج حرکتوں کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جاؤ۔" رکھائی سے کہہ کر وہ واپس اپنی کرسی پہ آیا۔

"پلیز کرنل خاور۔"

"جاؤ حنین!" وہ سنجیدگی سے ٹائپ کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ خاموش رہی تو خاور نے نگاہ اٹھائی۔

سامنے کھڑی حنین چہرہ جھکائے' رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ خاور نے کراہ کر کنپٹی مسلی۔ "اب کیا ہے؟"

"اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو بھی ایسے ہی کرتے؟" اس نے جھکے چہرے کے ساتھ آنسو رگڑے اور فلیش پکڑ کر سست روی سے جانے کو مڑی۔ ساتھ ہی ہچکی لینے کی بھی آواز آئی۔

خاور نے آنکھیں میچ کر خود کو جیسے ڈھیروں صبر دلایا اور پھر اسے آواز دی۔

"میں صرف decrypt کر کے دوں گا' لیکن دوبارہ encrypt نہیں کروں گا۔"

وہ الٹے قدموں بھاگ کر واپس آئی۔ آنسوؤں والے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ "سچ؟"

"کتنی ڈرامہ ہو تم۔" ناگواری سے بولا۔ حنہ نے پلکیں جھپکاتے فلیش اس کو تھمائی۔ پھر اس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ شدید کوفت زدہ سا فلیش اڑستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ لمبا کام ہے اور تم اس دوران خاموش رہو گی۔ مجھے زائد باتیں پسند نہیں۔ تمہارے پہلے لفظ پہ میں

کام روک دوں گا۔" تیزی سے ٹائپ کرتی انگلیاں مسلسل چل رہی تھی۔ اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی حنہ ہتھیلی تھوڑی تلے جمائے 'دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔

"سو آپ نے... ElGamal کے ذریعے "کی" کو..." خاور نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا' اس نے فوراً" اپنے لبوں پہ انگلی رکھ لی۔ "اچھا سوری' میں چپ!" وہ شدید کوفت زدہ سا کمانڈز دینے لگا۔ حنین لب دانتوں سے دبائے' ایکسائٹڈ سی دیکھ رہی تھی۔ جس کو اتنا ماہر استاد ملے' وہ اس سے نہ سیکھے' یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

☼ ☼ ☼
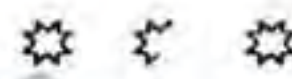
غرور حسن سراپا نیاز ہو تیرا
طویل راتوں میں تو بھی قرار کو ترسے

اسامہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا اور ندرت فون پہ بات کر رہی تھی۔ ابا اپنے کمرے میں سونے جا چکے تھے۔

"اچھا خدیجہ خالہ۔ اللہ حافظ۔" ندرت سارہ کی امی سے فون پہ بات ختم کر کے سیم کی طرف مڑیں۔ وہ ناخوش لگ رہی تھیں۔ "فارس اور زمر کو دیکھو۔ ولیمہ کا فنکشن چھوڑ کر باہر ڈنر کرنے چلے گئے۔ اب اس کی کیا تک بنتی ہے؟ اگر وہاں کھانا نہیں کھانا تھا تو گھر آجاتے' فضول پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فارس بھی جہاں بیوی کہے چل پڑتا ہے۔"

سیم نے مڑ کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ "امی! کچن میں دیکھیں۔ چولہا بند ہے نا؟ کیوں کہ مجھے جلنے کی شدید بو آرہی ہے۔"

"ہاں' ہاں' بند ہے۔ دودھ کڑھ گیا تھا تو میں نے اتار لیا۔" وہ اپنے ہی خیال میں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں۔ سیم نے سر جھٹکا اور واپس ٹی وی دیکھنے لگا۔

کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس نے تھکی تھکی سی زمر کو آتے دیکھا۔ وہ بجھی' بے رونق لگ رہی تھی۔ ممی نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ سیم آہستہ سے اس کے پیچھے گیا۔ وہ سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ اداس اور اکیلی۔

"آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟ ماموں کہاں ہیں؟"

"تمہارے ماموں کو خود نہیں پتا کہ وہ کہاں ہیں۔"

"آپ اپ سیٹ ہیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ زمر نے جواب دیے بنا سر گھٹنوں پہ رکھ لیا۔ سیم نے اس کے ساتھ زینے پہ کچھ رکھا۔ اور پھر اسی طرح واپس چلا گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا وہ چاکلیٹس کا ڈبہ تھا۔ زمر زخمی سا مسکرائی۔

"ضروری نہیں کہ جو چیز ایک دفعہ اچھی لگے' وہ ہمیشہ اچھی لگتی رہے۔ جیسے وہ اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا' جتنا آج میں نے اسے جان لیا ہے۔"

"اسے خود بھی نہیں معلوم کہ اسے زرتاشہ سے اپنی سوچ سے زیادہ محبت تھی اور مجھ سے اپنی سوچ سے بہت کم۔"

اندھیرے تہہ خانے کی سیڑھیوں پہ ریپر میں لپٹی چاکلیٹس کی مہک کے اندر پھر سے "زریکا" کی خوشبو بھی بس گئی تھی۔

☼

جنوں میں شوق کی گہرائیوں سے ڈرتا رہا
میں اپنی ذات کی سچائیوں سے ڈرتا رہا

زمر یوسف نے زندگی میں پہلی دفعہ فارس کے بارے میں اتنی بڑی بات بالکل درست کی تھی' لیکن اگر وہ سن لیتا تو تعجب اور حیرت سے تردید کرتا۔ وہ جلد ہی گھر آگیا تھا۔ پہلے وقت دیکھا۔ نماز کا خیال آیا پھر "کچھ دیر بعد" سوچ کر ٹال دیا۔ جیل سے آنے کے بعد وہ بہت کم نماز پڑھ پاتا تھا۔ کمرے میں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جوتے اتارے۔ دفعتاً" سیل بجنے کی آواز آئی۔ زمر شاید باتھ روم میں تھی' سیل بیڈ پہ پڑا تھا۔ فارس کسی خیال کے تحت اٹھا اور اس کا موبائل اٹھایا۔ احمر شفیع کا پیغام آیا تھا۔ اس کے ابرو بھینچے۔ سیل اٹھایا اور زمر کا پیٹرن ملا کر اسے کھولا۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے' کل می جب

میرا میسج دیکھیں۔" فارس کے ابرو مزید تن گئے۔ انگوٹھے سے اسکرین اوپر کی۔ پرانے میسجز۔ باہر ملنے کے۔ کسی کام کی طرف اشارہ۔ فیس کی بات۔ احمر کا فیس کے لیے شکریہ کرنا۔ سب مبہم تھا' مگر۔۔۔ تنے ابرو اور بھینچے لبوں کے ساتھ اس نے فون واپس اپنی جگہ پہ رکھا اور باہر بالکونی میں آگیا۔

وہاں تاریکی تھی۔ فارس کرسی پہ پاؤں لمبے کر کے نیم دراز ہوا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دل و دماغ دو حصوں میں بٹے تھے۔ (وہ اس کو کبھی دھوکا نہیں دے گی' وہ ایک بے وقوف عورت اور بدترین وکیل سہی' مگر وہ پیٹھ پیچھے حملہ کرنے والوں میں سے نہیں ہے' مگر پھر بھی وہ اتنا بے چین کیوں تھا؟ شک بڑھتا کیوں جا رہا تھا؟) اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تاریکی میں اس کی ساری زندگی کسی فلم کی طرح چلنے لگی۔۔۔

فارس غازی نے ایک ایسے گھر میں جنم لیا تھا جہاں ایک "بیمار" شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کی ماں' جو مرض عشق میں مبتلا تھی۔

وہ ایک کاردار تھی۔ علیمہ۔ کاردار۔ بے حد خوب صورت۔ ہاشم جیسے نقش اور نوشیرواں جیسا مزاج۔ نخرہ' غرور' غصہ' سب کسی کاردار جیسا تھا۔ کسی زمانے میں یہ سب اپنے جوبن پہ ہوتا ہوگا' مگر جس عمر میں اس کے ذہن نے شعور کی منزل پہ قدم رکھا' وہ بہت حد تک ڈھے چکی تھی۔ اسے ایک شادی شدہ آدمی سے محبت ہوئی تھی۔ گو کہ وہ اورنگ زیب کاردار کی بہن تھی' امیر تھی' خوب صورت تھی' لیکن پھر بھی محبوب کو خرید نہیں سکی تو خود کو اس کے قدموں میں رول دیا۔ ہر قیمت پہ اسے اپنانا چاہا' اور اپنا بھی لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کو بھی اس کی ماں سے محبت تھی' مگر یہ متوازن محبت تھی' اس میں "مرض" کا عنصر نہ تھا۔

علیمہ کے لیے طہیر نے سب کچھ کیا' اس کو اپنا نام دیا' اولاد دی' مگر ایک الگ گھر نہ لے کر دے سکا۔ علیمہ کو الگ گھر کی تمنا بھی نہیں تھی۔ وہ جہاں بھی خوش تھی تب تک جب تک وہ ان ماں بیٹے سے ملنے آتا رہے اور وہ اکثر آتا تھا۔ فارس کے لیے وہ آئیڈیل مرد تھا۔ مضبوط اور بہادر۔ ہر بچے کے لیے اس کا باپ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی ایسا جس کو کوئی نہیں ہرا سکتا' جو ہر مسئلے کو حل کر سکتا ہے' ہر پریشانی میں ان کی ڈھال بن سکتا ہے۔

پھر ایک دن آئیڈیل کا یہ مجسمہ بھی زمین بوس ہو گیا۔

اس روز کس بات کی دعوت کی گئی تھی؟ بالکونی میں بیٹھے فارس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہاں' ایں کے پاس ہونے کی خوشی میں۔ شاید کوئی پوزیشن لی تھی اس نے۔ اس کا باپ' اس کی ماں اور چھ سالہ فارس' وہ بہت مسرت اور فخر سے اس دعوت کا حصہ بنے تھے۔

سب کچھ بہت اچھا تھا۔ تحفے' رنگ' خوشبو۔ روشنیاں۔ دعوت اورنگ زیب نے دی تھی۔ کسی زمانے میں ان کو اپنی بہن اور بھانجے سے بہت لگاؤ ہوتا تھا۔

لیکن پھر۔ جواہرات کاردار نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھوں طہیر غازی کی پہلی بیوی کے گھر پیغام بھجوا دیا۔ وہ اپنے دو بچوں' ایک بڑی لڑکی اور ایک فارس سے کچھ بڑے لڑکے کے ساتھ اس دعوت پہ آدھمکی۔ ندرت اور وارث کی ماں ولایت بیگم۔ وہ سخت گیر' قربہی مائل اور اوسط تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اگر وہ کسی اونچی ڈگری کی حامل ہوتی' تب بھی شاید وہ یہی کرتی جو اس نے کیا۔ علیمہ کے سوشل سرکل' اورنگ زیب کے رشتے داروں اور دوستوں کے سامنے اس نے چلا چلا کر سب کو بتایا کہ وہ اس دھوکے باز انسان کی پہلی بیوی ہے۔ یہ تو دو بچوں کا باپ ہے' اور اب یہاں کھڑا ہے ایک خوب صورت اور جوان عورت کے ساتھ؟

جواہرات اپنے بیٹے کے ساتھ سکون سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ علیمہ حق دق سی کھڑی رہی' اورنگ زیب اور طہیر اسے سمجھاتے رہے کہ علیمہ' اورنگ زیب سب جانتے ہیں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا' اس نے نکاح کیا ہے' گناہ نہیں کیا' مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ ولایت تو نہیں جانتی تھی۔ اسے تو آج علم ہوا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور اپنے آنسوؤں

سے جو کچھ کہا، وہ کونے میں کھڑے فارس کے ذہن کو تا عمر اپنے باپ کے لیے داغدار کر گیا۔

یہ نہیں تھا کہ اس کی باپ کے لیے محبت میں کمی آئی یا وہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ بس اتنا تھا کہ اس نے اپنے باپ کا مان اور اعتماد کھو دیا۔ اگر ولایت نہیں جانتی تھی، تو وہ بھی نہیں جانتا تھا، مگر اس وقت اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ سب تقریب کی شرمندگی اور اہانت کو تحلیل کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ وہ وہیں اس کونے میں کھڑا رہا۔ ساکت۔ خوف زدہ۔ بے یقین۔ فکر مند۔ اس کو ایک دم اپنا آپ کمزور اور بے سہارا لگا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا اس کا باپ، ولایت بیگم کو صفائی پیش کر رہا تھا، وہ پریشان تھا، اور بے چین بھی۔ وہ سب کچھ لگ رہا تھا سوائے ایک بہادر مرد کے۔ اور یہ سب کرتے ہوئے اس نے علیمہ کا کردار کو قطعا" نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ خوب صورت لڑکی بے بس اور بے سہارا کھڑی تھی۔ طہیر غازی ان دونوں کا سہارا نہیں بن سکا تھا۔ گھر کا سربراہ ایسا نہیں ہوتا۔ گھر کے سربراہ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ آکھڑا ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ علیمہ کی انگوٹھی کا نگینہ اسے چبھا تھا۔ اس چبھن میں بھی احساس تحفظ تھا۔

ان دونوں میں کون کس کو تحفظ دے رہا تھا؟ دونوں کو نہیں معلوم تھا مگر اس دن سے فارس کو لگنے لگا تھا کہ ہر رشتہ یا تو ختم ہو جاتا ہے یا دھوکا دے جاتا ہے۔ اس نے باپ سے محبت کرنا کم نہیں کی، لیکن یہ احساس ہو گیا کہ وہ ایک ایسا مرد ہے، جو کٹھن وقت میں ان ماں بیٹے کے سر کی چھت نہیں بن سکتا۔ طہیر غازی اپنی پہلی بیوی اور خاندان کے ہاتھوں آہستہ آہستہ شکست تسلیم کرتے گئے۔ مہینوں بعد ادھر چکر لگاتے۔ یا بالکل نہ آتے۔ فارس کو نہیں معلوم کہ یہ فیصلہ کس نے کیا تھا، لیکن ایک دن وہ ان دونوں کو اپنے خاندانی گھر لے ہی آئے۔

یہاں سے زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔ رنگین فلم جیسے بلیک اینڈ وائٹ اور mute ہو گئی تھی۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ دو قیدی عجیب انداز میں لائے گئے تھے۔ نہ ان کے کوئی حقوق تھے، نہ مان تھا۔ ان سے بات کرنا گناہ، ان کی پروا کرنا جرم تھا۔ گھر میں واضح لکیر کھینچ گئی تھی۔ ایک طرف ایک کمرے میں وہ نازوں میں پلی، مرض عشق میں مبتلا، ہر حال میں طہیر کے ساتھ رہنے کی خواہاں لڑکی، اپنے کم عمر بیٹے کے ساتھ تھی۔ اور دوسری طرف طہیر کی خاندانی بیوی اور اس کے دو بچے جن کو پورے خاندان کی سپورٹ حاصل تھی۔

اور اس کا کمزور باپ دریا کے دو کناروں کو ملانے کی کوشش میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو اس سے نکالنا چاہتا تھا، مگر ایک دن اسے احساس ہوا کہ وہ شخص کبھی اس پانی سے نہیں نکل پائے گا۔ اس دن فارس گھر چھوڑ کر واپس بھاگ آیا تھا۔

زمر کمرے میں آچکی تھی۔ آہٹ نے فارس کا ارتکاز توڑ دیا۔ وہ پرانی یادوں کو جھٹک کر موبائل نکال کر بے مقصد بٹن دبانے لگا۔

☼ ☼ ☼

یہ الگ بات تھی کہ اس سہ پہر ہارون عبید کی رہائش گاہ کا سبزہ اداس تھا۔ آب دار کی کھڑکی سے دکھائی دیتے لان میں مور خاموش بیٹھے تھے۔ بطخیں اداسی سے کونے میں دبکی تھیں۔ بلی جانے کہاں گم تھی۔ اور وہ خود۔ کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ "سیو سعدی یوسف" کا صفحہ کھول رکھا تھا اور آنکھوں میں شدید اداسی لیے اس لڑکے کی مسکراتی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر سائڈ رہا تھا۔ آبی نے آنکھیں بند کر لیں اور اس یاد کے جھرنے کو بہنے دیا۔ اتنا کہ اس کے پانی میں وہ خود بہتی چلی گئی۔

وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ وہ سردی کی دوپہر تھی۔ سرما کی اداسی ہر جگہ گھلی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے، جرنل پہ چند اہم نکات لکھے جا رہی تھی۔ جب اس نے وہ آواز سنی۔ کسی کو مارنے کی آواز۔

چونک کر سر اٹھایا تو کیفے کے ایک کونے میں' جہاں دیوار سی بنی تھی' تپلی گلی کی طرح' وہاں ایک لڑکا دوسرے کو پیٹ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ حیران پریشان سی اٹھتی' مار کھانے والے لڑکے کے چہرے پہ نظر پڑی۔ وہ نوشیرواں کاردار تھا۔ آپی نے ناک سکیڑی اور واپس بیٹھ گئی۔ (گڈ فار ہم!)

اس کے ساتھ والی میز پہ ایک قدرے درمیانی عمر کی دیسی عورت بیٹھی تھی۔ سر بالکل گرائے' چپ' خاموش۔ کن اکھیوں سے آپی کو نظر آیا' ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا وہ کافی کے مگ لیے ادھر آکر بیٹھا ہے۔ اس کی آپی کی طرف پشت تھی' وہ بھی توجہ دیے بنا کام کرتی رہی۔ البتہ ان کی باتیں کان میں پڑ رہی تھیں۔ وہ لڑکا شاید اس عورت کا اسٹوڈنٹ تھا اور عورت کو تو وہ ٹیچر کی حیثیت سے پہچانتی بھی تھی۔

"یہ تمہارا دوست ہے نا جو مار کھا رہا ہے۔" کیفے میں اس وقت لوگ بہت کم تھے' پھر بھی وہ اٹھ کر اس طرف دوڑے تھے' مگر وہ لڑکا کچھ بھی سنے سمجھے بغیر شیرو کو مارے جا رہا تھا۔ "تم بھی اس کی مدد کے لیے جاؤ۔"

"اس کی مدد کے لیے بہت سے لوگ ہیں' ابھی پولیس بلا لیں گے' مگر آپ کی مدد کے لیے اس وقت صرف میں ہی ہوں۔"

آپی خاموشی سے گردن ترچھی کیے لکھتی رہی۔

"تم میری کیا مدد کرسکو گے؟ تم خود ایک بچے ہو۔ میرا تیسرا مس کیرج ہوا ہے' آج تو ڈاکٹر نے بھی ناامیدی کی باتیں کی ہیں۔ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" آپی نے یونہی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ لڑکے کی پشت تھی' مگر عورت کا نیم رخ واضح تھا اور وہ سر جھکائے' آنسو پونچھ رہی تھی۔

"مسز مرجان! تھوڑے تحمل سے میری بات سنیں۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ آب دار پھر سے کام کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا اب وہ اسے تسلی دے گا۔ علاج کے طریقے یا پھر ایڈاپشن یا اس حقیقت کو قبول کر کے مثبت سوچ کے ساتھ رہنے کی نصیحت۔

"آپ کا ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے' آپ infertile ہیں۔ آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے۔"

لکھتے ہوئے آپی رکی۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ اسے برا لگا تھا۔ "ایسے کہتے ہیں کسی کو بھلا؟" مڑ کر شاکی نظروں سے دیکھا۔

دور کونے میں لوگ شیرو کو اٹھا رہے تھے' وہ لڑکا بھاگ چکا تھا۔

"آپ بانجھ کہلانے پہ اتنی اپ سیٹ کیوں ہیں؟"

"سعدی!" مسز مرجان نے شکایت آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ قرآن پڑھتی ہیں' مسز مرجان؟"

(اچھا اب وہ ابراہیم علیہ السلام یا ذکریا علیہ السلام والا واقعہ دہرائے گا۔) آپی نے دوبارہ سے کام کی طرف متوجہ ہوتے سوچا۔

"کبھی کبھی۔"

"یہی کبھی کبھی اس دنیا کے کروڑوں لوگوں کا مسئلہ ہے۔ خیر۔ آپ نے اس میں ذکریا علیہ السلام والا واقعہ تو پڑھا ہوگا' انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اکیلا نہ چھوڑیں۔ تو۔۔۔"

"تو اللہ نے انہیں یحییٰ عطا کیے' مگر وہ پیغمبر تھے سعدی۔"

سعدی نے گہری سانس لی۔ "میم! خوب صورت لڑکوں کی بات کاٹا نہیں کرتے۔ اس لیے تحمل سے مجھے سنیں۔ جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ نے ان کو ایک دم سے اولاد نہیں دے دی' بلکہ پہلے بشارت دی' کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا' مگر جب یہ بشارت دی تو ذکریا علیہ السلام حیرت سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا ہم نے اس سے پہلے آپ کو بھی تو تخلیق کیا تھا اور آپ بھی تو کچھ نہیں تھے۔ آپ مجھے بتائیں مسز مرجان' کیا آپ نے غور کیا اس پہ؟"

"دیکھو سعدی! میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ ذکریا علیہ السلام کو یہ بتا رہے تھے

کہ آپ کچھ بھی نہ تھے' یعنی ہر انسان پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور یہ اتنا امیزنگ ہے کہ وہ چھ فٹ کا انسان بن جاتا ہے' ہم سب کی پیدائش امیزنگ ہے۔"

"لیکن میرا کیس مختلف ہے۔"

"نہیں۔۔۔ یہیں پہ ہم دونوں مختلف ہیں' کیوں کہ قرآن پڑھنے اور قرآن پہ غور و فکر کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ آپ اسی آیت کو دیکھ لیں۔ اللہ نے ذکریا کو مخاطب کیا کہ "آپ بھی تو کچھ نہ تھے" آپ نے اس سے مراد ہر انسان کی پیدائش لی' لیکن میرے خیال میں اس کا ایک اور مطلب بھی ہے۔"

آبی بے اختیار گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ مسز مرجان نے بھی قدرے متذبذب ہو کر اس لڑکے کو دیکھا۔

"میرے خیال میں مسز مرجان اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم "ہر انسان" کی پیدائش نہیں صرف "ذکریا کی پیدائش" پہ غور کریں۔"

"مطلب؟"

"ذکریا علیہ السلام بنی اسرائیل تھے اور بنی اسرائیل' اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہیں۔ آپ بتائیں' یعقوب کس کے بیٹے تھے؟"

"اسحاق علیہ السلام کے۔"

"اور اسحاق علیہ السلام کس کے بیٹے تھے؟"

"ابراہیم علیہ السلام کے!"

"ابراہیم اور سارہ کے' علیہما السلام!" اس نے اضافہ کیا۔ پشت ہونے کے باوجود آبی کو لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔

"آپ کو پتا ہے بنی اسرائیل اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوموں میں سے ایک ہے۔ ہم پٹھان ہوں یا گورے لوگ یا فلسطینی یا ملک اسرائیل کے یہودی' ہم بنی اسرائیل ہیں۔ اسی لیے پٹھانوں اور گوروں جن کو ہم انگریز کہتے ہیں' ان کی شکلیں ملتی ہیں' کیونکہ ہم سب پیچھے سے اسرائیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ذکریا علیہ السلام بھی اسرائیلی تھے۔ میں بھی اسرائیلی ہوں اور ہم سب کی ماں تھیں حضرت سارہ۔ آپ کو معلوم ہے سارہ کون تھیں؟"

"دنیا کی سب سے خوب صورت خاتون تھیں وہ۔" مسز مرجان کو یاد آیا۔

"بالکل۔۔۔ وہ دنیا کی سب سے خوب صورت خاتون تھیں اور وہ بانجھ تھیں۔"

ایک لمحے کے لیے آبدار کا سانس رک گیا۔ ارد گرد ہر شے تھم گئی۔ مسز مرجان بھی بالکل ٹھہر کر سعدی کو دیکھ رہی تھیں۔

"تو اللہ تعالیٰ نے ذکریا علیہ السلام سے جو فرمایا شاید اس کا مطلب یہ بھی تھا مسز مرجان کہ آپ اپنی پیدائش پہ غور کریں ذکریا آپ بھی تو ایک بانجھ عورت کی اولاد ہیں۔ آج دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی بانجھ عورت کی اولاد ہے۔ اگر سارہ کے اولاد ہو سکتی ہے تو دنیا کے ہر مرد اور عورت کے ہاں اولاد ہو سکتی ہے۔" مسز مرجان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"مگر وہ۔۔۔ وہ پیغمبر کی زوجہ تھیں۔ اس لیے ان کی اولاد ہوئی۔"

"نہیں۔۔۔ ان کی اولاد اس لیے ہوئی کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی۔ جب ابراہیم السلام نے دعا کی' جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ دعا رد نہیں کرتا لیکن اس میں یقین ہونا چاہیے۔ آپ کسی قبر' کسی مزار' کسی تعویذ کو وسیلہ بنائیں گی تو اللہ آپ کو ان ہی کے حوالے کر دے گا۔ آپ ایسا مت کیجیے گا۔ اگر آپ تہجد نہیں پڑھتیں کسی دعا کے لیے تو اس کا مطلب ہے آپ اس کو پانے کے لیے خود بھی سیریس نہیں ہیں۔ شدید پریشانی کے حالات میں دعائیں بھی شدید مانگنی ہوتی ہیں۔ یہ پانچ وقت کی نماز کے بعد روٹین کی طرح دعا مانگنا کافی نہیں ہوتا۔ جتنی بڑی آزمائش ہے' اتنا زیادہ اپنی دعا کو بڑھائیں۔ یہ وہی اللہ ہے جو حضرت سارہ کا اللہ تھا۔ کیا آپ کی دعا بھی ویسی ہے جیسی سارہ کے شوہر کی تھی؟"

مسز مرجان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ آبدار بالکل ٹھہر کر سن رہی تھی۔

"مگر سعدی۔ یہ میری آزمائش ہے یا گناہوں کی سزا؟ یہ فرق کیسے معلوم کروں؟"

"معلوم کر کے کیا کریں گی؟ سزا ہوئی تو معافی مانگیں گی' آزمائش ہوئی تو دعا کریں گی کہ اللہ اس میں کامیاب کرے؟ مسز مرجان' مجھ سے پوچھیں تو یہ معلوم کرنا لایعنی ہے۔ اس بحث کو چھوڑ دیں اور یہ دونوں کام کرتی رہیں۔ آپ کو پتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ آزمائش کیوں ڈالتا ہے؟"

بھیگے چہرے کے ساتھ مسز مرجان نے نفی میں سر ہلایا۔

"بعض دفعہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کوئی اونچا درجہ دے دیتا ہے مگر اس کے اعمال اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اس درجے تک پہنچ جائے۔ یعنی وہ اچھا آدمی ہوتا ہے مگر بہت زیادہ نیکیاں نہیں کر پا رہا ہوتا اور اللہ تعالیٰ ناانصافی تو نہیں کر سکتا' سو اس شخص کو اس درجے تک پہنچانے کے لیے۔۔۔ سمجھیں پہلی سیڑھی پہ کھڑے شخص کو دسویں سیڑھی تک پہنچانے کے لیے اللہ اس پہ پریشانیاں ڈالتا ہے' تاکہ اس کے گناہ جھڑیں۔ ظاہر ہے گناہ کم ہوں گے تو وہ اوپر اٹھتا جائے گا۔ جس دن وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی آزمائش کھول دی جاتی ہے۔ یہ میری خود سے گھڑی بات نہیں ہے' یہ صحیح حدیث کا مفہوم ہے۔"

"مطلب کہ۔۔۔ یہ سب ہمیں کسی مقام تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے؟"

"جی۔۔۔! اب یہ آپ پہ ہے کہ آپ اس مقام تک کتنی جلدی پہنچتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں تو جلدی زینے عبور کریں گی' حدیث میں آتا ہے کہ انسان کو کوئی چیز ملنے والی ہوتی ہے کہ اس کے گناہ آڑے آجاتے ہیں۔ اس لیے گناہوں سے بچیں اور زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال کریں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کشادگی کا انتظار بہترین عبادت ہے۔ اس لیے اپنی کشادگی کا انتظار کیجیے۔ بے اولادی' اولاد کی معذوری یا بیماری یا اولاد کا ہو کر مر جانا' یہ سب کوئی Cures نہیں ہے۔ یہ تو انبیا کی آزمائش تھی۔ بڑے لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ روز قیامت آپ کو کشادگی کے انتظار میں گزارے یہ ماہ و سال بہت قیمتی لگیں کیونکہ یہ وقت آپ کو وہ دے جائے گا جو اور کوئی نہیں دے سکتا۔ میں پھر کہتا ہوں یہ Cures نہیں ہے کیونکہ اللہ ہمیشہ ان لوگوں کی سائیڈ پہ ہو گا جن کو وہ آزمانے کے لیے اتنے بڑے بڑے دکھ دیتا ہے۔"

آبدار عبید کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا' پھر بھی اس کو لگا' اس کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ کوئی اتنا نرم' اتنا پیارا کیسے بول سکتا ہے؟ اس نے ایک دفعہ پھر گھوم کر اس لڑکے کو دیکھنا چاہا۔ اس کی پشت تھی مگر سامنے گلاس ڈور فریج میں اس کا چہرہ منعکس ہو رہا تھا۔ چھوٹے گھنگھریالے بال' خوب صورت چہرہ' صاف رنگت بھوری آنکھیں۔

"سعدی۔۔۔ تم نے میری امید پھر سے زندہ کر دی ہے۔ میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گی۔" مسز مرجان آنسو رگڑتے ہوئے اسے ممنونیت سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟"

"بالکل۔۔۔" وہ ذرا جوش سے آگے کو ہوا۔ "اگر کلاس میں کبھی کوئی ایسا مقابلہ ہو جس میں سب سے ہینڈسم لڑکے کو منتخب کیے جانا ہو تو وعدہ کریں آپ مجھے ووٹ دیں گی!" اور وہ روتے روتے ہنس دی تھیں۔

اور اب۔۔۔ اتنے سال بعد آبدار عبید اداسی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ساتھ میز پہ اس کا سفری بیگ تیار رکھا تھا۔ وہ قیدی تھا یا صرف مہمان' یہ فیصلہ اسے اس سفر کے بعد ہی کرنا تھا۔ لیکن اس فیصلے کے بعد وہ کیا کرے گی؟ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ قسمت بھی کیسے عجیب انداز میں اسے اس سے ملانے لے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
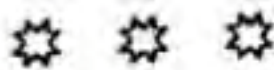
وہ اپنے زعم میں تھا' بے خبر رہا مجھ سے اسے گماں بھی نہیں' میں نہیں رہا اس کا
اس صبح مطلع صاف تھا۔ سورج بھی مکمل روشن تھا۔ بڑے ابا کے آبائی قصبے میں ان کے چچیرے بھائی کی وفات کی اطلاع فجر کے قریب آئی تھی۔ ندرت فوراً" چلنے کی تیاری پکڑنے لگیں۔ ابا بہت آزردہ تھے مگران کا جانا بھی ضروری تھا۔ سوناشتے کے بعد ندرت' ابا اور صداقت سفر پہ نکل گئے اور دو تین دن کے لیے ریسٹورنٹ بند کرنے کا کہہ دیا۔
وہ گئے تو گھر میں خوامخواہ کا سناٹا چھا گیا۔ سیم اسکول جانے سے انکار کر کے سونے چلا گیا۔ فارس اور زمر کی اس رات سے بات چیت بند تھی۔ (گوکہ فارس کے لیے یہ نئی بات نہیں تھی' سو وہ نارمل تھا مگر زمر کا دل بری طرح ٹوٹا تھا کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔)
صبح باسی ہو کر ایک روشن دوپہر میں ڈھلی تو ایک سرکاری دفاتر کی عمارت کے اندر ایک آفس میں فارس غازی بیٹھا تھا اور مسلسل کان کی لو مسلتے ہوئے سامنے براجمان آفیسر سے بات کر رہا تھا۔
"آپ نے اس کار کی تفصیلات چیک کیں؟"
"مجھے افسوس ہے' یہ حساس معلومات ہیں اور میں آپ کو نہیں دے سکتا۔" وہ صاحب نہایت افسوس سے کہہ رہے تھے۔ "آپ کو اس کے لیے کورٹ آرڈر لانا ہو گا۔" "فارس نوپرابلم" کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ تب ہی ملازم نے اندر جھانکا۔ "سر آپ کو وارثی صاحب بلا رہے ہیں۔"
آفیسر نے پہلے فارس کو دیکھا' پھر ملازم کو۔
"کیوں؟"
"سر وہ بہت غصے میں ہیں' ان کے کمرے میں کسی نے بارودی مواد کا بیگ رکھ دیا ہے۔ ان سے پہلے صرف آپ گئے تھے ادھر' وہ آپ کو فوری طلب کر رہے ہیں۔"
وہ صاحب تیزی سے اٹھے' فارس کو باہر بیٹھنے کو کہا تو وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ ہی باہر نکلا مگر وہ پریشانی سے آگے بڑھتے گئے اور دوسرے لوگ بھی اسی طرف جاتے دکھائی دیے تو وہ الٹے قدموں واپس اندر آیا' دروازہ بند کیا اور تیزی سے ان کے کمپیوٹر کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ بیٹھنے کے بجائے جھک کر کھڑا وہ کی بورڈ پہ بٹن دبا تا رہا۔ سسٹم آن تھا۔ چند لمحے لگے اسے مطلوبہ معلومات تک پہنچنے میں۔ (کورٹ آرڈر کی ایسی کی تیسی۔) وہ صفحے پرنٹ کیے' انہیں تہ کر کے جیب میں اڑسا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔
دوپہر شام میں ڈھلی اور شام ایک سوگوار رات میں تبدیل ہو گئی۔ انیکسی کے باہر سبزہ زار تاریک تھا مگر اندر بتیاں جلی تھیں۔ حنین آج گل خان کے اسٹال سے بہت سے تازہ پھول لے آئی تھی۔ (اور اس نے زمر کی وجہ سے قیمت صرف دگنی بتائی تھی' چار گنا نہیں۔) ور اب ان کو لاؤنج کی گول میز پہ رکھ رہی تھی۔ اسامہ اور حنین نے مل کر چائنیز بنایا تھا۔ (اور سارا کچن بے ترتیب کر کے رکھ دیا تھا۔) اب بس گرما گرم کھانا ڈش میں نکالنا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے آواز دی۔
"ماموں۔۔۔ زمر۔۔۔ نیچے آجائیں۔ کھانا لگ گیا ہے۔"
اوپر کمرے میں فارس صوفے پہ بیٹھا وہی کاغذات دیکھ رہا تھا۔
"الیاس فاطمی کے بیٹے کی کار کی کسٹم ڈیوٹی وارث کے قتل سے ایک روز پہلے ادا کی گئی۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن کچھ بھی ایسا نہیں مل سکا جو ڈیوٹی ادا کرنے والے کی طرف اشارہ کرے۔ وہ شخص جس نے پیسے ادا کیے ہیں' اسی نے وارث کو قتل کروایا ہو گا۔"
ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زمر بال برش کر رہی تھی' اکتا کر بولی۔ "تمہارا مطلب ہے تمہارے ذریعے اس نے وارث کو قتل کروایا ہو گا؟"
فارس نے نظر اٹھا کر برہمی سے اسے دیکھا۔ "جی بالکل' بس مجھے وہ شخص یاد نہیں آ رہا جس کے کہنے پہ میں نے یہ کیا تھا۔" اور کاغذ رکھ کر باہر نکل گیا۔
اس نے تھکے تھکے انداز میں کنپٹی مسلی۔ کچھ روز

سے خرابیٔ طبیعت میں اضافہ ہوگیا تھا مگر کیا فرق پڑتا تھا۔ سر جھٹکتے وہ باہر نکل آئی۔

اسامہ برتن لگا رہا تھا اور حنین، چاول ڈش میں نکال رہی تھی۔ فارس میز کے گرد بیٹھا تھا۔ زمر زینے اتر رہی تھی جب دروازے کی گھنٹی بجی۔

اس گھنٹی کی آواز صور جیسی تھی۔ عجیب وحشت ناک سی۔ وہ قریب تھی، سو لاؤنج سے گزر کر راہ داری میں آئی۔ فارس بھی پیچھے آیا۔

راہ داری اندھیری تھی۔ دروازے کے ساتھ کھڑکی پہ پردہ پڑا تھا مگر اس سے روشنی چھلک رہی تھی۔ تیز لائٹس۔ زمر نے قدرے اچنبھے سے پردہ سرکایا۔

یوں لگتا تھا رات میں دن کا سماں ہو۔ گاڑیاں، روشنی، پولیس موبائلز، اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ مڑ کر دیکھا۔ فارس بھی اتنے ہی اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر زمر نے بند دروازے سے پکارا۔ "کون؟"

"مسز زمر، فارس غازی گھر پہ ہے؟" اے ایس پی سرمد شاہ کی آواز سنائی دی۔ پیچھے پولیس کی گاڑیوں کا سائرن۔ فارس چونک کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

"آپ کو کیا کام ہے؟" اس نے دھڑکتے دل سے پکارا۔

"ہمارے پاس فارس غازی کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔ اس سے کہیے کہ پرامن طریقے سے خود کو قانون کے حوالے کردے۔"

کسی نے زمر کے دل پہ پیر رکھ دیا تھا۔ اس نے بے اختیار لبوں پہ ہاتھ رکھا، پھر آگے ہوئی۔ "لیٹر ہول سے مجھے وارنٹ پاس کریں۔ میں وارنٹ دیکھے بغیر دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

اگلے ہی لمحے کاغذ دروازے کی درز سے اندر داخل کیا گیا۔ زمر نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے پکڑ کر کھولا۔ چند الفاظ پڑھے۔ 28 اگست کی رات، قمر الدین چوہدری کا قتل، فارس غازی نامزد ملزم۔ تب ہی فارس نے پیچھے سے کاغذ اس کے ہاتھ سے کھینچا۔ زمر نہیں مڑی، وہ بے بسی بھرے غصے سے پکار کر بولی تھی۔

"اے ایس پی صاحب، یہ پہلی پیشی پہ معطل ہوجانے والا وارنٹ ہے۔ آپ Circumastancial evidence کی بنا پہ کسی کو گرفتار نہیں۔۔۔" الفاظ اس کے لبوں میں رہ گئے جب فارس نے کہنی سے پکڑ کر اسے پیچھے کھینچا اور دوسری دیوار سے لگایا۔ پھر کاغذ اس کے سامنے لہرا کر سرخ غصیلی آنکھوں سے بولا۔

"یہ کیا ہے؟"

"ڈونٹ وری یہ صرف۔۔۔"

"زمر بی بی یہ کیا ہے؟" دستخط کی طرف اشارہ کررہا تھا۔ زمر بالکل ٹھہر گئی۔ دستخط کو نہیں دیکھا۔ وہ صرف فارس کی آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

"یہ زمر، جسٹس مکرم کے سائن ہیں، رائٹ؟ آپ کے ٹیچر کے۔ انہوں نے میرا وارنٹ جاری کیا اور آپ کو خبر بھی نہ ہوئی؟"

اس نے اچنبھے سے فارس کو دیکھا۔ "فارس تم۔۔۔"

"میں نے آپ پہ اعتبار کیا، کیونکہ ہم ایک ٹیم تھے مگر آپ نے اتنی جلدی کی مجھے دھوکا دینے میں؟" وہ صدمے اور غصے سے بولا تھا، زمر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"فارس! یہ میں نے نہیں کیا۔"

"مجھ سے انتقام لینے کے لیے شادی کی تھی نا، تھوڑا صبر کرتیں، میں اپنے خاندان کو تو واپس جوڑ لیتا۔ پھر بھیج دیتیں مجھے جیل۔" کاغذ غصے سے نیچے مارا تھا۔

"فارس! یہ میں نے نہیں کیا۔" وہ بالکل سن تھی۔

"صرف آپ جانتی تھیں 28 اگست کے بارے میں۔ جسٹس مکرم آپ کے ٹیچر ہیں۔ احمر کو آپ نے ہائر کیا میرے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کے لیے، کیوں؟ کیا نہیں کیا تھا؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ پوچھ رہا تھا۔ زمر کے سارے الفاظ ہی ختم ہوگئے۔ "فارس! وہ اور معاملہ تھا، میں۔۔۔"

"یہ جو اتنے دن سے آپ بار بار ڈاکٹر کی طرف جانے کا کہہ کر گھر سے نکلتی تھیں، یہ۔۔۔ یہ سب مجھے پھنسانے کے لیے کررہی تھیں؟" وہ شدید ہرٹ ہوا

تھا۔

"فارس! میں۔۔۔ میں کیوں تمہیں دوبارہ جیل بھیجنا چاہوں گی؟"

"پہلی دفعہ بھی تو آپ نے ہی بھیجا تھا۔" دکھی ملامت سے بھری نظروں سے اسے دیکھتے اس نے زمر کی کہنی چھوڑی اور دروازے کی طرف آیا جو مسلسل بج رہا تھا۔ زمر سن سی کھڑی تھی۔ بالکل پتھر ہوئی۔

فارس نے دروازہ کھولا۔ اے ایس پی اور اس کی نفری باہر چوکس کھڑی تھی۔ بہت سی گنز کا رخ اس کی طرف تھا۔

اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہاشم نے مشروب کا گھونٹ بھرتے فخر سے جواہرات کو دیکھا۔ "میں نے کہا تھا نا' سب سنبھال لوں گا۔" جواہرات اتنی خوش نہیں تھی۔

"تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ برا پھنسا ہے؟"

"ممی۔۔۔" وہ مسکرایا۔ "وہ قتل اٹھائیس اگست کی رات کو ہوا ہے۔ فارس غازی کے پاس اس رات کے لیے alibi نہیں ہے۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"اس رات ڈاکٹر ایمن کا اسپتال جلایا گیا تھا۔ اب عدالت اس سے پوچھے گی کہ اس رات وہ کہاں تھا۔ اگر نہیں بتائے گا تو قاتل سمجھا جائے گا اور اگر سچ بتائے گا تو arsonist (آگ لگانے والا) ثابت ہوگا۔ فارس غازی برا پھنسا ہے۔ پچھلے پانچ مہینے سے زندگی عذاب کی ہوئی تھی اس نے۔ بالآخر میں نے اس سے سارے انتقام لے لیے ہیں۔ کیونکہ انتقام۔۔۔" اپنا گلاس جواہرات کے گلاس سے ٹکرایا۔ "میرا جنون ہے!"

نیچے انیکسی کا دروازہ کھول کر فارس سامنے آیا اور دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ روشنی' بندوقیں' سب اس پہ تنی تھیں۔ اے ایس پی سرمد شاہ نے ایک اہلکار سے ہتھکڑی لی اور فارس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے کلائیوں کو جکڑا۔

"فارس طہیر غازی' تمہیں قمرالدین چوہدری کے قتل کے الزام میں حراست میں لیا جاتا ہے۔"

فارس نے سختی سے آنکھیں میچ کر بہت کچھ اندر اتارا۔ ایک آخری ملامت زدہ نظر چوکھٹ میں پتھر ہوئی زمر پہ ڈالی اور پھر ایک سلگتی نگاہ اس اے ایس پی پہ ڈالی جو اس کے ہاتھ پیچھے باندھے اسے ایک وین کی طرف لے جا رہے تھے۔

زمر ان ہی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ بے قصور ہوتے ہوئے ناکردہ جرم کا الزام لگے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے‘ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں‘ ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ‘ سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر‘ سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے‘ جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

مہمل ناول

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈر گز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔
سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس اینور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔
اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔
زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔
حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔
زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔
جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔
سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔
سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔
زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً" کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً"۔۔۔ مثلاً" ہاشم کاردار۔۔۔" سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔

حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج توان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔
ریحان خلجی عدالت میں زمر کولا جواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے بڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصے سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔
زمر، فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی، وہ کمرے میں جاتی ہے تو وہ دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی، ڈاکٹر توقیر بخاری، ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ۔۔۔ فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہوگا۔
ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان، جواہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر، احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کمپین چلا رہا ہے۔ آبدار ہارون عبید کی بیٹی ہے، جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس، زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کرکے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے، وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کرچکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتادیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک اوسی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہوسکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔

سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے، جہاں احمر شفیع، ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔ زمر اور فارس، حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔

ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شان دار اسپتال جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔

حنین اور زمر، ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔

ہاشم، سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہو جاتا ہے، پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے، تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے، جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔

جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو، جس میں وہ اوسی پی کو قتل کر رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے، جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔

زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ، جو سعدی نے دیا تھا، ناکارہ ہو چکا ہے۔

—۱۷—
سترھویں قسط

آدمی کے دو دل

ساری امیدیں ترک کر دو، اے اندر داخل ہونے والے!

میں نے دیکھے یہ الفاظ افسردہ رنگ میں لکھے

جہنم کے دروازے کی چوٹی پہ

پوچھا "ان کا مطلب کٹھن ہے میرے لیے اے استاد"

اور کسی تجربہ کار کی طرح ورجل بولا

"یہاں تمام شک ترک کر دیا جانا چاہیے

یہاں ساری بزدلی مٹا دینی چاہیے۔

ہم اس جگہ آچکے ہیں

کیا تھا جس کا ذکر میں نے تم سے

تم دیکھو گے یہاں دردناک لوگوں کو

جو حکمت، خیر سے محروم ہو چکے ہیں۔"

یہ کہہ کر تھاما اس نے میرا ہاتھ محفوظ انداز میں

اور جب مجھے کچھ اطمینان ہوا تو وہ

لے گیا مجھے پُراسرار جگہ کے اندر

وہاں آہ و بکا، شکایات، بین

گونجتے تھے بنا ستارے کی ہوا میں

ان کو سن کر اسی جگہ

میں بہت رویا!

مختلف زبانیں، بولیاں خوفناک

غصے کے تلفظ، درد کی باتیں

اونچی سرکش آوازیں، ساتھ ہاتھوں کی دھمک۔

کسی گولے کی طرح اس سیاہ!

دائمی ہوا میں گھوم رہی تھیں

اور میں جس کا سر خوف سے بندھا تھا، بولا

"اے استاد، یہ کیا سنتا ہوں میں؟

کون ہیں یہ درد سے مغلوب لوگ؟"

وہ کہنے لگا مجھ سے

"اس بدبخت طریقے سے رکھی گئی ہیں

ان لوگوں کی اداس روحیں، جو

رہتے تھے بدنامی یا نیک نامی کے بغیر۔

نہ یہ باغی تھے خدا سے
نہ ہی وفادار تھے اس کے
بلکہ جیتے تھے صرف اپنی ذات کے لیے
جنتوں نے ان کو نکال دیا کہ انصاف کم نہ ہو جائے
اور جہنم کے نچلے گڑھے ان کو لینے پہ راضی نہیں
کہ جہنمیوں کو ان سے کوئی شان نہیں مل سکتی

دنیا ان کو اب کوئی شہرت نہیں دے گی
راحت اور انصاف، دونوں ان کو حقیر سمجھتے ہیں
سو ان سے مخاطب نہ ہو، بس دیکھو اور گزر جاؤ۔"

☼ ☼ ☼

پولیس موبائلز کی نیلی سرخ بتی جل بجھ رہی تھی۔ اہلکار، ہتھکڑی لگے فارس کو ایک وین میں بٹھا رہے تھے۔

"مسز زمر! ہمیں گھر کی تلاشی لینی ہے۔" سرمد شاہ نے قریب کھڑی لیڈی پولیس اہلکاروں کی طرف اشارہ کرتے اسے مخاطب کیا۔ زمر کا ذہن مفلوج تھا۔ اس نے لیڈیز اہلکاروں کو دیکھا، پھر اے ایس پی کو۔ ذہن بیدار ہونے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ دروازے کی ناب اور دوسرا چوکھٹ کی لکڑی پہ جمایا۔ سفید پڑتے چہرے کو سخت بنانے کی کوشش کی مگر جب بولی تو آواز میں لرزش تھی۔

"اتنے سال جتنے کام کیے ہیں میں نے آپ کے، یا آپ نے میرے، کیا ان میں سے کوئی اس قابل ہے کہ آپ ہمارے گھر داخل نہ ہوں؟"

"مسز زمر! میرے پاس سرچ وارنٹ ہے، لیکن ابھی مجھے یاد آیا کہ مجھے اپنے بیٹے کو دس منٹ کی کال کرنی ہے۔" سختی سے کہتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "دس منٹ بعد میں آپ کے گھر میں داخل ہوں گا۔"

زمر نے جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے دروازہ بند کر دیا۔ پھر مڑی تو دھکا سا لگا۔ سامنے حنین اور سیم کھڑے تھے۔ خوف زدہ، پریشان۔

"وہ ماموں کو لے گئے زمر؟ اب کیا ہو گا؟" حنین بہت ڈر گئی تھی۔ سیم کو کہنی سے پکڑ رکھا تھا۔ زمر آگے آئی۔ حنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

"حنین! پولیس نے ہمیں دس منٹ دیے ہیں۔ پھر وہ گھر کی تلاشی لیں گے۔"

"اوہ گاڈ۔" حنہ نے سیم کی کہنی چھوڑی۔ "ڈاکومنٹس۔ ہمارے کاغذ۔ ہمارے لیپ ٹاپس، موبائلز۔ ان کو غائب کیسے کریں؟"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" زمر سیم کے پاس آئی جو بالکل چپ، الجھا ہوا کھڑا تھا۔ زمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔ اس کے ہاتھ سرد تھے، سیم کے گرم تھے۔

"آپ خوف زدہ ہیں، پھپھو؟"

زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نم آنکھوں سے سرہلایا۔ "میں بہت بہت خوف زدہ ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں، آپ مت ڈریں!" وہ فکر مندی سے بولا تھا۔

"سیم۔۔۔ میری بات سنو!" وہ بے ربط سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "سعدی نہیں ہے، فارس بھی نہیں ہے، اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، سوائے۔۔۔ سوائے تمہارے۔ اسامہ! تم آج سے اس گھر کے بڑے مرد ہو۔ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم اس گھر کے بڑے مرد ہو۔"

"میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں۔" اس نے زمر کے ہاتھ تھامے دہرایا۔

"او کے!" اس نے چند گہرے سانس لیے۔ "اب تم کچن کی کھڑکی سے باہر کودو، پولیس تمہیں نہیں روکے گی۔ ہاشم کی بالکونی میں جاؤ۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ دروازے کا شیشہ ان بریک ایبل (نہ ٹوٹنے والا) ہے۔ لیکن اگر وہ نہ کھولے تو تم گملا اٹھا کر اس کے دروازے پہ تب تک مارتے رہو جب تک وہ نکل نہیں آتا۔ جب وہ نکلے، تو تم اس کو کہو گے کہ زمر آپ کو بلا رہی ہیں۔ اور اسامہ! تم اس کو لیے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔"

اسامہ ہاتھ چھڑا کر کچن کی طرف بھاگا۔ زمر نے بے

اختیار کنپٹی مسلی۔ فارس کی بے یقینی' ایک دم اتنی ساری پولیس کی نفری کا ان کے سامنے ہونا' جیسے حملہ کرنے کو تیار ہوں' ابا کی غیر موجودگی' وہ طے نہیں کر سکی کہ کیا زیادہ بھیانک تھا۔

دس منٹ بعد دروازہ بجنے لگا۔ زمر نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ سامنے سیم کے ساتھ ہاشم چلتا آرہا تھا' ایسے کہ سیم نے اس کی آستین کلائی سے پکڑ رکھی تھی۔

"شکر... آپ آگئے ہاشم!" اس نے دروازہ کھول دیا۔ ہاشم پریشانی اور قدرے غصے سے پولیس اہلکاروں کو دیکھتے ان تک آیا۔

"زمر! کیا ہو رہا ہے یہ؟ فارس کو اریسٹ کر کے لے گئے وہ؟ مجھے پہلے کیوں نہیں بلایا؟ اور اس کو گرفتاری کیوں دینے دی' ہاں؟" زمر کے پیچھے کھڑی حنین بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ (تم قتل کرو ہو یا کرامات کرو ہو؟)

"ہاشم! مجھے خود نہیں معلوم' سب بہت جلدی میں ہوا۔" زمر نے ان دونوں کو اندر آنے دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اے ایس پی اب سائرن پہ ان کو دروازہ کھولنے کا کہہ رہا تھا۔

"ان کو میرے گھر سے نکالیے ہاشم! کسی بھی طرح۔ یہ یہاں سے کچھ بھی لیے بغیر جائیں گے۔ پلیز!" اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ ہاشم نے لمحے بھر کو ان آنکھوں میں دیکھا اور پھر واپس باہر نکل گیا۔ سیم بھی ساتھ گیا۔ زمر اور حنہ اونچی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگیں۔

ہاشم اے ایس پی سے سختی سے کچھ کہہ رہا تھا' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ہاشم نے موبائل پہ نمبر ملا کر چند الفاظ کہے اور پھر فون اے ایس پی کو دیا۔ وہ متذبذب سا (اس امر سے ناواقف کہ جسٹس سکندر کی طرف سے آنے والے احکامات اسی شخص کے ہوتے ہیں) فون پہ یس سر' یس سر کرتا رہا پھر ناخوشی سے فون ہاشم کو تھمایا اور اہلکاروں کو اشارہ کیا۔ ہاشم اب سختی سے ان کو باہر دفعان ہونے کا کہہ رہا تھا۔

"ہاشم ہماری مدد کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس نے ہمیشہ کی طرح یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ہمارا سب سے بڑا مخلص ہے۔" زمر سرگوشی میں بولی۔ نظریں وہیں جمی تھیں۔ سیم بھی سنجیدہ سا وہیں کھڑا تھا۔ اس دن لگا وہ بڑا ہو گیا ہے۔ سعدی کی طرح۔

اہلکار اب واپس جا رہے تھے' ان کو گھر سے کچھ نہیں ملا' یہی لکھنا تھا اب۔ پھر ہاشم اندر آیا۔

"پولیس اب آپ کو تنگ نہیں کرے گی' میں نے ان کا دماغ درست کر دیا ہے لیکن یہ قمرالدین چوہدری کون ہے؟" اس نے ناسمجھی سے زمر کو دیکھتے پوچھا۔ اس نے تکان سے شانے اچکائے۔

"مجھے کچھ نہیں پتا۔ فارس تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اسے اس کیس میں' میں نے پھنسایا ہے!"

"او ہو!" اس نے افسوس کیا۔ "آپ لوگ ہماری طرف آجائیں' یہاں اکیلے رہنا درست نہیں۔"

"نہیں ہاشم! ہم ٹھیک ہیں۔ گھر کے باہر آپ کے گارڈز ہیں نا۔ ہمیں کس کا ڈر ہو گا۔" بہت ممنونیت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اور جو آج رات آپ نے کیا' اس کا بدلہ میں کیسے اتار پاؤں گی!"

"ایسے مت کہیں ہم فیملی ہیں۔" وہ نرمی سے بولا پھر گھڑی دیکھی۔ "مجھے ایک ڈنر پہ جانا ہے' آر یو شیور آپ لوگ ادھر ٹھیک ہیں؟"

"ہم ٹھیک ہیں۔" حنین پہلی دفعہ بولی' وہ بھی بے رخی سے۔ ہاشم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرایا' اور سر کو خم دیا۔ حنین کے دل میں کچھ ڈوب گیا تھا۔ بہت عرصے بعد "نگاہ" ملی تھی۔ آہ! وہ کرامات کر کے قتل کرتا تھا!

اس کے جاتے ہی اسامہ سارے دروازے' کھڑکیاں بند کرنے لگا۔ بولٹ' کنڈیاں' لاکس' ایک کے بعد ایک چڑھانے لگا۔ وہ دونوں وہیں صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ تھکی' پریشان۔

"ماموں آپ کو الزام کیوں دے رہے تھے؟" حنہ کو یاد آیا۔ زمر نے افسردہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کاروارز کامیاب اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کو سب بتاتے ہیں اور ہم ناکام اس لیے کیونکہ ہم باتیں چھپانے کی غلطی کرتے ہیں۔ ہم نے فارس کو یہ سب نہ بتا کر غلطی کی ہے۔"

"پھر اب ہم کیا کریں؟"

زمر نے گہری سانس لی' بالوں سے پونی کھینچ کر اتاری' اور ان کو جوڑے میں لپیٹتے اٹھی۔ "پھر یہ کہ ہم اپنی غلطیوں کو ٹھیک کریں!" رنگت ابھی تک نچڑی ہوئی تھی۔

"مگر کیسے؟ ماموں پھر سے جیل چلے گئے' ہم پھر سے وہیں آگئے' سب ساڑھے چار سال پہلے جیسا ہو رہا ہے۔"

"کچھ بھی ویسا نہیں ہے۔" وہ موبائل پہ احمر کا نمبر ملاتے ہوئے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

حاصل ہوا ہے کیا مجھے اس بھاگ دوڑ میں
سب منزلوں کو پا کے بھی رسوا تھا میں بڑا

ہارون عبید کی رہائش گاہ کے ڈرائنگ روم میں انٹرویو کی نشست ہو رہی تھی۔ کیمروں کی روشنی۔ ٹاک شو کا عملہ۔ وہ مدھم اور شائستہ انداز میں اینکر پرسن کو سوال کا جواب دے رہے تھے۔ کونے میں کھڑا احمر اپنے ٹیب سے چند پوائنٹس کو چیک کر رہا تھا جب اس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ زمر۔ موقع محل نہیں تھا۔ سائلنٹ کر دیا۔ ایک' دو' تیسری دفعہ بیل آئی تو وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

"سوری' میں ذرا....."

"احمر! فارس اریسٹ ہو گیا ہے۔" وہ بے ربط سانسوں کے درمیان بولتی جا رہی تھی اور وہ حق دق سن رہا تھا۔

"بے فکر رہیے' میں کچھ کرتا ہوں۔ نہیں تھانے نہیں جاؤں گا' جا بھی نہیں سکتا۔ میں عبید صاحب سے کہہ کر کسی کو فون کرواتا ہوں۔"

زمر کو ڈر تھا کہ فارس اس کو دیکھ کر غصہ نہ ہو جائے' وہ نہ کہتی تب بھی اس کا نکلنا ناممکن تھا۔

بریک کا وقفہ جیسے ہی لیا گیا' وہ ہارون کے پاس آیا'

اور جھک کر سرگوشی میں اپنے دوست فارس غازی کی گرفتاری کا مژدہ کہہ سنایا۔ "سر! آپ ایک کال کردیں تو وہ اس پہ پر جائیں گا نئیں گے۔"

ہارون نے بے نیاز نگاہ اس پہ ڈالی۔ شلوار سوٹ میں ملبوس' وہ تمکنت کے ساتھ اونچی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ "او کے میں صبح دیکھتا ہوں۔"

احمر کی آنکھوں میں بے چینی پھیلی۔ "سر! صبح تک دیر ہو جائے گی' ایک دفعہ پرچا کٹ گیا تو وہ پھنس جائے گا۔"

"احمر!" انہوں نے ٹھنڈی سی نظر اس پہ ڈالی۔ "میں نے کہا نا' میں صبح دیکھوں گا۔"

احمر پر اوس پڑ گئی۔ "جی بہتر۔" سنجیدگی سے سیدھا ہوا اور کونے میں جا کھڑا ہوا۔ اب میک اپ گرل بریک کے دوران ہارون صاحب کے بال ٹھیک کر رہی تھی' اینکر موبائل پہ بات کر رہا تھا' کیمرہ مین اور دو افراد کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔ اس سارے شور میں اسے اپنا آپ کسی کمی کمین نوکر سے بڑھ کر نہیں لگ رہا تھا۔

خفگی سے گردن موڑی تو کھڑکی سے باہر نیم تاریک لان میں وہ چلتی نظر آئی۔ گاڑی کے ساتھ کھڑی وہ بیگ اور بلی کی باسکٹ اپنی نگرانی میں اندر رکھوا رہی تھی۔ احمر کو روشنی کی کرن نظر آئی۔ وہ تیزی سے باہر بھاگا۔

"آپ میرا ایک کام کر سکتی ہیں؟" عقب میں آکر پکارا تو آبی اپنی ایڑیوں پہ گھومی۔ اسے دیکھ کر آنکھوں میں شک و شبہ ابھرا۔ "کیا کام؟"

"آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں' اور میرے کام کو بھی جو واقعی شاید کوئی اچھا کام نہیں ہے۔"

وہ ایسے پہلے کبھی نہیں بولا تھا۔ آبی کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ "کیا ہوا ہے؟"

"میرا دوست فارس غازی' وہ بے قصور ہے' اور پولیس اس کو گرفتار۔۔۔" چند الفاظ اس نے پھولی سانسوں میں ادا کیے۔ ہارون کی بے حسی کا بھی نہ چاہتے ہوئے شکوہ کر گیا۔ آبدار بالکل سن ہو گئی۔

"مجھے یقین ہے' اس کو ان ہی لوگوں نے پھنسایا ہے جنہوں نے سعدی کے ساتھ یہ سب کیا ہے۔ مگر یہ بہت غلط ہو رہا ہے۔"

"آپ اندر جائیں' احمر صاحب! میں کر لوں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی' اور اس کی آنکھوں میں کوئی عجیب بے بس غصہ بھی تھا جو احمر نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

تھانے کا پوچھ کر' چند مزید سوال کر کے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ احمر پہلے سے زیادہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔ معلوم نہیں اس نے ٹھیک کیا یا غلط۔

☼ ☼ ☼

جس طرح ترک تعلق پہ ہے اصرار اب کے
ایسی شدت تو میرے عہد وفا میں بھی نہ تھی

رات ہر پل مزید سیاہ اور سرد ہوتی جا رہی تھی۔ زمر کو اس کمرے میں بیٹھے کافی دیر ہو گئی جب اہلکار فارس کو لے کر آئے۔ زمر نے نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھا۔ فارس بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالتا سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"ہینڈ کفس!" زمر نے اشارہ کیا۔ ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر اس کی ہتھکڑی کھول دی۔

"آپ اپنے کلائنٹ سے بات کر سکتی ہیں۔" ایس آئی' جو اس کیس کا آئی او (تفتیشی افسر) بھی تھا' کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو خاموشی چھا گئی۔

"آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ حنہ اور سیم کو اکیلے چھوڑ کر؟" وہ درشتی سے گویا ہوا۔

"وہ گاڑی میں ہیں۔ ان کی ذمہ داری میرا مسئلہ ہے میں اٹھالوں گی۔" پرس سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے کیے۔

"یہ تمہارے لیگل رائٹس ہیں' یاددہانی کے لیے ان کو پڑھ لو۔ پولیس کے کسی سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ صبح وہ تمہیں عدالت میں پیش کر کے جسمانی ریمانڈ لیں گے۔"

"زمر بی بی! مجھے اپنے تمام حقوق معلوم ہیں۔" فارس نے اس کی آنکھوں میں برہمی سے دیکھا۔ "اور

آپ میری وکیل نہیں ہیں' اس لیے فکر نہ کریں۔"

"تم چاہو یا نہ چاہو' میں تمہاری وکیل ہوں۔"

"مجھے مقدمے میں پھنسا کر آپ مجھے نکلوانے کی کوشش کا دکھاوا کر کے سب کی نظروں میں معتبر بننا چاہتی ہیں' جانتا ہوں۔"

"فارس! میں نے یہ نہیں کیا تمہارے ساتھ!" وہ تحمل سے بولی۔ وہ ہر بات کی تیاری کر کے گھر سے نکلی تھی۔ "تمہارے ہر الزام کا جواب ہے میرے پاس' لیکن میں یہاں وضاحتیں دینے نہیں آئی۔ تمہیں یہ یاد دلانے آئی ہوں کہ ہم ایک ٹیم تھے اور ٹیم ہیں۔"

وہ اسی طرح چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے آپ کے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔"

زمر نے ضبط کی کوشش کرتے گہری سانس لی اور اٹھی۔ "میں جانتی ہوں' تم بے گناہ ہو' تم تو شاید اس مقتول کو جانتے بھی نہیں' بجائے کہ....."

"میں اس کو جانتا بھی تھا اور جیل میں اس کو دو دفعہ پیٹا بھی ہے۔ خوش؟" وہ بھی کھڑا ہوا۔ زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اس لیے زمر بی بی۔ آپ میری وکیل نہیں ہیں۔ صبح کورٹ آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔"

"اپنے رائٹس پڑھو اور خاموش رہنا۔" وہ پرس اٹھاتی اس کو خفا نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔

زمر جس لمحے گاڑی میں آکر بیٹھی تھی' قریب میں ایک لش چمکتی کار آرکی۔

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر سے آبدار نکلی۔ سرخ اسکارف چہرے کے گرد کندھے پہ لمبی چین کے پرس پہ ہاتھ رکھے وہ ___ سوٹ میں ملبوس ملازم کے ساتھ سیدھی آگے چلتی گئی۔

☆ ☆ ☆
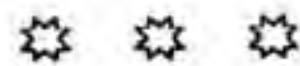
ترک دنیا کا سماں' ختم ملاقات کا وقت
اس گھڑی اے دل آوارہ کہاں جاؤ گے؟

فارس کو دوبارہ لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا اور وہ سلاخوں کے پیچھے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ غصہ' بے سکونی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ رک کر ایک زوردار مکا سلاخوں پہ مارا۔ ہاتھ کی پشت سے جلد پھٹ گئی۔ مگر درد کسے ہونا تھا؟ غصہ' بے بسی' ہر چیز پہ غالب تھی۔

تب ہی آہٹ ہوئی۔ اہلکار آئے۔ لاک اپ کھولا' اور اسے باہر لے آئے۔ ایس ایچ او کے روشن سے آفس میں داخل ہوتے وہ ٹھٹکا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ سامنے آبدار بیٹھی تھی۔ چائے رکھی جا رہی تھی۔ سوٹڈ بوٹڈ ملازم ساتھ کھڑا تھا۔ آہٹ پہ آبی نے گردن موڑی۔

"مجھے احمر نے بھیجا ہے مگر مجھے دیر ہو گئی۔ یہ ایف آئی آر کاٹ چکے ہیں۔" وہ نرمی سے کہنے بولی۔ کسی نے فارس کے سامنے بھی چائے کا کپ رکھا۔ وہ چبھتی نظروں سے آبی کو دیکھتا بیٹھ گیا۔ غصہ اب غائب ہو چکا تھا۔

"آپ آج بھی چائے نہیں پییں گے کیا؟" آبی نے مسکرا کر سادگی سے کپ کی طرف اشارہ کیا۔

"میم! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔" باوردی ملازم نے دبے لفظوں سے یاد کروایا۔ آبدار نے گہری سانس بھری۔ اور ایس ایچ او کو دیکھا۔ "کل بابا آپ کو خود فون کریں گے' تب تک مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے دوست پہ کسی قسم کا تشدد نہیں کریں گے۔"

"بالکل' آپ بے فکر رہیں۔" اس نے فرض شناسی سے یقین دہانی کروائی۔ اب کے آبی نے چہرہ گھما کر افسوس سے فارس کو دیکھا۔ "مجھے شرمندگی ہے کہ میں آپ کے کوئی کام نہیں آسکی۔ میری سری لنکا کی فلائٹ ہے' مجھے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔"

"ایس ایچ او صاحب! ہمیں پرائیویسی مل سکتی ہے؟"

آبدار ذرا چونکی' پھر سر کے خم سے ایس ایچ او کو اشارہ کیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ سب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ روشن کمرے کا دروازہ بند ہوا تو پیچھے خاموشی چھا گئی۔

"جی کہیے؟" آبدار سکون سے اس کی طرف رخ

کیسے پوچھنے لگی۔
"آپ سری لنکا جا رہی ہیں؟"
آبی نے سرہلایا۔
"تو پوچھ سکتا ہوں کیوں؟" اس کی نگاہیں آبدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔
آبدار نے ایک لمحے کے توقف سے جواب دیا۔
"اپنی ریسرچ کے سلسلے میں۔"
"وہ جو آپ کلینکل ڈیتھ سے گزرنے والے مریضوں پہ کرتی ہیں۔ اچھا ٹھیک۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھا انگلی ٹھوڑی تلے رکھے کچھ سوچا۔
"یعنی کہ آپ کسی مریض کا انٹرویو کرنے جا رہی ہیں۔"
آبدار نے اس دفعہ دو تین سیکنڈ کا توقف کیا۔
"جی!" اس کی آنکھوں میں سایہ لہرایا تھا۔ وہ مضطرب نظر آنے لگی تھی۔
"کیا وہ مریض سعدی یوسف ہے؟" وہ اسی انداز میں بولا۔
آبی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ "سوری؟"
"آبدار بی بی!" وہ آگے کو ہوا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ہلکا سا مسکرایا۔ "مجھے معلوم ہے آپ کے والد اس کے اغوا اور روپوشی میں ملوث ہیں اور یہ بھی کہ وہ سری لنکا میں ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اپنے والد کے لیے کتنی حساس ہیں۔"
"مجھے نہیں معلوم، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ ناراضی سے کہتی اٹھی۔
"واپس بیٹھو!" وہ اتنے کاٹ دار انداز میں بولا کہ آبی کے کان سرخ ہو گئے۔ وہ واپس بیٹھی۔
"مجھے اونچی آواز سے مت ڈرائیں، میں کسی سے ڈرتی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہلکا سا غرائی۔
"میں آپ کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ آپ خطرناک ہیں۔ نہ کہ سادہ اور معصوم۔ مگر آپ کا ضمیر زندہ ہے۔ آپ خود اچھی ہیں، مگر برا کرنے والوں کو روکتی نہیں ہیں۔ نیوٹرل رہتی ہیں۔"
"میں آپ کے کسی الزام کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔"
"اس ملک میں آبدار بی بی! انصاف ہے نہ قانون۔ یہاں جج، جیوری اور جلاد ہمیں خود بننا پڑتا ہے اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ میری جلاوطنی آپ کی رہائش گاہ تک نہ پہنچے تو آپ کو ایک سائیڈ منتخب کرنی ہو گی۔"
ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ "ظالم کی یا مظلوم کی۔ بولیے آپ کس کے ساتھ ہیں؟ اور میری باتوں کو ہلکا مت لیجیے گا۔ یہ ہتھکڑیاں..." کلائیاں اٹھا کر دکھائیں۔ "مجھے روک نہیں سکتیں۔"
"مجھے واقعی نہیں پتا، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"
"بی بی! کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے۔ یا آپ مظلوم کے ساتھ ہیں یا ظالم کے۔ آپ کس کے ساتھ ہیں؟"
وہ دبے دبے غصے اور بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔
"اگر وہ زندہ سلامت ہمارے خاندان کو واپس مل گیا تو میں آپ کے خاندان کو چھوڑوں گا بھی نہیں، یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ کو بدلے میں میرا صرف ایک کام کرنا ہو گا۔" اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لیے بھی نگاہ ہٹائے بغیر وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ آبی کی آنکھوں کے کٹورے بھیگے مگر وہ چپ رہی۔ فارس نے ہاتھ بڑھا کر پین ہولڈر سے قلم نکالا، نوٹ پیڈ سے کاغذ پھاڑا، چند لمحے کے لیے سوچا، پھر اس پہ چند حروف لکھے۔ HAMAN اور ان کو کانٹے کا نشان لگا کر کاٹا، پھر کاغذ کو چار تہہ لگا کر اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ اس کو دے دیجیے گا۔"
آبی نے بھیگی آنکھوں سے کاغذ کو دیکھا، مگر چھوا تک نہیں۔ "یہ کیا ہے؟"
"یہ اس کی آزادی کا پروانہ۔ وہ سمجھ جائے گا۔"
آبی نے کاغذ کو نہیں چھوا۔ فارس آگے بڑھا، اس کا پرس کھولا، اور کاغذ اندر ڈال دیا۔ وہ اسے روک بھی نہ سکی۔ عائل تو یم خود ہپناٹائز ہو چکی تھی۔
فارس نے پیچھے ہو کر بیٹھتے، کان کی لو مسلتے اسے دیکھا۔ "فیصلہ آپ کا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"
ناراضی، غصہ، بے بسی، ہر جذبہ اس کی بھیگی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ پرس لیے اٹھی اور دروازے تک گئی۔ پھر رکی۔ "کنفیوشس نے کہا تھا، انتقام کے سفر پہ نکلنے سے پہلے تمہیں چاہیے کہ دو قبریں کھودلو ایک اپنے دشمن کی اور دوسری اپنی!"
"تو پھر بے فکر رہیے کیونکہ میں اپنی قبر کھود کر ہی اس سفر پہ نکلا تھا!" آبی مڑ کر اسے دیکھ بھی نہ سکی، بس تیزی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اور کچھ دیر میں لٹ جائے گا ہر بام پہ چاند
عکس کھو جائیں گے، آئینے ترس جائیں گے
جس وقت زمر واپس گاڑی میں آکر بیٹھی تو فرنٹ سیٹ پہ موجود اسامہ اور پیچھے بیٹھی حنین بے چینی سے آگے ہوئے۔ "کچھ پتا چلا؟"
"ہاں۔ مقتول قمرالدین کچھ عرصہ فارس کے ساتھ جیل میں رہا تھا۔ دس اگست کو اس کو اغوا کیا گیا، اور انیس اگست کو دو آدمی اس کی لاش اس کے گھر پھینک گئے، پوسٹ مارٹم کے مطابق قتل 28 اور 29 اگست کی درمیانی رات ہوا تھا۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک شخص ناظم پکڑا گیا ہے، وہ بھی فارس کے ساتھ جیل میں تھا، اس کی شہادت پہ پولیس نے فارس کو گرفتار کیا ہے۔ ناظم کا کہنا ہے کہ آدمی کو گولی فارس نے ماری تھی۔"
"ظاہر ہے، وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" سیم فوراً بولا
زمر نے گہری سانس لی۔
"ہاں، ظاہر ہے۔ خیر، کل پولیس فارس کو عدالت میں پیش کر کے جسمانی ریمانڈ لے گی۔"
"جسمانی ریمانڈ کیا ہوتا ہے؟"
"یعنی کہ پولیس کچھ دن کے لیے ملزم کو تھانے میں رکھ کر اس سے تفتیش کرے گی۔" زمر سیٹ بیلٹ پہنتے ہوئے بتا رہی تھی۔ "مرڈر کیس ہے، چودہ دن کا ریمانڈ مل سکتا ہے۔ لیکن اکٹھا نہیں۔ تین، تین، پانچ پانچ دن کر کے۔"
"یعنی اتنے دن وہ اس..... اس اے ایس پی کی تحویل میں ہوں گے؟" حنین بے بسی سے بولی تھی۔
"نہیں، یہ کیس اس کے تھانے کا نہیں ہے۔ جو ایس آئی اس کے ساتھ ہمارے گھر آیا تھا، یہ اس کا کیس ہے، سرمد شاہ صرف معاون تھا کیونکہ ناظم کو سرمد شاہ کے علاقے سے اسی کی مدد سے گرفتار کروایا گیا ہے۔"
"یعنی اگر سرمد شاہ نہ ہوتا تو یہ سب اتنا آسان نہ ہوتا۔" حنین نے کیا سوچ کر یہ کہا تھا، زمر جانتی تھی، مگر اب اس بات پہ کیا تبصرہ کرتی۔
گھر میں ایک عجیب تنہائی کا احساس ہر کونے سے ٹپک رہا تھا۔ ابا اور ندرت کو ان کی واپسی تک لاعلم رکھنے کا فیصلہ کر کے وہ تینوں زمر کے کمرے میں آ گئے۔ دروازے بند کیے، سیم نے ایک ایک چٹخنی اور لاک چڑھایا۔ خوف ان کے آس پاس سانس لے رہا تھا۔
"میں اور حنہ بیڈ پہ سو جائیں گے، تم صوفے پہ سو جاؤ۔" زمر نے نرمی سے اسے پکارا جو آج ایک دم بڑا بڑا اور سنجیدہ سا نظر آنے لگا تھا۔
"نہیں، میں اپنے کمرے سے میٹرس لے آیا ہوں، نیچے ڈال لوں گا۔ یہ صوفہ بہت سخت ہے، اس کے ساتھ کالا ورج میں ہے نا، ایک دن میں لیٹا اس پہ تو دو دن کمر دکھی تھی میری۔" زمر نے بے اختیار اس خالی صوفے کو دیکھا۔ دل کو زور سے کسی نے جیسے مٹھی میں لیا تھا۔
رات قطرہ قطرہ پگھلتی رہی۔ تینوں کھلی آنکھوں کے ساتھ چت لیٹے رہے۔ پھر حنہ بولی۔
"یہ قتل 28 اگست کی رات کو ہی کیوں ہوا؟"
"ہم دونوں کو پتا ہے یہ سب کسی نے جان بوجھ کر اسی رات کروایا جب ہسپتال والا واقعہ ہوا۔ لیکن....." وہ الجھ گئی تھی۔ "وہ یہ سب تب ہی کروا سکتے ہیں جب ان کو آگ لگنے سے پہلے معلوم ہو چکا ہو کہ فارس یہ کرے گا! دیکھو آگ کا سن کر ان کا شک فارس کی

طرف جانا تو بنتا ہے' مگر ان کو "پہلے" کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ یہ صرف میرے اور فارس کے درمیان تھا' ہم نے کسی سے فون پہ بھی ڈسکس نہیں کیا۔"

یم خاموش لیٹا' ان کی باتیں سنتا رہا۔

وہ اس سے کچھ نہیں چھپا رہی تھیں۔ گھر والوں سے باتیں چھپانے کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلتے۔

"ہو سکتا ہے' ان کو پہلے معلوم نہ ہو' صرف اتفاق ہے اسی رات۔"

"اتفاق سے اسی رات اسی شخص کا قتل ہوا جس کا فارس سے کوئی تعلق بھی تھا؟ میں اسے اتفاق نہیں مان سکتی۔"

"کیا کوئی شخص ماموں کا جعلی alibi نہیں بن سکتا؟ کورٹ میں کہہ دے کہ فارس غازی اس رات میرے ساتھ تھا؟"

"استغفراللہ حنین! یہ جرم ہے' پرجری ہے' گناہ کبیرہ ہے!" وہ خفا ہوئی تھی۔

حنہ شرمندہ ہوگئی۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

ادھر قصر کاردار کی اسٹڈی کی کھڑکیوں پہ بارش کی ننھی بوندیں گر رہی تھیں۔ دھندلے شیشے کے پار دیکھو تو ہاشم کے سامنے ناخوش سا خاور کھڑا تھا۔

"سر! آپ کو گھر کی تلاشی سے روکنا نہیں چاہیے تھا' میری ساری محنت کو اس ایک چیز نے کمزور کر دیا ہے۔"

"وہ لڑکا میرا دروازہ توڑنے والا تھا۔ میں کیسے نہ کھولتا؟ ہم یہ سب کچھ خود پر سے شک ہٹانے کے لیے ہی کر رہے ہیں۔"

"یہ بھی ہے۔ بہرحال' میں سب درست کر لوں گا۔ غازی اگلے کئی سال جیل سے باہر نہیں آئے گا۔"

اور ان سب سے دور' تھانے کے نیم اندھیرے کمرے میں تیز روشنی کا بلب جھول رہا تھا اور میز کے سامنے بیٹھا آئی او پوچھ رہا تھا۔ "آغاز تفتیش ہے' میں آرام سے پوچھ رہا ہوں۔ تمہارا قمرالدین سے کس بات پہ جیل میں جھگڑا ہوا تھا؟"

"آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔" وہ ٹیک لگا کر بے نیاز سا بیٹھا تھا۔

"تم 28 اور 29 اگست کی درمیانی شب کہاں تھے؟" آئی او نے بھی تحمل سے پوچھا۔

"آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔"

اور وہ عجیب' وحشت زدہ سی رات اسی طرح قدم بہ قدم روشنی کی جانب بڑھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

کولمبو ایک ساحلی شہر تھا۔ ہوا ہمہ وقت پُرنم رہتی تھی۔ ساحل کے قریب چند ہوٹلز کی بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ ان میں نیلے شیشوں سے ڈھکا ایک اونچا اور عالیشان ہوٹل بھی تھا۔ اس کی ریسپشن پہ رونقیں' ٹورسٹ' گہما گہمی' غرض ہر وہ عنصر بکھرا تھا جو کسی بھی ہوٹل کا خاصا ہوتا ہے۔ ایسے میں سرخ اسکارف والی خاموش سی آبدار کو فصیح ریسپشن سے دائیں جانب لے جا رہا تھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس' دبلا پتلا' اونچا سا مرد تھا' سر بالوں سے صاف' سیاہ چکنا سا۔ رنگت بھی بے حد سیاہ۔ جیسے کوئی حبشی ہو اور دانت اتنے ہی سفید۔

"آئیے۔" وہ گراؤنڈ فلور پہ موجود کھلے سے کچن میں آئے جہاں قطاروں میں کاؤنٹرز بنے تھے اور سفید یونیفارم میں ملبوس باورچی کام کرتے نظر آرہے تھے۔ فصیح آگے چلتا ہوا پینٹری میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ وہ دونوں اندر تنہا رہ گئے تو اس نے دیوار پہ لگے سوئچ بورڈ کو ہاتھ سے دبا کر ایک طرف سلائیڈ کیا' نیچے ایک کی پیڈ تھا۔ اس نے چار نمبر پریس کیے تو دیوار میں درز سی ابھری اور پھر۔ دیوار ایک طرف سلائیڈ ہوگئی۔ آگے لفٹ کے بند دروازے تھے اور ساتھ ایک آلہ لگا تھا۔ فصیح نے بٹن دبایا' پھر اپنی تھوڑی آلے میں رکھی' روشنی کی لکیر نکلی' اس کی آنکھ کے retina کو تشخیص کیا' ہرا سگنل بجا اور دروازہ کھل گیا۔

"کتنے لوگ اس جگہ سے آگے جا سکتے ہیں؟"

لفٹ میں سوار ہوتے اس نے پوچھا تھا۔

"صرف تین لوگ۔ میں 'اس پکن کا ہیڈ شیف جو ہمارا اہم آدمی ہے' اور ہاشم کاردار۔ ان کے علاوہ کوئی اس لفٹ کو نہیں کھول سکتا۔"

"کیا میری ماں کو بھی اسی بگہ رکھا تھا بابا نے؟" وہ آہستہ سے بولی۔ فصیح احتراماً" خاموش رہا۔

لفٹ ایک فلور نیچے گئی۔ دروازے کھلے۔ آگے راہداری تھی۔ اس کے اختتام پہ ایک اور دروازہ تھا۔ اس کو کھولنے کے لیے تین لاکس تھے۔ پہلے فصیح نے کوڈ داخل کیا۔ آبدار نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ تائن ٹوتھری سکس۔ پھر انگلیاں رکھیں' فنگر پرنٹ او کے ہوا۔ تو اوپر لگے آلے میں تھوڑی رکھی تاکہ شعاع اس کی آنکھ کو شناخت کرلے۔ بالآخر دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک لاؤنج سا بنا تھا۔ چند گارڈز ادھر موجود تھے اور ایک کونے میں بنے پکن میں فلپینو میڈ کام کر رہی تھی۔

فصیح نے آبی کے قریب سرگوشی کی۔ "یہ میری انجبو ہے۔ اس کو ہم نے یہی بتایا ہے کہ یہ انڈیا میں ہے۔ لڑکے کو بھی یہی معلوم ہے۔"

آبی نے صرف ایک گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی اور آگے آئی۔ سامنے ایک کمرے کے دروازے پہ گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔

"آپ دیکھ سکتی ہیں۔ وہ صرف ایک مہمان ہے۔"

"پہلے میں سمجھی تھی کہ صرف وہ قیدی ہے' لیکن یہ گارڈز' یہ ملازمہ یہ سب قیدی ہیں۔" آبدار شاکی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی تو وہ خاموش ہو گیا۔

میری آہٹ پہ باہر نکلی تو ان دونوں کو دیکھ کر چونکی۔ نگاہیں آبدار پہ جا ٹھہریں۔

"مس آبدار!" اسے حیرت ہوئی۔

"مس آبدار کو سعدی یوسف سے ملنا ہے۔" آبی میری کو جواب دے کر سنجیدہ سی فصیح کے ساتھ دوسرے کمرے میں آگئی۔

"یہ ایک عام سا سائنس دان تم لوگوں کے لیے اتنا خاص کیوں ہے؟ تم اس جیسے دس سائنس دان خرید سکتے ہو۔" بالآخر وہ بول اٹھی۔

"میں نے بھی ہارون صاحب سے یہی کہا تھا۔ لیکن ہاشم نے انہیں شیشے میں اتارا ہوا ہے۔ لڑکے کے پاس ہاشم کے راز ہیں' ان کی حفاظت کے لیے وہ اسے یہاں مقید رکھنا چاہتا ہے' اسے مار نہیں سکتا' اور چاہتا ہے سارا خرچا بھی ہم کریں۔" فصیح بھی ناخوش تھا۔ "مگر جس دن ہارون صاحب کو لگا کہ یہ بالکل ناکارہ ہے' اس دن وہ اس سے جان چھڑالیں گے۔"

آبدار کا دل خراب ہونے لگا' مگر چہرے پہ سپاٹ سا تاثر رکھے وہ منتظر بیٹھی رہی۔ وہ مسلسل اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

آہٹ پہ بھی اس نے جنبش نہ کی' یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے کرسی پہ آبیٹھا۔ اب کے آبدار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ چھوٹے گھونگھریالے بالوں والا دبلا پتلا نوجوان تھا جس کی رنگت سنولائی ہوئی تھی۔ بیٹھتے کے ساتھ ہی وہ بغور ادھر ادھر کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ (فرار ہونے کے لیے کسی روزن کی تلاش میں شاید۔) پھر آبدار کو دیکھا اور پھر اس کے عقب میں کھڑے فصیح کو۔

"سعدی یوسف! یہ آبدار عبید ہیں' ایک ہپنو تھراپسٹ۔ تمہیں ان کے ساتھ ایک سیشن کرنا ہے' یہ کاردار صاحب کا حکم ہے۔"

سعدی نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' ابرو تن گئے۔ "کاردار صاحب کو کہو کہ اپنے احکامات اپنے ملازموں تک..." ان دونوں کی طرف اشارہ کیا "محدود رکھیں تو بہتر ہوگا۔"

"آرام سے!" فصیح نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے گھورا۔ "یہ ہارون عبید کی صاحب زادی ہیں ہمم۔"

"تھینک یو فصیح! کیا تم ہمیں اکیلا چھوڑ سکتے ہو؟" وہ گردن اٹھا کر فصیح کو حتمی نظر سے دیکھتے بولی تو وہ خاموش ہوا' پھر باہر نکل گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ آبدار نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا' وہ تندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سو تم ہاشم کاردار کے مہمان ہو۔" سپاٹ سا گویا ہوئی۔

"آپ کو کیا چاہیے مجھ سے؟" وہاں بھی اتنا ہی شک و شبہ تھا۔

"مجھے نہیں۔ کرنل خاور کو تمہارے وکیل کا نام چاہیے۔ ڈور نمبر ون، تم مجھے وکیل کا نام بتادو۔ ڈور نمبر ٹو۔ میں تمہیں (ہپناسس) کے ذریعے کمپرومائیز ڈیپوزیشن میں لے آؤں جہاں تم کمزور پڑ کر اس کا نام لے دو گے۔ اب بتاؤ سعدی یوسف! پہل میں کروں یا تم کرو گے؟"

سعدی دھیرے سے مسکرایا اور آگے کو ہوا۔ "ان جادوگروں نے کہا، اے موسیٰ پہلے آپ ڈالیں گے (عصا) یا پہلے ہم ڈالیں (اپنی رسیاں)، سو ہاشم کا اگلا پتا ایک ہپناٹسٹ کو میرے سامنے لاتا ہے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یا تو ہاشم نے آپ کو میرے بارے میں تمام معلومات نہیں دیں، یا آپ نے اس کو ہپناٹزم کے بارے میں تمام معلومات نہیں دیں۔ کیونکہ آپ کسی کو اس کی مرضی کے برخلاف ہپناٹائز صرف تب کر سکتی ہیں جب وہ کمزور اعصاب کا مالک ہو۔ میرے جیسا آدمی اتنی آسانی سے ہپناٹائزڈ نہیں ہوتا۔"

آبدار بس تاسف سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ایک معصوم، نرم، مسکراتا لڑکا جو کیفے میں بیٹھا خود سے بڑی ٹیچر کو سمجھا رہا تھا، وہ کہیں کھو گیا تھا۔ یہ تلخ، طنزیہ لہجے اور زخمی آنکھوں والا نوجوان کوئی اور تھا۔

"سعدی یوسف!" اس نے گہری سانس لی۔ "میں فرعون کے ساحروں میں سے نہیں ہوں۔ کیونکہ ڈور نمبر تھری، یہ ہے کہ تم ان دونوں راستوں سے انکار کر دو اور میں خاموشی سے واپس چلی جاؤں، کیونکہ نہ مجھے تمہیں ہپناٹائز کرنے میں دلچسپی ہے، نہ وکیل کا نام جاننے میں۔ میں کلینکل ڈپریشن پہ ریسرچ کر رہی ہوں، سنا تھا تم بھی کلینکل ڈپریشن کا شکار ہوئے تھے۔ خاور اور بابا سے میں نے یہی کہا ہے کہ مجھے تمہارا تجربہ سننے میں دلچسپی ہے، یہ بھی جھوٹ ہے۔" ایک سانس میں بولتے ہوئے وہ رکی۔

سعدی نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "پھر کیوں آئی ہو تم؟"

"صرف یہ دیکھنے کہ بابا واقعی کسی انسان کو قید کر سکتے ہیں یا نہیں!"

"اوہ اچھا، تو تم انسانی ہمدردی کے تحت آئی ہو۔ یوں کرو، جا کر ہاشم سے کہو، ڈاکٹر مایا کے متبادل کے طور پہ لڑکیوں کو بھیجنا چھوڑ دے۔"

"میں سمجھی نہیں؟" اس نے واقعی نا سمجھی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

سعدی اسی طرح زخم خوردہ سا مسکرایا۔ "اگر تمہارے اندر اتنی انسانی ہمدردی ہوتی، تو نوشیرواں کو اپنے منگیتر سے یوں بری طرح نہ پٹواتیں۔"

آبدار کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "کیا؟"

"اور اس پہ مستزاد، تم اسی کیفے میں بیٹھی تھیں جب تمہارا منگیتر اس کو پیٹ رہا تھا، ایسے ظاہر مت کرو جیسے تمہیں یاد نہیں۔ تم ہماری یونیورسٹی میں کچھ عرصے کے لیے آئی تھیں۔ میں ایک دفعہ کوئی چہرہ دیکھ لوں تو بھولتا نہیں ہوں۔!" آنکھوں میں اس لڑکی کے لیے غصہ تھا۔

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "نہ میں تمہیں جانتی ہوں، نہ تم مجھے جانتے ہو، تو مجھ سے اتنے خفا کیوں ہو؟"

"تم ہارون عبید کی بیٹی ہو، ہارون عبید آئل کارٹیل کا اہم رکن ہے۔ تمہارا چہرہ دیکھ کر مجھے دو سیکنڈ میں ساری کہانی سمجھ میں آگئی ہے۔ ہاشم نے مجھے ہارون عبید کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔ ہاشم کا کردار "فرعون" ہے جس کے پاس بہت طاقت ہے، اور تمہارا باپ، جانتی ہو وہ کون ہے؟"

آبدار نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا، بولی کچھ نہیں۔

"وہ فرعون کے زمانے میں تھا، جس کے پاس بے انتہا دولت تھی، جس کے خزانوں کی کنجیاں کئی اونٹ مل کر اٹھاتے تھے۔ اس کا نام تھا قارون۔" فرعون اور قارون، دونوں اللہ کے نافرمان تھے۔ دونوں ایک

سے گناہ گار تھے۔ تم بھی ان کی سائیڈ پہ ہو۔"
"میں ان کے کسی کام میں شریک نہیں ہوں۔"
اس کا گلا رندھا۔ "تم مجھے نہیں جانتے۔ میرے بارے میں اتنے بڑے نتیجے قائم مت کرو۔ نہ میں تمہاری دشمن ہوں نہ ان کے ساتھ ہوں۔ میں غیر جانب دار ہوں!"
سعدی تلخی سے مسکرایا۔
"Those who lived withouten infamy or praise !"
(رہتے تھے بدنامی اور نیک نامی کے بغیر)
آبدار کو دھچکا لگا۔ حیرت اور دکھ سے آنکھیں ساکت ہوئیں۔ "تم میرا موازنہ دانتے کی جہنم کے جہنمیوں سے کر رہے ہو؟ تم کیسے کسی انسان کے بارے میں اتنے جج مینٹل ہو سکتے ہو؟"
سعدی چند ثانیے ان ہی شک وشبے کے سیاہ سرمئی بادلوں کے درمیان کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔
"اگر تم واقعی ان کی آلہ کار نہیں ہو، جس میں مجھے شک ہے، اور اگر تم واقعی اتنی ہی غیر جانب دار ہو جتنا تم خود کو ظاہر کر رہی ہو، تو یاد رکھنا، وہ لوگ جو ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے، اور خود کوئی غلط کام بھی نہیں کرتے، وہ جو غیر جانب دار ہوتے ہیں، اللہ ان کو ان کی نمازوں اور صدقات کے باوجود عذاب سے محفوظ نہیں رکھے گا۔ میں کوئی نیک آدمی نہیں ہوں، نہ مجھے خود پہ کوئی غرور ہے، مگر میں نے ظلم کے سامنے نیوٹرل رہنے کے بجائے "سائیڈ" منتخب کی ہے۔ میں جانب دار ہوں اور مجھے فخر ہے اپنی جانب داری پہ۔ سو میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں ینگ لیڈی۔" آگے کو جھک کر، اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، چبا چبا کر بولا۔ "غیر جانب دار رہنے والوں کو فلاح اور بقا کی ساری امید ترک کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جب عذاب آئے گا تو وہ صرف ان لوگوں پہ نہیں آئے گا جو برے کام کرتے تھے۔ اللہ نے نہیں بنائے کسی انسان کے سینے میں دو دل۔ اگر آپ کا دل اچھے لوگوں کے ساتھ نہیں ہے تو وہ برے لوگوں کے ساتھ ہے۔"

کرسی جارحیت سے دھکیل کر اٹھا۔
"ڈور نمبر تھری، میں انکار کرتا ہوں، تم چلی جاؤ۔ اللہ حافظ۔" اور کندھے جھٹکتا باہر نکل گیا۔
آبدار گود میں ہاتھ رکھے، اسی طرح ڈوبتے دل کے ساتھ بیٹھی رہی۔ پرس میں مڑا تڑا سا کاغذ بھی ویسا ہی رکھا تھا اور اس لڑکے کا انداز اس کاغذ کے لکھنے والے جیسا ہی تھا۔ اس کو جب پہلی دفعہ دیکھا تھا تو وہ کسی کو امید دلا رہا تھا، آج جب دیکھا تو وہ امید توڑ رہا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جس کو اس نے کیفے میں دیکھا تھا! وہ کہاں کھو گیا تھا؟

☼ ☼ ☼

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی
صبح کی چمکیلی کرنیں چھن چھن کر زمر کے کمرے میں گر رہی تھیں۔ سیم کا میٹرس ہٹ چکا تھا، زمر آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ گھونگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے، اور سفید لمبی قمیص کے اوپر وہ بلیک منی کوٹ پہنے ہوئی تھی۔ تب ہی حنہ نے اندر جھانکا۔
"آج کیا ہو گا کورٹ میں؟"
"فارس کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر پولیس اس کا ریمانڈ لے گی اور اس کو واپس تھانے لے جا کر حوالات میں بند کر دیں گے۔" اپنا بیگ اور فائلز اٹھا کر وہ گھومی تو چوکھٹ میں کھڑی حنہ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔
"یہ بلیک کوٹ، یہ کیس فائلز، یہ کورٹ روم ڈرامز!" ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ ہمیشہ میری فینٹسی رہے ہیں۔ بی اے کلیئر کرنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ آگے نہیں پڑھوں گی، لیکن اب میرا دل کر رہا ہے کہ میں بھی لاء کروں۔"
زمر جواب دیے بنا اپنی چیزیں اٹھائے باہر آئی۔ حنین ساتھ سیڑھیاں اترتے کہہ رہی تھی۔
"میں اور سیم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے،

دیکھیں انکار مت کیجیے گا۔" وہ سفید اور سیاہ جوڑے میں ملبوس 'بال سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے 'کندھے پہ لمبی اسٹریپ کا پرس لیے تیار تھی۔ تیار تو سیم بھی تھا۔ کالر کف والی ڈریس شرٹ 'اور نہا کر گیلے بال سلیقے سے پیچھے کو جمائے وہ صوفے پہ بیٹھا 'جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا۔

زمر نے گہری سانس لی۔

"تم دونوں کہیں نہیں جا رہے۔ فارس کو برا لگے گا۔"

"میں جیل بھی گئی تھی ایک بار 'جب وہ ہتھکڑیوں میں ہوں تو زیادہ احتجاج نہیں کرتے۔ خیر آپ نہ لے کر جائیں 'ہم ٹیکسی لے لیں گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" زمر نے شانے اچکا دیے۔ وہ دونوں پرجوش سے اس کے ساتھ باہر نکلے تھے۔

سیشن کورٹ کے احاطے کے باہر جب زمر نے گاڑی روکی تو حنہ نے ستائشی نظروں سے اس قدیم طرز کی عمارت کو دیکھا۔

"مجھے بھی وکیل بننا ہے 'زمر!" اور ایک عزم لیے باہر نکلی۔ زمر آہنی گیٹ تک اسی خاموشی سے آئی 'پھر رکی 'حنہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"میرا ہاتھ پکڑ لو!"

حنین کی آنکھوں میں خفگی اتری 'اسے بہت برا لگا تھا۔ "اللہ۔ زمر! میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔"

زمر کچھ کہتے کہتے رکی 'پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ دونوں اس کے دائیں بائیں چلتے ہوئے ساتھ آئے۔ گیٹ کے اندر سیم مردوں والے حصے سے گزر گیا۔ وہ خواتین کی تلاشی والے کمرے سے گزریں۔ سامنے کچہری کے وسیع میدان نظر آ رہے تھے۔ کہیں سبزہ 'کہیں عمارت۔ حنین نے قدم بڑھایا تو دل جوش سے بھر گیا۔ پہلی دفعہ کورٹ جا رہی تھی۔ "واؤ"۔ ماموں کی گرفتاری اور متوقع ڈانٹ کا احساس بھی۔

چند ہی قدم کا راستہ طے کر کے حنین کو احساس ہوا کہ وہاں بہت لوگ تھے۔ اکثریت براق چمکتی سفید شرٹ اور سیاہ ٹائی و سیاہ کوٹ والے تیز تیز چلتے وکلاء کی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے 'تیز تیز۔ ہر قدم کے ساتھ رش بڑھتا جا رہا تھا۔ عورتیں کم تھیں 'تھیں تو وہی سیاہ کوٹ 'سفید دوپٹے والی 'جو بڑے مزے سے کہیں بیٹھی تھیں یا چل رہی تھیں۔ مردوں کی طرح اونچے قہقہے لگا رہی تھیں۔ وہ تینوں قدم قدم آگے بڑھتے رہے۔ درمیان میں کتنے پلاٹ سے بنے تھے جہاں میزیں ہی میزیں تھیں 'ہر ایک پہ کسی وکیل کا نام لکھا تھا 'وہ وکلاء کے اوپن ایئر آفس تھے۔ صرف ایک میز؟ اور ان پہ جگہ جگہ لوگ بیٹھے تھے۔ لوگ ہی لوگ۔ حنہ کا دل ایک دم گھٹن کا شکار ہونے لگا۔ مگر وہ چلتی رہی۔

وہاں لوگ اتنی تیزی سے چلتے آ رہے تھے 'گویا سامنے والے سے ٹکرانے کا ارادہ ہو اور اتنا شور کہ الاماں۔ کانوں میں بھانت بھانت کی آوازیں پڑ رہی تھیں۔ مختلف زبانیں... بولیاں دردناک... تفصیلے لہجے تلفظ... درد کی باتیں۔

"جی مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی پلیڈ کریں اور..." ساتھ سے گزرتے وکیل کی رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش کرتا ایک شخص کہہ رہا تھا۔

"استغاثہ کے دونوں گواہوں کو ڈس کریڈٹ کرنے..!" کوئی اور قریب میں بولا تھا۔ وہ لاشعوری طور پہ زمر کے قریب ہو گئی جو اطمینان اور سنجیدگی سے چل رہی تھی۔ چند زینے عبور کیے اور وہ عمارت کے اندر داخل ہوئے۔

وہاں بھی مردوں کا وہی سمندر تھا۔ لوگ چڑھے ہی چلے آ رہے تھے۔ حنین زمر کے مزید قریب ہو گئی۔ اب وہ آگے پیچھے کے بجائے صرف سامنے دیکھ رہی تھی۔ شور ہی شور اور طویل راہداریاں 'جن کے اختتام پہ ایک اور راہداری شروع ہو جاتی۔ کونوں میں وکلاء کی میزیں تھیں۔ جیسے جس کو جہاں جگہ ملی 'بیٹھ گیا ہو۔ اتنی صبح بھی اتنا رش۔ اس نے ایک ساتھ اتنے مرد... وہ بھی اتنی تیزی سے چلتے 'پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ حنین کا دل گھبرانے لگا 'عجیب سی وحشت 'خوف

سالے گھیرنے لگا۔

یکدم ایک راہداری کا موڑ مڑا تو اگلی راہداری' جو برآمدے کی طرح تھی (یعنی ایک طرف عمارت اور دوسری طرف لان تھا) وہاں سے دو پولیس اہلکار' زنجیروں میں مقید دو قیدیوں کو لا رہے تھے۔ آف وائٹ' میلے میلے کرتوں' جھاڑ جھنکاڑ جیسی داڑھیوں' اور پیلے دانتوں سے ہنستے قیدی' جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے۔ وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے۔۔۔ اف۔۔۔ حنہ خوف سے جم گئی' مگر زمر نے کہنی سے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے پاؤں کانپنے لگے۔ سو وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

"مجھے گھر جانا ہے' واپس" وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔"

"میں تو ٹھیک ہوں۔" سیم واقعی ٹھیک نظر آرہا تھا مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

"آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔" اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے وحشت اور خوف کے احساس کے باوجود گاہے بگاہے اندر بھی جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ سو وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے' میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمک دار تھا۔ مگر ڈراموں' فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی اوپر جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ سو ڈراموں والی پُر تقدس خاموشی ناپید تھی۔

گاڑی میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔

"میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔" اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھا لیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔

"مسز زمر۔" وہ فکر مند لگ رہا تھا۔ "میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری۔ میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟"

"اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔"

"اوہ ہو۔" وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

"احمر! آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"وہ میرا دوست ہے۔"

زمر نے گہری سانس لی۔ "فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔" احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً" جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کتھا سنا ڈالی۔ احمر کی فکر مندی' پریشانی میں بدلی۔

"جی' میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے' میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور ہاں' آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔" اور اس کا لہجہ یہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہو گیا۔ "ایسی کیا خاص بات تھی؟"

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا" وہ تو۔۔۔ کچھ بھی نہیں تھا۔" ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ "میں شادی کر رہا ہوں فاطمہ

ہے 'کمپین ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی پر کیا تحفہ دوں' یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برامت مانیے گا' نہ میں آپ کا کوئی کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقہ احباب میں کوئی sophisticated(نفیس طبع) نہیں ہے۔ صرف اس لیے..... میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔"

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ "خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ کو دیکھ کر وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا۔ آپ ابھی چلے جائیں' جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔" اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

زمر کافی دیر اس راہداری میں کھڑی رہی۔ لوگ اسی طرح آجا رہے تھے۔ وہ ویران' اداس نظروں سے سب دیکھتی رہی۔ ذہن بار بار اس کینڈل لائٹ ڈنر میں کی گئی اس کی سلگتی باتوں پہ بھٹک جاتا' مگر نہیں' ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔

دفعتا" وہ سیدھی ہوئی۔ پولیس اہلکار اسے لا رہے تھے۔ وہ رات والی جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔ ایک رات میں ہی شیو بڑھی ہوئی لگ رہی تھی۔ زمر کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھیں سکڑیں' ان میں چبھن اتری' مگر منہ میں کچھ چباتا آگے بڑھتا رہا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی' مگر اگلے ہی پل مسکراہٹ غائب ہوئی۔ فارس کے قریب' سیاہ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' خلجی صاحب چلتے آرہے تھے۔

"ڈونٹ یو ڈیئر!" زمر کے سر سے لگی' تلووں پہ بجھی۔ وہ قریب آئے تو وہ بظاہر مسکرا کر خلجی صاحب کی طرف گھومی۔

"آپ یہاں خیریت ہے خلجی صاحب؟"

"یہ میرے وکیل ہیں۔" وہ چبھتی آنکھیں زمر پہ جمائے بولا۔ زمر نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا مگر ہنوز مسکراتے ہوئے بولی۔

"آخری اطلاعات تک تمہاری وکیل میں تھی۔"

خلجی صاحب فون پہ بات کر رہے تھے' سر کے اشارے سے اسے سلام کیا۔ فارس چند قدم چل کر اس کے بالکل مقابل آکھڑا ہوا' جتنی اجازت اس کی زنجیر اس کو دیتی تھی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"زمر بی بی.....! مجھے آپ سے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔" دبی سرگوشی میں بولا۔ وہ اس سے لمبا تھا' زمر کو سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا پڑ رہا تھا۔

"ان سے ہے؟"

"وہ میرے ساتھ وفادار ہیں۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

"اچھا!" زمر دانت پہ دانت جما کر مسکرائی' پھر سر کو خم دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ خلجی صاحب فون بند کر چکے تھے' اب اس سے حال احوال دریافت کرنے لگے۔ وہ جواب دیتی چند قدم آگے چلی آئی۔ پھر مزید چند قدم یہاں تک کہ وہ دونوں فارس کی حد سماعت سے دور ہو گئے۔ وہ تیکھی نظروں سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اس کی طرف آئے۔ خلجی صاحب نے خوشگوار انداز میں زمر کو دیکھتے ہوئے فارس کو مخاطب کیا۔

"تم فکر نہ کرنا' زمر اچھے سے سب ہینڈل کر لیں گی۔ میں پھر اپنے آفس کی طرف جاتا ہوں۔" فارس کا شانہ تھپکا اور زمر کو گرم جوشی سے الوداع کہہ کر وہ آگے چلتے گئے۔

زمر نے مسکرا کر فارس کو دیکھا۔ "وفادار' ہاں؟"

"کیا کہا ہے آپ نے ان سے؟" وہ خشک انداز میں بولا تھا "بلکہ کس بات سے بلیک میل کیا ہے ان کو؟ ایک یہی کام تو آتا ہے آپ کو۔"

"جب تم چار سال جیل میں لوگوں سے لڑ جھگڑ کر اپنے لیے دشمن بنا رہے تھے نا' تو میں ایک سیاسی عہدے پہ کام کر رہی تھی۔ یہاں لوگ میری بات ٹالا نہیں کرتے۔" وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولی تھی۔

"ہاں' میں نے تم سے چند جھوٹ بولے تھے۔ احمر کو بھی میں نے ہائر کیا تھا لیکن تمہارے خلاف نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تم سمجھ رہے ہو۔ دیکھو' ابھی وقت کم ہے' تمہارا نام ابھی پکارا جائے گا۔ اس وقت کو

لڑنے میں ضائع مت کرو۔ ویسے بھی زیادہ سے زیادہ تین ہفتے بعد ٹرائل شروع ہو جائے گا' تم ان تین ہفتوں میں جتنے وکیل ڈھونڈ سکتے ہو ڈھونڈلو' میں کسی ایک کو بھی تمہاری طرف نہیں رہنے دوں گی' اس لیے ان تین ہفتوں کے لیے مجھے اپنا وکیل رہنے دو۔ جس دن ٹرائل شروع ہو' اس دن تم فیصلہ کرلینا۔ مجھے فائر کر دینا میں چلی جاؤں گی' لیکن اس سے پہلے نہیں۔ او کے!"

غصے اور سمجھانے کے ملے جلے انداز میں وہ بول بول کر چپ ہوئی' تو وہ بھی چند لمحے سوچتا رہا۔

"آپ کو اگر میرا وکیل رہنا ہے تو ایک کام کریں۔"

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "کہو!"

"شہرا ملک۔۔۔ وہ لڑکی۔۔۔ اے ایس پی کی کزن اور سالی۔۔۔ وہ دو دن پہلے کوما سے نکل آئی ہے' سو آپ نے اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ وہ نیاز بیگ کو جیل سے نکلنے نہ دے۔ کیسے؟ یہ میرا درد سر نہیں ہے!" حکم صادر کر کے وہ پلٹ گیا۔

زمر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ راہداری میں بھانت بھانت کی بولیاں ہنوز گونج رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جسے گئے ہوئے خود سے ایک زمانہ ہوا
وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے اب بھی آجاؤ

گالف کلب کے سبزہ زاروں پہ زمردی قالین سا چڑھا لگتا تھا۔ فضا میں آتے سرما کی مہک تھی' گھاس بھی گویا لمبی لیٹی یہ نرم گرم دھوپ سینک رہی تھی۔ وہ دونوں گھاس پہ آگے چلتے جارہے تھے۔ ہارون نے ٹی شرٹ کے اوپر پی کیپ اوڑھ رکھی تھی' اور جواہرات نے گھٹنوں تک آتا سادہ کرتا پہن رکھا تھا' اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ اتنے عام سے حلیے میں بھی وہ نازک اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ پچھلے ماہ اس نے آنکھوں کی کاسمیٹک سرجری (آئی لڈ لفٹ) کروائی تھی جس سے اس کی آنکھیں زیادہ بڑی اور گہری لگنے لگی تھیں۔

"میں تمہیں آج بھی پہلے کی طرح گالف میں ہرا سکتا ہوں۔" ہارون عبید مسکرا کر اس کی طرف چہرہ کر کے بولے۔

"برسوں پہلے میں ایک بے وقوف لڑکی تھی' جو تمہاری باتوں میں آکر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔" وہ بھی بتانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہارون ٹھہر گئے۔ اس کو قدرے افسوس سے دیکھا۔

"یہ رشتہ ختم کرنے میں تم نے پہل کی تھی۔"

"اتنے دن بعد تم نے یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو اپنی تصحیح کرلو ہارون۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹتے اس کے سامنے آئی اور سرد مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ہمارے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں تھا' تم اور میں اچھے دوست تھے' بلکہ دوستوں سے بڑھ کر تھے' پھر ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا' اور ہمارے خاندان کو اس پہ اعتراض نہیں تھا۔"

"اور پھر تم نے مجھے ٹھکرا کر اورنگ زیب سے شادی کی تھی۔"

"یہ وہ چوائس تھی جس پہ میں پچھلے اڑتیس سال سے پچھتا رہی ہوں۔ ہارون! لیکن یہ مت بھولنا کبھی کہ میں نے تمہیں اس لیے ٹھکرایا تھا کیونکہ تم اپنی ایرانی کزن کے ساتھ انوالوڈ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بے وفائی سے واقف ہو گئی تھی' پھر بھی تم کتنے دھڑلے سے میری آنکھوں میں دیکھ کر مجھ سے شکوہ کرلیتے ہو کہ میں نے تمہیں ٹھکرایا تھا۔" ملکہ کی اٹھی گردن اور مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

"تمہیں اتنی پرانی باتیں یاد ہیں اور نگ زیب کی موت کے بعد ان دو سالوں میں۔۔۔"

"ایک سال دس ماہ میں۔۔۔" اس نے میکانکی انداز میں تصحیح کی مگر وہ بولتے رہے۔ "کتنی دفعہ میں نے چاہا کہ ہم کم از کم دوستی کے رشتے میں پھر سے منسلک ہو جائیں لیکن تم ہر دفعہ پرانی باتوں کو کیوں درمیان میں لے آتی ہو۔"

"ہارون!" وہ ایک قدم آگے ہوئی اور شیرنی جیسی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔
"تم میرے صرف دوست نہیں بننا چاہتے۔ میں جانتی ہوں۔ تمہارے پاس ہم سے زیادہ دولت ہے لیکن ہمارے پاس تم سے زیادہ طاقت ہے، ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے' اس لیے ہم ساتھ کام کر رہے ہیں' لیکن میرا اعتماد تم کئی برس پہلے کھو چکے تھے۔ اگر تمہیں دوبارہ سے مجھ سے کوئی تعلق استوار کرنا ہے تو اس کے لیے تمہیں میرا اعتماد چاہیے اور اعتماد میں بھیک میں بھی نہیں دیتی۔ اسے تمہیں کمانا ہو گا۔" اور پھر دلکشی سے مسکرائی۔ "سو محنت کرو' ہارون! شاید کہ تم کھویا ہوا اعتماد کما لو۔"
پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔ ملازم فوراً" تابع داری سے کٹ لیے آگے آئے۔ ہارون صرف مسکرائے اور کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ دور دور تک پھیلے سبزے کا ہر تنکا دلچسپی سے یہ کھیل دیکھنے کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا
وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے ' اب بھی آجاؤ
انیکسی تک واپس جاتے ہوئے زمر ان دونوں کو بتا رہی تھی۔
"پانچ دن کا جسمانی ریمانڈ مل گیا ہے پولیس کو۔ چودہ دن تک وہ اس میں توسیع کرواتے رہیں گے' پھر فارس کو جوڈیشل کر دیا جائے گا یعنی کہ...."
ان کے اگلے سوال سے پہلے اس نے وضاحت۔
"اس کو جیل بھیج دیا جائے گا اور باقاعدہ مقدمہ شروع ہو گا۔ پہلے پراسیکیوٹر اپنے دلائل دے گا' پھر ہم دیں گے' پھر پراسیکیوٹر اپنے گواہ پیش کرے گا' پھر ہم کریں گے۔ اس کارروائی میں عرصہ لگ جاتا ہے' لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جج مقدمے کے دوران کسی بھی دن کسی بھی وجہ سے ملزم کو بری کر سکتا ہے۔ بے گناہ ثابت کرنا' گناہگار ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔"

دونوں جواب میں کچھ نہ بولے۔
مگر گھر کے دروازے پہ پہنچ کر حنہ کے منہ سے "اوہ" نکلا اور زمر کا ایک دم دل بیٹھ گیا۔ ندرت کی گاڑی جس میں صداقت ان کو ڈرائیو کر کے گاؤں لے گیا تھا' وہ وہاں کھڑی تھی۔ ایک دریا کے پار اترنے پر ایک اور دریا کا سامنا! زمر نے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سامنے بڑے ابا فکر مند بیٹھے تھے' اور ندرت پریشان سی نظر آ رہی تھیں۔ زمر نے فون بند کر رکھا تھا اور حنہ اپنا فون گھر چھوڑ گئی تھی۔ یقیناً" انہوں نے کئی کالز کی ہوں گی۔
"زمر!" ندرت گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر پریشانی سے اٹھیں۔ "فارس کو کیوں لے کر گئی ہے پولیس؟ جیسے ہی جواہرات نے بتایا' ہم فوراً" آگئے۔"
"یا اللہ' یہ مسز جواہرات بھی نا!" حنین غصے سے بڑبڑاتی آگے آئی اور ندرت کو شانوں سے تھام کر واپس بٹھایا۔
"زمر! بتاؤ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" ابا بھی بے چین تھے۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے بیٹھی اور تفصیل' تسلی اور امید کے ساتھ بتانے لگی۔ ندرت بے ساختہ رونے لگی تھیں۔
"اس ملک میں کوئی قانون' کوئی دستور نہیں ہے کیا؟ جب دیکھو میرے بھائی کو مقدمات میں پھنساتے رہتے ہیں۔ اللہ غارت کرے ان کو۔"
"آمین!" حنہ بڑبڑائی تھی۔ اس آمین کہنے میں بھی دل ٹوٹ کر سو بار جڑا تھا۔
ندرت کو حنہ اوپر کمرے میں لے گئی۔ باقی سب بھی بکھر چکے اور وہ دونوں اکیلے رہ گئے' تو ابا نے آہستہ سے اس سے پوچھا تھا۔
"کیا وہ باہر آجائے گا؟"
"مجھے واقعی نہیں پتا ابا!" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ابا غمگین سے بیٹھے اس کے لہجے پہ غور کرتے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

دلیلوں سے دوا کا کام لینا سخت مشکل ہے

مگر اس غم کی خاطر یہ ہنر بھی سیکھنا ہو گا

کولمبو کی نم فضاؤں میں لپٹے ہوٹل کی بیس منٹ میں اٹھا پٹخ جاری تھی۔ پہریدار سعدی کے کمرے کی دیوار پہ ایل سی ڈی ٹی وی لگا رہے تھے۔ ڈی وی ڈیز کا ایک چھوٹا کارٹن' پھل' چاکلیٹس' خشک میوے' جوس کے ڈبے' نئے کپڑے' تازہ ریلیز ہوئے بیسٹ سیلرز۔ سعدی عدم دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہا تھا جو وہ لوگ لا لا کر اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے۔ وہ سیاہ حبشی صورت فصیح ان کی نگرانی کر رہا تھا۔

"ان احسانات کی وجہ ؟" اس نے سنجیدگی سے حبشی صورت کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ سعدی پہ ڈالی۔

"یہ ہارون عبید کی طرف سے ہے' وہ سب' جو تم نے مانگا تھا۔"

"جس سے مانگا تھا' وہی دیتا تو اچھا تھا۔" وہ بے زار سا اٹھ کر لاؤنج نما کمرے میں آگیا۔ کسی نے اسے نہیں روکا۔ وہ اس کمپاؤنڈ میں کھلا پھر سکتا تھا' اجازت مل گئی تھی۔ وہ ابھی وہاں بیٹھا ہی تھا کہ یکدم فصیح اس کے کمرے سے باہر نکلا' اور کلنگ فلم میں لپٹی چیزیں میز پہ پٹخیں۔ سعدی منجمد ہو گیا۔ اندر اس کا لائٹر' کانٹا' چند کیل وغیرہ تھے۔ نگاہیں اٹھا کر فصیح کو دیکھا۔

"سنو مائیکل اسکوفیلڈ! زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر گہری سانس لے کر لہجہ نرم کیا۔ "یہاں سے نکلنا ہے تو ہارون صاحب کے لیے کام کرو۔ ایک ڈیڑھ سال کی بات ہے' پھر وہ تمہیں آزاد کر دیں گے۔"

"ارے واہ۔ یہ سن کر تو میری آنکھیں بھر آئیں!" وہ طنز سے بولا تھا۔ فصیح اسے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔ میری ساتھ آکر بیٹھی اور جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ان نوازشات کی بابت دھیمی سرگوشی میں بتانے لگی۔

"یہ سب مس آبدار نے بھجوایا ہے۔" پہلے کی طرح وہ اب سخت نہیں رہی تھی' شاید لمبی قید سے تنگ آگئی تھی "مگر اس لڑکی سے بچ کر رہنا۔"

"ایک اور گڈ کاپ!" اس نے شانے اچکائے۔

"نہیں سعدی!" وہ اس کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ "وہ بری نہیں ہے' مگر وہ بہت چالاک ہے۔ دراصل وہ خطرناک ہے۔ دیکھو' اس کے باپ کو مسز جواہرات نے شادی کے لیے ٹھکرایا تھا' مگر ان دونوں کے درمیان اب بھی بہت کچھ باقی ہے۔ دوستی' کاروبار' چنگاریاں۔"

ذرا سانس لینے کو رکی۔ سعدی بے دلی سے سن رہا تھا۔

"اور آبدار ہے تو بہت اچھی' مگر میں اس کے ساتھ ہمیشہ غیر آرام دہ رہتی ہوں۔ اس نے اپنی ماں کو کم عمری میں کھویا تھا۔ پھر امریکہ چلی گئی۔ سنا ہے وہاں ایک دفعہ یہ ڈوبنے لگی تو ہاشم نے اس کی جان بچائی۔ تب ہاشم کی شادی کو شاید ایک سال ہوا تھا۔ اس دن کے بعد سے اس کا دل شہرین سے اچاٹ ہو گیا۔ اسے شہرین میں صرف خامیاں نظر آتی تھیں' مگر میں گواہ ہوں' ہاشم نے اس سے بے وفائی نہیں کی' نباہ کی بھی کوشش کی' مگر آبدار۔ وہ ہاشم کے دل میں رہتی ہے' اس لیے اس سے دور رہنا سعدی!"

"تو ہاشم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟" اسے پہلی دفعہ دلچسپی محسوس ہوئی۔

"ہاشم اپنی طلاق اور باپ کی موت کے بعد سے بہت مصروف رہا ہے' لیکن اب چونکہ وہ دونوں ایک ہی شہر میں ہیں' وہ اسے اپنانے کا ضرور سوچے گا لکھ کر رکھ لو۔"

"رکھ لیا۔ لیکن اگر ہاشم اس کی اتنی پرواہ کرتا ہے تو اسے آبدار کو میرے پاس بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔" اسے جانے کیوں افسوس ہوا۔

"یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہی۔ ہاشم نے کیوں اسے آنے دیا؟"

میری نے سر جھٹکا۔ تب ہی دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ میری جلدی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ برقی دروازہ کھلا اور اسے سرخ اسکارف کی جھلک دکھائی دی تو اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی سپاٹ اور معصوم چہرے کے ساتھ چلتی آرہی تھی۔ سعدی پہ ایک نظر ڈالی' ساتھ

موجود گارڈ سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ گارڈ کی معیت میں اسی دو کرسیوں والے کمرے میں داخل ہوا تو آبدار سینے پہ بازو لپیٹے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ اس نے ابرو سے گارڈ کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا تو وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے کہا اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ آدمی کے پاس ایک ہی دل ہوتا ہے' مگر میں آدمی نہیں ہوں۔"

"مطلب؟" وہ مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا جو دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

"ڈور نمبر فور' مجھے کرنل خاور کی مدد کرنی ہے' سو مجھے تمہارے وکیل کا نام چاہیے' اگر تم مجھے بتا دو تو میں تمہاری مدد بھی کروں گی' کیونکہ میرے دو دل ہیں' میں غیر جانب دار ہوں!"

"اور تم میرے لیے کیا کرو گی؟" وہ اب بھی مشکوک نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔

"یہ فارس غازی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔" اس نے سینے پہ لپٹے بازو کھولے اور ایک ہاتھ میں پکڑا تہہ شدہ کاغذ دور سے دکھایا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔

"میں کیسے یقین کروں کہ تم جھوٹ نہیں بول رہیں؟"

"میری شکل پہ لکھا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی' خیر تم اس کی لکھائی پہچان لینا' یہ اسی نے لکھا ہے۔ لیکن۔۔۔" کاغذ والا ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔ "میں تمہیں یہ تب دوں گی جب تم مجھے وکیل کا نام بتاؤ گے۔" سعدی آنکھیں سکیڑے کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"فارس غازی کو معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟ کس کے پاس ہوں؟"

"اس کو سب معلوم ہے۔ اب نام بتاؤ۔" وہ جیسے فیصلہ کر کے آئی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو' ٹھیک ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔ "لیکن میں وکیل کا نام صرف ہاشم کو بتاؤں گا۔"

"ہاشم درمیان میں کہاں سے آگیا؟" اس کے ابرو ناخوشی سے بھنچے۔

"درمیان میں نہیں۔" سعدی نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اس وقت تمہارے پیچھے کھڑا ہے۔"

آبدار کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف پلٹی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی' سعدی نے ایک دم جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ کھینچ لیا تھا۔ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اس نے اگلے ہی لمحے خود کو ششدر اور خالی ہاتھ کھڑے پایا۔

"قید خانہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے' مس!" محظوظ سا مسکرا کر وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور کاغذ کھول کر ایک نظر ان الفاظ پہ ڈالی۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ شاک سے نکل آئی تھی اور غصہ اس کی آنکھوں میں ابھر رہا تھا۔ "واپس کرو اسے۔"

"گارڈز کو بلا لو۔ وہی مجھ سے چھین سکتے ہیں اب یہ۔"

"اوکے فائن' اب تمہیں یہ مل گیا' اب مجھے نام بتا دو۔" وہ ذرا بے بسی بھری خفگی سے' سینے پہ بازو لپیٹے بولی۔

سعدی نے ایک دفعہ پھر ان حروف کو پڑھا' کچھ دیر سوچتا رہا' پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے کہا نا' ہاشم کو بتا دوں گا نام' تو اسی کو بتاؤں گا۔" آبی نے آہستہ سے کاغذ تھاما۔ کچھ دیر لب کاٹتی رہی۔ غصہ قدرے کم ہوا۔

"تمہاری سمجھ میں آگیا وہ تم سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ ہمن کا کیا مطلب ہوا؟" آبدار نے اچنبھے سے استفسار کیا۔

"خودکشی!" وہ جل کر بولا تھا۔ اس پیغام پہ جیسے اسے غصہ آیا تھا۔

"اس نے کہا تھا' یہ تمہاری آزادی کا پروانہ ہے۔"

"ان کا دماغ خراب ہے۔"
آبدار چند قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
"اس آدمی کا دماغ ہرگز خراب نہیں ہے!"
"تم نہیں جانتیں فارس غازی کو۔" وہ جھلایا تھا۔
"وہ ہاتھوں سے سوچتے ہیں 'ان کا غصہ ان کی **ججمنٹ** کو دھندلا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کرسکتے۔ میں یہاں اتنے مہینے سے قید ہوں 'ان کو معلوم ہے میں کہاں ہوں 'پھر بھی مجھے بچانے نہیں آئے۔" وہ شکوہ کر گیا تھا۔
"سعدی یوسف! مجھے نہیں پتا تم انسانوں کو کتنا پہچانتے ہو 'لیکن میں ایک عامل تنویم ہوں ' مجھے انسانوں کو پڑھنا آتا ہے۔ اور جس فارس غازی سے میں ملی تھی 'وہ ویسا نہیں ہے 'جیسا تم اس کو جانتے ہو۔ شاید وہ بھی ویسا رہا ہو 'لیکن اب نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتا ان حروف کا کیا مطلب ہے 'لیکن تمہیں ایک بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے۔"
اس کی بھوری آنکھوں میں ہمدردی سے جھانکتے آواز آہستہ کی۔
"تمہیں یہاں سے نکالنے کوئی نہیں آئے گا۔ نہ میں 'نہ فارس غازی 'نہ تمہارے خاندان میں سے کوئی اور۔ تمہیں یہاں سے صرف ایک شخص نکال سکتا ہے اور اس کا نام سعدی یوسف ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو خود ریسکیو کرنا ہوگا۔"
"آپ کے گارڈز کی مہربانی سے انہوں نے میری لاک پک بھی آج چھین لی ہے!"
"لاک پک؟" اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔
"تمہیں لگتا ہے یہ لاک پک سے کھلنے والے دروازے ہیں؟ یہاں ریٹینا سینسرز لگے ہیں سعدی یوسف! ان کو یہ گارڈز بھی نہیں کھول سکتے۔ ویسے میں نے تمہاری پروفائل پڑھی تھی جو فصیح نے بنا کر دی تھی۔ تم سعدی 'تم فارس غازی نہیں ہو جو ہر لاک کھول لو گے یا ان گارڈز سے ہاتھاپائی کرکے یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ نہ تمہیں لڑنا آتا ہے 'نہ گن چلانی آتی ہے 'نہ ان دروازوں کے قفل کھولنا آتے ہیں۔ فصیح نے بتایا تم نے ہاشم کے ڈاکومنٹس بھی چرائے تھے مگر تم کمپیوٹرز میں بھی اتنے اچھے نہیں ہو 'ان کی ان کرپشن کو بھی نہیں کھول سکے۔ نہ تم اچھے بلیک میلر ہو۔ نہ ہی پڑھائی میں تم کوئی بہت ہی اعلا وارفع تھے۔ وہ ٹیلنٹ جو تمہارے اردگرد کے لوگوں کے پاس ہے 'وہ تمہارے پاس نہیں ہے!"
سعدی کی آنکھوں میں شدید ناگواری ابھری۔
"سو تمہارا مطلب ہے 'مجھے کچھ نہیں آتا۔ ایکچوئلی جب تمہارے باپ نے مجھے قید نہیں کیا تھا اور میں اپنی دنیا میں رہ رہا تھا 'تب لوگ مجھے بہت پسند کرتے تھے۔"
"کبھی سوچا لوگ تمہیں کیوں پسند کرتے تھے؟ ہر شخص کے پاس ایک خاص ٹیلنٹ ہوتا ہے 'تم لاک پکس جمع کرنا چھوڑ دو کیونکہ وہ تمہارا ٹیلنٹ نہیں ہے۔ تمہیں ایک ہی چیز کرنا آتی ہے زندگی میں اور اسی چیز کی وجہ سے لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔"
سعدی کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ "کیا؟"
"تمہاری باتیں!"
"واٹ؟" اسے عجیب سا لگا۔
"سعدی! تمہاری قائل کرلینے والی زبان ہی تمہارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہے۔ تم لوگوں کو کنوینس کرسکتے ہو۔"
"میں نہیں کرسکتا!" اسے خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔
"کیوں کیا تم نے ابھی مجھے کنوینس نہیں کیا کہ ہاشم میرے پیچھے کھڑا ہے؟" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آبی نے سر جھٹکا۔
"آل رائٹ۔ میرا کام ختم ہوا۔ تم جانو 'اور ہاشم جانے!" وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نظر اس پہ ڈالتی باہر نکل گئی۔
سعدی ناخوشی سے کھڑا ان ہی الفاظ کو سوچتا رہا۔

✡ ✡ ✡

اپنوں کی مشکلوں سے بوجھل سا دل ہے رہتا

اکتوبر کے وسط سے موسم بدلنے لگا تھا۔ سرما کی پہلی دستک سنائی دے رہی تھی مگر تھانے کے اندر وہی خوف، وحشت اور تشدد کا موسم تھا۔ وہ ایک کمرے میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ (زمر کی وجہ سے اس کو چند سہولتیں مل جاتی تھیں جن میں یہ وقت بے وقت کی ملاقاتیں بھی تھیں۔) وہ خاموش سنجیدہ سا آنکھیں سکیڑے کر احمر کو دیکھ رہا تھا، احمر وضاحت دے رہا تھا۔

"دیکھو مسز زمر نے واقعی مجھے ہائر کیا تھا، لیکن تمہیں پھنسانے کے لیے نہیں۔ میں کلائنٹ پریویلیج کے تحت تمہیں نہیں بتا سکتا تھا۔"

"کیوں ہائر کیا تھا اس نے تمہیں؟" اس کی چبھتی نظریں احمر پہ جمی تھیں۔

"وہ تو میں تمہیں اب بھی نہیں بتا سکتا، کیونکہ یہ ورک ایتھکس کے خلاف ہے۔ اگر یہ تب غلط تھا، تو اب بھی غلط ہے۔ وہ بتا دیں تو الگ بات ہے۔ لیکن مجھے ہماری دوستی بہت عزیز ہے، اس لیے میری طرف سے اپنا دل صاف کرلو۔"

"کرلیا اور کچھ؟" اس کا لہجہ ٹھنڈا اور نگاہیں ہنوز پرتپش تھیں۔ احمر گہری سانس لے کر پیچھے ہوا۔ پھر سوچتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"مطلب تم واقعی سوچ سکتے ہو کہ.... مسز زمر تمہیں یوں جیل بھجوا سکتی ہیں؟"

"میں بہت کچھ سوچ سکتا ہوں۔"

"مگر انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا غازی۔"

"تو ثابت کرو!" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پیچھے کو ہو بیٹھا۔

احمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ "کیسے؟"

"مجھے ایک شخص سے ملنا ہے۔ صرف پندرہ منٹ کے لیے...." وہ کہہ رہا تھا مگر احمر کی آنکھیں پھیلیں۔ فوراً" ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"دیکھو غازی! میں بے شک پرزن رائٹس پہ یقین رکھتا ہوں لیکن یہ رائٹس سے اوپر کی بات ہے۔" پھر آواز بے چارگی سے نیچی کی۔ "یار! تم حوالات میں ہو، پندرہ منٹ کے لیے بھی ہم تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتے۔"

"تمہارے پاس میرے، جوڈیشل ریمانڈ تک کا وقت ہے۔ دو ہفتے!" انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ "مجھے اس شخص کے پاس جانا ہے۔ یا تو تم اور تمہاری کلائنٹ یہ سب ارینج کر کے دو گے، یا میں خود جیل توڑ کر چلا جاؤں گا، کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ کون سا آپشن بہتر ہے، اپنی کلائنٹ سے پوچھ کر بتا دینا۔"

وہ جتنی سنگینی اور قطعیت سے کہہ رہا تھا، احمر بے بسی سے اسے دیکھے گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا تھا کہ پرزن رائٹس جائیں جہنم میں، ارے ان قیدیوں کو تو الٹا لٹکا کر درے مارے جانے چاہئیں۔

"کون ہے وہ شخص؟"

اس نے جیسے ہار پوچھا تھا۔

☼ ☼ ☼

کئی بار دکھایا ہے ہمیں آئینہ وقت نے
ڈرتے جو ہار سے ہم، بے کار بن کر جیتے

انیکسی کے برآمدے میں نو وارد سرما کی شام چھائی تھی۔ وہ نہیں تھا تو موسم کی گرم جوشی بھی ہر روز ناپید ہوتی جا رہی تھی اور خوف کا کہر فضا میں رچتا بستا جا رہا تھا۔ برآمدے میں آدھے بندھے گھنگریالے بالوں والی، زمر سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی، سنجیدگی سے سامنے کھڑے، احمر کو سن رہی تھی جو بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز مجھ پہ چلائیے گا مت، مجھے قانون بھی مت سمجھائیے گا، مجھے معلوم ہے یہ سب کتنا غلط ہے مگر وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔"

بات ختم کر کے اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ خاموش کھڑی تھی، چہرہ نارمل تھا۔

"وہ اس سے اب کیوں ملنا چاہتا ہے؟ اتنا عرصہ جب وہ باہر تھا، تب کیوں نہیں ملا؟"

"میں نے بھی یہی پوچھا تھا، وہ کہتا ہے کہ پہلے وہ آہستہ آہستہ کام کر رہا تھا، مگر اب وقت نہیں ہے۔" پیامبر نے ہچکچاتے ہوئے پیغام دیا۔

"ٹھیک ہے‘ وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو ہم کروادیں گے ملاقات!" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

"واٹ؟ مطلب کہ۔۔۔" پھر منہ بند کیا‘ خفگی سے اسے دیکھا۔ "آپ کو اس کا مطالبہ برا نہیں لگا؟"

"نہیں۔ وہ سچائی جاننا چاہتا ہے‘ تو سچائی جاننے کا بہترین وقت دوران قید ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو کچھ کر بیٹھتا‘ لیکن اب اسے برداشت کرنا ہوگا۔" زمر نے شانے اچکائے۔ وہ ساری جمع تفریق کرچکی تھی۔

"یعنی آپ سچائی جانتی ہیں؟ آف کورس‘ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے" وہ جلدی سے اپنی حد میں واپس آیا۔ "مگر ہم اس کو حوالات سے نکالیں اور پھر واپس کیسے لائیں گے؟ یہ بہت خطرناک ہے!"

"میں کرلوں گی‘ تھوڑی سی آپ کی مدد چاہیے ہو گی۔ اور ہاں۔۔۔ ٹرائل کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر کی ضرورت ہے۔ پچیس ہزار فی گھنٹہ‘ رائٹ!" ذرا نرمی سے پوچھا۔

احمر اداسی سے مسکرایا۔ "مجھے آپ سے کوئی رقم نہیں چاہیے۔ میں صبح آؤں گا‘ ہم تب معاملات ڈسکس کریں گے۔" ذرا رکا۔ "ویسے میں وہی ہوں جس کو ایک زمانے میں آپ کورٹ میں کھڑی پراسیکیوٹ کررہی تھیں اور۔۔۔"

"احمر!" اس کی ایک نظر کافی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے جلدی سے بولا۔

"آف کورس آپ کو یاد ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

تب ہی برآمدے کا دروازہ کھول کر حنین تیزی سے باہر نکلی‘ احمر کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر ذرا کی ذرا خفا نظر اس پہ ڈالی۔ احمر الوداعی کلمات کہہ کر برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ مگر وہ دیکھنے کا خشمگیں سا انداز۔۔۔ بار بار اس کو کھٹک رہا تھا۔

کمپنی آفس میں بیٹھے وہ اسی سوچ میں گم تھا جب فاطمہ نے اس کے سامنے کافی کا مگ رکھا۔ اور مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ احمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ گلاسز لگانے والی گوری اور دلکش سی لڑکی تھی۔

"تمہارے خیال میں وہ مجھے ہر دفعہ اتنی ناگواری کیوں دکھاتی ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ فاطمہ نے گھونٹ بھرتے شانے اچکائے۔

"شاید تمہاری کسی بات سے ہرٹ ہوئی ہو۔"

"نہیں‘ میں نے تو دونوں دفعہ مختلف باتیں کی تھیں۔ مگر مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ لڑکی۔۔۔ سعدی کی بہن۔۔۔ وہ مجھ سے۔۔۔ ان سیکیور رہتی ہے‘ جیسے اسے مجھ سے کوئی خطرہ ہے۔" نفی میں سر ہلاتے وہ جیسے الجھا ہوا تھا۔ "اس لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔"

"احمر!" فاطمہ آگے ہوئی اور دلچسپی سے بولی۔ "اس کمپنی میں ہم نے کتنے مسئلے حل کیے ہیں۔ کوئی پزل پہلے ہم سے بچ سکا ہے کیا؟"

"نہیں!" وہ بھی دلچسپی سے آگے ہوا۔ "ایسا کرو‘ اس لڑکی کے بارے میں ہر معلومات مجھے ڈھونڈ کر دو‘ تاکہ ہم کوئی لنک جوڑ سکیں۔"

"راجر باس‘ لیکن ہم یہ کر کیوں رہے ہیں؟ اس کی فیملی تو تمہاری دوست ہے نا۔"

"ہاں وہ میرے دوست ہیں‘ لیکن میں متجسس ہوں اور جب تک میں اس کو حل نہیں کروں گا‘ مجھے چین نہیں ملے گا۔"

وہ بہت بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے ٹیک لگاتے سر کو خم دیا اور کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

گر وقت کبھی آنا باطل کی خدائی کا
ہم موت سے نہ ڈرتے‘ تلوار بن کر جیتے

کمرے میں ٹی وی کا بے ہنگم شور گونج رہا تھا۔ سعدی بیڈ پہ لیٹا تھا‘ پیر قینچی صورت بنا رکھے تھے اور عدم دلچسپی سے دیوار پہ نصب اسکرین دیکھ رہا تھا۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارک نیس جو وہ کتنی ہی دفعہ گزرے برسوں میں دیکھ چکا تھا‘ اس قید خانے میں سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔ (ٹی وی پہ صرف ڈی وی ڈی چلتی تھی کوئی چینل نہیں آتا تھا۔)

اکتا کر اس نے ٹی وی بند کیا۔ کمرے کی خاموشی

عجیب لگنے لگی۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور سوچنے کی کوشش کی کہ وہ اتنا بے سکون کیوں ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے چونکا۔

"اسکرین" "اسکرین میں سکون کب اور کس کو ملا تھا جو اسے ملے گا؟ بھلے وہ ٹی وی اسکرین ہو' کمپیوٹر اسکرین ہو یا موبائل اسکرین۔ اسکرین سستی' بے سکونی اور بے زاری عنایت کرتی ہے اگر یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہو! وہ اٹھا اور باتھ روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گیلے ہاتھ پیر اور چہرے کے ساتھ باہر نکلا اور اپنا قرآن لے کر اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھا۔

"پتا ہے کیا اللہ تعالیٰ' اس اسکرین کی نماز اور قرآن کے ساتھ ہمیشہ ایک جنگ چھڑی رہتی ہے۔ جتنی زیادہ ہمارے زندگیوں میں "اسکرین" آتی ہے' اتنی ہماری نماز کم ہوتی ہے۔ اور جتنی نماز آتی ہے' اتنی ہی اسکرین خود بخود جانے لگتی ہے۔ ہم بیک وقت دو دل نہیں رکھ سکتے۔ حیا سے عاری دل' اور مومن کا دل' یہ ایک سینے میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ خیر' آج کون سی سورۃ پڑھوں؟"

اس نے صفحے پلٹتے سوچا۔ وہی بے ترتیب قرآن کی روٹین۔ وہ چند سورتیں آگے پیچھے سے پڑھتا تھا۔ آج بھی اس نے النمل کھول کر تعوذ اور تسمیہ پڑھا۔

"میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

اس نے آیات دیکھیں۔ ملکہ سبا کو سلیمان علیہ السلام کا خط مل چکا تھا اور اس کو پڑھنے کے بعد کا قصہ کچھ یوں تھا۔

"وہ کہنے لگی۔ اے سردارو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو' تمہارے حاضر ہوتے ہوئے میں خود سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنے والی۔ انہوں نے کہا۔ ہم قوت والے ہیں' اور سخت زور والے ہیں' اور معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے' تو دیکھ لو کہ تم کیا حکم دیتی ہو؟"

"سو کیا مطلب ہوا ان آیات کا؟" سعدی دانت سے نچلا لب دبائے سوچنے لگا۔

"سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کریم جس میں لکھا تھا کہ میرے پاس مطیع و فرماں بردار بن کر چلی آؤ۔ اس کے بعد ملکہ اپنے سرداروں سے مشورہ لیتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مشورے کے لیے یہاں پر "فتونی" کا لفظ استعمال ہے' یعنی مجھے فتویٰ دو۔ اللہ تعالیٰ آپ نے "مشورے" کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ فتوے کا کیا۔ فتویٰ کہتے ہیں کسی مشکل مسئلے کے جواب کو۔ مجھے اس سے یہ سمجھ میں آیا ہے کہ فتویٰ "جواب" ہوتا ہے۔ جب مانگا جائے تب دیا جائے۔ یہ نہیں کہ جگہ جگہ اٹھتے بیٹھتے' ہم ہر کسی پہ فتوے لگاتے جائیں اور ملکہ کا قصہ ایک طرف' ہمارے ہاں ہر گلی کا مولوی' اور ہر یونیورسٹی کا اسلامک پروفیسر بھی فتوے لگا دیتا ہے' جبکہ اسلام میں ہر کوئی فتوے دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ مفتی کا مقام حاصل کرنے کے لیے خاص تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور کمرے کا وحشت ناک سناٹا اب آہستہ آہستہ سکینت بھری خاموشی میں بدل رہا تھا۔

"ویسے انسان کو ہمیشہ مشورہ کرنا چاہیے' مشورہ انسان کو رسوائی سے بچا لیتا ہے۔ بہترین مشورہ اللہ سے مشورہ ہوتا ہے اور بہترین فتویٰ دل کا فتویٰ ہوتا ہے' آخری فتویٰ۔ خیر۔"

اس نے صفحے کو دیکھا۔

"ملکہ نے مشورہ مانگا تو سردار ان قوم نے اپنی طاقت بھی واضح کردی اور آخری فیصلہ بھی ملکہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر آگے کیا ہوا؟" وہ پڑھنے لگا۔

"وہ کہنے لگی کہ بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد کرتے ہیں' اور وہاں کے رہنے والے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔" سعدی کو کچھ یاد آیا۔

"اللہ تعالیٰ' یہ آخری الفاظ "اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں" ان کے بارے میں دو آراء ہیں نا۔ پہلی رائے یہ ہے کہ یہ ملکہ کا ہی قول ہے' مگر مجھے دوسری رائے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے ملکہ کی بات پہ' کہ واقعی' طاقت کے نشے میں گم

لوگ دوسروں کی عزتوں کی پروا کہاں کرتے ہیں۔"

کمرے کی وحشت کسی حد تک کم ہو چلی تھی۔ اس کا منتشر ذہن دھیرے دھیرے کئی دن بعد فوکس کر پا رہا تھا۔ وہ عربی میں اگلی آیات پڑھنے لگا۔

"اور بے شک میں بھیجنے والی ہوں ان (سلیمان) کی طرف ایک ہدیہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ ہمارے قاصد کس چیز کے ساتھ لوٹتے ہیں۔"

"واہ ملکہ۔۔۔ مشورہ آپ نے ضرور مانگا سرداران قوم سے لیکن آخر میں کی تو آپ نے اپنی ہی مرضی۔" اس نے سوچا۔

"مجھے ہمیشہ یہ آیات پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ ملکہ ایک تو اپنے سرداروں کو چیک کر رہی تھی دوسرا وہ جنگ کے بجائے امن کے پیغام کو جسٹی فائی بھی کر رہی تھی۔ چیونٹیوں کی ملکہ کی طرح وہ بھی اپنی قوم کے لیے مخلص تھی اور سب کا سوچتی تھی۔ وہ قطعی فیصلہ کر سکتی تھی مگر تھی وہ ایک عورت ہی اس کو ایک فیصلہ لینے سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو اس فیصلے کی وضاحتیں اور صفائیاں دینا تھیں۔ وہ ملکہ ہو کر بھی چیونٹی تھی مگر وہ درست تھی۔ عورت اگر کبھی خاندان میں دب بھی جائے جارحیت کا جواب بھی صلح صفائی سے دے اور بظاہر چیونٹیوں کی طرح اندھی اور خاموش زندگی بھی گزار رہی ہو تو وہ بھی کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگوں کے سکون کے لیے اپنی انا کی قربانی دینا برا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟"

سعدی نے سر جھٹکا اور توجہ اگلی آیات کی طرف مرکوز کی۔

"تو جب وہ (قاصد) آئے سلیمان کے پاس (تحفے لے کر) تو وہ کہنے لگے۔ "کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو جو اللہ نے مجھے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ بلکہ اپنے تحفوں کے ساتھ تم خود ہی خوش ہوتے ہو۔ واپس جاؤ ان کے پاس ورنہ البتہ ہم ضرور ان کے پاس ایسے لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہو گی۔ اور ہم ان کو ان کی بستی سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ پست ہو کر رہیں گے۔"

"سبحان اللہ!" سعدی نے گہری سانس لی۔ "تحفے تحائف دینا پسندیدہ عمل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیا بھی کرتے تھے لیا بھی کرتے تھے۔ مگر سلیمان علیہ السلام نے کیوں یہ تحفہ قبول نہیں کیا؟ کیونکہ یہ رشوت تھی۔ رشوت اس شے کو کہا جاتا ہے جو جائز کو ناجائز یا ناجائز کو جائز بنانے کے لیے دی یا لی جائے۔ ملکہ کا تحفے بھیجنا اس امر کی نشان دہی تھا کہ وہ معاملہ خوشامد سے رفع دفع کرنا چاہتی تھی۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایسے پھندوں میں نہیں آتے تھے۔" وہ رکا۔

"مگر وہ کیوں نہیں آتے تھے ایسے پھندوں میں؟ کیا اس لیے کہ وہ پیغمبر تھے؟ نہیں بلکہ اس لیے کہ۔۔۔ کہ۔۔۔"

اس نے آیت میں ہی جواب ڈھونڈا۔

"اس لیے کہ انہوں نے اپنی نعمتوں کے بارے میں اعتراف کیا کہ یہ مجھے عطا کی ہیں اللہ نے۔ اور یہاں ان کے لاؤ لشکر جنات پرواز کی سواریاں مراد نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے پیغمبری۔ کتاب کا علم۔ اللہ کا قرب۔ تو جو اللہ کے آگے سجدے میں سر رکھتا ہو اس کا سر ان پھندوں میں نہیں پھنستا۔ ان کی یہ ساری شان یہ انکار یہ طریقہ یہ ان کے اصولوں کی وجہ سے تھا۔ اور اللہ یہ تو مجھے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتا یہاں ذلیل کرنے اور پست کرنے سے مراد جنگ کی خونریزی ہے۔ سلیمان علیہ السلام ملکہ کے پورے ملک کے عوام کی آخرت کی فکر کر رہے تھے۔ اگر ملکہ اور سرداران قوم نے اسی طرح پورے ملک کو سورج کی پرستش پہ لگائے رکھا تو اس قوم کو درست راہ دکھانے کے لیے حکمران طبقے کو جنگ کے ذریعے ملک سے نکالنا بھی غلط کام نہ تھا۔"

وہ آیات اتنی دلچسپ تھیں کہ سعدی کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے سب یاد تھا کہ آگے کیا ہو گا مگر قرآن ہر دفعہ انسان پہ نئے طریقے سے کھلتا ہے۔ اب سلیمان علیہ السلام کے

دربار کا منظر بتایا جا رہا تھا۔

"سلیمان علیہ السلام نے کہا۔

"اے سردارو، کون ہے تم میں سے جو ان کے مطیع ہو کر آنے سے قبل اس (ملکہ) کا تخت اٹھا کر میرے پاس آئے۔" وہ لحظہ بھر کو ٹھہرا اور مسکرایا۔

"ملکہ نے بھی کہا یاایھا الملو (اے سردارو) سلیمان علیہ السلام نے بھی کہا' یاایھا الملو (اے سردارو) ملکہ نے بھی ان کی قوت چیک کی' سلیمان علیہ السلام نے بھی ان کی طاقت جانچنی چاہی' مگر دونوں کا انداز مختلف تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے مشورہ نہیں مانگا' رائے نہیں مانگی' صرف جواب مانگا' کیونکہ جو وہ کرنے جارہے تھے' وہ نبوت کا معجزہ تھا اور کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جہاں آپ کو دوسروں کی آرا کے اثر سے نکل کر فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنی مرضی کی' ملکہ نے بھی اپنی مرضی کی' مگر مجھے ہمیشہ لگتا ہے کہ چونکہ وہ ایک عورت تھیں' اسی لیے اس کو صفائی اور وضاحتیں دینا پڑ رہی تھی۔" پھر اگلے الفاظ پہ نظر دوڑائی۔

"کہا جنات میں سے ایک عفریت (دیو) نے' میں اس (تخت) کو لاؤں گا تیرے پاس تیرے اس جگہ سے اٹھنے سے قبل' اور بے شک میں اس پہ قوی اور امین ہوں۔"

"کس جگہ سے اٹھنے سے قبل؟" سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ چونکہ وہ عربی کا قرآن تھا' تفسیر لکھی ہوئی نہ تھی' اور دو دن سے اسکرین دیکھ دیکھ کر فوکس کم ہوتا جارہا تھا۔ سو یہ دقت یاد آیا۔

"سلیمان علیہ السلام" کا دربار صبح سے نصف النہار تک لگا کرتا تھا' جن کا مطلب تھا کہ دربار ختم ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ فلسطین' جہاں سلیمان علیہ السلام تھے' سے قوم سبا کے ملک کا فاصلہ ہزاروں میل محیط تھا۔ وہ جن اس کو چند گھنٹے میں عبور کر سکتا تھا' مگر اس بے چارے کو بھی اس ہدہد کی طرح اپنی امانت کی صفائی دینی پڑ رہی ہے کہ میں اس تخت کے ہیرے موتیوں سے کچھ چراؤں گا نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کا کتنا رعب تھا اپنی رعیت پہ۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے تھے کہ جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے بڑوں کی ساری باتیں ہمیں عین موقعے پہ کیوں بھول جاتی ہیں؟"

گردن جھکائے رکھنے سے اس کی گردن دکھنے لگی تھی' مگر یہ طے تھا کہ پڑھتے وقت' اس کو آگے پیچھے کا ہوش نہیں ہو سکتا تھا۔

"کہا اس شخص نے' جس کے پاس کتاب کا علم تھا' میں لاؤں گا اس (تخت) کو تیرے پاس تیرے پلک جھپکنے سے بھی پہلے۔" (سعدی کو محسوس ہوا اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے)۔ "پھر جب دیکھا سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا' تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے' تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے' تو یقیناً" وہ شکر کرتا ہے اپنی ہی ذات کے لیے اور جو (یعنی کفران نعمت یا ناشکری) کرتا ہے' تو میرا رب تو بہت بے نیاز' بہت عزت والا ہے۔"

سعدی نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی۔

"یہ شخص کون تھا اور اس کے پاس کون سی کتاب کا علم تھا؟ آپ نے ہمیں یہ سب نہیں بتایا اللہ' بعض کہتے ہیں یہ خود سلیمان علیہ السلام ہی تھے مگر یہ قول کمزور ہے۔ زیادہ بہتر رائے ہے کہ یہ ایک انسان تھا' اسرائیلیات اس کا نام آصف بتاتی ہیں' اس کے پاس کسی خاص کتاب کا علم تھا جو جادو نہیں تھا' اور وہ پلک جھپکتے میں تخت کو سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آیا تھا۔ لوگوں کو عموماً" یہ آیت بہت ہی fascinate (فیسی نیٹ) کرتی ہے۔ مجھے اس سے اگلے الفاظ زیادہ فینسی نیٹ کرتے ہیں۔ پلک جھپکتے میں ہزاروں میل کا فاصلہ عبور کر کے تخت آجاتا ہے سلیمان علیہ السلام کے پاس' اور وہ کہتے ہیں یہ میرے رب کا فضل ہے۔ ہمارے پاس جب پلک جھپکتے میں ہزاروں میل دور سے کوئی ای میل' کوئی فیکس' کوئی ویڈیو کال آجاتی ہے' تو تو ہم کہتے ہیں' یہ سائنس کا فضل ہے' اسکائپ

کا فضل ہے' اسکائپ کا فضل ہے وائی فائی کا فضل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سلیمان نے اس ذی علم شخص کی تعریف نہیں کی ہوگی 'یقیناً' کی ہوگی مگر پہلی تعریف اللہ کی بیان کی۔ یہ سب سائنس کے کرشمے ہیں' اسکائپ' وائی فائی' سب' لیکن ہم' پہلی تعریف اللہ کی بیان نہیں کرتے۔ اللہ ہمیں نعمتوں سے اس لیے نہیں نوازتا کہ ہم بہت نیک ہوتے ہیں' بلکہ اس لیے نوازتا ہے کہ ہم ان کے بعد بھی نیک رہتے ہیں یا نہیں۔ ذکر نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے' اور شکر نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر کوئی ناشکری کرے' اور اللہ آپ نے ناشکری کے لیے ''کفر'' کا لفظ استعمال کیا' تو اللہ ناشکروں سے بے نیاز ہے' اور ان کی تعریف کے بغیر بھی اتنا ہی باعزت ہے۔''

وہ عموماً اتنی لمبی سوچ بچار نہیں کیا کرتا تھا' مگر فی الحال اس قصے کو بیچ میں ادھورا چھوڑنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ کمرے میں چھائی ٹی وی کی نحوست وقت' اور قید کا احساس' سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

''سلیمان نے فرمایا' بدل ڈالو اس کے لیے اس کا تخت' ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (ملکہ) ہدایت پاتی ہے یا بے ہدایت لوگوں میں سے ہو جاتی ہے' تو جب وہ آگئی' اس سے پوچھا گیا' کیا اسی طرح ہے تیرا تخت؟ بولی۔

''گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہم دیے گئے علم اس سے پہلے ہی اور ہم تھے اطاعت گزار۔''

''ان الفاظ میں کتنی وسعت ہے نا اللہ۔ ان کے بارے میں بھی دو آرا ہیں' ایک یہ کہ یہ پوری سطر ملکہ کا کلام ہے' دوسری یہ کہ ملکہ نے صرف تذبذب سے صرف اتنا کہا ''گویا کہ یہ وہی ہے۔'' صاف پہچانا بھی نہیں' صاف انکار بھی نہیں کیا' اور آگے کے الفاظ سلیمان علیہ السلام کے ہیں۔ یہ مجھے زیادہ بہتر رائے لگتی ہے۔ کاش قرآن پڑھنے والوں میں بھی اتنی ہی وسعت آجائے جتنی قرآن کی آیات میں ہے۔''

اس نے توجہ اگلے الفاظ کی طرف مبذول کی جہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا تھا۔

''اور روکا تھا (ملکہ) کو اس (سورج) نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔''

''روکا تھا؟'' وہ ایک دم چونکا۔ ''اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے؟ فجر کے وقت آپ کی آنکھوں پہ کیا چیز بوجھ ڈالتی ہے اور اٹھنے نہیں دیتی؟ صرف نیند میں اتنی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی آپ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں' عاجزی و انکساری سے کسی کے سامنے جھک جانے کو۔ مجھے یاد آرہا ہے اللہ' آپ نے ایک قرآن میں بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ''کیوں ہو تم ان کے آگے جم کے بیٹھنے والے۔'' تو جس بری چیز کے آگے ہم جم کو بیٹھتے ہیں ہمبھوت' مسحور' سحر زدہ' سے وہ ہمارے معبود ہوتے ہیں۔''

پلٹ کر ایک خفا نگاہ ٹی وی کی تاریک اسکرین پہ ڈالی۔

''اور جتنی زیادہ ان معبودوں کی مداخلت زندگی میں بڑھے گی' اتنی نماز کم ہوگی' یہ تو طے ہے۔'' پھر اس نے دھیان آج کے سبق کی آخری آیت پہ لگایا۔

''کہا گیا' ملکہ سے' داخل ہو جا محل میں (جو شیشوں کا بنا تھا) تو جب اس نے دیکھا (اس شیشے کے فرش کو) سمجھی اس کو حوض' اور پنڈلیوں سے (لباس) اوپر اٹھالیا تو فرمایا سلیمان علیہ السلام نے' بے شک وہ ایک محل ہے چکنا شیشے کا بنا۔ تو کہنے لگی' اے میرے رب بے شک میں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور میں اسلام لاتی ہوں سلیمان کے ساتھ' اللہ رب العالمین کے لیے!''

''شیشے کا محل!'' سعدی نے ٹھنڈی سانس بھرتے مقدس کتاب بند کی۔ ''کہتے ہیں اس محل کا کرسٹل کلیئر گلاس کا فرش تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ جو پہلے ہی اتنی متاثر ہو چکی تھی' اس اعجاز کو دیکھ کر تسلیم کرنے پہ مجبور ہوگئی کہ سلیمان علیہ السلام' اللہ کے رسول ہیں' اور جس شے پہ وہ ہیں' وہ ٹھیک ہے' اور اس کی ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت غلط تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ اس آیت سے ہمیشہ ایک بات

محسوس کی ہے۔ دین کی تبلیغ کرنے کے لیے صرف تقریر نہیں کرنی ہوتی' دوسروں کو متاثر بھی کرنا ہوتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندے کے ذریعے خط' تخت کو لے آنے اور شفاف شیشے کے محل سے ملکہ کو متاثر کیا' کیونکہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ جنات' چرند پرند اور ایسی مخلوقات اور علوم کا مسخر کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے معجزے سے ملکہ کو متاثر کیا۔ یہ قصہ پڑھ کر میرے جیسا عام انسان تھوڑا احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ بھئی ہمارے پاس تو نہیں ہیں شیشے کے محل' اور جنات کے لشکر' اڑنے والے تخت' دربار اور بادشاہی۔ مگر۔ ہمارا معجزہ یہ شان و شوکت ہے بھی نہیں۔ ہماری امت کا معجزہ ہے "قرآن" اور ہمیں قرآن سے لوگوں کو متاثر اور مسحور کرنا ہو گا۔ کبھی قرآن سنا کر اور کبھی خود چلتا پھرتا قرآن بن کر۔ تب ہماری تبلیغ دھیان سے سنی جائے گی۔"

نظریں جھکا کر ہاتھ اٹھا کر وہ اب دعا مانگنے لگا۔ چونکہ تلاوت ختم ہو چکی تھی تو کمرے کی وحشت ویسی ہی محسوس ہونے لگی۔ گو کہ وہ پہلے سے بہت کم تھی۔ مگر وہ وہاں موجود تھی' یہ چیزیں تیزی سے ختم نہیں ہوا کرتیں۔

سعدی نے نوٹ بک اٹھائی اور اس پہ وہی الفاظ لکھے جو فارس نے لکھے تھے۔ Haman۔

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے ملک کے لوگوں کی دنیا و آخرت بچائی اپنی "نعمت" استعمال کر کے۔ اس کو اپنی جان بچانی تھی اپنا ٹیلنٹ استعمال کر کے۔ اور وہ سرخ اسکارف والی لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ اس کو صرف ایک چیز یہاں سے نکال سکتی تھی۔ اس کی زبان۔

ایک عزم کے ساتھ اس نے ان حروف پہ کانٹا لگایا۔ مگر یہ صرف کانٹا نہیں تھا۔

یہ صلیب تھی!

☆ ☆ ☆
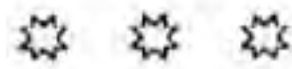
یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں

کسی یاد کو پکارو' کسی درد کو جگاؤ

سرما دھیرے دھیرے شہر کو لپیٹ میں لے رہا تھا۔ انیکسی میں عجیب ہو کا عالم تھا۔ اسامہ ٹی وی سے بیزار کونے میں اسکول کا کام لیے بیٹھا تھا۔ ابا کمرے میں لیٹے تھے۔ ندرت نے ریسٹورنٹ جانا چھوڑ رکھا تھا' وہیں کچن میں گول میز پہ بے خیال' کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہتیں۔ روز زمر سے کہتیں ان کو فارس سے ملنا ہے' پھر خود ہی ارادہ بدل دیتیں۔ ان کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔ باتیں گھٹ گئی تھیں۔ سب کے کمروں کی ترتیب بھی بدل گئی تھی۔ صداقت اب ابا کے ساتھ سوتا تھا' سیم اوپر ندرت کے ساتھ' اور حنین زمر کے ساتھ۔ کون کس سے خوف زدہ تھا' یا کون کس کا خیال رکھنا چاہ رہا تھا' یہ سوچنے کے دن نہیں رہے تھے۔

حنہ اس وقت نیچے تہہ خانہ میں تھی۔ اوپر زمر کے کمرے کی بتی مدھم تھی اور اندر وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی نماز پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیر کر اس نے خالی خالی نظروں سے ویران کمرے کو دیکھا۔ خالی صوفے کو دیکھا۔ اس کی ان چھوئی الماری کو دیکھا۔ وہ ہوتا تھا تو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہیں تھا تو ہر شے گواہی دے رہی تھی کہ وہ نہیں ہے۔ کیسے اس کے خاندان نے چار سال گزارے ہوں گے اس کے بغیر؟ زمر کا سر جھک گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ پیالہ سوالی کی صورت اٹھائے۔

"میں نے بہت غلط کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ۔ وہ بے گناہ تھا مگر میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میں نے اس کو اس جہنم سے نہیں نکالا۔ میں کیسے اس احساس جرم سے نکلوں؟ وہ اچھا انسان ہے مگر مجھے اس سے کوئی محبت' کوئی نفرت کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں' دل میں' میں اب بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ مگر مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ پلیز میری مدد کریں۔ کوئی راستہ نکالیں۔ مجھ سے بات کریں۔"

آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دل بھی دکھی تھا۔ تب ہی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی' اور وہ

اپنے خاندان کے ہر بندے کی مختلف چاپ پہچانتی تھی۔ فوراً" آنکھیں رگڑیں۔

دروازہ کھلا اور حنین اندر داخل ہوئی۔ پھر بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔ دفعتاً" گردن اونچی کرکے اسے دیکھا۔ وہ جائے نماز تہ کرکے کھڑی ہو رہی تھی۔

"میں کتنی دیر پہلے آئی تھی' آپ تب بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔"

"اتنا وقت تو لگ ہی جاتا ہے۔" وہ رسان سے کہتی میز پہ جائے نماز رکھ کر دوپٹے کو کھولنے لگی۔ حنہ کہنی کے بل اونچی ہوئی' اور ہتھیلی تلے گال رکھ کر اسے دیکھا۔

"آپ اتنی لمبی نماز میں کیا پڑھتی ہیں؟"

"ساری مسنون دعائیں!" وہ رخ موڑے کھڑی اب دوپٹے سے بال آزاد کر رہی تھی۔

"کون سی ساری دعائیں؟ میں تو سبحنک اللھم پڑھتی ہوں' پھر سورہ فاتحہ' پھر قل ہو اللہ' پھر رکوع سجدہ التحیات' درود' رب اجعلنی اور پھر سلام۔" منٹ بھر میں حنہ کی نماز ختم ہو گئی تھی۔

"تم ہر اسٹیپ کی صرف ایک دعا پڑھتی ہو؟" وہ اسی طرح رخ موڑے بال برش کرنے لگی۔

"ہاں' تو ہر اسٹیپ کی ایک ہی دعا ہوتی ہے' ہمیں مولوی صاحب نے ایسے ہی سکھائی تھی بچپن میں۔"

زمر اس کی طرف گھومی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب کم تھا۔ "اور مولوی صاحب نے کہاں سے سیکھی تھی نماز؟"

"اپنے مولودی صاحب سے۔ سوری۔ مطلب حدیث کی کتابوں سے۔" گڑبڑا کر تصحیح کی۔

"ہم سب کو نماز سکھائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ انہوں نے ہر اسٹیپ کی کئی دعائیں سکھائی تھیں۔ یہ بھی فرمایا کہ جو تین دفعہ سبحان ربی الاعلی سجدے میں پڑھتا ہے تو اس کا سجدہ تو ہو جاتا ہے' مگر وہ ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟ ہم سبحان ربی الاعلی نہ پڑھا کریں؟"

"اف! میں نے یہ کب کہا نہ پڑھا کریں۔ یہ تو لازمی ہے پڑھنا۔ مگر رکوع و سجود کو "اعلا" یعنی بہترین بنانے کے لیے دوسری دعائیں بھی پڑھنی ہوتی ہیں۔ نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے' مگر ان کے ساتھ زیادہ اچھی ہوتی ہے۔"

"دوسری دعائیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک دم پریشان۔ "ہاں بھائی بھی شاید پڑھتا تھا' مگر مولوی صاحبان کیوں پوری نماز نہیں سکھاتے!"

"کیونکہ وہ ایک چھ سال کے بچے کو ایک دم بوجھل نہیں کرنا چاہتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود ہی سیکھ لے گا۔ یہ ساری دعائیں احادیث کی صحیح کتب میں درج ہیں' جن میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ مگر بڑے ہو کر کوئی نہیں سیکھتا کیونکہ نوے فیصد مسلمانوں کو علم ہی نہیں ہوتا کہ نماز کی اور دعائیں بھی ہیں۔ یا یہ کہ قل ہو اللہ کی جگہ قرآن کی دوسری سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔" وہ وہیں ڈریسر کے اسٹول پر بیٹھی بال برش کرتے کہہ رہی تھی۔

حنین الجھ گئی تھی۔ "تو وہ جو ہم سنتے ہیں کہ ہمارے بزرگ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے' وہ اس لیے کہ وہ ان میں تمام دعائیں پڑھتے تھے؟"

"بالکل۔"

"میں سمجھی الفاظ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوں گے۔ سوری۔" وہ ذرا شرمندہ ہوئی۔ "اچھا' مجھے بھی بتائیں' کون سی دعائیں پڑھنی ہیں۔"

"حنہ!" وہ حنہ کی طرف گھومتے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ "تم ایک باشعور پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہیں نصیحت کرنا میرا کام ہے' تمہارے منہ میں نوالے بنا کر دینا میرا کام نہیں ہے۔ میں ناصح ہوں' استاد نہیں۔ تم اگر ناولز پڑھ سکتی ہو' کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہو' تو تم احادیث کی کتابیں بھی خود کھول کر ساری دعائیں یاد کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنی نماز کو اعلا بنانے کے لیے خود محنت کرنی ہو گی۔"

"اچھا!" اس کا چہرہ اتر گیا۔ (ایک دو دعائیں بتا دیتیں تو کیا ہوتا؟)

"اور تم بالکل بھی نماز نہیں پڑھتی ہو حنعہ۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔ حنین لب کاٹتے بستر پر لکیریں کھینچنے لگی۔

"دیکھیں، میں فجر پہ نہیں اٹھ پاتی۔ فجر نہ پڑھوں تو باقی پڑھنے کا کیا فائدہ؟"

"فائدے نقصان کے لیے نماز نہیں پڑھی جاتی' ایکسر سائز اور صحت کے لیے بھی نہیں پڑھی جاتی' نماز اللہ کو خود سے راضی رکھنے کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ دیکھو حجاب کرنا یا نہ کرنا ایک اچھی مسلمان اور ایک کم اچھی مسلمان لڑکی میں فرق کرتا ہے' سچ اور جھوٹ مومن اور منافق میں فرق کرتا ہے' مگر نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرتی ہے۔"

"یار! اب ایک دم سے مجھے کافر تو نہ بنادیں۔"

"سوری حنعہ! مگر یہ بات میں نہیں کہہ رہی۔ یہ حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے۔ نماز کے بغیر ہم مسلمان کیسے ہوسکتے ہیں؟"

"مگر زمرا مجھ سے فجر پہ نہیں اٹھا جاتا۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں کوشش نہیں کرتی؟ کرتی ہوں۔ الارم بجتا ہے' امی بھائی سب اٹھاتے ہیں۔ میں نہیں نہیں نہیں اٹھ سکتی۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"الارم کلاک باتھ روم میں رکھ کر سویا کرو۔ اٹھ جاؤ گی۔" ایک وقت کے لیے اتنی نصیحت کافی تھی' وہ بال لپیٹتے اٹھی۔ "اب بتاؤ' جو کام میں نے تمہیں دیا تھا' وہ کرلو گی؟ اچھا اب یوں دل مسوس کر نہ بیٹھو' تمہیں تو اتنی ساری قرآن کی سورتیں حفظ ہیں' جب تک نماز کی دعائیں نہیں ملتیں' ان ہی کو سورہ اخلاص کی جگہ پڑھ لیا کرو۔ یاد تو ہیں ناوہ؟"

"وہ؟" وہ چونکی۔ "جی جی یاد ہیں۔" جلدی سے نگاہیں جھکائیں اور ٹیبلٹ سامنے کرلیا۔

ایک حافظ قرآن کے لیے کسی دوسرے کو یہ بتانا یا سمجھانا کہ وہ قرآن بھول چکا ہے' بہت مشکل' بہت تکلیف دہ تھا۔

☼ ☼ ☼
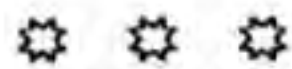
خود کو سنتے ہیں اس طرح جیسے
وقت کی آخری صدا ہیں ہم

اس رات سعدی اپنے کمرے میں آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا' نیند میں تھا جب ایک دم اس کے وجود میں بے چینی سی پھیلی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اف۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارکنیس اتنی دفعہ دیکھنے کے باعث خواب بھی جنگلوں اور شیروں والے آرہے تھے۔ وہ فلم کا منظر مسلسل پوری رات خواب میں دیکھتا رہا تھا۔ کیا زندگی میں یہ غارت گرکم تھے جو اب خواب میں بھی ان ہی کو دیکھنا ہوگا؟ وہ دائیں جانب کروٹ لیتے' گال تلے دونوں ہاتھ رکھے' اسی فلم کی کہانی سوچنے لگا۔ وہ نیشنل جیوگرافک ٹائپ کے چینل نہیں دیکھتا تھا' اس کا خیال تھا کہ انسانوں کے مسائل زیادہ توجہ طلب ہیں۔ مسز کاردار دیکھتی تھیں ایسے شوز۔ اکثر اس کو بتایا کرتیں۔

وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے' آنکھیں موندے گھوم پھر کر اسی نہج پہ سوچنے لگا۔ جواہرات۔ وہ مادہ غارت گر کی کہانی۔ اور اگلی ملاقات میں اس کی اتنی بے عزتی کرنا۔ وہ میری سے بات کررہا تھا۔ ان کو اچھا نہیں لگا تھا۔ اس کا ذہن نیند میں ڈوب رہا تھا۔ میری کے الفاظ کی بازگشت ہر سو سنائی دے رہی تھی۔ وہ مجھ سے خائف رہتی تھیں سعدی! جیسے ان کو مجھ سے کوئی ڈر ہو۔ ان کی ایما پہ فینو نا نے مجھے نوکری سے نکلوایا۔ آخری دفعہ میں ان کو دیکھا تھا۔ اورنگ زیب کے باتھ روم کے پچھلے دروازے سے نکلتے۔ پچھلے دروازے۔ بیک ڈور۔ پچھلا دروازہ۔

وہ ایک دم بجلی کی سی تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ گھبرا کر وہ بستر سے اترا اور ساری بتیاں جلادیں۔ پیشانی پہ ہاتھ پھیرا۔ جسم کانپ رہا تھا۔

پھر جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چست گارڈ نے فوراً کھولا۔

"میری کو بلاؤ۔" وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ گارڈ نے آواز دی۔ میری نیند سے بھری آنکھوں سے بھاگتی آئی۔

"کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو گئی تھی۔ سعدی نے اسے اندر آنے دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔
"اس کمرے میں کوئی سننے کا آلہ' کوئی ریکارڈر تو نہیں ہے نا؟"
"نہیں۔ یہ لوگ اتنے فارغ نہیں ہیں کہ تمہاری باتیں سنیں۔ کیا ہوا ہے؟"
"تم نے مسز کاردار کو اور نگ زیب کاردار کے باتھ روم سے نکلتے دیکھا تھا؟" وہ سانس روکے اس کو دیکھتے پوچھ رہا تھا۔
میری کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آہستہ سے صوفے پہ بیٹھی۔ "ہاں۔"
وہ تیزی سے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔
"اگر مسز کاردار کے وہاں سے نکلتے وقت اور نگ زیب زندہ تھے تو انہوں نے وہ دروازہ ضرور لاک کیا ہوگا۔ میں نے سنا تھا ہاشم نے باتھ روم کا دروازہ توڑ کر مردہ باپ کو وہاں سے نکالا تھا۔ یاد کرو میری! یاد کرو۔ دروازہ توڑنے سے پہلے پچھلا دروازہ چیک کیا تھا کسی نے؟"
"وہ لاکڈ تھا۔" میری خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔
"کسی نے چیک کیا تھا؟ تم نے؟"
"میں کرنے لگی تھی' مگر۔ مسز کاردار نے مجھے نوشیرواں کو بلانے بھیجا' انہوں نے ہی چیک کیا تھا۔"
سعدی نے تھکی تھکی سانس اندر کھینچی۔ "اور جب دروازہ ٹوٹا تو؟"
"تو میں نے دیکھا' پچھلے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔ سعدی! میں فلپینو میڈ ہوں' میں گھر کے چپے چپے پہ نظر رکھتی ہوں' مجھے اچھی طرح یاد ہے' کنڈی کھلی تھی' مگر جب میں ڈاکٹر کو کال کر کے آئی تو کنڈی بند تھی۔" وہ اب بھی گویا نیند میں بول رہی تھی۔
"اور تمہیں ڈاکٹر کو کال کرنے مسز کاردار نے بھیجا ہوگا؟" میری نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی اٹھا اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔
میری جیسے نیند سے جاگی۔ "تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہی ہوں سعدی؟"
"شش!" اس نے ہونٹوں پہ انگلی رکھی۔
"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں میری! اور یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔" پھر انگلیاں بالوں میں پھنساتے سر نیچے گرا لیا۔ میری اب بھی بے یقین تھی' مگر وہ حیران نہیں تھی۔
"میں پچھلے ڈیڑھ دو سال سے یہی سوچتی آئی ہوں سعدی! مگر میں اتنا بڑا نتیجہ نکالنے سے ڈرتی تھی۔" اس نے جھرجھری لی۔
"تم یہاں سے نکلنا چاہتی ہو میری؟" اس نے ایک دم سر اٹھا کر پوچھا تو میری کو اس کی آنکھوں میں چمک نظر آئی تھی۔
"مجھے صرف اپنی ملازمت واپس چاہیے۔"
"ٹھیک ہے' ہم اس معلومات کو استعمال کریں گے۔"
"چھوڑو اس سب کو' سعدی! بھول جاؤ۔" وہ خائف ہوئی۔ سعدی زخمی سا مسکرایا۔
"میری! یہ طے ہے کہ ہم میں سے ایک سولی چڑھے گا اور دوسرا اپنے پرانے مقام پہ واپس آجائے گا۔ تم خطرہ مول لینے کو تیار ہو میری؟"
میری نے تذبذب سے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی نے سر پھر سے ہاتھوں میں گرا لیا۔ نیند جانے کتنے دن کے لیے اڑ چکی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ دو سال کیوں نہ سمجھ سکا؟

☼ ☼ ☼

ان ہی خوش گمانیوں میں کہیں جان سے بھی نہ جاؤ

وہ جو چارہ گر نہیں ہے اسے زخم بھی کیوں دکھاؤ؟
سرہا کی اس سہ پہر ملاقاتی کمرے میں وہ جیسے ہی داخل ہوا' نگاہ سامنے بیٹھی سارہ اور اہل پہ پڑی۔ فارس کی آنکھوں میں تفکر ابھرا۔ زمر کا ایک اور احسان کہ سپاہیوں نے انہیں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ سارہ نے سر اٹھا

کر اسے دیکھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ زرد سا لگتا تھا۔ سر کے خم سے سلام کیا۔ امل بھاگتی ہوئی آگے آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ اس نے جھک کر اسے گلے لگایا' پھر ساتھ لیے سامنے آبیٹھا۔ وہ خوش نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ کو ادھر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"تمہیں لگتا ہے ہمیں آنا چاہتی تھی؟" سارہ کی آنکھوں میں شکوہ ابھرا۔ "امل پاگل ہو رہی تھی تمہارے لیے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب تم اسے چھوڑ کر گئے ہو۔" نہ گلہ نہ شکوہ۔ بس وہ دکھی تھی۔ فارس کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہوا۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ وہ بالوں کی اونچی پونی باندھے' ٹھوڑی سینے سے لگائے' اس کے ہاتھ کے زخم کے نشان پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

"آپ کیسی ہیں؟" نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی مگر نرمی سے سارہ کو مخاطب کیا۔

"تم جیل میں ہو تو ہم سب کیسے ہو سکتے ہیں۔ تم باہر تھے تو ایک سکون تھا' پتا نہیں کس چیز کا مگر سکون تھا' اب نہیں رہا۔"

"میں غصہ ہوں' میں خفا ہوں تم پہ فارس!" وہ بے بس سی اس کو دیکھ کر کہہ رہی تھی جس کی شیو ذرا بڑھی تھی' اور ہونٹوں پہ کٹ کا نشان تھا' مگر آنکھوں میں وہی سپاٹ پن تھا۔ "کیوں بار بار مصیبت میں پھنس جاتے ہو؟ ہمیں کب یقین ہو گا کہ تم اب ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا سارہ۔"

"پتا نہیں سب کب ٹھیک ہو گا۔ جو سعدی کے ساتھ ہوا' جس طرح ان لوگوں نے اس کو گولیاں ماریں' پھر اس کو جانوروں کی طرح پیٹا۔" سارہ کی آنکھیں بولتے بولتے گلابی ہوئیں۔ "پھر اس کو اغوا کر کے لے گئے۔ یہ سب پتا نہیں اب کس کس کے ساتھ دہرایا جائے گا۔"

پھر سر جھٹکتے ہوئے ایک پیکٹ امل کی طرف بڑھایا۔ "امل! دو چاچو کو۔" اور وہ جو سارہ کی بات پہ ایک دم سے اسے دیکھنے لگ گیا تھا' ذرا چونکا۔ امل نے فوراً" پیکٹ تھاما اور اس کو تھمایا۔

"یہ بابا کا سوئیٹر ہے۔ ماما نے کہا' سردی بڑھ گئی ہے بارشوں کے بعد سے' تو آپ کو چاہیے ہو گا۔" وہ شرما کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک نظر ہاتھ سے بنے بھورے سوئیٹر کو دیکھا' پھر اس کے سر کے بال ہولے سے تھپکے۔ بولا کچھ نہیں۔

"اپنا خیال رکھنا فارس!" وہ اب جانے کے لیے اٹھ رہی تھی۔ فارس بھی کھڑا ہو گیا۔

"عجیب بات ہے سارہ! سعدی کے بارے میں سوشل میڈیا' پولیس' رپورٹرز' سب نے کہا تھا کہ اسے "پہلے" مارا پیٹا گیا' گولی "بعد" میں ماری گئی' کیونکہ گولیاں عموماً" آخر میں ہی ماری جاتی ہیں' مگر اس کے ڈاکٹر نے ایک دن یونہی مجھے بتایا کہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے "پہلے" گولیاں ماری گئیں' پھر مار پیٹ کی گئی۔"

"اس میں عجیب کیا ہے؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔ فارس اس کی آنکھوں کا رنگ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

"صرف یہی کہ آپ کو بھی درست ترتیب معلوم ہے۔" سارہ کا سانس ایک دم تھم گیا۔

"نہیں' میں تو بنا سوچے بول رہی تھی۔ اب تو اپنی کہی باتیں خود بھی نہیں یاد رہتیں۔" بہ دقت مسکرائی۔

"آف کورس' میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔" فارس نے سر کو خم دے کر احترام سے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

☼ ☼ ☼
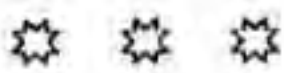
سارہ کے جانے کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ زمر کے ساتھ اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ سارہ کے برعکس وہ جو اس ماحول کی عادی تھی' سامنے بیٹھی سنجیدگی سے نوٹ پیڈ پہ قلم گھسیٹتی اسے کل کا لائحہ عمل لکھ کر بتا رہی تھی۔ (دیواروں کے کانوں کی کیا خبر) ساتھ ہی بار بار شیشے کی چھوٹی بوتل سے پانی کا گھونٹ بھی بھرتی

اور رکھ دیتی۔
"چونکہ بدقسمتی سے میں تمہاری وکیل ہوں' اس لیے اپنے اور قمرالدین صاحب کے تعلقات کی تفصیل بتاؤ مجھے۔"
"مجھے یاد نہیں۔" وہ بے زاری سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
"فارس! ایسے نہیں چلے گا۔ میں تمہارا کیس کیسے لڑوں گی جب تم مجھے کچھ بتاؤ گے ہی نہیں؟"
"تو مت لڑیں۔ میں نے نہیں کہا لڑنے کو۔" اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے شانے اچکائے۔ زمر نے بمشکل ضبط کیا۔
"میری بھی مجبوری ہے فارس غازی! کیونکہ میں نہیں بھولی کہ ہم ایک ٹیم ہیں! اس لیے مجھے کچھ تو بتاؤ تاکہ میں ٹرائل کی تیاری کر سکوں۔"
وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' اسے دیکھتا رہا۔ "مجھے یاد نہیں۔"
"پھر سڑو حوالات میں!" وہ کھول کر اٹھی' شیشے کی بوتل' اور فائلز اٹھائیں اور دروازے کی طرف بڑھی۔
"جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔" وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا تھا۔
زمر دروازے پہ رکی۔ مڑی نہیں۔ "کیا کہا تم نے؟"
"جائیں زمر بی بی! میرے پاس آپ سے بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔
زمر دو قدم آگے آئی' فائلز میز پہ دھریں' اور غرائی۔ "میں نے پوچھا۔ کیا۔ کہا تم نے۔"
"میں نے کہا' جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔"
زمر کے کان سرخ پڑ گئے' چہرہ دہکنے لگا۔ خالی ہاتھ اور بوتل والا ہاتھ میز پہ رکھ کر آگے کو جھکی۔
"کیسے کہہ سکتے ہو تم کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے؟ اس ملک میں کوئی قانون پہ چلنے والا نہیں ہے؟ اگر اس ملک میں کوئی ایمان دار نہ ہوتا تو تمہارا بھائی کیسے ایمان دار تھا؟ یہ ملک زندہ کیسے ہے اگر اس میں قانون نہ ہو؟ اور پلیز' مت شروع کرنا میرے سامنے اپنے ٹرائل کا ذکر۔ ہاں ٹھیک ہے' نہیں ہوا تمہارا فیئر ٹرائل' تم بری بھی بلیک میلنگ کے ذریعے ہوئے تھے۔ تمہیں "انصاف" نہیں ملا عدالت سے' لیکن اپنے اس بددماغ سے دماغ میں یہ بات بٹھالو فارس غازی! کہ اس ملک' بلکہ دنیا کے ہر ملک کی عدالتیں "انصاف کی عدالتیں" نہیں ہوتیں' وہ "قانون کی عدالتیں" ہوتی ہیں۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرموں کو ملک سے راتوں رات بھاگنا نہ پڑتا' لوگ گواہوں کو نہ خریدتے' پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ میں ایگزٹ اسٹیمپ نہ لگاتے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرم دھڑلے سے جرم کر کے عدالت میں تسلیم بھی کر لیتے مگر کوئی۔۔۔ کوئی نہیں تسلیم کرتا عدالت میں' کیونکہ اسے پتا ہے اگر تسلیم کر لیا تو فیصلہ قانون کے مطابق ہوگا۔ اسی ملک میں عدالتوں نے کئی دفعہ ہر خطرے' اور ہر دھمکی سے بے خوف ہو کر بڑے بڑے نڈر فیصلے بھی کیے ہیں۔ اسی ملک میں بڑے بڑے لوگوں کو ان چھوٹے چھوٹے ججز نے جیل بھیجا ہے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو کوئی ایک شخص بھی رات کو سو نہ سکتا' مگر ہم سب سوتے ہیں' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ابھی اتنی بھی اندھیر نگری نہیں مچی۔ قانون کمزور ہے' بے بس ہے' مکروہ "ہے"۔ وہ ہے تب ہی تو اس سے گلہ ہے۔ اس ملک میں۔ فارس غازی۔ قانون۔ ہے۔ اور چاہے تم اسے مانو یا نہ مانو۔ وہ قانون' مجھ سے' تم سے' ہم سب سے اوپر ہے۔ اس لیے آئندہ میرے سامنے یہ کہنے کی ہمت نہ کرنا کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے۔ سنا تم نے؟ سنا تم نے؟"
بے ربط سانسوں کے درمیان غصے اور برہمی سے غراتے وہ کہہ رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتا سن رہا تھا' جب زور کا چھناکا ہوا۔ زمر نے جو کانچ کی

نازک بول بے حد سختی سے بھینچ رکھی تھی، وہ اس کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی تھی۔ ''آہ''۔ وہ ایک دم پیچھے کو ہوئی۔ چھن چھن، ٹکڑے نیچے گرے۔

وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔ کانچ اندر بھی لگا تھا اور خون بھل بھل گر رہا تھا۔ تیز تیز سانس لیتی زمر نے ناراضی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی بھی پکڑلی، پھر ایک خفا نظر زمر کے دہکتے گلابی چہرے پہ ڈال کر آہستہ سے کانچ نکالنے لگا۔ درد کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کرلیں پھر فوراً کھول دیں کہ ان میں پانی در آیا تھا۔

''یہی چاہتے تھے نا تم، کہ میں تمہارے سامنے ٹوٹوں؟ روؤں؟'' آنسو اندر اتارتی وہ اسی برہمی سے بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔

فارس نے کانچ نکالتے چونک کر اسے دیکھا، اور جیسے کچھ کہنے لگا تھا۔ جیسے انکار کرنے لگا تھا، مگر پھر خاموشی سے سر جھکائے کانچ نکالا۔ خون ایک دم تیزی سے بہنے لگا تھا۔ ہتھیلی کے عین وسط میں کٹ لگا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کسی چیز کی تلاش میں دیکھا، مگر کچھ بھی نہ تھا، تو ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑے، دوسرا ہاتھ ہتھیلی پہ رکھ کر دبایا۔ اس کے اپنے ہاتھ بھی خون آلود ہونے لگے۔ چند بوندیں نیچے بھی گری تھیں۔ دونوں اسی طرح چند لمحے کھڑے رہے، پھر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، وہ ان ہی گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایک طرف میرے زخموں پر مرہم لگاتے ہو، کہتے ہو کہ میں روڈ، Bossy، غصہ ور اچھی لگتی ہوں، روتے ہوئے نہیں، اور دوسری طرف کہتے ہو۔ مجھے گرا ہوا، ٹوٹا ہوا، رسوا اور ذلیل ہوا دیکھنا چاہتے ہو؟ ان میں سچ کون سا ہے؟''

وہ اسی طرح زخم پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور وہ پوچھ رہی تھی۔

''اگر وہ ریسٹورنٹ والی باتیں سچ تھیں، تو پچھلی ہر بات جھوٹ تھی، یہ بھی جھوٹ ہے۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا، مگر اس نے مزید مضبوطی سے پکڑلیا۔

''اونہوں، ایک منٹ۔ خون رکنے دیں۔''

''پتا ہے کیا فارس!'' وہ اسی شاکی انداز میں بولی تھی۔ ''تم دو دلوں کے ساتھ جی رہے ہو۔ ایک میں زرتاشہ سے محبت نہ کرنے کا گلٹ (احساس ندامت) ہے، ایک میں مجھ سے بہت زیادہ محبت کرلینے کا گلٹ ہے۔ تمہارے یہ دونوں دل جھوٹ بولتے ہیں۔ زرتاشہ سے محبت تھی تمہیں، اور تمہاری سوچ سے زیادہ ہی تھی۔ یہ صرف گلٹ نہیں ہے، جس کی وجہ سے لڑ رہے ہو اس کے لیے۔ اور رہی میں!''

اس نے بھیگی پلکیں بند کرکے آنسو اندر اتارے اور جب آنکھیں کھولیں تو وہ خشک تھیں۔

''تو مجھ سے تمہیں زرتاشہ سے کئی گنا زیادہ محبت ہے، مگر وہ اتنی اونچی اور عظیم نہیں ہے کہ تم اس میں ہر چیز معاف کردو۔ نہ وہ اتنی کمزور اور کھوکھلی ہے کہ تم اس میں مجھے گرا ہوا دیکھنے کی خواہش کرو۔ اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی کے سینے میں دو دل۔ تمہیں اپنے دل کو ایک جگہ ایک طرف رکھنا ہوگا اور خود سے سچ بولنا پڑے گا۔''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا۔ پھر چہرہ جھکائے اپنا ہاتھ ہٹا کر دیکھا، ہتھیلی کے کٹ سے بہتا خون رک چکا تھا۔ اسی طرح اس نے زمر کا ہاتھ اوپر کیا، اور لبوں سے لگایا۔ آنکھیں بند کیے۔ چند لمحے، چند سانسیں۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ ''اپنا خیال رکھا کریں۔''

''یہ بھی جھوٹ ہے۔'' زمر نے دکھ سے اسے دیکھا، اور اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئی۔

پھر الٹے قدموں واپس آئی، اور ادھ کھلا دروازہ زور سے دے مارنے کے انداز میں بند کیا۔ اس کی دھمک اب کتنی ہی دیر دونوں کے کانوں میں گونجتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کہانیاں ادھوری، جو نہ ہوسکیں گی پوری
انہیں میں بھی کیوں سناؤں، انہیں تم بھی کیوں سناؤ؟

اسپتال کے پرائیویٹ رومز کی راہداری میں سفید بتیاں روشن تھیں۔ چمکتے فرش پہ ان تینوں کا عکس نظر آرہا تھا۔ سفید اوور آل پہنے، موٹا چشمہ لگائے اور بال جوڑے میں باندھے حنین ایک فربہی مائل نرس سے بات کررہی تھی۔ تب ہی سیم نے اسے فکر مندی سے دیکھا۔

"حنہ! تم ویسے کرلوگی جیسے پھپھو نے کہا ہے۔"

"ہاں۔ مسئلہ ہی نہیں ہے۔" حنہ نے شانے اچکائے، فولڈر سنبھالا، عینک ناک پہ پیچھے دھکیلی اور سیم کو وہیں چھوڑ کر نرس کے ساتھ آگے چلی گئی۔

اسپتال کی دوا اور شفا سے رچی بسی فضا میں لمحے خاموشی سے پھسلتے رہے۔ ایک کمرے میں بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی حنین اب گلاسز اتارے سامنے نیم دراز سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھ کر اسی اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

"آپ ساری تفصیل سن چکی ہیں، شنزا! میں ڈاکٹر نہیں ہوں، آپ سے ملنے کے لیے یہ کرنا پڑا کیونکہ باہر سیکورٹی بہت ہے۔ یہ میرے بھائی کے کیس کی تفصیلات ہیں۔"

اس نے فائل کھول کر شنزا ملک کے سامنے کی۔ وہ پیچھے کو ہوئی، بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے، نقاہت زدہ مگر سپاٹ نظروں سے حنہ کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ بھی اغوا ہوا تھا آپ کی طرح۔ آپ مل گئیں، وہ نہیں ملا۔ اس کو اغوا کرنے والا نیاز بیگ۔ میری فیملی کو اسے جیل میں رکھنے کے لیے آپ کے کیس کو وجہ بنانا پڑا۔ تب آپ کوما میں تھیں۔ شکر ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔

شنزا اب بھی خاموش تھی۔ نرس دروازے پہ بے چین سی کھڑی تھی۔

"ایک ہفتہ آپ کو ہوش میں آئے ہوگیا ہے، لیکن آپ اپنے مجرموں کے بارے میں کوئی بیان نہیں دے رہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ خوف زدہ ہیں۔ آپ بہت ٹارچر سے گزر رہی ہیں۔ ہم بھی گزر رہے ہیں۔ اسی لیے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اپنے مجرموں کا نام آپ لیں یا نہ لیں، لیکن اس شخص نیاز بیگ کو جیل سے نہ نکلنے دیں، تاکہ کل کو کوئی اور شنزا یا سعدی کو نہ اغوا کیا جاسکے اور ہاں....." اس نے اضافہ کیا۔ "آپ کو اپنے مجرموں کے خلاف کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

گویا دیوار سے بولتے بولتے وہ چپ ہوگئی۔ اب مزید کیا کہے۔

"تمہیں پتا ہے، دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟" وہ حنہ کے چہرے پہ نظریں جمائے تلخی سے گویا ہوئی۔

حنین کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "سوری، میں....."

"ان گنت۔ دنیا میں ان گنت آوازیں ہوتی ہیں۔ جسم کے پتھریلی زمین پہ گھسٹنے کی آواز، کمر سے پتھر رگڑنے کی خراشوں کی آواز... سوکھے پتوں اور جھاڑیوں پہ کھینچے جانے کی آواز... بیچ جنگل کے آپ کو لا پٹخنے کی آواز... پھر گڑھا کھودنے کی... مٹی باہر پھینکنے کی آواز... بالوں سے کھینچ کر گڑھے میں ڈالنے کی آواز... ہاتھوں سے مٹی اوپر ڈالنے کی آواز... مٹی کے اوپر پتے ڈالنے کی... پھر سوکھے چرمراتے پتوں پہ دور جاتے بھاری بوٹس کی آواز... پھر جنگل کی خاموشی کی آواز... زندہ قبر کے اوپر سانپ رینگنے کی آواز... پرندوں کے ایک دم سے درختوں سے اڑ جانے کی... جنگلی سوروں کی آواز... ان کے آپ کے اوپر پتوں کو سونگھتے پھرنے کی آواز... کتوں کی آواز... کیڑوں کے جسم پہ رینگنے کی آواز... خنزیروں کی بدبودار سانسوں کی آواز... رات کی تاریکی کی ہولناک آواز... گدھوں کے اوپر منڈلانے کی آواز... پھر دور کہیں انسانوں کی آواز... خنزیروں کے بھاگ جانے کی آواز... آتے قدموں کی آواز... تمہیں پتا ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟"

وہ پتھریلے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی اور حسین بالکل ساکت' لب کھولے سن رہی تھی۔

"میں نے بہت سی آوازیں سنی ہیں' اس جنگل میں نیم مردہ حالت میں پڑے۔ میں اس لیے خاموش نہیں ہوں کہ میں خوف زدہ ہوں یا میرے ذہن پہ اثر ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری یا تمہارے بھائی کی مدد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے' کیونکہ کوئی بھی حتی کہ بھائی بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے لیے کچھ کیا جائے۔ تم جا سکتی ہو۔"

ہکابکا بیٹھی حنہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بے ترتیب سانسوں اور سفید چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز چلتی راہداری کا موڑ مڑی تو سیم انتظار کر رہا تھا۔

"تم نے کر لیا' حنہ؟" وہ آگے چلتی گئی۔ سیم پیچھے لپکا۔ حسین نفی میں سر ہلاتی تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ سیم دیکھ سکتا تھا کہ وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

☆ ☆ ☆
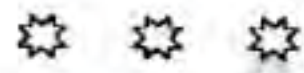
عداوت ہی عداوت ہے' محبت بھول بیٹھا ہوں
چلو کوئی تو رشتہ ہے اسے پھر یاد کرنے کو

زمر کے جانے کے بعد سے وہ لاک اپ میں قید تھا۔ دیوار کے ساتھ اکڑوں بیٹھے گہری سوچ میں گم۔ بار بار اس کی زرد رنگت نگاہوں میں گھومتی تھی۔

(تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہو نا!) فارس نے سر جھٹکا۔

"ہاں' میں ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں آپ کو۔" اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر سا سوچنا چاہا۔ اس کی فرضی خواہش کا منظر۔ مگر پھر تکلیف سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ تصور وہی تھا جو وہ چاہتا تھا' پھر اس کو سوچ کر دکھ کیوں ہو تا تھا؟ خوشی تو زمر کے الزام اور ان تمام طنز و طعنے بھری باتوں سے بھی نہیں ہوتی تھی' اصولاً" تو اس ٹوٹی پھوٹی شرمندہ لڑکی کو تصور میں دیکھ کر خوشی ہونا چاہیے تھی' مگر نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے تو کی تھی اس سے شادی' وہ اس کو خود اذیتی کا شکار کرے گا' ضمیر کی ملامت سے گھیر لے گا' پھر یہ سوچ کر خوشی یا تسکین کیوں نہیں ملتی تھی؟ کیا وجوہات وہی تھیں جو وہ سوچتا تھا؟ یا جو وہ سوچتا تھا' وہ صرف توجیہات تھیں؟

حوالات کی سیاہ سلاخوں کے پار مدھم روشنی تھی۔ اس روشنی کو بے خیالی سے دیکھتے فارس غازی کا ذہن ایک دفعہ پھر پیچھے چلا گیا۔

ولایت بیگم کا گھر اس نے کیوں چھوڑا تھا؟ وہ کیوں ایک رات گھر سے نکلا تھا؟ وہ چاہتا بھی تو نہ بھلا سکتا تھا۔

لڑائی ہوئی تھی گھر میں۔ ہوتی پہلے بھی تھی' مگر اس رات کچن میں کسی بات پہ اونچا اونچا بولتے' جھگڑتے ولایت بیگم نے ہاتھ مار کر سالن کا ڈونگا گرایا تھا اور گرم گرم سالن سیدھا اس کی ماں کے پیروں پہ گرا تھا۔ سانحہ یہ نہیں تھا۔ سانحہ یہ تھا کہ اس کا باپ تب بھی کمزوروں کی طرح ولایت بیگم کو منانے اور ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ فارس کے اندر ابل ابل رہا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھی' پیر کے آبلوں پر مرہم لگاتی علیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ اب ادھر نہیں رہیں گے' وہ اس کے ساتھ واپس چلے' مگر علیمہ اس کو صبر' تحمل اور برداشت کا درس دیتی رہی۔ وہ بھی ایک کمزور عورت تھی۔ ٹوٹی' پسی ہوئی عورت جو کبھی ظلم کے خلاف نہیں کھڑی ہو گی۔

اس وقت اس کے نزدیک یہ سب ظلم ہی تھا اور اپنی ماں سے پہلی دفعہ وہ دل برداشتہ ہوا تھا۔ پیر میں جوتی تھی یا نہیں' وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ طویل سرد سڑکوں پہ وہ چلتا رہا' چلتا رہا۔ کیسے قصر کاردار پہنچا' کچھ یاد نہیں۔ جواہرات نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی' پیروں پہ مرہم لگایا اور پھر اس کے ماں باپ کو بلا لیا۔ جانے کس نے طے کیا' مگر اس کے بعد علیمہ ادھر ہی انیکسی میں رہنے لگی۔ وہ ماں سے خفا تھا۔ وقت کے ساتھ خفگی ڈھل گئی' مگر دل کا کانٹا ساری زندگی نہیں نکلا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے بھی دل میں باتیں

رکھ کر نہ نکالنے کی بیماری ہے۔

ولایت بیگم کی وفات کے بعد ندرت اور وارث کو ابو انیکسی میں لے آئے۔ علیمہ کا رویہ ان کے ساتھ عجیب سا تھا۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ بے بس ہوتی تھی' یہاں وہ مالکن تھی۔ ظلم نہیں کرتی تھی' ہر شے مہیا کرتی تھی' ہر سہولت' ہر آسائش 'مگر ان سے بات نہیں کرتی تھی۔

ندرت کے اپنے غم بہت تھے۔ شادی کے بعد شوہر سے ناراضی اور شیر خوار بچے کو سسرال والوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ آنے کا غم' وہ بہت دکھی رہتی تھی۔ وارث خاموش رہتا تھا۔ جیسے نہ کسی سے محبت ہو' نہ کسی سے گلہ۔ پھر آہستہ آہستہ وقت بدلا۔ ندرت اس کے کام کرنے لگی۔ اس کا خیال رکھنے لگی۔ وہ چھوٹا تھا' وارث سے بھی کافی چھوٹا' ندرت کو اس میں سعدی نظر آنے لگا تھا۔ وہ بھی کبھی بے خیالی میں اسے سعدی بھی پکار لیتی' وہ برا مانے بغیر چپ چاپ آجاتا تھا۔ اس کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

وارث عینک لگاتا تھا۔ پڑھتے وقت بھی' ٹی وی دیکھتے وقت بھی۔ سرما کی ایک شام وہ انیکسی کے لاؤنج میں بیٹھے تھے' جب ابو نے وارث سے کوئی شے ڈھونڈنے کو کہا' تو وہ جو بغیر عینک کے بیٹھا تھا' سادگی سے بولا کہ اس کی عینک ٹوٹ گئی ہے' وہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔

ابو نے وہی کام فارس سے کہہ دیا۔ فارس خاموشی سے اٹھا اور اندر گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں وارث کی عینک تھی' جس کے شیشے نکلے ہوئے تھے۔ عینک اس نے وارث کے سامنے رکھی۔

"اس کے شیشے ہوتے' تب بھی وہ زیرو نمبر کے تھے۔ ان سے تمہاری نظر پہ کوئی فرق نہ پڑتا۔ جاؤ اور جو ابو نے کہا ہے' وہ ڈھونڈ کر لاؤ۔"

اس نے یہ الفاظ بہت آہستہ سے کہے تھے۔ ٹی وی کا شور تھا اور ابو دور تھے' سن نہ سکے۔ وارث کا رنگ سفید پڑا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ اس وقت تو وہ چپ چاپ اٹھ گیا' لیکن رات کو اس کے ساتھ والے سنگل بیڈ پہ لیٹے اس نے پوچھا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میری نظر کمزور نہیں ہے؟"

"مجھے پتا ہے۔" وہ چت لیٹے چھت کو دیکھتے بولا تھا۔

"میں اس لیے لگاتا ہوں کیونکہ مجھے عینک اچھی لگتی ہے۔" کچھ دیر بعد اس نے خود ہی وضاحت دی۔ فارس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ تم پہ اچھی نہیں لگتی' اس سے تمہاری آنکھیں اندر کو دھنس جائیں گی' مگر اس نے وارث کا چہرہ دیکھا اور اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اس کی خوشی چھین لے۔

"ہاں' یہ تم پہ اچھی لگتی ہے۔" اس دن کے بعد ان دونوں کے پاس ایک دوسرے سے کرنے کے لیے بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ وارث اس کا دوست بن گیا' وہ بھی کبھی اس کو ڈانٹ بھی دیتا تھا' جب اسکول میں فارس کسی سے لڑ کر' کسی کا دانت توڑ کر آتا' تو وارث غصے سے اس کو کالر سے پکڑ کر جھنجھوڑتا۔

"یوں لڑتے رہو گے لوگوں سے تو جیل میں پڑے ہو گے کسی دن۔"

اور اب فارس سوچتا تھا کہ وہ جیل اس لیے گیا تھا کیونکہ اس دفعہ وارث لڑا تھا!

امی کی وفات کے بعد اس کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن سڑکوں پہ آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ بے مقصد' بے رونق زندگی کو ایک دم وہ صرف گزارنے لگا تھا۔ کبھی دوستوں کے ساتھ کسی طرف نکل گیا۔ تو کبھی اکیلا کسی ٹرین میں بیٹھ گیا۔ وارث لاہور میں تھا' ندرت اپنے گھر میں خوش اور ابو کو وفات پائے تو عرصہ بیت چکا تھا۔ فارس کی زندگی میں اکتاہٹ' بے گانگی بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ کچھ دوستوں کے ساتھ وہ شکار پہ جانے لگا تھا۔ ماں باپ کا چھوڑا ہوا پیسہ وہ جھونکتا جا رہا تھا۔ وہ گنز' وہ خوب صورت گنز جن کو ہاتھ میں پکڑ کر تاک کر کسی پرندے کی طرف نشانہ باندھنے کی کیفیت اور سرور ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ گنز اس کا جنون بنتی گئیں۔

ندرت اس کی حالت اور یہ آوارگی دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ عام حالات میں وہ بہن کے گھر

جاکر نہ رہتا‘ مگر اپنے گھر میں ذہن ایسا پراگندہ رہتا تھا کہ وحشت ہونے لگتی۔ حنہ تب تین سال کی تھی۔ سعدی اسکول جاتا تھا‘ ایک وہی ہوتی تھی جو دن رات اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی تھی۔ اتنا بولتی کہ الامان۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ کبھی زچ ہو جاتا‘ کبھی ہنس دیتا۔ زندگی ان ہی دو انتہاؤں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

وہ پڑھائی میں ہر گزرتے دن کے ساتھ نکما ہوتا جا رہا تھا۔ دور کے شہروں‘ جنگل‘ بیابانوں میں جاتا‘ کئی کئی دن گھر نہ لوٹتا‘ عجیب تھی اس کی زندگی بھی۔ وارث فون پہ غصہ کرتا رہتا‘ وہ فون بند کر دیتا۔ ندرت پیار سے سمجھاتیں‘ وہ دوسرے کان سے نکال دیتا۔

پھر ایک دن ندرت کے سسر آئے۔ پتا نہیں ندرت نے ان سے کیا کہا تھا کہ جب وہ ان کے پاس اکیلا‘ چپ اور بیزار سا بیٹھا تھا تو وہ اس سے باتوں باتوں میں پوچھنے لگے۔

”تم کیا کرو گے آگے؟ کیریئر کے حوالے سے؟“

”جس چیز کا موڈ بنا۔“ اسے لگا ابھی لیکچر شروع ہو گا‘ سو مزید اکتا گیا۔

”تمہاری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں؟“

”کیا؟“ وہ واقعی الجھا تھا۔

”تمہاری ترجیحات؟ کس کو سب سے اوپر رکھتے ہو؟ کس کے لیے سب کچھ کر سکتے ہو؟“

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ”اپنے خاندان کے لیے۔“

”وہ تو ابھی ہے نہیں۔“

”ہے تو سہی۔“

”خاندان بیوی اور بچوں کا نام ہوتا ہے۔ میں جو اتنے استحقاق سے اس گھر میں آتا ہوں‘ اس لیے کہ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔ کیا میں اپنے بھائی یا بہن کے گھر اتنے استحقاق سے جا سکتا ہوں؟ حکم چلا سکتا ہوں؟ نہیں۔ وہ بھی میرا خاندان ہیں‘ لیکن اس عمر میں آکر بیوی بچے سب سے پہلے آتے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو زندگی میں؟“

وہ متذبذب رہا۔ زیادہ بات نہیں کر سکا‘ مگر چند دن وہ سوچتا رہا۔ پھر ایک دن وہ ان کے گھر گیا۔ معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیٹی کا جہیز جل گیا ہے‘ بہت نقصان ہوا ہے۔ وہ افسوس کے لیے گیا تھا‘ مگر ان کے پاس بیٹھے‘ اس نے ان سے کہا تھا۔

”میری ترجیحات ایک سادہ زندگی کی ہیں۔ میری بیوی‘ میرے بچے‘ ایک چھوٹا سا گھر‘ جس میں کوئی پیچیدگیاں نہ ہوں۔ کوئی سازشیں‘ کوئی منافقت‘ کوئی دوسری بیوی کے جھگڑے نہ ہوں۔ ایک سادہ زندگی گزاروں میں۔ نائن ٹو فائیو کی جاب اور گھر کا سکون۔ یہی چاہتا ہوں میں۔“

”پھر محنت کرو۔ اپنی بیوی اور بچوں کا سوچ کر محنت کرو کہ تم ان کو کیا دے سکتے ہو۔“

اور اس گفتگو نے فارس کی سوچ بدل دی تھی۔ وہ جیسے کسی لمبے خواب سے جاگا تھا۔

آنے والے سالوں میں خود پر خوامخواہ کے چڑھے قرضے‘ پڑھائی کی تکمیل‘ نوکری‘ ہر قرض کی ادائی میں ندرت کے سسر نے اس کی مدد کی تھی۔ ان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا (سوائے دور پار کی رشتے داری کے) مگر احسانات بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کی بات جیسے سنتا کسی اور کی نہیں سنتا تھا۔

وہ نوکری میں اچھا جا رہا تھا‘ سادہ زندگی سادہ ہی چل رہی تھی‘ لیکن پھر اسے اندرون سندھ بھیج دیا گیا۔ وارث اگلے ماہ اس سے ملنے آیا تو سخت برہم تھا۔

”تم نے مجھ سے کہا کہ تمہاری سندھ میں پوسٹنگ ہوئی ہے!“

”اور نہیں تو کیا؟“

”تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں یہاں سزا کے طور پہ بھیجا گیا ہے۔“ وہ بے حد سیخ پا ہو رہا تھا۔ فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

”میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔“

”یہی بات تم نے کہی تھی اپنے ڈائریکٹر سے۔ فارس! تم نے غلط کیا ہے۔ اس بینک آفیسر کے اریسٹ وارنٹ نکل رہے تھے اور تم نے اسے اطلاع دے دی

تاکہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری کروالے!"

"پہلی بات ' میں نے کوئی ثبوت چھوڑا نہیں ' دوسری بات ' وہ بینک آفیسر تین چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کی ماں ہے اور بے گناہ ہے۔"

"تو وہ اس کے ٹرائل میں ثابت ہو جائے گا کہ وہ بے گناہ ہے۔ تمہیں بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وارث! وہ ایک جوان مڈل کلاس عورت ہے ' اگر وہ بے گناہ نہ ہوتی تب بھی میں اس کو خبردار کرتا ' ضمانت اس کی چوبیس گھنٹوں میں ہو ہی جاتی ' لیکن اگر وہ ایک رات بھی حوالات میں گزار لیتی تو وارث اس کی زندگی برباد ہو جاتی۔ مرد کئی سال بھی جیل میں رہے تو کچھ نہیں ہوتا ' عورت کو کون قبول کرے گا بعد میں؟ ہاں ٹھیک ہے ' میں نے جرم کیا ہے۔" وہ بھی برہمی سے بول رہا تھا۔ "لیکن مجھے دس بار ایسا موقع ملے میں تب بھی یہی کروں گا۔ کیونکہ میں اسی معاشرے میں رہتا ہوں جہاں جیل میں ایک رات بھی رہی عورت کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے ' کیونکہ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا ' وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ بھلے اس کی پاداش میں مجھے کتنے ہی سال اس چھوٹے شہر میں پوسٹڈ رہنا پڑے۔"

"فارس!" وہ تھک کر ساتھ بیٹھا اور سمجھانے لگا۔ "دیکھو "صحیح" کام کرنے کے لیے قانون توڑنا ضروری نہیں ہے۔ میں بائی دی بک کام کرنے والا آدمی ہوں ' مجھے تمہارا یہ ویجیلانٹ رویہ ڈراتا ہے۔ اگر ان کو کوئی ثبوت مل جاتا تو تم جیل بھی جاسکتے تھے اور اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں نا تو میں اگلے پانچ سال بعد تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔" سمجھاتے سمجھاتے وہ خفا ہو گیا تھا۔

"اور پتا ہے میں تمہیں اگلے پانچ سال بعد کہاں دیکھ رہا ہوں؟" وہ آگے ہو کر سنجیدگی سے وارث کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ "اسی نقلی عینک کے پیچھے!" اور ایک دم وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

آہنی سلاخوں کو دیکھتے ہوئے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اسے جیل میں سب سے زیادہ وارث یاد آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہو نہ سکا کبھی ہمیں اپنا خیال تک نصیب
نقش کسی خیال کا لوحِ خیال پر رہا

اس مصروف شاہراہ پر رات نو بجے اچھی خاصی سردی ہونے کے باوجود گہما گہمی تھی۔ ایسے میں زمر کندھے پہ لگا پرس مضبوطی سے پکڑے ' متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی چلی رہی تھی۔ پھر اسے وہ نظر آ ہی گیا۔ تیزی سے اس تک آئی۔

"احمر! مجھے دیر ہو گئی نا؟" وہ معذرت خواہانہ انداز میں جلدی جلدی کہتی قریب آئی۔ "کیا وہ لڑکا آ گیا؟"

احمر چونک کر مڑا پھر فخر سے سر کو خم دیا۔

"جی ' اور کام بھی ہونے والا ہے۔" مسکرا کر سامنے اشارہ کیا۔ زمر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہاں ایک خوبرو نوجوان اپنے سامان کی ٹرالی لیے کھڑا تھا ' اور قدرے حیرت اور تعجب سے سیکورٹی افسران سے بات کر رہا تھا جو ایک دم سے اس کو گھیر کر اس سے باز پرس کرنے لگے تھے۔ وہ صرف پولیس اہلکار نہیں تھے بلکہ کسی دوسرے محکمے کے افسران بھی تھے۔

"وہ چیزیں اس کی کار میں ڈلوا دی تھیں نا احمر؟ پولیس اس کو اریسٹ کر لے گی؟" وہ فکر مندی سے بولی تھی۔

"جی جب یہ گیس بھروانے پمپ پر رکا تھا تو میرے لڑکے نے ایک بیگ اس کی گاڑی کی ڈگی میں رکھ دیا تھا۔ بیگ میں اس لڑکے کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی اور ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی بھی ہے۔ وہ انکار بھی کرے تب بھی وہ لوگ اس بیگ کو اسی کی ملکیت سمجھیں گے۔"

"اوکے۔ تھینک یو۔" ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی ' اسے ذرا سکون ملا۔ "کافی ساری ڈرگز ڈالی ہیں نا؟"

"ڈرگز؟" احمر نے نگاہوں کا رخ موڑا۔ "کون سی

ڈرگز؟"

زمر کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ "احمر! اس کے بیگ میں ڈرگز ڈالنے کو کہا تھا میں نے آپ کو' تاکہ پولیس اسے گرفتار کرے۔"

"میں آپ کو شکل سے کوئی ہیروئن اسمگلر لگتا ہوں یا بذات خود کوئی نشئی لگتا ہوں جو میرے پاس ڈرگز ہوں گی؟ نہیں' آج آپ مجھے بتا ہی دیں کہ میں آپ کو کیا لگتا ہوں۔" وہ بہت ہی خفا ہوا تھا۔ زمر کا دماغ ویسے ہی آج کل گھوما رہتا تھا' اب تو مزید کھول گیا۔

"احمر! آپ نے کیا ڈالا ہے اس کے بیگ میں؟" پریشانی سے ان لوگوں کو بھی دیکھا۔ آفیسرز کے پاس کتے بھی تھے اور وہ گھوم گھوم کر اس کے سامان کو سونگھ رہے تھے۔ لڑکا ابھی تک بحث کر رہا تھا۔

"دیکھیں' یہ ڈرگز' یہ اسلحہ' یہ کرنسی اسمگلنگ...... یہ میوزیم کے نوادرات سارے انگریزی فلموں والے گھسے پٹے آئیڈیاز تھے۔ میں نابرڈا اور جینٹل بندہ ہوں۔ میں نے سوچا' کوئی پاکستانی چیز ٹرائی کروں۔ وہ دیکھیں۔" فخر سے مسکرا کر اس طرف اشارہ کیا۔ زمر پریشانی سے ادھر دیکھنے لگی۔ وہ لوگ اب باری باری لڑکے کے بیگز چیک کر رہے تھے۔ قلی تو دو گیارہ ہو چکا تھا۔ ایک آفیسر نے بھورا بیگ کھولا اور پھر گویا شور مچا دیا۔ باقی اہلکار بھی ادھر ہی لپکے۔ لڑکا حیران پریشان وضاحتیں دے رہا تھا۔ زمر نے ایڑیاں اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔ بمشکل ایک افسر سامنے سے ہٹا تو کھلے بیگ کا دہانہ نظر آیا۔ اور اس کے اندر......

"کچھوے!" وہ بے یقینی سے احمر کی طرف گھومی تھی۔ "استغفراللہ احمر' آپ نے کچھوے ڈال دیے؟" دل چاہا اس کو زمین میں گاڑ دے۔

"پورے پچاس کچھوے۔" اس نے اسی تفاخر سے اس طرف اشارہ کیا۔ دور سے اتنا پتا چلتا تھا کہ اس بیگ میں چھوٹے چھوٹے' شامی کباب کے سائز کے کچھوے چل رہے تھے۔ زمر نے ماتھے کو چھوا۔

"اُف احمر... آپ کو مذاق لگتا ہے یہ سب؟"

"دیکھیں مسز زمر!" وہ سنجیدہ ہوا۔ "اگر ڈرگز ڈالتا یا اسلحہ تو وہ گرفتار ہو جاتا' لیکن صبح سے پہلے تک باہر ہوتا۔ سوائے وائلڈ لائف والوں کے کوئی بھی محکمہ اس کو کل دوپہر سے پہلے تک نہ رکھتا۔"

"کچھوے' احمر!" وہ اب بھی شدید نالاں تھی۔

"یہ وائلڈ لائف والوں کے خاص spotted کچھوے ہیں۔ صبح ہی چوری ہوئے ہیں۔" مسکرا کر آنکھ دبائی "یہ لڑکا کل سنگاپور جا رہا ہے۔ سنگاپور میں ایک کچھوا کئی ہزار کا بکتا ہے۔ وہ لوگ کچھوے کھانے کے شوقین ہیں' مگر یہاں پابندی ہے اس کے شکار پہ کیونکہ اس معصوم کی نسل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ سو ہمارے ہاں سے لوگ اسمگل کرتے ہیں۔ بی پاکستان۔ بائی پاکستان۔"

زمر نے صرف گھور کر اسے دیکھا اور سامنے دیکھنے لگی جہاں کسٹم اور وائلڈ لائف کے اہلکار اس لڑکے کو ہتھکڑی لگا رہے تھے اور وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آئیڈیا کچھ اتنا برا بھی نہ تھا' لیکن احمر شفیع کو شکریہ کہنا۔ ناممکن!

وہ گھر آئی تو حنین اس کے کمرے میں چت لیٹی' چھت کو دیکھتی مایوس نظر آرہی تھی۔ بیگ اور موبائل رکھتے ہوئے اس نے حنہ کو مخاطب کیا۔ "شہرا کا کیا بنا؟"

"میں نہیں کر سکی۔" وہ شرمندہ تھی۔

"اوکے! میں خود اس سے بات کرلوں گی۔"

حنین سیدھی اٹھ بیٹھی' بے چینی سے اسے دیکھا۔

"وہ تکلیف میں ہے' اس کو اکیلا چھوڑ دیں۔"

"حنین! اس کی صحت اب بہت بہتر ہے اور ہم اس کی مدد بھی کریں گے اس کے مجرموں کو پکڑنے کے لیے۔" وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ حنہ کو نہیں نظر آئی۔ وہ کہیں اور تھی۔

"وہ اب بھی وہی آوازیں سنتی ہے۔ جنگل کی' جانوروں کی' خنزیروں کی اور......"

حنین ایک دم ساکت ہوئی۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر یکایک بستر سے اتری اور ننگے پیر بھاگتی باہر نکل گئی۔

زمر سر جھٹک کر رہ گئی۔ حنہ اب تیز تیز زینے پھلانگتی تہہ خانے کی طرف جارہی تھی۔ اسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بے وفائی کی گھڑی، ترک مدارات کا وقت
اس گھڑی اپنے سوا نہ یاد آئے گا کوئی

عالیشان، بلند و بالا سا بنگلہ تھا جس میں صبح کی ٹھنڈ اور سرما کی دھوپ مل جل کر اتری تھیں۔ ملازم حنین کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلے گئے تھے۔ وہ شزا کی دوست تھی، اس نے یہی کہا تھا۔ اس روز کے برعکس، وہ کھلے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگائے، ہاتھ میں فائل فولڈر پکڑے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کافی پراعتماد نظر آرہی تھی۔ کھڑکی سے باہر لان میں منتظر بیٹھا اسامہ نظر آرہا تھا۔

چوکھٹ پہ شزا کھڑی دکھائی دی تو حنین جگہ سے اٹھی۔

"میں نے کہا تھا، مجھے تمہاری مدد نہیں کرنی۔" وہ بے نیازی سے پلٹنے لگی تھی۔

"تم نے کہا تھا، تمہیں بھاری بوٹس کی دھمک سنائی دی تھی، تم نے کہا تھا کوئی بھائی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے لیے کچھ کیا جائے۔" شزا چونک کر اس کی طرف گھومی۔ حنہ فولڈر سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"تمہارا تو کوئی بھائی نہیں ہے شزا! مگر تم عادتاً اپنے بہنوئی سرمد شاہ کو بھائی کہہ کر پکارتی ہوتا۔" کاغذ اس کے چہرے کے آگے لہرایا۔ شزا کے ان باکس میں سرمد کی میلز کے پرنٹ آؤٹ۔ شزا کی رنگت سفید پڑی۔ "اس نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بہن کو چھوڑ دے گا، تمہیں اپنا لے گا اور جس دن تم اغوا ہوئیں، اس روز اسی نے آنا تھا تمہیں پک کرنے۔ اسی نے کیا ہے یہ سب۔ اُف کتنا بڑا اداکار ہے وہ۔ جب میری فیملی نے نیاز بیگ کو اس کیس میں پھنسانا چاہا تو اس نے ایسی اچھی اداکاری کی کہ ہم سب بھی کنوینس ہوگئے کہ وہ اپنی "بہن" کا مجرم نیاز بیگ کو ہی سمجھ رہا ہے۔"

شزا اسٹک کے سہارے چلتی چپ چاپ سامنے آکر بیٹھی۔ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں کسی کو نہیں بتا سکتی کیونکہ سب کو میں قصوروار لگوں گی۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا اس سے تعلق صرف پسندیدگی کا تھا۔" وہ ایک دم شکست خوردہ لگنے لگی تھی۔ کچھ دیر لگی اسے کھلنے میں۔

"میں یہ تعلق ختم کرنا چاہتی تھی، میں چھپ چھپ کر فون پہ بات کرنے والے گلٹ سے تنگ آگئی تھی، اسی لیے اس نے بلایا تو میں ملنے چلی گئی۔ مجھے نہیں پتا تھا وہ یہ سب..." آواز رندھ گئی۔ "تم نہیں سمجھ سکتیں، میں کیا محسوس کررہی ہوں!"

حنین اس کے سامنے دھیرے سے بیٹھی۔ "میں سمجھ سکتی ہوں شزا۔ تم نے ایک غلط آدمی سے محبت کی، جو تمہارا رشتے دار تھا، تم سے عمر میں بڑا تھا، تم اسے بھائی کہتی تھیں۔ اور اس نے... اس نے تمہاری حوصلہ افزائی کی۔" اس کے اندر بہت کچھ اٹکا۔ "اس کے لیے تو یہ محض وقت گزاری تھی۔ تمہارے لیے یہ روگ تھا۔ تم بیک وقت اس سے بات کرنے سے خوش بھی ہوتی تھیں اور گلٹی بھی۔ تم دو دلوں کے ساتھ جی رہی تھی۔ پھر ایک دن اس نے تمہیں بلایا۔ تم چلی گئیں۔" بہت کچھ یاد آیا تھا۔ "تمہیں نہیں پتا تھا کہ وہ ایک کرمنل بھی ہے، تم جاتیں نہ جاتیں، تمہیں کبھی نہ کبھی پتا چل ہی جاتا۔ اور تب بھی تم دو حصوں میں بٹ جاتیں جیسے اب بٹی ہوئی ہو۔ تمہارا ایک دل اس سے شدید محبت کرتا ہے دوسرا دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ ایک طرف تم اس سے انتقام لینا چاہتی ہو، مگر انتقام خوشی نہیں دیتا۔ دوسری طرف تم اب بھی، اس سب کے بعد بھی، دور اندر اس کو پانا چاہتی ہو مگر اب خوشی پانے سے بھی نہیں ملے گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"تم ساری آوازیں بھول جاؤ اور اپنی آواز اٹھاؤ، تمہاری آواز کے پس منظر میں ہر شے غائب ہوجائے

گی۔"

"نہیں کر سکتی! وہ سارا الزام مجھ پہ ڈال دے گا۔ بابا اور عائزہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔" بے بسی سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

"کتنے لوگوں کو پتا ہے کہ تم اس سے یوں میسجز پہ بات کرتی تھیں؟"

"صرف مجھے اور سرمد کو!" آواز کپکپائی۔ آنکھوں میں بیک وقت دونوں جذبے ابھرے۔

"تو پھر تم یہ والی بات چھپالو۔" شہرا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو میں کیا کہوں گی؟ کیوں ملنے گئی تھی سرمد سے؟ اور میری کسی جھوٹی وجہ پہ بابا کیسے یقین کریں گے؟"

"اس پہ کریں گے!" مسکرا کر اس نے ایک پھولا ہوا پیکٹ شہرا کی طرف بڑھایا تھا۔ "تمہیں سرمد شاہ کی الماری سے یہ ملا تھا۔ تم اسی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھیں اور اس نے جو بھی کیا تمہیں خاموش کرانے کے لیے کیا۔" شہرا حیرت سے اسے دیکھتی پیکٹ کھولنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ لان میں آئی تو سیم نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"کیا تم نے کرلیا پھپھو کا کام؟"

"ہاں کرلیا!" اس نے مزے سے سیم کی کہنی میں بازو ڈالا اور آگے چلنے لگی۔

"ویسے یہ سب تھا کیا؟" وہ متجسس ہوا۔ حنہ نے اسے گھورا۔

"چپ کر کے چلو۔ زیادہ جہان سکندر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" سیم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا مگر چپ رہا۔

☆ ☆ ☆

خزاں کے پھول کی مانند بکھر گیا کوئی
تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی

کورٹ کی راہداریوں میں ہنوز ویسا ہی رش تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور آتے جاتے قدموں کی دھمک۔ ایسے میں ایک راہداری کے باہر وہی لڑکا جو گزشتہ رات چوری کیے مسروقہ پھوؤں کے ساتھ پکڑا گیا تھا' وہ ہتھکڑیوں میں کھڑا تھا' ساتھ پولیس اہلکار موجود تھے۔ چند وکلاء اور ایک سوٹ میں ملبوس صاحب جو چہرے مہرے سے اس لڑکے کے والد لگتے تھے' آپس میں بحث کر رہے تھے۔

"میں کراچی میں نہ ہوتا تو دیکھتا' میرا بیٹا کس طرح حوالات میں رات گزارتا ہے۔" والد برہمی سے کہہ رہا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "کتنی دیر مزید لگے گی؟"

وکیل جواب میں جلدی جلدی کچھ بتانے لگا۔ تب ہی دور راہداری سے زمر چلتی آتی دکھائی دی۔ بال جوڑے کی شکل میں' چہرے پہ مسکراہٹ اور چال میں اعتماد۔ ان صاحب کے پاس وہ رکی۔

"کیا میں آپ سے علیحدگی میں بات کر سکتی ہوں؟" شائستگی سے ان کو مخاطب کیا۔ لڑکے کا والد چونک کر مڑا' اسے دیکھا' پھر ساتھ چلا آیا۔

"کسٹم کے یہ آفیسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں' مگر علیحدگی میں' انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ کے بیٹے کا ریکارڈ بھی کلیئر رہے گا۔ ان کو معلوم ہے کہ وہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔" مسکرا کر ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا' پھر اس کی پیشانی کو دیکھا جہاں ہلکا ہلکا پسینہ تھا' مگر خود بھی اس پسینے سے بے خبر' اس آدمی نے کارڈ لیا اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے ساتھ چلتی اس کو مختلف راہداریوں سے گزارتی چلتی جارہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی بھی دیکھتی۔ کن اکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ شخص ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ جیسے اسے گھٹن ہو رہی ہو۔

زمر ایک دروازے کے سامنے رکی۔ وہاں دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ ایک نے دروازہ کھول دیا۔

"آپ اندر چلے جائیں' الیاس فاطمی صاحب!" وہ مسکرا کر بولی تو اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ خالی کورٹ روم تھا۔ الیاس فاطمی دو قدم اندر گیا ہی تھا کہ زمر نے دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا کر لاک کلک

سے بند کیا، پھر چابی نکال کر پولیس اہلکار کی مٹھی میں دبائی۔

"اگر وہ مقررہ وقت سے پہلے باہر نکلا تو تمہارے آدھے پیسے کاٹ لوں گی۔" گھور کر تنبیہہ کی۔ سپاہی نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں میڈم صاحب۔" زمر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ (آئی ایم سوری اللہ تعالیٰ' ان تمام قوانین کے لیے' جو آج میں نے توڑے! اور فارس اور احمر جیسے کرمنلز کے ساتھ کام کرنے کے لیے!) جھر جھری لے کر وہ بڑبڑاتی جارہی تھی۔ کوئی عادت سی تھی' جو واپس آرہی تھی۔

خالی کورٹ روم میں آگے چلتے یک دم الیاس فاطمی مڑا۔ اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ چونک کر وہ دروازے تک آیا اور اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ۔۔۔

"اپنی توانائی بچا کر رکھو۔ دروازہ لاکڈ ہے' اسے توڑنے میں پندرہ منٹ لگیں گے جبکہ تمہارے پاس صرف بارہ منٹ ہیں۔"

آواز پہ وہ ایک دم گھوما۔

جج کے خالی چیمبر کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہا تھا۔ کورٹ روم کی کوئی بتی نہیں جلی تھی۔ دن کی روشنی کافی تھی' پھر بھی جج کا چبوترہ اندھیرے میں لگ رہا تھا۔ الیاس فاطمی نے آنکھیں سکیڑ کر تعجب سے دیکھنا چاہا۔ نیلی جینز کے اوپر اس نے بھورا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ پوری آستین والا سوئیٹر۔ چھوٹے کٹے بال اور بڑھی شیو۔ سنہری آنکھوں میں چبھن لیے وہ جج کی کرسی کے پیچھے آکھڑا ہوا اور کرسی کی پشت پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ۔

"ڈرو نہیں۔ میں ہتھکڑی میں ہوں۔ قید میں ہوں۔ پہچانا تم نے مجھے؟ میں فارس غازی ہوں۔ وارث غازی کا بھائی!" الیاس فاطمی کی گردن کے بال تک کھڑے ہوگئے۔ لب کھل گئے۔ آنکھوں میں شاک ابھرا۔ پھر ایک دم وہ گھوما۔

"کچہری میں جہنم کی طرح کا شور ہے' دروازہ پیٹنے کی آواز سن بھی لی جائے تو فائدہ نہیں۔ تمہارے پاس صرف گیارہ منٹ ہیں' کیونکہ تمہاری طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی ہے۔" فاطمی نے دروازے پہ ایک دفعہ ہی ہاتھ مارا تھا کہ اس کا آخری فقرہ سن کر چونکا' پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی سکون سے کرسی کے اوپر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے نا؟ ہر گزرتے پل کے ساتھ یہ تیز ہو جائے گا۔ کیونکہ جو چائے تم نے پراسیکیوٹر کے آفس میں پی تھی' وہ چائے نہیں تھی۔"

فاطمی نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا۔ وہ ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ گلے پہ رکھا۔ وہ گھٹ رہا تھا۔ آنکھیں وحشت سے پھیلیں۔

"کیا۔۔۔ کیا مطلب؟" وہ مڑ کر پھر سے دروازہ بجانے لگا' مگر ہاتھوں سے جان نکل رہی تھی۔

"وکیل سے شادی کرنے کا ایک فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کورٹ کا ہر ملازم خرید سکتے ہیں۔ اس ملازم نے زیادہ کچھ نہیں ملایا۔ صرف ایک چھوٹی شیشی تھی۔ زہر کی۔" ہلکا سا مسکرایا۔ "میرا ایک دوست ہے' لاہور کے مضافات میں اس کا اپنا فارم ہاؤس ہے اور لیب بھی۔ وہاں ایسے وائرس اور زہریلے محلول کلچر کیے جاتے ہیں۔ ابھی تو تمہارا دم گھٹ رہا ہے' لیکن اگلے آٹھ منٹ میں سانس بھی رکنے لگے گا' پھر ناک اور کانوں سے خون آئے گا' پھر دل کی دھڑکن بے قابو ہوگی۔۔۔" وہ کہتے ہوئے چلتا ہوا کرسی کے پیچھے سے نکلا۔ "پھر سینے میں شدید درد اٹھے گا۔۔۔" وہ چبوترے کے دہانے پہ آکھڑا ہوا اور نیچے وہیں بیٹھ گیا۔ "اور گیارہویں منٹ تمہارے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی اگر۔۔۔" بند مٹھی کھول کر دکھائی۔ اس میں شفاف شیشی تھی جس میں شفاف محلول تھا۔ "اگر تم نے اس زہر کا antidote (تریاق) نہ لیا۔" الیاس فاطمی نے قدم بڑھائے' مگر لڑکھڑا کر زمین پہ گرا اور بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو!" اس کا سانس رکنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر گیارہ منٹ بعد پتا چل جائے گا۔"

الیاس فاطمی بے اختیار پلٹا اور خود کو زمین پہ گھسیٹتے دروازے کو نیم جاں ہاتھوں سے بجایا۔ باہر دونوں پولیس اہلکار کھڑے اونچی آواز میں فون پہ بات کر رہے تھے۔

"اگر تم نے دوبارہ دروازہ پیٹا تو میں اس شیشی کو توڑ دوں گا۔ قریبی اسپتال جانے میں رش آور کے باعث تمہیں پون گھنٹہ لگے گا۔"

گہرے گہرے سانس لیتے فاطمی نے ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑی تو۔۔۔ اس پہ خون لگا تھا۔ اس نے خوف اور وحشت سے سامنے چبوترے پہ بیٹھے فارس کو دیکھا۔

"تم۔۔۔ کیا چاہتے ہو تم؟ میں نے تمہارے بھائی کو نہیں مارا۔"

"مجھے معلوم ہے' تم نے صرف اسے بیچا تھا۔" وہ شیشی کو ہاتھ میں گھماتے' نگاہیں اس پہ جمائے بولا تھا۔ "مجھے دو سوالوں کے جواب دو' تو" میں یہ antidote (تریاق) تمہیں دے دوں گا۔ اگر تمہارے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں اسے توڑ دوں گا۔"

"بولو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ کیا پوچھنا ہے۔" وہ نیم جاں زمین پہ دوہرا ہوا بمشکل بول پایا۔

"وارث نے تمہیں کچھ فائلز دی تھیں' یقیناً" وہ ثبوت تم نے کسی تک پہنچا دیے تھے اور انہوں نے وارث کو مار دیا۔" نگاہ اٹھا کر چھت سے لٹکتے پنکھے کو دیکھا۔ "ان فائلز میں کیا تھا؟"

"وہ۔۔۔ منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔۔۔ وہ ان کی کرپشن کا پتا لگاتے لگاتے غلط سمت آنکلا تھا۔۔۔" بے ربط پھولی سانسوں کے درمیان وہ بول رہا تھا۔ "وہ دہشت گردوں کے لیے منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔ کراچی میں میٹنگز کا ریکارڈ تھا' کوئی گواہ بھی تھے۔ وہ میرے پاس نہیں ہیں۔ وارث کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔"

"ٹی سی!" اس نے گہری سانس لی۔ "تو وہ دہشت گرد ہیں۔۔۔ گڈ!" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "دوسرا سوال' ان لوگوں کا ماسٹر مائنڈ کون ہے؟ ہر تنظیم کا ایک برین ہوتا ہے' جو احکامات دیتا ہے۔ ان کا برین کون ہے؟ میرے بھائی کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا؟"

فاطمی کے کانوں سے خون رسنے لگا تھا۔ آنکھوں سے پانی ٹپک رہا تھا' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ مجھے جان سے مار دے گا۔"

فارس نے شیشی کو اونچا اٹھایا۔ گویا گرانے لگا ہو' فاطمی دہل کر رہ گیا۔ "ہاشم۔۔۔ ہاشم کاردار۔۔۔ تمہارے بھائی کے قتل کا حکم ہاشم نے دیا تھا۔"

کمرے میں ایک دم موت کا سناٹا چھا گیا۔

اپنے تئیں دھماکا کر کے فاطمی نے اسی خوف اور وحشت سے فارس کا چہرہ دیکھا۔ وہ سپاٹ تھا۔ سخت اور سرد۔

"ہاشم کاردار؟" وہ دہراتے ہوئے اٹھا اور قدم قدم چلتا فاطمی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔

"میں نے پوچھا تھا' ان کا برین کون ہے؟ ہاشم کاردار یا اس کی ماں؟"

فاطمی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ "تم جانتے ہو؟" فضا ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "میں ساڑھے چار سال سے جانتا ہوں۔ یہ بھی کہ میرے بھائی اور بیوی کو کس نے قتل کروایا' یہ بھی کہ میرا بھانجا بھی ان ہی کے پاس ہے۔"

فاطمی نے تعجب اور بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ "مگر ہاشم نے کہا تھا' تم نہیں جانتے کہ اس سب کے پیچھے کون ہے۔"

"میں واقعی نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ ہاشم اپنی ماں کے پیچھے ہے یا جواہرات اپنے بیٹے کے پیچھے ہے۔ یہ جاننا میرے لیے ضروری ہے' تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ مجھے کس کی جان اپنے ہاتھوں سے لینی ہے۔"

"مگر ہاشم نے کہا تھا۔۔۔ تم اداکار نہیں ہو۔" وہ اب بھی بے یقین' خوف زدہ تھا۔

"جس غازی کو وہ جانتا تھا' وہ اداکار نہیں تھا۔" اس نے اذیت سے آنکھیں موندیں۔ (جیل نے میرے ساتھ کیا کیا' میں نے جیل میں کیا کیا ہے) آنکھیں کھولیں۔ ان میں سرد آگ تھی۔ "ہاشم نہیں جانتا۔ کوئی نہیں جانتا اور اب تم لوگ مجھے دوبارہ وہیں بھیجنا چاہتے ہو۔"

"مگر... ہاشم نے کہا' تم سمجھتے ہو' تمہاری بیوی نے تمہیں اس میں پھنسایا ہے۔"

"پانچ منٹ کے لیے میں نے یہی سمجھا تھا۔"

"تمہیں... تمہیں معلوم ہے تمہارا بھانجا۔"

اسے شدید کھانسی آنے لگی تھی۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا مگر حیرت اور بے یقینی اسے اپنی حالت بھی بھلائے دے رہی تھی۔

"مجھے اس کے اغوا کے اگلے دن معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے مگر میں..." پنجے کے بل اس کے قریب زمین پہ بیٹھا۔ "میں وہ ساڑھے چار سال پہلے والا آدمی نہیں ہوں جس نے جیل جاتے ہی ہاشم کاردار کا نام لیا تھا۔ جیل نے مجھے بدل دیا ہے الیاس فاطمی! مجھے اداکاری آگئی ہے۔ مجھے لوگوں کے سامنے کیسا نظر آنا ہے' یہ میں خود طے کرتا ہوں اب۔" وہ ذرا سا اس پہ جھکا۔

"تم لوگ... ہمیشہ ایک بات بھول جاتے ہو... کہ فارس غازی... بھی ایک کاردار کی ہی اولاد ہے۔" پھر شیشی والی مٹھی بلند کی۔ الیاس فاطمی دہرے ہوتے' بے اختیار ہاتھ اٹھانے لگا مگر اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی۔

"تم میرا راز جان چکے ہو۔ تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔"

"تمہیں... پلیز... دیکھو' میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ دیکھو وقت ختم ہو رہا ہے۔ یہ مجھے دے دو خدا کے لیے..." وہ شاید رو بھی رہا تھا۔

"اگر تم نے..." شیشی اوپر اٹھائے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر وہ بولا۔ "کسی کو ایک لفظ بھی بتایا تو یاد رکھنا... میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ مگر تمہاری بیٹی... جو شادی کے آٹھویں سال بالآخر اپنی اولاد کی منتظر ہے۔ صرف ڈھائی ماہ بعد... میں اس کا بچہ غائب کر دوں گا اور تم اور تمہارا سارا خاندان زندہ در گور ہو جاؤ گے۔ بری خبر یہ ہے کہ تمہاری بیٹی سفر نہیں کر سکتی' تم اس کو کہیں بھیج بھی نہیں سکتے۔"

وہ جلدی جلدی نفی میں سر ہلانے لگا' اس کا گویا سانس بند ہو رہا تھا۔ "میں کسی کو نہیں بتاؤں گا' پلیز یہ مجھے دے دو۔"

فارس اٹھا' سیدھا کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔ "میرا بھائی تمہارے پاس آیا تھا فائلز لے کر... اس نے تم پہ اعتماد کیا تھا اور تم نے معلوم ہے اس کے ساتھ کیا کیا؟" اس نے شیشی فضا میں بلند کی۔ "تم نے اسے چھوڑ دیا۔" اور اس نے شیشی چھوڑ دی۔ الیاس فاطمی کے منہ سے چیخ نکلی۔ شیشی اس کے قریب گر کر چکنا چور ہو گئی۔ محلول بہہ گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح جھک کر انگلیوں سے محلول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "یہ تم نے کیا کیا... تم نے مجھے مار دیا۔"

فارس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ میں کچھ کہا بھی۔ اہلکار نے جلدی سے دروازہ کھولا اور اندر آیا... اس کی ہتھکڑی کو اپنی زنجیر کے ساتھ منسلک کیا۔ پھر نیچے گرے' پاگلوں کی طرح اس محلول کو چاٹتے' روتے' بلکتے فاطمی کو دیکھا۔ "یہ مر تو نہیں جائے گا۔"

"اس جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ فکر نہ کرو' زہر نہیں دیا۔ ٹارچر ڈرگ تھی' آدھے گھنٹے میں ٹھیک ہو جائے گا۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ادھر الیاس فاطمی ابھی تک کراہتے' روتے اس محلول کو چاٹنے کی سعی کر رہا تھا جو صرف... سادہ پانی تھا۔

راہداری میں چلتے ہوئے زمر مخالف سمت سے آئی اور اس کو روکا۔

"کچھ معلوم ہوا؟" دھڑکتے دل سے پوچھا۔ فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اسے کچھ بھی نہیں معلوم... ابھی تک اس شخص کا پتا نہیں چل سکا جو فاطمی کو اس جج سے جوڑ

سکے۔" وہ بے زار اور خفا لگ رہا تھا۔
زمر کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ "کیا واقعی؟"
وہ۔ "جی" کہہ کر اہلکاروں کی معیت میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا نام پکارے جانے کا وقت قریب تھا۔

آج اس کا چودہ روزہ جسمانی ریمانڈ ختم ہو رہا تھا۔ عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پہ جیل بھیجنے کا حکم صادر کر دیا۔ اپنی گرفتاری کے چودہ دن بعد بالآخر وہ اسی جیل میں دوبارہ جا رہا تھا جو چار سال تک اس کا "گھر" بنی رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتی باہر تک آئی تھی جہاں "حوالات" (جیل لے جانے کے لیے وین خوف ناک سواری) تیار کھڑی تھی۔ لمحے بھر کے لیے اس نے فارس کو روکا تھا۔

"آج عدالت نے تمام کاغذات' تفتیش کی تفصیلات' چالان وغیرہ کی کاپی ہمارے حوالے کر دی ہے۔ اب ہمارے پاس ایک ہفتہ ہے اگلی سماعت تک۔ سو اب تم جس کو چاہو اپنا وکیل مقرر کرو!" وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے بات جاری رکھی۔ "لیکن اگر تم مجھے ہائر کرنا چاہتے ہو تو... فارس... تمہیں مجھ سے... ریکویسٹ کرنی ہو گی۔"

اس کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ برہمی سے کچھ کہنے لگا۔ پھر گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے انتظار میں اہلکار کھڑے تھے۔ بہت ضبط سے زمر کی طرف گھوما۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"مسز زمر..." ایک نظر اس کے پٹی میں بندھے ہاتھ پہ ڈالی' دوسری ناک کی لونگ پہ۔ "کیا آپ کمرہ عدالت میں میری نمائندگی کرنا پسند کریں گی؟"

"پہلے کہو' پلیز!" (اور یہ الفاظ کہتے اسے کچھ اور نہیں صرف پھوپھو یاد آئے تھے۔)

فارس نے صبر کا گھونٹ بھرا۔ "پلیز!"

"شیور!" وہ مسکرا کر شانے اچکاتی پرس کھنگالنے لگی۔ "مگر تم یہ سائن کر دو۔" ایک چیک اور پین نکال کر اس کے سامنے کیا۔ فارس کے اب کی بار دونوں ابرو اٹھے۔ "یہ تو میری چیک بک کا چیک ہے۔"

"اور اس پہ جو رقم لکھی ہے' وہ میری ابتدائی فیس ہے! سائن کر دو یا کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو!"

"یہ صرف ابتدائی فیس ہے؟"

"ہاں فارس... تم نے کیا بے مول سمجھ رکھا تھا مجھے؟" مسکراتے ہوئے بھی اس کی آواز میں شکوہ در آیا تھا۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی' ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے قلم تھاما اور سائن کر دیا۔ پھر اسے ان ہی نظروں سے گھورتا جانے کے لیے پلٹ گیا۔

وہ اس ٹھنڈی سی سہ پہر میں ان اہلکاروں کو اسے حوالات میں ڈال کر لے جاتے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

انمول پتھروں کی قیمت لگائی ہے سب نے
دیوار جو نہ بنتے' بازار بن کر جیتے

سمندر کنارے وہ اونچی ہوٹل کی عمارت رات کے اس پہر روشن تھی۔ نیچے تاریک تہ خانے میں میری انجیو فون لیے سعدی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ جو اضطرابی انداز میں مسلسل ٹہل رہا تھا' تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ آنکھوں میں شدید بے چینی تھی۔

"کال کرو ہاشم کو!"

"تم ٹھیک نہیں کر رہے سعدی! تم پچھتاؤ گے۔" وہ شدید متفکر تھی۔ "تمہیں فارس کے مشورے پہ بھروسا ہے؟"

"دیکھو' وہ غصے کے تیز ہیں' جلد باز ہیں' ہاتھوں سے سوچتے ہیں' میں سب جانتا ہوں مگر میرا دل کہتا ہے' وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور میں دل کی سننا چاہتا ہوں۔" میری نے سر جھٹکا اور فون ملا کر' ہاشم سے بات کروانے کا کہہ کر ریسیور اسے دیا۔

"بولو سعدی!" ہاشم کا لہجہ خشک تھا۔

"میں اپنے وکیل کا نام بتانے کو تیار ہوں... مگر..."

"مگر تمہیں بدلے میں کچھ چاہیے' بتاؤ۔" وہ آفس میں بیٹھا فون کان اور کندھے کے درمیان رکھے' کاغذات کھنگال رہا تھا۔

"میں صرف آپ کو بتاؤں گا" آپ اور آپ کی والدہ

دونوں میرے پاس آئیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ سچ بتادوں گا۔ میں آپ کے لیے کام بھی کرنے کو تیار ہوں لیکن بدلے میں میں پیسے لوں گا' بہت پیسے۔ وہ پیسے میرے خاندان کو دیے جائیں گے اور میرا پیکج آپ اور مسز کاردار — میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے ڈسکس کر کے طے کریں گے۔"

"اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"میں تھک چکا ہوں ہاشم بھائی! میں تنگ آگیا ہوں۔" وہ روانی میں کہہ گیا تھا' پھر رک کر مسکرایا اور بظاہر تصحیح کی۔ "ہاشم!" میری کو دیکھتے آنکھ دبائی۔ اگر وہ ندرت ہوتی تو جوتا اٹھالیتی۔

"اور پلیز۔ اس ہپنو تھراپسٹ سے کہیں' یہاں سے چلی جائے' میں نے نہیں کروانا اس سے علاج' کیوں میرے پیچھے پڑی ہے؟" وہ کاغذ فائل سے نکالتا رکا۔ ایک دم چونک کر چہرہ اٹھایا۔ فون کندھے سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔ "کون تھراپسٹ؟"

"وہی سرخ اسکارف والی' آپ کے بزنس پارٹنر کی بیٹی۔ جس کو کرنل خاور میرے پاس لایا ہے۔" لحظے بھر کو رکا۔ "کیا آپ کو نہیں پتا؟"

دوسری طرف فون منقطع ہو چکا تھا۔ ہاشم موبائل رکھتے ہی آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلے کرتے سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہال عبور کر کے سامنے آیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

خاور فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اٹھا۔ ہاشم آگے بڑھا' فون کا کریڈل کھینچ کر زمین پہ دے مارا۔ خاور ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس نے گریبان سے پکڑ کر خاور کو جھٹکا دیا۔

"کس کی اجازت سے تم آبی کو وہاں لے کر گئے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ دھاڑا تھا۔

"سر۔ میں نے ہپنو تھراپسٹ کی بات کی تھی آپ سے۔ میں نے ہارون صاحب سے۔" وہ ہکلاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

"بکواس بند کرو' تم میرے لیے کام کرتے ہو' ہارون عبید کے لیے نہیں۔" غصے سے اس کا کالر جھٹک کر اسے پرے دھکیلا۔ "تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"سر۔ میں تو۔"

"بکواس بند کرو۔" اس نے زور سے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور نازک سی ٹی ٹرالی الٹ کر پیچھے جا گری۔ "ابھی۔ ابھی اس کو واپس لاؤ گے تم وہاں سے۔ خاور! اگر وہ دوبارہ اس سے ملی تو میں تمہیں شوٹ کردوں گا۔ سنا تم نے۔"

خاور کا اہانت اور شاک سے بھرا چہرہ چھوڑ کر وہ اسی طرح باہر نکل گیا۔ اسے کہیں پہنچنا تھا جلدی' ورنہ شاید وہ واقعی خاور کو شوٹ کردیتا۔ خاور ابھی تک دنگ تھا۔ پس منظر میں ایک آواز ابھری تھی۔

"تم کبھی کاردار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے۔"

☼ ☼ ☼

رہا مبتلا میں عمر بھر آگے کی دوڑ میں
جو آج مڑ کر دیکھا تو تنہا کھڑا تھا میں

سعد شاہ ان دنوں ایک ورکشاپ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ فارس غازی جوڈیشل ریمانڈ پہ جس دن جیل بھیجا گیا' اس روز سعد شاہ واپس آیا تھا۔ ایئرپورٹ سے گھر کے راستے میں اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

"عائزہ بی بی کہاں ہیں؟ دو دن سے فون نہیں اٹھا رہیں۔ لینڈ لائن بھی نہیں مل رہا۔"

ڈرائیور لاتعلقی کا اظہار کر کے خاموش رہا تھا' البتہ بار بار بیک ویو مرر میں صاحب کو دیکھتا ضرور تھا۔ کار گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور وہ دروازہ کھولتا باہر نکلا تو دیکھا لان میں عائزہ اور شہرا کے والد کھڑے تھے۔ وہ دراز قد' سیاہ سرمئی قلموں والے' بھرے بھرے جسم کے تنومند انسان تھے' سفید شلوار اور سوٹ میں ملبوس اور چہرے کا رنگ سرخ گلابی سا' ساتھ موجود چار افراد

بھی اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ سرمد شاہ کو انہونی کا احساس ہوا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔۔۔" وہ بظاہر مسکرا کر کہتا گلاسز گریبان میں اٹکاتا ان کی طرف آرہا تھا۔ آئی جی صاحب آگے بڑھے اور ایک دم سے اسے گریبان سے پکڑلیا۔

"ساری دنیا کہتی تھی 'جیسا باپ ہے' ویسا بیٹا نکلے گا' پھر بھی میں نے تمہارا اعتبار کیا۔" انہوں نے بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پہ جڑا تھا۔ غصے سے وہ بہت سے مغلظات بھی کہہ رہے تھے۔ سرمد شاہ پیچھے کو لڑکھڑایا۔ "تم نے میری دونوں بیٹیاں برباد کردیں۔"

"انکل۔۔۔ کیا ہوگیا ہے؟" اس کا چہرہ سرخ ہوا' وہ ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرنے لگا' دو نوجوان آگے بڑھے اور آئی جی صاحب کو تھام کر بمشکل ہٹایا۔ ایک نے سُرعت سے سرمد شاہ کے ہاتھ پیچھے باندھے اور اس سے پہلے کہ وہ مزاحمت کرپاتا' اس نے ہتھکڑی بند کردی۔

"کیا کررہے ہو' چھوڑو مجھے۔۔۔ انکل۔۔۔ میری بات سنیں۔" وہ بھی غصے سے چلایا تھا۔ "وہ جھوٹ بول رہی ہے' وہ بکواس کررہی ہے' میں۔۔۔"

"وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں جان گئی تھی' اس لیے تم نے اسے اغوا کرلیا۔ تم نے میری بیٹی کو برباد کردیا۔" وہ غصے اور دکھ سے پھر اس کی طرف بڑھے تھے مگر دونوں جوانوں نے انہیں پھر سے تھام کر پیچھے کیے رکھا۔

"سر! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ اندر جائیں' یہ ہمارے حوالے ہے۔" ایک آفیسران کو تسلی دے رہا تھا۔

"عائزہ کہاں ہے؟ عائزہ کو بلاؤ۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔" وہ ان دو اہلکاروں کے نرغے میں پھنسا' سرخ چہرے کے ساتھ چلا چلا کر ملازموں سے کہہ رہا تھا مگر کوئی نہیں سن رہا تھا۔

"نام مت لو میری بیٹی کا۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے رکے تھے۔ "عائزہ' عرصم' اور شنزا کو ملک

سے باہر بھیج دیا ہے۔ میں نے' ساری زندگی تم اپنے بیٹے کی شکل کو ترسو گے۔ تم بھی تو جانو اولاد کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے سرمد۔"

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ چھوڑو مجھے' میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ چلایا تھا۔

"اسے دور لے جاؤ میری نظروں سے۔ اس سے طلاق نامے پہ دستخط کرواؤ اور پراپرٹی کے کاغذوں پہ بھی۔۔۔ اس کو۔۔۔ اس کو اتنا مارو ولید! کہ اس کی شکل بدل جائے۔" وہ تیز تیز بولتے ہانپنے لگے تھے۔ دو اہلکار اس کو زبردستی کھینچتے' گھسیٹتے گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔

"دیکھ لوں گا میں تم سب کو۔ کوئی بھی عدالت میں مجھ پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔" وہ ہذیانی انداز میں چلایا تھا۔ آفیسر نے اسے کار میں دھکا دیا' پھر جھک کر تحقی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کون سی عدالت؟ ہم تمہیں تمہارے جیسے کسی تھانے نہیں لے جا رہے۔ ہم تمہیں بیورو کی زیر زمین جیل میں لے جا رہے ہیں۔ کریمنل پروسیجر کورٹ ہم پہ اپلائی نہیں ہوتا' نہ ہم تمہیں کسی عدالت میں پیش کریں گے۔ آج سے تم ایک مسنگ پرسن ہو۔"

اور کھٹاک سے دروازہ اس کے منہ پہ بند کیا۔ آئی جی صاحب ابھی تک غصے سے ہانپتے اس کو گالیاں دے رہے تھے۔ پھر وہ تھک کر کرسی پہ نڈھال سے بیٹھ گئے۔ انہیں معلوم تھا' وہ طاقت ور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا ہے' وہ ناجائز پیسہ بناتا ہے' فیورز دیتا ہے مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ غیر جانب دار رہنا چاہتے تھے اور انسان کو جہنم میں اس کی غیر جانب داری ضرور پہنچاتی ہے۔

انیکسی کے تہہ خانے میں دیوار پہ لگے کاغذوں کے سامنے حنین کھڑی تھی۔ ہاتھ اونچا کر کے اس نے سرمد شاہ کی تصویر اتاری اور اس کے دو ٹکڑے کر کے قریب جلتے ہیٹر پہ رکھ دیے۔ آگ کے شعلے تصویر کو اپنی لپیٹ میں لے کر سیاہ کرنے لگے۔

☆ ☆ ☆

کبھی جو مدتوں بعد اس کا سامنا ہوگا
سوائے پاس آداب تکلف کے اور کیا ہوگا

حنہ نے اطمینان سے مڑ کر زمر کو دیکھا جو میز پر فائلیں اور کتابیں رکھے نوٹس بنا رہی تھی۔ سر اٹھائے بغیر بولی۔

"اس کو انجوائے مت کرو۔"

حنہ چونکی پھر سر جھٹک کر بولی۔ میں انجوائے تو نہیں کر رہی۔

زمر کے موبائل کی ٹون بجی تو وہ فون اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کے ڈاکٹر کا پیغام تھا۔

"خوش قسمتی سے ایک ڈونر کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اس کا نمبر بھیج رہا ہوں' آپ اس سے بات کر لیں اور تمام معاملات طے کر لیں۔ غریب آدمی ہے' پیسوں کی سخت ضرورت ہے اسے۔" ساتھ ہی ایک نمبر موصول ہوا۔ زمر نے گہری سانس لی اور "ڈونر" کے نام سے اسے محفوظ کر دیا۔ دل سے ایک بوجھ سا ہٹا تھا۔

"وہ فائلز کہاں تک پہنچیں حنین؟"

"بتایا تھا نا' اپنی ایک فلیش خاور کے پاس لے کر گئی تھی' اس پہ تجربہ کر کے اس سے انکرپٹ کرنے کا طریقہ سیکھا ہے۔ اب ان فائلز پہ احتیاط سے اپلائی کر رہی ہوں وہ طریقہ۔۔۔ بہت سی چیزیں اب بھی نہیں معلوم' سو کچھ دن لگیں گے۔ شاید مہینہ۔۔۔ مگر ہو جائے گا۔" وہ پر امید تھی۔

ان سے چند کوس دور' قصر کاردار کا لاؤنج پورا روشن تھا اور اوپر سے نوشیرواں چہرے پہ ڈھیروں بے زاری سجائے' سستی سے زینے اتر رہا تھا۔ جمائی روکتے وہ نیچے آیا اور صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ آنکھوں کے گلابی پن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈرگز استعمال کر رہا تھا۔

"ممی کہاں ہیں فینونا؟" فینونا سامنے آئی تو اس نے پکارتے ہوئے میز پہ پیر رکھے اور موبائل چہرے کے سامنے کیے فیس بک کھولنے لگا۔

"مسز کاردار اور ہاشم صاحب صبح سری لنکا کے لیے نکلے تھے۔ ان کی کوئی میٹنگ تھی اور ایک سیمینار بھی

تھا۔"

"ہوں۔۔۔" وہ خاموشی سے بیٹھا موبائل دیکھتا رہا۔ شہرین کی ساری ٹائم لائن چیک کی۔ ایک ایک پوسٹ پڑھی مگر پھر بے زار ہوگیا۔ سر جھٹک کر چہرہ اٹھایا تو مرکزی دیوار پہ بڑا سا دکٹورین ڈیزائن کا فریم آویزاں دیکھا جس میں وہ چاروں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اورنگ زیب ' ہاشم جواہرات اور وہ خود۔۔۔ شیرو اسے تکے گیا 'مکمل فیملی گروپ فوٹو۔

ایک خیال نے ذہن پہ ہلکی سی دستک دی۔ کیا یہ مکمل گروپ فوٹو تھا؟ مگر فیملی تو مکمل نہ تھی۔ کسی معمول کی طرح اس نے موبائل اسکرین کو چھوا۔ سرچ کے خانے میں لکھا۔ "**علیشا کاردار**" اور کچھ بھی سوچے بنا کلک کردیا۔

فہرست میں پہلے نام کی بریکٹس میں لکھا تھا۔ (Ants Ever After) جس زمانے میں گھر میں اس لڑکی کے نام پہ جواہرات اور اورنگ زیب میں لڑائی ہوتی تھی 'تب اس نے سرچ کیا تھا اس کو۔ شاید اسی لیے اس کا نام اب بھی نکل آیا تھا۔ سرفہرست۔ نوشیرواں نے پروفائل کھولی۔ کور فوٹو پہ کلک کیا۔ وہ دو ہفتے قبل لگائی گئی تھی۔ پہلے سے ذرا بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی **علیشا**'کتابیں لیے کسی یونی ورسٹی کے باہر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں۔۔۔ شیرو نے اسکرین کو زوم ان کیا۔۔۔ بالکل اورنگ زیب جیسی تھیں۔ نوشیرواں جیسی۔۔۔ فارس جیسی۔۔۔

کتنے ہی پل بیت گئے۔ وہ یوں ہی گردن ترچھی کیے اس کی تصویر دیکھتا رہا۔ وہ اسپتال سے صحت یاب ہوکر آگئی تھی اور اب تعلیم حاصل کررہی تھی 'یہ تصویر سے واضح تھا۔ بغیر کسی دوسرے خیال کو ذہن میں لائے ' شیرو نے فرینڈ ریکوسٹ کے آپشن کو کلک کردیا۔

"دوستی کی درخواست بھیج دی گئی ہے۔" فیس بک نے ادب سے اطلاع دی۔ وہ عجیب سا محسوس کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

نہ شاہ پہ مرے ہم' نہ شاہ سے ڈرے ہم!
کچھ عجیب گر نہ ہوتے' شاہکار بن کے جیتے

کولمبو پرنم بھیگی ہواؤں میں اس شام عجیب سا جوش تھا۔ جو مایوسی کی انتہا پہ پہنچنے والوں کو نئے دن کے سورج کی امید دلایا کرتا ہے۔ ایسے میں اس طویل قامت ہوٹل کی عمارت کی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو بیڈ پہ نیم دراز آبدار کتاب پڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ بال اسکارف سے آزاد' لمبے اور سرخ رنگ کے تھے۔ چمکتا ہوا سرخ بھورا رنگ۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ دھرا موبائل خاموش تھا۔ اس پہ ہاشم کی پچھلے سات دنوں میں سات کالز آئی تھیں جو اس نے نہیں اٹھائی تھیں۔ خاور کی ایک ہی تھی جو اس نے سن کر بے رخی سے صرف اتنا کہا تھا۔

"ابھی وہ دن نہیں آیا جب ہاشم کاردار مجھ پہ حکم چلا سکے' جب مرضی ہوگی چلی جاؤں گی۔" اور کھٹاک سے فون بند کردیا تھا۔

اب بھی پڑھتے پڑھتے اس نے اچانک دراز کھولی اور وہ مڑا تڑا سا کاغذ نکالا۔ ہمن۔۔۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ وہ الجھ کر اس تصویر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

زیر زمین جاؤ تو سعدی کے کمرے کے باہر بنے لاؤنج میں ہاشم گرے سوٹ' ٹائی اور مسحور کن پرفیوم میں لپٹا' ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جبکہ جواہرات دزدیدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی' پرس نیچے رکھتی' دوسری کرسی پہ بیٹھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ مگر آنکھوں میں شدید کوفت تھی۔

سعدی سامنے آکھڑا ہوا تو وہ بروقت مسکرائی۔ نزاکت سے ماتھے پہ آئے بال انگلی سے پیچھے جھٹکے اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

"تم کیسے ہو سعدی؟ مجھے خوشی ہے کہ تم نے درست راستے کا انتخاب دیر سے ہی سہی مگر کرلیا۔"

وہ سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور آنکھوں میں نرمی تھی۔ ذرا سا مسکرایا۔

"میں ٹھیک ہوں مسز کاردار۔ کیا آپ نے مجھے کبھی مس کیا؟" پھر مقابل کرسی پہ بیٹھا اور ایک نظر ہاشم پہ ڈالی جو سنجیدہ اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ تم ہمارے بہت اچھے دوست تھے سعدی!"

"میں اب بھی آپ ہی کا دوست ہوں۔" اس نے جواہرات کی آنکھوں میں دیکھ کر یاددہانی کروائی۔

"کام کی بات پہ آؤ سعدی! تمہیں کیا چاہیے؟ ممی کو بمشکل میں نے ساتھ آنے پہ راضی کیا ہے۔ اگر اس میں پھر تمہاری کوئی گیم ہوئی تو۔۔۔"

"شہرین کاردار۔۔۔ میری وکیل شہرین تھی۔" وہ تیزی سے بولا۔ "اس کو دی تھی میں نے ویڈیو کی ایک کاپی۔۔۔ نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے جو encrypted ہے۔ اس نے اپنے کمرے کے لاکر میں رکھی تھی۔"

ہاشم بری طرح چونکا تھا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ ایک نظر جواہرات کو دیکھا جو دوسری جانب یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ "میری ادھر کیا کررہی ہے؟" میری کچن کی چوکھٹ پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"شہری؟ شہری نے۔۔۔ تم سچ بول رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا، تمہیں پتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں بولا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھاگئی۔

"میری ادھر کیسے ہاشم؟" جواہرات کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ بے یقین نگاہیں میری پہ جمی تھیں۔

"میری کو ہاشم نے میری دیکھ بھال کے لیے رکھ لیا ہے مسز کاردار۔۔۔ فکر نہ کریں۔۔۔ ہمارا بہت اچھا وقت گزر رہا ہے یہاں۔" مسکرا کر اطلاع دی تو جواہرات ایک دم گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔

"کام کی بات پہ آؤ سعدی، تمہارا پیکج؟"

"میں نے آپ کو یہاں کچھ اور بتانے کے لیے بلایا ہے۔" ہاشم کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

"تمہارے گیمز نہیں ختم ہوں گے، میں جارہا ہوں۔" وہ بے زار سا کھڑا ہوا ہی تھا کہ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہارے باپ کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے قتل کیا گیا تھا۔"

لمحے بھر کو ہر شے ساکت ہوگئی۔ باہر بہتا سمندر، تیز چلتی نم ہوا، ہاشم کی آنکھیں اور جواہرات کی دھڑکن۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" وہ بیٹھا نہیں، انداز میں غصے سے زیادہ تعجب تھا۔

"تمہارے باپ کا چہرہ مرتے وقت بے حد سفید تھا۔ تم نے ڈاکٹر سے بھی پوچھا تھا مگر ڈاکٹر نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس نے کہا، یہ **استھما** کی وجہ سے ہے۔" وہ بھی کھڑا ہوگیا۔ لمحے بھر کے لیے بھی ہاشم کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔۔۔ "مگر ڈاکٹر بک چکا تھا۔ تم نے بھی یقین کرلیا، کیونکہ تمہارے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ تمہارے ناقابل تسخیر باپ کو، تمہارے دیوتا جیسے باپ کو کوئی قتل کرسکے۔ قتل تو ہم چیونٹیوں جیسے لوگ کیے جاتے ہیں۔ پیر کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارا باپ بھی قتل ہوا تھا۔"

جواہرات ایک دم کھڑی ہوئی۔ وحشت سے دور کھڑی میری کو دیکھا اور پھر سعدی کو جو ہاشم کے مقابل کھڑا تھا۔ اس نے ہاشم کا چہرہ دیکھا، وہ برہم تھا، متعجب تھا اور۔۔۔ اور وہ چونکا ہوا بھی لگتا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"تمہارے آفس آکر بھی تم سے سب سچ بولا تھا میں نے ہاشم۔ تم مجھے جانتے ہو۔ میں ثبوت اور گواہ دیکھ چکا ہوں، اسی لیے کہہ رہا ہوں، تمہارے باپ کو قتل کیا گیا تھا اور جانتے ہو کس نے قتل کیا انہیں؟" وہ ہلکا سا مسکرایا، ایک سرد تپتی نگاہ سفید چہرے والی جواہرات پہ ڈالی۔

وہ نمک کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ بے یقین، خوف زدہ۔ یہ کچھ کرنے کا وقت تھا۔ وہ بے ہوش ہوجائے، طبیعت خرابی کا کہہ کر ہاشم سے کہے کہ وہاں سے نکلیں۔۔۔ اسے سعدی کو خاموش کروانا تھا مگر وہ جانتی

تھی ہر بات بے سود تھی۔

"ہاشم! یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کی بات مت سنو۔" بدقت وہ بڑبڑائی۔ دل ڈوب رہا تھا مگر ہاشم نے نہیں سنا۔ اس کا غصہ کم ہو رہا تھا اور وہ چونک کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"جاؤ' اپنے ڈاکٹر کی کنپٹی پہ پستول رکھو اور اس سے پوچھو کہ کس نے رپورٹ بدلنے کا حکم دیا تھا؟ وہ بھی اسی کا نام لے گا جس کا نام میں لوں گا' بتاؤں کون ہے وہ؟"

"ہاشم..." جواہرات کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔ وہ صرف ہاشم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے کسی ٹرانس میں تھا۔ وہ پُریقین نہیں تھا' مگر وہ شک میں تھا۔

"تم میرے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے ہو' مجھے معلوم ہے سعدی!"

"مگر تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تم اس شخص کا نام جاننا چاہتے ہو تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس نے قتل کیا تمہارے باپ کو۔" پھر سے ایک کاٹ دار نظر جواہرات پہ ڈالی۔ "تمہارے باپ کو اس نے مارا ہے' جس کے ساتھ تم ایک چھت تلے رہتے ہو۔ قاتل تمہارے گھر میں سے ہی ہے۔"

جواہرات کو لگا سعدی نے زنجیر کا پھندا اس کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور اب آہستہ آہستہ زنجیر گھما رہا ہے۔ گویا کھینچنے ہی والا ہو۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہ جس کو تم سے محبت کا دعوا ہے... تمہاری خیر خواہی کا دعوا ہے' تم سے دوستی کا دعوا... جس پہ تم بہت اعتماد کرتے ہو... اس نے تمہیں دھوکا دیا ہے ہاشم کاردار!"

جواہرات کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔ گردن کے گرد زنجیر تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ بھی شک و شبے مگر تھمے سانسوں کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی ایک قدم مزید آگے بڑھا' ہاشم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرایا۔ "خاور... کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو۔"

اور چند فلور اوپر... بیڈ پہ نیم دراز سرخ بالوں والی لڑکی کاغذ کو دیکھتی ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی۔ اس کی بلی جیسی آنکھیں چمکی تھیں۔

"میں اسے غلط دیکھ رہی تھی' یہ کانٹا نہیں ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بڑبڑائی تھی۔ "یہ کراس ہے' صلیب ہے اور یہ لفظ... یہ ہمن نہیں ہے... یہ... یہ ہامان ہے۔" اس کے ابرو اٹھے۔ "اور ہامان کون تھا؟"

وہ چونکی۔ "فرعون' موسیٰ کا وزیر... اس کا دست راست... اس کے سارے کام سرانجام دینے والا... اس کی حفاظت کرنے والا۔" وہ متعجب ہوئی۔ اتنے دن بعد اس نے بالآخر وہ پیغام ڈی کریپٹ کر لیا تھا جو کہہ رہا تھا۔

"ہامان کو... سولی چڑھا دو!"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے، جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں، ان کے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ حنین اور اسامہ، سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر، سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہوجاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے، جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہوجاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہوچکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔

جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔
فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔
والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔
پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے، جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔
نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔
بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔
سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

مکمل ناول

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں نصد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے۔ جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی

مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔
جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کررہا ہے۔
فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جارہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کرلے جاچکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہوجاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔
ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہوچکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔
ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔
وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔
اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔
تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔
حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔ سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کردیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہوسکتا ہے۔
"مثلا" کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلا" ... مثلا" ہاشم کاردار..." سعدی نے ہمت کرکے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے' جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی ہے۔ زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت

ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ

ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کرکے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔
زمر' فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی' وہ کمرے میں جاتی ہے تو وہ دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری' ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ.... فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہوگا۔
ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان جواہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر' احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کمپین چلا رہا ہے۔ آب دار ہارون عبید کی بیٹی ہے، جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس' زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کرکے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے' وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کرچکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتادیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک ادی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہوسکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔
سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے' جہاں احمر شفیع' ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔ زمر اور فارس' حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔
ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شاندار اسپتال جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔

حنین اور زمر ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔
ہاشم، سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہوجاتا ہے، پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے، تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔
جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو جس میں وہ اوسی پی کو قتل کررہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔
زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ جو سعدی نے دیا تھا۔ ناکارہ ہوچکا ہے۔

اٹھارھویں قسط

بھاری ہے وہ سر... جو پہنتا ہے تاج

میری رعایا کے ہزاروں لوگ
کیسے اس گھڑی سو رہے ہوں گے!
اے نیند، اے میٹھی نیند! قدرت کی نرم طبیب!
کتنا ڈرتا ہوں میں تم سے کہ تم مزید اب میری آنکھوں کو بوجھل کر کے
میری حسیات کو نسیان میں نہیں دھکیلتیں!
اے سکون کی دیوی، کیونکر تم رہتی ہو
چھوٹی بستیوں کے گندے میلے بستروں میں
مگر شاہی پلنگ کو چھوڑ جاتی ہو؟
اے نیند، تم اس گستاخ گھڑی کسی بحری جہاز پہ بھیگے ہوئے لڑکے پہ تو مہربان ہو سکتی ہو
مگر اس پرسکون اور خاموش رات میں
ہر آسائش اور نعمت ہونے کے باوجود
ایک بادشاہ کے سپرد ہونے سے انکاری ہو؟
مگر اس لیے کہ
رہتا ہے بھاری وہ سر
جو پہنتا ہے تاج!
(ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے کنگ ہنری فور سے "کنگ ہنری" کا مکالمہ)

"خاور۔ کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو!" جہاں جواہرات ششدر رہ گئی وہیں، ہاشم کے کان کی لوئیں سرخ ہوئیں۔ آنکھوں میں برہمی عود آئی۔
"تم خاور پہ اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتے ہو؟ ایک منٹ!" پتلیاں سکیڑے نفی میں سر ہلاتے وہ بولا۔ "یہ کیا تمہارا کوئی نیا گیم ہے؟ تم مجھے اور خاور کو توڑنا چاہتے ہو؟ جانتے ہو ناکہ وہ میرا خاص آدمی ہے۔"
"میں صرف تمہیں اذیت دینا چاہتا ہوں، اور اپنی بات ثابت کرنے کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تحقیق تم کو خود کرنی ہے۔"
جواہرات سفید چہرے کے ساتھ نڈھال سی واپس بیٹھی۔
"کیا بکواس ہے یہ سعدی! پیکج، پیسے، میرے لیے کام، وہ سب جھوٹ تھا جس کے بہانے تم نے مجھے یہاں بلایا۔" ہاشم نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ "اور میرے باپ کی موت صرف ایک حادثہ تھی۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ انہیں قتل کیا گیا تھا ہاں...؟"
"گواہ ہے میرے پاس۔" سعدی نے جواہرات کو دیکھتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ وہ جو دم بخود بیٹھی تھی، چونکی۔ "سعدی! تم یہ کیا..."
"مسز کاردار ہیں گواہ! کیوں مسز کاردار؟ کیا آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا، دو سال پہلے کہ آپ کو شک ہے خاور پہ؟"
ہاشم یک دم بالکل ٹھہر گیا۔ جواہرات کا سانس تک رک گیا۔

"ممی! آپ کو خاور پہ شک تھا؟" اس کی ٹون بدلی۔ چونک کر ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

"آرام سے ہاشم۔ تم دیکھ نہیں رہے' وہ خوف زدہ ہیں۔" سعدی نے نرمی سے مداخلت کی۔ "میں بتاتا ہوں' تمہارے والد کی موت کے کچھ دن بعد' جب میں مسز کاردار کی خیریت پتا کرنے آیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ ان کو شک تھا کہ انہوں نے کھڑکی سے باہر کوئی سایہ سا باتھ روم سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا' وہ ان کے سب سے وفادار ملازم کا سایہ لگتا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھیں۔ میں نے اس وقت اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ مگر قید خانہ انسان کو غور و فکر کے لیے مواقع دیتا ہے۔"

وہ کہے جارہا تھا مگر ہاشم ٹھیک سے سن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ششدر بیٹھی ماں کے پاس آیا اور سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"ممی! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی آپ نے کچھ دیکھا تھا؟"

جواہرات نے سفید چہرہ اٹھایا۔ ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ گردن کی زنجیر تنگ ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہی وقت تھا جب وہ سر اٹھا کر ان تمام الزامات سے انکار کرسکتی تھی اور اس متوقع بلیک میلنگ سے بچ سکتی تھی' مگر سر اٹھانے کے لیے بے داغ اعمال نامے چاہیے ہوتے ہیں۔ اس نے دھندلاتی' نم پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ فکر مندی' اور برہمی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

"وہ صرف ایک سایہ تھا' مجھے یاد نہیں کہ میں نے خاور کا نام لیا تھا۔" آنسوؤں سے اس کا گلا رندھا۔ ہاشم کے چہرے پہ جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔

"تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟" زور سے چلاتے ہوئے اس نے جوتے سے میز کو ٹھوکر ماری۔ میز چائے کے پیالیوں سمیت الٹ گئی۔ جہاں سعدی کی مسکراہٹ تھمی' دل زور سے دھڑکا' وہاں کچن میں کھڑی میری بھی کانپ گئی۔

"نہیں۔۔۔ میں بوڑھی ہو رہی ہوں' شاید وہ نظروں کا دھوکا ہو' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔" جواہرات ٹوٹے پھوٹے لفظ بول رہی تھی۔ بار بار انگلیوں کے پوروں سے چہرہ تھپتھپاتی۔ "میں تو اس بات کو بھول بھال گئی تھی۔" ایک ملامتی' بھیگی نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے پلکیں بند کر کے سر کو خم دیا۔ گردن کی زنجیر اب کس گئی تھی۔

ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں نہیں مان سکتا۔ خاور میرا وفادار ہے۔ اس کا ڈیڈ سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔" وہ اب نفی میں سر ہلاتے ادھر سے ادھر ٹہلتے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں یا میرا اندازہ غلط ہو۔ تم پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر سے پوچھ لو۔" ہاشم گھوم کر اس کے پاس آیا۔ کالر سے پکڑ کر اسے کھینچ کر اٹھایا اور اپنے مقابل لا کر' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے غرایا۔

"اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ سمجھے تم!" جھٹکے سے کالر چھوڑا۔

"تمہارے باپ کو قتل کیا گیا ہے ہاشم! اگر خاور نے نہیں تو کسی اور نے۔ کس نے کیا ہے' یہ اب تمہیں خود کھوجنا ہے۔"

ہاشم ایک تیز مضطرب سی نظر اس پر ڈال کر "چلیں ممی!" کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' وہ غصے میں لگتا تھا اور شدید بے سکون بھی۔ جواہرات بدقت اپنے قدموں پہ کھڑی ہوئی۔ ملامتی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

"اتنی اذیت کیوں دے رہے ہو مجھے اور میرے بیٹے کو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ خاور نے یہ سب کیا ہے؟" مضبوط بنانے کی کوشش میں کمزور آواز مزید کپکپائی۔

"آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ جب تک آپ کے بیٹے آپ کے ساتھ ہیں' کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

اس کے الفاظ پہ وہ اندر تک کانپ گئی۔
"اگر یہ جھوٹ نکلا تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گا سعدی!" دروازے پہ کھڑا ہاشم انگلی اٹھا کر غصے سے تنبیہہ کر رہا تھا۔ سعدی نے سینے پر ہاتھ رکھے، سر کو خم دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ جیسے ہی کمرے میں آیا، میری پیچھے آئی۔
"یہ بہت برا آئیڈیا تھا سعدی۔" وہ شدید پریشان تھی۔ "جب خاور کے خلاف کوئی ثبوت ہے ہی نہیں تو وہ کیسے مجرم ثابت ہو گا؟"
وہ زخم خوردہ سا مسکرایا۔ "ثبوت مجھے نہیں ڈھونڈنے۔ ثبوت مسز کاردار خود پیدا کریں گی، کیونکہ ہاشم اس بات پہ یقین کر چکا ہے کہ اس کا باپ طبعی موت نہیں مرا۔ اب الزام کس کے سر آئے گا؟ یہ مسز کاردار نے طے کرنا ہے۔ اب وہی ثابت کریں گی کہ خاور اصل مجرم ہے۔"
"مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا؟" یہ سوال میری کو اب بھی الجھا رہا تھا۔
"دیکھتی جاؤ!" وہ گہری سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا اور میری فکر مندسی باہر نکل گئی۔ وہ شدید ناخوش تھی۔

☼ ☼ ☼
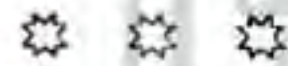
تو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب

مجھے شوق کمال بھی نہیں، خوف زوال بھی

نہیں

لمحے بھر کے لیے ایک ہفتہ پیچھے جاتے ہیں۔
سنہری نرم گرم دھوپ جیل کے صحن میں بکھری تھی۔ فارس غازی سفید کرتے میں ملبوس، ایک سپاہی کی معیت میں چلتا آ رہا تھا۔ لگ بھگ چھ سات ماہ بعد وہ اس جیل میں دوبارہ داخل ہوا تھا۔ راہداری پرانی اور گندی میلی تھی۔ دیوار میں سلاخیں لگا کر دروازے بنائے گئے تھے۔ جگہ جگہ فقرے، اشعار اور نام دیواروں پہ لکھے تھے۔ وہ تنے ابرو، اٹھی گردن کے ساتھ اور بے نیازی کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ راستے میں چند جگہوں پہ اسے سلام کیا گیا۔ جس کا اس نے کبھی سر کے خم اور کبھی ماتھے کو ہاتھ سے چھو کر اسی بے نیازی مگر اپنائیت سے جواب دیا اور آگے چلتا گیا۔
وہ ایک طویل کھلا اور روشن سا کمرہ تھا۔ دونوں مخالف دیواروں کے ساتھ قطاروں میں میٹرس لگے تھے۔ ہر میٹرس کے اوپر دیوار پہ کھونٹی پہ متعلقہ قیدی کے کپڑے، سوئیٹر وغیرہ لٹک رہے تھے۔ کوئی بیٹھا تھا، کچھ گروہ کی صورت کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا تو کسی کی نگاہ ادھر پڑی، کسی نے اس کا نام لیا۔ گردنیں مڑیں۔ خاموشی ہر سو پھیلی۔ بہت سے سلام بلند ہوئے۔ وہ سر کے خم اور بڑبڑاہٹ سے جواب دیتا کونے تک آیا۔ یہ میٹرس اس کا تھا۔ وہ نیچے بیٹھا۔ سر جھکا کر جوتے اتارنے لگا۔
"تو ادھر دوبارہ کیسے غازی؟" کسی نے متفکر ہو کر پکارا تھا۔
"مرڈر!" دیوار سے ٹیک لگائے، اکڑوں بیٹھ گیا اور سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔ چند مزید باتیں سنائی دیں پھر وہ سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ وہ اب نگاہ گھما کر ان در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔
جب وہ پہلی دفعہ جیل میں آیا تھا تب وہ ایسا نہیں تھا۔ تب کچھ بھی ایسا نہ تھا۔ مگر اس نے ذہن سے ان دنوں کو جھٹک دیا۔ اور گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ قیدی ابھی تک مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک گروہ نے کسی کو راستہ دیا اور ایک شخص ان کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتا دکھائی دیا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں سکھوں کی مانند تھیں، آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ اسے دیکھ کر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔
"غازی!" اس نے مصافحہ کے بجائے پنجہ بڑھایا جس کے ساتھ فارس نے پنجہ ملا کر جکڑا اور پھر اس سے گلے ملا۔ علیحدہ ہو کر اس نے مسکرا کر فارس کو دیکھتے اس کا شانہ تھپکا۔

"اداس نہ ہو یار! یہ بھی تیرا اپنا ہی گھر ہے۔"

فارس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر جھٹکا۔ "نہ یہ گھر ہے' نہ اپنا ہے۔"

"چل آ۔ تجھے کچھ نئے دوستوں سے ملواتا ہوں۔"

وہ اس کو دوستانہ انداز میں شانے سے تھامے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا نام محمد جلال الدین آتش تھا' مگر یہاں اسے صرف "آتش" کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھ کے قریب ایک گہرے زخم کا پرانا نشان تھا۔ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتے فارس نے ایک خاموش نظر اس کی آنکھ کے نشان پہ ڈالی۔

یہ زخم اسے فارس نے ہی دیا تھا۔ کسی اور زمانے' کسی اور دنیا میں۔

اس منظر کو سات دن بیت چکے تھے۔ وکیل دفاع کو دیے گئے سات دن کی مہلت آج تمام ہوئی تھی۔ سو کل اسے پھر سے "حوالات" (گاڑی) میں ڈال کر عدالت لے جایا جانا تھا۔ وہ آج بھی اتنا ہی سنجیدہ اور خاموش تھا۔

☼ ☼ ☼

سب ہی پریاں محبت کی جفا نے مار ڈالی ہیں
ایک آسیب آیا تھا' یہاں گلفام سے پہلے

سعدی کے پاس سے آکر ہاشم اپنے کمرے میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا' اور جواہرات مضطرب سی کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ صرف ڈسٹرب تھا' پریشان'

چونکا ہوا تھا' مگر جواہرات؟ اس کا چہرہ سفید اور جسم بے جان تھا۔ وہ بار بار لب کھولتی لیکن پھر ہاشم کے تیور دیکھ کر چپ ہو جاتی۔

ہاشم کو یہیں چھوڑ کر نچلے فلور پہ جاؤ تو کمروں کے بند دروازے راہداری کے دونوں طرف قطار سے لگے تھے۔ دفعتاً" ایک دروزہ کھول کر آبدار نکلی اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی لفٹ نیچے اتری تو وہ کچن میں آئی اور وہاں سے سیدھی ہیڈ شیف کے سر پہ پہنچی۔

"مجھے نیچے جانا ہے۔" مقامی زبان میں سنجیدگی سے کہا۔ شیف نے تذبذب سے اسے دیکھا۔

"مجھے اجازت نہیں ہے مادام۔ فصیح صاحب کی غیر موجودگی میں۔"

اس نے اسٹینڈ سے ایک تیز چھرا اٹھایا اور اس کی نوک' شیف کے کاؤنٹر پہ رکھے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیانی خلا میں گاڑی' پھر تیکھی نظروں سے اس کا یک دم شل ہوتا چہرہ دیکھا۔ "تم مجھے بتاؤ' اگر میں تمہیں قتل کردوں' تو کیا میں جیل جاؤں گی؟ تمہیں نہیں لگتا کہ میرے بابا مجھے فوراً" بچالیں گے؟"

شیف نے آہستہ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سعدی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دستک دے کر دروازہ کھولا تو وہ ہنوز مضطرب سا' مگر سوچ میں گم بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔ پھر کھڑا ہوا۔ "میں نے وکیل کا نام بتادیا ہے ہاشم کو۔ اب تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اندر آئی' دروازہ بند کیا اور بند دروازے سے پشت لگائے' چمک دار آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "ہامان کون ہے؟"

سعدی کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ مگر آنکھوں میں سختی در آئی۔

"ماموں نے تمہارے ذریعے پیغام بھیجا' انہیں تم پہ اعتبار تھا' مجھے نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم سب بھول جاؤ۔"

"کون ہے ہامان اور کیا کروگے تم اس کے ساتھ؟"

وہ پلکیں جھپکا کر' شیطانی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"کم از کم تمہاری طرح میں اس سر راہ نہیں پٹواؤں گا۔"

آبی کی مسکراہٹ تھمی۔ ابرو تعجب سے بھنچے۔

"تم نے اس روز بھی مجھ سے یہی بات کہی تھی۔ کتنے جج مینٹل انسان ہو تم۔ تم نے خود سے فرض کرلیا

کہ نوشیرواں کو پٹوانے میں میرا ہاتھ تھا۔"

"محترمہ! آپ کے منگیتر نے خود نوشیرواں کو بتایا تھا کہ وہ آپ کا منگیتر ہے اور یہ کہ اگر اس نے دوبارہ آپ کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اس سے بھی انکار کردیں۔ اس لیے میں نے کہا نا، مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔"

سوگوار کمرے میں ایک دم تناؤ سا در آیا۔ آبی لمحے بھر کو بالکل سن رہ گئی۔ متحیر۔ مبہوت۔ وہ بہت کچھ کہنے کے ارادے سے آئی تھی، سب بھول کر باہر کو لپکی۔ پھولے تنفس اور سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز اوپر آئی تھی۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر بیل بجائی۔ پھر بند مٹھی سے اسے بجایا۔ زور سے۔ جواب موصول نہ ہوا تو اونچی آواز میں بولی۔

"آبدار ہوں۔ دروازہ کھولو۔"

اگلے ہی لمحے دروازہ اندر کو کھلا اور ہاشم کاردار سامنے نظر آیا۔ کوٹ اور ٹائی ندارد، آستینیں کہنیوں تک موڑے وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ پس منظر میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات دکھائی دے رہی تھی۔

"کیسی ہو ریڈ؟" جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ برہم نگاہیں اس پہ جمائے، سینے پر بازو لپیٹے ہوئے تھی۔

"ابھی میں... بات نہیں کرسکتا، بعد میں..." وہ واقعی اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"جب نوشیرواں مجھے یونی ورسٹی میں تنگ کررہا تھا تو میں نے تمہیں کال کی تھی۔ صرف تمہیں اور تم نے میری شکایت کے جواب میں کہا تھا کہ تم سنبھال لوگے، کیسے سنبھالا تھا تم نے؟" ہاشم دروازہ بند کرکے راہ داری میں آکھڑا ہوا بولا۔ "کچھ نہیں، بس اسے دیکھتا رہا۔

"ایک دن اچانک اس نے مجھے کالز کرنا چھوڑ دیا۔ دوبارہ کبھی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں؟"

"آبی...!"

"تم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا ہاشم؟" وہ بے یقین تھی۔

"کس نے بتایا تمہیں؟ تمہارے نئے بیسٹ فرینڈ نے؟" ہلکا سا طنز کیا۔

"ہاشم! تم نے میرے کسی منگیتر کا کہہ کر اس کو پٹوایا؟ تم ایسا کیسے کرسکتے ہو؟"

"سنو آبدار!" اب کے وہ سختی سے بولا۔ "میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔" کرب سے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔ "جب میں ہائی اسکول میں تھا تو میں کچھ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تھا۔ میرے باپ نے مجھے ان کے ساتھ پولیس سے پکڑوایا اور تھانے میں ایک رات کے لیے بند کروادیا۔ میں اس کے بعد کبھی ان لڑکوں سے نہیں ملا۔ میری پڑھائی ٹھیک ہوگئی۔ جیسے میرے باپ نے مجھے ہینڈل کیا تھا، میں نے بھی شیرو کو ویسے ہی ہینڈل کیا اور وہ بھی ٹھیک ہوگیا۔ وہ میرا بھائی ہے، اس کی حفاظت مجھے کرنی ہے، کیسے؟ یہ صرف میں جانتا ہوں۔ گڈ نائٹ۔"

ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر، اس کے منہ پہ دروازہ بند کرکے اندر چلا گیا۔ آبدار ابھی تک بے یقین کھڑی تھی۔

جواہرات اسے آتے دیکھ کر پریشانی سے اٹھی۔

"ہاشم! شاید ہم خوامخواہ سعدی کی بات کو سیریس..."

"میرا باپ قتل ہوا ہے ممی!" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ "مجھے اپنے باپ کی لاش دیکھ کر ہی سمجھ جانا چاہیے تھا مگر میں نے ڈاکٹر پہ بھروسا کیا۔ سعدی ٹھیک کہتا ہے، میرا تکبر مجھے دھوکا دے گیا۔ میرا ناقابل تسخیر باپ بھی قتل ہوسکتا ہے، میں یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ ورنہ ہر چیز میری آنکھوں کے سامنے تھی۔" نفی میں سر ہلاتے، وہ نچڑی رنگت کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا۔

جواہرات مضطرب سی کھڑی رہی۔ "کیا خاور ایسا کرسکتا ہے؟"

ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا، جس کے پار کچھ دیر

پہلے آئی کھڑی تھی۔

"ممی! خاور بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے بتائے بغیر۔" پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں مسلیں۔ "مگر وہ میرے باپ کو نہیں مار سکتا۔"

"ہمیں اس ڈاکٹر سے بات کرنا چاہیے۔" جواہرات نے فوراً" موبائل اٹھایا مگر اگلے ہی لمحے وہ ششدر رہ گئی جب ہاشم نے سختی سے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

"کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا۔ صرف میں بات کروں گا اس سے۔ آپ بھی کسی کو کال نہیں کریں گی۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

جواہرات کا سانس رک گیا۔ "میں تمہاری ماں ہوں ہاشم!"

"اور جو مرا ہے' وہ میرا باپ تھا۔ جو بات آپ نے سعدی کو بتائی' وہ مجھے نہیں بتائی ممی! اس وقت مجھے کسی پہ بھروسا نہیں ہے۔" گلابی آنکھوں کے ساتھ وہ دکھ سے کہتا اٹھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔ "آپ پہ بھی نہیں۔" اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

جواہرات کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔ ہاشم زور سے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

روز قیامت ہے میرا ہر روز حیات
حشر ہوں اور خود اپنے اندر برپا ہوں

اسلام آباد میں اگلی صبح سرد اور نم سی محسوس ہوتی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا تھا اور ان بادلوں کا رنگ گناہوں کی طرح سیاہ تھا گویا سارے شہر پہ اندھیرا سا چھایا ہو۔ ایسے میں کچہری کی سفید عمارت نکھری نکھری سی کھڑی تھی اور ایک وسیع اور بلند ہال کے اندر دیکھو تو راہ داریوں کے جنمی شور سے بے نیاز' وہاں عدالتی کارروائی جاری تھی۔ بلند چبوترے پہ اپنی اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب جسٹس فخر الزماں صاحب' ناک پہ عینک جمائے' ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔

"فارس طہیر غازی! کیا آپ نے بارہ اگست کی صبح ناظم فاروق کے ساتھ مل کر قمر الدین چوہدری کو اغوا کیا۔۔۔ اور۔۔۔"

سامنے کٹہرے میں فارس گردن اٹھائے' ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑا سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ صاف ستھرے سفید کرتے میں ملبوس' تازہ بنی شیو اور تازہ کٹوائے بالوں کے ساتھ وہ ہونٹوں کے زخم کے باوجود ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔

چبوترے سے نیچے اترو تو سامنے دونوں اطراف میں میزیں رکھی تھیں۔ ایک طرف سرکاری پراسیکیوٹر بیٹھا تھا' ساتھ میں دو دو کلا اور بھی تھے۔ دوسری میز کے پیچھے کرسی پہ ٹیک لگائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی' سوچتی نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ادھر جج صاحب فرد جرم پڑھ رہے تھے۔

"اور لاش کو کار میں ڈالا اور ناظم فاروق کے ساتھ اسے مقتول کے گھر لے آئے' پھر اسے گھر کے باہر پھینکا اور اسی کار میں فرار ہو گئے۔" جج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کیا آپ ان جرائم کا اقرار کرتے ہیں؟"

"نہیں یور آنر۔۔۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے یہ اغوا اور قتل نہیں کیا۔" زمر نے نگاہ سامنے رکھے کاغذ پہ ڈالی۔ اس پہ یہی سوال و جواب لکھے ہوئے تھے۔ روٹین کی کارروائی جاری تھی۔

"کیا آپ کو تیرہ اکتوبر کی رات آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا اور آپ سے مذکورہ پستول برآمد کیا گیا؟"

"نہیں یور آنر۔۔۔ میری گرفتاری کے وقت میرے پاس میری گن نہیں تھی۔ جس پستول کی برآمدگی لکھی گئی ہے وہ پولیس نے میرے اوپر ڈالی ہے' وہ پستول نہ میرا ہے' نہ میرے پاس سے ملا ہے۔" وہ سنجیدگی سے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"آپ کس طرح پلیڈ کریں گے؟"

"I Plead innocent" وہ اسی میکانکی

انداز میں بولا تھا۔
زمر نے آخری سوال پہ نظر دوڑائی جو کاغذ پہ لکھا تھا۔ ایک سطر کا سوال (کیا آپ اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟) اور اس کا ایک لفظ "نہیں" جج صاحب بھی اب وہی پوچھ رہے تھے۔
"فارس طہیر غازی... کیا آپ کرمنل کورٹ پروسیجر سیکشن 340 کے تحت اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟"
زمر ہونٹوں میں قلم چباتے اسے دیکھ رہی تھی۔
وہ لحظے بھر کو رکا۔ پھر اسی طرح گردن اٹھائے بولا۔ "جی یور آنر۔"
(قانون کے تحت اعتراف جرم کے لیے ملزم کو نہیں بلایا جا سکتا۔ ہاں اگر وہ خود چاہے تو اپنے گواہ کے طور پر خود کو پیش کر سکتا ہے۔ اس صورت میں پراسیکیوٹر اس سے سوال جواب جرح کر سکتا ہے اور اس کو حلف اٹھا کر سچ سچ جواب دینا ہوگا۔)

زمر بجلی کی تیزی سے کھڑی ہوئی۔ "یور آنر، مجھے اپنے کلائنٹ سے بات کرنا ہے۔" جج نے ایک گہری نظر فارس پہ ڈالی دوسری زمر پہ۔
"آپ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے وکیل سے کنسلٹ کر لیجیے۔" گویا تنبیہہ کی مگر وہ ویسے ہی مطمئن کھڑا رہا۔
"میں فیصلہ کر چکا ہوں یور آنر... میں اپنا گواہ بننے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔" اور ایک اچٹتی نظر نیچے کھڑی زمر پہ ڈالی جو ایک دم پریشان سی ہو گئی تھی۔
"ٹھیک ہے... آپ کو ٹرائل کا حق دیا جا رہا ہے۔ گیارہ نومبر کو استغاثہ عدالت میں اپنے..." وہ آرڈر جاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے اور زمر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کا ہتھوڑا اٹھا کر فارس کو دے مارے۔
کارروائی ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ چلتی باہر آئی اور جس وقت پولیس اہلکار اس کو ہتھکڑی لگا رہے تھے وہ بہت ضبط سے بولی تھی۔
"فارس! تم گواہی نہیں دے سکتے۔" آنکھوں سے تنبیہہ کی۔ وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا' پھر ذرا سا مسکرایا۔
"میں بے گناہ ہوں' گواہی دے سکتا ہوں۔"
"وہ تم سے 28 اگست کی رات کے بارے میں پوچھیں۔"
"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" ہتھکڑی بند ہوئی اور وہ اسے لے کر مڑ گئے اور زمر... پیر پٹخ کر رہ گئی۔
وہ شدید پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اس کے لیے عدالت میں ایک ہزار جھوٹ بول سکتی تھی اور عدالت میں اکثر یہی تو کیا جاتا ہے مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر گواہ کے طور پہ قسم اٹھا کر جھوٹ... یہ جھوٹی گواہی تھی اور وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا فارس بھی جھوٹ نہیں بولے گا اور ہاشم کو بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا' اسی لیے تو سارا کھیل ترتیب دیا تھا' قاتل نہ سہی۔ اس کا آگ لگانا ہی کھل جائے! اف وہ اس آدمی کا دفاع کیسے کرے جو خود اپنا دفاع نہیں کرنا چاہتا تھا؟
بہت برے موڈ کے ساتھ وہ واپس پلٹی تھی۔
شہر کے دوسرے حصے میں قائم قصر کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے باہر صبح کا سیاہ آسمان نظر آ رہا تھا۔ لاؤنج کی ایک کھڑکی کے قریب کرسی پہ نیم دراز' پیر چھوٹی میز پہ رکھے' نوشیرواں رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں میں... تازہ تازہ نیند سے جاگا' موبائل پہ مصروف تھا۔ انگلی سے اسکرین اوپر نیچے کرتے' بےزاری اور سستی سے نیوز فیڈ دیکھتے' وہ ایک دم ٹھہرا' ذرا چونکا۔ سستی غائب ہوئی۔ اطلاع موصول ہوئی تھی۔
"علیشا کاردار نے آپ کی دوستی کی درخواست قبول کر لی ہے۔"
نوشیرواں نے ٹھوڑی پہ فرنچ کٹ داڑھی کھجائی۔ ایک دم اپنا آپ چغد سا لگا۔ اس حرکت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ کیوں کیا ایسے؟ قنوطیت کا دوسرا دورہ پڑنے لگا تو ابرو اکٹھے ہوئے۔ خفگی سے علیشا کی

پروفائل کھولی اور دوستی ختم کرنے کے نشان کو کلک کرنے ہی لگا تھا کہ۔۔۔ علیشا کا پیغام موصول ہوا۔ سرخ نشان ابھرا' شیروں نے اسے دبایا۔ "نوشیرواں کاردار؟ تم نے مجھے ایڈ کیوں کیا؟"

اس کی انگلیاں بنا سوچے سمجھے کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔ "کیوں؟ کیا میں تمہیں ایڈ نہیں کر سکتا؟ کیا ہم فیملی نہیں ہیں؟" ساتھ ہی کندھے بھی اچکائے تھے۔

"واہ۔۔۔ پچیس سال بعد تمہیں یاد آ گیا کہ ہم فیملی ہیں۔"

"اگر میری جگہ ہاشم بھائی نے تمہیں ایڈ کیا ہوتا تو تم شاید کسی اور طرح جواب دیتیں۔۔۔ ہے نا؟"

"ہاشم کو مجھے ایڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر مہینے مجھے فون کر لیتا ہے اور وہ میری فیس بھی ادا کر رہا ہے' اس کے بدلے میں مجھے صرف تمہارے خاندان سے دور رہنا ہے۔ اس لیے مجھے اسی طرح جواب دینا چاہیے۔۔۔ بائے۔۔۔" اور وہ آف لائن ہو گئی۔

نوشیرواں کو غصہ نہیں آیا' وہ اسی طرح عجیب سے احساس میں گھرا بیٹھا رہا۔ تب ہی باہر ہلچل کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ وہ چونکا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے پار رکتی کاریں۔۔۔ کھلتے دروازے۔۔۔ آوازیں۔۔۔ تیز تیز گھر کی طرف بڑھتا ہاشم۔۔۔ پیچھے جواہرات۔۔۔ سب دکھائی دے رہا تھا۔ شیرو نے ایک دم جلدی سے فیس بک بند کی اور فون پاکٹ میں گویا چھپاتا' اٹھا۔

"ہیلو بھائی۔۔۔ آپ جلدی آ گئے۔" ہاشم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو شیرو جبراً" مسکراتا سامنے آیا۔

ہاشم سنجیدہ ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالتا تیزی سے کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ شیرو نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا' پھر پیچھے آتی مضطرب سی جواہرات کو۔ تب ہی فنیونا سامنے آئی' ادب سے ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

"خاور کہاں ہے؟" جواہرات نے اسی اضطراب سے پوچھا تھا۔
"مسٹر خاور کو کل ہاشم صاحب نے فون کرکے سندھ جانے کا حکم دیا تھا' وہاں پلانٹ پہ کچھ کام تھا۔ غالباً" دو تین روز میں آپائے گا۔"
"اچھا۔" جواہرات آدھی بات ان سنی کرتی ہاشم کے پیچھے گئی۔ فینونا تو اثر لیے بنا کھانا لگانے کا حکم دینے کچن کی طرف چلی گئی' البتہ نوشیرواں قدرے اچنبھے' قدرے خفگی سے ماں کے پیچھے آیا۔
"آپ لوگوں کا موڈ کیوں خراب ہے؟" کنٹرول روم کے دروازے پہ آیا تو اگلے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ ہاشم مختلف دراز اور خانے کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جواہرات اس کے سر پہ کھڑی پریشان کہہ رہی تھی۔
"کچھ دیر آرام کرلو' شام کو ڈاکٹر واسطی کو گھر بلا کر بات کرلیں گے۔"
ایک کاغذ دراز سے نکال کر وہ اسے جیب میں اڑستا اٹھا۔ "میرے باپ کی موت کو اس نے مذاق بنا کر رکھ دیا اور آپ کہتی ہیں' میں آرام کرلوں؟" ایسے چیخ کر بولا تھا کہ جواہرات چپ رہ گئی۔
"کیا ہوا بھائی؟" نوشیرواں چونکا تھا۔
"ہم ڈاکٹر واسطی کی طرف جارہے ہیں' کپڑے بدلو۔" سختی سے کہہ کر فون پہ کال ملانے لگا۔ نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ جواہرات نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔
"رئیس! تم پہنچے نہیں اب تک؟" وہ اب فون پہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ماحول کا تناؤ ہر گزرتے پل بڑھتا جارہا تھا۔

☼ ☼ ☼
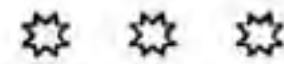
نہ کوئی سمت' نہ منزل' سو قافلہ کیسا؟
رواں ہے بھیڑ فقط' بے قیاس لوگوں کی

کاردارز کو وہیں چھوڑ کر سبزہ زار عبور کرکے' انیکسی کے اندر آؤ تو دوپہر کے باوجود' موسم کے باعث اندر اندھیرا سا تھا اور ٹیوب لائٹس جل رہی تھیں۔ کچن کی گول میز کے گرد ندرت بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں اور حنین ساتھ میں مونگ پھلی کے شاپر سے مونگ پھلیاں نکال کر کھا رہی تھی۔
"ہزار دفعہ کہا ہے' چھلکے اسی صاف مونگ پھلی والے شاپر میں نہ ڈالو۔" اس کے مسلسل چھلکے اندر ہی پھینکنے پہ ندرت نے ٹوکا۔ حنہ سرہلا کر اب چھلکے میز پہ رکھنے لگی۔ ندرت کو پھر تاؤ آیا۔
"حنین! کوئی تمیز ہے تم میں؟ دوسروں کی بیٹیاں دیکھیں ہیں؟ سگھڑ' سلیقہ شعار' ہر کام میں طاق' کیا کیا نہیں ہوتیں؟ تم کب سیکھو گی؟"
"امی! پہلی بات' ماموں کے نہ ہونے کا غصہ مجھ پہ نہ نکالیں' دوسری بات۔۔۔" پھلی منہ میں ڈالتے' چباتے چباتے سنجیدگی سے ان کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "دوسروں کی بیٹیاں میری طرح پڑھائی میں اچھی اور کمپیوٹر جینئس نہیں ہوتیں۔"
"لڑکیوں کے کام پہ کمپیوٹر نہیں آتے۔"
"یار امی! میں نہ سلائی کڑھائی کرسکتی ہوں' نہ مجھے دس قسم کی چٹنیاں بنانی آتی ہیں۔ مجھ سے تا آپ سگھڑاپے کی توقع چھوڑ دیں۔" مونگ پھلی پھانکتے بہت ادب سے اطلاع دی۔
"تمہیں لگتا ہے سگھڑاپا دس قسم کی چٹنیاں بنانے اور سلائی کڑھائی کرنے کا نام ہے؟" آواز پہ حنہ چونکی' گردن موڑ کر دیکھا۔ بڑے ابا وہیل چیئر گھسیٹتے ادھر آرہے تھے چہرے پہ نرم مسکراہٹ تھی۔ ندرت اٹھ کر چولہے کی طرف چلی گئیں۔ فارس کے ذکر سے وہ رنجیدہ ہوگئی تھیں۔
"ہاں نا۔۔۔ ڈائجسٹوں میں وہی ہوتی ہیں سگھڑ لڑکیاں جو کہانیوں میں گھر کے بنے کباب' سموسے' تل کر مہمانوں کے سامنے رکھتی ہیں اور ساتھ میں گھر کی ہی چٹنیاں۔۔۔ اور فلاں ٹانکے سے کڑھائی شدہ میز پوش بچھاتی ہیں۔" وہ مزے سے بتا کر ہنسنے لگی' ابا نہیں ہنسے۔
"وہ سگھڑ نہیں ہوتیں۔۔۔ وہ ٹیلنٹڈ ہوتی ہیں۔۔۔ یہ تو ٹیلنٹس ہیں مگر سگھڑاپا اس کا نام نہیں ہوتا۔"

"اس سے پہلے کہ دادا حضور! آپ مجھے بتائیں کہ میں پھوہڑ ہوں' میں آپ کو بتاتی چلوں کہ آپ کی صاحب زادی کو بھی وکالت کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ نہ وہ کھانا بناتی ہیں' نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہیں۔" مدافعانہ انداز میں اطلاع دی۔

"بالکل۔۔۔ زمر کوکنگ نہیں کرتی۔ تمہیں تو دو چار انواع و اقسام کی ڈشز بھی بنانی آتی ہیں' اسے وہ بھی نہیں آتیں۔ سادہ روٹی چاول اور دو ایک سالن کے علاوہ وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ سلائی کڑھائی کو تو اس نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا مگر پھر بھی حنہ' وہ پھوہڑ نہیں ہے' سوچو کیوں؟"

"کیونکہ آپ اس وقت مجھے نصیحت کرنے کے موڈ میں ہیں؟" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں۔۔۔ کیونکہ تمہیں پھوہڑ کی اصل تعریف نہیں معلوم۔"

حنہ نے آنکھیں تیکھی کر کے ابرو اٹھائے۔

"پھوہڑ وہی ہوتی ہے جو دس قسم کی چٹنیاں نہ بنا سکے' میز پوش اور ٹی کوزی پہ کڑھائی نہ کر سکے۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ پھوہڑ وہ لڑکی ہوتی ہے' جو صاف ستھری نہ ہو اور جو آرگنائزڈ نہ ہو۔"

حنین نے کندھے جھٹک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"میں تو صاف ستھری بیٹھی ہوں ابا۔" اس کے کپڑے واقعی صاف' استری شدہ تھے' بال بھی سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے تھے۔ چہرہ بھی دھلا' نکھرا نکھرا تھا۔

"پھوہڑ کا دائرہ ایک لڑکی کا اس کے گھر سے تعلق کے گرد پھیلا ہوتا ہے۔ پھوہڑ لڑکی وہ ہوتی ہے۔ جس کا باتھ روم' ٹوتھ برش والا کپ اندر سے صاف نہ ہو۔۔۔ جس کی کچن کیبنٹ کی اوپری سطح پر گریس کی تہیں نہ جمی ہوں۔۔۔ جس کے پردوں کی راڈ کے اندرونی طرف جالے نہ ہوں۔۔۔ جس کے کچن سنک کی نل والی دیوار (بیک اسپلیش) صاف نہ ہو۔۔۔ اور بتاؤں؟ یا پہلے تم یہی چیزیں چیک کر آؤ' کیونکہ تمہاری امی بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہیں مگر پچھلے تین ہفتے سے فارس کی گرفتاری کی وجہ سے وہ گھر پہ توجہ نہیں دے پا رہیں' تو یہ چیزیں تمہاری ذمہ داری میں آتی ہیں۔ جاؤ چیک کر کے آؤ۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

حنین نے مونگ پھلی کا لفافہ پرے دھکیلا اور چمک کر ان کو دیکھا۔

"صفائی صداقت کرتا ہے۔" ذرا رکی۔۔۔ "ٹھیک ہے امی' اب پہلے کی طرح سر پہ کھڑی ہو کر نہیں کرواتیں صفائی مگر میرا باتھ روم اور ہمارا کچن چمک رہا ہوتا ہے ہمیشہ۔۔۔" کرسی دھکیل کر اٹھی اور "یو نو بروٹس" والے دکھ سے ابا کو دیکھتی۔ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پہلے اپنا بیڈ روم دیکھا۔ صاف ستھرا پڑا تھا۔ طمانیت کا احساس ہوا۔ پردے ہٹائے اور اندرونی راڈز دیکھیں۔ دل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ جالے! (مگر بڑے ابا تو کبھی اوپر نہیں آئے) باتھ روم میں آئی۔ تازہ تازہ دھلا تھا۔ فنائل کی خوشبو' صاف' لش چمکتا باتھ روم۔ ذرا خوش ہوئی۔ پھر ٹوتھ برش کپ ہولڈر سے نکالا اور اندر جھانکا۔ اخ تھو۔۔۔ کراہ کر سنک میں پھینکا۔ اندر پیلا پانی جمع تھا۔ اف۔۔۔

سب کی یہ جگہیں میلی ہوتی ہیں' اچھا۔۔۔ خود کو تسلی دی' پھر جلدی سے زمر کے کمرے میں آئی' جھپکے سے پردے ہٹائے' صاف راڈز۔۔۔ باتھ روم میں ٹوتھ برش کپ میں جھانکا۔ اندر سے نکھرا صاف ستھرا کپ۔

"ایں؟ وہ جز بز ہوئی۔۔۔ سارا گھر صداقت صاف کرتا تھا' پھر فرق کیوں؟ اس نے زمر کی الماریاں کھولیں۔ درازیں کھول کر دیکھیں' ہر شے سلیقے سے تہ شدہ رکھی تھی۔ ایک اس کی الماری کھولنے پہ کپڑے باہر کو کیوں ابلتے تھے؟ درازیں کیوں زلزلے کے بعد کے علاقوں کی طرح لگتی تھیں۔

"اونہوں! ابا بھی نا۔۔۔" دھپ دھپ کرتی نیچے آئی اور خفگی سے ان کے سامنے بیٹھی۔ انہوں نے مسکرا کر اطمینان سے اسے دیکھا۔

"کتنی چٹنیاں اور مربے ملے میری بڑی بیٹی کی الماریوں سے میری چھوٹی بیٹی کو؟" انہوں نے سادگی

سے سوال کیا۔

"دیکھیں۔۔۔ میں جیسی ہوں، ٹھیک ہوں کوئی کسی چیز میں اچھا ہوتا ہے، کوئی کسی میں۔ پھر مجھے نہ اتنا ٹائم ملتا ہے نہ موقع کہ گھر کے کام کروں۔" ابا رازداری سے قریب ہوئے اور آہستہ سے بولے۔ "ساری ست نکمی اور پھوہڑ لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔"

حنہ نے شدید ناراضی سے ان کو دیکھا تھا۔ وہ اب وہیل چیئر موڑ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

تمام عمر بگولوں کی فصل کاٹے گا
کہا تھا کس نے کہ صحرا کی آبیاری کر

اس تاریک سی دوپہر ڈاکٹر واسطی جو سرکاری اسپتال میں ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ تھے، اسپتال کے پارکنگ ایریا کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ایک سیاہ شیشوں والی کار ان کے سامنے آرکی اور سوٹ میں ملبوس دو افراد باہر نکلے۔

"آپ کے گھر پہ ہاشم کاردار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اور کار کا دروازہ کھول دیا گویا اندر بیٹھنے کا اشارہ ہو۔ ڈاکٹر واسطی کا چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا تھا۔

جس وقت وہ ان افراد کے ہمراہ اپنے ہی گھر میں کسی یرغمال کی طرح داخل ہوئے سامنے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور بڑے صوفے پہ ہاشم کاردار براجمان نظر آرہا تھا، گرے سوٹ میں ملبوس، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، وہ دو انگلیوں میں خشک سگار گھما رہا تھا۔ سامنے میز پہ ڈاکٹر واسطی کے سگار کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

"آؤ۔۔۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" جس طرح وہ سلگتی پرتپش نظریں ان پہ گاڑے بولا تھا، ان کے قدم ست ہوئے۔ ساتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ سیاہ لمبی کافتان شرٹ اور سفید ٹائٹس میں سیدھے بھورے بال چہرے کے ایک طرف گرائے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک لگی تھی۔ وہ بھی ان کو ان ہی چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کونے میں نوشیرواں گھٹنے ملائے بالکل خاموش شل بیٹھا تھا۔ وہ ڈھیلے قدموں سے چلتے سامنے آئے۔ رئیس نامی سوٹ میں ملبوس اونچے لمبے مرد نے ایک کرسی پٹخنے کے انداز میں ہاشم اور جواہرات کے مقابل رکھی اور انہیں کندھے سے پکڑ کر گویا اس پہ دھکیلا۔ پھر تمام گارڈز باہر چلے گئے۔

"ہاشم! کیا ہوا، آپ لوگ اتنے۔۔۔" ڈاکٹر واسطی نے بولنے کی کوشش کی مگر ہاشم ایک دم اٹھا، ایک کاغذ ان کے سامنے پٹخا۔

"یہ وہ بکواس ہے جو میرے باپ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہ تم نے لکھی تھی۔" غصے سے وہ غراتے ہوئے ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آبیٹھا۔ "اب مجھے بتاؤ، میرا باپ کیسے مرا تھا، کس نے مارا ہے میرے باپ کو؟ بولو۔" ایک دم ان کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا تو ڈاکٹر واسطی ہکا بکا رہ گئے۔

"ہاشم! تم کیا کہہ رہے ہو؟ کاردار صاحب کی موت گرنے کے باعث۔۔۔"

ہاشم نے زور کا طمانچہ ان کے منہ پر جڑا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ گریبان سے پکڑ کر ان کو اپنے سامنے کھڑا کرتا، جواہرات اٹھی اور ہاشم کے دونوں کندھوں پہ دباؤ ڈال کے اسے تھمنے کو کہا۔ شیرواب بھی شل گم صم بیٹھا تھا۔

"ہاشم! تم واپس بیٹھو، ان سے بات میں کروں گی۔ ہاشم یہ میرا حکم ہے۔" وہ جو غصے میں پاگل ہو رہا تھا، بس نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر کو دبوچ کر مار ہی دے، بمشکل اٹھا اور صوفے تک گیا مگر بیٹھا نہیں۔ اس کی رنگت سرخ تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اب کے جواہرات اسی اطمینان سے ڈاکٹر واسطی کی طرف متوجہ ہوئی جن کا چہرہ تھپڑ کے باعث بائیں جانب کو لڑھک گیا تھا اور اب وہ کھانستے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ڈاکٹر واسطی۔۔۔ میں جواہرات کاردار ہوں۔ گردن اٹھاؤ اور مجھے دیکھو۔ دیکھو کہ میں کون ہوں۔" جواہرات نے تحکم سے کہا تھا۔ کھانستے کھانستے نقاہت زدہ سرخ چہرہ انہوں نے اٹھایا اور ملکہ کو دیکھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل سامنے

کہ ہاشم عقب میں چھپ گیا تھا۔
"میں جواہرات ہوں۔۔۔ اورنگ زیب کاردار کی بیوی' ہاشم کاردار کی ماں' میں ہوں مالک اس ساری ایمپائر کی۔" سینے پہ ایک انگلی سے دستک دیتی وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ڈائریکٹر ہوں' میں چیف ایگزیکٹو ہوں۔ میں ہوں ملکہ!" شعلہ بار نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمائے وہ اب ان کی کرسی کے گرد گول چکر میں ٹہلنے لگی تھی۔ ڈاکٹر واسطی کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا' ایک جارہا تھا۔ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتے' پھر بے چارگی سے بند کردیتے۔
"اس وقت ڈاکٹر واسطی! اس کمرے میں ساری طاقت کی مالک میں ہوں۔ یہاں سب میرے حکم پہ چلتے ہیں۔ سب میرے پابند ہیں اور جو دھوکا تم نے ہمارے خاندان کو دیا ہے وہ دراصل تم نے مجھے دیا ہے۔" گھوم کر ان کے سامنے آتی' وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔ ہاشم ابھی تک بھرا کھڑا غصے سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ شیرو کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمی تھیں اور لب سلے تھے' مہر بند۔
"اس وقت اگر تمہیں کوئی سزا دے سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ اس وقت تمہیں اگر کوئی فنا کرسکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہارے اوپر صرف میں قہر ڈال سکتی ہوں۔" ان کے گرد چکر میں گھومتے' وہ بلند آواز میں بول رہی تھی اور ڈاکٹر واسطی نم آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔
"اگر اس وقت تمہارے خاندان کو تمہاری زندگی کو کوئی برباد کرسکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ اگر اس وقت تمہاری اولاد کو تمہارے سامنے لاکر کوئی مار سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔ جہنم بھی میں ہوں' قہر بھی میں ہوں۔"
ڈاکٹر نے پیشانی کف سے رگڑی۔ چہرہ جھکا لیا۔ ہاشم سر جھٹک کر کچھ بڑبڑایا تھا۔ جواہرات اسی طرح طواف میں گھومتی بول رہی تھی۔ "اور اگر اس وقت تمہیں کوئی بچا سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔"
"ممی! میں اس کو۔۔۔" ہاشم ایک دم غرانے لگا مگر جواہرات نے سختی سے اسے گھورتے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بمشکل ضبط کرپایا۔
"اگر اس وقت تمہیں کوئی معاف کرسکتا ہے تو وہ بھی میں ہوں۔ تمہیں صرف میں ہی اس عذاب سے نجات دلا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہیں اپنے بیٹے کے قہر اور اپنے شوہر کی روح سے بچا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہارے خاندان کو اس وقت اس شخص سے بچا سکتی ہوں جس کے کہنے پہ تم نے رپورٹ بدلی۔ صرف میں۔۔۔ صرف میں تمہاری ڈھال بن سکتی ہوں۔" اونچا اونچا غرانے کے انداز میں کہتی وہ ہنوز ان کے گرد طواف کررہی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرالیا۔
"میں ہی رحم ہوں' میں ہی مرحمت ہوں' میں ہی قہر ہوں' میں ہی تمہاری ناخدا ہوں اس وقت۔۔۔ سو۔۔۔" سات چکر مکمل ہوئے وہ اب ان کے سامنے میز کے کنارے پہ۔ آنکھی اور تنی گردن کے ساتھ ان کو دیکھا۔ "سو اب مجھے بتاؤ۔۔۔ کس کے کہنے پہ ہم سے جھوٹ بولا تھا؟"
ڈاکٹر واسطی نے چہرہ اٹھایا۔ سفید رنگت اور نم آنکھوں سے اس شیرنی کو دیکھا' پھر پیچھے کھڑے ہاشم کو جس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔
"کرنل خاور!" بدقت الفاظ ڈاکٹر واسطی کے لبوں سے نکلے۔ آنکھ سے ایک آنسو بھی ٹوٹ کر گرا۔ "کرنل خاور نے مجھے دھمکایا تھا' میں نے ڈر کے باعث اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے۔۔۔ کیا یہ سب۔۔۔"
جواہرات کے لبوں سے اطمینان انگیز سانس نکلی۔ گردن مزید تن گئی۔ مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ جس نے لمحے بھر کو آنکھیں میچ لی تھیں' پھر نڈھال سا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کو وہ بالکل لاجواب ہوگیا تھا۔
کسی نے محسوس نہیں کیا کہ۔۔۔ خاموش سا نوشیرواں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔
"ہم کیسے مان لیں کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کرنل خاور ہمارا وفادار ملازم ہے۔" جواہرات اب بلند آواز میں ڈاکٹر کو مخاطب کررہی تھی۔ ہاشم بھی چہرہ اٹھا کر

دیکھنے لگا۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں' اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔" وہ بے چارگی سے بولے تھے۔
"کیا ثبوت ہے اس کا کہ وہ تمہیں دھمکا رہا تھا؟"
"ثبوت..." وہ ٹھہرے۔ باری باری دونوں کی صورتیں دیکھیں۔ "اس نے کام کے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کیے تھے۔"
"تم نے وہ پیسے رکھ لیے؟" جواہرات نے آنکھیں نکالیں۔
"مجھے معاف کردیں مسز کاردار! میں مجبور تھا۔ میں نہ رکھتا تو وہ مجھ پہ شک کرتا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"
"جو تم کہہ رہے ہو' اس کی میں... خود... خود تصدیق کرواؤں گا اور اگر یہ جھوٹ نکلا تو یاد رکھنا' میں تمہاری جان لے لوں گا۔ خیر' چھوڑوں گا تو میں تمہیں اب بھی نہیں۔" ہاشم تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا۔
جواہرات نے ایک فاتحانہ مگر آسودہ نظر ڈاکٹر پہ ڈالی جنہوں نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ پھر وہ اسی اعتماد کے ساتھ باہر نکل گئی۔
"ہم آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان سکتے ہاشم... تم تصدیق کرواؤ... بغیر تصدیق کے خاور کو الزام دینا..." باہر وہ بڑے سبھاؤ سے کہہ رہی تھی' جب ہاشم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"اگر آپ اس وقت مجھے بتاتیں تو میں دیکھتا خاور میری ناک کے نیچے یہ سب کیسے کرتا ہے مگر آپ نے ممی..." ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے اس نے سر جھٹکا۔ "آپ نے سعدی کو بتایا مگر مجھے نہیں۔" اور رخ موڑلیا۔ جواہرات بالکل لاجواب بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

نئی اک داستاں لکھیں گے ہم نے سوچ رکھا ہے
ختم کردیں گے سب ہی قصے مگر آرام سے پہلے
جب وہ گھر کے سامنے اتری تو ٹیکسی کی طرف سے زمر چلی آرہی تھی۔ سفید لباس اور سیاہ کوٹ میں ملبوس' گویا ابھی سماعت سے لوٹی تھی۔ ہاشم اور شیرو اندر چلے گئے مگر جواہرات رک گئی۔ زمر قریب آئی' نرمی سے مسکرا کر اس سے ملی۔
"مسز کاردار! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔"
"شیور ہنی' بولو!" وہ بھی نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سبزہ زار پہ آگے لے آئی۔
"میں نے فارس کو بمشکل قائل کیا ہے کہ وہ اپنے گواہ کے طور پہ خود پیش ہو۔"
"اوہ... مگر یہ تو اچھا آئیڈیا نہیں ہے۔"
"مسز کاردار!" زمر نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔ دونوں سبزہ زار پہ آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اوپر سیاہ بادل ابھی تک بوجھل تھے اور ہلکے گرج بھی رہے تھے۔ "آپ بھول گئیں' میں نے فارس سے کیوں شادی کی تھی؟"
جواہرات ذرا چونکی' پھر مسکرائی۔ "تم اس کو اسی کی گواہی میں پھنسانا چاہتی ہو؟ تو کیا تم ہی نے اس کو اس مقدمے میں..."
"نہیں' یہ صرف اتفاق تھا' اس کے اور دشمن بھی ہیں لیکن میں اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی۔"
"مگر وہ عقل مند ہے' گواہی محتاط طریقے سے دے گا۔" جواہرات نے بظاہر لاعلمی ظاہر کی۔ زمر قدرے قریب ہوئی اور مسکرائی۔ "نہیں' وہ نہیں دے گا' کیونکہ عین اس وقت وہ کہیں اور کسی اور جرم میں ملوث تھا۔ میں اس کو پھنسالوں گی' اپنا انتقام لے لوں گی مگر یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب وہ گواہی کے لیے کٹہرے میں آئے۔"
"وہ راضی ہے تو کیا مسئلہ ہے؟"
"مسز کاردار! میں نے بہت اداکاری سے اسے قائل کیا ہے۔ اب مجھے اس کی گواہی کے وقت تک خود کو اس کا مخلص وکیل ثابت کرنا ہوگا مگر وہ... وہ ڈیفنس وٹنس ون (DW1) (دفاع کے گواہ) کے طور پہ پیش ہوگا۔ خود سوچیے' ابھی تمام پراسیکیوشن witness (pws) پیش ہوں گے۔

کورٹ witness (cw) پیش ہوں گے۔ اس کے بعد Dw1 کی باری آئے گی۔ مہینے لگتے ہیں اس کارروائی میں۔" پھر اپنائیت سے اس کا ہاتھ دبایا۔
"آپ نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا' پلیز میری مدد کریں۔ میں زیادہ عرصہ اداکاری قائم نہیں رکھ پاؤں گی۔ مجھے ڈر ہے وہ جیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔ کورٹ کا آپ کو معلوم ہے 'کبھی تاریخ دے دیا کرتے ہیں 'سوائے۔۔۔"
ذرا رکی۔ "سوائے ان کیسز کے جن کو وہ خود تیزی سے چلانا چاہیں۔ آپ صرف چند ڈوریاں ہلا دیں تو ہمیں تاریخ جلدی مل جایا کرے گی۔"
بادل زور سے گرجے 'سیاہ دوپہر میں بجلی بھی کڑا کے کی چمکی۔ جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ گردن مزید تن گئی 'آنکھیں چمکی تھیں۔
پہلے خاور اور اب فارس۔ اس کے دشمن خود بخود پسپا ہو رہے تھے۔ بارش کی پہلی بوند اس کے اوپر گری تو وہ اسی آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گئی۔ اب صرف دو پیادے رہ گئے تھے۔ سعدی اور میری۔ جب تک زمر ایکسی کے دروازے پہ پہنچی 'بارش ایک دم تڑتڑ برسنے لگی تھی۔ وہ گھنگھریالے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے میں لپیٹتی اندر آئی۔ لاؤنج میں ٹیوب لائٹس جلی ہوئی تھیں۔ ٹھنڈا سا اندھیرا پھر بھی محسوس ہوتا تھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ اوپر آئی تو کمرے میں حنہ صوفے پہ بیٹھی 'پیر جھلاتی سوچ میں گم تھی۔
"آپ کدھر گئی تھیں؟" اسے آتے دیکھ کر وہ خیال سے چونکی۔
"میں اس امر کو یقینی بنانے گئی تھی کہ فارس کے مقدمے کی تاریخیں جلد از جلد ملا کریں۔ دیکھنا 'اب پراسیکیوشن خود اس مقدمے کو تیز چلائیں گے۔" وہ بات کرنے کے ساتھ اپنی چیزیں اور پرس جو آتے ہی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کر چلی گئی تھی 'اب اٹھا کر ان کی جگہوں پہ رکھ رہی تھی۔ حنین غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھے گئی۔ اب وہ بستر کی طرف آئی اور اسے جھاڑنے لگی۔
"آپ کے باتھ روم کی صفائی کون کرتا ہے؟"
حنین اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی تھی۔ کمبل کرتے زمر کے ہاتھ رکے 'قدرے اچنبھے سے اس سوال پہ اسے دیکھا۔
"صداقت کرتا ہے 'کبھی میں خود کرتی ہوں۔"
"میں نے تو آپ کو کبھی صفائی کرتے نہیں دیکھا۔"
"صفائی میں دو منٹ تو لگتے ہیں کیوں؟" اس کی سمجھ نہیں آیا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ چند منٹ میں وہ کمرہ درست حالت پہ واپس لا چکی تھی۔
(مجھے کسی بات کا پتا نہیں چلتا۔ نہ میں اس فلیش کو ابھی تک کھول سکی۔ نہ میں فجر پہ نماز کے لیے اٹھ سکتی ہوں۔ نہ میں آرگنائزڈ ہوں 'نہ نیک اور تابعدار۔ میں ایک failure (ناکام لڑکی) ہوں۔ صرف فیلیئر!) وہ مایوسی سے سوچتی رہی۔ کھڑکیوں پہ بارش تڑتڑ برستی رہی۔

☆ ☆ ☆

میں کس زباں سے گھر کو گھر کہوں کہ مجھے
صدف صدف میں ہجوم شرر نظر آئے

شہر کی مصروف شاہراہ پہ وہ طویل قامت عمارت تنی ہوئی کھڑی تھی۔ اوپری منزل کے اس کشادہ آفس میں مدھم بتیاں روشن تھیں۔ آبنوسی میز کے پیچھے بیٹھے ہارون عبید 'کچھ کاغذات پہ باری باری دستخط کر رہے تھے۔ سیکرٹری جلدی جلدی ان کو کچھ بتاتے ہوئے کاغذ پلٹ کر اگلے صفحے سامنے لا رہی تھی۔ تب ہی دروازہ ذرا سا بج کر کھلا۔ ہارون نے چہرہ اٹھایا اور ریڈنگ گلاسز کے پیچھے سے جھانکا۔ چوکھٹ میں جینز اور ہائی نیک سویٹر میں ملبوس 'سنجیدہ چہرے والا احمر شفیع کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔
"آؤ احمر! آؤ۔۔۔" انہوں نے اسے آنے کا اشارہ کیا اور دستخط کرتے کہنے لگے۔ "تمہارے ساتھ ایک آئیڈیا ڈسکس کرنا تھا۔"
"سر!" اس نے ادب سے کاغذ ان کے سامنے

رکھا۔ ہارون نے ایک سرسری نظر ڈالی مگر پھر ٹھہر گئے۔ چونک کر کاغذ کو دیکھا' پھر احمر کو۔

"استعفیٰ؟" قلم کا کیپ بند کیا' عینک اتاری اور پیچھے ہو کر بیٹھے۔ سر کے خم سے لڑکی کو جانے کا اشارہ کیا اور اسے بیٹھنے کا۔

"سر! میرا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ آپ کو اگلے ماہ سینیٹر بنایا جا رہا ہے' سو میرا کام بھی ختم۔"

"ہوں!" وہ قلم ہاتھوں میں گھماتے غور سے اسے دیکھنے لگے۔ "تم خفا ہو کسی بات پہ؟"

"نہیں سر! مجھے بس ایک بہتر جاب مل گئی ہے۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"اچھا گڈ۔۔۔ کس کے ہاں؟"

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے' میں جوائن کرنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔"

اس بات پہ ہارون نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "میں نے تمہارے جیل والے دوست کے لیے سفارش کر دی تھی' میری بیٹی بھی بالخصوص اس کے لیے وہاں گئی تھی' تم شیور ہو کہ تم ہم سے خفا نہیں ہو؟"

"جی سر! میری اتنی اوقات نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔"

"کانٹریکٹ ری نیو کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں میں۔" وہ قائل نہیں ہوئے تھے سوا ے پیش کش کی۔

"سر! آپ جب بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا مگر میں اس دوسری جگہ واقعی جاب کرنا چاہتا ہوں۔" احمر متانت بھری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔" سر اثبات میں ہلاتے وہ اس کاغذ پہ دستخط کرنے لگے۔ وہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔

جب وہ اس عمارت سے نکل کر زیر زمین پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کے قریب ایک لمبی' سیاہ شیشوں والی کار آرکی۔ تہ خانے میں اونچے گول ستونوں پہ کھڑے اس پارکنگ لاٹ میں خالی کاریں دور دور تک کھڑی تھیں۔ روشنی کم تھی۔ ویرانی اور خاموشی۔۔۔ ایسے میں احمر نے ویران نظروں سے اس سیاہ لمبی کار کو دیکھا' جس میں سے گارڈ نکل کر باہر کھڑے ہو گئے تھے اور پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔

اندر کھلی سی جگہ تھی اور نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایک نشست خالی تھی اور دوسری پہ تمکنت سے بیٹھی جواہرات مسکرا رہی تھی۔

"ہیلو اگین احمر!" احمر نے سر کو خم دیا اور اندر اس کے سامنے آ بیٹھا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا' دونوں تنہا رہ گئے۔

"تمہارا شکریہ' ڈاکٹر واسطی والے معاملے کے لیے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

ہاشم نے جواہرات کو اس کا سیل فون اسی روز واپس کر دیا تھا مگر اس نے باہر جا کر ایک پے فون سے احمر کو کال کی تھی۔ ہوٹل کا فون' اپنا ملازم' اسے کسی پہ بھروسا نہ تھا۔ احمر سے اس نے مدد مانگی تھی۔ بدلے میں ایک آفر دی تھی۔ ایک کام ہو چکا تھا' دوسرا ہونے جا رہا تھا۔

"زیادہ مشکل نہیں تھا۔ آپ خاور کو ہاشم کی نظر میں معتوب ثابت کرنا چاہتی تھیں' میں نے پچھلی تاریخوں میں ان دونوں کے اکاؤنٹس میں ہیر پھیر کروا دی ہے۔ ہاشم چیک کرے گا تو سارا کام جینوئن ملے گا۔ بیک ڈیٹس میں دونوں کے فون بلز میں بھی ردوبدل کی گئی ہے۔ میں ایسے اہلگورتھمز استعمال کرتا رہتا ہوں۔ وہ فون ریکارڈ بھی نکلوائے گا۔ مجھے صرف یہی ثابت کرنے کو کہا تھا آپ نے کہ خاور نے ڈاکٹر کے ساتھ ملی بھگت سے کوئی کام کروایا ہے۔ تاریخ پونے دو سال پہلے کی دی آپ نے مگر یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا تھا؟"

"تم جانتے ہو وہ میں نہیں بتاؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنے ائیر رنگ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ "کیوں نا ہم اس آفر کے بارے میں بات کریں جو میں نے تمہیں دی تھی؟" احمر نے گہری سانس لی۔

"میں نے یہ سب اسی جاب کو حاصل کرنے کے

لیے کیا ہے۔ مگر مسز کاردار! میں خاور کی طرح کا سیکورٹی آفیسر نہیں بن سکتا۔"

"احمر! مجھے صرف ایک پی آر او چاہیے' میرا ایک ذاتی نائب اور تم قابل اعتبار ہو۔ خاور کا نعم البدل میں اس سے بہتر رکھنا چاہتی ہوں۔"

"خاور کا نعم البدل آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔ وہ آل ان ون تھا۔ ہاں دو تین لوگ مل کر اس کا کام سنبھال سکتے ہیں۔ میں یہ جاب لینا چاہوں گا۔" اب کے وہ مسکرایا۔ "مگر پیسے سے زیادہ مجھے تحفظ چاہیے' میرا کوئی مقام ہونا چاہیے۔ میں کسی کمی کمین نوکر کی طرح نہیں رہنا چاہتا۔"

"احمر! تمہارے اندر سب سے پرکشش بات معلوم ہے کیا ہے؟" وہ مسکرا کر اسے دیکھتی محظوظ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "تمہارے اندر کا شر! تمہاری فراڈ' اور شیطانیت۔ طاقت کی خواہش۔ کنٹرول کی آرزو۔ تم (ambitious) ام بیشس (اولوالعزم) ہو۔ مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔"

"پھر میں آپ کے لیے کام کرنے کو تیار ہوں' مسز کاردار!" سر اٹھا کر ایک عزم سے وہ بولا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔ احمر نے سر کو خم دیتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کاردارز کا حصہ بننے پہ خوش آمدید!" مسکرا کر وہ بولی تھی۔ وہ بھی بھاری دل سے مسکرایا۔

☼ ☼ ☼
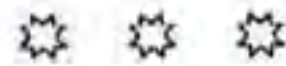
دیکھ آکر کبھی ان کو بھی جو تیرے ہاتھوں
ایسے اجڑے ہیں کہ آباد نہیں ہونے کے

اس صبح جب سارے شہر کو سرما کی نرم گرم دھوپ نے اپنے پروں میں سمیٹ رکھا تھا' زمر ڈاکٹر قاسم کے آفس میں ایک لمبی ملاقات کے بعد قدرے ناخوش سی کرسی سے اٹھ رہی تھی۔

"میں سوچ کر بتاتی ہوں آپ کو۔۔۔" وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"آپ جو بھی فیصلہ کریں' جلدی کیجئے گا۔ ڈونر کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" اس نے خاموشی سے اثبات میں سرہلایا اور پرس کی اسٹرپ کندھے پہ ڈالی۔

"زمر۔۔۔ کسی دوست سے اپنا مسئلہ شیئر کیجئے گا۔ اس طرح آپ بہتر فیصلہ کر سکیں گی۔" وہ فقرہ اس کے ذہن میں اٹک گیا۔ وہاں سے نکل کر' بے مقصد سڑکوں پہ کار چلاتے' وہ لب کاٹتے ہوئے اسی فقرے میں اٹکی رہی۔

"اتنے سال بعد احساس ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔" سگنل پہ کاروں کے ونڈ اسکرین کے پار پر سوچ نظریں جمائے خود سے بڑبڑائی۔ "صرف سعدی تھا۔ میں اس سے ہر بات کر سکتی تھی' باقی اسکول کالج کی فرینڈز ہیں مگر ان سے۔۔۔ ان سے وہ دل کا تعلق کبھی نہیں بن سکا اور پچھلے چار سال۔۔۔ جب سعدی ساتھ نہیں تھا۔۔۔ تو بھی میں نے کوئی نیا دوست نہیں بنایا' جس سے بغیر کسی ڈر یا جھجک کے میں اپنا حال دل کہہ سکوں۔ میں کیا کروں؟ کس سے کہوں؟" اس نے آنکھیں بند کرلیں اور جب کھولیں تو خود کو اس ملاقاتی کمرے میں پایا جہاں وہ میز پہ ہتھیلیاں رکھے' کرسی پہ بیٹھی تھی اور اس کے سامنے فارس بیٹھ رہا تھا۔ وہ وہاں کیوں آئی' کیسے آئی' کیا لینے آئی' اسے کچھ معلوم نہیں تھا' بس دل نے کہا کہ یہی ٹھیک ہے تو سوچا' شاید واقعی دل ٹھیک ہو۔

"کہیے۔۔۔" وہ سنجیدگی مگر قدرے لاپروائی سے اسے مخاطب کر کے بولا تو زمر ذرا چونکی۔ خالی خالی نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ وہ باہم انگلیاں پھنسا کر میز پہ رکھے آگے ہو کر بیٹھا' اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ سوالات پوچھنے تھے ناظم کے بارے میں۔" اس نے اپنی فائل کھول کر سامنے رکھی اور لہجے کو مصروف بناتے ہوئے چند نکات پوچھنے لگی۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی تو زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔

وہ پتلیاں سکیڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں روشن دان سے تیز سنہری دھوپ چھلک

رہی تھی اور شعاعیں فارس کے اردگرد سے نکل کر میز کو روشن کر رہی تھیں۔ ایسے میں فارس کا چہرہ تاریکی میں لگتا تھا' زمر کو بھی آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

"گھر میں سب خیریت ہے؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟" زمر نے آہستہ سے قلم کا ڈھکن بند کیا۔ چہرہ جھکائے چند لمحے سوچتی رہی۔

"میں احمر کے ساتھ اس ہوٹل میں تمہارے معاملے کی کھوج لگانے گئی تھی' یہ معلوم کر لیا تھا تم نے' پھر یہ بھی معلوم ہو گا کہ اسپتال اپنے ڈاکٹر سے بار بار ملنے کیوں جا رہی تھی؟"

نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا تو وہ ایک دم چونکا تھا' پھر مزید آگے ہوا۔

"آپ نے کہا تھا روٹین کا چیک اپ ہے' ڈاکٹر آتا نہیں ہے' اس لیے بار بار جانا پڑ رہا ہے۔ میں نے یقین کر لیا تھا کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا کوئی اور بات ہوئی ہے؟" وہ ایک دم فکر مند لگا تھا۔

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا۔ زمر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ گئے دنوں میں کیا گیا وہ ریسٹورنٹ ڈنر... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... زرتاشہ کا ذکر... وہ سب ایک دم سے درمیان میں حائل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کورٹ میں ملاقات ہو گی۔" وہ جانے لگی مگر اس نے تیزی سے زمر کی کلائی پکڑی۔ وہ رکی۔ نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا' جس نے صرف ابرو کے اشارے سے اسے واپس بیٹھنے کو کہا تھا اور پھر... دور کھڑے ڈیوٹی اہلکار کو۔ ہولے سے کلائی چھڑاتی وہ واپس بیٹھی۔

"میرا ڈونیٹڈ کڈنی ضائع ہو چکا ہے۔" خبرنامے کی خبر کی طرح اطلاع دی۔ نظریں فارس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ ایک لمحے کو بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" بولا تو آواز دھیمی تھی۔

"بتانے لگی تھی' اس رات ریسٹورنٹ میں مگر تم نے زیادہ اہم باتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔" جیسے اپنے ہی زخموں پہ نمک چھڑکا۔ سس... درد کی ٹیسیں اٹھی تھیں۔

"زمر... میں..." وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر گہری سانس لی اور سنجیدگی و فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"آپ... ڈاکٹر نے کیا کہا' اب کیا ہو گا؟"

"ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' ڈونر مل گیا ہے' وہ غریب آدمی ہے' عمر میں کافی زیادہ ہے' بہت صحت مند بھی نہیں ہے' میں اس سے بھی ملی تھی' ففٹی پرسنٹ سے زیادہ چانس ہے کہ میرا جسم اس کے گردے کو ریجیکٹ کر دے اور وہ گردہ لگتے ہی ضائع ہو جائے مگر مسئلہ یہ نہیں ہے۔"

"پھر...؟"

"اس آدمی کو اسی ماہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہے اور پھر ملک سے باہر چلے جانا ہے۔ اگر مجھے نہیں دے گا تو کسی اور کو دے دے گا۔ سارا مسئلہ ٹائم لائن کا ہے۔ اگر میں ابھی سرجری کے لیے چلی گئی... تو مجھے ری کور ہونے میں بھی اتنا وقت لگے گا... تمہارا ٹرائل متاثر ہو گا۔" بے بسی سے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ فارس "ہوں" کہتا پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ "کیا ڈونر رک نہیں سکتا؟ اس کا بندوبست ڈاکٹر نے کیا تھا یا آپ کا کوئی جاننے والا ہے؟"

"نہیں' ڈاکٹر نے ہی ڈھونڈا تھا۔ وہ نہیں رک سکتا' اس کی بھی مجبوری ہے' مجھے خود بھی زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں دو ڈاکٹرز کے پاس گئی ہوں دونوں یہی کہتے ہیں۔"

"اور آپ کو اپنی صحت کا انتخاب کرنا ہے یا میرا... ہے نا؟" وہ کچھ دیر بعد اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو آپ کس کو چوز (منتخب) کریں گی؟"

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ چار سال... وہ فون کال... نکاح نامہ... موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ... ہیرے کی لونگ... ہر شے درمیان سے نکل گئی۔

"میں ٹرائل نہیں چھوڑ سکتی' کسی بھی قیمت پہ نہیں لیکن اگر میں نے اس ڈونر کو جانے دیا تو مجھے بعد

میں ڈونر کیسے ملے گا فارس۔۔۔؟" تھک کر جیسے اس نے سر جھٹکا۔ "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ کم از کم کچھ عرصہ میں اور جینا چاہتی ہوں۔"

وہ خاموش سا اسے دیکھے گیا۔

"تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آپ یہ ٹرانسپلانٹ مت کروائیں۔" بہت دیر بعد وہ اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا تو لمحے بھر کو زمر کا دل ڈوبا۔ کوئی آس سی ٹوٹی۔ شاید اسے امید تھی کہ وہ کہے گا' وہ اس کی فکر نہ کرے' اپنا علاج کروائے مگر وہ اسے خود کو منتخب کرنے کا کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" زمر نے نظریں جھکالیں۔

"زمر!" وہ قدرے آگے ہوا۔ شعاعیں ہنوز اس کے اطراف سے نکل کر میز پہ گر رہی تھیں اور اس کا چہرہ ابھی تک اندھیرے میں تھا۔ "میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں خود غرض ہوں۔ بلکہ وہ ڈونر۔۔۔ وہ صحت مند نہیں ہے' رسک بہت زیادہ ہے' پھر میں بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوں گا' میں ادھر ہوں' گھر میں سب الگ ڈسٹرب ہیں۔ ابھی آپ سرجری والا رسک مت لیں۔" لمحے بھر کو رکا۔ زمر نے اس کی سنہری آنکھوں کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کی شکل سے لگ رہا ہے' آپ دل سے راضی نہیں ہیں۔" ذرا دیر بعد وہ مدھم سا بولا۔ زمر نے تردید نہیں کی۔ "آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے؟"

"ہے مگر۔۔۔"

"آپ بس مجھ پہ اعتبار کریں۔ مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔ میرا وعدہ ہے' میں آپ کا یہ مسئلہ حل کردوں گا۔"

"تم نہیں کرسکتے۔ ڈونر اب نہیں ملے گا۔"

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "میں۔۔۔" وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ "آپ کو ڈونر کڈنی چاہیے نا؟ میں ایک ڈونر کے بارے میں جانتا ہوں' آپ کا ٹرانسپلانٹ ہوجائے گا۔ بس مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔" وہ چونکی۔

"کون۔۔۔؟" اس کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ "اور تمہیں کیسے پتا اس کا کڈنی مجھے میچ کرے گا؟"

"زمر۔۔۔ جس کڈنی ڈونر کو میں جانتا ہوں' اس کا کڈنی کبھی آپ کا جسم ریجیکٹ نہیں کرے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے' پلیز۔۔۔!" آگے کو ہوئے' میز پہ ہاتھ رکھے' وہ قدرے بے چینی اور فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ "آپ صرف مجھ پہ بھروسا کریں' کریں گی نا؟" وہ الجھ گئی تھی' فارس کس کی بات کررہا تھا۔

مگر۔۔۔ اس نے اس کی آنکھیں دیکھیں اور پھر ساری مزاحمت' سارے شکوک دم توڑ گئے۔ "ٹھیک ہے' جب تم نکلو گے تو ہم یہ مسئلہ تب حل کرلیں گے۔"

فارس کے لبوں سے ایک اطمینان بخش سانس نکلی۔ وہ اٹھ گئی تو وہ دھیرے سے بولا۔ "جو کچھ میں نے اس رات ریسٹورنٹ میں کہا' وہ۔۔۔"

"نہیں فارس!" زمر ایڑیوں پہ گھومی اور ہاتھ اٹھا کر ایک دم تختی سے اسے روکا۔ "اس جگہ مت جاؤ' وہ جو بھی تھا وہ ذاتی تھا' وہ جہاں تھا' وہیں ہے اور یہ۔۔۔" اس کی فائل کی طرف اشارہ کیا "یہ ٹیم ورک ہے۔ اس میں اگر ہم امن سے کام کررہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "وہ" سب دھندلا گیا ہے۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔"

تنبیہہ کرکے وہ مڑ گئی اور وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

خبر ہوتی اگر بعد از محبت یہ جنوں ہوگا
تو ہم رستہ بدل لیتے برے انجام سے پہلے

اس چمکیلے دن جہاں اب بھی سڑکوں اور سبزہ زاروں گزشتہ روز کی بارش کا پانی ہلکا ہلکا ٹھہرا نظر آتا تھا' وہ اونچی کوٹھی اپنے ستونوں پہ کھڑی' بالکل خشک اور نکھری سی کھڑی تھی۔ گیٹ کھلے تھے اور اندر دو گاڑیاں یکے بعد دیگرے داخل ہوئی تھیں۔ کھٹ کھٹ' دروازے کھلے۔ گارڈ نکلے۔ ہاشم بھی باہر نکلا۔ سن گلاسز اتارے' اور ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں

دوڑائی۔ پھر سب کو وہیں رہنے کا اشارہ کرتا تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر لاؤنج تھی۔ پھر لاؤنج۔ دیوار پہ شہری اور سونی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ اسی دیوار سے لگے صوفے پہ سونی بیٹھی، سر جھکائے، ٹیب پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ ایک ملازمہ قریب ہی الرٹ سی بیٹھی تھی۔ اسے یوں آتا دیکھ کر فوراً اٹھی۔

"سونی!" بھاری آواز میں سنجیدگی سے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا تو سونی نے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں چمکیں۔

"بابا۔" ٹیب چھوڑ کر اٹھی اور بھاگ کر اس کے پاس آئی مگر ہاشم نہیں ہلا۔ نہ ہی بچی کو گلے سے لگایا۔ بس ملازمہ کو مخاطب کیا۔ "سونی کا سامان کار میں رکھواؤ اور اسے بھی کار میں بٹھاؤ۔ شہری کہاں ہے؟"

ملازمہ اس غیر متوقع حکم پہ قدرے تذبذب کا شکار ہوئی۔

"وہ اپنے کمرے میں۔" ہاشم سنے بغیر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ پیر کی ٹھوکر سے کھولا، تو وہ جو سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں ائیر رنگ پہن رہی تھی، اکتاہٹ سے سخت سست سنانے لگی تھی، مگر آئینے میں اپنے پیچھے نظر آتے ہاشم کو دیکھ کر چونکی۔ پھر پوری اس کی طرف گھومی۔ چھوٹے بالوں کی اونچی پونی بنائے، ست رنگی شرٹ، سفید پینٹ پہنے، وہ میک اپ لگائے، تیار نظر آرہی تھی۔

"تم ادھر کیسے؟" اچنبھے سے اس نے پوچھا تھا۔ ہاشم نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور تیزی سے اس کے سر پہ آپہنچا، اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے لگایا۔ ائیر رنگ چھناکے سے زمین پہ جا گرا۔

"ہاشم۔ تم کیا۔" وہ ہکا بکا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی مگر اس کا گلا بھینچ رہا تھا، آنکھیں ابل رہی تھیں۔

"تمہارے سیف میں نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے، ہے یا نہیں؟" چبا چبا کر بولتے وہ اس پہ نظر گاڑے ہوئے تھا۔

"ہاشم۔ چھوڑو۔" اس نے مزید زور سے گلا دبایا، شہرین کا سانس رکنے لگا۔

"ہے یا نہیں؟" سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ غرایا تھا۔

"ہے۔ ہے۔ مجھے چھوڑو!" مگر ہاشم نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے زور بڑھایا۔ اس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"کہاں سے آئی ہے وہ تمہارے پاس۔؟"

"سعدی۔ سعدی نے دی تھی۔ مجھے چھوڑو میں بتاتی ہوں۔" ہاشم نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑائی اور پھر گردن پہ ہاتھ رکھے کھانستے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھتی گئی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر صدمے اور نفرت سے اسے دیکھا۔

"تم انسان نہیں جانور ہو۔"

وہ پھر اس کی طرف بڑھا تو شہری جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔ "سعدی۔ سعدی نے دی تھی۔ میں نے اس کو ایک کام کہا تھا، اس نے۔ یہ رکھوائی تھی۔"

بری طرح کھانستے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کھانسی سنبھلی تو اس نے اٹھ کر لاکر کھولا اور اندر سے وہ نیلا لفافہ نکال کر ہاشم کو تھمایا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"یہ encrypted ہے اور میرے پاس اتنا وقت اور دماغ نہیں ہے کہ اسے کھولتی پھروں۔ اس نے کہا تھا اگر مجھے کچھ ہوا تو یہ میڈیا کو دے دینا۔"

"میں نے کیا کرنا تھا کسی کو دے کر؟ ایک دو دفعہ کھولنے کی کوشش کی، نہیں کھلی تو چھوڑ دیا۔ میں تو اسے بھول بھال بھی گئی تھی مگر تمہیں کس نے بتایا اس بارے میں؟" ہنوز گلے پہ ہاتھ رکھے وہ حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر خیال آیا۔ "اوہ لیٹ می گیس۔ سعدی نے بتایا ہوگا۔"

"کیا کام کہا تھا تم نے اسے؟" وہ بلند آواز میں گرجا۔

"نہیں بتاؤں گی اور۔۔۔ ابھی کے ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔" بازو لمبا کر کے دروازے کی طرف اشارہ کرتی وہ چلائی تھی۔

"تم نے یہ ویڈیو لیک کی ہے شہری اور میں یہ جانتا ہوں مگر میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ابھی' کیونکہ تم سے بڑے مسائل ہیں فی الحال میرے پاس لیکن اس کے بعد۔۔۔" ویڈیو والا پیکٹ ہاتھ میں ہلاتے' تنبیہہ کرتے بولا تھا۔ "اس کے بعد میں تمہیں دیکھ لوں گا اور اس دفعہ میں تمہیں کوئی رعایت نہیں دوں گا۔"

"گیٹ آؤٹ!" وہ بے بسی سے چلائی۔ ہاشم ایک سخت نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆
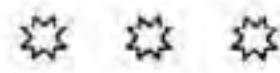
ہم ہیں وہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں والے تابش
جو کناروں کو ملاتے مر جاتے ہیں

راستے میں اس نے سونیا سے کوئی بات نہیں کی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ سونی کو گھر ڈراپ کر کے وہ آفس آیا اور ایک آئی ٹی کے لڑکے کو بلایا۔ دس منٹ بھی نہیں لگے اسے انکریپشن کو کھولنے میں اور جب وہ کھلی تو اندر ایک ہی ویڈیو تھی۔ جج کی ویڈیو۔ تاریخ اسٹیمپ بھی کوئی ڈیڑھ پونے سال پرانی تھی۔ سعدی نے یہ واقعی ان ہی دنوں شہری کو دی تھی۔

سو فارس نے ویڈیو لیک نہیں کی تھی۔ شہری نے کی تھی۔ وہ اب آفس میں خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اور اس کے بعد شہری میرے پاس آئی تھی' کمپنی میں شیئرز کی بات کرنے۔ سعدی سچ بول رہا تھا۔

اس نے میز پہ رکھی ایک دوسری فائل کھولی۔ اندر چند کاغذات رکھے تھے۔ ہر وہ شے جو رئیس ڈھونڈ سکا تھا' خاور اور ڈاکٹر کے تعلقات کے بارے میں۔ سعدی یہاں بھی سچا تھا۔ ہاشم پیشانی کو مسلتے' بند آنکھوں سے کتنی ہی دیر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر فون اٹھایا۔ نمبر ملا کر سعدی سے بات کروانے کو کہا۔

"کہو ہاشم۔۔۔ میری یاد کیسے آئی؟"

"تم سچ کہہ رہے تھے۔" وہ تھکان سے بولا تو دوسری طرف سعدی نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"تمہاری دونوں باتیں سچ تھیں۔ میرے ساتھ میرے اپنوں نے دھوکا کیا ہے۔"

"کوئی گھنٹی بجی؟"

"ہاں۔۔۔ بج رہی ہے' عرصے سے بج رہی ہے۔ میں اپنی بیٹی سے بات نہیں کر پا رہا' میرا اپنے باپ سے بہت گہرا رشتہ تھا' کسی نے ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ سوچتا ہوں میری بیٹی سے بھی کوئی مجھے چھین لے گا۔ وہ کیسے سروائیو کرے گی؟"

"تمہیں یہ سب بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ بیزاری سے بولا تھا۔ ہاشم کتنے ہی لمحے خاموش رہا۔ کرسی سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے' فون کان سے لگائے وہ گہرے دکھ کے زیر اثر تھا۔

"کیا کوئی نجات کا راستہ ہے سعدی؟ کیا میرے لیے کوئی معافی اور توبہ کا راستہ ہے؟"

سعدی کو آگ لگ گئی تھی۔ "تم جیسے لوگوں کے لیے کوئی معافی' کوئی توبہ نہیں ہوتی' اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ قتل معاف نہیں ہوا کرتا۔"

"اچھا۔۔۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ "تمہارا خدا اتنا ظالم ہے کیا؟"

"ہاں وہ ظالموں کے لیے شدید العقاب ہے۔ اتنی زندگیاں تباہ کر کے تم معافی اور توبہ کی امید نہیں رکھ سکتے۔"

"کیا میرے لیے کوئی اچھائی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا میں اس دلدل سے نہیں نکل سکتا؟ کیا تمہارے خدا کے پاس ذرا سی گنجائش بھی نہیں ہے میرے لیے؟"

"نہیں ہے۔ سن لیا تم نے؟ نہیں ہے۔" وہ چلایا تھا۔ اندر بہت کچھ ابلنے لگا تھا۔

"کیا تم میرے لیے دعا کرو گے سعدی کہ میرے لیے کوئی راستہ نکل آئے؟ اس گلٹ' اس دلدل' ان جرائم سے نکلنے کا راستہ؟" وہ آنکھیں بند کیے مدھم اور گیلی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم جیسا دل کا اندھا آدمی اس قابل ہے کہ کوئی تمہارے لیے دعا کرے؟" اور کھٹ سے فون بند کر دیا۔

ہاشم نے سست روی سے فون میز پہ ڈال دیا۔

دوسری طرف سعدی فون پٹخ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ دماغ کھول رہا تھا مگر سکون... سکون نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا جو کہا تھا مگر... پھر کون سی آواز تھی جو بار بار ذہن پہ دستک دینے لگی تھی۔ جب اس نے ذہن کے کواڑ بند کر لیے تو وہ دل کو کھٹکھٹانے لگی اور دل کے کھٹکے سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔ وہ مضطرب سا بیڈ کے کنارے بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آواز اب بلند ہوتی گئی۔ قرآن کی... سورہ عبس!

"وہ ترش رو ہوا۔"

اور منہ پھیر لیا۔

کہ اس کے پاس آیا ایک اندھا۔

اور کیا چیز سمجھائے تجھ کو۔

شاید کہ وہ سدھر جائے۔

یا نصیحت پکڑ لے۔

اور فائدہ دے اس کو نصیحت۔

(مختلف آیات ضمیر پہ کوڑے برسانے لگیں۔)

بلکہ بے شک وہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے۔

تو جو کوئی چاہے یاد کرے اس کو۔

جو مکرم صحیفوں میں ہے۔

بلند اور پاکیزہ ہیں۔

ہاتھوں میں ہیں لکھنے والوں کے۔

جو معزز ہیں نیک ہیں۔

"نہیں اللہ تعالیٰ!" اس نے سر اٹھا کر بے بسی بھرے غصے سے اوپر دیکھا۔ "اتنا سب کچھ ہونے کے بعد... میرا خاندان' ہماری زندگیاں برباد ہونے کے بعد بھی آپ مجھے کیسے بتا سکتے ہیں کہ اس کی معافی اور توبہ کی امید...؟ نہیں... ہرگز نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بار بار اس بات کو جھٹلا رہا تھا۔

"شاید کہ وہ نصیحت پکڑ لے... شاید کہ..." الفاظ ذہن پہ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ بالآخر وہ اٹھا اور گارڈ کو آواز دی۔ چند لمحوں بعد وہ اپنے کمرے کے کونے میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا فون کان سے لگائے سر جھکائے ہوئے تھا۔

"بولو سعدی... کیا کہنا رہ گیا تھا؟" اس کے لہجے میں تکان اب بھی تھی۔

"جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا تو ایک بات پہ میں سخت الجھن کا شکار رہتا تھا۔"

"سعدی..."

"میری بات سنو... میں کبھی پریشان' کبھی خفا اور کبھی متحیر رہ جاتا تھا کہ وہ کتاب جس میں اللہ مجھ سے بات کر رہا ہے' جس کا موضوع "انسان" ہے اور جو اربوں' کھربوں انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے سب سے بڑا نور' سب سے بڑی سپورٹ ہے' اس میں تو اللہ اور انسان کی بات ہونی چاہیے نا۔ پھر یہ ہر چند ورق الٹنے کے بعد... بار بار... موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں آجاتا ہے؟ اچھا ٹھیک ہے' وہ کلیم اللہ تھے' اللہ سے باتیں کرتے تھے' فرعون کے سامنے کلمہ حق کہا تھا' اپنی قوم کے لیے لڑے تھے اور ہمیں اچھے سے یاد ہیں نا یہ واقعات' پھر اللہ کیوں... کیوں بار بار... آپ فرماتے ہیں کہ یاد کر موسیٰ کو اور فرعون کو۔ دنیا کی سب سے عظیم کتاب میں سب سے زیادہ جس انسان کا نام لیا گیا' وہ موسیٰ ہیں' اتنی دفعہ بار بار... کیوں؟ میں اکثر اللہ سے یہ سوال پوچھتا تھا اور مجھے اس کا جواب قید کے ان چند ماہ میں مل گیا ہے۔" وہ سر جھکائے کہے جا رہا تھا۔

"موسیٰ علیہ السلام پتا ہے کون تھے؟ وہ بہت بڑے دل کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ فرعون نے جو بھی کیا' ان کی قوم کے مردوں کو جس طرح ذبح کیا' ان کا اور ہارون علیہ السلام کا مذاق اڑایا' ان کو جادوگر کہا' ان کے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا اور پھر جب یکے بعد دیگرے سات قسم کے عذابوں میں فرعون مبتلا ہوا تو ہر عذاب اترنے پہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو کہتا تھا... موسیٰ..." اس کی آواز نم ہوئی۔

"اے موسیٰ! دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ

وہ اسے ٹال دے ہم سے 'تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ ہر دفعہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیا کرتے تھے مگر وہ لوگ آفات ٹلنے کے بعد بھی ایمان نہیں لایا کرتے تھے۔ تو پتا ہے کون تھے موسیٰ؟ وہ بہت بڑے دل کے' بہت عظیم انسان تھے۔ ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ انہوں نے انتہا تک پہنچنے کے باوجود فرعون پہ give up نہیں کیا تھا' اس کو امید دکھانا نہیں چھوڑی تھی۔ اسی لیے وہ موسیٰ تھے۔ اسی لیے ان کا ذکر ہمیشہ کے لیے امر رہے گا۔"

آنکھیں بند کیے گہری سانس اندر کھینچی۔

"مگر میں ہاشم! میں موسیٰ نہیں ہوں۔ میرا اتنا ظرف اور اتنا دل نہیں ہے کہ میں تمہارے لیے دعا کروں۔ جو کچھ تم نے میری بہن کے بارے میں کہا' جو جانیں تم نے لیں' اس کے بعد میں تمہارے لیے دعا نہیں کر سکتا' مگر ہاں۔۔۔ راستہ ہے۔"

دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ اسے محض ہلکی ہلکی ہاشم کے تنفس کی آواز آرہی تھی۔ "اگر تم نے سو قتل بھی کیے ہوتے' تب بھی راستہ ہے۔ اللہ ہر چیز معاف کر سکتا ہے۔ ہر گناہ' ہر قتل' ہر شرک۔"

"جب تم میرے آفس میں آئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ قتل کے بارے میں دو مسالک ہیں اور تم اس کے ساتھ ہو جو کہتا ہے کہ قتل معاف نہیں ہوتا۔"

"میں اب بھی اسی کے ساتھ ہوں مگر وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے۔ جو توبہ کیے بغیر مر جاتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اگر وہ مشرک نہیں تھے تو اللہ روز قیامت ان کو معاف کر دے گا' دوسرا کہتا ہے کہ نہیں' اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تھی تو معاف نہیں ہوں گے لیکن تم ابھی زندہ ہو۔ اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا ہر گناہ معاف ہو جائے گا۔"

"اور کیا مجھے خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑے گا؟ سارہ اور فارس اور زمر سے معافی مانگنی پڑے گی؟"

سعدی نے تکلیف سے آنکھیں میچیں۔ اگلے الفاظ کہنا زیادہ کٹھن تھا۔

"تمہارا پہلا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ ایکسپوز ہونے سے پہلے توبہ کر کے تم اپنا معاملہ ٹھیک کر سکتے ہو۔ اگر اللہ تمہیں معاف کر دے تو وہ لوگوں کے دلوں میں سے تمہارے لیے نفرت اور دشمنی خود بخود نکال دے گا۔"

"بس؟" ہاشم نے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ "کیا یہ اتنا آسان' اتنا سادہ ہے؟"

"یہ منحصر ہے اس پر کہ تم توبہ کو کیا سمجھتے ہو۔ توبہ صرف گلٹ محسوس کرنے اور آئی ایم سوری کہہ دینے کا نام نہیں ہے۔ یہ راستے کا نام ہے۔ تمہیں تمام غلط کام چھوڑنے ہوں گے۔ ایک اچھا آدمی بننے کی کوشش کرنی ہوگی۔ راستہ درست کرنا ہوگا۔ سو قتل کرنے والے کو عالم نے صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تمہاری معافی ہو سکتی ہے بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ جا کر فلاں بستی میں رہو' وہ نیک لوگوں کی بستی ہے تاکہ وہ شخص اپنی اصلاح کر سکے۔ تمہیں اپنے منفی کو مثبت کرنا ہوگا۔ جن کی زندگیاں تباہ کی ہیں' اب ان کی زندگیاں آباد کرو۔ اس ملک کے لیے کچھ کرو۔ اپنے اربوں روپے کے بجلی کے بل جو تم لوگوں نے کئی سال ادا نہیں کیے' ادا کرنا شروع کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔ اگر انسان بڑے گناہ چھوڑ دے تو اس کی چھوٹی چھوٹی بری عادتیں اللہ خود چھڑوا دیتا ہے لیکن اگر تم یہ نہیں کرتے اور اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتے رہتے ہو' اگر تمہیں صرف افسوس ہے اپنے گناہوں پر مگر شرمندگی نہیں ہے' غور سے سنو' افسوس اور شرمندگی دو الگ چیزیں ہیں اور اگر تمہیں شرمندگی نہیں ہے' تو تم کبھی اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور اصلاح کے بغیر توبہ نہیں ہوتی۔ سو قتل کرنے والا بھی اصلاح نہیں کر سکا تھا مگر وہ اس راستے پہ چل پڑا تھا جو نیک لوگوں کی بستی کی طرف جاتا تھا۔ سو اگر تم لوگوں سے اپنے مظالم کی معافی مانگتے ہو اور وہ تمہیں معاف نہیں کرتے' تو بھی۔۔۔ تمہاری کوشش دیکھی جائے گی' اگر انسان واقعی نادم ہو اور خود کو بدلنا چاہتا ہو اور اس کے لیے کوشش بھی کرے' تو کوشش کی ناکامی یا

کامیابی نہیں دیکھی جائے گی' صرف کوشش دیکھی جائے گی۔ سو کوشش کرو' اور میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے دعا کر سکوں۔"

اور یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے فون بند کردیا۔ پھر وہیں گھٹنوں میں سر دیے' آنکھیں بند کیے' اندھیرے میں بیٹھا رہا۔

☆ ☆ ☆

وہ چاہتا تھا کہ دیکھے مجھے بکھرتے ہوئے سو
اس کا جشن بصد اہتمام میں نے کیا

سرما کی ایسی ہی ایک دوپہر میں دھوپ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔ راہ داریوں سے آتے شور میں بند دروازوں کے باعث قدرے کمی محسوس ہوتی تھی۔ جج صاحب اپنے اونچے بینچ کے پیچھے بیٹھے' سامنے دیکھ رہے تھے۔ جہاں دائیں طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس زمر بیٹھی تھی اور مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا فارس... سنہری آنکھیں سکیٹر رکھی تھیں۔ تازہ شیو بنی تھی۔ بال بھی تازہ کٹے تھے' اٹھی مغرور ناک اور پیشانی پہ ہلکا سا بل لیے وہ ازلی بے زار بیٹھا تھا۔ البتہ آج اس نے سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ زمر کے اصرار کے باوجود وہ ٹائی پہننے پہ راضی نہیں ہوا تھا۔ اب بھی دوسری میز کے پیچھے کھڑے پراسیکیوٹر کو بولتے اور جج کو بغور سنتے دیکھ کر وہ استہزائیہ مایوسی سے سر جھٹک کر منہ میں کچھ بڑبڑایا تھا۔

You Lawyers! زمر نے گردن موڑ کر اس پہ ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ ناخوش لگتا تھا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔ بال کیچر میں باندھے' زرد چہرے مگر اٹھی گردن کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

"مجھے کچھ کہنا ہے یور آنر۔ آئی ایم سوری پراسیکیوٹر صاحب..." دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے معذرت کی جو ابرو بھینچ کر اسے روکنے ہی لگا تھا۔ "مجھے ابھی نہیں بولنا چاہیے' مگر اتنی پروفیشنل کرٹسی تو آپ مجھے دکھائیں گے کہ اگر میں ابھی بطور ایک انسان کچھ کہنا چاہوں' کیونکہ اپنی باری پہ اپنے دلائل میں' میں جو کچھ کہوں گی وہ بطور ایک وکیل کے ہوگا' تو آپ پانچ منٹ تو مجھے دے دیں گے۔"

پراسیکیوٹر عمران نے سر کو خم دیا اور واپس بیٹھ گیا۔ جج صاحب نے زمر کو بات جاری رکھنے کی اجازت دی تو وہ اسی طرح اٹھی گردن کے ساتھ مضبوط ہموار آواز میں کہنے لگی۔

"میں ایک وکیل ہوں اور میں ایک پراسیکیوٹر رہی ہوں' پبلک پراسیکیوشن آفس ایک بھاری ذمہ داری کا نام ہے' جس کو میں نے کئی سال اٹھایا ہے۔ انسان کے سر پہ جتنی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے اتنی زیادہ پوچھ گچھ ہوتی ہے مگر ایک پراسیکیوٹر سے پہلے میں ایک انسان بھی ہوں اور بطور ایک گواہ نہ کہ ایک وکیل میں نے..." جج صاحب کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تو آواز لمحے بھر کو کانپی۔ "فارس طہیر غازی کو ساڑھے چار سال پہلے جیل بھجوایا تھا۔"

کان کی لو مسلتا' وہ بے نیاز' بے زار بیٹھا شخص ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا' وہ کہہ رہی تھی۔

"کیونکہ میرے نزدیک وہ ایک مجرم تھا مگر یہ میری غلطی تھی۔ جج منٹ کی غلطی اور ہم میں سے ہر ایک ایسی غلطیاں کسی نہ کسی کیس میں کرچکا ہے مگر اس کے باوجود میری غلطی کی جسٹی فائی نہیں کی جاسکتی۔ میں... غلط تھی جب میں نے فارس غازی کو بلیم کیا تھا۔ (الزام لگایا تھا) دو ماہ قبل مجھے معلوم ہوا کہ فارس غازی بے گناہ تھا اس کیس میں۔ وہ کسی بھی جرم میں ملوث نہیں تھا۔"

وہ آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ بنا پلک جھپکے وہ گردن اٹھائے دم بخود اسے دیکھ رہا تھا۔ عدالت میں سکتہ چھا گیا تھا۔ جج کے چہرے پر حیرانی تھی اب وہ میز کے پیچھے سے نکل کر جج کے چبوترے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ایسی جگہ جہاں کھڑکی سے چھن کر گرتی سورج کی روشنی بہت تیز پڑ رہی تھی۔

"میں نے دو ماہ قبل یہ جانا کہ وہ صحیح تھا اور میں غلط تھی' اسی لیے آج میں یہ اعتراف اس جگہ کھڑے ہو کر

کرنا چاہتی ہوں تاکہ یہ لکھا جائے۔" ایک نظر سامنے بیٹھے کورٹ رپورٹر پہ ڈالی جو کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ "اور یہ اس کیس کی فائلز میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے' کیونکہ ایک دفعہ مجھ سے فارس غازی نے پوچھا تھا کہ اگر میں نے یہ جان لیا کہ وہ بے گناہ ہے تو میں کیا کروں گی؟"

گردن موڑ کر اس نے اسی اٹھی گردن کے ساتھ فارس کو دیکھا۔

"تو میرا جواب یہ ہے کہ میں یہی کروں گی! میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور اس کو انصاف دلاؤں گی۔"

وہ روشنی میں کھڑی تھی' تیز روشنی میں اور اس کے بھورے بال چمک کر اخروٹی لگ رہے تھے اور جب اس نے چہرہ موڑ کر فارس کو دیکھا تو بھوری آنکھیں سنہری نظر آئی تھیں۔ وہ بالکل خاموش سا اسے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری تھی۔

پراسیکیوٹر سے مزید برداشت نہیں ہوا تو اٹھا۔ "مسز زمر! آپ سب ابھی کہہ دیں گی تو اوپننگ آر گومنٹ میں کیا کہیں گی؟ جج صاحب! مسز زمر کی بات بجا ہے مگر عدالت کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ فارس غازی کی بیوی ہیں اور ہر محبت کرنے والی بیوی کی طرح...."

"مجھے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں ہے۔" وہ مڑے بغیر جج صاحب کو دیکھتے ہوئے اسی اٹھی گردن کے ساتھ اسی روشنی کے ہالے میں کھڑی بولی تھی۔ "نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ ان فیکٹ میں اپنے شوہر کو پسند بھی نہیں کرتی اور بہت دفعہ میں اپنے شوہر کو جان سے مار دینا چاہتی تھی۔" (وہ ہلکا سا مسکرایا۔) ان فیکٹ گرفتار ہونے سے ایک دن پہلے وہ مجھے طلاق دینے کی بات کر رہا تھا۔"

فارس نے قدرے بے چینی پہلو بدلا۔

"مگر یہ فیملی کورٹ نہیں ہے جہاں ہم کھڑے ہو کر ذاتیات کے بارے میں بات کریں اور ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالیں' نہ میں ایسی عورت ہوں مگر یہ سب کہنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹرائل کے دوران میری کہی کسی بات کو۔ "شوہر کے دفاع" کے زمرے میں لینے کے بجائے موکل کا دفاع سمجھا جائے۔ تھینک یو یور آنر۔"

سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ وہ تیز روشنی میں کھڑی تھی' چمکتی ہوئی' جیسے سونے کے پتنگے آس پاس گر رہے ہوں۔ نہ کوئی ٹوٹا بکھرا وجود تھا' نہ آنکھوں میں آنسو نہ ندامت سے جھکا سر.... نہ معافی کے لیے ہاتھ بندھے تھے مگر اعتراف جرم بھی کر لیا تھا' اعتراف ندامت بھی ہو گیا تھا۔ سر بھی اٹھا رہا تھا.... کیونکہ.... فارس غازی نے سوچا تھا..." وہاں نیت صاف تھی۔ جو بھی کیا تھا' سچ کا ساتھ دینے کے لیے کیا تھا۔ پہلے بھی... اب بھی...."

"اب پراسیکیوٹر صاحب بڑے آرام سے دلائل کا آغاز کر سکتے ہیں' جن کے بعد ایسے لگے گا جیسے میرا کلائنٹ قمرالدین چوہدری کے ساتھ ساتھ نائن الیون حملے میں بھی ملوث تھا۔"

وہ سادگی سے کہہ کر واپس آ کر بیٹھی' کمر کرسی کی پشت سے لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' گردن موڑ کر فارس کو دیکھا۔ اس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ ان چند لمحوں میں بہت سی کیفیات سے ایک دم گزر گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے اعتراف سے تمہیں خوش نہیں کر سکی' نہ میں روئی' نہ پیروں میں گری' نہ ہاتھ جوڑے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ وہ بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا۔ وہ بیان نہیں کر سکتا تھا پھر وہ سامنے دیکھنے لگا۔ پراسیکیوٹر دلائل کا آغاز کر چکا تھا۔ فارس کی آنکھیں اُدھر جمی تھیں مگر گردن کی گلٹی بار بار ظاہر ہو کر معدوم ہوتی تھی۔

"آپ کو کب معلوم ہوا؟" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی اندازہ نہیں تھا۔

"جس رات مجھے استھما اٹیک ہوا تھا۔" وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

فارس نے نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔ سنہری

آنکھیں بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہیں چند لمحے' چند سانسیں' جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر.... بولا تو صرف اتنا۔

"کیا میں آپ کو "تم" کہہ کر بلا سکتا ہوں؟"

زمر لمحے بھر کو لاجواب ہوئی۔ پھر خفگی سے گردن اکڑائی۔ "ہرگز نہیں۔"

وہ ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف جھکا اور تابعداری سے سر کو خم دیا۔ "ٹھیک ہے' جیسے تم چاہو۔"

اب اگر وہ ڈسٹرکٹ کورٹ کا کمرہ نہ ہوتا اور ان کے پیچھے وکلا نہ بیٹھے ہوتے تو زمر یوسف کی ہیل فارس غازی کے پیر کو بتاتی کہ اس کے چاہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے مگر.... وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼
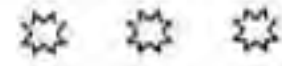
ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے
جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کولمبو کی بھیگی فضاؤں میں اس رات بارش نے مزید نمی گھول دی تھی۔ کرنل خاور مظاہر حیات نے جب ہوٹل کی لابی میں قدم رکھا تو اس کا کوٹ نم تھا اور بال قدرے بھیگے ہوئے تھے۔ اپنے تنومند جسم پہ کوٹ کے کالر برابر کرتا وہ ریسپشن تک آیا اور شناسا سا انداز میں ری سیپشنسٹ سے پوچھا۔

"ہاشم کاردار کون سے روم میں ہیں؟" جب وہ لڑکی اسے مطلوبہ معلومات فراہم کر رہی تھی تو اس کی پشت دیوار پہ آویزاں باکسز کی چمکتی دھات میں خاور کا عکس جھلک رہا تھا۔ قدرے بھاری مگر فٹ جسامت کا حامل' اونچا لمبا سا آدمی' جس کے بال کریو کٹ میں کٹے تھے' ایرانی طرز کی سیاہ مونچھیں تھیں اور گھنے ابرو تلے سیاہ گہری آنکھیں۔ پیشانی پہ مستقل پڑے دو بل اور گندمی رنگت۔ دیکھنے میں وہ پینتالیس سے اڑتالیس سال کا لگتا تھا اور کم و بیش یہی اس کی عمر تھی۔

چند گھنٹے قبل ہاشم نے اسے کال کر کے جلد از جلد کولمبو پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ کراچی میں جن کاموں میں پھنسا تھا' ان سب کو چھوڑ کر فوراً" ادھر آ پہنچا تھا اور اب لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ یقیناً" اس امر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ہاشم نے اس سے ڈسکس کرنا تھا۔ ہاشم نے کہا تھا' بات اہم تھی۔ خاور متجسس تھا اور پرجوش بھی' جو بھی مسئلہ ہو وہ اسے حل کر لے گا۔ ہاشم کے لیے وہ سب سنبھال لے گا' کیونکہ صرف وہی تھا جو ہاشم کے تمام مسئلے سنبھالتا آیا تھا۔

کمروں کے بند دروازوں سے سجی راہداری میں وہ مطلوبہ دروازے تک رکا' بیل بجائی۔ پھر دیکھا' دروازہ قدرے کھلا تھا۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ احتیاط سے دروازہ دھکیلا' ایک ہاتھ بیلٹ میں اڑسے پستول پہ رینگ گیا۔

پٹ کھلتا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ صرف ایک زرد لیمپ جل رہا تھا۔ خاور نے ادھر گردن گھمائی۔ ایک طرف دیوار گیر کھڑکی تھی جس کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں اس کے سامنے کرسی ڈالے ہاشم بیٹھا تھا۔ خاور نے اطمینان کی سانس خارج کی' جیب تک رینگتا ہاتھ سیدھا ہو گیا۔ وہ "سر" کہتا قریب آیا۔ ہاشم کی اس طرف پشت تھی۔ آہٹ پہ بغیر چونکے سر موڑا' اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرایا اور اٹھا۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے خاور نے گرمجوشی سے تھاما۔

"سب ٹھیک ہے سر؟" خاور کو وہ دیکھنے میں بالکل نارمل لگا تھا۔ (اہم مسئلہ؟)

"یس.... آف کورس!" ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ہاتھ ملا کر چھوڑا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا میں کسی سے بات کروں' سو تمہیں بلا لیا۔" کہتے ہوئے وہ ساتھ رکھی میز تک آیا۔ سیاہ پینٹ پہ سلور گرے شرٹ پہنے اور کف کہنیوں تک موڑے وہ مطمئن لگ رہا تھا۔ دو گلاسوں میں اس نے مشروب انڈیلا' ایک خاور کو تھمایا' دوسرا خود تھامے سامنے آکھڑا ہوا گلاس بلند کیا۔

"کس کے نام؟" خاور نے اپنا گلاس بلند کرتے پوچھا۔

"جولیس سیزر کے نام!" اس نے خاور کے گلاس سے گلاس ٹکرایا' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا واپس

کرسی پہ آ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر رخ کھڑکی کی طرف موڑے گھونٹ بھرا۔

خاور اس کے سامنے ذرا ترچھی کر کے کرسی پہ بیٹھا۔ قدرے آگے کو ہوا۔ گھونٹ بھرا۔ تابعدار آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو شیشے پہ برستی بوندیں دیکھ رہا تھا۔

"جولیس سیزر... رومن ڈکٹیٹر... آج کل میں اس کے بارے میں اکثر سوچتا ہوں۔" گھونٹ بھرتے ہوئے باہر دیکھتے وہ کہہ رہا تھا۔ "چوالیس سال قبل از مسیح... پندرہ مارچ کے دن... سیزر کے اوپر اس کے اپنے سینیٹرز نے حملہ کیا تھا اور ان میں شامل تھا' مارکس جونیئر بروٹس' سیزر کا دوست اور Protege ۔ کہتے ہیں پہلے سیزر جوانمردی سے لڑا مگر جب اس نے..." نگاہیں یک ٹک باہر جمائے گلاس لبوں سے لگا کر نیچے کیا۔ "جب اس نے بروٹس کو دیکھا تو اس نے دکھ سے کہا۔"

" Ettu Brute Then Fall Caeser "

(تم بھی بروٹس؟ تو پھر ڈھے جاؤ سیزر۔) اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔ ایک اور چھوٹا سا گھونٹ بھرنے کو وہ رکا۔ " Et tu Brute ... لاطینی زبان کا وہ ننھا سا فقرہ جو انگریزی میں You too Brutus کہلاتا ہے' اس کو شہرت شیکسپیئر کے قلم سے ملی... ورنہ خاور... اگر شیکسپیئر یہ فقرہ اپنے پلے (ڈرامے) میں جولیس سیزر کو بولتے نہ دکھاتا تو کون جان پاتا اس فقرے کو مگر جانتے ہو لوگ اس کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھتے۔ قیاس کرتے ہیں کہ یو ٹو بروٹس کا مطلب ہے کہ سیزر دکھ سے "یعنی کہ تم بھی بے وفا نکلے بروٹس؟" کہہ رہا تھا مگر یہ ایک نامکمل مطلب ہے۔"

خاور نے درمیان میں کئی دفعہ لب کھولے اور پھر ادب سے بند کر لیے۔ وہ اس بے کار کہانی کو تحمل سے آخر تک سن سکتا تھا مگر جانے اس نیم روشن شاہانہ بیڈ روم کی نرم گرم فضا میں ایسا کیا تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔

وہ اندر سے الجھتا خاموشی سے گھونٹ بھرتا رہا اور اسے سنتا رہا' وہ کہہ رہا تھا۔

" Suetonius کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں سیزر کے آخری الفاظ تھے۔ "کائے سے تمکفون؟" یعنی تم بھی بچے؟ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے کہا تھا' تم بھی میرے بچے؟" وہ ہلکا سا ہنسا۔ "تاریخ دان یہ بھی کہتے ہیں کہ بروٹس' سیزر کا ناجائز بیٹا تھا۔ خیر..." کھڑکی کو دیکھتے شانے اچکائے۔ خاور اب دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اس زمانے میں قدیم روم میں ایک محاورہ بولا جاتا تھا۔ "تم بھی میرے بچے' طاقت کا مزہ چکھو گے۔" شاید سیزر بھی یہی کہہ رہا تھا' جب اس نے کہا' تم بھی بروٹس... تم بھی تاج پہنو گے۔ یہ دکھ کا اظہار نہیں تھا۔ یہ ایک بددعا تھی۔" اب کے نگاہیں خاور کی طرف پھیریں۔ خاور بری طرح ٹھٹکا۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جن کو وہ پہچانتا تھا۔ سیاہ' سرد' پتھر جیسی آنکھیں۔ "سر کیا ہوا ہے؟"

"یو نو... جب سیزر نے یہ کہا' تم بھی بروٹس' تو اس نے کہا' تمہاری بھی باری آئے گی بروٹس! اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا اور بعد میں بروٹس بھی تو ایسے ہی مرا تھا۔ مگر پتا ہے کیا۔" اس نے خاور پہ نظریں جمائے گلاس دائیں طرف میز پہ رکھا۔ "یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں' ورنہ تاریخ کہتی ہے کہ سیزر نے مرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا۔"

خاور نے آہستہ سے گلاس اسی میز پہ رکھنا چاہا' مگر رکھ نہیں سکا۔ گلاس لڑھک گیا۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھاما۔ اس کی رنگت بدل رہی تھی' چہرے پہ پسینہ نمودار ہو رہا تھا۔ "سر... سر کیا ہوا ہے؟" حیرت زدہ نگاہیں اٹھا کر تنگ ہوتے گلے کو پکڑے وہ بمشکل بول پایا۔

"مؤرخ کہتے ہیں' سیزر کو مرتے وقت ایک لفظ کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ خاموشی سے مرا تھا۔ بالکل خاموشی سے۔ ایسے بڑے بڑے الفاظ شیکسپیئر لکھتا تھا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں۔" اس نے خاور کو دیکھتے ہوئے ایک اور گھونٹ بھرا۔

"سر... میں نے... کچھ نہیں..." وہ چلانا چاہتا تھا مگر گلا پکڑے پکڑے گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا۔ منہ یوں کھولا جیسے قے کرنا چاہتا ہو مگر آج اندر سے کچھ نہیں نکلنا تھا۔ سامنے کا منظر دھندلا رہا تھا۔ سامنے ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا اسے سرد نظروں سے دیکھتا ہاشم اسی دھند میں گم تھا اور دور ب... کسی کنویں سے ٹکراتی آواز کی طرح اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ واقعی خاموشی سے مرا تھا کیونکہ بادشاہ خاموش ہی مرا کرتے ہیں مگر تم... تم تاج نہیں پہنو گے۔"

اس نے کرسی پہ ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کی مگر دھند... درد... اندھیروں میں ڈوبتا ذہن... وہ اٹھ نہیں پایا۔

"تم خاموش نہیں رہو گے... تم..." ہاشم بیٹھے بیٹھے آگے کو جھکا تھا۔ "تم مجھے سب بتاؤ گے... ایک ایک بات... کس کے لیے مارا تم نے میرے باپ کو... سب کچھ۔"

مگر الفاظ اب گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ خاور کا ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔ مناظر کبھی نظر آتے، کبھی بادلوں میں چھپ جاتے۔ اس نے محسوس کیا، اس کو کسی چیز پہ لٹا کر راہ داری میں سے گزارا جا رہا ہے... راہ داریاں... چھت... دروازے... چھت بدل رہی تھی... پھر وہ تاریک ہو گئی... وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا، مضبوط قوت ارادی کے باعث اس کا ذہن ابھی تک مفلوج نہ ہو سکا تھا اور پھر چھت مزید تاریک ہوئی... یہاں تک کہ وہ زردی مائل بھوری سی لگنے لگی... دھندلے ہوتے منظر میں اس نے دیکھنا چاہا... اس کا اسٹریچر ایک تنگ کمرے میں دھکیلا جا رہا تھا اور سامنے دو ہیولے سے کھڑے تھے... وہ قریب آتے گئے... قدم... قدم... پھر ایک کا چہرہ واضح ہوا... اس کے بال گہرے بھورے اور ہلکے گھنگھریالے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ قریب آیا اور اس کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو خاور کو سنائی دیے تھے۔

"خوش آمدید... یا صاحبی السجن!"

☼ ☼ ☼

ڈیڑھ ماہ بعد

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پہ طاری کر
مری بلا سے فقیری کر یا تاجداری کر

سرما کی ٹھنڈ دسمبر کے تیسرے عشرے میں بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک نیلی سی صبح تھی۔ دھند نے سارے قصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سورج منہ پھیرے ناراض سا، بادلوں کے پیچھے گم تھا۔ ایسے میں فینونا قصر کے برآمدے کے زینے چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکرٹ پہ سوئیٹر پہنے، بال پونی میں باندھے، وہ قدرے سنجیدہ اور ناخوش دکھائی دیتی تھی۔ برآمدے میں آکر اس نے اندر کھلتا بھاری منقش لکڑی کا دروازہ دھکیلا تو جیسے ہی ہیٹرز کی گرم ٹکور دیتی ہوا وجود سے ٹکرائی، ویسے ہی قصر کا اندرونی منظر بھی کھلتا چلا گیا۔

اندر تمام بتیاں روشن تھیں۔ لاؤنج میں ملازم کام کرتے نظر آرہے تھے۔ سامنے ڈائننگ ہال کے شیشے کے دروازے کھلے تھے اور سربراہی کرسی پہ براجمان ملکہ نک سک سے تیار بیٹھی تھی۔ کھلے بال کندھے پہ بائیں جانب کو ڈالے، سیاہ ٹاپ پہنے، جس پہ گرا سلور لاکٹ چمک رہا تھا، وہ مسکرا کر گردن اٹھائے مسلسل ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتی ساتھ کھڑے احمر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ جیکٹ میں ملبوس، ماتھے پہ کٹے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے، سادہ سا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"گو کہ آکشن گیارہ بجے شروع ہو گی مگر آپ وہاں پہ گیارہ بج کر چودہ منٹ پہ پہنچیں گی، یہ پرائس بولیں گی۔" ایک چٹ نکال کر سامنے رکھی۔ "مسکرا کر حاضرین کو دیکھیں گی، سب امیزڈ ہوں گے، لاجواب ہوں گے، پھر آپ کے بیٹھنے سے پہلے پیننگ آپ کی ہو گی اور آپ اسی شان بے نیازی سے اس کو بچوں کی فلاح کے لیے بننے والے ادارے کو عطیہ کر دیں گی۔ کیمروں کے شٹرز بج رہے ہوں گے، آپ نیوز میں ہوں

گی مگر آپ انٹرویو دینے سے انکار کردیں گی' کیونکہ آپ اپنے نیک کام کی تشہیر نہیں چاہتیں۔ پی ایس! آپ کو مزید تشہیر کی ضرورت اس ہفتے پڑے گی بھی نہیں۔" اور مسکرا کر سر کو خم دیا۔ فیونا نے دور سے یہ منظر دیکھا' ناک سکیڑی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"اور یقیناً" تم نے انتظامیہ سے پہلے ہی بات کرلی ہوگی۔" چیٹ کو دو انگلیوں میں اٹھا کر جواہرات نے دیکھا۔ "وہ میرے علاوہ کسی کو پینٹنگ نہیں بیچیں گے' رائٹ....."

"نہ صرف یہ بلکہ وہ چودہ منٹ تک کسی کو اس رقم تک نہیں آنے دیں گے۔ سب سیٹل کیا جا چکا ہے۔" وہ ذرا رکا۔ "مسز کاردار' آپ سیاست میں نہیں آرہیں' آپ پہلے ہی ایک Philanthropist کے طور پہ جانی جاتی ہیں پھر میں پچھلے چند ہفتوں سے آپ کے لیے پبلسٹی Stunts (شہرت کے مواقع) کیوں ارینج کررہا ہوں؟"

جواہرات نے نزاکت سے کندھے اچکائے اور نیپکن گھٹنوں پہ پھیلایا۔ "میں پاپولر ہونا چاہتی ہوں۔ مقبول لوگ' کسی بھی عہدے یا آفس کے بغیر بھی ایک دنیا پہ حکومت کرتے ہیں۔ وہ ذہنوں پہ حکمرانی کرتے ہیں اور ان کی رائے سنی جاتی ہے' مانی جاتی ہے۔" مسکرا کر اسے دیکھتے گلاس لبوں سے لگایا۔

"بھاری اعزازات کی بھاری قیمتیں چکانی پڑتی ہیں مسز کاردار! مگر خیر۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

"اور مجھے اسی بات کی فکر ہے کہ تم ان کے ساتھ ہو۔" آواز پہ احمر چونک کر پلٹا۔ سامنے سے ہاشم چلا آرہا تھا۔ کوٹ' ٹائی' کف لنکس' سب نفاست سے خود پہ سجائے' تناؤ کے تاثرات کے ساتھ ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالتا وہ اپنی کرسی تک آیا۔ ملازم نے جلدی سے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے نیپکن پھیلانے لگا۔

"گڈ مارننگ مسٹر کاردار!" احمر سر کو خم دے کر کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا جواب نہیں آنا۔

"یہ بہت ٹیلنٹڈ ہے ہاشم!" جواہرات نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو دبایا۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ناشتا کرتا رہا۔ نوشیرواں بھی تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر نیچے آگیا۔ اس کے بال پہلے بھی چھوٹے کٹے تھے' فرنچ کٹ صاف تھی اور آج کل وہ روز اسی خاموشی سے آفس جاتا اور واپس آکر کمرے میں گم ہوجاتا تھا۔

ناشتا کرتے ہوئے ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کھڑکی کے باہر احمر کھڑا کسی ملازم کو کوئی ہدایت دیتا نظر آرہا تھا۔ ہاشم نے ہولے سے سر جھٹکا۔

"ممی! مجھے اس پہ ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔" جواہرات نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا' پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں جس پہ اعتبار تھا اس کا نام خاور تھا' وہ خاور جس پہ تمہارے باپ نے کبھی بھروسا نہیں کیا تھا' احمر جس پہ تمہارے باپ نے اعتبار کیا تھا' اب تم فیصلہ کرلو کہ کون صحیح تھا' کون غلط۔"

ہاشم کے لب بھینچ گئے اور وہ مزید خاموشی سے ناشتا کرنے لگا۔ جواہرات نے جھرجھری لیتے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خاور' اورنگ زیب کے ساتھ یہ سب....."

"خاور نے ڈیڈ کو قتل نہیں کیا۔" نوشیرواں ایک دم کانٹا پٹخ کر بولا تو وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پل بھر کو جواہرات کا دل بیٹھا مگر وہ کہہ رہا تھا۔ "میرے باپ کو کسی نے قتل نہیں کیا' انہیں کوئی قتل نہیں کرسکتا تھا۔ وہ نیچرل ڈیتھ سے فوت ہوئے تھے' سنا آپ لوگوں نے؟" اور نیپکن پٹخ کر کھڑا ہوگیا۔ ہاشم نے گردن اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم ابھی تک denial (نفی کی کیفیت) میں ہو شیرو!"

"آئندہ کوئی بھی ان کے قتل کی بات نہیں کرے

گا' سنا آپ نے یا نہیں؟" بگڑ کر کہتا وہ کرسی دھکیلتا' لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ ناشتا ادھورا رہ گیا تھا۔ ادھوری چائے' ادھورے ناشتے۔۔۔

☼ ☼ ☼

مزاج غم نے بہرطور مشغلے ڈھونڈے
کہ دل دکھا تو کوئی کام دام میں نے کیا

دھند لکے کے پار انیکسی کھڑی تھی۔ چھوٹی' کم مایہ مگر مضبوط۔ اندر چھوٹے سے کچن میں دم کی چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔ سیم گول میز پہ بیٹھا برے برے منہ بنا تا ناشتا زہر مار کر رہا تھا۔ فرائی انڈے کی زردی ٹوٹ چکی تھی اور وہ کھاتے ہوئے بار بار ایک ملامتی نظر حنین پہ ڈالتا جو جلدی جلدی توے پہ توس سینک رہی تھی۔ زمر سفید لباس میں تیار سی اپنی چائے دم پہ رکھ رہی تھی۔ حنہ کپ کھنگالتے رکی تو توس جل گیا۔ سیم چلایا تو وہ اس طرف بھاگی۔

"حنین! ڈونٹ وری' واپس آکر ہم سب مل کر کچن صاف کرلیں گے۔" زمر نے چولہا بند کرتے اسے تسلی دی۔ توس سیم کی پلیٹ میں رکھتے حنین نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ یہ کچن صاف نہیں ہے؟" اس کے دل کو جیسے دھکا لگا تھا۔ زمر نے گڑبڑا کر سیم کو دیکھا' پھر کچن کو (ہر چیز' چاہے وہ صاف دھلے برتن تھے یا پتی چینی کے ڈبے' وہ کاؤنٹر پہ رکھے تھے۔ پھیلاوا ہی پھیلاوا۔)

"میرا مطلب ہے' ابھی تو تم نے کرلیا بعد میں۔۔۔ ہم مل کر کرلیں گے۔" سیم کو پھر دیکھا تو اس نے بنا آواز کے "توبہ توبہ" کہتے دونوں کانوں کو انگلی سے باری باری چھوا۔

مگر حنین سخت بے دلی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ زمر کا بھی فون آگیا۔ وہ سیم کو لیے چلی گئی تو حنہ نے گھر کے سارے دروازے لاک کر دیے۔ اب وہ اکیلی تھی اور وہ جانتی تھی کہ گھر کا یہ تخت و تاج اگلے دو ہفتے تک اسے اکیلے ہی سنبھالنا تھا۔

صداقت شادی کر رہا تھا۔

اس کی بلا سے وہ کسی سے بھی شادی کرے' جب بھی کرے' مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ ندرت اور بڑے ابا کے بغیر اس کی شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔ زمر اور خود حنین کے بے حد اصرار پہ ندرت اور ابا ایک ہفتے کے لیے صداقت کے گاؤں چلے گئے تھے۔ ایک ہفتے کی شرط بھی زمر نے لگائی تھی۔ وہ چاہتی تھی' وہ دونوں اس ڈپریشن زدہ ماحول سے نکلیں' کچھ دن تازہ ہوا کھالیں' سو صداقت کے لیے قیمتی تحفے لے کر وہ لوگ کل روانہ ہو گئے تھے۔ ندرت نے کہہ دیا تھا کہ زمر مصروف ہوتی ہے اور حنین کو کھانا بنانا نہیں آتا سو کھانا ریسٹورنٹ سے آئے گا' کپڑے لانڈری۔ جائیں گے' حنہ کو صرف ناشتا اور صفائی کرنی ہوگی۔

مگر صفائی؟ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ کل سے وہ چیزیں صاف کر کر کے ٹھکانے پر رکھ رکھ کر ہلکان ہو چکی تھی مگر پورا گھر بکھرا ہوا لگتا تھا۔ آج بھی وہ زمر کے نیچے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے کچن میں آئی تھی' سارا کچن صاف کیا' مگر کتنے مزے سے وہ کہہ گئی کہ صفائی نہیں لگ رہی تھی۔ بھئی مطلب تو یہی تھا نا۔

ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرتے' اکیلے بیٹھے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پہلے ہی دن رات ہاشم کا خیال' اس کی آواز' یہ سب ذہن سے نکلتا نہیں تھا' غصے بھر کر کر کے تھک گئی وہ مگر وہ تو ویسے ہی یاد آتا تھا' ذرا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس نے سوچا تھا' غصے بھر میں کامیاب ہو کر وہ شیخ کے اگلے طریقے تک جائے گی مگر کامیابی تو دور لگ رہی تھی' سو بالآخر وہ کتاب اٹھالائی اور لاؤنج میں صوفے پہ لیٹے اس نے مطلوبہ فصل کھول لی۔

دروازے کے پار کھلا دریا تھا۔ تیز سورج کی سنہری کرنیں پانی پہ جھلملا رہی تھیں۔ ایسے میں وسط دریا کو چیرتی ایک لکڑی کی قدیم کشتی چلتی جا رہی تھی۔ بوڑھے شیخ کسی ماہر ملاح کی طرح چپوؤں کو پانی میں چلاتے کشتی کو آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے سامنے

وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی طرح کمزور اور بد دل۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے اور ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے وہ ناراضی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"غض بصر کر کر کے مر گئی میں۔ پہلے اس کو دیکھنا چھوڑا' پھر اس کی ای میلز' اس کے ٹیکسٹ' سب مٹا دیے کہ ان کو دیکھنا بھی غض بصر کے خلاف تھا مگر وہ نہیں بھولا۔ میں تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی' پھر وہ مجھے کیوں نہیں بھولتا شیخ؟"

شیخ نے آہستگی سے گیلے چپو نکال کر کشتی کے اندر رکھے۔ ہوا ہولے ہولے خود ہی سنہرے پانی پہ کشتی کو آگے بڑھانے لگی۔

"لڑکی! تمہارے زمانے میں سب سے مہلک بیماری کون سی ہے؟"

"ڈینگی!" فوراً" بولی' پھر گڑبڑائی۔ "سوری۔۔۔ کینسر۔۔۔ سرطان۔"

"تو اگر سرطان کا مریض اپنی بیماری بھول جائے تو کیا تندرست ہو جائے گا؟"

"ویل۔۔۔ بیماری بھولنے سے کون شفایاب ہو سکتا ہے؟"

"تو میری بیٹی! مریض کیسے ٹھیک ہو گا؟ جسم سے اس سرطان (کینسر) کے نکلنے سے؟ یا یادداشت سے سرطان کا خیال نکلنے سے؟ اور جب وہ ٹھیک ہو جائے گا تو کیا وہ سرطان کو بھول جائے گا؟" وہ ایک عجیب انکشاف کا لمحہ تھا۔ حنہ نے دم بخود ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ اسے ساری عمر سرطان یاد رہے گا۔"

"لیکن اگر وہ تندرست ہو چکا ہے تو وہ یاد اسے تکلیف نہیں دے گی۔"

"تو کیا۔۔۔ تو کیا مجھے اپنے محبوب کو بھولنے کی ضرورت نہیں؟" وہ بے یقین تھی۔ بھولے بغیر موو آن کرنا۔۔۔ یہ کیسا علاج تھا؟

"وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ تم بھولنے کی کوشش ترک کر دو۔ علاج تم نے اپنے دل کا کرنا ہے' یادداشت کا نہیں۔ اسے دل سے نکالنا ہے' دماغ سے نہیں۔ اس مقام تک آنا ہے' جہاں اس کی یاد پہ تم بے حس ہو جاؤ۔ تمہیں فرق پڑنا ختم ہو جائے' نہ نفرت ہو نہ محبت۔"

حنہ کا دل جیسے ایک دم خالی ہو گیا۔ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"مگر یہ کیسے ہو گا؟"

"اس کے لیے پہلے تمہیں "محبت" کو سمجھنا پڑے گا۔" انہوں نے چپو اٹھا لیے اور پھر سے پانی میں چلانے لگے۔ کشتی کی رفتار تیز ہوئی۔ سنہری کرنوں سے چمکتا پانی اب تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ گویا دریا کے دو دہانے قریب آ رہے تھے۔ دونوں اطراف میں اگا سبزہ بھی گھنا اور گنجان تھا۔

"اور اس کو سمجھنے کے لیے پہلے عشق اور محبت میں فرق کرنا سیکھو لڑکی۔" دریا مزید تنگ ہو کر کسی نہر میں بدلتا جا رہا تھا۔ وہ جیسے شام سے دور' امیزون کے جنگلات کے درمیان بہتی کوئی نہر تھی۔

"مجھے پتا ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ "پہلے پسندیدگی ہوتی ہے' پھر محبت' پھر عشق' پھر جنون' پھر دیوانگی!"

شیخ کے تاثرات دیکھ کر وہ یک دم چپ ہوئی۔ وہ افسوس سے مگر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

"یہ درجے تمہارے ملک میں رائج ہوں گے مگر جس زبان سے تمہاری زبان نکلی ہے' اس میں معاملہ ذرا مختلف ہے۔ محبت درمیان میں نہیں ہے' بلکہ محبت کے یہ سب درجے ہیں۔ محبت خود کوئی درجہ نہیں ہے۔"

"تو کتنے درجے ہیں محبت کے؟"

"سات۔۔۔ سنو گی؟" وہ مسکرائے۔۔۔ کشتی اب اس سرسبز تنگ نہر کے درمیان داخل ہو چکی تھی۔ وہاں جا بجا کنول کے پھول پانی پہ تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سورج گھنے درختوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ٹھنڈی میٹھی سی چھایا ہر سو چھا گئی تھی۔

"محبت کا پہلا درجہ "علاقہ" ہے' کیونکہ اس میں

انسان کا اپنے محبوب سے "تعلق" قائم ہوتا ہے۔ علاقہ کے بعد "الصبابہ" ہے' اس میں انسان کا دل پوری گرویدگی کے ساتھ محبوب کی طرف جھک جاتا ہے' وہ اس کے سحر میں گھر جاتا ہے۔ تیسرا درجہ "الغرام" ہے۔ قرآن میں پڑھا ہو گا تم نے "ان عذابھا کان غراما" (بلاشبہ اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے۔) سو الغرام میں محبت قلب کے اندر ہمیشہ کے لیے لازمی طور پہ جا بیٹھتی ہے اور اس سے نکل نہیں پاتی۔"

وہ ذرا دیر کو سانس لینے رکے۔

"پھر "عشق" ہے۔ محبت کی ایک انتہا اور ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں تو....."

تمہاری زبان جس زبان سے نکلی ہے' اس میں عشق کا لفظ مرد عورت کی ایسی محبت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ اس لفظ میں شرافت نہیں ہے۔ خود سوچو' کبھی کہہ سکتی ہو کہ اپنے ماں باپ سے عشق ہے تمہیں؟ عجیب لگتا ہے نا؟ اللہ کی محبت کے لیے' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے یہ لفظ قطعا" مناسب نہیں۔ ان کے شایان شان نہیں۔

عربی ادب کے ماہرین اور اہل زبان سے جا کر پوچھ لو اور نہیں تو قرآن پڑھنے والوں سے پوچھ لو' اللہ نے اپنے اور رسول کے لیے "محبت" کا لفظ استعمال کیا یا عشق کا؟"

"ابن قیم والا حوصلہ اور جگر میرے اندر نہیں ہے' اس لیے ہم آگے چلتے ہیں شیخ!" اس نے موضوع کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ وہ سر جھٹک کر چپو چلانے لگے۔ کشتی تیزی سے پانی کو چیرتی تیرنے لگی۔

"عشق کے بعد "شوق" ہے۔ یہ دل کے اس سفر کا نام ہے جو پوری تیزی سے محبوب کی طرف شروع کیا جائے۔ پروردگار عالم کے متعلق اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے دوست اس کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں' اس لیے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے کہ جب وہ لوگ جو اپنے دکھوں اور مسئلوں میں صرف اسی سے مدد مانگا کرتے تھے' وہ اس وقت اس سے ملاقات کریں گے اور ان کے دل میں موجود جذبات محبت کو قرار ملے گا۔"

پانی پہ چمکتے کنول کے پھول خود بخود ایک طرف ہٹ کر کشتی کو راستہ دینے لگے۔

"اس کے بعد التیتم ہے۔ یعنی کہ انسان اپنے محبوب کی عبادت کرنے لگ جائے۔ محبوب کی عبادت کرنے والا اس کا "عبد" (غلام) بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ساری انا' ساری عزت نفس' سب اس محبوب کے قدموں میں ڈال دیتا ہے' کسی انسان سے ایسی محبت کی جائے' مجبوری میں نہیں' ظلم میں نہیں' بلکہ صرف محبت میں خود کو اس کے قدموں میں بے توقیر کر دیا جائے تو یہ شرک ہے مگر اللہ سے ایسی محبت کرنا' خود کو اس کے سامنے جھکانا' اپنے چہرے کا ہر نقاب اتار کر' ہر انا پس پشت ڈال کر' اس سے اپنے دل کا حال بیان کرنا' اس کے آگے دعا میں گڑگڑانا' یہ "عبادت" ہے اور عبادت محبت کی معراج ہے۔ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا' وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔"

اب ان کے چپو چلاتے ہاتھوں میں روانی آگئی تھی۔ ہوا بھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ دریا نہر کی مانند درختوں کی تنگ گلی سے گزر کر آگے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"اس کے بعد..... کمال محبت..... محبت کا آخری درجہ..... خلت ہے۔ یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں محبوب کے سوا نہ کسی کی گنجائش ہوتی ہے' نہ دل کسی شراکت کو برداشت کرتا ہے۔ اسی خلت سے خلیل ہے اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے صرف دو انسانوں کو عطا کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم..... اس خلت کو حاصل کرنے کے لیے ان دو عظیم انبیاء نے بہت کچھ قربان کیا تھا۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے مگر التیتم..... یعنی "عبادت" تک تو پہنچ سکتے ہیں نا۔" جیسے اسے تسلی دی۔

''اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تمہاری اپنے محبوب سے محبت کس درجے تک تھی؟''
''عشق تک!'' وہ بے اختیار بولی۔
''تو پھر سنو... مرض عشق کی مدافعت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ...''
وہ ذرا دیر کو رکے۔
''کہ اپنے دل کو کسی اور طرف مصروف کرو تاکہ وہ عشق والے راستے سے رکے۔ یا تو کسی خوف کے ذریعے یا پھر...'' وہ اداسی سے مسکرائے۔ ''یا پھر محبت کے ذریعے۔''
''محبت کے ذریعے؟''
''جیسے ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' ویسے ہی عشق کو صرف عشق کاٹتا ہے' محبت کا علاج محبت سے کیا جاتا ہے۔ جب تک تمہارے دل کے سامنے کوئی بڑی محبت نہیں آئے گی' اس شخص کی محبت سے بڑی محبت' تب تک وہ شفایاب نہیں ہو گا۔''
''مطلب مجھے کسی اور سے محبت کرنا ہو گی؟''
''نہیں... محبت جبرا" کوئی کسی سے نہیں کر سکتا۔ یہ تو قسمت سے ملتی ہے۔ ہو گئی تو ہو گئی' نہ ہوئی تو نہ ہوئی' مگر اس سے پہلے تمہیں اپنے دل کو مصروف کرنا ہو گا۔''
''اور دل کو مصروف کرنے کے لیے مجھے اپنی آنکھ کو مصروف کرنا ہو گا؟''
''بالکل... لیکن اس کے لیے دو چیزیں ہونی چاہئیں انسان میں۔ اول اس میں اتنی عقل ہو کہ ادنی اور اعلا محبت میں تمیز کر سکے' اعلا کو ادنی پہ فوقیت دے سکے اور دوم اس میں اتنا صبر' ہمت اور استقامت ہو کہ فیصلہ کر لیا ہے تو اس پہ ڈٹ جائے۔ بعض لوگ اپنا فائدہ' نقصان خوب سمجھتے ہیں مگر ان میں غلط کو ترک کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ نہ خود کو نفع دیتے ہیں نہ دوسروں کو مگر جن لوگوں میں اتنا صبر اور عزم ہوتا ہے' ان ہی کو اللہ اپنے دین کی امامت سونپتا ہے۔ اگر تم نے ان میں سے بننا ہے تو نگاہ کو کسی اچھی طرف لگاؤ۔''

''او کے... میں... میں کوئی مشغلہ ڈھونڈوں' رائٹ؟''
کنول کے پھولوں کی جوت بجھتی گئی۔ پانی کی روشنی مفقود ہوتی گئی۔ کشتی مدھم ہو کر کہیں ڈوب سی گئی اور اس نے خود کو لاؤنج میں بیٹھے پایا۔
کتاب بند کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''صرف نگاہ جھکانا کافی نہیں' نگاہ کو مصروف رکھنا بھی ضروری ہے۔'' ایک عزم کے ساتھ وہ نیچے تہہ خانے میں گئی۔ اپنے سامان سے چند اچھی کتابیں نکالیں۔ پھر پینٹنگ کے سامان کی لسٹ بنائی جو وہ آج ہی خرید لے گی۔ لینڈ اسکیپ اور خوب صورت گھر پینٹ کرنے کا کتنا شوق تھا اسے۔ بس وہ آج سے یہ ساری اچھی کتابیں پڑھے گی اور اچھی اچھی پینٹنگز بنائے گی' یوں وہ مصروف ہو جائے گی اور اس کا دل ہاشم کے اثر سے نکل جائے گا' اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس ایک ہجر نے ملوا دیا وصال سے بھی
کہ تو گیا تو محبت کو عام میں نے کیا

آج کمرہ عدالت میں ٹھنڈ تھی۔ سورج ہنوز ناراض تھا۔ ہیٹر بھی جل رہا تھا۔ مگر ایسے میں سب گویا موسم سے بے نیاز' دھیان اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑے شخص کو دیکھ رہے تھے' جو چالیس' پینتالیس برس کا مرد تھا اور سامنے کھڑے پراسیکیوٹر کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔
''مقتول قمرالدین سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟''
''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' بولتے ہوئے لبوں پہ ہاتھ پھیرا تو جج نے ٹوکا۔ ''ذرا صاف اور بلند آواز میں جواب دیں۔''
''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' وہ کھنکھار کر پھر سے بولا۔ اپنی کرسیوں پہ زمر اور فارس اسی طرح بیٹھے تھے۔ زمر کاغذ پہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ لکھتی' پھر نگاہ اٹھا کر سنجیدگی سے P.W.I (پراسیکیوشن کا گواہ نمبر ایک) کو دیکھنے لگتی۔ فارس ٹیک لگائے' کان کی لو مسلتے' چبھتی ہوئی نظروں سے کبھی گواہ کو دیکھتا اور کبھی ایک کٹھیلی نظر قریب بیٹھے' ناظم پہ ڈالتا۔ (ناظم وہ شخص تھا

جس نے فارس کا شریک جرم ہونے کا دعوا کیا تھا)
"29 اگست کی دوپہر کیا ہوا تھا؟"
"جی کوئی لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ میں اپنی بہن کے گھر کام سے آیا تھا۔ ابھی اندر داخل نہیں ہوا تھا' وہیں گیٹ پہ کھڑا فون سن رہا تھا کہ ایک گاڑی' جس کی نمبر پلیٹ اتری ہوئی تھی' قریب آئی۔ دو افراد سامنے والی سیٹوں پہ بیٹھے تھے۔ وہ کار سے اترے' پچھلے سیٹ سے قمرالدین کی لاش نکال کر وہاں پھینکی اور اسی تیزی سے کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔"
"پھر آپ نے کیا کیا؟" پراسیکیوٹر نے نرمی سے سوال کیا۔
"میں جی فورا" آگے آیا' لاش کو سیدھا کیا' وہ قمرالدین ہی تھا مگر کافی خون آلود تھا۔ میں اسے فورا" ہسپتال لے گیا' ڈاکٹر نے کہا کہ موت واقع ہوئے چند گھنٹے گزر چکے ہیں' مگر ڈاکٹر نے میت ہمارے حوالے نہیں کی۔"
"ہمارے؟"
"یعنی کہ جی میں اور میرا بھائی' اس کو بھی میں نے فون کر کے بلا لیا تھا۔ ڈاکٹر نے شام کو میت حوالے کی' ہم اسے گھر لے آئے۔ پھر صبح ہم نے پولیس کو اطلاع دی۔"
"جو دو افراد کار پہ لاش پھینکنے آئے تھے' آپ ان کو پہچان لیں گے؟"
"جی ہاں جی۔ یہ دونوں۔" پہلے فارس کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ڈرائیونگ سیٹ پہ تھا' اور یہ (ناظم کی طرف انگلی اٹھائی) یہ فرنٹ سیٹ پہ تھا۔"
"کیا انہوں نے چہروں پہ کوئی نقاب پہن رکھے تھے؟"

"نہیں جی' منہ کھلا تھا۔ بالکل صاف اور واضح۔" پراسیکیوٹر نے سر کو خم دیا' اور پھر واپس اپنی کرسی کی طرف آتے ہوئے زمر کو دیکھ کر "Your witness" (آپ کا گواہ) کہتے ہوئے جرح کی دعوت دی۔ زمر اپنی جگہ سے اٹھی اور قدم قدم چلتی کٹہرے کے قریب آ گئی جہاں "وہ بہنوئی" کھڑا تھا۔ یہاں سے فارس کو اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ آدھے بندھے گھنگھریالے بال پشت پہ اور ناک میں دمکتی سونے کی نتھ۔ (اسے بے اختیار سیاہ ڈبی میں مقید وہ لونگ یاد آئی جو اب بھی ان کے کمرے کے ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی تھی۔ زمر نے اس رات کے بعد اسے چھوا تک نہ تھا۔) چہرے پہ بے پناہ سنجیدگی لیے اس نے "بہنوئی" محمد اقبال کو دیکھا۔
"اقبال صاحب! سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟"
"جی؟" اقبال نے الجھ کر اسے دیکھا۔ پراسیکیوٹر قدرے بے زار سا کھڑا ہوا۔
"آب جیکشن یور آنر۔ کاؤنسلر غیر متعلقہ سوال پوچھ رہی ہیں۔"
"اوور رولڈ' لیکن آپ اپنے سوال کا مدعے سے تعلق جلد واضح کریں۔" جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے زمر کو دیکھتے تنبیہہ کی۔ اس نے تحمل سے سر کو خم دیا اور سوال دہرایا۔
"سیٹلائٹ فون کی قیمت کتنی ہوتی ہے؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"
"کیا اس لیے کہ آپ نے کبھی سیٹلائٹ فون استعمال نہیں کیا؟"
"جی بالکل میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں۔"
"اقبال صاحب! آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ جب یہ دونوں اشخاص کار میں آئے تو آپ گیٹ پہ کھڑے تھے۔ آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟" زمر نے اسی سنجیدگی سے پوچھا۔
"میں فون پہ بات کر رہا تھا' اپنے بھائی سے۔ آپ میرے فون کا بل چیک کر سکتی ہیں۔" وہ گردن اکڑا کر بولا۔ زمر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔
"آپ کے بل میں بارہ بج کر بیس منٹ پہ اپنے بھائی کو تین منٹ کی کال کرنے کا ریکارڈ موجود ہے بالکل درست۔" وہ ذرا رکی۔ "لیکن ....." اس نے پراجیکٹر اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں قمرالدین کے گھر کی تصاویر پراسیکیوٹر نے ڈسپلے کر رکھی تھیں۔

وہ سڑک جہاں لاش پھینکی گئی۔ وہ گیٹ جہاں بہنوئی کھڑا تھا۔

"لیکن قمرالدین کے گھر کے سامنے ایک لڑکیوں کا اسکول ہے کیا آپ نے یہ دیکھ رکھا ہے؟"

پراسیکیوٹر ابرو بھینچ کر آگے ہو کر بیٹھا اور توجہ سے سننے لگا۔ فارس کا بھی کان کی لو کو مسلتا ہاتھ رک گیا' آنکھیں سکڑیں۔

"جی' دیکھ رکھا ہے۔" بہنوئی نے جواب دیا۔ زمر واپس میز تک آئی اور چند کاغذات اٹھائے۔

"یہ اسکول کی انتظامیہ کی طرف سے ایفی ڈیوٹ ہے' اور اس کالونی کے چند معزز لوگوں کی طرف سے حلف نامے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ۔۔۔"

زمر نے باری باری چند کاغذات جج صاحب کی ڈیسک پہ' اور پھر پراسیکیوٹر کی میز پر رکھے۔

"کہ ہر روز صبح آٹھ بجے سے دوپہر دو بجے تک اسکول میں جیمر لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ لڑکیاں جو چھپ کر موبائل لاتی ہیں' وہ ان کو نہ استعمال کر سکیں۔ اور محلے والوں کے مطابق ان جیمرز کا دائرہ اتنا ہے کہ قریبی گھروں کے وہ حصے جو اسکول کے سامنے پڑتے ہیں' وہاں ان اوقات میں موبائل سگنلز نہیں آتے جن کی وجہ سے وہ کافی دفعہ اسکول والوں سے شکایت بھی کر چکے ہیں۔ سو اقبال صاحب! میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ اس گیٹ پہ جہاں میں خود بارہ بج کر بیس منٹ پہ جا کر موبائل سے کال کرنے کی کوشش میں ناکام ہو چکی ہوں' وہاں آپ موبائل پہ اتنی لمبی گفتگو کیسے کر سکتے ہیں؟ اِلا یہ کہ آپ کے پاس سیٹلائٹ فون تھا؟"

"آبجیکشن یور آنر!" پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔

زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "کس وجہ کی بنا پہ؟"

"کاؤنسلر غیر متعلقہ بات کر رہی ہیں۔"

"یور آنر' اس گواہ کے مطابق یہ بارہ بج کر بیس منٹ پہ اس گیٹ پہ موجود تھا' صرف تب ہی یہ کار پہ آنے والوں کی شکلیں دیکھ سکتا ہے لیکن اگر وہاں سگنل نہیں آتے' تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ گواہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور وہ فون اس نے کسی اور جگہ پہ سنا تھا۔" "آپ ان کے موبائل کی لوکیشن پتا کروا سکتے ہیں۔"

"اوور رولڈ!" پراسیکیوٹر قدرے غیر آرام دہ سا بیٹھا۔ جج نے گواہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ وہ اب تک سنبھل چکا تھا۔

"میرا خیال ہے میں نے بات گھر کے اندر کی تھی' وہاں سگنل آتے ہیں' اور میں بات کر کے باہر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ۔۔۔"

"آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ نے بات کہاں کی' آپ کو یہ یاد نہیں کہ آپ وہاں کیوں کھڑے تھے مگر آپ کو یہ یاد ہے کہ ان دونوں کی شکلیں کیسی تھیں اور یہ کہ ان کی کار کی نمبر پلیٹ غائب تھی؟" اسی سنجیدگی سے وہ پوچھ رہی تھی۔

"دیکھیں' کافی دن گزر چکے۔۔۔"

"آپ فوراً" قمرالدین صاحب کو ہسپتال لے کر گئے تھے؟" بات کاٹ کر اس نے اگلا سوال داغا۔

گواہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ "جی ہاں۔"

"اور ان کے میڈیکل معائنے کے وقت آپ وہاں موجود تھے؟"

"جی۔"

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ قمرالدین چودھری کی میڈیکولیگل رپورٹ پہ جو "دوست / رشتہ دار" کا خانہ ہوتا ہے' جس میں اس شخص کا نام لکھا جاتا ہے جو طبی معائنے کے وقت ساتھ ہو' وہ خانہ خالی کیوں ہے؟"

اس نے رپورٹ کی ایک ایک کاپی جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھی' تیسری گواہ کے ہاتھ میں دی۔

گواہ نے تھوک نگلا۔ سر اٹھا کر پراسیکیوٹر کو دیکھا۔ وہ کاغذ پڑھتے ہوئے تیزی سے اٹھا۔

"یور آنر' ڈاکٹر سے بھول چوک ہو سکتی ہے' اتنے مریضوں کی موجودگی میں اکثر ڈاکٹرز اس خانے کو پر کرنا بھول جاتے ہیں۔"

"دو مریض' دو لاشیں' دو رپورٹس!" وہ مزید چند

کاغذ میز سے اٹھا کر لائی اور جج صاحب کے سامنے رکھے۔ "۲۹ اگست کو ڈاکٹر سعادت نے قمرالدین چودھری کے علاوہ مزید دو لاشوں کی میڈیکولیگل رپورٹس تیار کی تھیں' ان دونوں میں دوست / رشتے دار کا خانہ بھرا ہوا ہے۔ اگر ڈاکٹر کو وہاں یاد رہا' تو اسے یہاں کیوں بھول گیا؟ یا پھر۔۔۔"

گواہ کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"آپ وہاں موجود ہی نہیں تھے' بلکہ آپ کو پراسیکیوشن نے رٹی رٹائی کہانی یاد کرنے کو کہا ہے؟"

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ یہاں سے ابھی تک زمر کا نیم رخ دکھائی دے رہا تھا' مگر اس کا انداز' اس کی نرم سی سختی۔۔۔ اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

"آب جیکشن یور آنر۔" پراسیکیوٹر غصے سے بولا اور جج صاحب نے فوراً "sustained" سے کہتے ہوئے زمر کو تنبیہی نظروں سے دیکھا بھی تھا' مگر وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر "withdrawn" کہتی واپس کرسی پہ جا بیٹھی۔

"مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا مگر میں گواہ کو دوبارہ بلا کر جرح کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔" اب وہ عدالت کو اطلاع دے رہی تھی۔

فارس نے مسکراتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر رک گیا اور مسکراہٹ دبالی۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ اس کی تعریف کرتا۔

☼ ☼ ☼

چلی جو سیل رواں پہ محبت کی کشتی
تو اس سفر کو محبت کے نام میں نے کیا

سندھ میں ایک طویل عرصے کی تعیناتی کے بعد اس کو بالآخر اپنے شہر میں واپس بلا لیا گیا تو وارث خوش تھا۔ اس کے خیال میں فارس کے کیریئر سے کلنک کا ٹیکا اتر گیا تھا اور اس کی ترقی کے چانسز بڑھ گئے تھے۔ مگر اس کی خوش گمانی چند ہفتوں میں ہی ختم ہو گئی اور فارس کے کولیگ سے ملنے کے بعد وہ سیدھا قصر کاردار کی انیکسی میں آیا تھا۔

"اب میں نے کیا کیا ہے؟" اس نے فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔ پھر سیدھا ہو کر پلٹا تو دیکھا' وارث گلاسز کے پیچھے سے اس کو تندی سے گھور رہا تھا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ اس دفعہ تم نے کچھ نہیں کیا۔"

"تم میرے باس کی طرح باتیں کیوں کرتے ہو؟" ایک کین اس کی طرف اچھالا' اور دوسرا کھول کر خود صوفے پہ آگرا۔

وارث نے سختی سے لب بھینچے کین میز پہ پٹخا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

"تمہارے سامنے ایک شخص گن لہراتا ہوا بھاگ گیا اور تم نے اس پہ گولی نہیں چلائی!"

"اس نے ایک بچے کو یرغمال بنا رکھا تھا' اس کی گردن پہ پستول رکھ کر' اس کو ڈھال بنا کر وہ کھڑا تھا' میں بچے کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔" اور کین لبوں سے لگائے گھونٹ بھرا۔

"تو تمہیں اس کے بازو پہ گولی مارنی چاہیے تھی' اس رگ پہ جس کے کٹتے ہی وہ ٹریگر دبانے سے مفلوج ہو جاتا۔ ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں کسی نے یہ سب نہیں سکھایا۔"

فارس نے کین رکھا اور سنجیدگی سے آگے ہوا۔

"وارث۔۔۔ وہ ایک انسان تھا۔ اس پہ اسمگلنگ کے جتنے مقدمے ہوں' وہ ایک انسان تھا' میں ایک انسان پہ گولی نہیں چلا سکتا تھا' اس اینگل سے میرا بیسٹ شاٹ اس کی کنپٹی پہ لگتا' اور میں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کسی کو۔"

"اور تمہیں کیا لگتا ہے' وہ بھاگ کر جو گیا ہے' تو کیا اب مسجد میں نماز پڑھوا رہا ہو گا؟ نہیں غازی۔ وہ جتنے لوگوں کی زندگیاں منشیات سے خراب کرے گا' وہ تمہارے سر ہوں گی۔" فارس چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"سارہ کیسی ہیں؟" وارث نے مزید غصے سے اسے دیکھا۔

"ٹاپک مت بدلو۔ قتل کرنا جرم ہوتا ہے' مگر ڈیوٹی

کی لائن میں 'فساد فی الارض کرنے والوں کو مارنا ثواب کا کام ہوتا ہے۔"

"کیا معلوم وہ توبہ کر لے؟ نیک ہو جائے؟ میں نے جو بھی کیا' بچے کو بچانے کے لیے کیا' ہاں ٹھیک ہے' میری کمزوری ہے یہ کہ میں ایک انسان پہ گولی نہیں چلا سکا' مگر۔۔۔ ہو سکتا ہے' وہ بدلنے والا ہوتا اور میں اس کا چانس اس سے چھین لیتا۔"

اس بات پہ وارث غازی پورے دل سے مسکرایا تھا۔

"میری ایک نصیحت ساری زندگی یاد رکھنا' فارس!" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔
"انسان نہیں بدلا کرتے۔ لاکھوں میں سے ایک دو تو بدل سکتے ہیں' مگر ہر کوئی نہیں بدلتا۔"

یہ نصیحت بھلانے میں اسے چند دن لگے تھے' مگر ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ اٹک ضرور گئی تھی' لیکن یہ وہ دن تھے جب دل اور دماغ میں اور بھی بہت کچھ چل رہا تھا۔ اس نے زمر کی یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔ شام کی کلاسز وہ اس سے لینے لگا تھا' اور یہ اس کو خود بھی معلوم تھا کہ پورے شہر میں ایک یہی یونی تو نہیں تھی۔ پھر وہ ادھر کیوں آتا تھا؟ صرف اس کے لیے۔

اس سے قبل ان دونوں کی ملاقات زیادہ نہ رہی تھی بلکہ رسمی سلام سے زیادہ اس نے کبھی اس سے بات بھی نہ کی تھی اور سندھ میں قیام کی اس طویل مدت کے دوران اس کو وہ بھول بھال بھی گئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد۔۔۔ ایک روز اس نے اسے سعدی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا' اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اگر اس نے اس لڑکی کو کھو دیا تو دنیا میں کوئی اور اس کے لیے نہیں ہو گا۔

وہ اس کی یونی جانے لگا' اس سے بات کرنے کے مواقع تلاش کرنے لگا' اس کا زیادہ سے زیادہ وقت لینے کے بہانے ڈھونڈنے لگا' اور وہ ہمیشہ ہی اسے ایک طرح سے ڈیل کرتی تھی۔ احترام اور عزت کے ساتھ' مگر ریزرو اور دور۔ وہ خوب صورت نہیں تھی' شکل و صورت بھی وہ محض واجبی تھی' رنگت بھی گندمی مائل تھی' بال خوب صورت تھے' مگر نہ وہ بننے سنورنے کی شوقین تھی' نہ وہ کسی سے بے وجہ بات کیا کرتی تھی۔ زیور کے نام پہ وہ صرف ناک میں نتھ پہنا کرتی تھی۔ شاید اسے اپنی ناک بہت عزیز تھی!

وہ بہت اچھی تھی' یا پھر اسے لگتی تھی۔ محبت کرنے والی' مگر مضبوط' دبنگ اور کبھی کبھی ذرا ضدی۔ نرم لہجے میں سخت باتیں کر جاتی تھی۔ قلم سے کاغذ پہ لکھتے لکھتے' کسی بے معنی بات پہ وہ بس ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھتی' اور پھر واپس کام کرنے لگ جاتی اور اس کا یہ انداز سامنے والے کو پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ وہ دل کی اچھی تھی۔ مہربان' اور نرم سی۔ اس میں ہر وہ خوبی تھی جو اس جیسے مرد کو متوجہ کرتی' مگر وہ اس معاشرے کا مرد تھا' جس کے لیے اپنی عزت اور عزت کا بھرم ہر شے سے اوپر تھا' کیونکہ آخر وہ تھی تو بیگم ولایت کے خاندان سے نا!

چاہے قصوں' کہانیوں اور فلموں میں محبت کی شادیاں سحر انگیز لگتی ہوں' حقیقت اس سے مختلف تھی۔ وہ ابھی اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ جو بھی سنتا' آگے سے کہتا "اچھا۔۔۔ وہ دونوں ایک یونیورسٹی میں ساتھ ساتھ۔۔۔" اور اس سے آگے کی معنی خیز مسکراہٹیں اور آنکھوں کی چمک۔۔۔ فارس کی طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا۔ بہت سالوں کی ریاضت کے بعد' کتنے اسباق سیکھ کر اور کتنی اذیت کاٹ کر وہ' وارث اور ندرت ایک خاندان بنے تھے۔ وہ بالآخر ان کے خاندان میں "دوسری بیوی کا بیٹا" نہیں' بلکہ ندرت اور وارث کا بھائی سمجھا جانے لگا تھا' وہ اس عزت پہ حرف بھی نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔

سو اس نے تاخیر کی' اور پھر وہ تاخیر کرتا گیا۔ یونیورسٹی چھوڑنے کے کچھ عرصے بعد وہ عزت سے اس کے لیے رشتہ بھجوا دے گا۔ منگنی' شادی' اپنے شہر میں پوسٹنگ' متوقع ترقی' اچھی جاب' بچے۔۔۔ فارس غازی کی زندگی کی ساری ترجیحات اس کے ساتھ تھیں۔

بہت ہی صفائی اور سلیقے سے آراستہ اور مرتب شدہ۔

☼ ☼ ☼

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مرجاتے ہیں
ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مرجاتے ہیں

شیشوں سے ڈھکی عمارت کے اندر سورج کی نرم گرم کرنیں گر رہی تھیں۔ سیکرٹری حلیمہ اپنے ڈیسک کے پیچھے کھڑی ہاشم سے بات کر رہی تھی' جو فون پہ بٹن دبا تا ذرا دیر کو اس کی بات سننے کے لیے رکا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک ہیں؟" حلیمہ نے رک کر پوچھا تو ہاشم نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ گرے سوٹ اور گرے ویسٹ میں ملبوس' بال پیچھے کو جیل سے بنائے' وہ ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا' مگر اس کی آنکھیں بے خوابی کا شکار لگتی تھیں۔

"تھینک یو حلیمہ! میں ذرا اوور ورکڈ ہوں۔" پھر ٹھہر کر پوچھا۔ "خاور کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں سر۔ اس کی وہ ای میل آئی تھی مجھے.... کہ کچھ دن کے لیے وہ روپوش ہو رہا ہے۔ پولیس اس کے پیچھے ہے۔ اس کے بیٹے کو بھی اس کا یہی میسج ملا ہے' وہ بھی مجھ سے کئی بار پوچھ چکا ہے۔ آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں' مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا۔" ہاشم نے افسوس بھری لاعلمی سے شانے اچکائے اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

رئیس اس کا منتظر تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی وہ اس کے سامنے آیا۔ ہاشم نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس پہ ایک سنجیدہ نظر ڈالی۔

"پراگریس؟"

"سر! ہر طرح کی ٹارچر ٹیکنیک استعمال کر چکے ہیں' وہ نہیں اعتراف کرتا۔ بہت سخت جان ہے!"

"میں جانتا ہوں!" ہاشم نے لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے سر کو خم دیا۔ "اس کو کڑی نگرانی میں رکھو اور مزید کوشش کرو۔ مجھے اس شخص کا نام چاہیے جس کے کہنے پہ اس نے میرے باپ کو مارا ہے یا اگر وہ اکیلا کام کر رہا تھا تو مجھے اس کا motive (مقصد) سننا ہے۔ بغیر وجہ کے کوئی قتل نہیں کرتا۔ اب جاؤ!" ابرو سے اشارہ کیا اور پھر ان ہی تناؤ کے تاثرات کے ساتھ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سر! فارس غازی کا دو دفعہ پیغام آیا ہے' وہ آپ سے...."

"ہاں' مجھے یاد ہے۔ اگلے ہفتے میں جاؤں گا اس سے ملنے۔" مصروفیت اور قدرے بےزاری سے کہہ کر وہ کام کرنے لگا۔ رئیس سر ہلا کر مڑ گیا۔

اور ہزاروں میل دور.... سمندر کنارے بنے ہوٹل کے تہہ خانے میں مستعد گارڈز اسی طرح اپنی جگہوں پہ کھڑے تھے۔ پتھر جیسے چہرے بنائے' چاق و چوبند اور الرٹ۔ تب ہی سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا خالی مگ تھا جو اس نے باہر میز پہ دھرا' پھر سنجیدہ چہرے کے ساتھ گارڈز کی طرف آیا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے۔" یہ اجازت اسے چند دن پہلے سے ہی ملنے لگی تھی' سو گارڈ سر ہلا کر اسے راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک دوسرے کمرے کا لکڑی کا دروازہ کوڈ دبا کر کھولا تو سعدی نے اندر قدم رکھا۔ پیروں میں نرم سلیپر' اوپر جینز پہ ہلکی جرسی شرٹ پہنے وہ تندرست اور توانا لگتا تھا' اس کے برعکس دوسرے قیدی کا حال مختلف تھا۔

اس کے ہاتھ اور پیر ہتھکڑیوں سے بندھے تھے جن سے لٹکتی زنجیریں دیوار میں نصب تھیں۔ زمین پہ بیٹھا' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ چہرے اور گردن پہ زخموں کے نشان اور پرانے کپڑوں پہ لگے کٹ اور خون کے دھبے۔ بند آنکھوں کے گرد نظر آتے نیل۔ سعدی نے بالکل بے تاثر نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"ہیلو خاور!"

خاور نے نیل نیل آنکھیں کھولیں۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور ہونٹ پہ بھی خون جما تھا۔ آنکھوں

میں برہمی اور چبھن لیے اس نے سعدی کو دیکھا۔
"کیا دیکھنے آئے ہو؟ یہی کہ میں زندہ ہوں یا نہیں؟"
پھر ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ "میں اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہوں بچے! تمہیں کیا لگتا ہے، تم میرے اوپر الزام لگا کر ہاشم کو مجھ سے بدظن کر دو گے؟ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"
پھر اٹھا۔ درد کی ٹیسیں اٹھیں مگر ضبط کر کے وہ سیدھا سعدی کے سامنے کھڑا ہوا۔
"میں تمہارا سارا گیم سمجھ گیا ہوں۔ پہلے دن سے سمجھ گیا تھا۔ تم ہاشم اور مجھے توڑنا چاہتے ہو، چاہتے ہو میں قید میں مر جاؤں اور تم ہاشم کو تنہا کر کے مارو۔ ڈیوائیڈ اینڈ رول! ہے نا؟"
سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ بولا کچھ نہیں۔ اس کی گردن پہ سرخ خراش کا مندمل نشان اب بھی موجود تھا۔ کوئی چار روز قبل اسے پہلی دفعہ خاور سے ملاقات کی اجازت ملی تھی تو خاور نے اپنی زنجیر کو اس کی گردن میں لپیٹ کر اسے مارنے کی کوشش کی تھی جسے بروقت گارڈز نے ناکام بنا دیا تھا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی بکنے جھکنے لگتا تھا۔ آج جیسے اونچا بولنے سے وہ اکتا چکا تھا سو آواز نارمل رکھی تھی۔
"کہا تھا میں نے ہاشم کو۔ سعدی یوسف فرشتہ نہیں ہے۔ کہاں گیا تمہارا اسلام، تمہارا دین جب تم مجھ پہ ناکردہ گناہ کا الزام لگا رہے تھے؟" حقارت سے اسے دیکھا۔
سعدی ہلکا سا ہنسا پھر سر جھٹکا۔
"ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے، کاردارز کو کاٹنے کے لیے کاردار جیسا بننا پڑتا ہے، ان جیسا سوچنا پڑتا ہے۔ چار سال..." انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اس کو دکھائیں۔
"چار سال میں نے قانون، وکیلوں، عدالتوں کے ساتھ تعاون کر کے انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے مگر نہ میں فارس غازی کو قانونی طریقے سے نکال سکا نہ وہ مجھے نکال سکے گا۔ سو جو قانون انصاف نہیں دے سکتا، وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ اس لیے بہت سادہ طریقہ ہے انتقام لینے کا، ہاشم کو تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہیں اسی کے ہاتھوں سے مروا دوں۔"
وہ سانس لینے کو رکا۔ خاور اسی طرح غصے اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"مگر میں یہ سب انتقام کے لیے نہیں کر رہا۔ اس لیے تمہیں مروانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" خاور کے ابرو بھنچے، وہ ذرا چونکا تھا۔
"میں تمہیں نہیں مروانے لگا کرنل خاور...! میں صرف تمہیں سولی چڑھا رہا ہوں، کیونکہ تم میری آزادی کا پروانہ ہو۔"
"ایک منٹ تم..."
"نہیں، میں تمہیں ہاشم کے خلاف بھی نہیں استعمال کرنے لگا، میں نے صرف تمہیں سولی چڑھانا تھا، تمہاری گردن کاٹنا ہاشم کا کام ہے، مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ اسے کبھی یقین نہیں آئے گا کہ تم اس کے باپ کے قاتل ہو۔"
خاور آنکھیں سکیڑے تعجب اور ناگواری سے اسے گھورتے قریب آیا۔ سعدی سے دو قدم دور اس کی زنجیر کس گئی۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔
"تمہیں لگتا ہے، ہاشم تمہیں قاتل سمجھتا ہے؟ اونہوں۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔
"وہ شک میں ہے۔ اسے صرف ایک چیز تمہارے قاتل ہونے کا یقین دلا سکتی ہے اور وہ ہے تمہارا اقبال جرم!"
"جو میں کبھی نہیں کروں گا۔"
"مگر تمہارے اقبال جرم نہ کرنے سے وہ تمہاری بے گناہی بان نہیں لے گا۔ میں نے کہا نا، وہ شک میں ہے، اگر یقین ہوتا اسے تو وہ تمہیں اب تک مار چکا ہوتا۔ صرف ایک چیز اس کو تمہاری بے گناہی کا یقین دلا سکتی ہے، اور وہ ہے... میرا اقبال جرم، کہ میں نے تم پہ الزام لگایا۔"
"تمہارے بار بار بیان بدلنے سے تمہاری کریڈیبلٹی ختم ہو جائے گی۔"

"جب میں اسے اصل قاتل کا نام بتاؤں گا' تو تم بری ہو جاؤ گے۔ میں نے تمہیں صرف سولی پہ چڑھانا تھا' سزائے موت نہیں دینی۔ مجھے معلوم تھا ہاشم تمہیں مارے گا نہیں بلکہ تمہیں اپنی بہترین جیل میں قید کردے گا۔ یوں تم میرے پاس آجاؤ گے۔ تم میری آزادی ہو خاور! میں نے اتنے مہینے سوچا کہ مجھے یہاں سے کون نکالے گا۔ فارس' زمر' میری بہن' کوئی دوست..... مگر نہیں۔"

مسکرا کر کہتا وہ قدم قریب آیا اور انگلی سے خاور کے سینے پہ دستک دی۔

"مجھے یہاں سے تم نکالو گے اور میں تمہارے حق میں گواہی دے دوں گا۔ ہم دونوں آزاد ہو جائیں گے۔" خاور نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"اوور مائی ڈیڈ باڈی سعدی یوسف!" وہ اس کو گھورتے چبا چبا کر بولا۔ "اگر مجھے آزاد ہونا ہوتا تو پہلے دن ہی ہو جاتا۔ یہ جیل میں نے بنائی تھی' اس کے ہر راز سے میں واقف ہوں' مگر مجھے اپنے مالک سے بھاگنا نہیں ہے' مجھے اس کے پاس واپس جانا ہے۔ میں اور تم ... کبھی ساتھ کام نہیں کریں گے۔ رہے تم ... تو تم اپنی معصومیت کھوتے جارہے ہو۔ تم بھی وہی بنتے جا رہے ہو جن سے تم نفرت کرتے تھے۔"

"میری آفر محدود مدت کے لیے ہے۔" ایک استہزائیہ نظر خاور پہ ڈال کر وہ مڑ گیا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پہ گارڈ کی صورت نظر آئی تو خاور بے اختیار چلانے لگا۔

"مجھے ہاشم کاردار سے بات کرنی ہے۔ میری ان سے بات کرواؤ۔ کیا تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔" سعدی باہر نکل آیا اور گونگے بہرے بنے گارڈ نے دروازہ مقفل کر دیا۔ زنجیروں میں جکڑا شخص اسی طرح چلائے جارہا تھا۔

☆ ☆ ☆
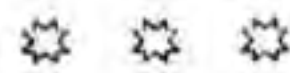
کس طرح لوگ اٹھ کر چلے جاتے ہیں چپ چاپ
ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کورٹ روم میں ٹھنڈ اور خنکی آج بھی موجود تھی۔

ڈریس پینٹ اور کوٹ میں ملبوس احمر شفیع نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو اندر سب کو خاموشی سے کٹہرے میں کھڑے شخص کا بیان سنتے پایا۔ وہ دبے قدموں چلتا آیا اور زمر کے ساتھ بیٹھے فارس کے دائیں جانب آ بیٹھا۔ "سوری۔ مجھے دیر ہو گئی۔" معذرت خواہانہ مسکراہٹ کے ساتھ فارس کے قریب سرگوشی کی۔

فارس غازی کٹہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سفید شلوار قمیص کے اوپر براؤن کوٹ پہنے' وہ سنجیدہ اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔ آواز پہ گردن موڑ کر ایک گہری نظر احمر پہ ڈالی۔

"اچھا' مجھے لگا تم عجلت میں ہو۔"

احمر نے بیٹھتے ہوئے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

فارس نے نگاہ اس کے پورے وجود پہ ڈالی۔ سلک شرٹ' ڈیزائنر واچ' بدلا ہوا سیل فون' اتنی جلدی اتنا کچھ احمر؟"

"میں ترقی کر رہا ہوں۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" اسے تعجب ہوا تھا۔

"تم کاردارز کے پاس کام کرنے لگے ہو' وہ میرے رشتے دار ہیں' میں ان کو جانتا ہوں' اسی لیے کتنے دنوں سے تمہیں نصیحت کر رہا ہوں کہ ان کے سرکل سے نکل آؤ' ورنہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنا لیں گے۔"

احمر کے چہرے پہ ناگواری بھری بے بسی ابھری' وہ جوابا" کچھ کہنا چاہتا تھا' مگر زمر نے "شش" کہہ کر ٹوکا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فارس سنجیدگی اور احمر ناخوشی سے سامنے دیکھنے لگا' جہاں پراسیکیوٹر' ناظم سے سوال کر رہا تھا۔

"28 اور 29 اگست کی درمیانی شب کیا ہوا تھا' عدالت کو مطلع کیجئے۔"

"میں کار لے کر اس فیکٹری تک پہنچا جہاں غازی نے مجھے آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ فیکٹری خالی' ویران اور عرصے سے بند پڑی ہے۔ میں نے کار باہر روکی ہی تھی کہ اندر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ میں بھاگ کر اندر آیا تو دیکھا کہ قمرالدین اسی کرسی پہ بندھا پڑا ہے

جیسا صبح میں اس کو چھوڑ کر گیا تھا اور سامنے فارس غازی کھڑا ہے' اس نے پستول اس پہ تان رکھا ہے۔
قمرالدین کی گردن ایک طرف لڑھکی ہوئی تھی اور غازی نے اسے کنپٹی میں گولی ماری تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا؟ مارنا تو پلان میں شامل نہیں تھا' تو اس نے کہا کہ اس نے مجھے نازیبا باتیں کہی تھیں جن پہ مجھے غصہ آگیا اور میں نے اسے پھڑکا دیا۔ میں نے پوچھا کیسی باتیں؟ تو اس نے نہیں بتایا۔ پھر ہم سوچتے رہے کہ لاش کو کیسے ٹھکانے لگائیں۔ اس نے کہا کہ مقتول کے گھر پھینک آتے ہیں' میں ڈر گیا مگر اس نے مجھے راضی کر لیا اور مجھے وہاں انتظار کرنے کو کہا۔ پھر وہ چلا گیا اور دوپہر کو واپس آیا۔ پھر اس نے کہا کہ لاش کو کار میں ڈالو میں نے کہا میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اس نے خود ہی لاش کو گھسیٹا اور گھسیٹتے ہوئے کار میں جا کر ڈالا۔ پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ کر قمرالدین کے گھر گئے' لاش پھینکی' تب ایک شخص جو اس کا بہنوئی تھا' باہر کھڑا تھا۔"
"کیا وہ فون پہ بات کر رہا تھا؟" پراسیکیوٹر نے کہتے ساتھ ایک نظر زمر پہ ڈالی۔
"نہیں' اس کے ہاتھ میں فون تھا مگر وہ فون پہ بات نہیں کر رہا تھا۔" زمر خاموش رہی۔
"اچھا' یہ بتاؤ' تم فارس غازی اور مقتول کی جیل کی دشمنی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"
"میں قمرالدین کے رہا ہونے کے سال بعد آیا تھا جیل میں' مگر میں نے وہاں پہ اپنے ساتھیوں سے سنا تھا کہ۔۔۔"
"آب جیکشن یور آنر!" زمر نے بیٹھے بیٹھے قلم انگلیوں میں گھماتے آواز بلند کی۔ "heresay" (خلاف قانون)
"یور آنر' فارس غازی اور قمرالدین کی دشمنی کے بارے میں کورٹ کو بتانا ضروری ہے تاکہ پوری تصویر واضح ہو سکے۔" پراسیکیوٹر جلدی سے بولا تھا۔
"مگر یور آنر یہ خلاف قانون ہے۔ اس نے کہا' اس سے سنا۔ آپ heresay کی ٹرائل میں اجازت نہیں دے سکتے۔ جو ناظم صاحب ابھی کہیں گے' وہ گواہی نہیں ہے' ثبوت نہیں ہے' بلکہ سنی سنائی بات ہے' وہ صرف تب کہی جا سکتی ہے جب استغاثہ عدالت میں ان ساتھیوں کو پیش کرے جنہوں نے ناظم سے یہ بات کہی ہے' مگر چونکہ ایسا کوئی شخص استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل نہیں ہے' سو یہ سوال یا اس کا جواب۔۔۔ کسی کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"
"مگر یور آنر!"
جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر پراسیکیوٹر کو روکا' پھر آنکھیں مسلتے ہوئے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "sustained" (درست)
(ایک وکیل کے کسی سوال پہ دوسرا وکیل جب اعتراض کرتا ہے تو جج اس اعتراض کو اوور رول کہہ کر رد کر دیتا ہے یا اسے (sustained کہہ کر برقرار رکھتا ہے)
پراسیکیوٹر نے صبر کا گھونٹ بھرا' چند ایک واجبی سوال پوچھے اور واپس آ بیٹھا۔ زمر قلم رکھ کر اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کٹہرے کے قریب آئی۔ ناظم خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
"آپ کو انگریزی آتی ہے؟" سنجیدگی سے سوال کیا۔
ناظم نے ایک نظر پیچھے بیٹھے پراسیکیوٹر کو دیکھا اور پھر زمر کو۔ "جی تھوڑی بہت۔"
"Dying declaration" کیا ہوتا ہے؟ عدالت کو بتائیں گے؟"
"آ۔۔۔" اس نے تذبذب سے شانے اچکائے۔
"اوکے میں بتاتی ہوں declaration Dying نزعی بیان کو کہتے ہیں' جو کوئی شخص مرتے وقت دیتا ہے' اور۔۔۔"
"آب جیکشن یور آنر۔ مس زمر مدعے سے باہر جا رہی ہیں۔" پراسیکیوٹر جلدی سے کھڑا ہوا۔
"اوور رولڈ۔ ان کی پوری بات سننے میں کیا حرج ہے۔" جج صاحب نے زمر کو ایک حوصلہ افزا نظر سے نوازا۔ وہ واپس ناظم کی طرف گھومی۔
"آپ نے کیا اس کیس کا نام سن رکھا ہے' اشرف

پرویز بنام سلیم شاہد؟"
"جی!"
"اس کیس میں سلیم شاہد پہ الزام تھا کہ اس نے ایک شخص کو سڑک پہ چھرا مار کر قتل کیا ہے ' اور مقتول نے مرنے سے پہلے ایک راہ گیر کو نزعی حالت میں بتایا تھا کہ اس کا قاتل سلیم شاہد ہے اور یہ کہ اس نے خاندانی عداوت کی بنا پہ ایسا کیا ہے۔ اس راہ گیر کا نام۔۔" میز سے ایک کاغذ اٹھا کر لائی اور ناظم کی طرف بڑھایا۔ "مجھے پڑھ کر سنائیں۔"
ناظم نے ایک نظر کاغذ پہ ڈالی۔ "ناظم فاروق ولد محمد فاروق۔"
"سو ناظم صاحب! کیا آپ اس کیس میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے اور آپ نے مقتول کا نزعی بیان عدالت کو سنایا تھا؟"
"جی ہاں۔"
"مگر عدالت نے ملزم سلیم شاہد کو بری کر دیا تھا۔ کیا آپ مجھے اسی کاغذ پہ ہائی لائٹ شدہ سطور اونچی آواز میں پڑھ کر سنائیں گے جس میں جسٹس نعیم الحق نے اس نزعی بیان پہ یقین نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے؟"
وہ انگریزی میں سطور پڑھنے لگا۔ سب خاموشی سے سننے لگے۔
"دوران جرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ PW5 ناظم فاروق نے چند باتوں میں غلط بیانی سے کام لیا ہے ' اس کے علاوہ PW5 ناظم فاروق کی کریڈیبلٹی اور سابقہ ریکارڈ ایسا صاف شفاف اور شک و شبے سے پاک نہیں ہے ' اس لیے ان کی بات پہ یقین نہیں کیا جا سکتا۔"
پڑھ کر وہ خاموش ہو گیا۔
"جو شخص ایک معاملے میں جھوٹ بول سکتا ہے ' اس کی بات پہ کسی دوسرے معاملے میں یقین نہیں کیا جا سکتا۔" یہ الفاظ جسٹس محمد عامر ملک نے 1990ء میں صابر بنام سرکار اپیل کیس کے دوران کہے تھے اور ان الفاظ کی روشنی میں 'کیا ہم آپ کی بات پہ یقین کریں 'ناظم صاحب؟"
"یور آنر ' مسز زمر ایک اور کیس کو اس کیس کے ساتھ ملا کر گواہ کی کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" پراسیکیوٹر نے پھر احتجاج کیا۔
زمر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔
"اوکے فائن۔ مجھے گواہ کی کریڈیبلٹی کو چیک کرنے دیں۔" دوبارہ سے ناظم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔
"آپ کتنی دفعہ جیل جا چکے ہیں؟" (اس سوال پہ پراسیکیوٹر نے پھر سے پہلو بدلا تھا۔)
"دو دفعہ۔"
"کیا یہ درست ہے کہ آپ کے اوپر چوری اور اغوا برائے تاوان کے پانچ مقدمے مختلف اوقات میں قائم ہو چکے ہیں؟"
"جی۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ زمر نے جج صاحب کو ان الفاظ کو جذب کرنے کے لیے چند لمحے کا وقفہ دیا پھر بولی۔
"اس رات آپ جب فیکٹری پہنچے تو آپ نے گن فائر کب سنا؟"
"جب میں نے کار پارک کی۔"
"اور پھر آپ دوڑ کر اندر آئے 'تو کیا دیکھا؟"
"یہی کہ فارس غازی نے گن مقتول پہ تانی ہوئی ہے۔ اور مقتول کی کنپٹی سے خون بہہ رہا ہے۔"
"کیا فارس غازی اس کو دوسری گولی مارنا چاہتا تھا؟"
"آبجیکشن یور آنر" کاؤنسلر گواہ سے اس کی رائے مانگ رہی ہیں۔" وہ پھر پیچھے سے بولا۔ جج نے "sustained" بولا ہی تھا کہ زمر فوراً" سے کہنے لگی۔
"اوکے ' میں سوال کو دوسری طرح سے کرتی ہوں۔ کیا آپ نے غازی کو دوسری گولی چلانے سے روکا؟"
"نہیں ' وہ دوسری گولی نہیں چلا رہا تھا ' اس نے مجھے دیکھ کر گن نیچے کر لی۔"
"اوکے!" وہ وائٹ بورڈ کی طرف آئی ' ایک جگہ انگلی رکھی۔ "اس مقام پہ آپ نے کار پارک کی ' اور اس مقام پہ فارس غازی نے آپ کے بقول گولی چلائی '

میں چند روز پہلے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس جگہ پہ گئی' اور اس نے مجھے پوائنٹ اے سے پوائنٹ بی تک بھاگ کر دکھایا۔ سو اس پارکنگ کی جگہ سے اس اندر گلی کے تک بھاگ بھاگ کر بھی آتے اس کو ڈیڑھ منٹ لگا۔ آپ کو بھی اتنا ہی وقت لگنا چاہیے۔ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ گولی چلانے کے بعد ڈیڑھ منٹ تک ایک آدمی جس کا ارادہ بقول آپ کے دوسری گولی چلانے کا بھی نہیں تھا' وہ کیوں اپنے مقتول پہ پستول تانے رکھے گا۔ عموماً" گولی چلانے کے بعد پستول جھٹکا کھاتا ہے' اور لوگ پستول والا ہاتھ نیچے گرا دیا کرتے ہیں۔"

"میں یہ کہہ سکتا ہوں' میں نے جو دیکھا' وہ بتا دیا۔" اس نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ زمر نے ایک نظر جج صاحب کے تاثرات پہ ڈالی' جو کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے پھر دوبارہ ناظم کی طرف گھومی۔

"اچھا' مجھے ذرا ری فریش کرنے دیں۔ غازی مبینہ طور پہ لاش کو کس طرح کار تک لے کر آیا؟"

"گھسیٹ کر۔"

"فیس اپ یا فیس ڈاؤن؟"

"جی؟"

"لاش کا چہرہ اوپر تھا یا زمین کی طرف تھا؟"

"آ۔۔۔ اوپر تھا۔"

"جو راستہ آپ نے پولیس کو بتایا تھا' جہاں مقتول کے خون کے دھبے بھی ملے ہیں' وہ پتھریلا بھی ہے اور درمیان میں کافی گھاس بھی' جیسا کہ آپ ان تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔" اس نے اپنی میز سے چند تصاویر اٹھا کر باری باری جج صاحب اور پھر نیچے پراسیکیوٹر کی میز پر رکھیں۔

"اس لحاظ سے جب کسی شخص کو ایسی زمین پہ گھسیٹا جائے تو اس کی کمر پہ رگڑ کے نشان' یا کپڑوں کا پھٹنا' یا سبز مائل دھبے ہونا ناگزیر ہوتا ہے' مگر میڈیکو لیگو رپورٹ کے مطابق مقتول کے جسم پہ ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔"

پراسیکیوٹر کھڑا ہونے لگا مگر وہ اونچی آواز میں بولے گئی۔

"اور اس سے پہلے کہ پراسیکیوٹر صاحب اعتراض کریں' 1990ء میں جسٹس عامر ملک نے سردار لطیف کھوسہ کے کلائنٹ صابر وغیرہ کی اپیل اس لیے منظور کی تھی کہ اگر اس نے مبینہ طور پہ لاش کو گھسیٹا تھا تو لاش پہ سبزی مائل دھبے یا رگڑ کے نشان کیوں نہیں تھے؟ اس ججمنٹ کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ناظم صاحب کے بیان میں جھول ہے۔ اور لاش کو دو لوگوں نے اٹھا کر کار میں ڈالا تھا' اور وہ دو لوگ شریک جرم تھے۔"

"او کے اب کاؤنسلر testify کر رہی ہیں۔" زمر اسے نظر انداز کیے جج صاحب کے سامنے آ کر بولی۔

"یور آنر' مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا لیکن میں گواہ کو ری کراس کرنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔" (پراسیکیوٹر کے تاثرات بے چینی سے بگڑے) "اور یور آنر اگر اس دوران ناظم صاحب جیل توڑ کر کسی دوسرے ملک فرار ہو گئے تو عدالت کو ان کی گواہی خارج کرنی ہو گی یا پراسیکیوٹر صاحب کو اس گواہ کو give up کرنا پڑے گا۔" اب وہ دونوں ایک ساتھ بولنے لگے تھے اور درمیان میں جج صاحب بھی ناخوشی سے کچھ کہے جا رہے تھے۔

فارس نے ایک میں مڑ کر احمر کو دیکھا جو کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں' کاروارز کی جاب چھوڑ دو۔ خاور کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسرے کو اپنا رائٹ ہینڈ نہیں بنائیں گے۔"

"خاور نہیں ہے اب۔" وہ آہستہ سے بولا تو فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

"کیوں' کدھر گیا وہ؟" وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

"معلوم نہیں۔ نوکری سے نکال دیا ہے اسے یا خود ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے۔" احمر سامنے دیکھنے لگا۔ فارس نے ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی اور واپس پیچھے کو ہوا۔

"کچھ معلوم ہے کیوں؟ وہ تو ان کا قابل اعتبار آدمی

تھا۔" سرسری سا پوچھا۔
"نو آئیڈیا۔" احمر نے شانے اچکائے۔ ایک مسکراہٹ فارس کے لبوں پہ ابھر کر معدوم ہوئی۔ اتنے دن بعد سکون کا سانس نصیب ہوا تھا اسے۔ ایک نظر پراسیکیوٹر کی طرف دیکھا جو عدالت برخاست ہونے پہ اب موبائل پہ کوئی نمبر ملاتا تیزی سے باہر نکل رہا تھا۔
(کوشش کرتے رہو۔ مگر تمہیں پیسے دینے والا فون نہیں اٹھائے گا) وہ جب اٹھا تو مسکرا رہا تھا۔ (احمر کچھ کہے بنا باہر نکل گیا تھا۔) زمر نے اپنی چیزیں سمیٹتے چونک کر اسے مسکراتے دیکھا۔ پھر آنکھیں سکیڑیں۔
"ایسا کیا ہوا ہے۔ جو میں نہیں جانتی؟"
"ارے نہیں' میں یہ سوچ رہا تھا کہ ناظم کی طرف سے پریشان نہ ہو' وہ جیل سے نہیں بھاگے گا۔"
"تمہیں کیسے پتا؟"
"میں دیکھ لوں گا اس معاملے کو۔"
"بالکل نہیں۔" قلم اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ "تم کسی معاملے کو نہیں دیکھو گے۔ اور اگر تم نے کسی کو پھر جیل میں مارا پیٹا تو اچھا نہیں ہو گا۔"
"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" صبر اور تحمل سے اس کے سامنے کھڑے اس نے پوچھا تھا۔
"اول' تم بالکل آرام اور سکون سے جیل میں رہو' کچھ نہ کرو' کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک شریف آدمی بن کر رہو۔ اور دوم۔ تم مجھے آپ کہا کرو۔" اسے گھور کر وہ پلٹی تھی کہ وہ اسی تابعداری سے بولا تھا۔
"جو تم کہو!" زمر کے تو سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ ایڑیوں پہ تیزی سے گھومی۔
"تمہیں پتا ہے فارس! اگر مجھ پہ ایک قتل معاف ہوتا تو کس کو گولی مارتی؟"
"مجھے پتا ہے۔" وہ مسکرا کر ہلکا سا اس کی طرف جھکا۔ "تم خود کشی کرتیں۔" اور ایک طرف سے نکل کر سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا جو اسے لینے آرہے تھے۔
"اف۔" اس نے کلس کر ڈھیروں غصہ اندر اتارا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

یہ شاید اگلی رات کا قصہ ہے۔ اندھیرے اور دھند میں ڈوبی انیکسی کی عمارت خاموش پڑی تھی۔ کچن میں دودھ ابلنے رکھا تھا' اور حنین چولہے کے آس پاس ٹہلتی موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ لمبا سوئیٹر پہنے' پیروں میں مختلف رنگ کی جرابیں جن سے انگوٹھے برہنہ ہو کر نکل رہے تھے اور بالوں کو گول مول باندھے' وہ ایک بے ترتیب اور بھرے بھرے کچن کے اندر کھڑی تھی۔ سارے برتن دھلے تھے' مگر پھر بھی کچھ صاف نہ لگتا تھا۔ نجانے کیوں؟
اسکرین کو دیکھتے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ انگوٹھے اور انگلی سے اس سطر کو زوم کر کے بڑا کیا۔ بار بار پڑھا۔
"نوشیرواں کا کردار اور علیشا ر بیکا کا کردار اب دوست ہیں؟"
فیس بک کی ایک پبلک سی اطلاع کو وہ بار بار پڑھ رہی تھی۔ ہاشم کی پروفائل وزٹ کرنا چھوڑ چکی تھی' مگر باقی کرداروں کو وہ کبھی کبھی دیکھ ہی لیتی تھی۔
"مگر یہ دونوں دوست کیسے بن گئے؟" اس نے دانتوں کے درمیان انگلی دبا کر سوچا۔ اچنبھا تھا۔ دل میں کھدبد ہوئی۔
"آج ہی تو فیوتا نے بتایا تھا کہ خاور اب یہاں جاب نہیں کرتا' یعنی اگر میں اس سپر ہیرو..... مطلب سپر لوزر کی پروفائل ہیک کروں تو کسی کو نہیں پتا چلے گا۔" آنکھیں چمکیں' اور اس سے پہلے کہ وہ ایکسائیٹڈ ہو کر لیپ ٹاپ اٹھانے بھاگتی..... سس کی آواز کے ساتھ ..... دودھ ابل کر چولہے پہ جا گرا۔
"اللہ میرے!" وہ دہل کر پلٹی اور جلدی سے چولہا بند کیا۔ "پورے بیس منٹ میں ادھر کھڑی رہی' مگر نہیں' تب نہیں ابلنا تھا اسے' اور ایک منٹ کے لیے فون اٹھایا تو یہ گر گیا؟ میں کدھر جاؤں؟"
ڈوئی زور سے کاؤنٹر پہ پٹخ کر وہ رونے والی ہو رہی

تھی۔ دفعتاً" چوکھٹ میں زمر نمودار ہوئی۔ وہ اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی شاید۔

"کیا ہوا؟" اندر آتے تعجب سے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"حادثہ ہوا، قیامت ہوئی!" وہ آنکھوں میں آنسو لیے غم اور غصے سے پلٹی۔

"میں... میں حنین یوسف... اب دس منٹ یہاں کھڑی ہو کر چولہا صاف کروں گی۔ اور پھر یہ فرش بھی۔ اس روز کتابیں لیں پڑھنے کے لیے، پینٹ خریدا تصویریں بنانے کے لیے، کہ آنکھ اور دل کو کیسے مصروف کروں مگر پڑھنے لگی تو فوکس نہیں ہوا۔ پینٹ کرنے لگی تو رنگ ہی ادھر ادھر بہنے لگے۔ اچھا ٹھیک ہے، نہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے، نہ آرٹسٹ ہوں۔ مجھے تو انجینئر بننا تھا، وہ بھی نہ بن سکی۔ ایم اے بھی نہیں کیا میں نے۔ آپ بتائیں، کیا میں اتنی جینئس لڑکی اس قابل تھی کہ یوں گھر میں ضائع ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر ہیکر بننا تھا، آئی ٹی ایکسپرٹ، بڑے بڑے algorithms لکھنے تھے۔ مجھے تو نولن روس، Huck اور Felicity Smoak کی طرح انگلیاں کھٹ کھٹ کرکے کمپیوٹرز کی دنیا پہ حکمرانی کرنی تھی۔ اور کر کیا رہی ہوں میں؟"

دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر غصے اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ بولے جا رہی تھی۔

"میں یہاں پہ برتن دھو رہی ہوں، چولہوں کی گرل مانجھ رہی ہوں، باتھ روم صاف کر رہی ہوں، فرش اسکرب کر رہی ہوں۔ جھاڑو اور ٹاٹ لگا رہی ہوں۔ ارے نوکرانیاں کرتی ہیں یہ کام، یا وہ پتی ورتا قسم کی بیویاں جن کے پاس دنیا کا کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا، نہ ٹیلنٹ ہوتا ہے، نہ ذہن ہوتا ہے، وہ کرتی ہیں ایسے کام اور امی نے مجھے... مجھے ان کاموں پہ لگا دیا ہے!" وہ صدمے میں تھی۔ زمر تحمل سے سنتی رہی۔

"آئی ایم ڈن!" دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے اعلان کیا۔ "بہت بن چکی میں ماسی۔ نہیں کرنے مجھے فارغ عورتوں والے کام۔" پیر پٹخ کر آنسو پونچھتی، وہ دھپ دھپ کرتی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی اور زمر، جس نے یہ ساری تقریر خاموشی سے سنی تھی، بس ہلکی سی سانس لے کر بولی۔ "تو پھر اپنا واٹس ایپ اسٹیٹس بھی بدل دو۔"

بیسمنٹ کی طرف جاتی حنین رکی۔ مڑ کر بھیگی آنکھوں میں تعجب بھرے اسے دیکھا۔ "کیوں؟"

"کیونکہ جو آیت تم نے لگا رکھی ہے، واوحی ربک الی النحل، مجھے اس کا مطلب معلوم ہے۔" وہ نرمی سے کہتی، آستین موڑے چائے کی کیتلی چولہے پہ رکھنے لگی۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟"

"یہی کہ... سعدی کو اس آیت کے بارے میں بہت سے فلسفے آتے ہوں گے، مگر مجھے اس کا ایک ہی مطلب معلوم ہے۔ سادہ اور آسان سا مطلب کہ اللہ نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف، اور اسے کہا کہ وہ اپنا "گھر" بنائے... اور... وہ پھولوں پھلوں سے رس چوسے یا آسان راستوں پہ چلے، وہ یہ سب اس لیے کرتی ہے تاکہ اپنے گھر واپس آسکے، اور اپنے گھر کو میٹھے اور خوب صورت رنگوں سے بھر سکے۔ اور پھر اس ساری محنت کا جو نتیجہ نکلے گا، اس میں، صرف اس میں شفا ہو گی تمہارے دل کی۔ کیونکہ دنیا کا سب سے زیادہ شفا بخش مشروب اس گھر میں بنتا ہے، جو شہد کی مکھی کا گھر ہے۔ سب سے خوب صورت، سب سے زیادہ آرگنائزڈ۔ لیکن آف کورس۔" اس نے شانے اچکائے۔ "یہ تو ماسیوں، کم ذہن ہاؤس وائف والے فضول کام ہیں، سو تم اپنی شفا کتابوں اور پینٹنگز اور کمپیوٹرز میں ڈھونڈو... ویسے بھی کل صداقت پلس فیملی آجائے گا واپس، سو... تم پریشان نہیں ہو اور جا کر سو جاؤ!" کسی بھی ناراضی کے بغیر وہ اب مصروف سی دودھ کیتلی میں انڈیل رہی تھی۔

حنین ایک دم بالکل متحیر اور ساکت کھڑی رہ گئی۔

زمر اسے چھوڑ کر چائے بنا کر اوپر آئی۔ اسامہ، ندرت والے کمرے میں ٹیب لیے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا (اس کا چارجر صرف اس کمرے کے سوئچ

میں چلتا تھا) سو وہ اب اکیلی 'بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کمبل میں لپٹی 'گھٹنوں پہ فائل رکھے 'چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ کپ ابھی آدھا ہوا تھا کہ موبائل بجا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ غیر شناسا نمبر۔ کان سے لگا کر مصروف اور محتاط سا "ہیلو؟" کہا۔

"السلام علیکم مسز زمر!" وہ مسکرا کر خوشگوار سے انداز میں بولا تھا تو زمر نے بے اختیار مگ سائیڈ پہ رکھا اور سیدھی ہوئی۔ بھوری آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"ڈونٹ ٹیل می تم جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہو۔ اور اگر نہیں تو سیل فون کہاں سے ملا؟"

"ڈونٹ ٹیل می کہ تمہیں نہیں پتا 'یہاں کیا کیا مل جاتا ہے۔" وہ رات کے اس پہر ایک تنہا کوٹھڑی میں سلاخوں پہ ایک ہاتھ رکھے کھڑا 'دوسرے سے موبائل کان سے لگائے 'مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ قدرے فاصلے پہ محتاط سا پولیس اہلکار ادھر ادھر دیکھتا پہرہ دے رہا تھا۔

"اچھا 'اور کیا مل جاتا ہے؟" اس نے مسکرا کر فائل پرے رکھی اور ایک انگلی پہ عادتاً گھنگھریالی لٹ لپیٹتے گویا ہوئی۔

"تم سن کر جیلس ہو گی۔"

"آہ! میرا اسٹینڈرڈ اتنا نہیں گرا کہ میں جیل میں خفیہ طور پہ لائی جانے والی لڑکیوں سے جیلس ہوں۔ ویسے کوئی خاص کام تھا کیا جو تم اپنی کسی دوست کو چھوڑ کر مجھے فون کر رہے ہو؟"

"استغفراللہ۔ مذاق کر رہا تھا۔" وہ خفا ہوا۔

"میں سیریس تھی!" لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے شانے اچکائے۔

"اچھا کام تو کوئی نہیں تھا۔ یونہی خیریت پوچھنا چاہ رہا تھا۔"

"ہم ٹھیک ہیں 'مزے میں ہیں۔" پھر وہ ذرا اداس ہوئی۔ "سعدی نہیں ہے۔ بس!"

وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ "ایک زمانے میں 'میں اسی طرح سعدی کو کال کیا کرتا تھا۔" وہ کچھ یاد کر کے اداسی سے مسکرایا۔

"تم ہمیشہ سے ایک دو نمبر انسان تھے۔"

وہ ہلکے سے ہنسا۔ زمر کچھ کہنے لگی تھی مگر کھٹکا ہوا۔ وہ چونکی۔ کھڑکی کے باہر بالکونی کی بتی جل رہی تھی 'وہاں کوئی سایہ سا تھا۔

"آ..." وہ گردن اونچی کر کے دیکھنے لگی۔ فارس بھی ٹھٹکا۔ "کیا ہوا؟"

"بالکونی میں کوئی ہے۔" وہ ذرا آگے کو ہوئی تو دیکھا 'وہ ہاشم کا کتا تھا جو غالباً "بالکونی کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ کر وہاں آ بیٹھا تھا۔ وہ پر سکون سی ہو کر واپس ٹیک لگاتی بتانے ہی لگی تھی کہ...

"کیا مطلب؟ کون ہے باہر؟ تم اکیلی ہو؟ باقی سب کہاں ہیں؟" وہ ایک دم انتہائی تیزی اور پریشانی سے بولا تھا کہ زمر کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ مسکراہٹ دبائے ذرا دیر کو رکی۔

"ہاں... میں اکیلی ہی ہوں... لیکن معلوم نہیں کون ہے۔ کوئی سایہ ہی ہے..."

"کدھر ہے؟ تمہیں وہ نظر آ رہا ہے؟ کھڑکی بند ہے؟"

"ہاں... اب نظر آ رہا ہے۔" رک رک کر فکر مندی سے بتانے لگی۔ "لمبا سا 'سانولا سا۔ کلرڈ آنکھیں ہیں۔"

"کھڑکی بند ہے؟" وہ تیزی سے بولا تھا۔

اس نے کھڑکی کی بند کنڈی کو دیکھا۔ "نہیں تو۔" اسی فکر مندی سے سر ہلایا۔

"رات کے اس وقت کھڑکیاں 'دروازے کھول کر بیٹھے ہو تم لوگ؟"

کتا اب شیشے پہ پنجے مارنے لگا تھا۔ وہ تنہائی کا شکار لگتا تھا۔

"فارس... اب وہ کھڑکی پہ کچھ مار رہا ہے۔"

اور جیل میں قید فارس غازی کو ایک دم سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔ غصہ 'بے بسی۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔ "تم فوراً" اس کمرے سے نکلو 'اور نیچے اپنے ابو کے کمرے میں جاؤ۔ حنین 'اسامہ کو بھی وہیں بلاؤ اور کمرہ لاک کر لو 'فوراً"۔ پھر پولیس کو کال کرو 'بلکہ میں ایک نمبر دیتا ہوں 'ادھر کال کرو۔ اور ہاں... دراز میں

میری گن ہو گی' اسے نکالو۔ زمر! تم میری بات سن رہی ہو۔" وہ اتنا پریشان تھا اور وہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی۔

"میں نہیں باہر جا رہی' میں کوئی ڈرتی تھوڑی ہوں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر آواز کو سنجیدہ رکھے بولی۔

"زمر! میں کہہ رہا ہوں' کمرے سے نکلو!" وہ غصے سے بولا تھا۔ باہر کھڑے اہلکار نے اسے اشارہ کیا مگر اس وقت وہ کچھ اور نہیں سن پا رہا تھا۔ وہ اپنے خاندان کو کارداروں کے اتنا قریب چھوڑ آیا تھا... وہ کیا کرے؟

"میں کیوں نکلوں؟ میں یہی سب کچھ ڈیزرو کرتی ہوں نا۔ تم نے کہا تھا نا اس رات ریسٹورنٹ میں... کہ تم مجھے اس طرح دیکھنا چاہتے ہو... اور۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس رات پہ اور..." وہ دبا دبا سا چلایا تھا مگر اسی لمحے اسامہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور ایک دم حیرت سے بولا۔ "پھپھو... یہ ہاشم بھائی کا کتا۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

زمر نے گڑبڑا کر اس کو دیکھا اور پھر فون کو۔ دوسری طرف وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہوا تھا۔ (اف) زمر نے آنکھیں میچ لیں۔

"سیم کیا کہہ رہا ہے؟" وہ ذرا رک کر بولا۔

"پپ... پتا نہیں۔" وہ خفت سے بولی اور ساتھ ہی غصے اور خفگی سے اسامہ کو گھورا۔

فارس نے ایک طویل سانس کھینچی۔ تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔

"باہر... کتا ہے؟ صرف کتا؟" ٹھہر ٹھہر کر پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ اسامہ!" فون غصے سے اس کی طرف بڑھایا۔ "ماموں کا فون ہے۔ بات کرو۔"

"ہیں سچی؟" وہ خوشی سے آگے بڑھا' پھر فون لیتے ہوئے زمر کے تاثرات دیکھ کر مسکراہٹ سمٹی۔ "میں نے کیا کیا ہے؟"

وہ خفگی سے کچھ بڑبڑا کر کمبل تانے لیٹ گئی۔ اسامہ نے حیرت سے فون کان سے لگایا۔

"ماموں؟"

"ذرا اپنی پھپھو کو فون دو!" اسے شدید تاؤ آیا تھا۔

اتنی آواز تو زمر کو بھی سنائی دی تھی' جب ہی کروٹ لیے بولی۔ "میں سو گئی ہوں۔"

"وہ کہہ رہی ہیں' وہ سو گئی ہیں۔" اس نے اطلاع دی پھر پرجوش سا باتیں کرنے لگا۔ "آپ کیسے ہیں؟ ہم آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ حنہ... حنہ..." ساتھ ہی آواز دیتا ہوا نیچے بھاگا تھا۔

"اف۔" آنکھیں مُوندے وہ سخت خفا تھی۔

فون کس کس نے سنا' کب بند ہوا' کچھ معلوم نہیں۔ حنین اس کے ساتھ آکر لیٹی تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔ حنہ اداسی سے بند فون اس کے ساتھ رکھ رہی تھی۔

"سوری' میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔" وہ چت لیٹی آزردگی سے چھت کو دیکھتے کہہ رہی تھی۔ "ایسے موقعوں پہ بھائی بہت یاد آتا ہے۔ اگر وہ ہوتا تو ایسے آسان لفظوں میں میرے ہر مسئلے کا حل بتا کر مجھے پرسکون کر دیتا۔ پتا ہے۔" ہلکا سا ہنسی۔

"کبھی کبھی کہتا تھا' حنہ! کبھی مجھے بہت سا وقت ملے تو میں ایک کتاب لکھوں گا قرآن پہ۔ میں نے پوچھا' تفسیر لکھو گے؟ کہتا' میں کیسے تفسیر لکھ سکتا ہوں؟ بہت تفاسیر موجود ہیں پہلے سے ہی۔ میں صرف قرآن پہ غور و فکر کر کے آیات سے ملنے والے اسباق کو لکھنا چاہوں گا' کہ میں نے اس آیت سے کیا سیکھا' کیا سمجھا۔ میں اسے ڈراتی تھی کہ بھائی' فتوے لگ جائیں گے' لوگ کہیں گے آپ کو قرآن پہ کچھ لکھنے کی اجازت کس نے دی؟ اہلیت کیا ہے آپ کی۔ تو وہ ہنس کر کہتا' ان لوگوں سے کہنا حنہ' مجھے نہ ان کی اجازت کی ضرورت ہے' نہ مجھے ان کے فتووں سے فرق پڑتا ہے۔ مجھے قرآن پہ غور و فکر کرنے کا حق اللہ نے دیا ہے' مجھے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی تاکید اللہ نے کی ہے۔ کوئی پیر' کوئی عالم' کوئی پروفیسر مجھ سے یہ حق نہیں چھین سکتا۔ میں اہل قرآن ہوں۔ ہم اللہ کا کنبہ ہیں۔ ہم تو بھئی ڈنکے کی چوٹ پہ قرآن عام لوگوں تک' عام ہاتھوں تک پھیلائیں گے عام اور سادہ زبان میں۔ ہاں۔ جس دن ہمارے اونچی دستاروں والے

اور لمبے لمبے ناموں والے معزز علماء کرام ' جس دن وہ گاڑھی اردو اور مشکل اصطلاحات میں بیان دینا اور کتابیں لکھنا چھوڑ دیں گے ' اس دن میرے کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جس نے مجھے سکھایا ہے ' مجھے اس علم کا حق ادا کرنا ہے نہیں تو میری پوچھ دوسروں سے زیادہ ہو گی۔"

"تم یہ سب کیوں کہہ رہی ہو؟"

"کیونکہ جب ہم چھوٹے تھے تو سنتے تھے ' حافظ قرآن کے والدین کے سر پہ قیامت کے دن سونے کا تاج پہنایا جائے گا۔ بات یہ ہے زمر کہ اس تاج کے لیے ہم اپنے بچوں کو قرآن تو یاد کروا دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ تاج بہت بھاری ہے۔"

"حنین..." اس کا دل دکھا ' ایک دم اٹھنے لگی مگر حنہ نے کروٹ بدل لی۔

"ابھی مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔ مجھے فی الحال مدد کی ضرورت ہے ' مگر نہ آپ سے ' نہ بھائی سے ' نہ ہی کتاب والے شیخ سے۔ مجھے ان کی مدد چاہیے جنہوں نے میرے سر پہ یہ تاج رکھا تھا۔ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔" کروٹ لیے ' اس کی آواز نم ہو گئی۔ زمر خاموشی سے واپس لیٹ گئی۔

اور دور... سمندر پار... کمرہ جس میں زنجیروں میں جکڑے قیدی کے سامنے ' رئیس پنجوں کے بل بیٹھا چند تصاویر زمین پہ رکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارا بیٹا ہے ' اور یہ تمہاری بیوی اور ماں۔ ان کو خاور صرف ای میل کر کے ایک نامعلوم مقام پہ ایک نامعلوم گھر میں شفٹ ہونے کے لیے کہتا ہے اور کل وہ شفٹ ہو بھی گئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں ' سوائے ہاشم کاردار کے۔ تم ان کی خیریت چاہتے ہو تو اعتراف جرم کر لو ' ورنہ ہم سے اب کچھ بعید نہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور خاور خاموش مگر سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

میں جان بوجھ کر انجان بن رہا ہوں اگر معاملات میں مجھ سے نہ ہوشیاری کر!

کمرہ ملاقات خالی تھا سوائے اس وجیہہ اور مصروف ملاقاتی کے جو میز کے پار بیٹھا ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ' بار بار کلائی پہ بندھی قیمتی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پورے کمرے میں اس کے پرفیوم کی مہک رچ بس گئی تھی۔

فارس غازی چوکھٹ پہ نمودار ہوا ' تو بے زار بیٹھے ہاشم نے نگاہیں اٹھائیں ' پھر خود بھی کھڑا ہوا۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ "ہیلو فارس!"

"تمہارا شکریہ کہ تمہیں بالآخر میرا پیغام مل گیا۔" وہ ازلی بے نیاز انداز میں کہتا اس سے ہاتھ ملا کر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ہاشم بھی کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے سامنے بیٹھا۔

"ہاں ' میں مصروف تھا۔ زمر سے تمہاری خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔" ذرا توقف کیا۔ "سوری۔ پہلے نہیں آسکا۔" ہلکے سے ابرو اچکائے۔ فارس نے جواباً" ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ملایا۔

"میں نے خاور کو دو تین دفعہ پیغام بھجوایا تھا ' کوئی دو ماہ پہلے ' مسئلے کی نوعیت سے بھی آگاہ کیا تھا ' کیا اس نے نہیں بتایا؟" دونوں ہاتھ میز پہ رکھے ' آگے ہو کر بیٹھتے ' فارس نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔

ہاشم اس کے برعکس ٹیک لگا کر ' ایک بازو کرسی کی پشت پہ پھیلائے بیٹھا تھا ' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "اس نے بتایا تھا ' میرے ہی ذہن سے نکل گیا۔ کہو کیا بات تھی؟ کوئی فنانشل پرابلم...؟"

"او نہوں۔" وہ رکا۔ پھر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "دو ماہ پہلے... عدالت میں... میرے پاس الیاس فاطمی آیا تھا۔"

"کون الیاس فاطمی؟" ہاشم نے لاعلمی سے ابرو اٹھایا۔ البتہ فارس نے دیکھا ' کرسی کی پشت پہ پھیلے اس کے ہاتھ کی انگلیاں اندر کو مڑیں۔ یعنی کہ وہ چونکا تھا ' مگر چہرے سے ظاہر نہیں تھا۔

"وارث کا باس۔ جس پہ مجھے شک تھا کہ اس نے وارث کو مروایا ہے۔"

"اوہ یس یس! فاطمی۔ نیب ڈائریکٹر۔ آئی سی۔ تو

کیا تمہاری اس سے بات ہوئی؟" عام سے لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔ کچھ دیر کے لیے۔ اس نے کہا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ کیونکہ اسے ڈر ہے کہ میں باری باری اپنے ہر دشمن سے انتقام لے رہا ہوں۔ سو وہ نہیں چاہتا کہ اس کی باری بھی آئے۔"

"اسے اچانک تم سے خوف کیوں محسوس ہونے لگا ہے؟"

"ہاشم!" وہ قدرے قریب ہوا۔ "میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا، نہ تم مجھے پسند کرتے ہو، مگر چونکہ یہ بات اس کو معلوم ہو چکی ہے، تو تمہیں بھی بتا دیتا ہوں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "ڈاکٹر ایمن میری سائیکاٹرسٹ تھی، اس نے کورٹ میں میرے خلاف گواہی دی تھی۔ میں نے اس کا ہاسپٹل جلا دیا۔"

ہاشم نے ابرو اٹھایا اور کرسی کی پشت سے بازو ہٹا کر قدرے آگے کو ہوا۔ چہرے پہ حیرت بھری مسکراہٹ ابھری۔ "ڈونٹ ٹیل می!"

"لیکن جسٹس سکندر کی ویڈیو میں نے لیک نہیں کی تھی۔ میرا اس سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، اس نے مجھے بری کیا تھا۔ مگر فاطمی کا خیال ہے کہ میں اس کے پیچھے بھی آؤں گا، اس لیے وہ مجھ سے تعاون کرنا چاہتا تھا، تاکہ میں اس کو اور اس کے خاندان کو چھوڑ دوں۔"

"کیسا تعاون؟"

"اس نے کہا، وہ مجھے اس شخص کا نام بتانے کو تیار ہے جس کے ہاتھوں اس نے وارث غازی کا سودا کیا تھا۔"

"دیٹس گڈ۔ تمہیں اس سے معلومات لینی چاہیے تھیں۔" ہاشم نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اس نے تمہارا نام لیا۔ کہا کہ تم نے مروایا ہے وارث کو۔" وہ اسی بے نیازی سے ہاشم کو دیکھتے ہوئے بولا۔

ہاشم کی انگلیاں زور سے اندر کو مڑیں، مگر چہرے پہ تاثرات ویسے ہی رہے۔ پہلے اس نے دونوں ابرو اٹھائے اور پھر ایک دم ہنس پڑا۔ "لائیک سیریسلی؟"

"رکو، ابھی کہانی باقی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تم اور مسز جواہرات منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔ پشاور میں کسی دہشت گرد گروپ کے لیے۔ کوئی میٹنگز وغیرہ تھیں، ان کا ریکارڈ وارث غازی کو مل گیا تھا۔"

ہاشم نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "او کے، او کے، تو میں منی لانڈرر کے ساتھ قاتل بھی ہوں۔ سو۔ یہ گفتگو کس طرف جا رہی ہے؟ مطلب سیریسلی۔۔۔ تمہیں یقین آگیا؟"

فارس ایک دم بے زار ہوا۔

"اگر مجھے یقین آیا ہوتا تو کیا میں یہاں بیٹھا تمہیں یہ سب بتا رہا ہوتا؟"

"تو تمہیں یقین کیوں نہیں آیا؟ ہو سکتا ہے، وہ سچ بول رہا ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے محظوظ لگ رہا تھا۔

"کیونکہ میں عرصہ پہلے نیب کے وہ سارے ریفرنسز چیک کر چکا ہوں جو تمہارے خلاف دائر تھے، وہ سب کرپشن کیسز تھے اور مجھے یقین ہے ہم ان سب میں ملوث ہو (ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خم دیا) مگر وہاں منی لانڈرنگ کا کوئی کیس نہیں تھا۔ دوسری بات، وہ مجھ سے تعاون نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ مجھے اپنے ہی خاندان سے لڑوا کر کمزور کرنا چاہتا تھا۔ دیکھو میرے تمہارے بہت جھگڑے ہوں گے، مگر ہم ایک خاندان ہیں۔ اس لیے تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔"

"شیور۔ بتاؤ۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ اب اپنائیت سے کہتا آگے کو ہوا۔

"الیاس فاطمی کا ایک بھائی ہے، وہ کسٹم میں ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہی وارث کا قاتل ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ تم اس کو چیک کرو۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے، فاطمی جانے سے پہلے اپنے بھائی کو بچانے کے لیے مجھے کسی دوسری طرف لگانا چاہتا ہے۔"

"جانے سے پہلے؟" پہلی دفعہ ہاشم کے ابرو حقیقی حیرت سے بھنچے۔

"ہاں، اس نے کچھ کہا تھا جانے کے بارے میں۔ وہ اپنی بیٹی کو یا شاید فیملی کو باہر سیٹل کر رہا ہے۔ اسے دیکھ

کر میرا خون اتنا ابل رہا تھا کہ اس کی آدھی بات میں نے دھیان سے سنی ہی نہیں۔" سر جھٹک کر وہ جیسے پھر سے غصے میں آنے لگا تھا۔

"اوکے ریلیکس۔ میں تحقیق کروانے کی کوشش کرتا ہوں' مگر مجھے یا تمہیں فاطمی جیسے لوگوں کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے الزامات سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟"

شانے اچکا کر وہ اسی طرح کی چند مزید نرم سی باتیں کرکے اٹھ کھڑا ہوا تھا البتہ جب وہ جانے کے لیے مڑا تو اس کی آنکھوں میں شدید سختی در آئی تھی اور انگلیاں زور سے اندر کو بھنچی ہوئی تھیں۔

اس کے جاتے ہی زمر اندر آئی تھی۔ حیران ' متعجب 'مشکوک۔

"آج تو تم سے ملاقات ناممکن ہو گئی تھی۔" اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔ "یہ ہاشم کیوں آیا تھا تم سے ملنے؟"

"میں نے بلایا تھا۔"

"کیوں؟ کیا بات کرنی تھی؟" زمر نے پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"یہی کہ اس کا کتا بہت آوارہ ہوتا جا رہا ہے' اور وہ میری طرف... ہماری طرف آگیا تھا۔ اسے اتنا کہا ہے کہ اپنے کتے کا خیال رکھے۔"

زمر نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔ "کتا ہی تھا' آگیا تو کیا ہوا؟ اتنی سی بات کے لیے اسے کیوں بلایا؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہماری طرف آیا ہے' مگر وہ اس کا پالتو کتا ہے زمر' وہ اسے جلد یا بدیر ضرور بتائے گا ہر بات۔ سو میں نے سوچا کہ میں پہلے بتا دوں۔"

زمر مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "مجھے تمہاری بات پہ یقین کیوں نہیں آرہا؟"

"اوہ کم آن!" وہ حیران ہوا۔ "تم نے خود ہی تو کہا تھا کچھ نہ کرو' شریف بن کر رہو' تو میں اسی لیے آرام سے بیٹھا ہوں' کچھ بھی نہیں کر رہا۔" بہت ہی سادگی سے اپنے خالی ہاتھ دکھائے۔

زمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ واقعی شرافت اور سادگی کے ساتھ آرام سے بیٹھا تھا۔ وہ واقعی کچھ نہیں کر رہا تھا۔ اس کو فارس پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

جو ہو سکے تو محبت کی پاسداری کر
مرا جو رنگ ہے اس میں قبول کر مجھ کو

پرنم فضاؤں کی سرزمین پہ وہ تہہ خانے میں بنے کمرے خاموش تھے۔ سعدی یوسف اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' قرآن کھولے' ساتھ جرنل پہ قلم سے کچھ لکھے جا رہا تھا۔ اب وہ پڑھتے ہوئے ساتھ میں لکھتا بھی تھا۔ یہاں وقت ہی وقت تھا' فراغت ہی فراغت تھی۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ' دھتکارے ہوئے شیطان سے۔" تعوذ پڑھ کر اس نے مطلوبہ جگہ سے انٹمل کھولی اور گردن ترچھی کرکے بیٹھا' آیات صفحے پہ اتارنے لگا۔ سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس وہ لکھتے ہوئے بہت منہمک اور مصروف دکھائی دیتا تھا۔

"اور بے شک ہم نے بھیجا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو۔ کہ اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے لگے۔"

قلم لبوں میں دبائے' چند لمحوں کو اس نے سوچا' پھر تیز تیز قلم صفحے پہ چلانے لگا۔

"جب کوئی ہمارے پاس اللہ کی بات لے کر آتا ہے تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ ہم اس سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیتے ہیں؟ ہم فوراً" اس کا فرقہ' اس کا عقیدہ' اس کا خاندان' اس سب کو زیر بحث کیوں لے آتے ہیں؟ نہیں ماننی بات' نہ مانو۔ مگر ہم ایسی قوم کیوں بنتے جا رہے ہیں جو برائی پھیلانے والوں کو تو ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھ کر دیکھتی ہے' مگر نیکی کا حکم دینے والوں پہ فوراً" فتوے لگا دیتی ہے؟ اور میری یہ کبھی سمجھ میں نہیں آیا کہ قوم ثمود' قوم عاد اور قوم لوط... بار بار ان کا ذکر کیوں آجاتا ہے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں ان

کے ناموں اور ان پہ اترے عذابوں کو مکس اپ کر جاتا ہوں۔ یہ پورا قرآن پڑھ کر بھی مجھے یاد نہیں ہو پائے۔ ان کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔"

لحظے بھر کو رک کر اس نے پھر سے وہی آیت پڑھی۔ ذہن میں آگہی کے کتنے ہی در کھلنے لگے۔ معانی منکشف ہونے لگے۔

"اللہ تعالیٰ آپ نے فرمایا کہ ہم نے **ثمود** کی طرف 'ان کے بھائی' کو بھیجا۔ **ثمود** کے لوگوں کا بھائی صالح! یعنی اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے پاس ان کے جیسے ہی کسی بندے کو بھیجتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس سے اپنائیت محسوس کر سکیں 'مگر نہیں' ہمیں تو مبلغ کے نام پہ فرشتہ چاہیے ہوتا ہے۔ پہلے زمانوں کے لوگ بھی یہی کہتے تھے 'اللہ نے فرشتہ کیوں نہیں اتارا؟ اب بھی یہی کہتے ہیں۔ اس عالم 'اس مبلغ میں فرشتوں والی خصوصیات کیوں نہیں ہیں؟" پھر سر جھٹک کر اگلی آیت پڑھی۔

"کہا (صالح) نے 'اے میری قوم' کیوں تم برائی کو بھلائی سے پہلے مانگنے میں جلدی کر رہے ہو؟ کیوں نہیں تم اللہ سے استغفار کرتے تاکہ تم پہ رحم کیا جائے؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر اسی طرح لکھنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ۔ مجھے اس آیت کو پڑھ کر ہمیشہ یہ لگا ہے کہ انسان اپنی دعاؤں سے پہچانا جاتا ہے۔ بے اختیاری میں منہ سے نکلی دعائیں اندر کی کشمکش کی عکاس ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں لوگ فوراً" قیامت مانگ لیتے تھے کہ بھئی نازل کرو فرشتہ اور برابر کرو حساب۔ آج کل کے لوگ خود ہی خدا بن کر سارے حساب کتاب پورے کر دیتے ہیں۔ مبلغ کو بھی کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خود ہی جج 'جیوری' اور جلاد بن کر دین والوں کا فیصلہ سنا دیں۔ اطاعت نہ کرنے کے بھی کتنے بہانے ہیں انسانوں کے پاس!"

ذرا دیر کو قلم والا ہاتھ روکا۔ درمیانی انگلی کے اوپر پور — میں درد سا ہونے لگا تھا۔ writer's ache! لکھنا کتنا مشکل کام تھا! چند لمحے کے آرام کے بعد آگے پڑھنے لگا۔

"ان لوگوں نے کہا' ہم برا شگون لیتے ہیں تم سے اور ان سے جو تمہارے ساتھ ہیں۔ کہا (صالح نے) تمہارا شگون اللہ کے پاس ہے' بلکہ تم ایک گروہ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔"

"عربی کتنی دلچسپ زبان ہے اللہ تعالیٰ۔" وہ مسکراتے ہوئے تیز تیز قلم چلا رہا تھا "شگون کے لیے طائر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ طائر کہتے ہیں پرندے کو۔ اہل عرب پرندوں سے فال لیا کرتے تھے۔ سو **ثمود** والے صالح علیہ السلام کو یہ بتا رہے ہیں کہ ہمیں تو تم سے "**بری فیلنگ**" آتی ہے اور تمہارے ساتھ والے مومنین سے بھی۔ یہ انسان کی ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ جب آپ کو کسی کی بات نہیں ماننی تو اس کو اور اس کے ساتھ موجود تمام ہم خیال لوگوں کو لیبل کر دو۔ ان کو کوئی بھی نام دے دو۔ سیکولر' ماڈرن قسم کے لوگ ایسے **مبلغین** کو "قدامت پسند' دقیانوسی' شدت پسند" کہتے ہیں۔ اور دین والے جن کی عادت ہوتی ہے

دوسرے دین والوں کی ٹانگ کھینچتا، وہ ان کو "کم علم، کم عقل، گناہگار، ناپاک" اور ایسے ہر اس لقب سے پکارتے ہیں جن میں کہنے والے کی پاکیزگی کی نمائش ہو اور بے چارے مبلغ کی تذلیل ہو۔ بہانے۔ سب بہانے ہیں۔ کہ بس کسی طرح حق بات ماننے سے بچ جاؤ۔ اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ تو محض ایک آزمائش ہے۔ ہم خدا نہیں ہیں، پھر خدا کی طرح لوگوں کو جج کیوں کرنے لگتے ہیں؟ ہم خود فرشتے نہیں ہیں، پھر فرشتوں کی طرح لوگوں کے گناہوں اور خامیوں کا حساب کتاب کیوں رکھتے ہیں؟"

سفید صفحہ دھیرے دھیرے بھر رہا تھا۔ اسے لگا آج وہ تلخ باتیں سوچ رہا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ خود بھی تلخ ہوتا جا رہا تھا۔ خاور ٹھیک کہتا تھا۔ وہ اپنی معصومیت کھوتا جا رہا تھا۔

ادھر قرآن فرما رہا تھا۔

"اور شہر میں نو سردار تھے۔ وہ فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں کرتے تھے وہ اصلاح۔ کہا انہوں نے، کھاؤ قسم اللہ کی، البتہ ہم ضرور رات کو اس (صالح) کے اور اس کے گھر والوں پہ حملہ کریں گے اور پھر بعد میں ہم اس کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بے شک ہم ہی سچے ہیں۔"

"نو سردار؟ سبحان اللہ۔" وہ مسکرا کر لکھنے لگا۔ "مکہ میں بھی نو بڑے قبائل تھے اور اسی طرح انہوں نے بھی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چال چلی تھی کہ رات کو ہم وہ ناپاک کام کریں گے اور صبح معصوم بن جائیں گے۔

آج کل کے مبلغین کے لیے بھی لوگ چالیں چلا کرتے ہیں، مگر لوگوں کو ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ "فساد" پھیلانے والے وہی ہوتے ہیں جو خود کسی کی اصلاح نہیں کرسکتے۔

خیر، دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، کہ وہ بھی آپ کے نام کی قسم اٹھا رہے تھے۔ آج بھی لوگ آپ کا نام لے کر، جہاد کا نام لے کر، بے گناہ مسلمانوں اور بے گناہ غیر مسلموں کا قتل عام کرتے ہیں۔ اور دنیا بھر کا میڈیا کہتا ہے، یہ مسلمان ہیں۔ اگر اللہ کا نام لینے سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو صالح علیہ السلام کے دشمن کیوں مسلمان نہ تھے؟ ایسے ہی نہیں ہو جاتا کوئی مسلمان۔

یہ نام مسلمان ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا، اور اس کو "پانے" کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اللہ کے لیے لڑنے والے اور اللہ کا نام لے کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے لڑنے والے برابر نہیں ہوتے۔"

الفاظ جگمگاتے ہیروں کی طرح دودھیا کاغذ پہ بکھرے تھے اور وہ دھیرے دھیرے گویا مزید نگینے پرو رہا تھا۔

"اور انہوں نے ایک چال چلی۔ اور ہم نے کی ایک تدبیر۔ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے، پس دیکھو کس طرح انجام ہوا ان کی چال کا۔ بے شک ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو، اور ان کی قوم کو، سب کے سب کو!"

"استغفراللہ!" اس نے جھرجھری لی اور پھر لکھنے لگا

"اور انبیاء ایسے لوگوں کی چالوں سے نہیں ڈرا کرتے کیوں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ ہر اس چیز سے بڑا ہے جس سے انسان خوف کھاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کی ایک چیخ آئی، اور پھر زلزلہ آیا۔ اور وہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔"

لکھتے ہوئے اس نے قرآن کے جگمگاتے مگر اداس کر دینے والے ان حروف کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"تو یہ ہیں ان کے گھر۔۔۔ جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں۔ یقیناً" اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لیے جو علم رکھتی ہے اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (گناہوں سے) بچتے رہے۔"

سعدی نے چند لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ ایک دم قلم خالی ہو گیا تھا۔ وہ اسی طرح بند آنکھوں کے

ساتھ لبوں سے بڑبڑانے لگا۔

"وہ علاقے.... وہ تباہ حال بستیاں آج بھی زمین پہ موجود ہیں.... ثمود اور عاد کے علاقے.... بالکل بنجر اور ویران۔ کتنی ہی دفعہ سائنس دان ان علاقوں کی مٹی اٹھا کر اپنی لیب میں لے کر آئے کہ ایسا کیا ہے اس مٹی میں جو یہ مردہ ہے' یہاں کوئی چیز نہیں اگتی؟ مگر ہوا کیا۔ اس مٹی سے تابکار شعاعیں نکلتی ہیں۔ اس پہ تجربہ کرنے والے سائنس دان' لیب میں کام کرنے والے ملازم تک کینسر کا شکار ہو گئے۔ جس بھی جگہ وہ مٹی رکھی جاتی' وہ اس جگہ کو گلانے اور جلانے لگتی تھی۔ لوگ کہتے ہیں' وہ مٹی زہریلی ہے' میں کہتا ہوں' یہ گناہ تھے' جو انسان کو ہی نہیں اس کے خاندان' اس کے ملک حتیٰ کہ اس کی مٹی کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ مگر ہم لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے فرمایا کرتے تھے کہ ان علاقوں سے تیزی سے گزر جایا کرو' یا پھر روتے ہوئے گزرا کرو' مگر ہم لوگ.... ہم جاہل لوگ موئن جوڈارو اور ہڑپہ جا کر اسکول ٹرپ کے ساتھ پکنک مناتے ہیں! تباہ حال بستیوں اور کھنڈرات' چاہے ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو' ان پر سے ویسے گزرنا چاہیے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ان پہ تحقیق کرنا' ان کو اسٹڈی کرنا الگ بات ہے' مگر سیر اور پکنک کے لیے ان جگہوں پہ جانا.... مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنے ہولناک کام کتنی آسانی سے کر جاتے ہیں۔"

اور جس وقت وہ ساری دنیا سے بے نیاز لکھے جا رہا تھا' اس سے سینکڑوں ہزاروں میل دور' اپنے آفس میں مرکزی سیٹ پہ بیٹھی جواہرات' مسکرا کر سامنے کھڑے حبشی صورت اور براق سفید دانتوں والے فصیح (ہارون عبید کے ملازم خاص) کو دیکھ رہی تھی جو ہاتھ باندھے کھڑا اطلاع دے رہا تھا۔

"آپ کے کہنے پہ ہم نے سعدی یوسف کو کرنل خاور سے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔ ہارون صاحب' میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے گی یہ بات۔"

"گڈ!" وہ پورے دل سے مسکرائی۔ گھومنے والی کرسی کو ذرا سا گھمایا۔

"خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لیے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا' اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ یہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔"

"یس میم!" اس نے سر کو خم دیا۔ "ہم ان کی باتیں تو نہیں سن سکتے لیکن وہ یہی پلان کر رہے ہوں گے۔"

"مگر ہو سکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔"

فصیح کے ابرو تعجب سے بھینچے۔ "مگر وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"تم کرو گے فصیح!" وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اٹھی اور شیرنی جیسی سفاک آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہوگی۔"

"یہ سب آپ لوگوں کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا' مگر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کہہ رہی ہیں!" پلکیں جھکا کر اٹھاتے ہوئے اس نے تائید کی۔

اس کے جانے کے بعد جواہرات نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا اور مسکراتے ہوئے چھت پہ لٹکتے' جھلملاتے فانوس کو دیکھا۔

زندگی ایک دم کتنی خوب صورت لگنے لگی تھی۔

اس کا بھاری سر ہر بوجھ سے آزاد تھا!

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ 'سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر 'سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔

جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

مکمل ناول

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس 'زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی 'ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم 'خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کررہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم 'خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث 'فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم 'فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ 'زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہوجاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً "بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔ حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایلی بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کران کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات 'زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے 'اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی 'فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کرسکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہوجاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی 'علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے 'کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہوجاتی ہے۔

ہاشم 'علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کرواچکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی

مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔
جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔
فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔
ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔
ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔
اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فورا" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔
تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔
حنین' نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے' وہ کہتی ہے کہ نوشیروا پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔
سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔
سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔
سعدی' زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔
"مثلا" کون؟" زمر نے پوچھا۔
"مثلا"... مثلا" ہاشم کاردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔
زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔
حنین علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔
ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کر لی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔
ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کر دیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔
فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی ۔۔ زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔
زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتی ہے کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔
جیل سے علیشا حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کی علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے وہ ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔
حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کر دیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔
اورنگ زیب نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہو جاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کر دیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کر لیتی ہے۔
زمر' فارس کی طرف سے مشکوک ہے۔ وہ اسے تہ خانے میں بنے کمرے میں جانے سے منع کرتا ہے لیکن زمر نہیں مانتی' وہ کمرے میں جاتی ہے تو وہ دیوار پر کچھ تصویریں لگی دیکھتی ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو فارس کے مجرم ہیں۔
جسٹس سکندر (فارس کے کیس کے جج) وارث غازی کا باس الیاس فاطمی' ڈاکٹر توقیر بخاری' ڈاکٹر ایمن بخاری (فارس کی سائیکالوجسٹ) اور دوسرے لوگ۔۔ فارس کہتا ہے کہ وہ ان سب سے اپنے ساتھ کی گئی ناانصافی کا انتقام لے گا۔
سعدی جب نوشیرواں سے ملنے جاتا ہے تو ڈاکٹر سارہ کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سعدی کو امید ہے کہ ڈاکٹر سارہ نے سب کو بتادیا ہو گا۔
ہاشم نے حنین سے وہ یو ایس بی مانگی جو سعدی نے اس کے لیپ ٹاپ سے چرائی تھی۔ حنین نے دے دی تو زمر اور فارس کو بہت غصہ آتا ہے لیکن حنین بتاتی ہے کہ اس نے اصلی یو ایس بی نہیں دی تھی۔
ہارون عبید مشہور سیاست دان جواہرات کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ ایک اسے ہیرا تحفہ میں دیتے ہیں۔ زمر' احمر کو اپنا کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے۔ احمر ہارون عبید کی الیکشن کمپین چلا رہا ہے۔ آب دار ہارون عبید کی بیٹی ہے۔ جو سعد کے ساتھ پڑھتی رہی ہے۔
فارس' زمر سے کہتا ہے کہ اس نے تین وجوہات کی بنا پر زمر سے شادی کی ہے۔
(1) زمر کے والد کے احسانات (2) شادی کر کے وہ سب کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے' وہ سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔
تیسری وجہ وہ زمر کے اصرار کے باوجود نہیں بتاتا۔
حنین ہاشم کے بارے میں زمر کو بتا دیتی ہے۔ زمر کسی تاثر کا اظہار نہیں کرتی لیکن اسے ہاشم پر بہت غصہ ہے۔ زمر اسے اپنے جرم کے بارے میں بتاتی ہے تو زمر کہتی ہے کہ ایک او سی پی ایک معمولی سی لڑکی کو دھمکی سے بلیک میل نہیں ہو سکتا۔ اس کی موت کسی اور وجہ سے ہوئی ہے۔
سعدی کی یاد میں ایک تقریب منعقد کی گئی ہے' جہاں احمر شفیع' ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری بھی شریک ہیں۔ زمر اور فارس' حنین کو تقریر کرنے کا کہہ کر باہر نکل آتے ہیں۔
ڈاکٹر ایمن بخاری اور ڈاکٹر توقیر بخاری کا نیا تعمیر شدہ شاندار اسپتال جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ فارس اور زمر واپس تقریب میں آجاتے ہیں۔

حنین اور زمر ہاشم کی سیکرٹری حلیمہ کا نام سن کر چونک جاتی ہیں۔
ہاشم سعدی سے کہتا ہے کہ حنین اس کے کہنے پر اس سے ملنے ہوٹل آرہی ہے۔ سعدی پریشان ہو جاتا ہے' پھر ہاشم اس کو فون پر حنین کا پروفائل دکھاتا ہے' تب وہ جان لیتا ہے کہ حنین چھ منٹ پہلے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ چکی ہے جو اس نے اپنے کمپیوٹر میں لوڈ کی تھی۔ سعدی پورے یقین سے کہتا ہے کہ "حنین ہاشم سے ملنے نہیں آئے گی۔" اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاشم تلملا کر رہ جاتا ہے۔
جسٹس سکندر کی ایک ویڈیو جس میں وہ اوسی پی کو قتل کر رہے ہیں۔ ٹی وی چینلز پر چل جاتی ہے۔ یہ وہی ویڈیو ہے جو سعدی نے اوسی پی کے گھر سے حاصل کی تھی۔
زمر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے تو اس کو پتا چلتا ہے کہ اس کا واحد گردہ جو سعدی نے دیا تھا۔ ناکارہ ہو چکا ہے۔

۱۹
انیسویں قسط

حق دفاع از خویشتن

ایک قانون ایسا ہے
جو نہیں ہے کہیں لکھا ہوا
مگر نقش ہے' ہمارے دلوں پر!
وہ قانون جو ہمیں نہیں ملا تربیت' رواج یا کتابوں سے
بلکہ اس کو اخذ اور جذب کیا ہے ہم نے
عین فطرت سے!
وہ قانون جو ہم تک نہیں پہنچا تھیوری سے بلکہ پہنچا ہے عمل سے۔
ہمیں نہیں دیا گیا وہ احکام کے ذریعے
بلکہ سیکھا ہے ہم نے اسے الہام کے ذریعے!
میں بات کر رہا ہوں اس قانون کی
جو کہتا ہے کہ
اگر ہماری جان کو خطرہ لاحق ہو
سازشوں سے' تشدد سے' مسلح حملہ آوروں سے
یا دشمنوں سے' تو کوئی بھی طریقہ
اور ہر طریقہ جو ہم استعمال کریں اپنے دفاع کے لیے
وہ ہوتا ہے اخلاقی طور پہ درست اور جائز۔
جیل کے احاطے میں صبح کی دھند پھیلی تھی۔ بیدار قیدی ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ اپنے میٹرس کے کنارے چپ چاپ اکڑوں بیٹھا تھا۔ جینز کے اوپر سفید کرتا پہنے' دو دن کی بڑھی شیو والے چہرے کے ساتھ' خاموش آنکھوں کو ہاتھوں پر جمائے بیٹھا' وہ انگلیوں پہ مسلسل ربڑ بینڈ لپیٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں گہری مایوسی مگر صبر بسا تھا۔ دفعتاً "کوئی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتا ساتھ آبیٹھا۔ فارس نے چونکے بنا ذرا سی گردن موڑی۔ وہ سکھوں کی سی داڑھی مونچھ والا آتش تھا۔ مسکرا کر اس سے کہنے لگا۔
"پریشان ہو غازی؟"
"نہ ہوں؟" اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔
"تو یار چلا جائے گا یار' فکر نہ کر۔ وہ کیا لکھا ہوتا ہے قانون کی کتابوں میں؟ ملزم قانون کی پسندیدہ اولاد ہوتا ہے۔ قانون میں سارے فائدے اسی کو ملتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ فارس نے جواب نہیں دیا۔ ربڑ بینڈ کو تیزی سے انگلیوں پہ باندھتا' کھولتا رہا۔
"ایک زمانے میں تو بہت نمازیں پڑھتا تھا غازی!"
"اب بھی پڑھتا ہوں۔ کچھ دن پڑھی۔ کچھ دن چھوڑ دی۔" کندھے جھٹک کر کہتے' اس کی نگاہیں ربڑ بینڈ پر جمی تھیں۔
"عادت کیوں نہیں بناتا؟"
"نہیں بنتی۔ کچھ دن دل زندہ رہتا ہے۔ پھر ہفتے گزر

جاتے ہیں اور میں مردہ دل لیے پھرتا ہوں۔" استہزائیہ سر جھٹک کر اب وہ جلدی جلدی ربڑ کو انگلیوں پہ لپیٹ رہا تھا۔

"میں بھی عید کے عید پڑھتا ہوں ویسے تو نماز' لیکن..." آتش کبھنکھار کر اس کے قریب ٹیک لگا کر بیٹھا اور سوچتی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگا۔

"ایمان میرا مضبوط ہے۔ پہلے دن کی طرح۔"

فارس نے اس بات پہ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "دیکھو' کون کہہ رہا ہے۔" آتش اور آتش کی تاریخ سے کون واقف نہیں تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ تیرا ایمان خدایا کمزور ہے۔"

"مجھے اب یقین نہیں آتا آتش! کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں۔" وہ سنجیدگی سے انگلی پہ بل در بل لپیٹتے بولا تھا۔ انگلی کس گئی تھی۔ خون رک گیا تھا۔ آدھی انگلی سرخ اور آدھی سفید پڑنے لگی تھی۔

"ہیں؟" وہ چونکا۔

"اگر خدا ہوتا تو کوئی میرے بھائی کو یوں قتل نہ کرتا' میری بے گناہ بیوی کو نہ مارتا۔ میرے چار سال جیل میں ضائع نہ ہوتے۔ مجھے اب یقین نہیں رہا کہ کوئی خدا ہے بھی یا یہ صرف لوگوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے بنائے گئے مذاہب ہیں۔" وہ تلخی سے بول رہا تھا۔

آتش نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جس کا ڈر تھا' وہ قریب میں ہی بیٹھا تھا۔ "مولوی"۔ وہ داڑھی والا

نوجوان جو چھ ماہ سے ادھر قید تھا' وہیں بیٹھا سنجیدگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ آتش داڑھی کھجاتے ہوئے اس کے قریب کھسکا۔

"آہستہ بول۔ نیا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔"

اس بات پہ فارس نے نظر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا اور اس نوجوان کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

"ہاں بھئی' کوئی مسئلہ ہے تمہیں؟" تیوری چڑھا کر وہ اسے گھور کر بولا۔ اس نوجوان نے گہری سانس لی۔

"پرانی کہانی ہے' مگر سنا دیتا ہوں۔ ایک مومن شخص ایک حجام کے پاس بال بنوانے آیا تو..." وہ متوازن لہجے میں' فارس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہنے لگا۔ "تو حجام نے اس سے کہا" مجھے نہیں یقین کہ کوئی خدا وجود رکھتا ہے' اگر وہ ہوتا تو اتنے بھوکے' بیمار اور دکھی لوگ ایسے بے بسی کی زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔" مومن سن کر چپ رہا' لیکن جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ گلی میں چند ہی پھر رہے ہیں۔ بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی' مونچھ اور الجھے گندے بالوں والے لوگ۔ وہ فوراً اندر واپس آیا اور حجام سے بولا۔

"میرا نہیں خیال کہ اس دنیا میں کوئی حجام بھی ہے۔"

حجام نے حیرت سے پوچھا۔ "مجھ سے بال بنوانے کے باوجود تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟"

تو مومن آدمی نے کہا۔ اگر کوئی حجام ہوتا تو گلی میں گندے بالوں اور بڑھی ہوئی شیو والے لوگ نہ پھر رہے ہوتے۔"

اس بات پر حجام نے کہا... "کہ وہ لوگ اس لیے اس حال میں نہیں ہیں کہ اس شہر میں کوئی حجام نہیں ہے' بلکہ وہ اس حالت میں اس لیے ہیں کیونکہ... وہ میرے پاس نہیں آتے۔"

متانت سے بات مکمل کر کے نوجوان اٹھ گیا۔

آتش کھسیانا ہو کر ہنسا۔

"یہ مولوی بڑی سیانی باتیں کرتا ہے۔" مگر فارس نہیں ہنسا۔ خاموش' سپاٹ نظروں سے اپنی آدھی سرخ' آدھی سفید انگلی کو دیکھتے ہوئے اس نے ربڑ بینڈ

زور سے کھینچ کر توڑ دیا۔ انگلی آزاد ہو گئی۔ خون کا راستہ کھل گیا۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

یہ دکھ ہے اس کا کوئی ایک ڈھب تو ہوتا نہیں
ابھی اندھی رہا تھا کہ جی ٹھہر بھی گیا

وہ ایک دھند میں لپٹی اتوار کی صبح تھی۔ جہاں شہر ابھی تک سستی اور نیند میں ڈوبا تھا۔ وہاں قصر کاردار اندر سے سینٹرلی ہیٹنگ سسٹم کی گرمائش میں بسا'

مکمل طور پہ بیدار تھا۔ ملازم مستعدی سے ادھر ادھر پھرتے کام نپٹا رہے تھے۔ کنٹرول روم میں احمر کافی کے مگ سے گھونٹ بھرتا کمپیوٹر پہ کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جینز پہ ہلکا سویٹر پہنے ہیٹر کے باوجود اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ ہاشم اپنے کمرے میں صوفے پہ نیم دراز، پیر میز پہ رکھے، ساتھ بیٹھی سونیا سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ تیز تیز بولتی، چمکتی آنکھوں سے اسے کوئی قصہ سنا رہی تھی۔

ایسے میں نوشیروان کے کمرے میں بستر خالی تھا۔ لحاف آدھا بیڈ پہ، آدھا زمین پہ لٹک رہا تھا۔ عرصہ ہوا کہ وہ دیر سے اٹھنا چھوڑ چکا تھا۔ نیند اب ویسے بھی مہربان نہیں ہوتی تھی۔ وہ الماری کے سامنے زمین پہ چوکڑی جما کر بیٹھا تھا اور گھٹنوں پہ فوٹو البم کھولے آہستہ آہستہ صفحے پلٹ رہا تھا۔ عام سے ٹراؤزر اور نیلی ٹی شرٹ میں ملبوس، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پہ ویرانی تھی۔

وہ ہاشم کے ولیمہ کی تصویریں تھیں۔ سفید لباس میں دلہن بنی شہری کو دیکھ کر آج دل میں کوئی جذبہ نہ جاگا۔ دفعتاً ایک تصویر پہ وہ رکا۔ آنکھیں سکڑیں۔ وہ اورنگ زیب کے گلے لگ رہا تھا۔ فوٹو گرافر نے ایک ایک لمحہ گویا عکس بند کیا تھا۔ اورنگ زیب قدرے حیران تھے اور شیرو کی آنکھیں نم تھیں۔ اوپر ریلنگ پہ ہاتھ رکھے جواہرات اور سعدی کھڑے تھے۔ جواہرات کا سرخ لباس... وہ اس سرخ رنگ میں اٹک گیا۔ ایک دم جیسے سرخ پانی سا سعدی کے اوپر بہنے لگا... پھر اورنگ زیب کے اوپر... یہاں تک کہ شیرو کے ہاتھ سرخ مائع سے بھیگتے چلے گئے۔

اس نے البم پھینکا اور تیزی سے ہاتھ جھٹکے۔ وہ صاف تھے۔ البم صاف تھی۔ کوئی خون نہیں تھا، کوئی نمی نہیں تھی۔ وہ آنکھیں مسلتا آہستہ سے بیڈ کی طرف واپس آیا اور بیٹھتے ہوئے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ پھر موبائل اٹھایا اور فیس بک پر ان باکس کھول کر "علیشا ریکا کاردار" کو کلک کیا۔

"سو رہی ہو؟" (جانتا تھا اس کی رات گہری ہو گی۔)

"نہیں۔ پڑھائی کر رہی تھی۔" وہ کچھ دیر ٹھہری۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں ڈیڈ کی پرانی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ تمہیں وہ یاد نہیں آتے **علیشا**؟"

"میرا ان سے کبھی کوئی قلبی تعلق نہیں تھا۔"

شیرو کا دل بری طرح دکھا۔ وہ خاموشی سے اسکرین کو دیکھے گیا۔ کچھ دیر بعد **علیشا** کا پیغام چمکا۔ "میں اندر سے ہمیشہ ان کی توجہ کی طلب گار رہی ہوں۔ اکثر خواب میں دیکھتی ہوں کہ وہ زندہ ہو گئے ہیں اور وہ جوان کے مرنے کی خبر سنی تھی، وہ جھوٹ تھی۔"

"میں بھی۔" اس نے لکھتے ہوئے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کدھر گئے؟ اگر بات یونہی ادھوری چھوڑنی ہوتی ہے ہر رات تو مجھے **میسج** کیوں کرتے ہو؟" وہ خفا ہوئی۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ تمہارا حق ہے کہ تم جانو۔" ایک فیصلہ کر کے وہ لکھ رہا تھا۔

شیرو کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکو تو سامنے دھند لکوں کے پار انیکسی ــــ تھی۔ فارس کے کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے حنین فرش پہ بیٹھی تھی۔ چھوٹا کمبل اپنے اوپر پھیلائے، مونگ پھلی کھاتے ہوئے لیپ ٹاپ گود میں رکھے، آج عرصے بعد وہ فراغت سے بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ (نیچے امی اور صداقت نے کچن سنبھال رکھا تھا۔ صداقت بیوی کو فی الحال گاؤں چھوڑ کر ادھر آگیا تھا۔)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ــــــــــ	نساء
میک اپ ــــــــــ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ــــــــــ	موسیٰ رضا

حنین کے قریب زمر کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی، قلم لبوں میں دبائے سوچ میں گم تھی۔ اس کے کھلے گھنگھریالے بال کرسی کی پشت سے نیچے گر رہے تھے اور چھت پہ جمی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔
"یہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔" ایک نہج پہ پہنچ کر اس نے چہرہ سیدھا کیا اور کرسی حنہ کی طرف گھمائی۔
"ہوں!" حنہ نے بغیر غور سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔
"قمرالدین کا قتل اس رات نہیں ہوا۔ خاور کو جب علم ہوا کہ فارس اس رات کچھ کر چکا ہے تو اس نے اگلی صبح قمرالدین کو مروایا اور ڈاکٹر اور گواہوں کو خرید کر موت کا وقت بدل دیا۔ لاش تو اگلی دوپہر ہی ملی تھی نا۔ تم کیا کر رہی ہو؟" آخر میں الجھ کر ابرو بھینچے۔ جواب نہ آیا تو وہ اٹھی اور حنہ کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھی۔
"نوشیرواں۔ علیشا۔۔۔؟" اس نے چونک کر حنہ کا چہرہ دیکھا۔
"وہ۔۔۔ میں نے شیرو بھائی کا اکاؤنٹ Phishing کے ذریعے ہیک کیا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اب اس لوزر کے میسجز پڑھ رہی ہوں۔" پھر زمر کے تاثرات دیکھے۔ "ایسے مت دیکھیں' ان کا علیشا سے رابطہ بحال ہو گیا ہے' مجھے وجہ جاننی ہے۔"
"حنین! ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم کاردارز کے نیٹ ورک کو نہیں چھیڑیں گے۔" زمر سنجیدہ تھی۔
"مگر اب خاور نہیں ہے' تو ڈر کس کا؟" زمر کچھ کہنے لگی تھی پھر گردن موڑ کر دھند میں ڈوبے قصر کو دیکھا۔
"ویسے یہ خاور گیا کہاں؟ عرصے سے نظر نہیں آیا۔" خاور کا ذکر کرتے ہوئے اس کی ٹون سرد ہو جاتی تھی' جیسے ہاشم کے لیے ہوتی تھی۔ سرد اور بے رحم۔ مگر اسے ان لوگوں سے وہ نفرت نہیں محسوس ہوتی تھی جو فارس غازی سے ایک زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ وہ اس کے اپنے نہیں تھے۔ وہ غیر تھے اور فارس سب کچھ تھا' وہ بس غیر نہیں تھا۔
"اوہ گاڈ! یہ پڑھیں۔" حنین تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔ زمر چونک کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔
علیشا: "کیا؟"
نوشیرواں: "ڈیڈ۔۔۔ ہمارے ڈیڈ کو۔۔۔ قتل کیا گیا تھا۔" (زمر کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ حنہ ہکا بکا تھی۔)
علیشا: "کیا معلوم ہوا ہے؟ کس نے قتل کیا ہے ان کو؟"
نوشیرواں: "ہمارے ہی سیکورٹی چیف نے۔" (حنہ نے منہ پہ ہاتھ رکھا)
اسی وقت بجلی چلی گئی اور وائی فائی آف ہو گیا۔ پیغامات کا راستہ رک گیا۔ حنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "وہ سب سے اچھے کردار تھے۔ میرا بہت خیال رکھتے تھے بہت زیادہ۔"
زمر نے ہلکی سی۔ جھرجھری لی۔ "سیکورٹی چیف یعنی خاور نے؟"
حنہ نے ناک سکیڑ کر آنکھیں رگڑیں۔ "دوسروں کے ساتھ جو کرتے تھے' وہ خود اپنے ساتھ بھی ہو گیا۔ اسی لیے انہوں نے خاور کو نکال دیا۔" زمر بے چین ہو گئی "مگر خاور بھلا کیسے۔۔۔؟"
"یہ دنیا کتنی کریزی ہے؟ اور حنین۔۔۔ تمہارا کیا ہو گا؟" حنہ بڑبڑاتے ہوئے چیزیں سمیٹ رہی تھی۔
زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی اورنگ زیب صاحب سے ایک ذہنی وابستگی تھی اور اب وہ اپ سیٹ نظر آ رہی تھی' مگر زمر کو اس بات کو ہضم کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا۔ خاور ایسا کیسے۔۔۔؟ اور وہ گیا کہاں؟

☆ ☆ ☆

تمام عمر تعلق سے منحرف بھی رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پرتعیش فرنیچر سے آراستہ لاؤنج خاموش تھا۔ سیڑھیوں کے اوپر۔۔۔ کمروں کے سامنے بنے فرش پہ آبدار کلائی پہ گھڑی باندھتی چلی آ رہی تھی۔ زرد لباس

پہ سرخ اسکارف چہرے کے گرد لپیٹے 'وہ ابرو اکٹھے کیے قدرے خفا لگتی تھی۔

دفعتاً" اسٹڈی کے سامنے وہ ٹھٹک کر رکی۔ اچنبھے سے دروازے کو دیکھا جو ذرا سا کھلا تھا۔ اندر سے مدھم باتوں کی آواز آرہی تھی۔

آبی خاموشی سے دروازے کے قریب آئی اور درز سے اندر جھانکا۔ اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پہ بیٹھے ہارون کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سامنے کھڑے حبشی صورت فصیح سے مخاطب تھے اور فصیح اس طرح کھڑا تھا کہ آبی کے بالکل سامنے تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر درز میں سے جھانکتی آبی کو دیکھا اور پھر بنا کسی تاثر کو چہرے پہ لائے ہارون سے کہنے لگا۔

"میں کام کی بات کی طرف آتا ہوں۔" آواز ذرا بلند کرلی 'وہ جیسے آبی کا ہی انتظار کررہا تھا۔

"مسز جواہرات چاہتی ہیں کہ میں خاور اور سعدی یوسف 'دونوں کو قتل کردوں 'ایسے جیسے سعدی کو خاور نے قتل کرکے خودکشی کرلی ہو۔ ہاشم کو علم نہ ہو 'کیونکہ ان کی اس لڑکے کے ساتھ ایموشنل اٹیچ منٹ ہے۔"

"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "کچھ معلوم ہوا کہ خاور کو کیوں قید کیا گیا ہے؟"

آبی نے سانس روک کے چہرہ مزید آگے کیا۔ (ہامان؟)

"نہیں سر۔ اس نے رقم میں غبن کیا ہے 'یہی بتایا تھا ہاشم صاحب نے۔ اس سے تفتیش کرنے صرف رئیس جاتا ہے۔ میرے بندے اندر ہونے والی گفتگو سے لاعلم ہیں۔"

آبی الجھن سے لب کاٹنے لگی۔ (سعدی نے کیسے؟)

"اور مسز کاردار چاہتی ہیں کہ ہم ان دونوں کو ختم کروادیں؟"

"جی سر! کیونکہ لڑکا بے کار ہے 'اس پہ اتنا پیسہ خرچ کرنے کا فائدہ نہیں۔ اور رہا خاور تو ہم دو ماہ سے اس پہ بھی خرچا کیے جارہے ہیں۔ ہاشم کاردار کے پاس اپنی کتنی ہی جیلیں ہیں 'مگر نہیں 'وہ چاہتے ہیں کہ صرف ہمارا پیسہ لگے۔" فصیح شدید ناخوش تھا۔

"ہوں! تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ فیصلہ کرچکے تھے۔ گہری سانس لے کر کہنے لگے۔ "تم ان دونوں کو ختم کردو 'مگر آرام سے اور احتیاط سے۔ ہاشم کو نہیں پتا چلنا چاہیے۔ مسز کاردار کو ہماری مدد چاہیے تو ہم ان کی مدد کریں گے۔"

آبی نے دکھ سے باپ ـــ کی پشت کو دیکھا اور پھر پرے ہٹ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں اُتر رہی تھی جب فصیح پیچھے سے چلتا آیا۔

"میم!" آبی مڑی اور ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"آپ کیا کہتی ہیں؟" آبی نے گہری سانس لے کر شانے اُچکائے۔

"وہی جو تب کہا تھا جب تم نے بتایا تھا کہ مسز کاردار نے رازداری سے تمہیں اپنے آفس میں بلایا ہے۔ میں نیوٹرل ہوں۔ جو تمہیں کہا جارہا ہے 'تم وہی کرو۔"

"اوکے!" اس نے سر کو خم دیا۔

"مگر کیا تم نے وہ کیا جو میں نے تمہیں کرنے کو کہا تھا؟"

فصیح نے سرہلا کر اپنی ٹائی پہ لگی ٹائی پن اتاری 'جو اندر کی طرف سے ننھے یو ایس بی پلگ جیسی تھی اور جیب سے دوسرا ٹکڑا نکال کر اس کے ساتھ جوڑا۔

"مسز کاردار کا پورا حکم بمع ان کی ویڈیو ریکارڈ ہوچکا ہے۔ چونکہ ملاقات خفیہ تھی 'اسی لیے مجھے سیکورٹی پروٹوکول سے نہیں گزرنا پڑا 'اگر گزرتا تب بھی میں یہ کام کرلیتا۔" ادب سے اطلاع دی۔ ریڈ رائیڈنگ ہڈ نے اس ٹائی پن کیمرے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا 'پھر پُرسوچ مگر گہری نظر فصیح پہ ڈالی۔

"کیا اس کو معلوم ہے کہ فارس غازی جیل میں ہے؟"

"نہیں 'ہاشم کاردار نے یہ خبر اس سے چھپانے کا حکم دیا ہے۔"

"اوکے!" وہ مسکرا کر زینے اترنے لگی۔ "ہاشم کے احکامات مجھ پہ لاگو نہیں ہوتے۔ یہ بات میں اسے خود بتا دوں گی۔"

"آپ؟" وہ حیران ہوا۔ "آپ کو دوبارہ اس سے کیوں ملنا ہے؟"

"کیا مطلب کیوں ملنا ہے؟ میں تم لوگوں کو وکیل کا نام دوں گی' بدلے میں وہ مجھے انٹرویو دے گا۔ یہی ڈیل ہوئی تھی نا ہماری؟ اس نے وکیل کا نام میرے کہنے پہ دے دیا ہے' مگر میرا انٹرویو ابھی ادھار ہے۔ میں کچھ کام مکمل کرلوں' پھر اس کے پاس جاؤں گی۔ تب تک اس کی موت کو ٹالے رکھنا۔"

ایک مٹھی میں ٹائی پن دبالی اور دوسرے ہاتھ سے کسی شاہزادی کی طرح اسے جانے کا اشارہ کیا۔ تخلیہ۔ اور وہ سر کو جھکا کر خم دیتا زینہ اتر تا گیا۔

☼ ☼ ☼

سحر ہوئی تو مرے گھر کو راکھ کردے گا
وہ اک چراغ جسے رات بھر بچایا ہے

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ نائٹ بلب جل رہا تھا اور سعدی آنکھوں پہ بازو رکھے بستر پہ لیٹا تھا۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کاغذوں کے پلندے عجیب بے ترتیبی پھیلائے دکھائی دیتے تھے۔ دفعتاً" دروازہ بجا۔ وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے بنا خفگی سے اونچی آواز سے بولا۔

"میں نے منع کیا ہے نا میری اکہ مجھے ناشتا نہیں کرنا۔ جان چھوڑ دو اب!" مگر دروازہ آہستہ سے کھلا اور پھر بند بھی ہوگیا۔ سعدی نے بازو ہٹایا اور اندھیرے میں پلکیں جھپکا کر دیکھا۔

چوکھٹ میں خاور کھڑا تھا۔ سعدی بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور دو قدم قریب آیا تو چہرہ واضح ہوا۔ نیلوں نیل' زخمی چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"تم ادھر کیسے؟" وہ بے اختیار چوکنا سا ایک قدم پیچھے ہٹا۔ گھٹنوں کی پشت بیڈ سے ٹکرائی۔

"مجھے اس کمپاؤنڈ میں کھلا پھرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ زنجیریں بھی کھول دی گئی ہیں۔ آج زخموں پہ مرہم بھی لگایا گیا ہے اور اچھا کھانا بھی ملا ہے۔" مونچھوں تلے اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے محسوس بھی نہ ہوتے تھے اور آنکھیں سرخ انگارہ سی سعدی پہ گڑی تھیں۔

"گڈ! یعنی ہاشم کو تمہاری بے گناہی کا احساس ہو گیا اور اب تم رہا کردیے جاؤ گے؟" وہ محتاط سا ہو کر مزید دائیں طرف سرکا۔

"ڈرو نہیں بچے! میں تمہاری جان نہیں لوں گا۔ یہ کام ہارون عبید کے آدمی کردیں گے۔"

"دیکھو' اگر تو یہ تمہارا کوئی گیم ہے' تو میں..."

"غور سے سنو بے وقوف!" وہ آگے آیا اور اس کا کالر پکڑ کر اس کو جھٹکا دیا۔ "یہ ہم دونوں کو مارنے والے ہیں۔ میرا یہاں رہنا بے سود ہے اور تمہیں یہاں مرنے دیا تو میری گواہی کون دے گا؟"

"ہاشم مجھے کبھی نہیں مارے گا۔" اس نے ناگواری سے کالر چھڑایا۔

"ہا!" وہ ہنسا۔ "ہاشم کا یہاں صرف ایک وفادار آدمی تھا... میں! تمہارا شکریہ' اب یہاں ہاشم کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس لیے... جس مقصد کے لیے تم نے مجھے اندر کروایا ہے' میں وہ پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے ساتھ بھاگو گے یہاں سے؟"

"اچھا؟ تو تمہاری لاش کہاں ہے' جس کے اوپر سے گزر کر تم نے میری مدد کرنا تھی؟" سعدی نے ادھر ادھر دیکھ کر جیسے کچھ تلاش کرنا چاہا۔ پھر طنزیہ سر جھٹکا۔ "میری آفر ایکسپائر ہو چکی ہے' خاور۔"

"تمہیں مجھ پہ بھروسا نہیں ہے نا۔" خاور قریبی دیوار سے ٹیک لگائے اس کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"اور کیوں کروں میں بھروسا؟ راتوں رات تم اتنے اچھے ہوگئے کہ میری جان بچانا چاہتے ہو؟"

"نہ میں اچھا ہوا ہوں' نہ تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ نہ میں ہاشم کا ردار کی طرح لفظوں کے ہیر پھیر میں اچھا ہوں۔ میں نے اتنے سال ہاشم سے بھی صرف

صاف باتیں ہی کی ہیں' صاف اور کھری۔ اس لیے تمہیں بھی اپنا پلان صاف صاف بتا دیتا ہوں۔" جذبات سے عاری آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں لے کر ہاشم کے پاس جاؤں گا' تم میرے حق میں گواہی دو گے' اصل قاتل کا نام بتاؤ گے' اور پھر میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔"

"واؤ۔" سعدی کے ابرو ستائش سے اٹھے۔

"مطلب کہ مجھے آخر میں مرنا ہی ہے تو میں یہاں کیوں نہ مروں؟"

"کیونکہ میرے ساتھ تم آزاد ہو گے' تمہارے پاس ایک فیصد چانس ہو گا مجھ سے پیچھا چھڑا کر بھاگنے کا۔ تم یقیناً" چانس لینا چاہو گے۔"

"اب مجھے تم سے امید نہیں رہی۔ ہامان کو سولی تک لانا بے سود تھا۔" کرسی کھینچ کر بیٹھا اور لیمپ جلایا۔ کمرہ اچھا خاصا روشن ہو گیا۔ اب وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتے اپنے کاغذ ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

"میں نے ہاشم کو کبھی ڈاکٹر سارہ کے بارے میں نہیں بتایا۔"

سعدی کے ہاتھ ایک دم ساکت ہوئے۔ رگوں میں خون بھی جم گیا۔ اس نے چونک کر خاور کو دیکھا۔ وہ ان ہی سرد تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کیا مطلب؟" سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔

"اس رات جب نوشیرواں نے تم پہ حملہ کیا تھا تو تم ڈاکٹر سارہ کے ساتھ تھے۔ تم نے میسج ڈیلیٹ کر دیے تو کیا ہوا؟ میں خاور ہوں۔ کرنل خاور مظاہر حیات۔ تمہارے میسجز ری کور کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ اسی رات میں نے تمہارا واٹس ایپ دوبارہ کھولا اور سب ری کور کر لیا' مگر ہاشم کو نہیں بتایا۔"

سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "مگر تم غلطی کر گئے ہو۔ میں نے ڈاکٹر سارہ کو بلایا ضرور تھا' مگر وہ نہیں آسکی تھیں۔"

"تم اب پہلے سے بہتر جھوٹ بول لیتے ہو۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا' تم اپنی معصومیت کھوتے جا رہے ہو۔ سارہ نہ صرف وہاں آئی تھی بلکہ اسی نے پولیس کو بلایا تھا۔ پریشان نہ ہو' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' نہ بتاؤں گا۔"

سعدی غصیلی نگاہوں سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ کیا کہے۔

"اس لیے نہیں کہ میں ہاشم کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ بلکہ دو وجوہات تھیں۔ پہلی' سارہ کبھی گواہی نہ دیتی۔ وہ خطرہ نہیں تھی۔ پھر بھی میں ایک روز اس سے ملا تھا۔ تمہاری گمشدگی کے تیسرے روز۔ اور میں نے اس کو اتنے اچھے طریقے سے دھمکایا (سعدی کی مٹھیاں بھنچیں' چہرہ سرخ ہوا) اور یہ کہا کہ سعدی مر چکا ہے' اور اس کو اس کی بچیوں کی دھمکی بھی دی' ساتھ یہ تسلی بھی دی کہ ہاشم کو نہیں بتاؤں گا اس کا نام۔۔۔ کہ وہ کسی کو کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے اس نے مجھ سے ملاقات کا تذکرہ اپنے فرشتوں سے بھی نہیں کیا ہو گا۔" یہ کہہ کر پھر گہری سانس لی۔

"دوسری وجہ! میں چاہتا تھا ہاشم تمہیں مار دے' یوں ہر گواہ ختم ہو جاتا' لیکن اگر ہاشم کو یہ پتا چلتا کہ ایک گواہ اور بھی ہے تو تمہیں مارنے کا فائدہ نہ ہوتا اور وہ تمہیں چھوڑ دیتا۔ دونوں گواہوں کو ایک ساتھ مارنا دانش مندی نہ تھی' ویسے تم جو بھی سمجھو مجھے' میں ایک کمزور' بے قصور عورت کو مارنے کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ فارس کی بیوی نے ہماری باتیں سنی تھیں' اس کا قصور تھا اور ڈی اے کو بھی تو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہے' بے قصور وہ بھی نہیں تھی سو۔۔۔"

سعدی بھڑک کر آگے بڑھا اور زور کا ایک مکا اسے رسید کیا' مگر خاور پھرتی سے بائیں طرف ہوا اور سعدی کا مکا دیوار پہ جا لگا' اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' خاور نے کمال تیزی سے اس کے دونوں بازو پیچھے موڑ کر اس کو دیوار سے لگایا اور اس کے کان میں غرایا۔

"تمہیں لڑنا نہیں آتا۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ادھر مرنا ہے تو مرو۔ میں اپنی بے گناہی

ثابت کرنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈلوں گا' لیکن اگر میرے ساتھ آنا ہے تو دو دن کے اندر اندر مجھے بتاؤ۔ میری آفر محدود مدت کے لیے ہے۔"

وہ بازوؤں کے مروڑے جانے پہ زور سے کراہا تھا۔ خاور نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا اور دروازہ کھولتا تیزی سے باہر نکل گیا۔ سعدی اپنی دائیں کلائی پکڑے' غصے اور بے بسی سے گہرے گہرے سانس لیتا وہیں دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ اس کے کان سرخ اور چہرہ سفید پڑا تھا۔ پہلی دفعہ اسے اس قید خانے میں اپنا آپ غیر محفوظ لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

بدن کو برف بناتی ہوئی فضا میں بھی
یہ معجزہ ہے کہ دست ہنر بچایا ہے

انیکسی کے کچن میں ناشتے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت بھاگ بھاگ کر سارے کام نپٹاتا پھر رہا تھا۔ کف والی شلوار قمیص پہن رکھی تھی' اور کوئی خوشبو بھی لگا رکھی تھی شاید۔

کچن کی گول میز پہ دوپہر کے لیے سبزی کاٹتی ندرت نے نگاہیں اٹھا کر عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔ "تمہارے گاؤں جانے میں ابھی چار دن ہیں۔ ایسے بھاگ بھاگ کر کام کر رہے ہو جیسے شام کی ٹرین چھوٹنے والی ہو۔"

وہ شرمندہ ہو گیا۔ "نہیں جی' میں تو سوچ رہا تھا کہ... سعدی بھائی ہوتے تو کتنی خوشی سے میری شادی میں شرکت کرتے۔" جلدی سے بات بنائی۔ پھر ندرت کی طرف پلٹا۔ "پتا ہے جی' میری گھر والی کے نانا بڑے اللہ والے ہیں میں نے ان سے سعدی بھائی کے لیے دعا کروائی تھی۔ وہ کہتے ہیں باجی کہ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کرنے والا ہے۔"

"اور اگر سعدی یہاں ہوتا تو پتا ہے کیا کہتا؟" سبزی کاٹتے انہوں نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ لمحے بھر کے لیے منظر بدلتا گیا۔ اردگرد دیواریں' فرنیچر سب ڈھلتا گیا... چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں رات کے وقت بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی شور مچا رہا تھا۔ ندرت ہاتھ میں ریموٹ پکڑے' اسامہ کو مسلسل خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھیں۔ ساتھ میں کبابوں کے آمیزے سے ٹکیاں بنا بنا کر ٹرے میں رکھتی جا رہی تھیں۔ اس آمیزے کو چکھنے کی جسارت کرنے والے اپنے تینوں بچوں کے ہاتھوں پہ باری باری ریموٹ مار کر ان کو پرے ہٹا چکی تھیں۔ "میری اولاد مجال ہے جو آٹھ بجے والے ڈرامے کے دوران خاموش رہے۔ پورے دن کے کام کاج کے بعد صرف ایک آٹھ بجے والا ڈراما دیکھتی ہوں میں' مگر نہیں۔ اتنا شور کرتے ہیں کہ حد نہیں۔" یہ الفاظ گالیوں اور لعن طعن سے سجا کر وہ بار بار ڈانٹتے ہوئے دہرا رہی تھیں' مگر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ حنہ پیر اوپر کر کے لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے بیٹھی' ہیڈ فون چڑھائے' کسی کورین آئیڈل کا شو دیکھتی ہنستی جا رہی تھی۔ سیم اپنے ہوم ورک کی کتابیں پھیلائے مسلسل اونچی آواز میں سعدی سے باتیں کر رہا تھا جو صوفے پہ پیر لمبے کر کے لیٹا' کشن سر تلے رکھے' موبائل پہ لگا تھا اور ساتھ ساتھ اسامہ کو جواب بھی دے رہا تھا۔

"ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ایک سورۃ کا ترجمہ یاد کرنے کو تو دیا ہے ٹیوشن ٹیچر نے۔ کر لو نا۔"

"بھائی! ابھی ہماری عمر تو نہیں ہے ترجمہ یاد کرنے والی۔" وہ منہ ٹیڑھا کر کے دہائی دے رہا تھا۔ غالباً" کسی کلاس فیلو کی باتوں سے متاثر ہو کر کہہ رہا تھا۔ سعدی نے نظر اٹھا کر اسے ذرا سا گھورا اور اسامہ فوراً" ہل ہل کر رٹا لگانے لگا۔

"اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔
بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔
پس بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔
تو جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کریں۔
اور اپنے رب کی طرف دل لگائیں۔"

سیم یاد کر رہا تھا۔ ندرت جو تب بھی نہیں اٹھا سکتی تھیں کہ قرآن پڑھ رہا تھا' بس تلملا کر کہنے لگیں۔ "اندر جا کر پڑھ لو اسامہ۔ میرا ڈراما نکل رہا ہے۔"

مگر سعدی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ "دو تنگی کے بعد آسانی ہے؟ یہ آیت قرآن میں نہیں ہے۔" اب کے اسامہ اور خود ندرت نے بھی رک کر اسے دیکھا تھا۔ حنین نے ہیڈ فون کے باوجود سنا تھا' مگر سر جھٹک کر اسکرین کی طرف متوجہ رہی۔ (بس! اب شروع ہوا سعدی بھائی کا کوئی نیا فلسفہ۔)

"بھائی! یہ میرے پاس ترجمے میں لکھا ہوا ہے۔" سیم تو بُرا مان کر گیا تھا۔ سعدی نے گہرا سانس لے کر موبائل پرے رکھا اور اٹھ کر بیٹھا۔ سنجیدگی سے ماں کو دیکھا (جو آدھی اس کی طرف' باقی آدھی ٹی وی کی طرف متوجہ تھیں)

"دو تنگی کے بعد آسانی ہے؟ یہ اللہ نے کبھی نہیں فرمایا۔ ترجمہ غلط لکھا ہے۔ کچھ لوگ اس آیت کو نادانستگی میں غلط بولتے اور لکھتے ہیں۔" ذرا سا رک کر کہنے لگا۔ "سورۃ الانشراح کی پانچویں آیت ہے" ان مع العسر یسرا۔" بے شک تنگی کے "ساتھ" آسانی ہے۔ بعد نہیں' ساتھ!"

ندرت ڈھیلی پڑیں۔ "ہاں تو ایک ہی بات ہوئی نا۔" یہ کہہ کر ٹی وی کے قریب والے صوفے پہ جا بیٹھیں۔ کبابوں کے آمیزے والی پرات اور خالی ٹرے بھی وہیں رکھ لی۔

"ایک بات نہیں ہے۔ ایک بات ہوتی تو اللہ "مع" (ساتھ) کے بجائے "بعد" کا لفظ استعمال کرتا' مگر اللہ کا قرآن اتنا پرفیکٹ ہے کہ حد نہیں۔ یہ دو آیات تو میری فیورٹ ہیں۔"

اور حنین یوسف نے (اف) کراہ کر رخ پورا موڑ لیا۔ سعدی نے مایوسی سے اسے دیکھا اور پھر ماں کو جو ٹکیاں بناتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہی تھیں اور پھر سیم کی طرف چہرہ گھمایا' جو واقعی متوجہ تھا۔ چلو' کوئی ایک تو متوجہ تھا۔ سعدی کو حوصلہ ملا۔ اہل قرآن کو کوئی سنتا نہیں' ورنہ وہ تو بول بول نہ تھکیں۔

"یہ آیت اس سورۃ میں دو دفعہ آئی ہے۔ ایک ساتھ۔ یعنی دہرائی گئی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے سیم! یہ کیوں دہرائی گئی ہے؟" دبے دبے جوش سے وہ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میری مس کہتی ہیں قرآن میں باتوں کو... زور دینے کے لیے دہرایا جاتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ تاکید کے لیے آیات دہرائی جاتی ہیں' مگر ان دو آیات کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ ٹھہرو! میں تمہیں پہلے یہ آیت سمجھاتا ہوں۔ ان مع العسر یسرا۔ "اِنّ" کا مطلب ہے "بے شک" یعنی جو بات آگے بتائی جا رہی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ "مع" کا مطلب ہے "ساتھ"۔ شادی کارڈز پہ لکھا ہوتا ہے نا "بمع اہل و عیال" یعنی گھر والوں کے "ساتھ" آئیں۔ یہ وہی "مع" ہے۔ تیسرا لفظ "عسر" ہے یعنی "تنگی"۔ پریشانی' مشکل' کٹھن حالات۔ چوتھا لفظ ہے "یُسرا" یعنی آسانی۔ ان مع العسر یسرا۔ بے شک... ساتھ ہے... تنگی کے... آسانی۔ سمجھ آیا؟"

سیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او کے۔ اب دیکھو۔ اگلی ہی آیت میں پھر ان الفاظ کو دہرایا جاتا ہے۔ فان مع العسر یسرا۔ پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بات ختم۔ ہے نا؟ مگر نہیں۔ اللہ کا قرآن بہت امیزنگ ہے۔" ذرا دیر کو مسکراہٹ دبا کر وقفہ دیا۔ حنین ہیڈ فون اتار کر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی اور ندرت گو کہ ٹی وی کو ہی دیکھ رہی تھیں' مگر آواز ہلکی کر دی تھی۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ "اگر یہ آیت ایک ہی دفعہ ہوتی تو اس کا مطلب ہوتا کہ "تنگی کے ساتھ آسانی ہے" مگر دہرائے جانے کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس تنگی کی بات دونوں آیات میں ہوئی ہے' وہ "ایک" ہی ہے' مگر اس کے ساتھ دو دفعہ جس آسانی کی بات ہوئی ہے' وہ دو مختلف آسانیاں ہیں۔"

"مگر اس سے مطلب کیسے بدلا؟" حنہ کو اب بھی نہیں سمجھ میں آیا تھا۔

"ایسے کہ بے شک ایک تنگی کے ساتھ ایک آسانی ہے' پھر "اسی" تنگی کے ساتھ "ایک اور آسانی" ہے۔ دونوں آیات میں ایک ہی تنگی کی بات ہو رہی ہے' مگر

ان کے ساتھ جڑی آسانیاں الگ الگ ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ لوگو! تم پر جب کوئی ایک مشکل آئی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہم تمہیں ایک آسانی بھی دیتے ہیں' اور پھر "اسی" مشکل کے ساتھ ایک دوسری آسانی بھی دیتے ہیں۔ اس کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے' بلکہ دہرانے سے اس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ مشکل ایک ہی ہو گی' مگر انسان کو اس کے ساتھ بار بار مختلف آسانیاں بھی ملیں گی۔ ایک مشکل' مگر کئی آسانیاں۔ ایک عسر' مگر ایک سے زیادہ یسر۔ ہم مشکل حالات میں انتظار کرتے ہیں کہ بھئی تنگی کے "بعد" آسانی آئے گی' مگر آسانی تو اللہ تنگی کے "ساتھ" ہی دیتا ہے۔ ہم انسان مشکل کو دیکھتے اور اسی کو سوچتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ عطا کردہ ڈھیروں آسانیاں بھول جاتے ہیں۔ قرآن کی ایک ایک آیت اتنی امیزنگ ہے کہ اس پہ غور کرنے کے لیے ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کم لگتی ہے۔ اگر ہم مسلمان فیس بک' اور ٹی وی سے باہر نکلیں تو ہمیں وقت ملے..... اچھا اچھا' میں آپ لوگوں کو نہیں کہہ رہا۔"

ساتھ ہی جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے' کیونکہ اسکرینز کے آگے جمی ماں' بہن جو پہلے توجہ سے سن رہی تھیں' اب ایک دم آنکھوں سے انگارے اگلنے لگی تھیں۔

سبزی کاٹتی ندرت کی انگلی پہ کٹ لگا تو وہ چونکیں۔ منظر لمحے بھر میں بدل گیا۔ وہ انیکسی کے اوپن کچن میں بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ حنہ بیٹھی سوچتے ہوئے کچی مٹر اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ ندرت نے زور سے اس کے ہاتھ پہ چپت لگائی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے' تم ایسے مت کھایا کرو' بے برکتی ہوتی ہے۔"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وہ ٹھیک کہتا تھا۔" سر جھٹک کر زخمی مسکراہٹ کے ساتھ آلو چھیلنے لگیں۔ "ان دنوں میں ہر وقت سوچتی تھی کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہوا' ایک بھائی مارا گیا' دوسرا جیل میں ہے۔ میں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ میرے دو بیٹے تو میرے پاس تھے۔ جب سعدی..... جب سعدی نہیں رہا تو بھی میں نے یہ نہیں شکر کیا کہ فارس تو ہمارے پاس تھا۔ ہم اکیلے تو نہیں تھے۔ اب وہ بھی نہیں ہے۔ ناشکری نعمتوں کو گھٹاتی ہے۔" وہ شاید خود سے بول رہی تھیں۔ "مگر اب ہم سب کو مظلوموں والی خود ترسی سے نکلنا چاہیے۔ سعدی نہیں ہے' فارس نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میرا ایک بیٹا تو ہے۔ ایک نکمّی بیٹی تو ہے میرے پاس۔" اور حنین جو بڑے پیار سے اور دکھی دل سے سن رہی تھی' آخری الفاظ پہ تو مانو پتنگے ہی لگ گئے۔

"ہاں بس' میں یہی سوچ رہی تھی کہ آج امی نے پورا پیراگراف بول دیا' مگر میری بُرائی نہیں کی' طبیعت تو ٹھیک ہے!! مگر بہت شکریہ' تسلی کروادی آپ نے میری!" غصے سے تن فن کرتی وہ اٹھ گئی۔

ندرت پیچھے سے مسلسل اس کو سخت سست سنا رہی تھیں۔ "ایک ہفتے کی بات تھی' میرا سارا گھر الٹ کر رکھ دیا' کچھ بھی ڈھنگ سے صاف نہیں کیا' پھوہڑ لڑکی۔"

☼ ☼ ☼

سنا یہ ہے کہ سبک ہو چلی ہے قیمتِ حرف
سو ہم بھی اب قدوقامت میں گھٹ کے دیکھتے ہیں

سوموار کی صبح شہر کی سڑکوں پہ کاروبار زندگی از سر نو شروع ہو چکا تھا۔ ریسٹورنٹ میں ہلکا پھلکا رش تھا۔ ایسے میں اسامہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور اوپری ہال کا دروازہ کھولا۔ ہال کی شیشے کی دیوار سے نیچے سڑک پہ بہتا ٹریفک صاف دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکی کے قریب ایک دیوار پہ چند کاغذات چسپاں تھے۔ ایک سیاہ کوٹ اور ٹائی والا نوجوان ان کاغذات کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا۔ ایک سیاہ کوٹ والی لڑکی بڑی میز کے کنارے بیٹھی چائے پیتے ہوئے سن رہی تھی اور سامنے کرسی پہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی زمر دیوار پہ لگی تصویروں کو دیکھ کر سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "نہیں۔ یہ بھی نہیں۔"

"السلام علیکم!" سیم نے پکارا تو زمر نے گردن موڑی' مسکرا کر اس کو قریب بلایا۔ وہ باقی دونوں وکلا کو

بھی سلام کرتا شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ زمر کے ساتھ آبیٹھا۔

"آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

وہ بال باندھے' سیاہ کوٹ میں ملبوس تھی۔ ناک کی سنہری نتھ دمک رہی تھی اور بھوری آنکھیں پرُسوچ انداز میں دیوار پہ مرکوز کر رکھی تھیں۔ "ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ قمرالدین مقتول کا قاتل ان سب لوگوں میں سے کون ہونا چاہیے۔" سیم نے گردن موڑ کر ان تصاویر کو دیکھا۔

"قمرالدین کی گولڈ جیولری شاپ تھی۔ پیسے والا آدمی تھا۔ نگینوں کی غیر قانونی اسمگلنگ جیسے الزامات کے باعث جیل گیا تھا۔" وہ نوجوان وکیل بتا رہا تھا۔ "اس کو مارنے کے لیے بہت سے لوگوں کے پاس بہت سی وجوہات ہو سکتی تھیں۔"

اسامہ قدرے پرُجوش ہوا۔ "یعنی کہ ہم اصل قاتل ڈھونڈ کر پولیس کے حوالے کر دیں' تو ماموں چھوٹ جائیں گے؟"

وہ تینوں ایک دم سے اسے دیکھنے لگے۔ سیم قدرے جزبز ہوا۔

"اصل قاتل کی پرواہ کسے ہے سیم؟ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ قاتل تک پہنچنا پولیس کا کام ہے۔"

"تو پھر ان لوگوں میں سے آپ لوگ قاتل کیوں ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔؟" وہ الجھا۔

"سیم' وہ لوگ فارس پہ جھوٹا الزام لگا رہے ہیں' ہمیں اس جھوٹ کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"سچ کے ساتھ!" وہ پھر سے پرُجوش ہونے لگا۔

"نہیں سیم! کورٹ میں مقابلہ سچ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ یہاں جھوٹ سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے جھوٹ کے ساتھ۔ الزام سے لڑا جاتا ہے اس سے بڑے الزام کے ساتھ۔"

"یہ کورٹ ہے بیٹا!" نوجوان وکیل مسکرا کر گویا ہوا۔ "یہاں ایک سچ ثابت کرنے کے لیے ایک سو ایک جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔"

"مطلب۔۔۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" سیم نے پھر سے زمر کو دیکھا۔

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا۔ برڈن آف پروف (عدالت کے سامنے ثبوت ڈھونڈ کر لانے کی) ذمہ داری استغاثہ پہ ہوتی ہے' استغاثہ (پراسیکیوشن) وہ ہوتا ہے جو الزام لگاتا ہے۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ کسی ملزم کو قاتل ثابت کرنا بہت مشکل' اس کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ قانون ہر شک کا فائدہ ملزم کو دیتا ہے۔ ہم نے صرف بیٹھ کر پراسیکیوٹر کے الزامات سننے ہیں اور پھر ان کے کیس میں رتی برابر شک پیدا کرنا ہے۔ جو گواہ وہ پیش کریں گے' ہمیں ان کو ڈس کریڈٹ کرنا ہے' ان کی عزت بھری کچہری میں مجروح کرنی ہے۔ جو ثبوت وہ پیش کریں گے' اس ثبوت کے اوپر اتنے شکوک و شبہات کی کیچڑ اچھالنی ہے کہ وہ دفن ہو جائیں اور پھر ہمیں ایک اور suspect (مشتبہ شخص) عدالت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ کسی اور شخص پہ شک و شبہ ڈال کر اس پہ قاتل ہونے کا ان ڈائریکٹ الزام لگانا ہے' وہ اتنا بڑا نہیں ہو گا کہ وہ دوسرا مشتبہ شخص گرفتار ہو سکے' مگر اتنا ضرور ہو گا کہ فارس کا مجرم ہونا مشکوک ہو جائے۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ کورٹ میں جھوٹ بولنے کے خلاف ہیں۔" سیم کے چودہ سالہ مسلمان دل کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔

"میں' بلکہ ہر قانون کا احترام کرنے والا شخص پرجری کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم اٹھا کر کٹہرے میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولنا یعنی پرجری کرنا بہت بڑا جرم ہے' مگر وکیلوں کو ایسا کوئی حلف نہیں لینا ہوتا سو وکیل اپنے موکل کے دفاع کے لیے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" ذرا سے شانے اچکا کر بولی۔ سیم نے باری باری ان تینوں کے مطمئن چہرے دیکھے اور پھر دیوار پہ لگی تصویروں کو۔

"Is That Right" (کیا یہ صحیح ہے؟)

"It's Legal" (یہ قانونی ہے) زمر نے پھر شانے اچکائے تھے۔ "اگر ایک آدمی اپنی زندگی بچانے

کے لیے اپنے اوپر حملہ آور شخص کو قتل کردے' تو اس کو سیلف ڈیفنس (دفاع ذات) کہتے ہیں' جو قانوناً" اور شرعاً" گناہ نہیں ہے۔ زندگی انسانوں کے پاس اللہ کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ اس کو بچانے کے لیے انسان اپنا ہر ممکن دفاع کرتا ہے اور ہم یہی کررہے ہیں۔ ہم فارس کے ڈیفنس لائرز ہیں۔ دفاعی وکیل۔"

اسامہ سے اب مزید ہضم کرنا مشکل تھا۔ جلدی سے کھڑا ہوا' زمر سے کار کی چابی لی اور ڈرائیور لے جانے کی اجازت مانگی اور نیچے بھاگ آیا۔ دونوں کانوں کو باری باری چھوتے (توبہ توبہ) وہ اب زینے سے اتر رہا تھا۔ نیچے کچن میں کچھ کھاتی حنین اس کی منتظر تھی۔ اسے حنہ کے ساتھ جانا تھا۔ حنہ کو مدد کی ضرورت تھی۔

☼ ☼ ☼
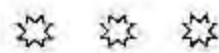
میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سن کے لرزہ براندام ہوجائے

کولمبو میں واقع اس زیرزمین تہہ خانے میں میری اینجیو سعدی کے سامنے میز پہ کھانا رکھ رہی تھی اور وہ کاؤچ پہ بیٹھا' بازو سینے پہ لپیٹے' کبھی کھانے کو دیکھتا' کبھی میری کو۔

"پہلے گارڈ سے کہو وہ اسے چکھے۔ پھر میں کھاؤں گا۔"

"ہم سب کھاچکے ہیں۔"

"پھر لے جاؤ یہ کھانا۔ مجھے کیا معلوم تم لوگوں نے اس میں کچھ ملایا ہو تو......" پرہمی اور قدرے اضطراب سے ٹرے پرے دھکیلی۔ میری متعجب رہ گئی۔

"سب کے لیے یہی کھانا بنتا ہے' تمہارے کھانے میں کیوں کچھ ملائے گا کوئی؟"

"پہلے کوئی اور چکھے گا' تب میں کھاؤں گا۔" وہ ضد کررہا تھا۔

"پھر بیٹھے رہو اسی طرح۔" خفگی سے بڑبڑا کر وہ باہر نکل گئی۔

سعدی نے کھانے کو نہیں چھوا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ کبھی سر دونوں ہاتھوں میں گرالیتا' کبھی بازو اپنے گرد لپیٹ لیتا۔

"میں ڈر گیا ہوں۔" کچھ دیر بعد خاور کے کمرے میں زمین پہ بیٹھتے اس نے شکستگی سے اعتراف کیا تھا۔

خاور ایک کونے میں کھڑا' لکڑی کے چھوٹے سے ٹکڑے کو' جو اس نے دروازے کے کنارے سے اکھاڑا تھا دیوار پہ رگڑتا جارہا تھا۔ آواز پہ گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے زخم اب بہتر تھے اور وہ پہلے سے تازہ دم لگتا تھا۔

"روز کھانا کھانے سے پہلے ڈرامانہ شروع کردیا کرو۔ یہ ہمیں زہر دے کر نہیں ماریں گے۔ ہاشم لاشیں دیکھنا چاہے گا' ورنہ ان کو لاش بنادے گا۔ یہ کسی قدرتی طریقے سے ہمیں ماریں گے۔"

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھا۔

"یہ میری ہاشم سے بات نہیں کروا رہے۔"

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ ہاشم لاعلم ہے۔" وہ اب پھر سے لکڑی کا ٹکڑا دیوار سے رگڑنے لگا تھا۔ منہمک اور مصروف۔

"ہم کب نکلیں گے یہاں سے؟" خاور نے چونک کر اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے اضافہ کیا۔ "اگر میں تمہارے ساتھ جاؤں تو!"

"جب تم تیار ہوگے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خاور کے سامنے' بالکل مدمقابل' اور گردن اکڑا کر بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

خاور نے لکڑی کا ٹکڑا وہیں رکھا اور اس کی جانب مڑا۔ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' پھر ایک دم گھٹنا دہرا کرکے اس کے پیٹ میں مارا' ایک کہنی سے اس کے کندھے پہ ضرب لگائی اور پاؤں سے اس کے پہلو کو دھکا دیا۔ سعدی یکے بعد دیگرے ضربوں سے بے اختیار نیچے گرا۔ دوہرا ہو کے' پیٹ پہ دونوں بازو رکھے' وہ درد سے چلایا۔

"تم گھٹیا انسان!"

مگر خاور نے اس کی طرف بازو بڑھایا۔ "اٹھو۔ تمہیں باتوں کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ لڑنا تو بالکل بھی

نہیں۔ اٹھو!"

"یہ کیا تھا؟" سعدی نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما۔ دہرا ہو کر غصے سے اسے دیکھتا ہوا چیخا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ اور لڑکیوں کی طرح مت روؤ۔ میں نے سادہ ملٹری ٹیکنیک سے تمہیں نیچے گرایا ہے۔ مجھے پتا ہے کسی کو کیسے مارنا ہے۔ مار کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کسی کو صرف گرانے یا بے ہوش کرنے کے لیے الگ طریقہ ہے۔ کسی کو معذور کرنے کا طریقہ اور ہے۔ اور قتل کرنے کا بالکل مختلف۔ اٹھو' اور میرے سامنے کھڑے ہو۔ یہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں جسمانی طور پر بہت مضبوط بننا ہوگا۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ جب میں تمہیں قتل کروں تو تم کسی معصوم لڑکی کی طرح نظر آؤ بلکہ تمہیں کسی مرد کی طرح مقابلہ کر کے مرنا چاہیے۔ اٹھو' میں تمہیں سکھاتا ہوں۔"

"تم سکھاؤ گے مجھے؟ میں تمہاری جان لے لوں گا۔" وہ پھر کر کھڑا ہوا اور زور سے اس کو مکا مارنا چاہا' مگر خاور نے بروقت اس کا ہاتھ تھام کر مروڑا۔

"آہ۔" وہ آنکھیں بند کر کے کراہا۔ اسی کندھے پہ کسی زمانے میں شیرو نے گولی ماری تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں آتا۔" اس کو پرے دھکیلا اور تاسف سے نفی میں سر ہلاتا کہنے لگا۔ "تم تیار نہیں ہو۔ میرے ساتھ جانے کے لیے تمہیں تیار ہونا پڑے گا۔ جاؤ' کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔ کل صبح ناشتے سے پہلے میرے پاس آنا۔ پھر ہم تیاری شروع کریں گے۔"

سعدی نفرت اور غصے سے اسے دیکھتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"اور سنو!" لکڑی کا ٹکڑا واپس اٹھاتے ہوئے خاور نے یاد دلایا۔ "مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں ساتھ لے جانے کا۔ اگر چلنا ہو' تو تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ ورنہ رہو یہیں اور مرو یہیں۔" سعدی نے زور سے دروازہ منہ پر دے مارنے کے انداز میں بند کیا اور باہر نکل گیا۔ گارڈز نے خاموشی سے اس کو دیکھا اور اسی طرح کھڑے رہے۔

یقیناً" خاور نے اسے مارا تھا۔ گڈ! ویری گڈ۔

☆ ☆ ☆

مرے شوق کی یہیں لاج رکھ!
وہ جو طور ہے بہت دور ہے!

یونیورسٹی میں معمول کے مطابق رش تھا۔ راہداریوں میں بھانت بھانت کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسے میں اسامہ کو باہر انتظار کرتا چھوڑ کر حنین تیز تیز ایک کوریڈور میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہیجان اور تذبذب کا آئینہ دار تھا۔ مگر چال مضبوط تھی' فیصلہ کن تھی۔

دفعتاً" ایک دروازے کے قریب وہ رکی۔ نیم پلیٹ پڑھی۔ علوم الدین شعبہ تفسیر القرآن۔ اس نے وہ نام کئی دفعہ پڑھا اور پھر دروازہ کھٹکھٹا کر کھولا۔

اندر آفس میں وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ میز کے پیچھے کرسی پہ براجمان' وہ عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرا کر اٹھیں۔ اور اس سے ملیں۔ کرسی پیش کی۔ حنین چپ چاپ بیٹھی۔ سر جھکا لیا۔ وہ اب سامنے جا بیٹھیں۔

"سعدی کی کوئی خبر؟" اور ایسے ہی چند چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہیں۔ حنہ سر جھکائے جواب دیتی رہی۔ لب کاٹتی رہی۔ بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور اپنی ٹیچر کی مہربان آنکھوں میں دیکھا۔

"میں بچپن میں بھائی کے ساتھ قرآن پڑھنے آپ کے گھر آتی تھی' آپ کے پاس ہی ہم دونوں نے آخری دس سپارے حفظ کیے تھے۔ آپ ہی نے ہمیں تفسیر پڑھائی تھی' بلکہ قرآن سکھایا تھا' مگر۔" چند لمحوں کا وقفہ کیا۔ پرس نیچے رکھا۔ ٹیک لگا کر بیٹھی۔ ذرا آرام دہ ہوئی اور ٹیچر کی آنکھوں میں دیکھ کر بتانے لگی۔

"مگر میں کھو چکی ہوں۔ میں اپنی زندگی ضائع کر رہی ہوں۔ نہ میں قرآن یاد رکھ پائی' نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک ہوں' نہ ٹائم مینیج کرنا سیکھ سکی۔ میں فجر میں اٹھ نہیں پاتی اور باقی نمازوں کے لیے دل نہیں چاہتا۔ گو کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی پانچ وقت کی نمازی

بن جاؤں' مگر۔ یہ بہت مشکل بہت بھاری چیز لگتی ہے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھیں' اس بات پہ تائید میں سرہلایا۔ "نماز بہت بھاری چیز ہے۔ واقعی!"

"مگر پھر وہ لوگ کون ہوتے ہیں جو منہ اندھیرے نیند توڑ کر اٹھتے ہیں اور ٹھنڈے پانی سے بھی خود کو بھگو لیتے ہیں مگر نماز نہیں چھوڑتے۔" وہ بے چین ہوئی۔

"حنین۔ اللہ فرماتا ہے۔ بے شک نماز بہت بھاری ہے سوائے ان لوگوں پر جو خشیئت رکھتے ہیں۔"

"خشیئت کیا ہوتا ہے؟" اسے سارے اسباق بھول گئے تھے۔

"خشیئت ڈر ہوتا ہے' اور خشیت محبت ہوتی ہے' مگر نہ یہ صرف ڈر ہے نہ صرف محبت۔ یہ محبت بھرا ڈر ہوتا ہے۔ جو انسان کو اپنے ماں باپ کا کہنا ماننے پہ مجبور کرتا ہے۔ صرف محبت میں ہم ان کی بات نہیں مانتے' یا صرف ڈر کے باعث ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ کوئی چھری تو نہیں دے ماریں گے نا وہ ہمیں۔ صرف یہ دھڑکا ہوتا ہے کہ ان کے اوپر ہمارا امپریشن نہ خراب ہو جائے۔ ہم ان کو دکھ دینے سے' ان کی محبت کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ جس کے دل میں اللہ کے لیے ایسی خشیئت ہوتی ہے' نماز اس پہ آسان ہو جاتی ہے۔"

"تو انسان اپنے اندر یہ خشیت کیسے پیدا کرے؟"

"تمہاری جگہ کوئی اور پوچھتا تو اس کے آگے لمبی تقریر کر سکتی تھی مگر تم حنین' تم پریکٹیکل زیادہ پسند کرتی ہو۔" کہتے ہوئے وہ لیٹر ہیڈ سے چند کاغذ علیحدہ کرنے لگیں۔ حنہ مسکرا دی۔ وہ درست جگہ آئی تھی۔

"یہ دو کاغذ لو۔" انہوں نے دو کاغذ اس کے سامنے رکھے' اور پھر ایک سرخ اور ایک سبز قلم ان کے اوپر رکھا۔

"پہلے بائیں ہاتھ والے پہ ایک سرخ دائرہ کھینچو اور اسی سرخ رنگ سے اس کے اندر لکھتی جاؤ۔"

"کیا؟"

وہ رسان سے مسکرائیں۔ "فون پہ تم نے کہا تھا کہ تم نے بہت سی ایڈکشنز (لت) چھوڑ دی ہیں مگر تمہارا ہر مسئلہ اس لیے ہے کہ تم فجر پہ نہیں اٹھتیں۔ اب اس کاغذ پہ لکھو کہ جب تم فجر پہ نہیں اٹھتیں تو تمہیں کیا ملتا ہے؟"

حنین نے الجھ کر سوچا۔ پھر لکھنے لگی۔

"تھوڑی سی مزید نیند۔ بہت سارا سکون۔ گرم گرم بستر۔ چند مزید خواب۔ پلیژر۔"

سر اٹھایا۔ "اب؟"

"اب اس کے ساتھ لکھو' کہ تم اس وقت۔ یوں سوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کیسی لگتی ہو؟ تمہارا کیا امپریشن جا رہا ہوتا ہے اللہ کے سامنے؟"

لمحے بھر کے لیے حنین کے اندر کچھ ہلا۔ اس نے سر جھکایا۔ سرخ دائرے کو دیکھا۔ پھر لکھنے لگی۔

"اس وقت میں اللہ کے سامنے کیسی نظر آ رہی ہوتی ہوں؟"

ایک غافل لڑکی' جو سو رہی ہے۔ جو نشئیوں کی طرح سو رہی ہے۔ جو روز قیامت سے بے خبر ہے' جس کو اپنے بنانے والے کے سامنے جانے' اپنے امپریشن کی کوئی فکر نہیں ہے۔" اس کا ہاتھ کانپا مگر لکھتی گئی۔

"جنت کی نہریں' جہنم کی آگ۔ اسے نہ کسی پہ یقین ہے' نہ ان کا احساس ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے بار بار پکارا جا رہا ہے مگر وہ ڈھٹائی سے' سو رہی ہے۔ نماز پڑھنا اس کے نزدیک غیر اہم ہے' اگر اہم ہوتا تو وہ اٹھ جاتی۔ فرشتے اس کے بارے میں یہی جا کر اوپر بتائیں گے کہ فجر پہ اسے سوتا پایا۔ اس کی "اوپر" والوں میں نہ کوئی قدر ہوگی' نہ عزت۔ وہ بھٹکے ہوؤں میں سے ہے۔ اسی طرح غافل سوتی' جاگتی کسی دن مر جائے گی اور رحمت کے فرشتوں کو اس سے کوئی ہمدردی نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے ہمیشہ اسے سوتے پایا ہے۔"

اس سے مزید نہیں لکھا جا رہا تھا۔

"اور پھر سارا دن وہ ست اور بیزار رہتی ہے۔ اس کا ہر کام بے برکتا ہے۔ اس کا دل پشیمانی سے بھر چکا ہے مگر اس پشیمانی کو نکالنے کے لیے بھی وہ کچھ نہیں کرتی۔ اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔ جب وہ اللہ

سے دعا مانگے گی تو کیا اللہ اس کی دعا قبول؟؟"

بس بہت تھا۔ اس نے قلم چھوڑ دیا۔ دل پہ بہت زور سے لگی تھی۔ صفحہ الٹا کر کے میز پہ رکھ دیا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

"اب اس دوسرے صفحے پہ سبز دائرہ کھینچو۔" حنہ نے ذرا سے توقف کے بعد دوسرا صفحہ اٹھایا۔ اور سبز دائرہ کھینچا۔ انگلیوں میں لرزش تھی۔

"اس پہ لکھو کہ فجر پڑھنے کے لیے تمہیں کیا کچھ کھونا پڑتا ہے۔"

وہ سر جھکائے لکھنے لگی۔

"نیند توڑنا۔ گرم بستر چھوڑنا' سردی میں باتھ روم تک جانا' پانی سے خود کو بھگونا' اور پانچ۔ دس منٹ کی نماز پڑھ کر واپس آنا۔" وہ رک گئی۔

"اور اب یہ لکھو کہ جب تم یہ کرو گی تو اللہ کے پاس تمہارا کیا امپریشن جائے گا؟" وہ ذرا سی چونکی۔ پھر صفحے کو دیکھا۔ سبز دائرہ چمک رہا تھا۔ وہ بنا سوچے لکھنے لگی۔

"اللہ کو اس وقت میں کیسی لگوں گی؟"

وہ ہر پچھلی بات مٹا دے گا۔ میں اس کے سامنے ایک ایسی لڑکی ہوں گی جو اپنا آرام چھوڑ کر اس کی پہلی پکار پہ اٹھتی ہے۔ جو اس کی بات مانتی ہے۔ اس کو قیامت کا احساس ہے' اس کو جہنم اور جنت کی پرواہ ہے۔ وہ غافلوں میں سے نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اس میں بہت برائیاں ہوں گی' مگر فرشتے جب فجر اور عصر کے وقت اوپر جائیں گے تو اس کا اچھا ذکر کریں گے اللہ کے سامنے۔ اوپر والوں میں اس کا نام عزت سے لیا جائے گا۔" اس کے لکھنے میں روانی آگئی تھی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"وہاں اس کا امپریشن اچھا جائے گا۔ اس کی بہت سی غلطیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا۔ وہاں اس کی قدر ہو گی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ جب وہ فجر کے لیے اٹھے گی اور دوسروں کو بھی اٹھائے گی تو اللہ بھی اوپر والوں کے سامنے اس کی تعریف کرے گا۔" اس کا دل پھر سے بھر آیا۔ لبوں پہ ہاتھ رکھ کر خود کو قابو کیا۔ "اس کا دل گلٹ (شرمندگی) سے پاک ہو گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اس کے کاموں میں برکت ہو گی۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔ وہ اس کو اپنے پاس "نماز پڑھنے والوں" میں لکھ لے گا۔ اللہ اس کی تعریف کرے گا۔"

وہ ایک فقرہ اتنا قیمتی اور اندر تک ہلا دینے والا تھا کہ وہ اس کو بار بار لکھتی گئی یہاں تک کہ دائرہ بھر گیا۔

ٹیچر نے میز پہ دستک دی تو اس نے گہری سانس لی۔ نمی اندر اتاری' اور کاغذ الٹا کر کے میز پہ ڈال دیا۔

"اب ان دونوں کاغذوں کو اپنی الماری پہ۔ یا بیڈ کے اوپر دیوار پہ' کہیں بھی لگا لو اور دن میں بیس دفعہ لازمی ان باتوں کو پڑھو حتیٰ کہ یہ تمہارے دل میں بیٹھ جائیں۔ زندگی میں جب بھی کسی ایڈکشن (عادت) کے ہاتھوں پریشان ہو' فوراً" دو دائرے بناؤ' اور ایک میں لکھو کہ ذرا سی تسکین کے لیے یہ کام کرتے وقت میں اللہ کو کیسی لگتی ہوں گی؟ اور دوسرے میں لکھو کہ اگر یہ چھوڑ دوں تو اس کو کیسی لگوں گی؟" وہ رکیں۔ "مگر نماز کی عادت بنانے کے لیے تمہیں کچھ اور بھی کرنا ہو گا۔"

"کیا؟" وہ تیزی سے بولی۔ اس وقت اندر سے اتنی ہل چکی تھی کہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

"تمہیں یہ سمجھنا ہو گا کہ نماز ہے کیا؟" وہ پرسکون سی پیچھے ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ ان کی نرم آنکھیں حنہ کے چہرے پر جمی تھیں۔ "نماز کے لیے آپ کو گھڑی کا الارم نہیں اٹھاتا۔ آپ کا ایمان اٹھاتا ہے۔ پچھلے دن اگر جھوٹ بولے ہیں' خیانت کی ہے' وعدہ خلافی کی ہے یا غیبت کی ہے تو اگلے روز فجر پہ اٹھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔"

"میں کچھ دن نماز بہت اچھی پڑھتی ہوں' پھر کچھ دن چھوڑ دیتی ہوں۔ ایک فیز سے نکل کر دوسرے فیز میں چلی جاتی ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نیت کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ نماز میں دل کا سکون ہے' مگر یہ دل کے سکون کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔ جو اس لیے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو پڑھ کر وہ خود کو مطمئن اور

پرسکون محسوس کرتا ہے وہ سخت فتنے میں مبتلا ہے کیونکہ وہ اپنے "دل" کے لیے نماز پڑھتا ہے' اللہ کے لیے نہیں۔ ایسے ہی لوگ Phases میں مبتلا رہتے ہیں۔ کچھ دن نماز پڑھی پھر کچھ دن نہیں پڑھی کیونکہ دل کو جو مرہم لگانا تھا لگ گیا۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی لیے کچھ دن بعد نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ اب ان کو ضرورت نہیں رہی' اب وہ پرسکون ہیں۔ پھر جب تک پریشان نہیں ہوتے' نماز کے قریب نہیں جاتے۔ نماز پڑھ کر ہمیشہ سکون نہیں ملتا تو اگر کیا سکون نہ ملے تو چھوڑ دیں ہم نماز پڑھنا' داغ لگوانے میں شفا ہے۔ داغ لگوانا سمجھتی ہو نا؟ جیسے کوئی کاری زخم لگے تو قدیم قوموں میں' اور اب بھی چین جاپان بلکہ پاکستان میں بھی۔ سلاخ گرم کرکے اس جگہ کو داغا جائے تو زخم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس میں شفا ہے مگر ہماری امت کے لیے یہ منع ہے۔ تو جو لوگ نماز کو ایکسر سائز سے تشبیہ دیتے ہیں' ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ نماز میں شفا نہ رکھتا بلکہ تکلیف رکھتا تو کیا ہم اسے نہ پڑھتے؟ نماز کو اپنا دل مطمئن اور خوش کرنے کے لیے نہ پڑھا کرو۔"

"تو پھر کیوں پڑھتے ہیں نماز؟" اس نے نکتہ اٹھایا۔

"کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ دی اینڈ۔ فل اسٹاپ۔ ہم اسے اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اللہ راضی رہے ہم سے' ہمارا امپریشن اس کے سامنے اچھا جائے۔ اگر ہمارے دل میں یہ "خشیت" ہو تو یہ بہت آسان ہے۔" وہ ذرا دیر کو ٹھہریں۔ "مگر یہ تو ہو گیا کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ نماز بذات خود ہے کیا؟" حنین غور سے سن رہی تھی۔ وہ نرمی سے کہے جا رہی تھیں۔ "نماز تمہارے خیال میں کیا ہے؟"

وہ چپ رہی۔ اس کے پاس بہت سے جواب تھے مگر کوئی تسلی بخش نہ تھا۔

☼ ☼ ☼
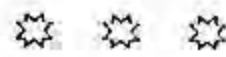
وہ لمحۂ شعور جسے جاں کنی کہیں
چہرے سے زندگی کے نقابیں الٹ گیا

یوسف خاندان میں سے کسی نے کاردار زکی نیو ایئر پارٹی میں شرکت نہ کی' جو اس سردرات ان کے لان میں منعقد تھی۔ حنین اپنے کمرے میں بیٹھی' کھڑکی کی طرف سے منہ موڑے' بے تحاشا کاغذوں پہ بنے دائروں کو بھرتی گئی۔ وہ خوش نہیں تھی' مگر وہ مطمئن تھی۔ زمر کیس کی تیاری کرتی رہی۔ اسامہ جلدی سونے چلا گیا۔ ندرت کی نماز اور وظیفے ابھی جاری تھے۔ غرض ان کا پورا گھر خاموش تھا' مگر باہر "دنیا والے" کاردارز کے لان میں جشن منانے میں مصروف تھے۔

وہاں گویا رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ غبارے' قمقمے' بتیاں۔ پارٹی کا انتظام اندر تھا' مگر بارہ بجے کے قریب سب لمبے لمبے کوٹ اور جیکٹس پہنے باہر نکل آئے تھے' جہاں آتش بازی کا اہتمام تھا۔ ایسے میں شہرین اندر ایک کونے میں بیٹھی' مشروب کے گلاس پہ گلاس پیے جا رہی تھی۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس' وہ بے رونق اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ دفعتاً" اس نے سر اٹھایا تو اوپر سیڑھیوں پہ شیرو کھڑا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہری نے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر ہاتھ ہلایا' مگر وہ ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پہ ڈال کر زینے سے اترنے لگا۔ لاؤنج تقریباً" خالی تھا۔ سب باہر تھے۔ نوشیرواں بھی باہر نکل آیا۔ سردی کے باعث جیکٹ کے کالر کھڑے کر لیے' اونچے برآمدے میں کھڑے ہو کر اس نے ایک ویران نظر نیچے سبزہ زار پہ شور مچاتے' ہنستے مسکراتے لوگوں پہ ڈالی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک کا چہرہ کھوجتی رہیں' پھر سر جھٹک کر وہ دوسری سمت آیا اور ایک ملازم کو اپنی کار نکالنے کا کہا۔

"سر! آپ اس وقت کہاں؟"

"زیادہ بک بک نہ کرو میرے سامنے۔ تم ہو کون' ہاں؟" اس کو گھورتے ہوئے غرایا۔ "جو کہا ہے وہ کرو۔" ملازم جلدی سے حکم بجا لایا اور ازلی بے زار شیرو کار لے کر باہر سڑکوں پہ گم ہو گیا۔

رات ابھی جوان تھی۔ لان میں بہت سے لوگوں کے درمیان کھڑی سرخ میکسی میں ملبوس جواہرات

کسی بات پہ مسکرا رہی تھی۔ کندھوں پہ سفید منک کوٹ ڈالے' وہ گردن اٹھا کر مسکراتے ہوئے آسمان پہ نظر آتی آتش بازی دیکھ رہی تھی جب احمر اس کے قریب آکر کھنکھارا۔ اس نے گردن موڑی' احمر کو دیکھ کر مسکراہٹ گہری ہوئی' پھر اس کا بازو تھامے ایک طرف چلتی آئی۔

"اتنی پولیٹیکل گیدرنگ مسز کاردار؟ اور آپ نے کہا تھا کہ آپ سیاست میں قدم نہیں رکھنا چاہتیں۔"

وہ اب برآمدے میں کھڑا شکوہ کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ نیچے روشنی تھی۔ یہاں کھڑے وہ دونوں کوئی تاریک سائے لگ رہے تھے۔

"میرے پاپا ایک سیاست دان تھے' میرے دادا دو بار گورنر رہے تھے' میں پھر بھی اس میدان سے دور رہوں گی' لیکن ہارون کی دوستی میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "اس سفید شال والی خاتون کو پہچانتے ہو؟" ابرو سے نیچے مہمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ احمر نے اس طرف گردن گھمائی۔ وہاں چند اصحاب کے ساتھ ایک سفید شال والی عورت کھڑی بات کر رہی تھی۔ وہ شکل سے پٹھان لگتی تھی۔

"ان کو کون نہیں پہچانتا؟"

"گڈ!" چمکتی آنکھوں سے احمر کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس کو تباہ کر دو احمر! تمہارے پاس ایک مہینہ ہے' اس کے اتنے اسکینڈل لیک کرو کہ وہ استعفیٰ دینے پہ مجبور ہو جائے۔"

ایک لمحے کے لیے احمر بالکل سناٹے میں رہ گیا۔ آسمان پہ بلند آواز میں پٹاخوں کے ساتھ آتش بازی ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

"مسز کاردار وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ اس کا بھی سیاسی خاندان ہے' آپ جتنی امیر' آپ جتنی طاقت ور ہے۔ اس سے دشمنی مول لینے کا کیا فائدہ؟ کل کو وہ ہم پہ جوابی حملہ کرے گی۔"

"اور تب تم ہو گے نا ہر حملے کا جواب دینے کے لیے۔ اس نے ایک پارٹی میں ہارون سے مس بی ہیو کیا تھا۔ میں ہارون پہ احسان کرنا چاہتی ہوں۔ گیٹ ٹو ورک۔ ایک مہینہ ہے تمہارے پاس!" اس کا شانہ تھپتھپا کر وہ مسکراتی ہوئی' میکسی سنبھالتی زینے اترتی گئی۔ احمر بے یقینی سے کھڑا رہ گیا' پھر چونکا جب ساتھ کوئی آکھڑا ہوا۔

"تم میں کاردارز کے لیے اتنے بڑے کام کی ہمت نہیں ہے تو آگاہ کر دینا' میرے پاس ملازموں کی کمی نہیں ہے۔" سرد مہری سے کہہ کر ہاشم نے ایک تند نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر زینے اتر کر لان کی طرف بڑھ گیا۔

احمر کو پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ رات کتنی سرد ہے۔

☼ ☼ ☼

ڈرا رہا ہے مسلسل یہی سوال مجھے
گزار دیں گے یونہی کیا یہ ماہ و سال مجھے

سرما کی اس دوپہر کورٹ روم میں معمول کی سماعت جاری تھی۔ جج صاحب سمیت تمام افراد توجہ سے کٹہرے میں کھڑے وردی والے پولیس اہلکار کو سن رہے تھے جو پراسیکیوٹر کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ کھٹا کھٹ ٹائپ ہونے کی آواز بھی پس منظر میں سنائی دیتی تھی۔

"اور جو تیس بور کا پستول فارس غازی سے برآمد کیا گیا' وہ آپ کی موجودگی میں برآمد کیا گیا؟" پراسیکیوٹر نے کہتے ہوئے گردن پھیر کر دفاع کی میز کو دیکھا۔ جہاں زمر قلم گھماتے ہوئے' آرام سے بیٹھی سن رہی تھی' اور ساتھ بیٹھا فارس چبھتی ہوئی نظریں گواہ پر جمائے ہوئے تھا۔

"جی۔ میں اس وقت اے ایس پی سرمد شاہ کے ساتھ موجود تھا۔" گواہ کہہ رہا تھا۔

(سرمد شاہ سمیت چند گواہوں کو پراسیکیوٹر نے چھوڑ دیا تھا۔)

"پھر کیا ہوا؟"

"مجھے محرّر نے اس رات ایک سربہ مہر پارسل میں وہ پستول دیا جو میں نے پوری حفاظت اور ذمہ داری سے

فارنزک لیب میں بھجوادیا۔ لیب کے رزلٹ کے مطابق وہی پستول قمرالدین کے قتل میں استعمال ہوا تھا۔"

پراسیکیوٹر نیچے اتر آیا اور زمر کو دیکھ کر "آپ اگر جرح کرنا چاہیں۔" کہتا واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ (جس کا گواہ ہوتا ہے، پہلے وہ سوال کرتا ہے، پھر دوسرا وکیل اس گواہ پہ جرح کرتا ہے۔) وہ گہری سانس لے کر اٹھی اور سنجیدگی سے کٹہرے کے سامنے نیچے آکھڑی ہوئی۔

"فارس غازی کو کس روز گرفتار کیا گیا تھا؟" سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"13 اکتوبر کی شام۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔"

"اور پستول کب برآمد ہوا؟"

"اسی وقت۔"

"اور آپ نے اسے لیب میں کب بھیجا؟"

وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "اگلی دوپہر۔"

"اسی دن کیوں نہیں؟ ورک ایتھکس کے مطابق آپ کو وہ پارسل اسی وقت لیب میں بھیجنا تھا۔ آپ نے وہ سولہ گھنٹوں بعد بھیجا۔ کیوں؟ جب کہ آپ کی برآمدگی کے وقت لیب کھلی تھی۔"

"مجھے ضروری کام سے گھر جانا تھا۔ اس لیے میں نے اس کو لاکڈ دراز میں ڈالا اور سوچا کہ صبح آکر۔" مگر زمر نہیں سن رہی تھی۔ وہ جج صاحب کی طرف مڑی۔

"یور آنر، دفاع یہ چاہتا ہے کہ آپ پراسیکیوشن Exhibit الف یعنی اس گن کو ڈسکوری میں سے خارج کردیں۔ یہ ایسا ثبوت نہیں ہے جو شک وشبے سے پاک ہو۔"

"آبجیکشن یور آنر۔" پراسیکیوٹر فوراً" اٹھا۔ "دفتری کاموں میں دیر سویر ہوجاتی ہے۔ یہ گن فارس غازی سے ملی ہے، اس بات کے گواہ موجود ہیں۔"

"اس بات کے صرف دو گواہ تھے۔ سرمد شاہ کو پراسیکیوشن گیواپ کرچکی ہے، اور ان صاحب کی کریڈیبلٹی مشکوک ہے۔" وہ دونوں ایک ساتھ تیز تیز بولنے لگے تھے۔ جج صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر زور زور سے خاموش کہا، پھر ہتھوڑا زور سے بجایا۔ وہ دونوں چپ ہوئے۔

"مسز زمر۔ پراسیکیوٹر صاحب کا پوائنٹ درست ہے۔ دیر سویر ہوجاتی ہے۔ ہم اس ثبوت کو ڈسکوری سے نہیں نکال سکتے۔"

زمر کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔ باری باری اس نے پراسیکیوٹر اور جج کو دیکھا، پھر سر کو خم دے کر خاموشی سے واپس آکر بیٹھی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ "تم نے بحث کیوں نہیں کی؟"

"جج ان کا ہے۔" وہ شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔ فارس "اچھا" کہہ کر واپس پیچھے ہو کر بیٹھا۔ وہ اب بھی پرسکون لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسی کے دم سے تو قائم ابھی ہے تار نفس
یہ اک امید کہ رکھتی ہے پرسوال مجھے

ملاقاتی بوتھ میں کرسی کے اوپر فارس آکر بیٹھا تو شیشے کے پار براجمان لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ زمر کی توقع کررہا تھا مگر وہ سرخ اسکارف میں لپٹے چہرے اور نیچے لمبے وائٹ کوٹ میں ملبوس آبدار تھی۔ بلی جیسی سرمئی، چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی۔

"سلام!"

فارس نے ذرا کی ذرا نظر گھمائی۔ کمرے میں جابجا ایسے ہی بوتھ قطار میں لگے تھے اور ایک دن میں ہزار سے اوپر قیدی اپنے رشتے داروں سے ملاقات کرتے تھے۔

"میں الگ کمرے میں بھی مل سکتی تھی مگر ایسے سوالات زیادہ اٹھتے۔" وہ سرمئی آنکھیں فارس پہ جمائے رسان سے بولی تھی۔ فارس نے گہری سانس لی، ذرا سا آگے کو جھکا۔

"میرا کام کرنے کا شکریہ!" دبی آواز میں بولا۔ خاور کو کس نے غائب کروایا ہے، اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا۔

"میں نے آپ کا کام نہیں کیا' اس نے میرے ہاتھ سے کاغذ چھینا تھا۔ میں تب بھی غیر جانبدار تھی' اب بھی ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"پھر آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟" اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

آپی نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ "ملکہ نے دونوں قیدیوں کے سر قلم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔"

وہ ایک دم بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ گویا سانس تک رک گیا ہو۔

"مجھے افسوس ہے' میں ان کے لیے مزید کچھ نہیں کر سکتی۔ نہ پرانے قیدی کے لیے' نہ نئے قیدی کے لیے۔ میں نے کہا ہے کہ میری اس سے ملاقات تک اس کو نہ مارا جائے' مگر وہ چند دن سے زیادہ انتظار نہیں کریں گے۔"

"وہ اسے نہیں مارے گا۔" اس نے سختی سے کہا تھا۔

"فارس غازی" "وہ" اس حکم سے اس کی تکمیل تک بے خبر رہے گا۔ یہ حکم اس کی ماں نے دیا ہے۔ خیر' میرا کام تھا بتانا' اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کر لیجیے۔" فارس نے پلکیں اٹھا کر زخمی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ان میں شدید غصہ اور برہمی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ ذرا نرم ہوئی "آپ جیل میں ہیں' کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آپ ملزم ہیں۔ متہم فرزند نازنین قانون است۔ (ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔) باہر نکلیے اور اسے خود بچائیے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔" سرگوشی میں کہہ کر وہ اٹھ گئی۔

اسی پل پیچھے سے زمر آتی دکھائی دی۔ اور اگلے ہی پل وہ ٹھٹکی۔ سرخ اسکارف والی لڑکی فارس کے سامنے بیٹھی تھی۔

فارس نے دبی زبان میں کچھ کہا (مجھے کچھ دن دو۔ کچھ دن کے لیے ان کو ٹالو) جو زمر کو وہاں سے سنائی نہ دیا۔ لڑکی نے کندھے اچکائے اور مڑ گئی۔ زمر کے ابرو بھنچے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ وہ لڑکی کی چھوڑی جگہ پہ آ بیٹھی۔

"یہ کون تھی؟"

وہ نگاہیں جھکائے سوچ میں گم تھا۔ مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ پشاوری جیل میں مقید پیر کا انگوٹھا مسلسل ہلا رہا تھا۔ وہ پریشان تھا' مضطرب تھا' مگر ضبط سے بیٹھا تھا۔

"میں پوچھ رہی ہوں' یہ کون تھی؟" اب کے وہ درمیانی شیشہ کھٹکھٹا کر زیادہ درشتی سے بولی تھی۔ فارس نے آنکھیں اٹھائیں اور ایک سپاٹ اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

"میری پرانی گرل فرینڈ تھی' کوئی مسئلہ ہے آپ کو؟"

زمر کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ جبڑے بھینچے اور آنکھوں میں ناگواری عود آئی۔ بنا کچھ کہے سیدھی ہو کر بیٹھی اور خشک انداز میں بات کرنے لگی۔ فارس اسی طرح بیٹھا رہا۔ سُن' پریشان' شل' بے چین۔

جیل سے نکلنے اور سعدی کے اغوا کے بعد سے اب تک' اس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا تھا۔ سب پلان کے مطابق جا رہا تھا۔ گرفتاری غیر متوقع تھی مگر وہ اس کی تیاری پہلے کر چکا تھا۔ صرف ایک یقین دہانی تھی کہ ہاشم سعدی کو نہیں مارے گا۔ یہ یقین دہانی بہت مضبوط' بہت پختہ تھی۔

مگر آج وہ نہیں رہی تھی' اور وہ بالکل شل بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ شہر ہجر عجب شہر پُر تحیر تھا
بہت دنوں میں تو آیا ترا خیال مجھے

کولمبو میں اس اونچے ہوٹل کے اندھیرے تہہ خانے میں میری کچن میں سبزی کاٹ رہی تھی جب گارڈز اس کے پاس آئے' اور اس سے کچھ کہا۔ وہ حیران سی ان کو دیکھنے لگی۔ پھر ان کے ساتھ چل پڑی۔ سیکورٹی چیک پوائنٹس سے گزر کر وہ لفٹ میں داخل ہوئے جو ہوٹل کے کچن میں پینٹری میں رکی۔ جب کسی کو آنا جانا ہوتا تو ہیڈ شیف پینٹری کو خالی کرا کے وہاں

پہریداری پہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ پینٹری کی دیوار کے اندر نیچے جانے کا راستہ ہے' یہ وہاں کسی کو معلوم نہ تھا۔
میری کو جب کچن سے گزار کر وہ دونوں اوپر لے جا رہے تھے تو وہ گردن موڑ موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں حیرت اور تعجب تھا۔ اسے جہاز سے آنکھوں پہ پٹی باندھ کر (بلائنڈ فولڈ" کر کے) لایا گیا تھا اور اتنے ماہ بعد وہ بالآخر اتنی روشنی دیکھ رہی تھی۔
کچھ دیر بعد وہ اسے ایک کمرے میں لے آئے۔ میری ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ پرُتعیش طریقے سے آراستہ سنہری تھیم میں سجا کمرہ تازہ پھولوں کی مہک میں بسا تھا۔ وہ سوئٹ کے ایک حصے سے دوسرے میں چلتی آئی جو سٹنگ ایریا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں ایک بڑے صوفے' پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مسکراتی ہوئی جواہرات بیٹھی تھی۔ تازہ بوٹکس کے باعث اس کی جلد مکھن کی طرح ملائم اور دمک رہی تھی۔ سیاہ فگو بکنگ ٹاپ اور سیاہ اسکرٹ میں ملبوس' بھورے بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' وہ بڑی شان سے بیٹھی تھی۔
"بیٹھو میری اینجیو!" انگلیوں سے اسی شان سے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میری متذبذب سی وہاں آکر بیٹھی۔
"مسز کاردار'میں۔"
"نہیں میری۔ میں بولوں گی۔ تم سنو گی۔ آج یہاں تم بولنے کے لیے نہیں لائی گئیں۔" میری نے زبان دانتوں تلے دبالی۔
"میں ماضی کو نہیں کریدوں گی' مگر تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم کیا کچھ جانتی تھیں' مگر تم نے ہاشم کے سامنے وہ باتیں نہیں دہرائیں۔ میرا نہیں خیال یہ تم نے سعدی کے گرینڈ پلان میں مدد دینے کے لیے کیا ہے۔ تم نے یہ۔ میرے لیے کیا ہے۔ کیونکہ تمہیں تمہاری جاب واپس چاہیے۔ میں' میری انجیو۔"
سینے پہ ایک انگلی سے دستک دی۔ مسکراتی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔

"میں تمہیں تمہارا کھویا ہوا مقام واپس دلاؤں گی۔ تم قصر کاردار واپس آؤ گی' اور میرے اسٹاف کی ملکہ تم ہی ہو گی۔ تم ہمیشہ سے یہ چاہتی تھیں کہ میں تم پہ بھروسا کروں۔ آج میں تم پہ بھروسا کرتی ہوں۔ مجھے تمہاری وفاداری کا یقین آگیا ہے۔ اورنگ زیب تمہارے بارے میں ٹھیک کہتا تھا۔"
میری بس ایک ٹک گنگ سی اسے دیکھے گی۔
"وہ دونوں بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں' میں جانتی ہوں۔ تم ان کا ہر پلان مجھے بتاؤ گی۔ تم میری' ان کو بھاگنے نہیں دو گی۔ صرف چند دن تک۔ پھر تم قصر کاردار واپس آجاؤ گی۔ چاہوں تو ابھی لے جاؤں تمہیں' مگر جواہرات کاردار کا بھروسا بھیک میں نہیں ملتا۔ اسے کمانا پڑتا ہے۔ تو تم اسے کماؤ۔ سعدی کی دوستی کو بھول جاؤ۔ اپنے حفظ ذات کے بارے میں سوچو۔ صرف اپنے بارے میں!" اور ہاتھ کو بے نیازی سے لہرا کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکراتی نظریں اب بھی اس پہ جمی تھیں۔ میری مرے مرے قدموں سے اٹھی اور واپس جانے کو مڑی۔
"تمہیں بتایا گیا تھا کہ یہ انڈیا ہے۔ ہے نا؟" اس کے الفاظ پہ میری چونک کر مڑی۔
"مگر یہ سری لنکا ہے۔ دیکھ لو' ہاشم کو تم پہ اعتبار نہ تھا' جانتا تھا تم سعدی کو سچ بتا دو گی۔ مگر مجھے۔ اب۔ تم۔ بھروسا۔ ہے!"
میری اینجیو بالکل لاجواب ہو گئی تھی۔ واپسی کا سفر اس نے شل دماغ کے ساتھ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حالت میری نہ مجھ سے معلوم کیجیے
مدت ہوئی ہے مجھ سے میرا واسطہ نہیں

کلب میں مدھم بتیاں جلی تھیں۔ موسیقی بھی مدھم تھی' بار کاؤنٹر پہ دونوں کہنیاں رکھ کر اونچے اسٹول پر بیٹھی شہرین بھرے ہوئے گلاس کے منہ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نگاہیں بار ٹنڈر کے عقب میں کھڑے ریک پہ جمائے' وہ کسی سوچ میں گم تھی جب

دوسری سمت سے نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ وہ اکھڑے' تنے تاثرات چہرے پر سجائے' جیکٹ اتار کر ملازم کو دیتا' رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شہری کو دیکھ کر ابرو بھینچے۔ پھر اس کے قریب اسٹول پر بیٹھا۔ اس کے آگے جھک کر چٹکی بجائی۔ وہ چونک کر اس جانب گھومی۔

آج اس کا لباس سیاہ تھا اور میک اپ تقریباً" ندارد۔ آنکھوں تلے حلقے چھپانے کے باوجود دکھائی دے رہے تھے۔ شیرو کو دیکھ کر تھکے تھکے انداز میں سنہری بالوں میں انگلیاں پھیر کر ان کو پیچھے جھٹکا۔ "تم کدھر؟"

"پریشان لگ رہی ہیں۔ وجہ؟"

"تمہارے بھائی کے ہوتے ہوئے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" بوجھل آنکھوں اور تھکی آواز میں کہتے گلاس کو دو گھونٹ میں خالی کر کے کاؤنٹر پہ پرے دھکیل دیا۔

"میری بیٹی مجھ سے لے لی' کمپنی میں مجھے شیئرز نہیں دیے۔ یہ مت کہنا کہ اس بارے میں تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ میں شدید ڈپریشن کا شکار ہوں۔ اوپر سے سوئی کہہ رہی تھی' تمہاری ممی نے اسے کہا ہے کہ ہاشم جلد دوسری شادی کرنے والا ہے۔ سب کے پاس اپنی اپنی زندگی ہے۔ ایک میں ہی قصر کاردار کے گرد بھنورے کی طرح منڈلاتی رہتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں سہلائیں۔ "اور کیا قصور تھا میرا؟ صرف یہی کہ سعدی سے ذرا سی دوستی تھی میری؟ کیا میں پوچھتی ہوں ہاشم سے کہ اس کی کس کس سے دوستی ہے؟ ہونہہ۔"

مہینوں بعد۔ نوشیرواں سعدی کے ذکر پر بے زار نہیں ہوا بلکہ آنکھوں میں عجیب چبھن سی در آئی۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر یہ سعدی لوگ ہماری زندگیوں میں نہ آئے ہوتے شہری!" وہ نفرت کی آنچ لیے بولا تھا۔

"بالکل!" اس نے گویا کراہ کر کہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ متفق نہیں ہو سکتی تھی۔

"وہ خاندان خود کو بہت پارسا سمجھتا ہے۔ جیسے وہ اچھے اور ہم برے ہیں۔ ہر وقت وہ دونوں بہن بھائی اپنے غرور میں مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ کیا ان باتوں پہ گناہ نہیں ہوتا؟ کیا سارے گناہ امیروں کے ہوتے ہیں؟ یہ مڈل کلاس لڑکے لڑکیاں۔ یہ اپنے اعتماد کی آڑ میں کسی کو کتنا ہرٹ کر جائیں' ان کو سب معاف ہے؟"

"کیا ہاشم نے سعدی کو ویسے مارا جیسے اس دن مجھے مارا؟ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا؟ نہیں نا۔ اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ میری کم ہے۔" شہری کے غم مختلف تھے۔

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے شہری کہ ان کی انیکسی کو آگ لگا دوں۔ سعدی سمیت ان سب کو مار دوں۔ ایک ہی دفعہ یہ سارا خاندان مٹ جائے۔" وہ منتقم مزاجی سے کہہ رہا تھا۔ "آخر ہم قاتل ہی ہیں نا' تو ہم قاتل ہی اچھے۔ بس یہ لوگ ہماری جان چھوڑ دیں۔ ہم سے دور چلے جائیں۔ یہ لوگ...... یہ لوگ کسی آسیب کی طرح ہیں۔ جب تک ہمارے اردگرد رہیں گے' ہمیں بری خبریں ہی ملتی رہیں گی۔ میرا باپ مجھ سے ناراض حالت میں مرا' صرف...... صرف ان ہی کی وجہ سے...... میرے باپ کی موت کی وجہ بھی یہی لوگ ہیں۔" وہ شدید کرب سے دھیرے دھیرے کہتا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں تپش تھی اور دل جل رہا تھا۔ شہری نے ناک سکیڑ کر شانے اچکائے۔

"واٹ ایور...... ان کے مرنے سے میرے مسئلے تو نہیں حل ہوں گے نا۔" یہاں پہ شہری کو اختلاف تھا۔

شیرو نے سر جھٹکا اور بارٹینڈر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ اب اس کا دل کسی چیز کو نہیں چاہ رہا تھا۔ باپ کے ذکر نے ایک دم سب کچھ جلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کولمبو کے اس سرد اور خاموش تہ خانے میں میری اینجیو خاموشی سے کچن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ اس کے سامنے سعدی کے کمرے کا دروازہ مقفل نظر

آرہا تھا۔ دروازے کے پاس۔۔۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا سعدی سے خاور کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہ سب سیکھ کر کیا ملے گا؟" وہ بے زار ہوا۔ خاور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

"یہ سلیف ڈیفنس کے لیے ہے۔ تم میری لائف لائن ہو' میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" اس نے سعدی کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اس کو ذرا ادھر ادھر کھینچ کر درست کھڑا کیا۔

"خاموشی کو سننے کی عادت ڈالو۔ خاموشی کو دیکھو۔ محسوس کرو' میرے ہاتھوں کو دیکھو۔ میرے پیروں کو دیکھو۔" وہ آہستہ آہستہ ہاتھ گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا اور سعدی الرٹ سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کو روکو!" اس نے ایک دم اپنا ہاتھ تلوار کی طرح سعدی کے بازو پہ مارنا چاہا تو سعدی نے تیزی سے اپنی کلائی جوابی تلوار کی طرح اس کی کلائی سے ٹکرائی۔

"ہاتھ کو درست رکھو' ایسے۔۔۔" وہ اب اس کو کلائی سے پکڑے' زبانی سکھا رہا تھا۔

دفعتا" سعدی نے اس کے کندھے سے اوپر دیوار پہ کچھ دیکھا۔ "کیا یہ نشان تم نے لگایا ہے؟"

"کیسا نشان؟" خاور نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ اس نے چہرہ جیسے ہی واپس پھیرا' سعدی کا زوردار مکا اس کے منہ پر پڑا۔ لمحے بھر کو اس کا دماغ گھوم گیا۔

سعدی نے مٹھی کو چہرے کے قریب لے جا کر اس میں پھونک ماری۔ "واؤ۔۔۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ چلو ٹریننگ جاری رکھتے ہیں۔"

خلاف توقع خاور برا مانے بغیر سر جھٹک کر واپس سامنے آ کھڑا ہوا۔

باہر بیٹھی میری' ہنوز کسی گہری اندھی سوچ میں گم تھی۔

ان سے دور۔۔۔ سرما کی اس سرد رات میں جیل کا وہ تاریک بیرک خاموش پڑا تھا۔ فارس مسلسل دائیں سے بائیں ٹہلتا شدید اضطراب کی حالت میں لگتا تھا۔

آتش دیوار سے لگا' اکڑوں بیٹھا' منہ میں کچھ چباتا اسے صبر سے دیکھتا رہا۔

"ایک نصیحت کی تھی تمہیں۔ دشمن پہ ترس نہ کھانا۔۔۔ تم نے وہی کیا۔ اگر نہ کیا ہوتا تو آج جیل میں نہ ہوتے۔" اس کا اشارہ اے ایس پی کی طرف تھا۔

"اس پہ نہیں' اس کے بچے پہ ترس آیا تھا مجھے اور زیادہ دماغ نہ خراب کرو میرا۔" سلاخوں تک آ کے رکا' دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ چہرے پہ بے بسی اور آنکھوں میں غصہ تھا۔

"ایسے نہیں ٹوٹیں گی یہ۔ جب تم پہلی دفعہ جیل میں آئے تھے تب بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ بڑے عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔"

"پریشان ہوں میں۔" وہ وہاں کھڑا بے بسی بھری برہمی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پیچھے زمین پہ بیٹھا آتش مسکرایا۔

"تم پریشان نہیں ہو' تم خوف زدہ ہو۔"

"ہاں میں خوف زدہ ہوں۔ وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ وہ بچہ ہے۔ وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پہلی دفعہ لگا ہے کہ وہ اسے مار دیں گے۔" پھر وہ تہیہ کر کے اس کی طرف گھوما۔ "مجھے یہاں سے نکالو۔ اپنے آدمیوں سے کہو' مجھے باہر لے جائیں۔ میں اسے وہاں سے نکال لاؤں گا۔"

"چچ چچ۔۔۔" آتش نے افسوس سے سر کو نفی میں ہلایا۔ "بہت عرصے بعد پرانا غازی نظر آیا ہے۔ کیا سکھایا تھا تمہیں جیل میں چار سال؟ وہ تمہارے ہاتھ قید کر سکتے ہیں' تمہارا دماغ نہیں۔ باہر نکل کر کیا کرو گے؟ خاندان کے ایک لڑکے کو بچانے جاؤ گے اور باقی عورتوں کو پیچھے تنہا چھوڑ جاؤ گے؟ پولیس کیا کرے گی تمہارے گھر والوں کے ساتھ' ہم دونوں کو علم ہے غازی۔۔۔ ہاتھوں سے مت سوچو۔۔۔ دماغ سے سوچو۔"

فارس بائیں ہاتھ سے کنپٹی مسلتا سر جھکائے کھڑا رہا' کتنی ہی دیر۔

"کہتے ہو تو تمہیں باہر نکال دیتا ہوں لیکن یہ عقل مندی نہیں ہوگی۔ دماغ سے سوچو' تم اس وقت اس

کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

فارس سلاخوں سے ماتھا ٹیکے' آنکھیں موندے کھڑا رہا۔ پھر اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ سنہری آنکھوں میں سوچ تھی۔ ٹھنڈی گہری سوچ۔

"شوکت کہاں ہوتا ہے آج کل؟" اس نے بدلی ہوئی' ٹھہری ہوئی آواز میں آتش سے اس کے ایک پرانے ساتھی کا پوچھا۔

"جہاں بھی ہے' تمہارا کام کل ہی کردے گا۔ بول کیا کام ہے؟" وہ دل سے خوش ہوا تھا۔ اسے پرانا غازی — پسند نہیں تھا۔ اسے یہ والا غازی پسند تھا۔

☼ ☼ ☼

کسے خبر کہ تہ خاک آگ زندہ ہو
ذرا سی دیر ٹھہر اور دیکھ بھال مجھے

سرما کے دھند لکوں میں اٹیکسی ڈوبی کھڑی تھی۔ حنین خوابیدہ چہرے کے ساتھ کچن کی گول میز پہ بیٹھی ناشتا کر رہی تھی۔ وہ اب بھی فجر کے لیے نہیں اٹھتی تھی۔ الارم بھی نہیں لگاتی تھی۔ الارم کے باوجود نہ اٹھی تو...؟ ڈر لگتا تھا مگر باقی کی چار نمازیں پڑھنے لگی تھی۔ ٹیچر نے کہا تھا کہ جس وقت بھی اٹھو' فجر پڑھ لو۔ وہ ساڑھے سات بجے فجر پڑھ لیتی تھی۔ قضا مگر اب گلٹ کم تھا۔ ناشتا کرتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر ایک سرسری نظر دوڑائی۔ زمر سیاہ کوٹ میں ملبوس ایک فائل پڑھتی چائے پی رہی تھی۔ بالکل منہمک سی۔ اسامہ اسکول یونیفارم میں جلدی جلدی ناشتا کر رہا تھا۔ ندرت بھی تیزی سے کام سمیٹتی' ریسٹورنٹ جانے کی تیاری میں تھیں۔

ایک میں ہی ہوں نکمی اور ناکام! اس کا ڈپریشن بڑھنے لگا۔ سست روی سے لقمے زہر مار کرنے لگی۔ تب ہی بیل ہوئی۔ ندرت باہر کو لپکیں۔ حنین کو صداقت کی آواز سنائی دی تھی۔ (اسے گاؤں سے آج صبح واپس آنا تھا۔) وہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ تب ہی اسامہ اس کے قریب کھسکا۔

"بھابھی آ نہیں رہی' بھابھی آگئی ہے۔" حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ دور سامنے داخلی دروازے پہ ندرت مسکرا کر صداقت اور اس کے ساتھ ایک لڑکی کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ صداقت کی عمر کی (یعنی حنین سے چھوٹی) سانولی' دبلی پتلی' بالوں کی کس کر چوٹی کیے مگر تھوڑا سا سنہری زیور پہنے وہ گاؤں کی رہائشی لگتی تھی' صاف ستھری اور اچھی تھی۔

"حنہ... صداقت کی بیوی کا نام کیا ہوگا؟ امانت؟" سیم پھر اس کے کان میں گھسا۔

"اور ان کے بچوں کا خیانت... خباثت..." دونوں بہن بھائی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسے۔ زمر نے نگاہ اٹھا کر ان کو دیکھا تو ان کی مسکراہٹ فوراً" سمٹ گئی۔

اس کا نام امانت نہیں تھا' حسینہ تھا۔ سیم نے تو خیر بمشکل ہنسی کا گلا گھونٹا مگر حنین کھانسی کے بہانے تھوڑا بہت ہنس گئی۔ خیر... سب نے اٹھ کر حسینہ بی بی کو خوش آمدید کہا۔ ندرت نے جانے سے پہلے اسے کچن دکھایا' کام سمجھایا۔ (اب آگئی ہے تو کیا نخرے اٹھانے۔ پہلے دن سے کام پہ لگے گی تو آگے عادت ہوگی۔) اور پھر یکے بعد دیگرے سب گھر سے رخصت ہوگئے۔

صداقت نیچے بڑے ابا کے کمرے میں چلا گیا اور حنین سائیں سائیں کرتے خاموش گھر میں ادھر ادھر ٹہلتی' بالآخر اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔ ایک ست نظر در و دیوار پہ ڈالی۔ یہ کمرہ اتنا بکھرا بکھرا کیوں لگتا تھا؟ جیسے چیزوں کا رش لگا ہے مگر کہاں سے صفائی شروع کرے اور کون کرے؟"

کچھ دیر بور ہوتی رہی' پھر نیچے آئی تو حسینہ' کچن صاف کر رہی تھی۔ لمحے بھر کو حنہ سیڑھیوں کے اختتام پہ ٹھہری گئی۔ کچن کاؤنٹر ابھی صاف نہیں کیا تھا اس نے... میلے برتن اکٹھے کر کے سنک میں رکھے تھے اور فرش پر جھاڑو لگائی تھی مگر کچن... وہ کچن جس کو وہ اس ایک ہفتے میں رگڑ رگڑ کر تھک گئی۔ وہ کچن یک دم چمکنے لگا تھا۔ صاف ستھرا' نکھرا نکھرا۔

وہ الجھی ہوئی سی اوپن کچن کے دہانے پہ آرکی۔

"یہ تم نے... کیسے صاف کیا؟" تذبذب سے بولی

تھی۔ ڈسٹ بن کا نیا شاپر لگاتی حسینہ مڑی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"باجی اللہ جہنم رسید کرے میری پھپھی کو بڑی ہی فتنہ عورت تھی وہ۔"

"اے... ایسے نہیں کہتے مرے ہوؤں کو۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"جی باجی مگر وہ پوری فوت نہیں ہوئی۔ بد روح اب بھی پورے گاؤں میں منڈلاتی ہے مگر ایک بات وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ شانو... شانو مجھے پیار سے بلاتے ہیں... وہ کہتی تھی شانو جب تک کسی کمرے کے چاروں کونوں سے رگڑ رگڑ کر گند یا چیزیں نہ نکالی جائیں تب تک کمرے کی لاکھ صفائی کرلو صفائی نہیں لگے گی۔ فرش کے کونے صاف کیے میں نے اور اس شیلف (کاؤنٹر ٹاپ کے لیے گاؤں میں بولے جانے والا لفظ) کے کونوں میں رکھی ساری چیزیں اٹھالیں۔ باجی جب کونے خالی ہو جائیں تو صفائی ہوتی ہے۔ کونوں کو ہمیشہ خالی رکھنا چاہیے۔ اب دیکھیں نا باجی ہم ہیں گاؤں کے لوگ مگر یہ باتیں صرف ہم ہی لوگ جانتے ہیں ورنہ آج کل کے موئے کمپیوٹر تو یہ باتیں نہیں سکھا سکتے۔"

"ایک سوال کیا پوچھ لیا تازہ تازہ اسلام آباد آئی ٹیارن کو اپنا احساس کمتری چھپانے اور رعب ڈالنے کا موقع مل گیا۔" عام حالات میں حنین بہت کچھ کہتی۔ (مثلاً "یہ صداقت گاؤں میں جا کر سب کو بتاتا ہے کہ مالکن کی بیٹی سارا وقت کمپیوٹر پہ بیٹھی رہتی ہے؟) مگر... اس حسینہ نے ایسی بات کہہ دی تھی جس نے حنہ کے دل کو ایک دم جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔"

"غلط... بالکل غلط۔" وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ "تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ کمپیوٹرز انسان کو کیا کچھ سکھا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ فوراً واپس اوپر کو بھاگی پھر رکی۔

"سنو... زیادہ باتیں نہ بنایا کرو ہمارے گھر میں زیادہ بولنے والوں کو پسند نہیں کیا جاتا اور دھیان سے کام کرو۔" رعب سے ڈپٹ کر تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ (حسینہ بڑبڑاتی ہوئی جھاڑو دینے لگی۔) اپنے اور ندرت کے کمرے میں آکر حنہ فرش پہ بیٹھی اور بیڈ پہ لیپ ٹاپ رکھ لیا۔ گوگل صاحب اپنا خالی چوکھٹا لیے مسکرا کر اس کو دیکھ رہے تھے۔

صداقت کی شادی کے دنوں میں جب اسے گھر صاف کرتے وقت اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آتی تھیں تو سوچا امی سے پوچھے۔ (مگر امی ڈانٹیں گی کہ جب پہلے کہتی تھی تب کیوں نہیں سنا؟) کبھی سوچا بڑے ابا کو فون کرے۔ (اونہوں... پھر تو ان کی اخلاقی فتح ہو جائے گی کہ پوتی نکمی ہے۔) کبھی خیال آیا... زمر (مگر یہاں انا آڑے آگئی۔) سیم سے پوچھنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا۔ صرف سعدی تھا جو سب کی سنتا سب کی مدد کرتا تھا مگر سعدی نہیں تھا۔

لیکن گوگل بھی تو تھا۔ اس کا پرانا دوست۔

اس نے پوچھا۔ (کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے) کیسے رکھا جائے اپنے کمرے کو صاف اور آرگنائزڈ؟

لمحے بھر میں جوابات نگاہوں کے سامنے چمکنے لگے تھے اور یہ پہلی دفعہ تھا جب حنین ذوالفقار یوسف خان نے وہ دنیا دریافت کی تھی جو گھر سے باہر نہیں تھی بلکہ وہ جو گھر کے اندر تھی۔

"صاف لڑکی وہ ہوتی ہے جو گند الماریوں میں نہ پھینکے بلکہ ڈسٹ بن میں پھینکے۔" گوگل اسے سمجھا رہا تھا۔ "اپنی الماریوں سے شروع کرو۔ سارا سامان... اور سارے سے مراد ہے... سارے کا سارا سامان باہر نکالو... تین ڈبے بناؤ... ایک ردی کا... ایک خیرات کا اور ایک وہ جو تمہارا ہے۔" وہ شاید گھنٹہ بھر بالکل سن سی یک ٹک پڑھتی رہی پھر اس نے آستینیں اوپر چڑھائیں کمر پہ دوپٹا کسا بال باندھے۔ ایک عزم سے اپنے کمرے کو دیکھا۔ آنکھوں میں چمک لیے وہ اونچا سا بولی تھی۔

"میں اس ملک کی سب سے آرگنائزڈ لڑکی بننے جا رہی ہوں۔" (شکر ہے سیم نہیں تھا ورنہ اتنا ہنستا کہ بس!)

حنین ہمیشہ سمجھتی تھی کہ سگھڑ لڑکیاں وہ ہوتی ہیں

جو چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی سنبھال کر رکھتی ہیں، جبکہ سنبھالنے کے لیے رکھی چیزوں میں سے اکثر... بے کار ہوتی ہیں۔ اس نے الماریاں خالی کیں، دراز الٹیں شیلف کا سامان بھی فرش پہ ڈھیر کیا۔ چیزیں... چیزیں... چیزیں... ہم بذات خود کتنی گندی میلی قوم ہیں۔ ردی سے الماریوں کو بھر کر رکھتے ہیں مگر اب مزید نہیں۔ گوگل نے کہا تھا۔ ہر وہ چیز جو تم نے پچھلے دو سال سے استعمال نہیں کی، وہ پھینکو۔ قابل استعمال چیز خیرات کردو اور صرف ضرورت کی چیز واپس رکھو۔"

اس نے بھی تین ڈھیر بنانے شروع کیے۔ میک اپ کا ایکسپائرڈ پرانا سامان، پرانی چوڑیاں، پرانے کپڑے، کاغذ، کاپیاں، کتابیں، جوتے، سوکھے ہوئے قلم، خالی ڈبے۔ اف اتنا کباڑا... جب اس کے تینوں ڈھیر مکمل ہوئے اور وہ اٹھی تو کمر دکھ رہی تھی مگر حسینہ کو آواز نہ دی۔ (انا!) خود ہی کوڑے کو بڑے سیاہ شاپروں میں ڈالا اور باہر رکھ آئی۔ پرانے اخبار لاکر اپنی الماریوں میں بچھائے، شیلف صاف کیے۔ چیزیں درست کرکے جھاڑ کے رکھیں۔ دراز صاف اور ہلکے ہوگئے۔ جب ساری الماریاں اور دراز اندر سے صاف ہوچکے تو وہ جالوں والا ڈنڈا لائی، ہر کونے سے جالے صاف کیے۔ گوگل کہتا تھا۔ "پھول جھاڑو سے دیواروں پہ بھی جھاڑو لگاؤ۔" جو حکم... وہ بھی کیا۔ پھر گیلے اخبار سے شیشہ صاف کیا۔ گیلے کپڑے سے ڈسٹنگ کی۔ جھاڑو لگائی۔ صوفے اور پلنگ دھکیل دھکیل کر اور بالخصوص کونوں میں جھاڑو لگا دی۔ رگ کو ویکیوم کیا۔ فرش پہ موپ لگایا۔ (موپ دھونے کی ہمت نہیں تھی، وہ ایسے ہی کچن میں حسینہ کو دے آئی۔) اب (ٹوٹتی کمر کے ساتھ) واپس آکر کمرہ دیکھا تو طمانیت کا احساس ہوا مگر ہال... بیڈ شیٹ رہ گئی۔ جلدی سے اسے تبدیل کیا۔ اف سب اتنا نکھر گیا تھا۔ صاف چمکتا ہوا۔ گردن اٹھائی تو دل دھک سے رہ گیا۔ پنکھے پہ جالے تھے۔

"اوہ نو..." وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر کراہی تھی۔ اب اگر اوپر جالوں والی جھاڑو ماری تو سارے کمرے کی صفائی کا بیڑہ غرق ہوجانا تھا، کیا کرے؟ دوڑ کر گوگل سے پوچھا۔

جواب پاکر سکھ کا سانس لیا۔ کمرے کے وسط میں میز کھینچ کر رکھی، اوپر اسٹول رکھا اور پرانا تکیے کا کور لیے اوپر چڑھی۔ ایک ایک پر پہ باری باری کور چڑھایا اور رگڑ کر جالے اس کے اندر اتار لیے۔ پنکھا گزارے لائق صاف ہوگیا۔ جالے نیچے بھی نہیں گرے۔

اب جب نیچے کھڑے ہوئے حنین نے گردن گھما گھما کر اپنے کمرے کو دیکھا تو دل میں سکون سا بھر گیا۔ ایک تشفی کا احساس تھا کہ یہ کمرہ اندر تک، الماری کے دروازوں اور نہاں خانوں تک صاف ستھرا ہے۔ صفائی کا احساس۔ طمانیت۔ انمول ہوتی ہے۔

اس سارے میں اس کی حالت شدید دگرگوں ہوچکی تھی مگر وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔ صاف استری شدہ کپڑے نکالے۔ نہا دھو، بال برش کرکے، پرفیوم لگا کے نماز پڑھی، نیچے جاکر کھانا کھایا اور پھر کمرے میں آکر کمبل تان کر سوگئی۔ بڑی ہی میٹھی نیند تھی جو اس وقت اسے آئی تھی۔

حنین کی آنکھ باتوں کی آواز سے کھلی تھی۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں اور کمبل ہٹا کر دیکھا۔ مغرب ہوچکی تھی اور کمرے کی بتیاں جلی تھیں۔ وہاں اسامہ اور ندرت کھڑے زمر سے بات کررہے تھے جو کوٹ اور پرس اٹھائے چوکھٹ میں کھڑی ستائشی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"واقعی بھابھی، اس نے آج بہت کام کیا ہے۔ آپ کا کمرہ تو چمک رہا ہے۔" حنین نے پلکیں جھپکیں۔ کہنی کے بل اٹھی۔ (کمر ابھی تک اکڑی ہوئی تھی۔)

"پنکھا، لائٹس، ہر شے صاف کی ہے۔ الماریاں تک جھاڑی ہیں۔" ندرت کی آواز میں ستائش تھی۔ حنہ خوابیدہ آنکھوں اور لبوں پہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔ دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ ادھر اسامہ کہہ رہا تھا۔

"واہ امی۔ یہ صداقت بھائی کی بیوی تو بہت اچھا کام کرتی ہے۔"

حنین کا منہ کھل گیا۔ وہ یک دم بالکل شل ہوگئی۔ زمر نے اسے اٹھتے دیکھ لیا تھا۔ تب ہی پکارا۔ "حنین،

تم نے اپنی نگرانی میں اس سے صفائی کروائی تھی نا؟ ویسے صداقت سے کہیں زیادہ سلیقہ شعار ہے یہ لڑکی۔ آئی ایم امپریسڈ!"

حنین کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا تھا۔ وہ سب اب بار بار حسینہ کی تعریف کر رہے تھے۔ ڈھیروں آنسو حنہ کے حلق میں جمع ہوئے۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ ایک دم سے رخ موڑ کر کمبل تان کر واپس لیٹ گئی۔ اگر اس وقت وہ دفاع میں ایک لفظ بھی کہتی تو اسے پتا تھا وہ رونے لگ جاتی۔ سو کمبل کے اندر خود کو چھپا لیا۔

☼ ☼ ☼

کہاں سے لائیں بھلا ہم جواز ہم سفری
تجھے عزیز ترے خواب' اپنا حال مجھے

اس چمکیلی مگر ٹھنڈی دوپہر' آبدار عبید اپنی رہائش گاہ کے گیٹ سے کار نکال رہی تھی جب ٹھٹک کر رکی۔ ایک شخص وہاں منتظر سا کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک ڈبہ پکڑ رکھا تھا جسے لہراتے ہوئے وہ کار تک آیا۔ آبی رکی' مگر شیشہ نہیں کھولا۔ اس نے قریب آکر ڈبہ دکھایا۔ اوپر فارس غازی کا نام لکھا تھا۔ آبدار نے تیزی سے بیلٹ کھولی اور باہر نکلی۔ گیٹ پہ مامور گارڈز اس طرف آنے لگے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر ان کو پلٹ جانے کا اشارہ کیا اور خود اس شخص کی طرف مڑی۔

"یہ فارس غازی نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔" اس نے ڈبہ بڑھایا۔ آبی نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ڈبہ تھاما۔ وہ فوراً" پلٹ کر اپنی موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے دور' ایک اسپتال کے پارکنگ ایریا میں کار روکے' اندر بیٹھی تھی۔ اور ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اندر ایک لکڑی کا چھوٹا سا پین کیس تھا' اور اوپر ایک چٹ رکھی تھی جس پر ایک نمبر درج تھا۔ وہ سوچتی رہی۔ اس نے موبائل نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔

پہلی گھنٹی پہ کال مل گئی تھی۔ بھاری مگر دھیمی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

"میرا پارسل مل گیا؟" آبدار کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"کیا آپ کی جیل میں پانچ کلومیٹر تک موبائل جیمرز نہیں لگے ہوتے؟"

"ہمیں جیمرز کو دھوکا دینے کے سو طریقے آتے ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟"

"کنفیوزہوں۔ اس پین کا کیا کروں؟" اس نے لکڑی کا کیس کھولا۔ اندر پلاسٹک میں لپٹا سنہری قلم رکھا تھا۔ وہ بال پین تھا جس کو پیچھے سے دبانے پہ نب باہر نکلتی تھی۔

"اسے مت چُھوئیں۔" وہ جلدی سے بولا تھا۔ "اس میں سائنائڈ ہے۔ زہر۔"

آبدار نے جلدی سے کیس بند کیا۔ خوب صورت پیشانی پہ لکیریں ابھریں۔ "میں اس کا کیا کروں؟"

"یہ اسے دینا ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"وہ اس کا کیا کرے گا؟"

"دفاع از خویشتن!" (دفاع ذات!)

"آپ تو فارسی بھی بولتے ہیں۔" مگر پھر وہ برہم ہوئی۔ "میں اپنے باپ کو دھوکا دوں' ہاشم سے دغا کروں' بین الاقوامی قوانین توڑوں اور سیکورٹی کو بائی پاس کر کے یہ قلم اس تک پہنچاؤں' یہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں آپ مجھے؟"

"میں صرف درخواست کر رہا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ اپنی بیرک میں دیوار سے لگا کھڑا' وہ آستین موڑے' فون کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ اب برہمی' غصہ' بے بسی' سب مفقود تھا۔ وہ بالکل پُرسکون تھا۔

آبدار کے تنے نقوش پھر سے ڈھیلے پڑے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرادی۔

"اور میں یہ کیوں کروں گی؟"

"بدلے میں' میں بھی آپ کے لیے کچھ کروں گا۔"

"مثلاً" کیا؟" وہ شرارت سے نچلا لب دبا کر بولی۔

"جو آپ کہیں۔" وہ بھی مسکرایا تھا۔

"آپ میرے ساتھ چائے پئیں گے؟" کہہ کر اس

نے بے اختیار دانتوں تلے زبان دبائی اور خفت سے آنکھیں میچیں۔ بیرک میں کھڑے فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔
"چائے؟"
"دو دفعہ انکار کیا آپ نے چائے کے لیے۔ ایک تب جب آپ پہلی دفعہ ادھر آئے اور ایک تب جب ہم ایس ایچ او صاحب کے کمرے میں ملے تھے۔"
وہ ہولے سے ہنسا۔ سر جھکائے' نفی میں گردن جھٹکی اور جوتے سے زمین کو مسلتے بولا۔
"میں شادی شدہ آدمی ہوں' آبدار بی بی!"
"پھر تو آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ترنت بولی۔
"اوکے... میں آپ کے ساتھ چائے پیوں گا' اگر میں باہر آیا تو۔ مگر آپ یہ اس کو دے دیں گی۔" فارس نے نرمی سے یاد کرایا۔
"لیکن جب میں اس سے مل لوں گی تو فصیح کو دیا وقت ختم ہو جائے گا اور وہ اس کو مار دے گا۔"
"جو میں کہہ رہا ہوں' آپ وہی کریں۔" اس کی آواز سنجیدہ اور بے لچک تھی۔ آبی نے مسکرا کر شانے اچکائے۔
"آپ کو اچھا لگتا ہے یہ کرنا؟"
"کیا کرنا؟"
"جیل میں بیٹھ کر' خود مقید رہ کر بھی' ہم سب کو کنٹرول کرنا۔"
"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ شرافت سے قید کے دن کاٹ رہا ہوں۔" وہ سادگی سے بولا۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھر سے در آئی تھی۔
آبی مسکرا دی۔ "میں اس جیل صرف اس لیے گئی تھی کیونکہ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتی تھی۔ دوبارہ کبھی میں ادھر نہیں جانا چاہتی تھی' مگر... (ٹھنڈی سانس بھری) آپ کے لیے میں یہ کر لوں گی۔" وہ فون بند کرنے لگی جب اس نے پکارا۔
"آبدار۔" وہ ٹھہری۔
"تھینک یو!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

آبدار عبید کو نہیں معلوم وہ کیوں مسکرا رہی تھی' مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ ایک دم سے ساری دنیا خوب صورت لگنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

شہر آباد کر کے شہر کے لوگ
اپنے اندر بکھرتے جاتے ہیں

دوپہر کی نرم سنہری کرنیں قصر کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھیں۔ لاؤنج میں کنارے پہ' کھڑکی کے آگے شاہانہ کرسی پہ بیٹھی جواہرات کرو فر سے ناک سے مکھی اڑا کر بولی تھی۔
"اور بھی کچھ کہہ رہے تھے تم۔"
"آپ کا اس ہفتے ایک فوٹو آپس ––– کرنا ہے۔ زلزلہ متاثرین کے ساتھ۔" وہ ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اپنے سیل فون پہ کچھ چیک کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"احمر! کیا یہ بہت مصنوعی نہیں لگے گا؟"
"مسز کاردار! سب کو معلوم ہے کہ فوٹو آپس جھوٹ اور بکواس ہوتے ہیں' لیکن اس جھوٹ کو پیش کرنے کے لیے مہارت ہونی چاہیے۔ جو جتنا اچھا جھوٹ بولتا ہے اس کا فوٹو اوپ اتنا ہٹ جاتا ہے۔ اسی لیے آپ نے مجھے ہائر کیا ہے نا۔ سو مجھے اپنا کام کرنے دیں۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ جواہرات نے جواباً' ہاتھ بڑھا کر اس کا شانہ تھپکا۔ "جو تم کہو۔"
لاؤنج کے ان ڈور پلانٹ کو پانی دیتی فیونا نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر وہ منظر دیکھا اور پھر ناخوشی سے ناک سکیڑتی واپس کام کرنے لگی۔ وہ جواہرات کا اب صرف پی آر او نہیں تھا۔ نہ ہی وہ صرف اس کا امیج کنسلٹنٹ رہا تھا۔ وہ اس کا "باڈی مین" بنتا جا رہا تھا۔
باہر لان میں کار رکی' دروازے کھلے اور ہاشم کاردار کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ آنکھیں سامنے اونچے قصر پہ جمائے چہرے پہ سختی اور برہمی طاری کیے' ساتھ نکلتے رئیس سے بات کر رہا تھا۔
"یہ میں جانتا ہوں کہ وہ بیٹے کی ضمانت کے لیے

واقعی کورٹ گیا تھا۔ مزید کیا معلوم ہو سکا ہے۔"

"سرفاطمی نے پچھلے تین ماہ میں چار دفعہ ہمارے جاننے والے ایک کوریئر کے ذریعے کرنسی باہر لانڈر کروائی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے اثاثے باہر منتقل کر رہا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے نام پہ ایک گھر بھی بارسلونا میں قسطوں میں خرید رہا ہے۔"

"اچھا۔" وہ پتھریلے تاثرات کے ساتھ سنتا برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ رئیس اس سے ایک قدم پیچھے تھا۔

"کیا اس سے بات کریں گے آپ؟"

"تمہاری جگہ خاور ہوتا تو یہ کبھی نہ پوچھتا۔" وہ کہہ کر لمحے کو رکا، پھر سر جھٹک کر اوپر چڑھتا گیا۔ "ابھی اس پہ نظر رکھو۔ صرف نظر۔"

وہ اندر آیا اور بس ایک سرسری نظر ہال اور اس کے باڈی مین پہ ڈال کر اوپر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب فریش ہو کر شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، آرام دہ حلیے میں نیچے آیا تو جواہرات تنہا بیٹھی تھی۔ وہ احمر کی چھوڑی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"آپ نے کال کی تھی۔ کوئی اہم بات تھی؟"

"ہوں۔" جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ خاور والے سارے مسئلے کے بہت دن بعد، وہ بالآخر ذہنی طور پہ پرسکون ہوتا نظر آ رہا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔

"ہاشم... شہری اور تمہاری ڈائیورس کو دو سال ہونے کو آئے ہیں۔ سعدی، خاور، وہ سارے مسئلے بھی حل ہو گئے ہیں۔ فارس بھی قصۂ پارینہ ہو گیا۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ چاہتی ہیں کہ میں شادی کر لوں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"بالکل۔ اور اب تمہیں جلد فیصلہ کرنا ہو گا۔ مجھ سے مسز شائستہ ذکی نے کہا ہے کہ ان کے بیٹے کے لیے ہارون کو پیغام بھجواؤں۔ اگر ہارون، انٹرسٹڈ ہوا تو مسز شائستہ ذکی باقاعدہ پرپوزل دیں گی۔ لیکن اگر تم آبی میں دلچسپی رکھتے ہو تو کوئی فیصلہ کر لو۔" وہ کہنے کے ساتھ نرمی سے اس کے ہاتھ کو تھپک بھی رہی تھی۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وہ بولا کچھ نہیں، مگر چہرے پہ سب لکھا تھا۔

"میں دیکھ سکتی ہوں کہ آبی کے لیے کسی اور کا پرپوزل آتا دیکھ کر تم ڈسٹرب ہوئے ہو، اس لیے.... فیصلہ کر لو۔" ہاشم نے نظر اٹھا کر جواہرات کو دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔

"واقعی... اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔"

سیڑھیوں کے اوپر... کمرے کے آگے بنی ریلنگ پہ کھڑے نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ آبدار؟ وہی آبدار؟ وہ شدید ناخوش نظر آنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

تمام خانہ بدوشوں میں مشترک ہے یہ بات سب اپنے اپنے گھروں کو پلٹ کے دیکھتے ہیں

اس روز سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔ کمرۂ عدالت میں ہیٹر چل رہا تھا۔ زمر سرخ پڑتی ناک کے ساتھ اپنی میز پہ بیٹھی گواہ کے بیان کو ستی کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بخار کی حدت سے گلابی پڑ رہا تھا۔ آنکھوں تلے حلقے تھے۔ فارس گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو دیکھتا تھا۔ وہ گو کہ پہلے کی طرح پرسکون تھا مگر اس کو دیکھتے ہوئے آنکھوں میں فکرمندی در آتی تھی۔ ذرا سا اس کی طرف جھک کر بولا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو سماعت میں نہ آتیں۔ اگلی تاریخ کا انتظار کر لیتیں۔"

زمر نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری روز روز شکل دیکھنے کا۔ مگر جو تمہارے گھر والے ہیں نا، وہ بہت پریشان ہیں۔ چاہتے ہیں تم جلد رہا ہو جاؤ۔ تمہاری تو عادت ہے جیل جانا۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا لیکن ان کو پڑتا ہے۔"

فارس نے سکون سے اس کی بات سنی۔ "وہ میری گرل فرینڈ نہیں تھی۔"

"جیسے مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔" سر جھٹک کر وہ کٹہرے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ مسکراہٹ دبائے خاموش ہو گیا۔

کٹہرے میں اب کی بار ایک درمیانی عمر کی عورت کھڑی تھی۔ سانولا مگر سنجیدہ چہرہ 'نفیس لباس اور اٹھی ہوئی گردن۔ اس کے سامنے کھڑا پراسیکیوٹر سوال کر رہا تھا۔

"مقتول... یعنی آپ کے شوہر... قمرالدین صاحب... فارس غازی کا ذکر آپ سے کرتے تھے؟"

"جی۔"

"آب جیکشن یور آنر۔ heresay ۔(سنی سنائی بات)" زمر نے بے زاری سے آواز بلند کی' ساتھ ہی زکام زدہ سانس ناک سُڑک کر اندر کھینچی۔

"یور آنر' مقتول کی بات کی اہمیت سے دفاع کیسے انکار کر سکتا ہے۔"

"اوور رولڈ!" جج نے پراسیکیوٹر کی پوری بات سننے کی زحمت بھی نہ کی اور ناگواری سے زمر کا اعتراض رد کیا۔ وہ شدید کینہ پرور نظروں سے ان کو دیکھتی رہی۔ فارس بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔

"جی وہ اکثر فارس غازی کا ذکر کرتے تھے۔" اب وہ فارس اور اس کی دشمنی کے متعلق کورٹ کو آگاہ کر رہی تھی۔ زمر سر جھکائے کچھ لکھتے ہوئے سنتی رہی۔ اپنی باری آنے پہ وہ اٹھی اور اتنے ہی برے موڈ کے ساتھ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"مسز قمرالدین... مقتول چند دکانوں کے مالک تھے' اچھا خاصا پیسہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان کی موت کے بعد وہ پیسہ کس کو ملا ہے؟"

"وہ شرعاً" تقسیم کیا گیا ہے۔" خاتون سنجیدگی اور بردباری سے بولی۔

"چونکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے تو وہ رقم آپ کے اور مقتول کی بہن کے حصے میں آئی ہو گی۔"

"جی ہاں۔"

"مقتول کی بہن کے شوہر آپ کے بھائی ہیں۔ وہ پچھلے ماہ گواہی دینے کے لیے آئے تھے۔ وہ مقتول کے سالے اور بہنوئی' دونوں ہیں۔ کیا یہ درست ہے کہ آپ کی وٹے سٹے کی شادی تھی؟"

"جی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قمرالدین صاحب کی تمام پراپرٹی آپ کو اور آپ کے بھائی کو ملی ہے۔" مچھنے والے انداز میں سر ہلاتے ہوئے زمر نے سادگی سے پوچھا۔

"آب جیکشن یور آنر!" پراسیکیوٹر تیزی سے اٹھا۔

"سسٹینڈ!" جج صاحب نے تنبیہہ بھری نظر زمر پہ ڈالی۔

"مسز قمرالدین۔" وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف گھومی۔ "کیا آپ کا اور قمرالدین صاحب کا کوئی جوائنٹ بینک اکاؤنٹ ہے؟"

"جی' ہے۔" وہ چونکی تھی۔

"اور کیا جن دنوں قمرالدین صاحب جیل میں تھے' آپ نے ایک خطیر رقم نکلوا کر اپنے بھائی کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کی تھی؟" اس نے چند کاغذات باری باری جج اور پراسیکیوٹر کے سامنے رکھے اور ایک کاپی گواہ کو تھمائی۔ خاتون ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"مسز قمرالدین... کیا یہ درست ہے کہ جب قمرالدین کو اس خطیر رقم کے ٹرانسفر کا علم ہوا تو بینک آفس میں بیٹھے انہوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ جھگڑا کیا؟"

"جی۔ درست ہے۔" نگاہیں جھکائے' وہ بولی۔

"اور اس جھگڑے میں آپ کے بھائی نے قمرالدین صاحب کو شدید برا بھلا کہا۔ اور اس جھگڑے کے ڈیڑھ ماہ بعد قمرالدین صاحب کا قتل ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ نگاہیں بدستور جھکی تھیں۔

"مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔" وہ کورٹ کو ایک اور suspect دے کر آرام سے مڑ کر اپنی کرسی کی طرف چلی آئی تھی اور پہلے سے بہتر نظر آ رہی

تھی۔ البتہ فارس نے ہلکے سے سرگوشی کی۔
"پراسیکیوٹر نے آب جیکٹ نہیں کیا۔"
زمر چونکی۔ فارس تیکھی نظروں سے پراسیکیوٹر کو دیکھ رہا تھا جو سارا وقت خاموش بیٹھا رہا تھا اور اب گواہ کو re-exmine کرنے اٹھ رہا تھا۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا' خرابی طبیعت کے باعث آج اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔
"مسز قمرالدین۔" وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "آپ نے وہ رقم کیوں نکلوائی تھی؟"
زمر ابرو اکٹھے کیے آگے ہو کر بیٹھی۔
خاتون خاموش رہی۔
"مسز قمرالدین اگر آپ جواب نہیں دیں گی تو فاضل عدالت کے سامنے آپ کا اور آپ کے بھائی کا کردار مشکوک ہو جائے گا۔"
"میں..." وہ رکی۔ "ایک سال پہلے مجھے بریسٹ کینسر ڈائیگنوز کیا گیا تھا۔ یہ رقم اس کے علاج اور سرجری کے لیے نکلوائی تھی میں نے۔ قمرالدین صاحب کو پریشانی سے بچانے کے لیے لاعلم رکھا تھا۔ میرا بھائی ہر لمحے میرے ساتھ رہا تھا۔" نگاہیں جھکائے وہ بولی تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
زمر نے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔ پراسیکیوٹر اب اس کی میڈیکل رپورٹس عدالت میں جمع کرا رہا تھا۔ پھر مڑ کر فاتحانہ انداز میں زمر کو دیکھا۔
"کیا آپ ری کراس کرنا چاہیں گی گواہ کو؟"
"نو تھینکس۔" وہ تلخی سے کہہ کر کاغذ پہ لکیریں کھینچنے لگی۔ فارس نے دیکھا' وہ صرف تکونیں بنا رہی تھی۔ آج کا دن اس کے لیے بہت برا ثابت ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

یقین حرف دعا' بے یقین موسم میں
بہت کٹھن تھا بچانا مگر بچایا ہے

ہوٹل کے کچن کی ویران پڑی پینٹری کے دروازے سے اندر جانے کی بعد فصیح آبدار کو راہداری میں آگے لے آیا۔ ایک سیکورٹی چیک پوائنٹ پہ وہ رکا۔
"مس! آپ اپنا پرس' سیل فون' کچھ بھی نیچے نہیں لے جا سکتیں۔ میں معذرت خواہ ہوں' مگر ہارون صاحب آپ پہ بھی بھروسا نہیں کرتے۔"
سفید لمبا سویٹر پہنے اور سرخ اسکارف میں ملبوس آبی نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی اور میز پہ اپنا پرس الٹ دیا۔ چابیاں' قلم' موبائل' لپ اسٹک۔ کریڈٹ کارڈ۔ سب کچھ میز پہ گرا تھا۔ اب وہ ہاتھوں سے انگوٹھیاں اتارنے لگی۔
فصیح شرمندہ ہو کر "نہیں' اس کی خیر ہے۔" کہنے لگا مگر آبدار نے اسی خاموشی سے انگوٹھیاں میز پہ پٹخیں' کڑا اتارا۔ گھڑی کھول کر وہاں رکھی۔ اسکارف تلے ہاتھ ڈال کر چین نوچ کر اتاری۔ دوبارہ اسکارف تلے ہاتھ ڈالا اور اب سر کی پن اتاری۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "کیا تمہاری تسلی ہو گئی کہ اب میں کلیئر ہوں؟" اور واک تھرو گیٹ سے گزری۔ کوئی سائرن نہیں بجا۔ وہ ہر دھات سے پاک تھی۔ پھر مڑی اور ان ہی خشمگیں نگاہوں سے فصیح کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس کا انٹرویو نوٹ کرنے کے لیے نوٹ بک اور پین اٹھا لوں؟" کہتے ہوئے اپنی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔
"آف کورس' مس!"
آبی نے اسی برے موڈ سے نوٹ بک اٹھائی' سنہری پین اٹھایا اور پھر اس کی طرف بڑھایا۔ "ان کو بھی چیک کر لو تاکہ کل کو اگر وہ بھاگ جائے تو تم مجھ پہ الزام نہ دھر سکو۔ لو' چیک کر لو۔"
"میں صرف حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ آئی ایم سوری۔" سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دے کر بولا اور آگے بڑھ گیا۔ آبی قلم اور نوٹ بک پکڑے اس کے پیچھے ہولی۔
جب سعدی یوسف کو اس کے سامنے لا بٹھایا گیا تو وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ سعدی بھی خاموش مگر اکھڑا اکھڑا سا لگتا تھا۔ وہی سفید شرٹ پہنے جواب ڈھل ڈھل کر بے رنگ ہو چکی تھی' وہ ابرو بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش' بالکل چپ۔ فصیح آبدار کے پیچھے آکھڑا

ہوا تھا۔

"مجھے تمہارے Death Experience Near (قربِ مرگ کا تجربہ) کے بارے میں چند سوال کرنے ہیں۔" خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے نوٹ بک کھول کر قلم اس پہ جمایا اور پیچھے سے دبایا۔ نب نکل آئی اور اس نے بک پہ چند الفاظ لکھے۔ پھر اس کی خاموشی محسوس کر کے سر اٹھایا۔

"مجھے ہاشم سے بات کرنی ہے۔ یہاں کوئی میری اس سے بات نہیں کروا رہا۔ یہ کہتے ہیں ہاشم کا فون آف ہے۔" ساتھ ہی ایک کٹیلی نظر پیچھے کھڑے فصیح پہ ڈالی۔

آبدار نے گہری سانس لی اور نگاہیں اس پہ جمائے رکھے بولی۔ "تمہاری سرجری کے دوران' خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے' تمہاری طبی موت ہو چکی تھی۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس دوران تم نے کیا محسوس کیا؟"

"یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے چینی مگر ضبط سے بولا تھا۔ "ہاشم کو بتاؤ کہ یہ مجھے مار دیں گے۔"

"تم نے کیا دیکھا؟ کوئی خواب؟ کوئی چہرہ؟ یا کوئی ایسا سفر جو تم بیان نہ کر سکتے ہو؟"

"تم میری مدد کرو گی یا نہیں؟" وہ سن رہی تھی۔ وہ اب کے بولا تو آواز بلند تھی۔ چہرے پہ دکھ تھا۔

"میں... نیوٹرل ہوں۔" اس نے کلک کے ساتھ پین بند کر دیا۔ اور نوٹ بک پہ رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"ایک گھنٹے بعد میری فلائٹ ہے۔ میں مزید تمہاری باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کچھ یاد آجائے تو اس پہ لکھ دینا اور کسی گارڈ کو دے دینا' وہ مجھ تک پہنچا دے گا۔"

فصیح آبی کی پشت پہ کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے آبی نے ابرو سے قلم کی طرف اشارہ کیا گویا التجا کی کہ اسے پکڑ لو۔ سعدی نے لمحے بھر کا تامل کیے بغیر قلم اور نوٹ بک تھام لی۔ پھر باری باری ان دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ آبدار سنجیدہ سی اٹھ گئی۔

"چلو فصیح! اگر زیادہ دیر ٹھہری تو مجھے تمہارے قیدی پہ ترس آجائے گا۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ باہر جانے لگی' تب فصیح رکا۔

"ایک منٹ۔ مجھے اس کو چیک کرنے دو۔" وہ سعدی کی طرف بڑھا۔ آبی منجمد ہو گئی۔ سانس تک رک گیا۔

فصیح نے سعدی کے ہاتھ سے نوٹ بک لی اور اسے کھولا۔ اچھی طرح کھنگالا۔ صفحے پلٹے۔ ان کو سونگھا۔ (کوئی نادیدہ انک ہو شاید۔) پھر مطمئن ہو کر بک واپس کر دی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ آبی کی جان میں جان آئی۔

فصیح کو اس پہ شک نہیں تھا کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب آبدار اپنے کسی مریض کو نوٹ بک اور قلم دے آئی تھی۔ فصیح اس کے ساتھ کئی دفعہ ایسا ہی منظر دیکھ چکا تھا جب مریض بتانے سے زیادہ لکھنا پسند کرتے تھے۔ بعد میں وہ فصیح کو نوٹ بک واپس لانے کے لیے بھیجتی تھی۔ اب بھی باہر راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے فصیح سے کہا تھا۔

"جب وہ مر جائے تو میری نوٹ بک واپس لے آنا۔"

اور اندر اپنے خالی کمرے میں بیٹھا سعدی دیوانہ وار نوٹ بک کے صفحے پلٹتا رہا تھا۔ وہاں آبی کے نوٹ کردہ چند NDEs لکھے تھے۔ سعدی بے قراری سے ان الفاظ میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ کوئی پیغام' کوئی کوڈ۔

جبکہ سنہری چمکتا ہوا پین لاپروائی سے میز پہ رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہی بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

قصرِ کاردار کی انیکسی میں اس صبح شور و غل برپا تھا۔ صداقت کام ختم کر کے اپنے کوارٹر میں چلا جاتا تھا' آج

بھی باہر تھا۔ حسینہ فارغ سی لاؤنج میں چوکی کھینچ کر بیٹھی گاہے بگاہے کچن کو دیکھتی اور ادھر ادھر سلگتی ندرت بھی تو کچن کو ہی انگارہ آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر ہول رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا، حنین کو کچا چبا جائیں۔

حسینہ سمیت سب کو وہاں سے نکال کر وہ اوپن کچن میں کاؤنٹر ٹاپ کے اوپر چڑھی کھڑی تھی۔ آستینیں چڑھائے، دوپٹا کسے، بال باندھے، وہ کچن کو de-clutter کر رہی تھی۔ گندگی سے پاک۔

جب ندرت کو معلوم ہوا تھا کہ اپنا کمرہ حنین نے خود صاف کیا تھا تو کافی خوش ہوئیں۔ حیران بھی۔ جتایا بھی (آج کہاں سے خیال آ گیا؟) مگر چلو اچھا ہے۔ اس کو بھی احساس ہوا گھرداری کا۔ یہاں تک ٹھیک تھا مگر جب آہستہ آہستہ دراز کھلنے پہ معلوم ہوا کہ.... آدھے سے زیادہ سامان حنین بی بی گھر سے باہر کر چکی ہیں تو ندرت پہلے پریشان پھر غصہ ہوئیں۔ حالانکہ حنین نے کام کی کوئی چیز نہیں پھینکی تھی مگر وہ ماؤں والی عادت کہ انیس سو ستر کی دہائی کی بھی سوئیاں، دھاگے سنبھال کر رکھیں گی کہ شاید قیامت سے پہلے کبھی کام آ جائیں۔

چلو یہاں تک بھی ٹھیک تھا، مگر جب وہ پچھلے دو ہفتوں کے دوران باری باری ہر کمرہ (ماسوائے زمر کے کمرے کے) صاف کرنے لگی تو ندرت کو غصہ آنے لگا اور آج صبح جب اس نے کچن میں قدم رکھا، یعنی کہ ان سب کو باہر نکالا تو ندرت ذوالفقار خان کے لیے مزید برداشت کرنا ناممکن ہو گیا۔

"ہر چیز ہلا دو گی پھینک دو گی، وہ کیبنٹ کیوں کھول رہی ہو؟ اف یہ مسالوں کے ڈبے کیوں نکال رہی ہو؟" وہ وہیں بیٹھے ہوئے بار بار پریشانی سے اسے پکارتیں (حنہ کا اتنا رعب تو تھا کہ منع کر دیا تو اب کچن میں نہیں جانا۔)

مگر حنین پرسکون تھی۔ گھٹنوں کے بل کاؤنٹر ٹاپ پہ بیٹھی، اوپری کیبنٹ سے چیزیں نکال نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ رہی تھی۔

"میں کوئی بھی کام کی چیز نہیں پھینکوں گی امی! صرف ایکسپائرڈ مسالے کے پیکٹ نکال رہی ہوں۔ شیشوں والے مسالے نکال کر، شیشیاں دھو کر، سکھا کر واپس ڈال دوں گی۔ اندر رکھے سارے برتن دھونے ہیں۔ صاف کرنا ہے۔ پھر صاف اخبار بچھا کر، ہر چیز سیٹ کر کے رکھنی ہے۔"

"ہاں بھئی ماں تو پھوہڑ ہے، ماں کو تو کچھ آتا ہی نہیں۔ تین بچے پال کر بڑے کیے، جاب بھی کی گھر بھی سنبھالا، مگر نہیں...."

وہ پنجوں کے بل بیٹھی، کیبنٹ پہ ہاتھ رکھے مڑ کر ندرت کو دیکھنے لگی۔

"پتا ہے کیا امی! ہر عورت کے اندر ایک شدید پوزیسو قسم کی روح ہوتی ہے۔ جیسے وہ اپنی ساس یا اپنی بہو کی خود مختاری اپنے گھر میں نہیں برداشت کرتی اسی طرح وہ اپنی بیٹی کی خود مختاری بھی نہیں برداشت کرتی۔ آپ مائیں یہ تو چاہتی ہیں کہ بیٹی بستر سے اٹھے تو چادر درست کر کے اٹھے، مہمانوں کے سامنے چائے دینے کا سلیقہ آتا ہو، مختلف پکوان بنانا سیکھ لے، اپنا کمرہ صاف رکھا کرے، تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں، مگر جہاں بیٹی نے اپنی مرضی سے گھر سیٹ کرنا چاہا، وہاں آپ کے اندر کی عورت جاگ گئی۔ اسی لیے لوگوں نے "ہاؤس وائف" یا "ہاؤس کیپر" کی ٹرم بنائی کہ صرف گھر کے صاحب کی بیوی یا گھر کی نوکرانی ہی گھر کی چیزوں کو رکھنے اور چھیڑنے میں خود مختار ہوتی ہے، مگر اب وہ دور ختم ہوا۔ آج سے حنین یوسف ایک نئی ٹرم ایجاد کرتی ہے۔ "ہوم گرل۔" گھر کی بیٹی کو گھر کے کام سیکھنے چاہئیں، اگلے گھر کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر کے لیے، ہر وہ گھر جہاں وہ رہے۔"

اور اگر حسینہ سامنے دانت نکوستی سن نہ رہی ہوتی تو ندرت کا ہاتھ بار بار جوتے تک جا کر رک نہ جاتا۔

"قریباً" تین گھنٹے بعد وہ دھلے دھلائے کچن کے سامنے تھکن سے چور کھڑی تھی۔ اب کچن کیبنٹس اندر سے بھی صاف اور ان میں جگہ بھی نکل آئی تھی۔ سب اس نے خود کیا تھا۔ یہ نوکرانیوں کے کرنے کے کام نہیں ہوتے۔ امی کی سو سو صلواتیں

سن کر بھی بھری بنی "clutter" اور "charity" کے بڑے بڑے شاپر باہر کوڑے کے ڈبے میں ڈال کر آئی۔ اب بس ایک کام رہ گیا تھا۔ اپنے بیڈ روم کی ایک دو درازیں اس نے چھوڑ دی تھیں اس روز۔

اب ان کو نکال کر لاؤنج میں لے آئی اور ان میں سے ضروری' کچرا' اور خیرات کا سامان الگ الگ کرنے لگی۔ ابھی ویسی ہی بے حال' بندھے بالوں اور تھکے چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی' اور گود میں رکھے پرس کھول کھول کر دیکھ رہی تھی جب بڑے ابا اپنی وہیل چیئر دھکیلتے قریب آکر خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

وہ مگن سی پرس خالی کررہی تھی۔ یہ اس کے سارے پرس تھے۔ دفعتاً" وہ رکی۔ ٹھٹکی۔ ایک پرس میں سے پانچ سو کا نوٹ نکلا۔ دوسرا کھولا تو پچاس اور بیس بیس کے نوٹ تھے۔ ایک میں چند سکے تھے۔ اس نے خوشگوار حیرت سے سر اٹھایا۔

"مجھے تو یاد بھی نہیں تھا کہ میرے پرانے پرسوں میں پیسے پڑے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے۔"

"یہ اتفاق نہیں ہے۔" ابا مسکرائے۔ "یہ تحفہ ہے۔"

"تحفہ؟" وہ چونکی۔

"جب چھوٹی تھیں تو سنتی ہوگی کہ دنیا میں صرف انسان اور جانور جان دار ہوتے ہیں۔ بڑی ہوئیں تو پتا چلا ہوگا کہ پودے اور درخت بھی جان دار ہیں' مگر دین پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر پتھر' ہر دیوار سب جان دار ہیں۔ قیامت کے دن گواہی دیں گے نا یہ پتھر' یہ گھر یہ جگہیں۔ کچھ محسوس کرتے ہیں' سنتے ہیں' دیکھتے ہیں تب ہی گواہی دیں گے نا۔ اسی لیے زمین پہ آہستہ اور تمیز سے چلنا چاہیے۔ اسی لیے کچھ پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور یاد ہے' ایک پتھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام کیا کرتا تھا۔ اسی لیے ان چیزوں کے سائے جھکے ہوئے اللہ کو سجدہ کررہے ہیں۔ یہ سب لیونگ تھنگز (جان دار) ہیں۔ تمہیں دیکھتی ہیں' محسوس کرتی ہیں۔"

وہ لحظے بھر کو رکے۔

"جب کوئی لڑکی اپنی الماری کا' اپنے کمرے کا خیال کرتی ہے' اس کے اندر کا زائد بوجھ نکال کر اس کو ہلکا پھلکا اور صاف کرتی ہے' خوب صورت بناتی ہے' تو یہ الماریاں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہیں اور ان کے کونے کھدروں سے کوئی نہ کوئی تحفہ نکل آتا ہے۔ کبھی کوئی پرانی کھوئی ہوئی چیز' کبھی برسوں کے بھولے ہوئے پیسے۔ اس لیے ان درودیوار کا' ان چیزوں کا خیال رکھا کرو۔ یہ بھی تم سے پیار کریں گی۔ جنات اور انسانوں کے علاوہ باقی ساری مخلوق بہت احسان ماننے والی بہت قدر کرنے والی ہے۔"

حنین نے متحیر سا ہو کر ان پیسوں کو دیکھا' پھر ابا کو۔ اس کے اوپر جیسے ایک نیا انکشاف ہوا تھا۔ اسی ٹرانس کی سی کیفیت میں وہ بولی تھی۔

"ابا! کوئی کہتا ہے لڑکیاں خلا اور چاند تک پہنچ رہی ہیں' کوئی کہتا ہے وہ کورٹ' اسپتال' فوج' ہر میدان کو فتح کررہی ہیں۔ اب میں سوچتی ہوں کہ کتنا اچھا ہو اگر لڑکیاں اپنے گھروں کے کونوں کھدروں تک بھی پہنچ جائیں۔ اگلے گھر جانے کے لیے نہیں' دوسروں سے تعریف سننے کے لیے بھی نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے کہ صفائی کے بغیر ایمان آدھا ادھورا ہوتا ہے اور اس لیے کہ فرشتے صاف جگہوں پہ آتے ہیں۔ جب ہمارے گھر اندر سے اتنے گندے ہوں گے' الماریوں کے اندر دنیا جہاں کا گند سڑ رہا ہوگا' ڈسٹ بن کچرے سے ابل رہے ہوں گے' تو کیا فرشتے ہمارے گھروں میں آنا پسند کریں گے؟"

وہ اب سر جھکائے خود سے بولتی پرس الٹ رہی تھی۔ ایک پانچ روپے کا سکہ گود میں گرا۔ وہ مسکرا دی۔ اس کو اب زمرّ اسامہ یا ندرت کی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کا گھر' اس کی الماریاں' اس کے درودیوار تو واقف تھے نا اس کی محنت سے۔ وہی اس کو شکریہ کہہ

رہے تھے۔ حنین یوسف کے لیے یہی بہت تھا۔

☆ ☆ ☆

ہر چند راکھ ہو کے بکھرتا ہوں راہ میں
جلتے ہوئے پروں سے اڑا ہوں مجھے بھی دیکھ

ملاقاتی ہال میں معمول کا شوروغل برپا تھا۔ گلاس بوتھ کے دونوں طرف فارس اور زمر بیٹھے تھے۔ درمیان میں شیشہ تھا جس میں ننھے ننھے سوراخ تھے۔ ساتھ میں قطار میں دو درجن بوتھ لگے تھے۔ ایک طرف قیدی تھے' دوسری جانب ان کے عزیز و اقارب جوان سے ملاقات کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے' سنجیدہ اور خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارس نے انگلی سے شیشہ کھٹکھٹایا۔ زمر نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"پریشان ہو؟"

زمر نے سر جھٹکا اور فائل کھولی۔ کان کے پیچھے بال اڑستے سر جھکائے اب وہ کہہ رہی تھی۔

"پراسیکیوٹر نے بہت سے گواہ چھوڑ دیے ہیں۔ جب وکلا چاہتے ہیں کہ کوئی کیس جلد از جلد چلے تو وہ کم سے گواہ پیش کرتے ہیں۔ میری یہی اسٹریٹجی تھی مگر میں تمہارے گواہی دینے سے خوش نہیں ہوں۔ خیر۔۔۔ تم فیصلہ کر ہی چکے ہو تو تمہیں witness پریپ کرانی ہے۔ وقت کم ہے۔" کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور سر اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ "جب وہ کوئی ایسا سوال پوچھیں جس کا جواب نہ دینا چاہو تو چار لفظ بولنا۔ I don't recall۔ (مجھے یاد نہیں۔) قانوناً" یہ جھوٹ نہیں ہوتا اور جب وہ تم سے پوچھیں کہ اس رات تم کہاں تھے تو کہنا۔ "میں نے بہت دفعہ بتایا ہے کہ میں اس رات گھر پر تھا۔ اب یہ سچ ہے کیونکہ تم بہت دفعہ کہہ چکے ہو کہ تم اس رات گھر پہ تھے۔ تمہاری بہت دفعہ کہی بات سچ تھی یا جھوٹ' یہ الگ بات ہے۔"

"او کے۔۔۔" اس نے سر کو خم دیا۔ اب وہ اس سے سوال پوچھنے لگی۔

"فارس غازی! کیا آپ کے اور قمرالدین صاحب کے درمیان کوئی دشمنی تھی۔"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ پرسکون سا بولا۔

"کیا آپ نے قمرالدین کو جیل میں پیٹا تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"گڈ۔۔۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ اب وہ بہتر نظر آنے لگی تھی۔ "کیا آپ نے قمرالدین کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی؟"

"نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی رات کہاں تھے؟"

"میں بہت دفعہ بتا چکا ہوں' میں اس رات گھر پر تھا۔" تائیدی انداز میں ابرو اٹھائی۔ زمر نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"کیا آپ پوری رات گھر پر تھے؟"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ سلجھے ہوئے انداز میں جواب دے رہا تھا۔ زمر کی رنگت واپس آ رہی تھی۔ وہ کٹہرے میں کھڑے کوئی غلط بات نہیں کرے گا۔ اس کی امید بڑھنے لگی تھی مگر۔۔۔ وہ فارس تھا۔۔۔ اس پہ اعتبار کیوں نہیں ہوتا تھا؟

☆ ☆ ☆

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا' وہ کہسار ہٹ گیا

وہ صبح سرد اور ظالم تھی۔ خاموش اور بے حس۔۔۔ آج کمرہ عدالت میں بیٹھے فارس غازی نے سیاہ پینٹ کے اوپر گرے شرٹ اور سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ تازہ شیو' ذرا بڑھے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے وہ سنجیدہ مگر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی سیاہ کوٹ اور گھنگھریالے بالوں والی زمر کا چہرہ زرد تھا۔ اتنے ہفتوں کی ان تھک محنت اور ذہنی دباؤ نے اسے اپنی صحت کی طرف سے غافل کر رکھا تھا۔ آج بھی وہ پہلے سے کمزور نظر آتی تھی۔

پچھلی کرسی پہ سیاہ کوٹ میں ملبوس احمر شفیع بیٹھا

تھا۔ اس کی لاء ڈگری اور لائسنس کے باعث اسے ادھر بیٹھنے کا موقع مل جاتا تھا۔ (زمر کو ننانوے فیصد یقین تھا کہ اس کی ڈگری جعلی تھی مگر اپنے دفاع میں وہ صرف اتنا کہتا تھا کہ بغیر لاء ڈگری کے وہ سیاسی کنسلٹنٹ بن ہی نہیں سکتا تھا اور چونکہ بات درست تھی' اسی لیے وہ باز پرس نہیں کرتی تھی۔)

جب فارس اٹھنے لگا تو زمر نے بے چینی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بہت احتیاط سے گواہی دینا' پلیز۔۔۔ کچھ غلط مت کرنا۔"

وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے زمر کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں نے ساڑھے تین مہینے کچھ نہیں کیا۔ جو تم نے کہا وہ کیا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر کا سر اثبات میں ہلا۔

"میں یہاں خاموشی سے بیٹھ کر وکیلوں کی بے کار بحثیں سنتا رہا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

زمر نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب میرے بولنے کا وقت ہے اور ان سب کے سننے کا۔" کہتے ہوئے اس نے زمر کے پیچھے کسی کو دیکھا۔ "یہ کون ہے؟"

زمر نے چونک کر گردن پھیری تو استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے' قیمتی نفیس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھ کر وہ ٹھہر گئی۔

"یہ تو سابق پراسیکیوٹر جنرل ہیں۔ یہ ادھر کیسے؟"

فارس لاعلمی سے شانے اچکاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زمر نے گھوم کر احمر کو دیکھا جو نگاہیں اوپر چبوترے پہ جمائے بیٹھا تھا۔

"پراسیکیوٹر جنرل ادھر کیا کر رہے ہیں احمر۔؟"

"مجھے نہیں معلوم۔۔۔ غازی نے کہا تھا' ان کو بلاؤ' میں نے صرف اتنا کیا کہ ان کی موجودگی یہاں یقینی بنائی۔"

"فارس نے کہا تھا؟" وہ متعجب رہ گئی' پھر واپس گھومی اور الجھن سے فارس کو دیکھا جو کٹہرے میں کھڑا حلف اٹھا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ساری باتیں ذہن سے جھٹک کر گواہی لینے لگی۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتایئے۔" اس نے خشک لہجے میں مخاطب کیا۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔

"فارس طہیر غازی" نظریں زمر پہ جمی تھیں۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ کو 13 اکتوبر کی شام آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا؟"

"جی۔۔۔" وہ اب اس سے چند روٹین کے سوالات کر رہی تھی اور وہ مختصر جواب دے رہا تھا۔ آخر میں اس نے پوچھا۔

"کیا آپ حلفیہ کہتے ہیں کہ آپ کا قمر الدین چوہدری کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ میں نے یہ قتل اور اغوا نہیں کیا' میں بے گناہ ہوں۔"

زمر مڑی اور پراسیکیوٹر کو "Your Witness" (آپ کا گواہ) کہہ کر مخاطب کرتی اپنی کرسی پہ آ بیٹھی۔ پراسیکیوٹر لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"فارس غازی! آپ نے ابھی کہا کہ آپ مقتول کو جیل کے زمانے سے جانتے تھے۔ کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی دشمنی' کوئی رقابت تھی؟"

"مجھے یاد نہیں۔" کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑے وہ پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پر سکون سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"کیا آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ نے قمر الدین چوہدری کو پیٹا تھا؟"

"آئی ڈونٹ ری کال۔" (مجھے یاد نہیں)

پراسیکیوٹر نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کیا قمر الدین کے جیل سے چھوٹنے کے بعد آپ کا اس سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"آپ 28 اور 29 اگست کی درمیانی رات کہاں تھے؟"

"میں رات نو بجے گھر آگیا تھا اور اگلی صبح ساڑھے سات بجے گھر سے نکلا تھا۔"

زمر نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہا تھا۔ گردن موڑ کر اس نے پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا۔ وہ انگوٹھے کے ناخن سے انگشت شہادت کا ناخن رگڑتے توجہ سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ پوری رات گھر پہ رہے تھے؟" پراسیکیوٹر نے وہ سوال پوچھا جس کا زمر کو دھڑکا تھا۔

کمرہ عدالت میں چند ثانیے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فارس طہیر غازی نے اٹھی گردن اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔

"نہیں....."

زمر کا دل لمحے بھر کے لیے رکا۔ احمر بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پراسیکیوٹر بھی دو قدم مزید قریب آیا۔

"تو آپ اس رات..... کہیں جا کر واپس آئے تھے؟"

پراسیکیوٹر کو "مجھے یاد نہیں" کی توقع تھی' وہ خود بھی حیران ہوا تھا۔

"میں رات گیارہ بجے گھر سے نکلا تھا اور صبح پانچ بجے واپس آگیا تھا۔"

زمر نے بے اختیار سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"آپ گیارہ سے پانچ کے دوران کدھر گئے تھے؟"

فارس نے ایک علاقے کا نام لیا جو ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال کے قریب تھا۔

"یہ علاقہ قمرالدین کے قتل کی جگہ سے کافی دور ہے۔ میں پوری رات اسی علاقے میں تھا۔" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ زمر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کس پہ اعتراض کرے۔ اس کا گواہ اپنے ہی خلاف گواہی دے رہا تھا۔ hostile witness بن رہا تھا۔

"اور آپ وہاں کس جگہ تھے؟"

وہ لمحے بھر کو رکا۔ "میں ایک عمارت میں گیا تھا۔"

"اور کیا وہ کوئی خالی عمارت تھی؟ کوئی زیر تعمیر اسپتال؟ کوئی فیکٹری؟ جہاں آپ کی Alibi ثابت کرنے کے لیے ایک شخص بھی نہ ہو۔" پراسیکیوٹر کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

"وہاں 32 لوگ تھے جنہوں نے مجھے وہاں دیکھا پوری رات۔ میرے پاس 32 Alibis ہیں۔"

جہاں پراسیکیوٹر لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا' وہاں زمر نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح پرسکون کھڑا تھا۔ پراسیکیوٹر جنرل نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔

"32 لوگ؟" پراسیکیوٹر قدرے ہکلا کر سنبھلا۔ "یہ کون سی جگہ تھی۔"

"یہ ایک۔ ایک میٹنگ پلیس ہے۔ ملاقات کی جگہ۔ بور ہوئے لوگ ادھر جاتے ہیں۔"

"اور آپ ادھر کیوں گئے تھے؟"

"میں۔ کافی پینے گیا تھا۔" وہ تازہ دم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پراسیکیوٹر کو سمجھنے میں چند لمحے لگے۔

"آپ کا مطلب ہے' یہ کوئی بار یا کلب جیسی جگہ ہے۔"

"جی۔"

"تو۔ وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی؟" پراسیکیوٹر نے اب کے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "کیا آپ کسی لڑکی کے ساتھ تھے؟"

"وہاں۔ لڑکیاں۔ نہیں ہوتیں۔ صرف مرد ہوتے ہیں۔"

وہ الفاظ چبا چبا کر بولا تھا۔ لمحے بھر کو کمرہ عدالت میں خاموشی چھا گئی۔ زمر کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ نچلا لب دانتوں تلے دبائے وہ بالکل سن سی فارس کو دیکھ رہی تھی۔

"اچھا۔ آئی سی۔ سو۔ آپ اس کلب میں تھے؟ پوری رات؟"

"پراسیکیوٹر صاحب! وہاں 32 لوگ۔ 32 مرد اس رات موجود تھے۔ کلب کی لابی کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں میرے آگے پیچھے داخل ہونے والے 32 لوگوں کے چہرے بھی نظر آرہے ہیں۔ کچھ کے تو نام بھی مجھے یاد ہیں۔ جو کولمبیا سے پڑھ کر آیا ہے۔ اور ایک بڑے

سرکاری عہدے دار کا بیٹا ہے۔ وہ بار کاؤنٹر پہ میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ اس کا بازو فریکچر ہوا تھا اور۔"

زمر نے بے اختیار گردن موڑ کر پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا جن کی نظریں فارس غازی پہ گڑی تھیں اور کان سرخ تھے۔ ادھر وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ جج صاحب ایک دم چونک کر فارس کو دیکھنے لگے تھے۔

"آپ پراسیکیوٹر صاحب۔ ان 32 لوگوں کو Subpheona کریں' (پروانہ طلبی بھجوائیں) کورٹ بلائیں اور میری Alibi کی تصدیق کرلیں' میں آپ کو ان کے نام دینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے مجھے گرفتار ہی ان لوگوں کے ناموں کے لیے کیا ہے نا' تو مجھ سے نام پوچھیں۔" سادگی سے جج صاحب کی طرف دیکھا۔

"بالکل' آپ ان کے ناموں کی فہرست عدالت میں جمع کروائیں۔ عدالت ان کو باری باری طلب کر کے سوال جواب کرلے گی۔" پراسیکیوٹر کا اعتماد واپس آنے لگا۔

"یور آنر!" زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔ اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ "فارس غازی ان لوگوں کی فہرست عدالت کے حوالے نہیں کرسکتا کیونکہ وہ عزت دار لوگ ہیں۔ اگر ان کو پروانہ طلبی بھیج کر عدالت میں بلایا گیا تو یہ ان کی توہین ہوگی۔ جیسے ایک سابقہ سرکاری آفیسر کا بیٹا' جس کا بازو فریکچر ہوا تھا' وہ جج بننے جارہا ہے' اس گواہی سے اس کا کیریر متاثر ہوگا۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ پراسیکیوٹر نے جھلا کر اسے دیکھا تھا۔

"یور آنر! اگر دفاع کو ملزم کی ایلی بائی ثابت کرنی ہے تو ان کو وہ فہرست عدالت کے حوالے کرنی ہوگی۔"

"شیور' میں تو تیار ہوں دینے کے لیے۔ اسی فہرست کے لیے تو آپ نے مجھے گرفتار کروایا ہے۔" وہ پرتپش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ پراسیکیوٹر نے اب کے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کون سی فہرست؟ آپ کو اس لیے گرفتار کیا گیا ہے کیونکہ آپ نے قمر الدین کا قتل کیا ہے۔" جج صاحب چونک جانے کے انداز میں باری باری کبھی فارس کو دیکھتے' کبھی پیچھے بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل کو۔

"کیا آپ ایک بھی ثبوت لاسکے ہیں اپنے الزام کے حق میں؟" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہی تھی۔

"فارس غازی بے گناہ ہے' کیا اس کے چار سال ضائع کر کے لوگ خوش نہیں ہوئے جو اس کو ایک دفعہ پھر قید کی طرف دھکیلا جارہا ہے؟ وہ اپنا بیان دے چکا ہے۔ یہ Case of Two Versions ہے۔ وہ اس رات قتل کی جگہ سے بہت دور تھا۔ ہمارے پاس 32 گواہ ہیں۔ لیکن ان کے نام پراسیکیوشن کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پبلک پراسیکیوشن آفس کو سابق افسروں کے بارے میں انتقامی کارروائیاں کرنے کا اختیار دے دیں۔"

پہلی دفعہ پراسیکیوٹر چونکا۔ مڑ کر تماشائیوں کی طرح بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل کو دیکھا' جو سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ لمحے بھر کے لیے پراسیکیوٹر کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"ایک منٹ مسز زمر۔"

"نہیں جناب عالی! اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم فارس غازی کو اکیلا چھوڑ دیں۔ اسے اس کی زندگی جینے دیں اور اس کے اوپر یہ جھوٹے مقدمات ختم کریں۔" اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اور آواز غصے سے پھٹ رہی تھی۔

"یور آنر! مسز زمر کیس کا رخ دوسری طرف موڑ رہی ہیں۔ یہ غلط بات کہہ رہی ہیں۔" پراسیکیوٹر پراعتماد نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی وہ پیچھے بیٹھے پراسیکیوٹر کو دیکھتا' کبھی کٹہرے میں کھڑے فارس کو' اور وہ دونوں پراسیکیوٹر سے بے نیاز' ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سپاٹ گہری نظروں کے ساتھ۔

"مسز زمر واقعی غلط بات کہہ رہی ہیں۔" جج صاحب نے برہمی سے پراسیکیوٹر کو مخاطب کیا۔ "یہ Versions کا کیس نہیں ہے۔ یہ Further Inquiry (مزید انکوائری) کا کیس

ہے۔"
زمر نے بے اختیار میز پہ دونوں بازو رکھے، اور چہرہ ان پر گرا دیا۔ اور فارس نے آنکھیں میچ کر طویل سانس کھینچی۔ "یہ ایک Fishing expedition ہے۔ اور مجھے اس بنچ پر بیٹھے شرم آرہی ہے کہ پبلک پراسیکیوشن آفس انتقامی کارروائیوں کے لیے اس حد تک گر سکتا ہے۔"

"جناب عالی یہ سچویشن کو Manipulate کر رہے ہیں۔" پراسیکوٹر بوکھلا کر احتجاج کرنے لگا مگر جج صاحب نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"سرکاری آفس نے اس کیس میں اپنی ذمہ داری درست طریقے سے انجام نہیں دی۔ آپ کے گواہوں کے بیانات میں جھول ہے۔ شواہد ناکافی ہیں۔ شریک جرم کریڈیبل (معتبر) نہیں ہے۔ آپ نے ساڑھے تین ماہ سے ایک ایسے آدمی کو زیر حراست رکھا ہوا ہے جس کو مقید کرنے کے لیے آپ کے پاس ناکافی ثبوت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" وہ شدید برہمی سے کہہ رہے تھے اور پراسیکیوٹر لب کاٹتا، سننے پر مجبور تھا۔

"ان بیس لوگوں کو کورٹ میں گھسیٹنے کی میری نظر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عدالت فارس غازی کے بیان سے مطمئن ہے اور سیکشن 249 Crpc کے تحت فارس غازی کو ناکافی شواہد کے باعث باعزت بری کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اور پبلک پراسیکیوشن آفس کو انتباہ کرتی ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آنے سے گریز کریں تو یہ موجودہ پراسیکیوٹر جنرل کی صحت کے لیے بہتر ہوگا۔"

شدید غصے اور ناگواری سے کہہ کر جج صاحب نے اپنا ہتھوڑا زور سے میز پہ دے مارا۔ پیچھے بیٹھے سابق پراسیکیوٹر جنرل نے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی، اور پھر فارس کو دیکھ کر سر کو ذرا سا خم دیا اور اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہ اس کے احسان مند تھے۔

"اور آپ فارس ظہیر غازی۔" جج صاحب نے رخ اس کی طرف پھیرا۔ "مجھے افسوس ہے اور شدید دکھ بھی ہے کہ آپ کو اتنے ماہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے پڑے۔ میں پبلک پراسیکیوشن آفس کو ایڈوائس دوں گا کہ وہ آپ کو معذرت پیش کریں۔"

فارس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے، اٹھی گردن اور زخمی آنکھوں کے ساتھ بس اتنا کہا۔

"آپ کا شکریہ یور آنر! لیکن ان کی معافی میری زندگی کے سوا چار سال نہیں لوٹا سکتی۔ میرے خاندان اور دوستوں میں ہوئی میری بے عزتی اور توہین نہیں ٹھیک کر سکتی۔ میری دو دفعہ کھو جانے والی نوکریاں مجھے عزت سے واپس نہیں مل سکتیں۔ جب آپ کسی بے گناہ آدمی کو قید میں ڈالتے ہیں تو آپ اس کو معصوم نہیں رہنے دیتے۔ وہ اپنے دفاع کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی خدا ہے بھی یا نہیں، کوئی قیامت آئے گی بھی یا نہیں، مگر مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ بے گناہ آدمی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے جو بھی کرے وہ "قانوناً" اور "شرعاً" درست ہوتا ہے۔" بھنچے ہوئے ابرو کے ساتھ وہ نیچے اتر آیا۔

زمر اس وقت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی، مگر وہ یہاں رو بھی نہیں سکتی تھی۔ بدقت سارے آنسو اندر اتار کر اس نے سر اٹھایا، اور نگاہیں جھکائے، بال کان کے پیچھے اڑستے، اپنے کاغذ ترتیب سے رکھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

پراسیکیوٹر اب جج صاحب سے یہ بات کر رہا تھا۔ صفائیاں، معذرتیں۔

زمر نے نگاہیں جھکائے کاغذ پر لکھا۔ "تم اس رات اسپتال بھی گئے تھے یا نہیں؟"

فارس نے قلم اٹھا کر اس کے نیچے لکھا۔ "صرف پچیس منٹ کے لیے گیا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے، میں اتنی گرمی میں پوری رات اسی جگہ بیٹھا رہا تھا؟"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ اس رات تم کہیں اور تھے؟"

"آپ نے پوچھا ہی نہیں۔" سادگی سے لکھ کر کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔

زمر کی تیوری چڑھ گئی۔ کاغذ پر چند ہندسے لکھ کر اس کے سامنے ڈالا۔
"یہ میری بقایا فیس ہے۔ وقت پہ ادا کرنا۔" خفگی سے سرگوشی کی' تو فارس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"مجھے ریسیو کرنے نہیں آؤگی؟"
"ٹیکسی کر کے آجانا۔" وہ رخ موڑے سنجیدگی سے جج صاحب کی طرف متوجہ تھی۔
"اور ٹیکسی کا کرایہ؟"
"اپنی گرل فرینڈ سے مانگ لینا۔" وہ اٹھ کر آگے چلی گئی۔
اور وہ تکان بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑی تو احمر ابھی تک ششدر بیٹھا تھا۔ اس کو متوجہ پا کر آگے ہوا۔
"تو اس رات تم ایسی جگہ تھے جس کے بارے میں کوئی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ واؤ۔ ایسے طریقے مجھے کیوں نہیں سوجھتے؟" وہ محظوظ ہوا تھا۔
فارس پیچھے کو جھکا اور دھیرے سے کہنے لگا۔ "تم نے میرے کیس کے لیے تمام انویسٹی گیشن کی۔ اس کے لیے تمہارا....."
"اس کی فیس اس پہ لکھی ہے۔" احمر نے فوراً" ہی کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ "پلس پھوؤں کے پیسے الگ ہیں۔ ٹیکس الگ ہے۔ ویک اینڈ سے پہلے ادا کر دینا۔"
اور وہ جو شکریہ ادا کرنے لگا تھا' رک کر اس کاغذ کو پڑھنے لگا۔ ابرو بے اختیار اٹھے۔ باری باری فیس کے دونوں تحریری مطالبوں کو دیکھا اور پھر ماتھے پہ بل لیے۔ "بہت بہتر" کہہ کر خفگی سے رخ موڑ لیا۔

☼ ☼ ☼
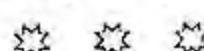
یا اتنا سخت جان کہ تلوار بے اثر
یا اتنا نرم دل کہ رگِ گل سے کٹ گیا

جس دن فارس گھر واپس آیا' وہ انیکسی والوں کے لیے عید کا دن تھا۔ حسینہ اور صداقت نے اچھا سا کھانا بنایا تھا۔ سیم' ندرت اور بڑے ابا اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سب خوش باش اس سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی مسکرا کر ان کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگتا تھا۔
حنین مل کر اسٹڈی میں چلی گئی تھی۔ وہ کچھ کام کر رہی تھی۔ ایسے میں صرف زمر تھی جو اب تک اس سے نہیں ملی تھی۔ اوپر اپنے کمرے میں وہ ناخن دانتوں میں دبائے' ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ بار بار دروازے کی طرف بڑھتی' پھر سر جھٹک کر واپس ہو لیتی۔ ذرا سی درز سے نیچے کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔ "سب کو شکریہ کہہ رہا ہے۔ آپا! آپ کا شکریہ' کھانے بھیجنے کا۔ انکل! آپ کا شکریہ' دعا کرنے کا۔ صداقت تمہارا شکریہ' پتا نہیں کس چیز کا۔ اور میں جو اتنے مہینے اس کے لیے خوار ہوتی رہی' میرا کوئی احساس نہیں!" وہ خفگی سے خود سے بڑبڑا رہی تھی۔
"میں زمر کو دیکھ لوں۔" وہ معذرت کر کے اٹھ آیا تھا۔ اب زینے چڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ زمر نے جلدی سے تکیوں کے غلاف اتارے' نئے غلاف نکالے' اور جس وقت وہ دروازہ ذرا سا بجا کر اندر داخل ہوا' وہ مصروف سی تکیوں کے غلاف بدلتی نظر آ رہی تھی۔
"السلام وعلیکم۔" دروازے میں کھڑے وہ ذرا سا کھنکھار کر بولا۔ زمر نے ایک بے نیاز' اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ جینز پہ سویٹر پہنے' وہ تھکا ہوا مگر مطمئن لگ رہا تھا' تکیے کو نئے کور میں ڈالتے ہوئے مصروف انداز میں بولی۔
"نمبر ایک۔ میں نے تمہارے لیے جو بھی کیا' ٹیم پارٹنر سمجھ کر کیا۔ نمبر دو میں اب بھی نہیں بھولی کہ تم نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنی چاہی تھی۔ نمبر تین مجھے تمہاری ریسٹورنٹ والی باتیں بھی یاد ہیں۔ نمبر چار تم جب چاہو' ڈائیورس پیپرز بنوا لو اگر میرے پاس حق طلاق ہوتا تو میں خود بنوا لیتی۔ نمبر پانچ میں مزید تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اس لیے میں نے اپنا سامان نیچے اسٹڈی روم میں شفٹ کر دیا ہے۔ یہ کمرہ اب صرف تمہارا ہے۔ نمبر چھ ہم ٹیم کی طرح۔ پہلے کی

طرح کام کرتے رہیں گے' لیکن تمہاری بے گناہی معلوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے تمہیں معاف بھی کر دیا ہے۔ نمبر سات۔"

الفاظ ٹوٹ گئے' کیونکہ وہ خاموشی سے قدم قدم چلتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ' اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے اپنے کندھے سے لگایا اور ٹھوڑی اس کے کندھے پر جمائے' آنکھیں بند کیے اس نے صرف اتنا کہا۔ "شکریہ۔ میرے لیے لڑنے کا۔"

چند ساعتیں گزریں۔ چند لمحے اور سرکے۔

زمر جو بالکل منجمد ہو گئی تھی' بمشکل گہری سانس لے کر بولی۔

"نمبر سات میں کل تمہارے خلاف Restraining Order فائل کروں گی۔ جس کے تحت تمہیں مجھ سے دس فٹ دور رہنا ہو گا۔" اور اپنے ہاتھ چھڑائے۔

فارس نے سر اٹھایا' اسے کہنی سے تھامے اپنے سامنے کیا' اور قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم کل یہ آرڈر فائل کرو گی؟ واقعی؟"

"بالکل!" وہ گردن اکڑا کر بولی' مگر اس کی آنکھوں میں دیکھنا۔ اف۔

"مگر کل تو چھٹی ہے۔"

"میرا مطلب تھا' پرسوں۔" وہ تلملا کر بولی' اور کہنی چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"اچھا' کمرہ مت چھوڑو' ہم بیٹھ کر اس بارے میں بات کر لیتے ہیں۔" وہ تکان سے مسکرا کر پیچھے سے بولا تھا۔

"نمبر آٹھ' میرا فیصلہ حتمی ہے۔" بظاہر خشک لہجے میں کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ سیڑھیاں اترتے اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ بمشکل چہرے کو نارمل رکھے' وہ اسٹڈی میں آئی تو اندر نقشہ بدلا ہوا تھا۔

ایک صوفہ کم بیڈ' جو فی الحال کھلا ہوا تھا۔ (اور اس کی اونچائی میٹرس جتنی ہی تھی) اس پر حنین لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔ اندر سفید فلیش لگی تھی' اور حنین یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بنا؟" زمر فوراً اس کے قریب آئی۔

"میں نے اس فلیش ڈرائیو کے پروگرام کو ڈی کرپٹ کر لیا ہے۔ اور وہ کھل گئی ہے۔"

زمر کو آگے پیچھے کی ہر شے بھول گئی۔ دل و دماغ میں جیسے سکون سا اتر آیا۔

"اوہ ریئلی۔" وہ خوشی سے کہتی اس کے ساتھ آکر بیٹھی اور اسکرین کو دیکھا۔

"کیا نکلا اس میں سے؟"

حنین ابھی تک شل تھی۔ "میں نے اتنے مہینے لگائے' اتنا وقت برباد کیا' صرف ایلسا اور آنا کے لیے۔"

"کیا؟"

حنین نے اسکرین کا رخ اس کی طرف پھیرا۔ "اس فلیش ڈرائیو میں سوائے فروزن فلم کے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کھنگال چکی ہوں اسے۔ مگر یہ خالی ہے۔ یا تو بھائی نے اصل فلیش مجھے نہیں دی' یا اس نے غلط فولڈر کاپی کیا تھا۔" وہ ابھی تک سُن تھی۔

"اوہ نہیں!" زمر نے نڈھال ہو کر سر پیچھے کو گرا لیا۔

☼ ☼ ☼

قصر کاردار کے لاؤنج میں جواہرات کاردار غصے سے ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت مارے غضب کے سیاہ پڑ رہی تھی' جبکہ صوفے پہ بیٹھا ہاشم گردن پیچھے ڈالے ہنستا جا رہا تھا۔ جواہرات نے رک کر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ رہا ہو کر ہمارے سروں پر پھر سے پہنچ گیا ہے اور تم ہنس رہے ہو۔"

"اس نے وٹنس اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر' ایڈووکیٹ جنرل کو بلیک میل کیا۔ ہاہاہا۔ ناؤ دیٹس کول۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"زمر کو تو میں دیکھ لوں گی' تم مجھے بتاؤ' اب ہم اس کو دوبارہ کیسے جیل بھیجیں۔"

"اب پبلک پراسیکیوشن آفس میں کوئی اس کو پراسیکوٹ نہیں کرنا چاہے گا۔ میں نے آپ سے کہا تھا، کیس جلدی چلوانے کی کوشش نہ کریں، لیکن خیر۔" ہنستے ہنستے وہ پل بھر کو رکا اور محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا۔

"میں مزید اس کو جیل میں نہیں بھیجنا چاہتا۔ اس کو صرف ایک شخص اندر کروا سکتا تھا۔ کرنل خاور۔ اب مزید کوشش نہ کیجیے۔ وہ ہمارے لیے خطرہ نہیں ہے۔ نہ بن سکتا ہے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔ اچھے کام کرنے کا وقت ہے۔" کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھا۔

"ممی! میں ایک اچھا انسان بننا چاہتا ہوں۔ میں راستہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے پرانی دشمنیاں چھوڑ کر آگے بڑھیے۔"

ماں کا شانہ تھپک کر وہ آگے بڑھ گیا۔ جواہرات وہیں کھڑی کلستی رہی۔ پھر کمرے میں آئی۔ دروازہ مقفل کیا اور فون ملایا۔

"مجھے اچھی خبر کب سناؤ گے فصیح؟" زہرخند لہجے میں وہ بولی تھی۔

"آج رات کام ہو جائے گا۔ پہلے سعدی اور پھر خاور۔" سن کر اس نے موبائل پرے ڈالا اور سنگھار میز کے قد آدم آئینے کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی۔ سفید اور سرخ لمبے گاؤن میں ملبوس وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی، مگر چہرے پر چھایا غیض و غضب اس کے حسن کو گہنا رہا تھا۔ شرارے برساتی آنکھوں سے آئینے کو دیکھتے اس نے گردن میں پہنی موتیوں کی مالا توڑ ڈالی۔ تڑ تڑ تڑ... سفید چکنے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر فرش پر گرنے لگے۔

اوپر اپنے کمرے میں بستر پہ سستی سے نیم دراز، پیروں کی قینچی بنائے نوشیرواں کھٹا کھٹ موبائل پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ بال بنے تھے اور لباس سے لگتا تھا کہ ابھی آفس سے لوٹا ہے۔ آنکھوں میں ازلی بےزاری کی جگہ مصروف سا تاثر تھا۔ گویا گفتگو میں بہت منہمک ہو۔

"بھائی شادی کرنے جا رہا ہے۔" اسکرین پہ الفاظ ابھر رہے تھے۔ دوسری طرف سے **علیشا** کا جواب چمکا۔

"یہی بتانے کے لیے اتنی صبح ٹیکسٹ کر رہے ہو؟"

"کیا تمہیں ذرا بھی دلچسپی نہیں سننے میں کہ وہ کس سے شادی کرنے جا رہا ہے؟"

"تم بتا دو۔"

"آبدار عبید سے... وہ ہماری یونی میں تھی۔ مجھے شدید ناپسند ہے وہ... بھائی کو وہی لوگ پسند آتے ہیں جو مجھے شدید ناپسند ہوتے ہیں۔" لکھتے ہوئے ابرو بھنچ گئے اور آنکھوں میں خفگی عود آئی۔

"اچھا... وہی جس کو تم یونی میں تنگ کرتے تھے اور پھر ہاشم نے تمہیں پٹوایا تھا؟" وہ محظوظ ہوئی تھی۔

لمحے بھر کو نوشیرواں کا کردار منجمد ہو گیا۔ جیسے سارا خون جم گیا ہو۔ ہڈیاں برف کی ہو گئی ہوں۔

"کون ہاشم؟ اور تمہیں کیسے پتا؟" اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ آبی کے منگیتر کا نام بھی شاید ہاشم ہو۔

"کیا تمہارے بھائی نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں نے اورنگ زیب صاحب کا اکاؤنٹ اپنے پاس مرر کر رکھا تھا۔ ان کی ساری ای میلز میں پڑھا کرتی تھی۔ مجھے یاد ہے، ہاشم نے ان کو میل کر کے بتایا تھا کہ تم ان کے دوست کی بیٹی کو تنگ کر رہے تھے، اسی لیے اس نے اپنے کسی بندے کے ذریعے تمہیں پٹوایا تھا۔ شاید اس کو یہ بھی کہا تھا کہ وہ خود کو اس لڑکی کا شوہر یا منگیتر ظاہر کرے۔" وہ رکی۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم تھا؟"

نوشیرواں کے چہرے کا رنگ یوں بگڑ گیا جیسے سینے میں گھاؤ لگا کر کسی نے سارا خون نکال لیا ہو۔ بے جان ہوتے ہاتھوں سے موبائل فون وہیں لحاف پہ گر گیا اور سر اٹھا کر خالی خالی، شل، ششدر نظروں سے سامنے دیکھا جہاں سنگھار میز کا آئینہ اس کا زرد چہرہ منعکس کر رہا تھا۔

اس کی ساری دنیا زمین بوس ہو گئی تھی۔

✵ ✵ ✵

فیض سر پر جو ہر اک روز قیامت گزری

ایک بھی روز مکافات نہ ہونے پائی

کرنل خاور اپنے کمرے جس میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ نگاہیں دور خلا میں جمی تھیں اور وہ کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ آنکھوں کے گرد لگے زخم اب مندمل ہو چکے تھے اور صحت بھی بہتر تھی۔ ایسے میں دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ چونکا اور سر اٹھایا۔

گارڈ کھانے کی ٹرے لایا اور نیچے زمین پہ رکھی۔ خاور کی نگاہیں ادھ کھلے دروازے کے پار گئیں۔ وہاں ایک اور گارڈ نظر آرہا تھا۔ خاور کی آنکھیں پرسوچ انداز میں سکڑیں۔

"تمہاری اور اس کی تو صبح ڈیوٹی ہوتی ہے' تم لوگ اس وقت کیا کر رہے ہو؟ اور رات والے گارڈز کہاں ہیں؟"

اس کا ماتھا ٹھنکا۔ گارڈ نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔ گہری' خاموش نظر اور مڑ گیا۔ خاور تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آیا۔

"مجھے سعدی یوسف کے کمرے میں جانا ہے' ابھی اسی وقت....."

وہ چونکا ہوا لگتا تھا مگر گارڈ نے ایک دم پیچھے مڑ کر ایک زوردار مکا خاور کے جبڑے پہ دے مارا۔ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ تیورا کر پیچھے کو گرا۔ اسی اثنا میں وہ دروازہ آگے سے بند کر چکا تھا۔ خاور وحشیانہ انداز میں دروازہ پیٹنے لگا۔

"اگر تم نے اسے مارا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم اس کو نہیں مار سکتے۔ اس کو ابھی نہیں مرنا۔"

• سعدی یوسف کے کمرے تک یہ آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا' کاغذ سامنے رکھے' سنہری قلم سے لکھتا جارہا تھا۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے....."

سیاہ شرٹ میں ملبوس اس لڑکے کے تازہ شیمپو کیے بال گیلے اور سلیقے سے پیچھے کو بنے تھے۔ وہ گردن ترچھی کیے' منہمک سا قلم کاغذ پہ رگڑ رہا تھا۔

"قرآن میں بہت سے واقعات آپ پھیر پھیر کر لاتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ ان کو دہراتے ہیں۔ ہر دفعہ دہرانے کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ النمل میں جتنے بھی واقعات ہیں' ان میں ایک قدر مشترک ہے۔ ویسے تو بہت سی اقدار مشترک ہوں گی مگر میں محدود سوچ اور محدود علم کا آدمی ہوں۔ اتنا ہی غور و فکر کرپاؤں گا جتنی میری ذہنی وسعت ہے۔ اب تک جتنے واقعات پہ غور و فکر کیا ہے میں نے۔۔۔ ان سب میں ایک اکائی ہے۔ جو پورے سسٹم کے خلاف کھڑی ہے۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔۔۔ ایک موسیٰ علیہ السلام اور سامنے فرعون اور اس کا لاؤ لشکر۔۔۔ پھر سلیمان علیہ السلام اور ان کے سامنے ایک پورا سسٹم جس کو وہ کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔۔۔ پھر ایک سلیمان علیہ السلام اور ان کا سامنے ملکہ سباء اور اس کے سردار سلطنت۔۔۔ دوسری جانب ایک ملکہ سباء اور سامنے سلیمان علیہ السلام اور ان کے لاؤ لشکر۔ ایک ہدہد جو پورے لشکر کے سامنے اکیلا کھڑا اپنی صفائی دے رہا ہے۔ پھر ایک شعیب علیہ السلام اور ان کے سامنے پوری کافر قوم۔۔۔ لیکن اگر غور کرو تو سورۃ کا نام "النمل" ہے۔ چیونٹیاں۔۔۔ کوئی بھی یہاں اکیلا ہو کر بھی اکیلا نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی اور ان کی قوم ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ان کے لوگ ہیں۔ ملکہ بھی اپنے سرداروں کے ساتھ ہے۔ شعیب علیہ السلام بھی اپنی قوم کے اپر کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بھی "وارث" تھے جن سے ان کے خلاف قتل کی سازش کرنے والے ڈرتے تھے۔ انسان کو بڑے بڑے کام کرتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مجھ اکیلے نے یہ سب کرلیا۔ میں اکیلا ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔۔۔ بلکہ نہیں۔۔۔ بہت سے لوگ۔۔۔ خاموش چیونٹیوں جیسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا ہوگا۔ ان کو بھولنا نہیں چاہیے۔ جو بندوں کا شکر نہیں کرتا وہ رب کا شکر نہیں کرتا۔"

باہر کچن میں وہی گارڈ خاموشی سے ٹرے میں پلیٹ رکھ رہا تھا۔ چمچہ کانٹا سب برابر کیا۔ نیپکن سجایا' گلاس

رکھا۔

"اور نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جو (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ اور لوط علیہ السلام کو جب اس نے فرمایا اپنی قوم سے۔۔۔ کیا تم ارتکاب کرتے ہو "فاحشہ" (بے حیائی) کا حالانکہ تم دیکھتے ہو۔"

"فاحشہ!" تیز تیز لکھتے اس معصوم لڑکے نے گہری سانس لی۔ "اس لفظ کے ساتھ ذہن میں عموماً" ان کاموں کا خیال آتا ہے جو بدکاری سے جڑے ہوتے ہیں۔ وہ تو فاحشہ ہوتے ہی ہیں مگر اس لفظ کا مطلب زیادہ وسیع ہے۔ فاحشہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جو کھلم کھلا سرعام کیا جائے۔ چاہے وہ بدکاری ہو' عمل قوم لوط ہو' سوتیلی ماں سے شادی ہو یا دن دہاڑے ہونے والی قتل اور راہزنی کی وارداتیں ہوں۔ قوم لوط کے لوگ مسافروں کو لوٹتے تھے اور ان کا فحش عمل اس کے علاوہ ہے۔

لوط علیہ السلام ان کو کہتے ہیں کہ "تبصرون" (تم دیکھتے ہو) یہاں "نظر" نہیں آیا۔ نظر یعنی آنکھ سے دیکھنا۔ "بصر" کہا گیا ہے۔ بصر یعنی دل سے دیکھنا۔ بصیرت رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ تو کھلم کھلا برائیوں کو سمجھنے والے لوگ جو پھر بھی ان کی مخالفت نہ کریں' وہ بھی قوم لوط جیسے ہی ہوئے نا۔ آج کل کھلم کھلا گناہ کرنے کو بولڈنیس کہا جاتا ہے۔ خود اعتمادی کہا جاتا ہے۔ بھلے ہمارے بچے بڑوں کے ساتھ بدتمیزی سے بات کر رہے ہوں' کھلم کھلا بے ادبی ہو رہی ہو' ماں باپ خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ بچہ کانفیڈنٹ ہے' بولڈ ہے۔"

کچن میں میری اب پیالے میں سوپ ڈال رہی تھی۔ گارڈ منتظر سا کھڑا تھا۔

(لوط علیہ السلام نے کہا) کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت کے لیے' عورتوں کو چھوڑ کر۔۔۔ بلکہ تم ایک قوم ہو جو جہالت برتتے ہو۔"

"مگر اللہ تعالیٰ۔۔۔" وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ لکھتا جا رہا تھا۔ "آج کل یہ گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ اب ہمارے بچے اس کو بہت لائٹ لینے لگے ہیں۔

قوانین پاس کروا کر بائیولوجیکل وجوہات بیان کر کے' یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائی جارہی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں' سو ان کو برداشت کریں' در گزر کریں۔ تو پھر لوط علیہ السلام نے برداشت کیوں نہیں کیا؟ کائنات میں کسی نے یہ گناہ پہلے نہیں کیا تھا۔ یہ اسی قوم سے شروع ہوا تھا۔ آج لوگ اس کو برداشت' روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت قرار دیتے ہیں ـــــــ لوط علیہ السلام نے اس کو جہالت قرار دیا تھا۔"

ٹرے میں میری نے گرم گرم چاولوں کی پلیٹ رکھی' ساتھ میں چکن کری وی۔ پانی گلاس میں انڈیلا... اور ٹرے اٹھانے لگی تو گارڈ آگے بڑھا۔

"میں اسے کھانا دوں گا' یہ مسز کاردار کا حکم ہے۔" میری کی آنکھوں میں تعجب بھر آیا۔ "مگر..."

"خاموش رہو!" اسے گھور کر ٹرے اٹھائی اور آگے بڑھ گیا۔ میری گومگوسی کھڑی رہ گئی۔

"تو نہ تھا جواب اس کی قوم کا' مگر یہ کہ 'نکال دو آل لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے' بے شک یہ وہ لوگ ہیں جو بہت پاک بنتے ہیں۔"

"دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ کہ آج بھی سوشل میڈیا پہ اس ایشو پہ تین طرح کے لوگ بولتے ہیں۔ ایک اس کو گناہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے اس کے حق میں "فطری" اور "پرسنل چوائس" ہونے کی دلالت کرتے ہیں اور تیسرے... تیسرے لوگ اس عمل کے مخالفین کو نشانہ بناتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ مخالفت کرنے والے خود فجر پڑھتے ہیں؟ چار بیویوں سے آگے اسلام کا پتا ہے ان کو؟ یہ خود کو اتنا پارسا کیوں ظاہر کرتے ہیں؟ پہلے خود کو دیکھو' پھر نصیحت کرو وغیرہ وغیرہ۔

یہ تیسرے لوگ جتنا کہیں کہ ہم اس عمل کے کرنے والوں سے اتفاق نہیں کرتے' یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ بھی قوم لوط میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر داعی کی بات نہیں مانی تو اس پہ پرسنل اٹیک کرو' اس کی ذات کو نشانہ بناؤ' یہ طریقہ آج کا نہیں ہے۔ یہ تو قوم لوط کا طریقہ ہے۔ جاہلوں کا طریقہ اور النمل سورۃ ہے۔ مبلغین کی۔ ظلم اور برائی کے خلاف کھڑے ہونے والے لوگوں کی' جو نیوٹرل (غیر جانب دار) نہیں رہتے تھے۔

"تو نجات دی ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو۔ سوائے اس کی بیوی کے۔ مقدر کر دیا ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے اور برسائی ہم نے ان پہ بارش۔ تو بہت بری تھی بارش ڈرائے جانے والوں کی۔"

سعدی لکھ رہا تھا۔ کچن میں ہونے والی سرگرمی سے بے نیاز۔

"لوط کی بیوی گو کہ مسلمان تھی مگر قوم کے لیے دل سے ہمدردی رکھتی تھی۔ انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ انجیل مقدس کے مطابق اس نے لوط اور دو بیٹیوں کے ہمراہ نکلتے ہوئے... پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور وہ نمک کا مجسمہ بن گئی۔ پتھرا گئی۔ وہیں سے وہ "پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا پتھر کے ہو جاؤ گے" والی اصطلاح نکلی ہے۔ جو گناہ آج لوگوں کو اتنا ہلکا لگتا ہے' پرسنل چوائس لگتا ہے' وہ اتنا سخت ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ الہامی کتب میں آتا ہے... جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں پر اس پوری بستی کو اٹھایا' آسمان تک لے کر گئے اور واپس پٹخ دیا۔ وہ زمین میں دھنس گئے۔ ان پہ پتھروں کی تار کنکر بارش برسی۔ ہر شخص کے اوپر وہ پتھر آکر لگا جس پہ اس کا نام منقش تھا۔ آج اس جگہ پہ بحر مردار (Dead Sea) ہے۔ جہاں کوئی ذی روح نہیں رہ سکتا۔ جہاں پانی کے اندر... اتنے برسوں بعد بھی کوئی زندگی نہیں ہے۔ نہ زندگی پل سکتی ہے۔ یہ اتنے بڑے گناہ گار تھے اور آج لوگ..."

قلم خشک ہونے لگا۔ اس نے رک کر قلم جھٹکا... پھر لکھا... بے سود... اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔ لکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز ایک اچھا قلم ہوتی ہے۔

سعدی نے خفگی سے اس کے اوپر کے کلپ دیکھے۔ وہاں چار بٹن تھے۔ اس نے موجودہ نب کا بٹن

واپس اوپر کردیا اور دوسرا گرایا۔ لکھا تو وہ سرخ لکھتا تھا۔ اونہوں۔۔۔ اس نے تیسرا بٹن دبا کر تیزی سے نب نکالی۔ وہ نیلی تھی اور سعدی کو صرف سیاہ روشنائی پسند تھی۔

اس نے چوتھے بٹن کو نیچے کیا تو اندر سے۔۔۔ باریک سی نب نکلی۔ وہ اس سے لکھنے لگا' پھر غور سے دیکھا۔ وہ نب نہیں تھی۔ سوئی کی طرح تھی۔ تیز دھار آلے کی طرح۔۔۔ اس کو آبدار کی آنکھوں کا اشارہ یاد آیا۔ وہ رک کر سوچنے لگا۔ تب ہی دروازہ کھلا تو اس نے جھٹ قلم مٹھی میں دبا لیا اور یوں ظاہر کرنے لگا گویا اپنا لکھا پڑھ رہا ہے۔

گارڈ نے دروازہ بند کیا۔ ٹرے لا کر رکھی۔ باری باری چیزیں نکال کر میز پہ سجائیں۔ پھر۔۔۔ سعدی کی طرف پشت کیے۔۔۔ جیب سے زنجیر کا ٹکڑا نکالا۔ وہ خاور کو باندھی گئی زنجیروں سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس پہ خاور کا خون اور ڈی این اے موجود تھا اور گارڈ کے ہاتھوں پہ دستانے چڑھے تھے۔ شفاف باریک دستانے۔

وہ ایک دم پلٹا اور پیچھے سے آکر سعدی کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی۔ بلکہ ڈالنا چاہی مگر سعدی تیزی سے آگے کو جھکا اور خود کو کرسی سمیت دائیں جانب گرایا۔ گارڈ کے ہاتھ میں اس کی شرٹ کا پچھلا حصہ آیا تھا۔ وہ اس سے اس کو کھینچتے ہوئے زمین پہ گرانے لگا۔

سعدی چلایا "میری۔۔۔ کوئی ہے؟" اس نے ہاتھوں اور پیروں سے اس کو پرے دھکیلنا چاہا مگر گارڈ کا زور بہت زیادہ تھا۔ وہ گھٹنا سعدی کے سینے پہ رکھ کر پوری قوت سے اسے نیچے گرائے زنجیر اس کی گردن میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور سعدی مسلسل سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سعدی نے پوری قوت سے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر پرے ہٹایا اور اس سے پہلے کہ اٹھتا' گارڈ نے زور کا مکا اس کے جبڑے پہ رسید کر دیا۔

سعدی کا دماغ بھی گھوم گیا اور چہرہ بھی اور جب چہرہ بائیں جانب گھوما تو اسے دھندلا سا نظر آیا۔ سنہری قلم قریب ہی گرا پڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔۔۔ پھیلایا۔۔۔ قلم چند انچ دور تھا۔ گارڈ نے اس کی گردن کے گرد زنجیر لپیٹی اور اسے کسنے لگا۔۔۔

سعدی کی انگلیوں نے قلم کو چھوا اور اگلے ہی لمحے اس نے قلم اٹھا کر گارڈ کے جسم کے اندر اتار دیا۔ دھندلی بصارت کے باعث سمجھ نہیں سکا کہ کدھر مارا۔۔۔ مگر منظر ذرا واضح ہوا۔۔۔ گردن کی زنجیر ڈھیلی ہوئی تو دیکھا۔۔۔ پین گارڈ کے ہاتھ کی پشت میں کھب چکا تھا۔ زنجیر گارڈ کے ہاتھوں سے پھسل گئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا۔ سعدی نے زنجیر گردن سے نکالتے' لڑکھڑا کر کھڑا ہوا اور اسے دیکھا۔

گھٹنوں کے بل بیٹھا گارڈ۔۔۔ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں ایک شل سا تاثر تھا۔ منہ سے یکایک جھاگ نکلنے لگا اور وہ منہ کے بل نیچے گرا۔

"Dont die" سعدی نے جلدی سے اسے سیدھا کیا اور اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ گارڈ ابھی تک سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"مرنا مت' پلیز مت مرنا۔" وہ وحشت سے اس کو جھنجوڑتے کہہ رہا تھا۔ گارڈ کی متعجب آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔ وہ اتنی حیران' اتنی ششدر آنکھیں تھیں۔۔۔ کہ سعدی کا دل بند ہونے لگا اور ان آنکھوں میں روشنی بھی تھی۔ زندگی کی رمق۔۔۔ اور پھر۔۔۔ سعدی نے دیکھا۔۔۔ لمحوں میں روشنی کی وہ جوت بجھ گئی۔ گارڈ کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا' بے جان' بالکل سرد۔

یہ وہ پہلا قتل تھا جو سعدی یوسف نے کیا تھا۔

اور یہ وہ پہلی رات تھی جب سعدی یوسف نے سعدی یوسف کو کھو دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نمرہ احمد

نمل

ماہ کامل کی وہ برفیلی رات!

کوہسار پہ سفید برف دمک رہی ہے
ایک قدم کا نشان تک نہیں ہے
ایک تنہائی کی سلطنت ہے۔۔۔
اور یوں لگتا ہے جیسے میں ملکہ ہوں!
میرے اندر کے طوفان کی طرح باہر کی ہوا بھی غرّا رہی ہے
میں اپنے شر کو اندر نہیں دبا سکی۔۔۔

خدا جانتا ہے میں نے کتنی کوشش کی!
کہ ان کو معلوم نہ ہونے دوں!
وہ اچھی لڑکی بن جاؤں جو مجھے بننا تھا
چھپالوں، محسوس نہ کروں، اُن کو پتا نہ چل جائے
مگر خیر۔۔۔ اب جان گئے سب!
سو۔۔۔ جانے دو۔۔۔ جانے دو
اب نہیں دبا سکتی اس کو اندر
جانے دو۔۔۔ جانے دو

بیسویں قسط

مڑ جاؤ۔ اور دروازہ بند کر دو
لوگ کیا کہیں گے، مجھے پرواہ نہیں
طوفان کو برپا ہونے دو
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!
عجیب بات ہے کہ کیسے ذرا سے فاصلے سے
چیزیں چھوٹی دکھائی دینے لگتی ہیں
اور وہ خوف جو بھی مجھے گھیرے رہتا تھا
اب مجھے چھو بھی نہیں پاتا
اب یہ دیکھنے کا وقت ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں
اب اپنی حدود کو آزمانا ہے اور توڑنا ہے
نہ کوئی صحیح، نہ کوئی غلط۔ کوئی اصول نہیں میرے لیے
میں ہوں آزاد! جانے دو۔ جانے دو
تم اب مجھے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھو گے
یہاں کھڑی ہوں میں اور یہیں رہوں گی میں!
طوفان کو برپا ہونے دو
کسی برف شار کی طرح ایک خیال دل میں جم سا جاتا ہے!
میں کبھی واپس نہیں جاؤں گی، ماضی، ماضی میں رہ گیا
جانے دو۔ جانے دو
اور میں اٹھوں گی تازہ صبح کی طرح
جانے دو۔ جانے دو
وہ پرفیکٹ گرل اب نہیں رہی
اور یہاں کھڑی ہوں میں، دن کی روشنی میں
طوفان کو برپا ہونے دو
ٹھنڈ سے مجھے فرق پڑا کبھی نہیں!
Queen Elsa ___ (فروزن)

☆ ☆ ☆

نصیح نے تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور اضطراب پہ قابو پاتے ہوئے دروازہ کھولا تو گارڈز اور میری خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ سعدی کے

کمرے کی چوکھٹ پہ خاور کھڑا فرش کو دیکھ رہا تھا جہاں بے سدھ گارڈ لیٹا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی نے بند نہیں کی تھیں۔ وہ ہنوز شاک کے عالم میں کھلی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زمین پہ سعدی اکڑوں بیٹھا تھا۔ گھٹنے سینے سے لگائے' وہ شل سا سامنے خلا میں دیکھ رہا تھا۔ مٹھی سختی سے بند تھی۔

"کیا ہوا ہے ادھر؟" فصیح خود پہ غصہ طاری کرتا' گارڈز کو ہٹاتا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ لاش کے قریب قدم روکے۔

"وہ کھانا لے کر اندر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد سعدی نے آواز دی۔ میں آئی تو یہ دونوں اسی حالت میں تھے۔ یہ کچھ بتا نہیں رہا تھا تو میں نے خاور کو بلایا۔" میری جلدی جلدی کہنے لگی۔

گارڈز بھی دم بخود تھے۔ مرنا یا مارنا' ان کی جاب ــــــ میں شامل نہ تھا۔ وہاں کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا ساتھی گارڈ سعدی یوسف کو قتل کرنے اندر گیا تھا۔ اور کس نے اسے بھیجا تھا۔

"اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی ہے۔" پنجوں کے بل لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے خاور نے خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا مگر فصیح نے جھک کر اس کی نبض چھوئی' گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر احتیاط سے ہاتھ کی پشت دیکھی۔ وہاں موجود نشان واضح تھا۔ "کہاں سے آیا زہر تمہارے پاس' بولو۔" اس نے سعدی کو جھپٹ کر کھڑا کیا۔ سعدی اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ فصیح نے پہلے جبراً اس کی مٹھی کھولی۔ اندر مڑی تڑی تصویر تھی۔ پھر اس نے اس کی تلاشی لی' جیبیں تھپتھپائیں۔

"پورا کمرہ چیک کرو' ایک ایک چیز چھان مارو۔ زہریلا انجکشن کہاں سے آیا؟ مجھے جواب چاہیے۔ اس کی بھی تلاشی لو۔" خاور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ گرجا۔ خاور نے ابرو اچکا کر ہاتھ اٹھادیے۔ گارڈز آندھی طوفان کی طرح کمرہ کھنگالنے لگے۔ میری وہاں سے ہٹ گئی۔

قریباً" ایک گھنٹہ گارڈز اس کے کمرے کو چھانتے رہے۔ ہر شے الٹادی' بکھرادی۔ مگر زہریلی سرنج نہ ملی۔ فصیح' جواہرات کو کال ملاتا وہاں سے نکل گیا۔ وہ سخت پریشان لگتا تھا۔ کمرے میں وہ تنہا رہ گئے تو خاور نے ایک گہری نظر سعدی پہ ڈالی جو پھر سے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ شل' ساکت۔ لاش اب وہاں نہیں تھی۔

"شکر کرو' بروقت میری نے وہ پین چھپادیا۔ ویسے کہاں سے آیا وہ تمہارے پاس؟"

وہ سن نہیں رہا تھا۔ بس یک ٹک دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ تم پہ حملہ کرنے آیا' تم نے اسے ماردیا۔ ٹھیک کیا۔ اب ہم زیادہ دن یہاں نہیں رکیں گے۔ ماہ کامل کی رات قریب آپہنچی ہے۔"

اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ خاور سر جھٹک کر باہر نکلنے لگا تو وہ بولا۔

"اس کی بھی فیملی تھی۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے مٹھی کھولی۔ "یہ اس کی جیب میں تھی۔ اس کی بیوی کی تصویر۔ ساتھ میں ایک بچی بھی ہے۔ دو افراد۔ دو افراد تھے اس کی فیملی میں۔ میں نے جس کی جان لی وہ ایک باپ بھی تھا۔"

"وہ ایک قاتل تھا۔" خاور ناگواری سے بولا۔

"وہ... ایک انسان تھا۔" سعدی نے آنکھیں اس کی طرف موڑیں تو وہ سرخ تھیں مگر خشک تھیں۔ ان میں اس وقت بہت سے جذبات تھے۔ دکھ' غصہ' احساس جرم' بے بسی۔ اور ان میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔

"تو پھر مبارک ہو سعدی یوسف! آج سے تم بھی ہم جیسے قاتلوں میں شامل ہو گئے ہو۔" خاور بگڑ کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ سعدی نے زخمی نظروں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کا دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔

☆ ☆ ☆

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

صبح دھند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی سنہری کرن ذرا دیر کے لیے جھانکتی' پھر دھندلکوں میں گم ہو جاتی۔ زمر نے اسٹڈی روم (اپنے نئے کمرے) کا دروازہ کھولا تو لاؤنج میں معمول کی گہما گہمی نظر آئی۔ صداقت ابا کی وہیل چیئر باہر لا رہا تھا۔ حسینہ انڈے پھینٹ رہی تھی۔ ندرت فریج کھولے کھڑی تھیں۔ سیم یونیفارم میں ملبوس ناشتے کے لیے دہائی دے رہا تھا۔ ایسے میں سب نے سیاہ کوٹ میں ملبوس تیار سی زمر کو اسٹڈی سے نکلتے دیکھا۔ ندرت بالکل ٹھہر گئیں۔ "ابھی کل ہی تو فارس آیا تھا اور... ؟" ابا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"تم... ادھر تھیں؟" ندرت نے صداقت کے باہر جانے کا انتظار بمشکل کیا اور پھر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔ وہ جو سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی' اس نے مڑ کر بنا کسی تاثر کے ندرت کو دیکھا۔

"جی! مجھے دیر تک کیس اسٹڈی کرنا ہوتا ہے۔" سادگی سے کہہ کر زینے پر چڑھنے لگی۔ ابا کو بالخصوص نظر انداز کیا جو بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زینہ عبور کرتے ہوئے اسے اپنی پشت پہ سب کی' حتیٰ کہ حسینہ تک کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ ابھی وہ اوپر پہنچی ہی تھی کہ فارس اور اس کے سابقہ کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ جینز پہ پوری آستین کا سفید سوئیٹر پہنے' وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"السلام علیکم۔" ایسے مسکرا کر بولا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ (نگاہیں اب تک پشت پہ گڑی محسوس ہو رہی تھیں۔)

"وعلیکم السلام۔ میرے جانے کے خیال سے کتنے خوش لگ رہے ہو۔"

وہ ہلکا سا ہنسا اور نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر استفسار کیا۔ "کورٹ جا رہی ہو؟ کیوں؟"

"تمہارے کیس کی وجہ سے جتنے لوگوں کے کیسز میں نے لٹکائے ہیں نا' ان کو بھی تو دیکھنا ہے اور ہاں... میری فیس نہیں لوٹائی تم نے؟"

فارس نے گہری سانس لی۔ "میری دوسری جاب بھی جا چکی ہے' نئی ملتے ہی لوٹا کر دوں گا۔ کچھ دن کی مہلت دے دیجئے۔" زمر نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

"صرف کچھ دن!" تنبیہہ کی اور پھر حنہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نیچے اتر آیا۔ ندرت ان کو نارمل دیکھ کر واپس کاموں میں لگ گئیں مگر ابا بالکل خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

اس نے حنہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیڈ پہ کمبل لیے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ الجھے بال' سوتی شکل' بالکل چپ' گھٹنوں پہ رکھے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہی تھی۔ زمر بیڈ کے کنارے آ بیٹھی۔

"سو ہماری اتنے مہینوں کی محنت ضائع ہو گئی۔ وہ فلیش بے کار ہے۔"

"ہوں۔" اس کی خاموشی غیر معمولی تھی۔

"ہمیں فارس کو بتا دینا چاہیے۔ پچھلے تین چار ماہ فارس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے' مگر اب ہمیں سعدی کے لیے فوراً" کچھ کرنا ہے۔ ہمیں وہ فلیش چاہیے حنہ! کیا دیکھ رہی ہو؟"

"شیرو کا ان باکس۔ وہ رات علیشا سے بات کرتا رہا تھا۔ یاد ہے اس کو ایک دفعہ ایک لڑکی نے پٹوایا تھا۔ ہارون عبید کی بیٹی۔ آبدار عبید۔ مگر علیشا اسے بتا رہی ہے کہ اسے ہاشم نے پٹوایا تھا۔" وہ سارا قصہ سنا رہی تھی۔ پتھرائی ہوئی نظریں اب بھی اسکرین پہ جمی تھیں۔ زمر اس کے ساتھ آ بیٹھی اور غور سے ساری گفتگو پڑھنے لگی۔ حنین نے شروع کا پورشن چھپا دیا تھا۔ اب زمر کو کیا بتائے؟

"کون ہے یہ آبدار عبید؟"

حنہ نے ڈوکلک کر کے نتیجہ اس کے سامنے رکھا۔ وہ کسی سیمی نار میں اپنے والد کے ہمراہ کھڑی تھی۔ سرخ اسکارف لیے گہری آنکھوں والی خوب صورت لڑکی جو سفید پینٹ اور بھورے کوٹ میں ملبوس تھی۔ کسی

باہر کے ملک کی تصویر تھی۔

"یہ تو..." وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اب حنین کو کیا بتائے؟

نیچے آئی تو فارس، ندرت اور اسامہ کچن میں گول میز کے گرد ناشتہ کر رہے تھے۔ سیم بولے جا رہا تھا اور فارس مسکرا کر سن رہا تھا۔ ایسے میں ابا لاؤنج کے دوسرے کنارے بیٹھے تھے۔ چپ، بالکل چپ۔ زمر نے اپنا کپ لیا اور ان کے ساتھ آبیٹھی۔

"ہم ٹھیک ہیں۔ آپ نے دیکھ تو لیا ہے۔" قدرے بے نیازی سے شانے اچکا کر کپ لبوں سے لگا لیا۔

ابا نے ان ہی سنجیدہ خاموش نظروں سے زمر کو دیکھا۔ "میں نے دیکھا ہے۔ تم دونوں نارمل طریقے سے باتیں کر رہے تھے۔ میں تمہیں بتاؤں اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے، یہ سب پہلے دن سے چلا آ رہا ہے۔ اب تم لوگ عادی ہو چکے ہو۔"

ان کے لہجے میں کیا کیا نہیں تھا۔ چائے اس کو اندر تک تیزاب کی طرح جلا گئی۔ وہ بالکل سُن رہ گئی تھی۔ پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔

اوپر اپنے بیڈ پر بیٹھی حنین اسی سطر کو بار بار پڑھے جا رہی تھی جو شیرو نے علیشا سے کہی تھی۔

"بھائی شادی کر رہا ہے... بھائی شادی... بھائی..."

شیخ کی دوا... اپنی ٹیچر کی دعا... فجر کی قضا صلوۃ سب اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ اس کی ساری دنیا برف ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

میری کشتی کو بھلا موج ڈبو سکتی تھی؟
میں اگر خود نہ شریک کف دریا ہوتا

قصر کاردار بھی اس صبح دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ہاشم، اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے، ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ گیلے بال پیچھے کو برش کیے، وہ اب بہتر لگتا تھا گویا پچھلے چند ماہ کی بے سکونی دھیرے دھیرے عنقا ہو رہی تھی۔ تب ہی اس کا فون بجا۔ اس نے سنگھار میز پہ رکھے موبائل کا اسپیکر آن کیا اور کف لنکس اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ہاں بولو فصیح۔"

"سر...! رات میں آپ کا فون آف تھا، میں بتا نہیں سکا۔ سعدی نے ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔"

کف لنک کو کف پہ نتھی کرتی اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں... لمحے بھر کے لیے وہ منجمد ہو گیا۔

"قتل؟"

"گارڈ اس کے کمرے میں گیا، اور کچھ دیر بعد اس کی وہاں سے لاش ملی۔ زہر کے انجکشن سے مارا گیا ہے اسے۔"

"کیسا انجکشن؟" وہ چونکا۔

"ہم نے بہت ڈھونڈا مگر انجکشن نہیں ملا۔ اس کے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا۔"

"فصیح! میری بات کان کھول کر سنو۔" وہ بولا تو آنکھوں میں غصہ اور چہرے پہ سختی در آئی تھی۔ "اگر مجھے کبھی یہ علم ہوا کہ تم خاور یا سعدی کو میرے خلاف... کسی بھی طرح... استعمال کرنا چاہتے ہو، تو میں جو تمہارے ساتھ کروں گا، وہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔"

"سر! ہم خود شاکڈ ہیں کہ انجکشن..."

"او شٹ اپ! بے وقوف سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟" وہ غرایا۔ "زہر تم لوگوں کے علاوہ کون دے سکتا ہے اسے؟"

"سر، آپ یقین کیجیے میں..."

"سعدی یوسف کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ مجھے کیا معلوم، اس نے ایسا اپنے بچاؤ میں کیا ہے یا تم اپنے کیے گئے قتل اس پہ ڈال رہے ہو۔ کل رات سے پہلے مجھے وہ انجکشن چاہیے۔ ورنہ میں تم سب کو زمین میں گاڑ دوں گا۔"

فون بند کیا تو اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ اسٹینڈ سے اٹھا کر کوٹ پہنا اور آئینے میں خود کو دیکھتے پرفیوم گردن پہ چھڑکا۔ تب ہی دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا

۔ ہاشم نے ناگواری سے چوکھٹ کو دیکھا۔ وہاں نوشیرواں کھڑا تھا۔ شب خوابی کی ٹی شرٹ میں ملبوس، وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا چند قدم اندر آیا۔

"میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں شیرو!" وہ مڑ کر بدمزاجی سے کہتا ٹائی پن ٹائی پہ لگانے لگا۔

"وہ کون تھا؟" وہ اتنی عجیب آواز میں غرایا کہ ہاشم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔

"تمہارے مینرز کہاں گئے شیرو؟"

"شیرو!" جواہرات اوپر کسی کام سے آئی تھی۔ کھلا دروازہ دیکھ کر اور شیرو کی آواز سن کر وہ متعجب سی چوکھٹ میں آکھڑی ہوئی۔

"وہ لڑکا جس نے مجھے یونیورسٹی میں پیٹا تھا۔ وہ کون تھا؟"

ہاشم کے ابرو بھنچے۔ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ صرف ٹائی پن کو جوڑتی انگلیاں سختی سے بھینچ لیں۔

"تم نے مجھے کبھی ایسے کسی لڑکے کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"مگر آپ جانتے تھے۔" وہ چلایا۔ "آپ نے اسے بھیجا تھا مجھے مارنے کیونکہ میں نے۔۔۔ آپ کی آبدار کو کالز کی تھیں۔"

"شیرو، تم سے کس نے کہا ہے یہ؟" جواہرات محتاط آواز میں کہتی اس کے قریب آئی۔ نوشیرواں نے پلٹ کر صدمے اور دکھ سے اسے دیکھا۔ "آپ بھی جانتی تھیں۔ آپ بھی اس میں شامل تھیں۔ اور وہ آپ کا شوہر بھی۔۔۔"

"نوشیرواں!" ہاشم گرجا۔ غصے سے آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"میرے اوپر مت چلاؤ۔ نہیں تھا وہ میرا باپ۔ جو ایک بیٹے کو دوسرے سے پٹوائے، وہ میرا باپ نہیں تھا۔" وہ حلق پھاڑ کر چلایا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا یہ سب؟ آبی نے؟"

جواہرات نے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ دو قدم دور ہٹا۔

"میرے قریب مت آئیے۔ میں نے۔۔۔ میں نے کبھی آپ کو نہیں بتایا اس لڑکے کا، کیونکہ اس نے میری توہین کی تھی۔ اس نے۔۔۔ ممی اس نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس نے مجھے زمین پہ گرا کر مارا تھا۔ سعدی نے مجھے نہیں بچایا، میں اتنے سال سعدی سے ناراض رہا، مگر اس کو آپ ہی نے کہا تھا دور رہنے کے لیے۔"

"میں نے اس سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"

شیرو نے نفی میں سر ہلایا۔ "کس منہ سے آپ لوگ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اغوا کر کے آپ کو دھوکا دیا۔ میں نے دھوکا دیا؟ شروع تو آپ۔۔۔ آپ سب نے کیا تھا۔" اس کی سرخ آنکھوں میں پانی تھا، اور وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

"میں تمہاری حفاظت کر رہا تھا نوشیرواں۔ اور پچھلے کئی ماہ سے میں تمہاری غلطیوں کو ہی سنبھال رہا ہوں۔ سعدی نے رات ایک گارڈ کو قتل کر دیا ہے۔ اب مجھے اس کو بھی سنبھالنا ہے۔ (جواہرات کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری مگر چہرے پہ در آیا تعجب مصنوعی تھا۔ اسے خبر مل چکی تھی۔) تمہارے پیچھے میں کتنا خوار ہوا ہوں، اندازہ ہے تمہیں؟" وہ ڈپٹ کر بولا۔

"آپ ہمیشہ اپنا دفاع دوسرے پہ چڑھائی کر کے کرتے ہیں۔ جیسے ہر دفعہ میری غلطی ہو۔ مگر اب نہیں۔"

"شیرو، ڈیڈ نے ایک دفعہ مجھے بھی پولیس کے حوالے۔۔۔"

"بس کر دیں میرے ساتھ جھوٹ بولنا۔" وہ چیخا۔ "اسی طرح۔۔۔ اسی طرح ڈنر ٹیبل پہ بیٹھ کر فارس کے خاندان کو اپنے پاس کھانے پہ بلا کر۔۔۔ آپ دونوں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولتے ہیں۔"

ہاشم کا ہاتھ بے اختیار اٹھا مگر اس سے قبل کہ وہ نوشیرواں کے چہرے پہ طمانچہ رسید کرتا، شیرو نے ایک

جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"مجھے دوبارہ مارنے کی غلطی مت کرنا۔ ہاشم کاردار۔"
اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر نیچے گرایا۔ ہاشم منجمد رہ گیا۔ بالکل سن۔
"شیرو!" جواہرات نے ششدر سی بمشکل آواز نکالی۔
وہ اسے گھورتے ہوئے غرایا۔ "میرا نام نوشیرواں ہے۔" اور سامنے رکھے کوٹ اسٹینڈ کو ٹھوکر ماری، وہ دیوار کی طرف لڑھکا۔ کتنی ہی چیزیں گریں۔ اور نوشیرواں غصے سے کانپتا، ہانپتا، دروازہ دھاڑ سے بند کر کے باہر جا چکا تھا۔
چند لمحے وہاں سناٹا چھایا رہا۔ پھر جواہرات ہاشم کی طرف بڑھی۔ "ابھی وہ غصے میں ہے ذرا دیر میں..."
"مجھے اکیلا چھوڑ دیں ممی۔" وہ آئینے کی طرف مڑ گیا اور گھڑی اٹھا کر کھولنے لگا۔ چہرہ سپاٹ اور سخت ہو چکا تھا۔
"ہاشم...!"
"آؤٹ، ممی! ناؤ!" وہ دھاڑا۔ جواہرات بے بسی سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھوں کی جوت بجھی بجھی سی تھی۔ ایک کینہ توز نظر اس نے اس دیوار پہ ڈالی جس کے پار انیکسی تھی۔
فارس غازی جب بھی واپس آتا تھا ان کی زندگیاں یوں ہی خراب ہونے لگتی تھیں۔ کل وہ آیا اور آج ہی ان کے قصر میں نحوست آ گئی۔ اب وہ کیسے اپنے دونوں بیٹوں کو جوڑ پائے گی؟

☆ ☆ ☆

وہ جو پہچان میرے اخلاص کی تھی
چھین کر لے گئے احباب وہ چھو میرا

وہ کاغذ سامنے پھیلائے، بے توجہی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ سامنے بند قرآن مجید رکھا تھا۔ اس کا کھلا قلم خشک ہو رہا تھا مگر صفحہ قرطاس ابھی تک خالی تھا۔ وہ لکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اب لکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ذہن کے اندر باہر، ہر جگہ ایک ہی منظر چھایا تھا... وہ آنکھوں کی بجھتی جوت... روشنی سے اندھیرا... اس نے کبھی کسی کو اپنے سامنے مرتے نہیں دیکھا تھا اور جس کو دیکھا تھا بس اب وہی یاد رہا تھا۔
میری نے سنہری پین سے میز بجایا تو وہ چونکا۔
"اسے سنبھال کر رکھو۔ یہ وہ آخری فیور تھا جو میں نے تمہیں دیا، سعدی!" وہ برہمی سے بولی۔
سعدی نے خالی خالی نظروں سے اس قلم کو دیکھا۔
"میں نے... ایک انسان کی جان لی ہے!"
"اتنا اپ سیٹ مت ہو۔" وہ نرم پڑی۔ "تم نے جو کیا سیلف ڈیفنس میں کیا۔ سیلف ڈیفنس ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔"
"ہاں میری اینجیو۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔ "اللہ گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفنس میں کیے جانے والے قتل پہ گناہ نہیں ہے۔ قانون گارنٹی دیتا ہے کہ سیلف ڈیفنس جرم نہیں ہے۔ مگر کوئی یہ گارنٹی نہیں دیتا کہ اس کا "غم" نہیں ہوگا۔ جب انسان کسی کو قتل کرتا ہے تو اس کا ایک حصہ مرنے والے کے ساتھ مر جاتا ہے۔ وہ حصہ کبھی واپس نہیں آتا میری! چاہے وہ قتل ناحق ہو، قتل خطا ہو یا قتل دفاع ذات۔ قتل کا غم بہت بھاری ہوتا ہے۔" اس نے اداسی سے کہتے ہوئے رجسٹر بند کر دیا۔ پھر گہری سانس لی اور مڑ کر اسے دیکھا جو بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔
"ہم بہت جلد یہاں سے نکل جائیں گے میری، یہ سب ختم ہو جائے گا۔ تمہاری قید... تمہاری اذیت۔"
وہ تسلی دینے والے انداز میں تھکن سے کہہ رہا تھا۔
"تم آزاد ہو گی اور اپنے ملک جا سکو گی۔ اپنے بیٹے کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزار سکو گی۔ کاردارز اور ان کی محلاتی سازشوں سے دور... تم اپنی چھوٹی سی دنیا میں واپس چلی جاؤ گی۔"
"چھوٹی سی دنیا کی بات کس نے کی؟" اس کے الفاظ پہ سعدی جو واپس پلٹنے لگا تھا، چونک کر دوبارہ سے اسے دیکھنے لگا۔

"سوری؟"

میری نے چادر جھٹکی اور گھوم کر رخ اس کی جانب موڑا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ مجھے میری چھوٹی دنیا واپس چاہیے؟ چھوٹی دنیا میں تو میں پہلے بھی تھی۔ جانتے ہو فلپائن کیسا ہے؟ میرا سارا ملک کیسا ہے؟ لکڑی کے بنے چھوٹے چھوٹے گھر کیسے ہوتے ہیں؟ سارا دن 'ساری رات کتوں کی طرح کام کرو تب بھی دو وقت کی روٹی جتنے پیسے نہیں بن پاتے۔ جانتے ہو جب سیلاب آتا ہے وہاں تو کیسے گھر تنکوں کی طرح بہتے ہیں؟ جانتے ہو کتنا مشکل ہوتا ہے اپنے ملک کو چھوڑنا اور غیر ملک میں نوکری کے لیے جانا مگر ہم فلپائن کی عورتیں جاتی ہیں دوسرے ملکوں میں... کیونکہ بادشاہوں کے غلام خود بہت سوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ کس نے کہا تم سے کہ مجھے اپنی چھوٹی سی دنیا 'پرسکون زندگی اور بے فکر ضمیر واپس چاہیے؟ مجھے اپنی جاب واپس چاہیے تھی 'سعدی یوسف! مجھے اپنا مقام واپس چاہیے تھا۔ میں... اس محل کی... ملکہ تھی۔ وہاں میرا حکم چلتا تھا۔ میری اتھارٹی تھی۔ فلپائن کی بھوک اور غربت' خوف اور ظلم میں اپنے بچے کو بڑا کرتے میں نے ایک ہی خواب دیکھا تھا۔ پیسے کا۔ اونچے محل کا۔ میں تمہارا ساتھ اس لیے دیتی رہی کیونکہ تم نے مجھے میری پوزیشن واپس دلانے کی امید دلائی تھی۔ تمہارے ساتھ بھاگنے کا مطلب ہے' میں تاعمر مفرور رہوں گی۔"

بول بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ سعدی ان ہی اداس نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"ہم جمعرات کی رات یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ خاور میرے کمرے میں آئے گا اور ہم مل کر گارڈز پہ حملہ کریں گے۔ اگر تم نے چلنا ہو تو بتا دینا۔" سنجیدہ 'تپا تلا لہجہ اور دوٹوک انداز تھا اس کا۔

میری عجیب سی کیفیات میں گھری اس کو دیکھتی رہی پھر دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

مجھے جو بھی دشمن جاں ملا وہی پختہ کار جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی 'نہ کسی کا تیر خطا ہوا

وہ گھر آئی تو ٹیکسی کی طرف جاتے 'مسز جواہرات کے کمرے کے پچھلے برآمدے پہ نظر پڑی۔ جواہرات وہاں اسی سرخ اسکارف والی لڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ زمر نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور اپنے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دروازہ کھولا تو حنین کھڑکی کا پردہ ہٹا کر تیکھی نظروں سے باہر جھانک رہی تھی۔ زمر اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔

"یہ فارس سے ملنے کورٹ آئی تھی۔ فارس نے کہا 'یہ اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

حنین کے ابرو بھنچے۔ خفگی سے باہر بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ "آئی ڈونٹ لائیک ہر۔"

"می ٹو۔" زمر کے لبوں سے نکلا۔

"می تھری!" اسامہ پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں پلٹیں۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے اس سے؟"

"مجھے ایسی خوب صورت لڑکی پسند نہیں جو قد اور عمر میں مجھ سے بڑی ہو۔" چمک کر کہتا اندر بھاگ گیا۔

زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ابھی خبر لیتی ہوں میں اس کی۔" حنہ دانت پیستی اس کے پیچھے لپکی۔ زمر مسکرا دی۔ سعدی... وہ کچھ کچھ سعدی کی طرح ہوتا جا رہا تھا۔

سبزہ زار کے اس طرف... برآمدے میں بیٹھی آبدار نے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر ہٹایا اور سوچتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "یہ کون تھی؟"

"یہ اورنگ زیب کے بھانجے فارس کی بیوی ہے۔"

آبی کے دل کو کچھ ہوا مگر سنبھل کر بیٹھی رہی۔

"دیکھنے میں بس ٹھیک ہے۔ فارس زیادہ اچھا ہے۔ ہمارے گھر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ پسند کی شادی

تھی کیا؟" سرسری سا پوچھا۔
جواہرات نے ہنس کر سر جھٹکا۔ "میرج آف convenience (کنٹریکٹ شادی) ہے۔ طلاق ہونے والی ہے۔ چند دن کا کھیل ہے۔"
آپی سُن رہ گئی' پھر... بظاہر بہت سنبھلے انداز میں پوچھا۔ "کیا واقعی؟"
"یہ لڑکی اس سے نفرت کرتی ہے' انتقام کے لیے شادی کی تھی۔ آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں۔ اب بھی اس کا کیس اس لیے لڑ رہی تھی تاکہ اس کو پھنسا سکے۔ مگر شش... یہ راز ہے۔" آخر میں رازداری سے آواز ہلکی کی اور ہنس پڑی۔
"اوہ... اس کا مطلب ہے کہ... یہ شادی ختم ہونے والی ہے؟" آبدار کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت چمکنے لگی تھی۔
"بالکل۔ اچھا تو تم کہہ رہی تھیں کہ شیرو سے تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی اس حوالے سے؟" جواہرات وہ بات کریدنے لگی جس کے لیے اس نے آپی کو بلایا تھا' اور آپی مسکراتے ہوئے بظاہر سن رہی تھی... مگر اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ شاید دل بھی۔
"شادی کر لو آپی!" آخر میں جواہرات نے کہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کپ رکھا اور نرمی سے کہنے لگی۔
"شادی زندگی کا سب سے بڑا جوا ہوتا ہے' آنٹی! وہیں کھیلنا چاہیے جہاں دل مانتا ہو۔"
"تو دل کہاں مانتا ہے تمہارا؟"
"دل..." وہ پھر مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں خلوص بھی تھا' سادگی اور معصومیت بھی۔ "بس کوئی ایسا ہو جو نڈر ہو' بہادر ہو... جس کو عامل تنویم کو hypnotize (ہپناٹائز) کرنا آتا ہو۔ جس کے لیے میں بڑے سے بڑا خطرہ لینے کو تیار ہو جاؤں' بدلے میں صرف ایک کپ چائے کے لیے۔ جس کا ایک فقرہ دوسروں کی تقریروں پہ بھاری ہو۔ وہ بولے تو سب سنیں۔ وہ خاموش ہو جائے تو اس کی خاموشی بھی بولے۔" پھر ذرا مزید سنبھل کر بولی۔ "اور جس دن ایسا کوئی مل گیا' تو اس پہ لگا unavailable کا ٹیگ بھی available میں بدل دوں گی۔"
جواہرات کو اس کی باتوں نے چونکایا تھا۔ وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئی تو جواہرات بھی اندر چلی گئی۔ ادھر ابروؤں پر ہاتھ پھیرتی' مدھم آواز میں خود سے باتیں کرتی' ایرانی لڑکی دور جارہی تھی۔ سردی سے اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی مگر سرمئی آنکھوں میں بے پناہ خوشی بھری چمک تھی۔ تب ہی وہ رکی۔ سامنے فارس کار سے نکل رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ نہیں مسکرایا۔ وہ محتاط تھا۔
"ہیلو۔" وہ اس کے قریب آرکی۔ فارس نے سر کے خم سے جواب دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ انیکسی اور قصر کی ہر کھڑکی سے یہ منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔
"آپ کے اوپر میرا ایک ادھار ہے۔"
"چائے؟" اس نے یک لفظی استفسار کیا۔
"جی ہاں۔ مسٹر اینڈ مسز فارس غازی میرے اور بابا کے ساتھ چائے پئیں گے۔ وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کردوں گی۔"
"آپ کے پاس میرا نمبر ہے؟" فارس کار لاک کرتے ہوئے بولا۔
"آپ کے پاس میرا ہے نا' مجھے ٹیکسٹ کریں گے تو میں محفوظ کرلوں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔ فارس نے کار لاک کرتے ہوئے سر کو خم دیا۔

"ایک بری خبر بھی ہے۔" وہ ذرا ٹھہری۔ "اس نے آپ کا بھیجا ہوا تحفہ استعمال کر لیا ہے۔ کل رات ایک گارڈ اپنی جان سے گیا ہے۔ او کے' پھر جلد ملاقات ہوگی چائے پہ۔" وہ برابر سے نکل کر چلی گئی۔ لاؤنج کی کھڑکی سے دیکھتی جواہرات نے اس سرسری ملاقات کو علیک سلیک سے زیادہ کچھ نہ سمجھا اور زمر نے ناک سکیڑ کر پردہ واپس گرادیا۔
مگر ایک وہی تھا جو چابی کی ہول میں لگائے' وہیں ٹھہر گیا تھا۔ منجمد' شل' ششدر۔ پورے جسم کو کسی نے برف کے ڈھیر میں ڈال دیا تھا۔ سفید پڑتے چہرے

کے ساتھ اس نے بدقت تمام کار لاک کی 'اور پھر قدم اٹھاتا... بھاری قدم اٹھاتا... ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگا۔

سعدی؟ قتل؟ اس کا پورا جسم سنسنا اٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

تجھ سے کھل جاتی مری روح کی تنہائی بھی
میری آنکھوں میں کبھی جھانک کے دیکھا ہوتا

قریبا" پونے چھ برس قبل وہ "واقعہ" ہوا تھا' جب اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کر رکھی تھیں 'اور اس لحاظ سے 'زمر کے یونیورسٹی چھوڑنے کے سال بعد' اس نے ندرت سے کہا تھا کہ وہ زمر کے لیے رشتہ بھیج دیں۔

ان دو سالوں میں متعدد بار اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں اس کے والدین اس کی کہیں اور شادی نہ کردیں 'مگر اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ جلے دودھ کے برے تجربے کے بعد یونہی کسی کو بھی اپنی بیٹی نہ دیں گے 'غور کرنے میں یا ہاں کرنے میں بھی مہینے لگائیں گے 'اور اس کی لاعلمی میں یہ سب ہو جائے 'یہ ناممکن تھا'اسے خبر مل ہی جاتی تھی۔

ندرت اس کی دلچسپی کا سن کر پہلے خوش ہوئیں 'پھر خاموش۔ وہ ان کی آنکھیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ متامل تھیں۔ اتنے برسوں کے ناخوشگوار تعلقات کے بعد ان کو اپنی ساس سے امید نہیں تھی کہ وہ ان کے بھائی کو

اپنی بیٹی کا ہاتھ تھمادیں گی۔ خود فارس کو اگر اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ تھی 'تو کوئی احساس کمتری بھی نہ تھا۔ گو کہ اس نے ہمیشہ زمر کی عزت کی۔ احترام کیا۔ اسے خود سے برتر سمجھا مگر اس نے کبھی خود کو کمتر نہیں سمجھا تھا۔ جس سادہ زندگی کی خواہش اسے تھی 'اس میں ان پیچیدگیوں کی جگہ نہیں تھی۔

رشتہ بھجوانے کے چند روز بعد وہ آفس میں تھا جب حسین کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ زمر اس سے ملنا چاہتی ہے 'کوئی بات کہنا چاہتی ہے۔ وہ یوں ایک بلاوے پہ چلے جانے کے حق میں نہیں تھا 'مگر... اسے انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔ وہ حسنہ کے گھر آگیا۔ اسے امید تھی کہ زمر اس کے رشتے کے حوالے سے بات کرنا چاہ رہی ہے گی۔ اپنے دو ٹوک انداز میں 'سمجھ داری کے ساتھ ترجیحات 'اور توقعات واضح کرے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اس پروپوزل سے ان جان لگ رہی تھی۔

وہ تو اپنی ناک میں پہنی اس لونگ سے بھی ان جان لگتی تھی۔ کچھ روز قبل وہ ایک جیولر کے پاس کسی تفتیش کے سلسلے میں گیا تو اسے شوکیس میں سجی یہ ڈائمنڈ نوز پن اتنی خوب صورت لگی کہ وہ لیے بغیر نہ رہ سکا۔ بھیجتے وقت اپنا نام اس لیے نہیں لکھا کہ کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو تماشا نہ بن جائے۔

اس کو وہ پہنے دیکھ کر دل میں جہاں خوشگوار احساس اترا' وہاں مایوسی بھی ہوئی۔ وہ اس کی لکھائی نہیں پہچان سکی تھی۔ اس نے ایک سال تک پڑھا تھا وہ اس سے 'کبھی تو نوٹ کی ہوگی اس نے فارس کی لکھائی۔ مگر وہ نوٹ نہیں کر سکی اور پھر جب وہ اپنے مدعے پہ آئی' اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھے' وہ اپنا مسئلہ بتانے لگی تو فارس غازی کے دل میں مزید مایوسی اتر گئی۔ وہ کسی ملزم کے بھائی کی ہراسمنٹ کی وجہ سے پریشان تھی۔ یہ اچھا تھا کہ ایک قریبی مرور شتے دار ہونے کے ناتے اس نے فارس پہ بھروسہ کیا اور اس کو اپنا مسئلہ بتایا 'مگر یہ اتنا اچھا نہ تھا۔ وہ مدد کی ہامی بھر کر وہاں سے اٹھ آیا۔ مگر دل میں ایک عجیب سا احساس جڑ پکڑنے لگا۔ وہ جانتی تھی اور جان کر ان جان بنتے ہوئے اس کو آزما رہی تھی؟ یا وہ جانتی ہی نہیں تھی؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو رشتہ دیے اتنے دن گزر چکے ہوں اور زمر کے والدین' جو ہر بات میں اس کی رائے مانگا کرتے تھے' اس کو خبر ہی نہ کریں۔

اگلی دفعہ جب وہ ندرت کے پاس گیا تو ان سے کہا کہ وہ زمر کی والدہ سے پوچھیں۔ ہاں تو ہاں' ناں تو ناں۔ ندرت نے ایسا ہی کیا اور اپنی ساس کا جواب سن کر ان کے اندر تک خاموشی چھا گئی۔ زمر نے انکار کیا ہے اور

کہتی ہے کہ وہ فارس جیسے غصہ ور اور پتا نہیں کیا کیا آدمی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی؟ ہیسٹ وسلی؟ وہ بچہ تو نہیں تھا کہ اس بات پہ یقین کر لیتا۔ وہ دن پہلے تک زمر اس سے مدد مانگ رہی تھی اور اب اس کو یہ سب کہے گی؟ صاف ظاہر تھا' زمر کی امی نے ندرت سے ساری زندگی کے حساب چکتا کیے تھے۔ بیٹی سے پوچھے یا شاید بتائے ہی بغیر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ ندرت دوبارہ بات کرنے کے حق میں تھیں مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

عزت اور غیرت سب میں ہوتی ہے۔ ان کے سامنے محبت پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس میں بھی اتنی غیرت تو تھی کہ اگر ایک دفعہ اتنا صاف جواب مل گیا ہے تو وہ اس خاندان سے دوبارہ سوال نہیں کرے گا۔ وہ اس سے برتر تھی' مگر وہ اس سے کم تر نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا حنین ندرت کی بات سن رہی تھی' اور وہ جانتا تھا کہ وہ سوچ رہی ہو گی' ماموں نے اتنی جلدی ہار مان لی؟ مگر یہ ہار جیت کی بات نہیں تھی۔ عزت اور غیرت کی بات تھی۔ عزت دار لوگ خاموشی اور وقار سے راستہ بدل لیتے ہیں۔ اس نے بھی یہی کیا۔

فارس کو سات سو سال قبل کی ابن قیم کی لکھی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی' یہ جاننے کے لیے کہ مرض عشق کی دوا کیا ہے؟ ایک سمجھ دار اور پریکٹیکل آدمی ہونے کی حیثیت سے اتنا تو اسے معلوم ہی تھا کہ یہ عشق وغیرہ ٹھیک ہو جاتا ہے وقت کے ساتھ۔ اگر انسان اس گلی جانا چھوڑ دے' اس شخص سے ملنا اور اسے دیکھنا چھوڑ دے (غض بصر) اور خود کو کہیں اور مصروف کر لے۔ زندگی میں کوئی نیا رشتہ آجائے' ایک اچھی بیوی ہو تو پرانی محبت یاد بھلے رہ جائے' تکلیف نہیں دیتی۔ مگر یہ سب صرف تب ہو سکتا ہے جب انسان کی نیت صاف ہو' اور ارادہ "آگے بڑھ جانے" کا ہو۔ جو لوگ مرض عشق سے شفایاب نہیں ہو پاتے' ان کی دراصل "نیت" نہیں ہوتی۔ محبوب کی یاد کے "نشے" سے نکلنے کی۔

اور فارس نیت کر چکا تھا۔ اس نے زمر کے خاندان سے میل ملاپ چھوڑ دیا۔ زمر کی امی کی ڈیتھ ہوئی تو وہ گیا ضرور بلکہ دو چار دفعہ گیا' مگر کوشش کی کہ زمر سے سامنا نہ ہو۔ نگاہ بھٹکے گی تو دل بھٹکے گا' مگر چونکہ نیت صاف تھی' اس لیے اس کا دل پر سکون ہو گیا۔

اس نے زمر کو چھوڑ دیا۔ اس سے دستبردار ہو گیا اور خود کو ایک نئے انسان کی زندگی میں شامل ہونے کے لیے تیار کر لیا۔

وہ شادی سے پہلے زرتاشہ سے صرف ایک دفعہ ملا تھا۔ وہ اس کے ابو کے رشتہ دار کی بیٹی تھی۔ ایم ایس سی سائیکولوجی کر رکھا تھا اور دل سے آرٹسٹ تھی۔ رنگت خاصی گوری اور شولڈر کٹ بال بے حد سیاہ تھے۔ وہ خوب صورت بھی تھی اور طبیعت کی بھی اچھی تھی۔

زرتاشہ ذرا بچکانہ' ذرا سی جلد باز' ذرا سی نخریلی ضرور تھی' لیکن یہ سارے عناصر اس میں ذرا ذرا سے تھے۔ ان کو چھوڑ کر اس میں ڈھیر ساری محبت' ڈھیر سارا خلوص اور ڈھیر ساری خوش مزاجی بھری تھی۔ شادی سے پہلے اس نے فارس کے سامنے صرف دو شرطیں رکھی تھیں۔

میرے لیے لڑیں گے مگر مجھ سے نہیں لڑیں گے۔ اگر میں کبھی جاب کرنا چاہوں تو مجھے منع نہیں کریں گے۔

اس نے دوسری شرط مان لی تھی اور پہلی کو حالات اور خود زرتاشہ کے رویے سے مشروط کر دی تھی۔ البتہ دل میں وہ بے حد محظوظ ہوا تھا۔ زرتاشہ میں ویسے تو ہر بات زمر سے مختلف تھی' مگر ایک بات جو اس میں اور زمر میں زمین آسمان جتنا فرق کرتی تھی' وہ سادگی تھی۔ زمر سادہ نہیں تھی' اور زرتاشہ کی اس معصومیت بھری سادگی (جو بہت سے لوگوں کو اس کا بچکانہ پن اور جذباتیت لگا کرتی تھی) نے فارس کے دل سے پہلی محبت کو قریباً" ختم کر دیا تھا۔ زمر یوسف کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی اور جس دن وہ زرتاشہ سلیم سے زرتاشہ غازی بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی' پہلی

دفعہ یہ ہوا کہ فارس کے ذہن میں زمر کا خیال آنا بھی ختم ہو گیا۔
پہلی دفعہ وہ زمر کو بھولنے لگا تھا۔ عارضی طور پہ ہی سہی۔

☼ ☼ ☼

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے
اس کے ہونٹوں کی خموشی بھی سند ہوتی ہے

مگر اس وقت وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھا' زرتاشہ کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمائے' وہ دور کہیں گم تھا۔ پریشان بھی تھا' اور فکر مند بھی۔ ذہن میں صرف سعدی کا خیال چکر کاٹ رہا تھا۔ یہ یقین تھا کہ وہ ہاشم کے پاس محفوظ ہے' ختم ہو چکا تھا اور پچھلے کچھ دنوں سے کوئی رات ایسی نہیں گزر رہی تھی جب سعدی کے زندہ بچ جانے کی امید نہ ٹوٹی ہو۔

فارس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا۔ وہ شدید پریشانی کے باوجود گھر میں کسی سے یہ مسئلہ شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے دس ماہ سے وہ جس جنگ کی تیاری کر رہا تھا' وہ قریب آ پہنچی تھی' مگر اسے اس سے پہلے ایک کام کرنا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ندرت استری والے کپڑے الگ رکھ رہی تھیں' ابا اخبار پڑھ رہے تھے۔ حنین خاموش سی کونے میں بیٹھی تھی۔ زمر کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ سیم ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھا تھا۔

"ابا۔" اس نے سنجیدگی سے پکارا۔ آواز اتنی تھی کہ ہر کوئی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "میں نے آپ کے ریسٹورنٹ سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پہ ایک اچھا گھر ڈھونڈا ہے' کافی بڑا ہے اور قیمت بھی اچھی ہے۔"

سب ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"جمعے کو ہمیں وہاں شفٹ ہونا ہے۔ آپ لوگ پیکنگ کر لیں۔" وہ موبائل نکالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک حیرت بھرے سناٹے میں سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ زمر بھی کچھ نہ بول سکی' حنین الگ شل۔ ندرت کو ہی ہوش آیا۔

"اور یہ گھر؟"

"میں اسے بیچ رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" ابا نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ یہ ضروری ہے۔" ہلکا سا مسکرا کر مگر اتنے حتمی لہجے میں بولا کہ کسی سوال کی گنجائش ہی نہ رہی۔ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے اور وہ موبائل پہ نمبر ملاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کمرے کے دروازے کے پیچھے گم ہونے سے پہلے انہوں نے اسے فون کان سے لگائے کہتے سنا۔

"یہ میرا نمبر ہے' اس کو آپ سیو (محفوظ) کر لیں ـــ" اور دروازہ بند ہو گیا۔ سب ابھی تک چپ بیٹھے تھے۔

پھر زمر نے مگ کاؤنٹر پہ رکھا تو کانچ کے پتھر سے ٹکرانے کی آواز پیدا ہوئی۔ حنین نے گم صم سی ہو کر اس کی طرف گردن موڑی۔

"ماموں کیا سوچ کر ایسا کہہ رہے ہیں؟"

زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "اس پہ بھروسہ کرو۔ وہ کہہ رہا ہے تو اس کے پاس کوئی حل ضرور ہو گا۔"

"آپ کو کب سے ان کے فیصلوں پہ بھروسا ہونے لگا؟" حنین نے کسی دوسرے کی پروا کیے بغیر اس کو مشکوک نظروں سے گھورا۔

"جب سے میں نے اس کو کورٹ میں اپنا دفاع کرتے دیکھا ہے۔ وہ معاملات کو سدھارنا اور سنوارنا جانتا ہے۔ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ ہم گھر بدل لیں تو ہم بدل لیتے ہیں۔ اس کو نئی جاب کی تلاش ہے' وہ اسی لحاظ سے بہتر علاقے میں شفٹ ہونا چاہ رہا ہو گا۔" وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ ادھر ندرت کو اب نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔ سامان' پیکنگ' شفٹنگ۔ کہاں سے کام شروع کریں؟ اس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا

کہ موبائل تھرتھرایا۔
نیا پیغام۔ "میں اپنے برآمدے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' زمر!"
اس نے مگ وہیں دھرا اور ــ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی گردن اور پرسکون چہرے کے ساتھ قصر کے برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔
"گڈ آفٹرنون مسز کاردار۔" مسکرا کر جواہرات کو سلام کیا۔ جو سینے پہ بازو لپیٹے وہاں کھڑی سلگتی آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔ نوشیرواں اور آبی والا معمہ حل نہیں کر سکی تو اب اصل مسئلے کی طرف آئی۔ زمر سے نپٹنا تھا اسے۔
"سو کل فارس رہا ہو کر آگیا۔ میں نے سوچا تمہیں چوبیس گھنٹے دے دوں کوئی وضاحت گھڑنے کے لیے۔" مسکراتے ہوئے ہونٹوں مگر انگارہ آنکھوں سے چبا چبا کر بولی۔ زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "آپ کل بھی پوچھ سکتی تھیں۔"
"تو پھر بتاؤ زمر۔ کہ فارس۔ کیسے رہا ہوا؟"
"وہ اس رات ایک ایسے مردوں کے لیے مخصوص کلب میں تھا جہاں بڑے خاندانوں کے بیس مرد بھی تھے یو نو۔ قوم لوط کے مرد۔ اپنی الیبائی ثابت کرنے کے لیے اگر ہم ان لوگوں کے نام عدالت کو دیتے تو عدالت ان کو "Subpheona" کرتی۔ (نوٹس بھیج کر حاضر ہونے کا حکم دیتی۔) ایسے میں وہ بیس عزت دار لوگ پوری دنیا کے سامنے آجاتے' اور بے شک وہ گواہی کے وقت مکر جاتے' کیونکہ کوئی بھی ایسی جگہ کے بارے میں گواہی نہ دیتا' مگر ایک نیا اسکینڈل کھڑا ہو جاتا' اور سب کی بدنامی ہوتی۔ ان میں سے ایک سابق پراسیکیوٹر جنرل کا بیٹا بھی تھا۔ جج صاحب نے اس کلب کا ذکر آنے پر سمجھا کہ موجودہ پراسیکوٹر جنرل' پچھلے پراسیکیوٹر جنرل سے انتقام لیتے ہوئے اس کے بیٹے کے خلاف اسکینڈل بنوانا چاہتا ہے' اس لیے اس کلب میں موجود ایک گواہ یعنی فارس کو پکڑ رکھا ہے سو جج صاحب نے فارس کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔
بے شک وہ جج آپ کے ہاتھ میں تھا مگر کالے کوٹ والے اپنے پیٹی بھائیوں کے خلاف کم ہی کھڑے ہوتے ہیں۔"
"یہ مجھے بھی معلوم ہے زمر۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہارے ہوتے ہوئے وہ رہا کیسے ہوا؟"
"کیونکہ وہ بے گناہ تھا۔"
"تو تم نے مجھے استعمال کیوں کیا؟" وہ تنخ کر بولی۔
"آپ کوئی چیز نہیں ہیں جس کو میں استعمال کر سکوں۔ مجھے کچھ عرصہ قبل تک اس کی بے گناہی کا علم نہیں تھا' جب ہوا تو میں نے اس کے کیس کو درست سمت میں چلایا۔ انسان کو غم اور خوشی' دونوں میں حق بات کہنی چاہیے۔" وہ پرسکون تھی۔
"ہاؤ سوئیٹ۔ اور مجھے بتانے کا ارادہ کب تھا تمہارا؟"
"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کی ماتحت ہوں نہ ملازمہ' جو ہربات کی رپورٹ آپ کو کروں۔"
جواہرات نے زخمی نظروں سے اسے دیکھتے نفی میں سرہلایا۔ "وہ برف سی عورت کہاں گئی جو انتقام کے لیے بے تاب تھی؟"
زمر چند لمحے آنکھیں سکوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔
"شاید وہ پگھل گئی!"
"غلطی کر رہی ہو تم زمر! تم نے اسے جیل میں ڈالا تھا' وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ اور اگر تم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچنے لگی ہو تو مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ کیونکہ۔" وہ دو قدم قریب آئی' اور شیرنی سی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "کیونکہ تم اس کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں۔ اولاد کتنی بڑی نعمت ہے' تم کبھی نہیں جان سکو گی۔ اور تمہارے ساتھ وہ ساری زندگی ایک محروم انسان کی طرح گزارے گا۔"
زمر کے چہرے پہ سایہ سا گزرا' پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "جیسے اورنگ زیب کاردار نے آپ کے ساتھ گزاری تھی۔؟"

جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھنے لگا مگر اس نے مٹھی بھینچ لی۔ "تم۔"

"میرے کمرے کی بالکونی کو دیکھیے، وہاں فارس کھڑا ہے، اور ادھر ہی دیکھ رہا ہے۔ شکر ہے کہ آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا، ورنہ وہ آپ کا کیا حال کرتا، مجھے یہ سوچ کر ہی آپ سے ہمدردی ہونے لگی ہے۔" سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ جواہرات نے گردن موڑی۔ وہ بالکونی میں کھڑا، آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر سنجیدگی سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"امید ہے آپ آئندہ بھی میرے ساتھ ذرا احتیاط سے بات کریں گی ورنہ میری انگلیاں بیک وقت کتنی ڈوریاں کھینچ رہی ہیں، آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ گڈ آفٹر نون!" کہہ کر وہ مڑی اور تیز تیز زینے اترتی گئی۔

جواہرات لمبے لمبے سانس لیتی، غصے میں بل کھاتی وہیں کھڑی رہی۔

✡ ✡ ✡

منزل کو نہ پہچانے رہ عشق کا راہی

ناداں ہی سہی، ایسا بھی سادہ تو نہ تھا

ہارون عبید کی رہائش گاہ پر سر شام ہی دھند اکٹھی ہونے لگی تھی۔ یخ بستہ ہڈیوں کے اندر تک گھس جانے والی ہوائیں ہر ایک کو جما رہی تھیں۔ ایسے میں داخلی دروازہ کھول کر ہارون اندر داخل ہوئے تو ہیٹر کی گرمائش سے بھرے لونگ روم میں آبی کو منتظر بیٹھے دیکھا۔

"ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی بات کرنی ہے؟" وہ اس کا چہرہ پڑھ چکے تھے صوفے پہ آکر بیٹھے اور پوچھا۔

"بابا۔" وہ جلدی سے قریب ہوئی۔ سرخ اسکارف سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے اکٹھا کر کے ڈالا تھا، اور ملائی جیسے چہرے پہ تذبذب تھا۔

"آپ میرے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟"

ہارون نے گہری سانس لی اور موبائل نکالتے ہوئے "بولو" کہا، پھر عینک ناک پر جما کر اسکرین پہ انگلی پھیرتے مسڈ کالز دیکھنے لگے۔

"فارس غازی۔ میں نے اسے چائے پہ بلایا ہے۔ بیوی کے ساتھ۔ وہ میرا ممنون تھا کہ میں اس کے لیے ایک دفعہ تھانے گئی۔ میں نے سوچا اس بہانے آپ کی بھی اس سے ملاقات ہو جائے گی۔"

انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "تم ہاشم اور فارس غازی کے سارے مسئلوں کو جانتی ہو۔ ایسے میں کیا ضرورت تھی اس سب کی؟"

"بابا! اس طرح زیادہ اچھا ہے نا، اس کا شک کبھی بھی آپ پہ نہیں جائے گا۔"

"مجھے اس کے شک کی پروا ہے بھی نہیں۔ خیر تم کو جانا ہو تو چلی جانا۔ میں مصروف ہوں۔"

"آپ ایک دفعہ اس سے مل کر تو دیکھیں۔ میں اس جیسے کسی انسان سے آج تک نہیں ملی بابا۔" اس نے ملتجی انداز میں ان کے ہاتھ تھامے۔

"میں مصروف ہوں آبی! تم چلی جانا۔ اور اگر بلانا تھا تو ڈنر پہ بلا لیتیں۔ صرف چائے کیوں؟"

"نہیں بابا۔ وہ زبان کا پابند ہے۔ چائے کی بات ہوئی تھی، سو چائے ہی پینی ہے۔ خیر آپ سوچ لیں۔

میں اس کو جمعے کی شام کو مدعو کر رہی ہوں۔ وہ پورے چاند کی رات ہو گی۔ ایک بہت خوب صورت رات۔" جلدی جلدی جوش سے کہہ کر وہ اندر کو بھاگی۔

آج اس کے پاس توجہ بٹ جانے کے شکوے تھے' نہ وقت کی کمی کی شکایتیں۔ آج وہ خوش لگتی تھی۔ معصوم اور پُرجوش۔ ہارون نے بہت غور اور اچنبھے سے اسے اندر بھاگتے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

کوئی ہم نفس نہیں ہے' کوئی رازداں نہیں ہے
فقط ایک دل تھا اب تک' سو وہ مہرباں نہیں ہے

جواہرات جب لاؤنج میں واپس آئی تو غصے سے کانپ رہی تھی۔ سیدھی اوپر ہاشم کے کمرے میں آئی۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ کہنیاں رکھے بیٹھا گردن ترچھی کیے کچھ لکھ رہا تھا۔ نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا اور مصروف لگتا تھا۔

"اس دو ٹکے کی لڑکی نے میری اتنی بے عزتی کی کہ۔"

"دیکھ چکا ہوں۔ میری بالکونی سے آپ کا پچھلا برآمدہ نظر آتا ہے۔" وہ گردن کو جنبش دیے بغیر لکھتا رہا۔ جواہرات جل کر کوئلہ ہو گئی۔

"اور تم بیٹھے دیکھتے رہے؟ وہ مجھے فارس کے نام سے دھمکا رہی تھی اور تم!" وہ غصے سے لرز رہی تھی۔

"آپ کو اسے کنفرنٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے کبھی فارس سے دشمنی ظاہر نہیں کی۔ یوں وہ ہم پہ شک کرے گی اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے میں اس کو شوٹ کر دوں اور تم کہتے ہو کہ۔"

"اُف' ممی۔" اس نے اکتا کر گردن موڑی اور بے زاری سے لال بھبھوکا چہرے والی ماں کو دیکھا۔ "ہم مزید کوئی قتل نہیں کر سکتے۔ اب موو آن کرنے کا وقت ہے۔ دو دفعہ جیل جا کر اسے بھی سبق مل چکا ہے' اور میں بھی اب اپنی زندگی کو ایک مثبت رخ دینا چاہتا ہوں۔"

وہ مڑ کر واپس لکھنے لگا۔ جواہرات اب کے چونکی۔ پھر قریب آئی۔

"کیا کر رہے ہو تم؟" غصہ کم ہوا۔ تشویش سی در آئی۔ ہاشم کے کندھے کے پیچھے سے جھانکا تو وہ چیک بک پہ چیک سائن کر رہا تھا۔

"جمعہ کو ہم نے سری لنکا میں ہونا ہے پرا ہرا (ریڈ) کے لیے۔ میں اس سے پہلے ایک کینسر اسپتال کے نام کچھ چیکس لکھ رہا ہوں۔ اور کچھ اور نگزیب کاردار کے مدرسے کے لیے۔" وہ چیک لکھ لکھ کر الگ کر رہا تھا۔ جواہرات کی آنکھیں تعجب اور بے یقینی سے پھیلیں۔

"ایک دم سے اتنا سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے یہ کر کے خوشی مل رہی ہے ممی۔ جب آپ نے مجھے لوگوں کو قتل کرنے سے نہیں روکا تو ان کو بچانے سے بھی نہ روکیے۔" وہ بالکل ماں کی طرف سے بے نیاز تھا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ کر کے ایک بڑے philanthropist (انسانیت کے ہمدرد) بن رہے ہو تو میرے نزدیک یہ گلٹی کانشس کے سوا کچھ نہیں ہے۔" وہ تلملا گئی تھی۔ پہلے نوشیرواں اور اب ہاشم۔ ہاشم نے ناگواری سے کچھ کہنے کے لیے نظریں اٹھائیں کہ اس کا موبائل تھر تھرانے لگا۔

"بات کراؤ۔" وہ اسی بے نیازی سے فون سننے لگا۔

"ہاں میری بولو۔"

جواہرات جو کلس کر جانے لگی تھی' بے اختیار ٹھہر گئی۔ پھر اسے اشارہ کیا۔ ہاشم نے اسپیکر آن کر کے فون سامنے کر دیا۔

ہزاروں میل دور کچن کا دروازہ بند کیے کھڑی میری انجیو آہستہ آہستہ سے فون میں کہہ رہی تھی۔ "وہ جمعرات کی رات کو بھاگنے کا پلان کر رہے ہیں۔ سعدی اور خاور۔ وہ مل کر گارڈز پر حملہ کریں گے' اور ان کو

یرغمال بنا کر وہاں سے بھاگیں گے۔ آپ نے مجھے نہیں بتایا کہ ہم سری لنکا میں ہیں، مگر میں آپ کو یہ سب بتا رہی ہوں۔ اس نے مجھے بھی چلنے کی پیشکش کی مگر میں۔ نہیں بھاگوں گی۔" ہاشم اور جواہرات نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم مسکرایا۔

"تمہیں کیا چاہیے میری؟ بتاؤ۔"

"مجھے صرف اپنی جاب واپس چاہیے۔ اعتماد اور بھروسے کے ساتھ۔"

جواہرات نے موبائل ہاشم کے ہاتھ سے لیا اور جب اس میں بولی تو چہرے پہ ڈھیروں اطمینان تھا۔

"تم نے میرا اعتماد کما لیا ہے۔ میری! چند دن میں ہم تمہیں واپس لے آئیں گے۔" ذرا ٹھہری۔ "زہر کے انجکشن کا کچھ معلوم ہو سکا ہے؟"

"نہیں مسز کاردار! اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔" اور میری انجیو جتنی مجبور اور مضطرب سہی، وہ یہ بات ان کو نہیں بتا سکتی تھی، مگر جواہرات مطمئن ہو چکی تھی۔ سوائے شاباشی دے کر فون ہاشم کو تھما دیا۔

"تم خاموشی سے ان پہ نظر رکھو میری! باقی میں سنبھال لوں گا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات چونکی۔ "کدھر؟"

"ہارون عبید سے دو ٹوک بات کرنے۔" وہ سختی سے بولا تھا۔ جواہرات کا عارضی اطمینان عنقا ہونے لگا، مگر پھر جی کڑا کر بولی۔ "شیور۔ ہم ساتھ جائیں گے۔ میں تیار ہو لوں۔" اور باہر نکل گئی۔ اس کا ذہن تیزی سے جمع تفریق کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعزازِ سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

جواہرات کے پاس سے کٹنے کے بعد سے زمر ندرت کے کمرے میں کھڑکی کے پاس کرسی ڈالے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جو کہہ گئی وہ تو جواہرات نے سن لیا، مگر جو خود اس نے سہا، وہ الگ داستان ہوئی۔

حنہ اس کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ بیٹھ گئی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھے، اسی فلیش کو لگائے، پھر سے کوشش کرنے لگی۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کو بھی دیکھ لیتی۔

"آپ اپ سیٹ ہیں؟"

"پتا نہیں۔" وہ بے زار تھی۔ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

"کوئی مسئلہ ہے تو فارس غازی ساتھ والے کمرے میں ہیں۔ ان کے پاس یقیناً "حل موجود ہو گا۔"

"شٹ اپ!" خفگی سے رخ بھی موڑ لیا۔ حنہ مسکراہٹ دبائے اسکرین کو دیکھنے لگی۔

"پھپھو۔" تھوڑی دیر بعد اس نے پکارا۔ "یہ وہی فلیش ہے جو بھائی نے سونیا کی برتھ ڈے نائٹ پر چرائی تھی۔ یعنی کہ اس میں ہاشم (اب نام لیتے ہوئے بھی عجیب محسوس ہوتا تھا) کے کمپیوٹر کی ڈیٹا کاپی تھی، مگر وہ ڈیٹا اب اس کے اندر کیوں نہیں ہے؟ اس کی جگہ بھائی نے اس کے اندر فروزن کیوں ڈال رکھی ہے؟ اگر ڈیٹا اندر نہیں ہے تو یہ وہ فلیش نہیں ہے اور اگر یہ وہ فلیش نہیں ہے تو خاور کے اسٹائل کی انکرپشن کیوں؟ اف۔"

مگر زمر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر وہ دور نیچے دیکھ رہی تھی۔ حنین بھی پیچھے گھومی۔ وہاں جواہرات اور ہاشم زینہ اتر کر سبزہ زار پہ کھڑی کار کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ (حنہ نے فوراً "رخ موڑ لیا)۔ وہ دونوں کہیں جانے کے لیے تیار لگتے تھے۔ دوسری طرف سے نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ ہاشم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ جبکہ جواہرات۔۔ اسے بے بسی سے دیکھ کر ہاشم کے ساتھ ہو لی۔ زمر کی آنکھیں سکڑیں۔

"جب علیشا نے نوشیرواں کو بتایا کہ ہاشم نے اسے پڑوایا تھا تو اس نے آگے سے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں۔ تب سے علیشا کو میسج نہیں کیا اس نے۔ لوزر کے دل پہ بہت زور سے لگی ہے۔" وہ ہلکا سا ہنسی۔ اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ گفتگو صرف شیرو کے

دل پہ تو زور سے نہیں لگی تھی مگر پھر ہر خیال ذہن سے جھٹک کر زمر کو دیکھا۔

"آپ اتنی زرد کیوں لگ رہی ہیں؟ مجھے کیوں لگتا ہے کہ دن بدن آپ کی صحت بگڑ رہی ہے۔" کوئی وہم سا تھا اسے۔ زمر سنجیدگی سے اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ اسے کسی کو تو بتانا تھا مگر حسب توقع اگلے دس منٹ اس کو شاکڈ اور پریشان سی حنہ کو یہ تسلی دینے میں لگے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہ کہ فارس نے ڈونر ڈھونڈ لیا ہے۔

"کون ہے ڈونر؟" حنہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس نے نہیں بتایا۔ مجھے ڈونیٹ کرنے والے لوگ جانے کیوں خفیہ رہنا پسند کرتے ہیں۔" شانے اچکا کر رہ گئی۔

حنہ ایک دم چونکی۔ "کیا پتا ماموں خود۔۔۔ زمر۔۔۔"

"اوہ پلیز فضول باتیں نہ کرو۔" وہ بے زار ہوئی مگر حنہ سارا غم بھول کر ایک دم پرجوش ہو گئی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ خود ڈونر ہوں۔ وہ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

"ناممکن۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔" زمر نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ بہت اچھے ہیں اور ان کا دل اتنا بڑا ہے کہ۔۔۔"

"اس کا بلڈ گروپ اے پازیٹو ہے، میں او نیگیٹو ہوں۔ وہ مجھے کبھی ڈونیٹ نہیں کر سکتا حنین۔"

اس نے بڑے رسان سے حنین کی بڑھتی جذباتیت کو روکا۔ وہ ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ "اوہ۔"

زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں آتی ہوں۔" اور حنہ کو ایک دفعہ پھر زمر کی صحت کی فکر ہونے لگی، لیکن وہ ظاہر کرتی تو زمر اسے بتانے پہ پچھتاتی سو چپ بیٹھی رہی۔

زمر ہاشم کے کمرے کی پچھلی سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تو جانتی تھی کہ ہاشم اور جواہرات گھر سے جا چکے ہیں۔ (اسے اپنی پشت پہ بالکونی میں بیٹھے فارس کی نگاہیں محسوس ہو رہی تھیں، مگر نظر انداز کیے رہی۔)

اس نے نوشیرواں کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلاف توقع وہ فوراً کھل گیا۔ اسے چوکھٹ میں ایستادہ دیکھ کر شیرو کے ابرو اٹھے۔ "ڈی اے؟ ہیلو!"

"مجھے کچھ کام کرنا ہے۔" اپنی نوٹ بک اور فائلز دکھائیں۔ "ہاشم کی لائبریری سے پی ایل ڈی دیکھ سکتی ہوں؟"

"شیور۔" وہ پہلے اسے اسٹڈی کا رستہ بتانے لگا۔ پھر خود ہی باہر آیا اور ہاشم کے کمرے کے اس طرف اسٹڈی کا۔۔۔ دروازہ کھولا۔ سامنے شیلف اور میزیں نظر آ رہی تھیں۔ زمر اندر آئی، میز پہ اپنی چیزیں رکھیں اور سامنے شیلف سے سیاہ جلدی والی کتابیں دیکھنے لگی۔

"مجھے صرف پندرہ منٹ لگیں گے۔ تم یہیں بیٹھ جاؤ۔" اسے جاتے دیکھ کر مصروف انداز میں پکارا۔ وہ ٹھٹک کر رکا۔

"آپ کر لیں آرام سے۔"

"یہ PLDs ہیں قیمتی کتابیں ہیں، کل کو کوئی آگے پیچھے ہوئی تو میرا نام نہ آئے، اسی لیے کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کا نام کیوں آئے گا؟"

"چند ماہ پہلے ہمیں روک کر تلاشی لینی چاہی تھی خاور نے کسی نیکلس کے لیے۔" وہ دو کتابیں لائی اور کرسی کھینچتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"اوہ یس۔ ہم تو ہیں ہی بُرے لوگ۔" شیرو نے کندھے جھٹکے۔ بیٹھا نہیں۔ کھڑا رہا۔ پھر مروتاً پوچھا۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟"

"اوہ تھینک یو۔ کیا تم مجھے ان تمام سالوں کے کیسز اس کتاب میں سے ڈھونڈ دو گے؟ یہ لو۔" ایک کتاب اس کے سامنے دھری۔ وہ مصروف نظر آ رہی تھی۔

"میرا مطلب تھا، چائے یا کافی۔"

زمر قلم ہونٹوں میں دبائے نفی میں سر ہلا کر پڑھنے لگی۔ وہ گہری سانس لے کر کرسی کھینچ کر بیٹھا، کتاب

کھولی اور مطلوبہ کیسز کی لسٹ دیکھی۔
بالکونی میں بیٹھے فارس کو سامنے اسٹڈی کے کھلے شیشے کے دروازے سے دونوں میز کے گرد بیٹھے صاف نظر آرہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔ (یہ ادھر کیا کررہی ہے؟) وہ اس کا دماغ پڑھنا چاہتا تھا مگر نہیں پڑھ پارہا تھا۔ جانتا تھا کہ زمر کاردار زکی حقیقت سے واقف ہے اور وہ اب بے چین ہے کیونکہ اس کے خیال میں فارس پچھلے کئی ماہ سے کچھ نہیں کررہا سعدی کے لیے۔ (ہاں فارس غازی تو بے کار آدمی ہے نا!)
"سو۔ یہ کیا ہے؟" شیرو نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
"میں اپنے کلائنٹ کو سزا سے بچانا چاہتی ہوں۔ مرڈر کیس ہے۔ قتل اس کے چھوٹے بھائی نے کیا ہے مگر باپ اور بھائی نے بڑے کو آگے کردیا ہے۔" ایک فائل اسی مصروف انداز میں شیرو کے سامنے ڈالی۔ اس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا۔
"مگر وہ بھائی ناکردہ جرم کا اعتراف کیوں کررہا ہے؟"
"کیونکہ اس کے باپ اور بھائی کا اس پہ بہت زور چلتا ہے۔ انہوں نے ساری زندگی اس کو اپنی محبت کی تسلیاں دے کر کبھی بڑا ہی نہیں ہونے دیا۔ کچھ پیرنٹس ایسا بھی کرتے ہیں۔ ایک بچے کو فوقیت دیتے ہیں اور دوسرے کو لاڈ پیار دکھا کر سلائے رکھتے ہیں۔ اس کے اوپر کوئی اہم ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ اس پہ بھروسا نہیں کرتے۔ اس کو ہر وقت کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے زندگی تباہ ہوجاتی ہے اس بچے کی۔ وہ زندگی میں جو غلط فیصلے کرتا ہے' اس کی وجہ اس کے وہی ماں باپ اور بہن بھائی ہوتے ہیں۔" چند لمحے کے لیے شیرو کچھ بول نہ سکا۔
"ہوسکتا ہے وہ اس کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسا کرتے ہوں۔" وہ کتاب پہ خالی خالی سی نظریں جمائے آہستہ سے بولا تھا' مگر زمر نے اسی مصروف انداز میں صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔
"کسی کی حفاظت کرنے کے لیے اسے ہرٹ کیا جاتا ہے کیا؟ جھوٹ بولتے ہیں وہ لوگ' جو کہتے ہیں کہ وہ یہ سب اپنے پیاروں کے لیے کررہے ہیں۔ صرف اپنے مفاد کے لیے کیے جاتے ہیں برے کام۔ اپنے گناہ چھپانے کے لیے۔"
نوشیرواں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ تیز تیز نوٹ پیڈ پہ کتاب سے دیکھ کر کچھ لکھتی جارہی تھی۔
"تو آپ اپنے کلائنٹ کو۔ کیا کہتی ہیں؟"
"یہی کہ اسٹینڈ لے۔ اپنے لیے کھڑا ہو۔ وہ کرے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ اور وہ کرے جو ان لوگوں کو نہیں پسند۔ پتا ہے نوشیرواں۔" سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور سادگی سے بولی۔ "تم نے کہا' تم برے لوگ ہو۔ میں تمہیں بتاؤں' اب تو ہم بھی اچھے لوگ نہیں رہے۔ میں بھی وہ نہیں رہی۔ کیونکہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ ٹیڑھے لوگوں کے ساتھ ٹیڑھے رستے اپنانے پڑتے ہیں۔ خیر اور شر کی درمیانی لکیر کو دھندلا کرنا پڑتا ہے۔"
شیرو نے خاموشی سے سر ہلایا' وہ الجھا الجھا سا تھا۔ اب وہ اس سے مطلوبہ کیسز کا پوچھ رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر صفحے پلٹنے لگا۔
فارس غازی ابھی تک انہیں دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عزم یہ شہر نہیں ہے نفسا نفسی کا صحرا ہے
یہاں نہ ڈھونڈو کسی مسافر کو ٹھہرانے والے

ہارون جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو جواہرات سامنے اونچے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی تھی۔ نک سک سے تیار' چہرے پہ مسکراہٹ سجائے' وہ کان کے بندے پہ مسلسل انگلی پھیر رہی تھی۔ ہاشم کارنر ٹیبل کے ساتھ کھڑا تھا اور سر جھکائے' کانچ کی بوتل سے مشروب گلاس میں انڈیل رہا تھا۔ ان کی آہٹ پاکر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کر ہارون کو دیکھا۔ "شام بخیر۔" اور پھر گلاس میں مائع انڈیلنے لگا۔
"بنا اطلاع کے دو کاردار زکی آمد انسان کی شام کو بخیر نہیں رہنے دیتی۔" مسکرا کر وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا کر سامنے بیٹھے۔

"یہ محض لفاظی ہے ہارون' ورنہ تم سچ میں کارداررز کو ہلکا لے رہے ہو۔" وہ ہارون پہ نظر گاڑے نخوت سے بولی تھی۔

"تمہاری ایسی مجال کہاں۔ کہو ہاشم! تم یقیناً" اپنے مہمان کے متعلق بات کرنے آئے ہو!" انہوں نے اطمینان اسے دیکھا۔ وہ وہ گلاس اٹھائے چلتا ہوا آیا اور پھر کوٹ کا بٹن کھولتے' سامنے بیٹھ کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"میں اپنے مہمان کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔ میں تمہارے گارڈ کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

جواہرات کسی پلاسٹک کی گڑیا کی طرح مسکراتے ہوئے ہارون پہ نظریں جمائے ہوئے تھی' البتہ انگلی مسلسل بُندے پہ پھیر رہی تھی۔

"میں نے جانچ پڑتال کی ہے۔ گارڈ سے سعدی کی پہلے بھی لگتی تھی۔ اس رات دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور سعدی نے اس کو زہر دے دیا۔ زہر اس کے پاس کیسے آیا میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میں نے بھی جانچ پڑتال کی ہے ہارون۔ اور چونکہ میں اندھا نہیں ہوں' اس لیے دیکھ سکتا ہوں کہ جو گارڈ مرا ہے' وہ دوسری ڈیوٹی والا تھا۔ مجھے ایک ایک گارڈ کی شکل حفظ ہے۔ ان کا پائیوڈیٹا ازبر ہے۔ دوسری ڈیوٹی والا گارڈ رات کو ادھر کیا کر رہا تھا' یہ ایک معمہ ہے' اور اس معمے کے بارے میں دو ممکنہ باتیں ہو سکتی ہیں۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ ہارون لب بھینچے سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے۔

"یا تو تم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا' کیسے ہوا۔ اگر ایسا ہے تو بے فکر ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے آدمی لگا دیے ہیں' اور وہ اس معاملے کی کھال اور بال تک پہنچ جائیں گے اور میں تمہیں بروقت اطلاع کروں گا کہ تمہارے لوگوں میں کتنی کالی بھیڑیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ تم ہر بات سے واقف ہو' تم نے ہی میرے مہمان کو مارنے کی کوشش کی ہے اور اگر ایسا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت ہے' کیونکہ جس دن مجھے یہ علم ہوا کہ تم جانتے تھے اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے تو اس دن۔ میں تمہارے ہر معاملے کو "سنبھال" لوں گا۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

"ایک دوست کے گھر جا کر اس کو دھمکانا بالکل بھی مہذب نہیں ہے ہاشم!"

"دھمکا نہیں۔" اس نے مسکرا کر ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں دھمکانے تو نہیں آیا۔ میں تو اطلاع دینے آیا تھا۔"

ہارون بھی چونکے اور جواہرات نے بھی بے اختیار گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ "کیسی اطلاع؟"

"میں اپنے قیدیوں کو شفٹ کر رہا ہوں۔ تمہارا سیف ہاؤس اب مجھے نہیں چاہیے۔ وہ وہاں غیر محفوظ ہیں۔"

"اگر تمہیں مجھ پہ اتنا بھی اعتبار نہیں تھا تو تمہیں ان کو میرے پاس رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ بھی ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

"ہم اعتبار کی وجہ سے ایک ساتھ کبھی بھی نہیں تھے۔ مفاد کی وجہ سے تھے۔ جس دن وہ ختم ہوا' میں تمہیں پہچانوں گا بھی نہیں۔" کوٹ کا بٹن بند کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جمعے کو کولمبو میں ہوں گا۔ اپنی نگرانی میں اپنے قیدیوں کو وہاں سے لے جاؤں گا۔ تم بھول جاؤ کہ میں نے کبھی ان کو تمہارے حوالے کیا بھی تھا۔"

"ہاشم درست کہہ رہا ہے۔" وہ بھی اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا ذہن تیزی سے کڑیاں ملانے لگا تھا۔ "ہم اپنے قیدی لے جا رہے ہیں کیونکہ تم ان کی حفاظت نہیں کر سکے۔ تم اپنے عملے کی کالی بھیڑیں تلاش کرو ہارون! یا ہم خود تلاش کر کے تمہیں آگاہ کریں گے۔"

اور ہارون نے ہلکا سا مسکرا کر ان دونوں ماں بیٹے کو دیکھا جو مضبوطی سے ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ جواہرات کی آنکھوں میں صاف (میں تمہاری ناکامی کو "کور" کر رہی ہوں' ہارون) والے تاثرات

پنہاں تھے۔

ہارون ہلکا سا سر جھٹک کر اٹھے۔ "تم مجھ سے پہلے سارے جواب تلاش کر لوگے ہاشم۔ میں انتظار کروں گا۔" وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے تو ہارون نے جھک کر گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"افسوس کہ تم جمعے کو یہاں نہیں ہو گے۔ فارس غازی کی فیملی کو میں نے چائے پہ مدعو کیا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں 'کون ہے یہ فارس غازی۔" معروف سے انداز میں کہہ کر انہوں نے گلاس لبوں سے لگایا۔ وہ جو اتنی دیر ٹھنڈے مسکراتے چہرے کے ساتھ بیٹھا رہا تھا 'اس حلق کو کڑوا کر دینے والے ذکر پہ ابرو تن گئے۔ جواہرات بھی چونکی تھی 'مگر ابھی کچھ پوچھنا بے کار تھا۔ وہ تیز تیز باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرز منافقت
دنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

نیا گھر کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا 'نہ فارس نے دکھانے کی پیش کش کی تھی۔ وہ بس یہی کہے جا رہا تھا کہ جمعے کو ہم نے شفٹ ہونا ہے۔ انیکسی گویا بکھری پڑی تھی۔ ہر طرف گتے' کارٹن' ڈبے۔ سامان کے ڈھیر۔ ندرت 'حنین 'حسینہ' زمر سب کاموں میں لگے تھے۔ حنین نے پیکنگ سے پہلے اپنے دوست گوگل بھائی جان سے چپکے سے بات کر لی تھی اور اب بڑے ہی سیانے انداز میں 'لاؤنج کے فرش پہ بیٹھی' گتے کے ڈبے کو چوڑے ٹیپ سے بند کرتی کہہ رہی تھی۔

"حسینہ 'نازک کراکری کو بیڈ شیٹس میں لپیٹ کر کارٹن میں رکھو۔ کپس کو صاف جرابوں میں لپیٹو۔ ایک تیر سے دو شکار۔ اور ایک جیسی چیزیں اک ساتھ رکھو۔ ہر کارٹن کے اوپر اس کا ٹیگ لگا ہونا چاہیے کہ اس میں کیا ہے 'اور سنو یہ ٹیگ ہم نے کارٹن کے اوپری طرف نہیں لگانے 'سائیڈ پہ لگانے ہیں۔"

"وہ کیوں حنین بلاجی؟"

"کیونکہ جب شفٹنگ ہوتی ہے تو کارٹن ایک دوسرے کے اوپر رکھ کے ڈھیر لگا دیا جاتا ہے 'اب ٹیگ پڑھنے کے لیے ہم کارٹن ہٹا ہٹا کر دیکھیں گے کیا؟ اس لیے سائیڈ پہ ٹیگ لگا ہو تو ہم آسانی سے پڑھ لیں گے اور صرف وہی کارٹن نکالیں گے۔" اور حسینہ واقعی اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ حنہ کا خبرنامہ ابھی جاری تھا۔

"ہر شخص اپنا ایک چھوٹا بیگ بنائے گا' جس میں اس کا ٹوتھ برش 'تولیہ' ایک جوڑا وغیرہ ہوں گے۔ وہاں جا کر اتنے تھکے ہوں گے ہم کہ کہاں پورا سامان کھول کر چیزیں ڈھونڈیں گے۔ سو پہلے دن رات کا الگ سامان سب کے پاس ہونا چاہیے۔" وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

ندرت برتن پیک کرتے ہوئے بار بار اسے ایک گھوری سے نوازتیں اور طنز کرتیں۔

"شکر ہے تمہیں بھی کچھ پتا چل گیا ہے۔" یہ الگ بات ہے کہ اندر سے وہ بہت خوش تھیں 'لیکن ابھی ماؤں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی جو غیر شادی شدہ بیٹیوں کی تعریف ہر وقت ان کے منہ پہ کرے۔

اور حنین نے پہلی دفعہ محسوس کیا تھا کہ اسے اس گھر کو چھوڑنے کا غم 'ہاشم کی ہمسائیگی چھوڑنے سے زیادہ تھا۔ (اتنا دل لگا کر اس گھر کو صاف کیا تھا' اب چھوڑ دیں؟ ماموں بھی نا!) ایک شکوہ کناں نظر اوپر ڈالی جہاں سے فارس سیڑھیاں اترتا آرہا تھا۔ منہ میں کچھ چباتے ہوئے' وہ سویٹر اور جینز میں ملبوس 'تیار لگ رہا تھا۔ زمر جو صوفے پہ بیٹھی ایک کارٹن پیک کر رہی تھی' نظر اٹھا کر پہلے اسے دیکھا اور پھر حسینہ کو ذرا سا اشارہ کیا۔ "چائے...."

"اونہوں۔ وہ میں اپنی ممانی کے ساتھ پیوں گا۔" مسکرا کر کہتا باہر نکل گیا۔

زمر ذرا سی چونکی۔ "یہ مسز کاردار کے پاس کیوں جا رہا ہے؟" شاید وہ با آواز بلند سوچ رہی تھی 'اسی لیے ساتھ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا آہستہ سے بولے۔ "وہ ان کے ساتھ اس گھر کو بیچنے کی ڈیل کرنے جا رہا ہے۔"

زمر اور خود حنہ بھی بے اختیار مڑکر انہیں دیکھنے لگی۔ "آپ کو کیسے پتا؟"

"تمہارے خیال میں وہ اور کس کو بیچے گا گھر؟ اور وہ مسز کاردار کے ساتھ صبح کی چائے کیوں پیے گا۔" ان کے انداز میں خفگی تھی۔ زمر خاموشی سے اٹھی اور ان کا کوٹ اور مفلر لائی۔ ٹوپی وہ اوڑھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو کوٹ پہنایا، مفلر لپیٹا اور وہیل چیئر باہر لے آئی۔

"ہمیں بات کرنی ہے ابا۔ سو واک پہ چلتے ہیں۔ میں واک کروں گی اور آپ بات۔"

جواہرات ڈائننگ ہال سے نکل ہی رہی تھی اور احمر کو ہدایات دے رہی تھی جب اس نے دیکھا جیبوں میں ہاتھ ڈالے فارس، مسکراتا چلا آرہا ہے اور وہ ایسے کب مسکراتا تھا؟ (احمر کو اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلا دیا، اس نے بھی سر کے خم سے جواب دیا اور اندر چلا گیا۔)

جواہرات آگے آئی اور بہت پیار سے "فارس" کہتے ہوئے اسے گلے سے لگایا اور پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے اسے لیے چلنے لگی۔

"مجھے دیکھ کر کتنی خوش ہوئی ہیں آپ۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔" وہ ہلکا سا ہنس دی۔

جب دونوں کھڑکی کے ساتھ ترچھی رکھی دو کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو جواہرات مسکرا کر مخاطب ہوئی۔

"اگر تو تم اپنی بیوی کے بارے میں مجھ سے باز پرس کرنے آئے ہو تو۔۔۔"

"میں انیکسی بیچنا چاہتا ہوں۔ خریدیں گی؟"

جواہرات لمحے بھر کو بالکل ساکت ہوئی، پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔ "مگر کیوں؟"

"پیسے چاہیے ہیں۔ دو دفعہ نوکری سے نکالا گیا ہوں۔ اب کوئی تیار نہیں مجھے جاب دینے کے لیے۔ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کراچی چلا جاؤں۔ شاید ملک سے باہر۔ اب بتائیے، کتنے میں خریدیں گی؟"

اور جواہرات کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ ان کی زندگی سے جا رہا تھا، دور بہت دور۔ اور وہ گھر جو اس کی ضد تھا، وہ اب اس کو ملنے والا تھا۔

"مارکیٹ پرائس پہ!"

"نہیں آنٹی! مارکیٹ پرائس سے دس فیصد زیادہ۔"

"بالکل نہیں، فارس!" وہ نخوت سے پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مارکیٹ پرائس پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ اس سے اوپر کوئی نہیں خریدے گا۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "اب مارکیٹ پرائس سے بیس فیصد زیادہ!"

جواہرات کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ "فارس، اتنی قیمت نہیں ہے اس جگہ کی کہ۔۔۔"

"تیس فیصد زیادہ!" وہ جتنا احتجاج کرتی، وہ اتنی قیمت بڑھاتا جاتا۔ جواہرات نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ساری خوش خلقی عنقا ہوئی۔

"اور اگر میں خریدوں ہی نا؟ ہماری چار دیواری کے اندر کی عمارت تم کسی اور کو تو نہیں بیچ سکتے۔"

"میں جس کو بیچوں گا، وہ کوئی فقیر نہیں ہوگا، آپ جیسا دولت مند اور شان و شوکت رکھنے والا ہوگا۔ آپ کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے اور دشمنوں کو جائیداد کے تنازعات شروع کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔ وہ مجھ سے دگنی قیمت پہ خریدنے کو تیار ہو جائیں گے۔ سو مارکیٹ پرائس سے تیس فیصد زیادہ، مسز کاردار!" اس کا انداز حتمی تھا۔

وہ چند لمحے چپ بیٹھی اسے گھورتی رہی۔ یہ گھر تو وہ دگنی قیمت پہ بھی خریدنے کو تیار تھی۔ سو ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا۔

"پچیس فیصد زیادہ، اور یہ فائنل بات ہے۔ اب بڑھا کر مجھے غصہ مت دلانا۔"

"کانٹریکٹ بنوائیں اور مجھے دیں اور آج رات تک میرے اکاؤنٹ میں ساری رقم ٹرانسفر کروا دیں۔ یہ گھر آپ کا ہے اب۔" ہاتھ ملائے بغیر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ اس نے چائے مانگی، نہ

جواہرات نے بلائی۔

دور... دھند لکے میں... فارس نے دیکھا کہ زمر ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یہاں سے ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا مگر زمر کے وہیل چیئر پکڑے ہاتھ جم رہے تھے۔ ناک بھی گلابی پڑ رہی تھی۔ ٹوپی سے نکل کر کندھوں پہ گرے گھنگھریالے بال ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔

"واک کا آئیڈیا بہت برا تھا ابا! میں برف ہو رہی ہوں۔"

"تم عرصہ پہلے برف ہوگئی تھیں۔ شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں ہے۔" وہ خفا تھے۔

وہ دونوں ہاتھ رگڑتی ان کے سامنے آبیٹھی، بنچوں کے بل، وہیں گھاس پہ۔ دھند میں ڈوبے اونچے درخت ارد گرد خاموشی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں خفگی مگر تکان تھی۔

"مجھے پتا ہے وہ بے گناہ ہے، یہ بھی کہ وہ اچھا ہے اور یہ بھی کہ میرا خیال رکھے گا، لیکن میں اس کو ڈیزرو نہیں کرتی۔ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اس کے لیے برف کی بن جاتی ہوں اور میں پگھلنا نہیں چاہتی۔"

"تو کیا تم اس کو بھی برف کا بنانا چاہتی ہو؟"

اور اس فقرے پہ تو وہ اس ٹھنڈ میں بھی اندر تک جل گئی۔ "ابا!" شکایت سی ابھری بھوری آنکھوں میں۔

"تم سعدی کے لیے بھی ایسی ہوگئی تھیں۔ تم ہر وقت جمع تفریق کرتی رہتی ہو۔ خود سے باتیں فرض کر کے ان کو ذہن میں بڑھا چڑھا دیتی ہو، لیکن سچی محبت سے کیے گئے کام جمے ہوئے دل کو پگھلا دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔"

(حنین کو اب بھی امید تھی کہ اس فلیش میں رکھی "فروزن" سے شاید ہاشم کی فائلز نکل آئیں، سو جس وقت وہ پیکنگ نہ کر رہی ہوتی، اونچی آواز میں اولف کے ساتھ گنگنا رہی ہوتی۔ ابا بھی سارا دن وہی سنتے تھے۔ اسی لیے "بگڑتے" جا رہے تھے۔)

"مگر کیسے پگھلوں میں؟" اس نے ہار مان لی تھی۔ نگاہیں دور ایکسی کی طرف جاتے فارس پہ جمی تھیں جو دھند میں دھندلا نظر آرہا تھا۔

"یہ فریزر کیسے پگھلایا جاتا ہے؟ کیسے؟ اس کا سوئچ نکال دیا جاتا ہے، اس کا اس کی پرانی زندگی سے سارا رابطہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کو ماضی کی توانائی، پرانی یادیں، کچھ بھی نہ مل سکے۔ اور پھر اس کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ محبت کھلا دروازہ ہوتی ہے زمر۔ تازہ ہوا کو آنے دو۔ دروازہ کھول دو۔ اس نے یہ اور یہ کیا، میں نے یہ کیا، یہ سب کچھ بھول کر چند لمحوں کے لیے۔ پھر ساری برف خود بخود پگھل جائے گی۔"

وہ سنتی رہی۔ پھر تکان سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابا کی بات مکمل ہوئی اور اس کی واک۔ واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ ابا نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ کہہ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پیچھے پڑ جانا اور بار بار دہرانا اولاد کو ڈھیٹ بنا تا ہے اور ابا ایسا نہیں چاہتے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک ضرب اور بھی اے زندگی تیشہ بدست
سانس لینے کی سکت اب بھی مری جان میں ہے

اگلی صبح فارس غازی نے کاردار اینڈ سنز کے ہیڈ آفس میں ہاشم اور جواہرات کی موجودگی میں دستخط کیے۔ اٹھ کر ان سے باری باری ہاتھ ملایا اور چند مصنوعی مبارک بادیں اور نیک تمنائیں سن کر وہاں سے چلا آیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے ہاشم کو دیکھا۔

"وہ کراچی جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیا واقعی وہ ہماری زندگیوں سے چلا جائے گا، ہاشم!"

"اب موو آن کرنے کا وقت ہے ممی۔ ماضی کو ماضی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سبق سکھا دیے ہیں۔ اب وہ انتقام اور انصاف کے چکروں سے دور رہے گا۔"

وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میز پہ اینیکسی کی چابی رکھی تھی۔ جو گنڈول جینیچر۔۔۔ کے طور پہ فارس ادھر چھوڑ آیا تھا۔ یہ اینیکسی ان کی ضد تھی' اور وہ اور نگ زیب کاردار کی وجہ سے اتنے سال خاموش رہے تھے۔ پھر برے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور اب۔۔۔ وہ ان کی جھولی میں آگری تھی۔ کیا شان دار آغاز تھا نئی زندگی کا۔

"پراہرا پہ جانے کی تیاری کریں ممی!" وہ سکون سے بولا تھا۔ شیرو اور سعدی کے معاملے ذہن سے ہٹا کر وہ پراہرا سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

سری لنکا میں تین بڑے پراہرا (پریڈ) ہوتے تھے۔ تینوں "پویا" یعنی ماہ کامل (پورے چاند) کی راتوں کو ہوتے تھے۔ پہلا جنوری میں ہوتا تھا۔ دوسرا فروری اور تیسرا جولائی میں۔ پجاری اور ہاتھیوں کا لشکر مندر سے شروع ہوتا اور شہر کی مختلف گلیوں کا چکر کاٹ کر اپنی منزل تک پہنچتا تھا۔ پورا شہر اور پوری دنیا سے لوگ آکر فٹ پاتھ پہ گھنٹوں کھڑے ہو کر پریڈ کے ان کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گزرتے دیکھتے تھے۔ کاردارز کولمبو کا ایک پراہرا ہمیشہ دیکھنے جاتے تھے۔ شہرین پہلے ساتھ جاتی تھی' لیکن اب ہاشم اس کو نہیں لے کر جا رہا تھا۔ شیرو سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سونی کی جان تھی ان ہاتھیوں میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا جو اہرات کے ساتھ اور وہ مطمئن تھا۔

ماہ کامل کی رات سے دو روز پہلے گارڈز سعدی اور خاور کو ان کے کمروں سے نکال کر لائے اور ایک تیسرے کمرے کے دھاتی دروازے کھولے' جو صرف بجلی سے کھلتے تھے اور ان کو اندر دھکیلا۔ وہ اس کمپاؤنڈ کا تقریباً" تمام حفاظتی کمرہ تھا۔ اندر دو لوہے کے پلنگ رکھے تھے۔

"بہت جلد تم لوگوں کو اس جگہ سے منتقل کیا جا رہا ہے۔ تب تک تم ادھر رہو گے۔" جیران سے سعدی کو بتایا گیا تو وہ فوراً" خاموش کھڑی میری کو دیکھنے لگا' جیسے بے حد صدمہ ہوا ہو۔

"تم نے بتا دیا ان کو؟" میری نے نگاہیں جھکالیں۔

خاور نے غصے سے سعدی کو دیکھا۔ "تم نے اسے کیوں بتایا؟"

"میں سمجھاوہ بھی جانا چاہے گی۔ میری! تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟" وہ بے حد دکھی لگا تھا۔ میری خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے اپنے کان گویا لپیٹ لیے تھے۔ جب دروازے قفل در قفل بند ہوتے گئے اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تو سعدی اس کی طرف گھوما۔ "تمہیں یقین ہے ہماری باتیں ریکارڈ نہیں ہو رہیں؟"

"کوئی بھی اپنی ذاتی جیل میں کیمرے' ریکارڈ یا سرویلنس نہیں لگاتا سعدی! آپ کو کیا معلوم ڈی وی آر پہ بیٹھا گارڈ بک جائے اور وہ ویڈیوز جو آپ کے خلاف ثبوت ہوں' جا کر پولیس کو دے دے۔ پھر بھی' مجھے چیک کرنے دو۔"

خاور کام پہ لگ گیا۔ دیواروں کو چھو کر۔۔۔ ٹٹول کر محسوس کیا۔ کونے چیک کیے۔ پھر پلنگ کھینچ کر چڑھا اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔

"سو میری انجیو نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔" سعدی گہری سانس لے کر اپنے بیڈ کے کنارے بیٹھا۔ "تمہیں اتنا یقین کیسے تھا کہ میری ان کو بتا دے گی؟"

"وہ میرے لیے ہمدردی رکھتی ہے' مگر اسے اپنی جاب واپس چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے اس کو یہ موقع دیا تاکہ اس کی نوکری اسے واپس مل جائے اور ہمارے بھاگنے کے خوف سے ہمیں وہ اس میکسیمم سیکورٹی سیل میں شفٹ کر دیں۔" کہہ کر وہ چھت کو دیکھنے لگا۔ میری کو ان دونوں نے کیسے استعمال کیا تھا' میری کو کچھ علم نہ تھا۔

"سو یہ وہ سیل ہے جہاں ہارون عبید نے اپنی بیوی کو رکھا تھا؟ اور اس کو یہاں سے نکالنے کے لیے تم نے راستہ بنایا تھا۔ ویسے کیا تم اسے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ کیا بنا تھا اس کا؟"

"تم میرے بیسٹ فرینڈ نہیں ہو۔ ایسے سوال مت پوچھو۔ آج رات سے ہم کام شروع کریں گے۔"

اب وہ دبی آواز میں کہتا اس کو اس کے حصے کا کام سمجھا رہا تھا' اور سعدی یوسف جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر بھی وہ خاور مظاہر حیات کا قیدی ہو گا۔

☼ ☼ ☼

درپیش صبح و شام یہی کشمکش ہے اب
اس کا بنوں میں کیسے کہ اپنا نہیں ہوں میں

فارس غازی اس رات جس وقت انیکسی پہنچا' پورا گھر خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ خالی دیواریں۔ سامان کے پیک شدہ ڈھیر۔ کارٹن۔ زمر کے (اسٹڈی کم نئے کمرے) کے دروازے پہ رک کر اس نے دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اپنے صوفہ کم بیڈ پہ بیٹھی (جو زمین سے دو بالشت ہی اونچا تھا) فائلز سامنے پھیلائے' نوٹ بک پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے' اور ایک لٹ جھک کر کاغذ کو چھو رہی تھی۔ آہٹ پہ بھوری آنکھیں اٹھائیں تو اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھا۔

"آجاؤں؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا وہ سنہری آنکھیں اس پہ جمائے ذرا سا مسکرایا تھا۔

"تمہارا گھر ہے' آ جاؤ۔" وہ دوبارہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

"اب یہ میرا نہیں رہا۔ میں نے بیچ دیا۔"

"تمہارے اپنے فیصلے ہیں فارس۔ کسی کو کیا اعتراض ہو گا۔"

فارس خاموش رہا۔ یہ اس کی ماں کا گھر تھا' اس کی عمر گزری تھی اس میں۔ زرتاشہ کے ساتھ گزرا وقت۔ اچھی بری یادیں۔ وہ لمحے بھر کے لیے وہ سب سوچنے لگا' پھر سر جھٹک کر زمر کو دیکھا۔

"کافی پیو گی؟"

وہ سر جھکائے ذرا سا مسکرائی۔ (واہ فارس غازی! آج آپ میرے لیے کافی بنائیں گے!) اور چہرہ اٹھایا۔

"شیور۔"

"تھینکس۔ میری کافی میں چینی مت ڈالنا اور کافی زیادہ ہو۔" اب وہ ٹیک لگا کر بیٹھ چکا تھا۔ زمر کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"ایک منٹ۔ ہم میں سے کون کافی بنا رہا ہے؟"

"زمر بی بی! ابھی میں اتنا زن مرید نہیں ہوا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے' اپنی بیوی کے لیے کافی بناؤں۔" وہ کبھی نہ اٹھتی' مگر اس نے اسے آپ کہا تھا۔ عرصے بعد۔ اچھا لگا تھا۔ بظاہر کاغذ پٹخ کر اٹھی۔

"صرف اس لیے بنا رہی ہوں کیونکہ میرا اپنا دل چاہ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دو بھاپ اڑاتے کپ لیے اندر داخل ہوئی' ایک اسے تھمایا اور دوسرا خود لے کر ساتھ بیٹھی۔ فارس آکڑوں انداز میں بیٹھا تھا اور وہ پیر اوپر سمیٹ کر' دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ دونوں اپنی سوچوں میں گم گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگے۔

"کل ہارون عبید کی چائے پہ مدعو ہیں ہم۔"

"یہ دعوت تمہاری گرل فرینڈ نے دی ہے یا اس کے باپ نے؟"

وہ ہلکا سا ہنس دیا اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ "وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے!"

"وہ سوری میں بھول گئی' تمہاری کوئی گرل فرینڈ کیسے ہو سکتی ہے۔ تمہارے تو بہتیں ایلی بائی تھے نا۔"

"استغفراللہ!" اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "میں صرف کافی پینے گیا تھا۔ صرف ایلی بائی بنانے۔ فوٹیج نکالی' پکچرز لیں اور آگیا۔ ایسی جگہوں پہ نہیں جاتا میں۔"

"مجھے کیا معلوم۔ رات گئے تک گھر سے باہر ہوتے ہو۔ کہاں جاتے ہو' کیا کرتے ہو۔" شانے اچکا کر وہ گھونٹ گھونٹ کافی پینے لگی۔

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "نارمل کپلز ایسی باتیں پوچھتے ہیں۔ ہم نارمل نہیں ہیں۔"

"سعدی کی غیر موجودگی میں ہم میں سے کسی کی زندگی نارمل نہیں ہو سکے گی۔ فارس!" اس نے کپ پرے رکھا اور سنجیدگی سے اس کی طرف مڑی۔ "ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے اب؟ مجھے تو کوئی راستہ نظر

نہیں آتا۔"

"میں ڈھونڈ رہا ہوں' وہ مل جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔ اور زمر نے اس پہ اعتبار کرلیا۔ وہ کرنا بھی چاہتی تھی۔ پچھلے چند ماہ فارس کو جیل سے نکالنا ان کی بقا کا مسئلہ بن چکا تھا اور سعدی کی تلاش پس منظر میں چلی گئی تھی۔ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا' مگر فارس کو رہا ہوئے تین دن بیت چکے تھے اور تین دن سے وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کیا کرے؟ کیسے کرے؟

"ہارون عبید کی چائے تمہارے حلق سے اتر جائے گی' یہ جانتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ ہے اس سب میں؟" وہ کئی دفعہ یہ بات اس سے کہہ چکی تھی اور فارس کبھی اس پہ تبصرہ نہیں کرتا تھا۔ (ہاشم کا نام وہ نہیں لیتی تھی' وہ اسے گولی ہی نہ مار آئے!)

"میرے حلق سے بہت کچھ اتر جاتا ہے۔" کپ اٹھائے وہ کھڑا ہو گیا۔

"کل ہم موو کر جائیں گے۔ مجھے پتا ہے' تم تھکی ہوئی ہو گی' مگر جائے پہ جانا ضروری ہے۔ تیار رہنا۔" زمر نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ اب سوچ میں گم گھونٹ بھرتا باہر جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرے شوق کی یہیں لاج رکھ!
وہ جو طور ہے' بہت دور ہے!

وہ ایک ساکن سی شام تھی۔ سردی گویا قلفی جماتی تھی اور ہڈیوں کے اندر تک درد کر دیتی تھی۔ آسمان پہ پورا چاند چمک رہا تھا۔ ماہ کامل۔ پوپا۔ بدر۔

چینی پورے چاند کو "فیملی ری یونین" کی علامت سمجھتے ہیں۔ ماہ کامل کی رات چینی خاندان کے دور مقیم بیٹے بیٹیاں لوٹ کر اپنے گھروں کو آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "گاؤں کے (خاندانی گھر) کے آسمان کا چاند زیادہ چمکیلا ہوتا ہے۔" ساری دنیا کہتی ہے کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں مگر چینی کہتے ہیں کہ جوڑے بنتے آسمانوں پہ ہیں مگر ان کی تیاری چاند پہ ہوتی ہے۔ ان کی لوک کہانیوں میں آتا ہے کہ چاند پہ چانگ ای نام کی پری اپنے لکڑہارے کے ساتھ رہتی ہے اور اس نے آب حیات پی رکھا ہے۔

بدھ مت لوگ ماہ کامل کو مبارک جانتے ہیں' کیونکہ بدھا کی زندگی میں سارے اہم واقعات ماہ کامل کی رات کو پیش آئے تھے۔ وہ اس رات کو انسان کی روحانی اور مذہبی زندگی کے لیے اہم سمجھتے ہیں' ان کا عقیدہ ہے کہ اس رات انسان اپنے دین کی طرف پلٹتا ہے۔

ہندوؤں کا ماننا ہے کہ چاند پانی کو چونکہ کنٹرول کرتا ہے اس لیے ساری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ اس کا تعلق مقدس گائے سے جوڑتے ہیں۔ چند ادیان اس بات پہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ماہ کامل کی رات عہد لینے یا وعدے کرنے کے لیے اچھی نہیں ہے۔ طبی ماہرین کہتے ہیں کہ چاند انسانی جسم کے اندرونی پانی پہ بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ سمندر کی لہروں پہ۔ دماغی امراض یادے اور جلد کی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کی حالت اس رات زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ Yale میں ہونے والی ایک تحقیق یہ بھی کہتی ہے کہ پورے چاند کی رات اگر کسی کا خون بہے تو وہ عام دنوں سے زیادہ بہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ چاند کی چند مخصوص تاریخیں کھنگ (حجامہ) کے لیے زیادہ شفا بخش ہیں اور قدیم داستانیں یہ کہتی ہیں کہ اس رات کچھ (ویئر وولف) انسان بھیڑیے بن جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ امریکی کہتے ہیں کہ انہوں نے چاند پہ قدم رکھا تھا اور دنیا میں بہت سے کانسپریسی تھیوریسٹ اس بات کو ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں مانتے اور وہ ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ آج تک کسی انسان نے چاند پہ قدم نہیں رکھا۔ نیل آرم اسٹرانگ کی موت کے ساتھ ہی یہ راز کہ انسان نے چاند تسخیر کیا تھا یا نہیں' بھی دفن ہو گیا ہے۔

اور دنیا والوں سے بے نیاز' وہ چاندی کا تھال اس رات سرد سے آسمان پہ چمک رہا تھا۔ پورا' مکمل' پوپا۔

فارس غازی کا خاندان ایک پوش علاقے کے اس بنگلے میں آبسا تھا۔ بنگلہ سبز بیلوں سے ڈھکا تھا اور کافی خوب صورت تھا۔ انیکسی سے کئی گنا کم قیمت' مگر اس سے کہیں زیادہ کھلا اور بڑا۔ ہر کسی کو اس کا اپنا کمرا ملے گا' سیم اس بات پہ خوش تھا اور اب ندرت' حسینہ اور صداقت کے ساتھ مل کر سامان رکھوا رہا تھا۔ سب تھک بھی گئے تھے اور اس وقت وہ حال تھا کہ ندرت کچھ مانگتیں تو حنہ اور سیم ایک دوسرے کو اشارہ کرتے۔ "تم قریب ہو' تم اٹھاؤ گے۔" اور یہ تو بہن بھائیوں کا پرانا اصول ہے کہ "قریب" والا ہی کام کرے گا' سو زیادہ شامت سیم کی آرہی تھی۔

گھر کسی حد تک سیٹ ہوچکا تھا' زمر اور فارس جائے پہ جاچکے تھے۔ حنین اب صرف خالی خالی سی تھی۔ قصر کو گردن اونچی کرکے دیکھنے کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب گردن اور دل دونوں درد کرنے لگے تھے۔ اتنے دن سے نماز نہیں پڑھ رہی تھی۔ نہ ادا' نہ قضا' دل ویران تھا۔ سوامی کی ڈانٹ ڈپٹ کو ان سنی کرکے وہ اپنی ٹیچر کے پاس چلی آئی تھی ان کا گھر چند منٹ کے فاصلے پہ تھا ___ (وہ اپنے پرانے علاقے میں ریسٹورنٹ کے قریب ہی آبسے تھے۔)

اب ان کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھی' وہ ایک دفعہ پھر اپنی کمزوریوں کا اقرار کررہی تھی۔

"نماز کی عادت نہیں بنتی' وہ کیا کرے؟" وہ عینک اتار کر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"ظہر اور مغرب تو سب پڑھ ہی لیتے ہیں' لیکن عصر کس کی قضا ہوتی ہے اور فجر اور عشا کون چھوڑ دیتا ہے؟ کیا آتا ہے حدیث میں۔۔۔؟"

"منافق!" وہ جھٹ بولی۔

"اور منافق کون ہوتا ہے؟ کافر؟ مشرک؟ ہندو؟ یہودی۔۔۔؟"

حنین نے نفی میں سرہلایا۔

"چوری کرنے والا منافق نہیں ہوتا' حتیٰ کہ بدکار بھی منافق نہیں ہوتا' پھر منافق کون ہوتا ہے بھلا؟"

"جو بات کرے تو جھوٹ بولے' امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے' لڑے تو گالی دے' وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔"

"جھوٹا' خائن' وعدہ خلاف اور بدزبان۔" ٹیچر نے انگلیوں پہ گنوایا۔ "یہ چاروں یا ان میں سے ایک چیز بھی کسی میں ہو تو وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے' گالی زبان سے دی جاتی ہے' وعدہ زبان سے کیا جاتا ہے' امانت کی ذمہ داری زبان سے لی جاتی ہے۔"

حنین نے اثبات میں سرہلایا۔

"تو کیا چیز منافق کو نماز سے دور کرتی ہے؟"

"اس کی زبان!" وہ چونکی۔

"جھوٹ' خیانت' بدزبانی' غلط الفاظ بولنا' بات سے پھر جانا' حیلے بہانے کرنا' غیبت کرنا کہ مسلمان کی عزت بھی ہمارے پاس امانت ہوتی ہے' یہ سارے گناہ انسان کو وہ غلا بنادیتے ہیں۔ گندا کردیتے ہیں۔ ان سے دور رہو گی تو نماز کے قریب آؤ گی۔ اب یہ مت کہنا کہ فلاں تو اتنا جھوٹا اور بدزبان ہے مگر فجر پڑھتا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں پتا کون کیسی نماز پڑھتا ہے۔ نہ کسی کو یوں جج کرنا چاہیے۔ صرف اپنا معاملہ دیکھو۔"

حنین کے اندر باہر کچھ ہل کر رہ گیا تھا' مگر وہ بولے جارہی تھیں۔

"یہ تو ہوگیا کہ نماز سے کیا روکتا ہے۔ اب بتاؤ' نماز خود کیا ہے؟" پچھلی دفعہ کا سوال دہرایا۔ وہ اب بھی چپ رہی۔

"یہ اللہ سے "بات کرنا" ہے۔ یہ معراج پہ عطا کی گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ معراج پہ وہ اللہ سے ہم کلام ہونے گئے تھے۔ ہم تو نہیں جاسکتے آسمانوں پہ' ہم تو طور پہ بھی نہیں جاسکتے' تو ہمارے شوق کلام کی لاج اللہ نے نماز کے ذریعے رکھ لی' ہمارا طور' ہماری معراج' ہماری نماز ہے۔ اس کی عادت پکی ہونی چاہیے' کیونکہ اگر ہم اپنے بچوں کو نماز کے لیے ویسے نہیں اٹھاتے جیسے

☆ ☆ ☆

لفظ نشتر کی طرح دل میں اُتر جاتے ہیں
خط محبت کا بھی وہ لکھتا ہے تلوار کے ساتھ

اسلام آباد میں اس چھ ستارہ ہوٹل کے زرد روشنیوں سے جگمگاتے شاہانہ طرز کے ڈائننگ ایریا میں ایک میز پہ وہ چاروں براجمان تھے اور بیرے ادب سے اشیائے طعام پیش کر رہے تھے۔ وہ یوں بیٹھے تھے کہ میز کے ایک طرف آبی اور ہارون تھے اور دوسری جانب وہ دونوں۔۔۔ ہارون شلوار سوٹ کے اوپر کوٹ میں ملبوس مسکرا کر آب دار سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے اپنے مہمانوں کے سامنے اپنے والد کی شکایتیں کی ہیں یا نہیں۔ آبی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے سرخ اسکارف کشمیری لڑکیوں کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹ کر پیچھے ڈال رکھا تھا۔ کانوں میں زمرد اور ڈائمنڈ ٹالپس دمک رہے تھے۔ نیچے سفید ملائم سا سوئیٹر تھا جس کی ہائی نیک کے اوپر زمرد کا نیکلس جگمگا رہا تھا۔ وہ خوش اور آسودہ لگ رہی تھی۔ بولنے کے ساتھ ساتھ مسلسل کھا رہی تھی۔

فارس ابھی تک خاموش تھا۔ چہرے پہ رسمی مسکراہٹ سجائے وہ گرے شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی وہ سنہری آنکھیں اٹھا کر ہارون کو دیکھ کر مسکرا کر ان کی بات کا جواب دے دیتا، پھر سر جھکا کر پلیٹ کی طرف مصروف ہو جاتا، گو کہ وہ زیادہ کھا نہیں رہا تھا۔

زمر آج دل سے تیار ہوئی تھی۔ آبی کے کورے سفید رنگ کے برعکس اس نے سلک کی سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ گھنگریالے بھورے بال سامنے سے ذرا سا پیچھے کر کے پن لگا کر کھلے چھوڑ دیے تھے اور بھوری آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ جب کوئی اسے مخاطب کرتا تو وہ آنکھیں اس پہ جما کر جواب دیتی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگ جاتی۔

مصنوعی باتیں، مصنوعی روشنیاں۔

"سو فارس غازی۔۔۔ آپ کتنا عرصہ جیل میں رہے ہیں؟" پران کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہارون نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

آبی ذرا غیر آرام دہ ہوئی، مگر فارس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ "آپ سے تین سال کم۔۔۔"

ہارون کو اس کے جواب نے چونکایا بھی اور محظوظ بھی کیا۔ لقمہ چباتے ہوئے مسکرا دیے۔

"میں نے ساڑھے سات سال کی قید کاٹی ہے۔ کُل ملا کر تین دفعہ جیل جا چکا ہوں۔ تم ابھی مجھ سے بہت پیچھے ہو۔" طرزِ تخاطب بدل دیا۔ آب دار نے آسودہ سی سانس لی۔ زمر خاموش نظر گاہے بگاہے فارس اور ہارون پہ ڈال لیتی تھی۔

"آپ جہاں بھی رہے ہیں، آپ اے کلاس قیدی تھے۔ میں سی کلاس قیدی تھا۔ آپ میرا مقابلہ نہیں کر سکتے سر!"

آبی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "آپ تو انٹیلی جنس آفیسر تھے، پڑھے لکھے تھے، اچھے خاندان سے تھے، آپ کو تو عدالت کو اے کلاس الاٹ کرنی چاہیے تھی۔ تعلیمی، خاندانی پس منظر اور جاب وغیرہ کی بنیاد پہ ہی قیدیوں کی کلاس کا تعین کرتی ہے نا عدالت۔" اور تائیدی نظروں سے زمر کی طرف دیکھا، جس نے محض سر ہلا دیا۔ (پتا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہے؟)

"عدالت نے میری کلاس "بی" مقرر کی تھی، مگر چونکہ میں ہارون عبید نہیں تھا، اس لیے جیل کے اندر مجھے وارڈن کی مرضی کے بلاک میں پھینکا گیا تھا۔" وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہا تھا۔

"اور اس دفعہ؟" ہارون نے تشویش سے پوچھا۔

"اس دفعہ میں اپنی مرضی سے سی بلاک میں گیا تھا۔" اور مسکرا کر سر جھکائے کانٹے سے کھانے کا ٹکڑا توڑنے لگا۔

"جیل کیسی ہوتی ہے؟" آبی اب کھا نہیں رہی تھی۔ کہنیاں میز پہ رکھے، آگے ہو کر بیٹھی، پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"جیل۔۔" فارس نے رک کر سوچا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف سی ابھری۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر آب دار کو دیکھا تو سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی تھیں۔

"جیل میں آپ اکیلے ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا دوست نہیں ہوتا۔ کوئی آپ کا خیال نہیں کرتا۔" اسے بہت کچھ یاد آیا۔ "جب میں جیل میں گیا تو سب سے پہلے۔ مجھے ایک کمرے میں جانا تھا۔ قراطین سے ملنے۔"

"قراطین۔۔؟" آبی اور ہارون دونوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے کورنٹائین" زمر نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ وہ بالکل چپ سی ہو گئی تھی۔ یہ سب اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔

"مگر پاکستان میں "کورنٹائین" نہیں ہوتا۔ قراطین ہوتا ہے۔ جیل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ اپنے لہجے ہوتے ہیں۔" پھر آبی کے ہنوز الجھے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"قراطین وہ شخص ہوتا ہے جو نئے قیدی۔۔ جس کو آپ امریکی فلموں میں "نیو فش" کہہ کر پکارتے سنتی ہوں گی۔۔ اس نئی مچھلی کو قراطین کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ اس کو اس کی کلاس' اس کا بلاک' اس کی بیرک' اس کے ذمے کی مشقت' سب کچھ الاٹ کرتا ہے۔ قراطین جیل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ وہ قیدی کو پہلی ملاقات میں اسے نہ مارنے کے پچیس ہزار لیتا ہے' وہ قیدی کو ہاتھ تک نہ لگانے کے چالیس ہزار لیتا ہے' وہ ہلکا کام دینے کے پینسٹھ ہزار لیتا ہے اور یہ رقم وہ ہر مہینے قیدیوں سے ملنے آنے والوں سے لیا کرتا ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ آپ کی جیل میں قسمت اور زندگی کیسی ہونے جا رہی ہے۔ اگر آپ اس کو ذرا سا بھی خفا کریں تو قراطین بادشاہ آپ کو بدنام زمانہ مجرموں میں ڈال دیتا ہے اور آپ پوری پوری رات اس خوف سے سو نہیں سکتے کہ آدھی رات کو کوئی آپ کو صرف تکلیف پہنچانے کے لیے چھرا مار جائے گا اور آپ نہ بھی مریں' تو وہ تکلیف۔۔۔ وہ آپ کے اندر بہت کچھ مار دیتی ہے اور دن کی روشنی میں تو ویسے بھی مارنے والے بہت ہوتے تھے۔"

اپنی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ کہے جا رہا تھا۔

"ہر روز شام پانچ بجے قیدیوں کی چیکنگ ہوتی تھی۔ قطار میں جانوروں کی طرح کھڑا کر کے ان کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ صرف مارنے' پیٹنے کا بہانا تھا اور کھانا۔۔ "میز پہ سجی انواع و اقسام کی ڈشز کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ زخمی مسکراہٹ۔

"قانون کے مطابق ہر ہفتے میں تین دن چکن اور بیف لازمی ہے' بریانی بھی بنے گی اور دو وقت کی چائے بھی۔۔۔ صبح ناشتے میں سبزی کی بھجیا بھی ملے گی' مگر سی کلاس قیدی اگر گوشت کی شکل دیکھتے بھی تھے تو وہ برڈ فلو سے مری ہوئی مرغیوں کا ہوتا تھا' یا پھر ہوتا ہی نہیں تھا۔ دال اور سبزی کی بھی سب سے سستی قسم ملتی تھی کھانے میں۔ ایک احسان حکومت کرتی ہے کہ گھر کا کھانا الاوڈ (اجازت) ہے' مگر میری بہن جو حلوے' میوے اور کھانے میرے لیے بھیجا کرتی تھیں' وہ بہت کم مجھ تک پہنچتا تھا۔ راستے میں ختم ہو جاتا تھا۔ میں ان کو منع کرتا تھا کہ وہ محنت نہ کیا کریں۔ میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی رشوت نہ دی' نہ لی' لیکن یہ کام بھی جیل میں شروع کیا۔ وارڈن کو پانچ سو روپیہ فی بندہ ماہوار دو' تو چار پانچ لوگ مل کر اپنا چولہا لگا سکتے ہیں اور اپنا کھانا پکا سکتے ہیں۔ جگہ جگہ پانچ پانچ لوگوں نے گروپ بنا کر یہ کام شروع کیا ہوا تھا۔ اسے "ہانڈی وال" کہتے تھے۔ میں بھی اس "غیر قانونی" اور "رشوت انگیز" کام میں چار سال شامل رہا' کیونکہ میں لنگروں والی دال اور مری ہوئی مرغی نہیں کھا سکتا تھا۔ ہمارے جیسے معاشروں میں۔۔۔ جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اپنی بقا کے لیے انسان قوانین توڑنے پہ مجبور ہو جائے اور اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو کیا یہ کرنا غلط ہو گا؟ اسی لیے اسپٹنی۔۔۔ احمر شفیع جب کہتا ہے کہ پرزن رائٹس ملنے چاہییں تو وہ ٹھیک کہتا ہے۔"

وہ ٹھہرا اور سر جھکائے کانٹے کو پلیٹ میں پھیرا۔ میز پر مسحور کن سا سناٹا تھا۔ آبی کا گلا رندھ چکا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ زمر بالکل خاموش اور سپاٹ تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

"تمہارا واقعی مجھ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔" وہ جیسے پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

"مگر تم نے قراطین والی بات پوری نہیں بتائی۔ رشوت تو تم نے ہانڈی وال کو پہلی دفعہ دی تھی۔۔۔ تو قراطین کو کیا دیا؟"

فارس ان کو دیکھتے ہوئے زخمی سا مسکرایا۔ "اس سے پہلے ملاقات کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوتے تھے' وہ بادشاہ تھا' ان کو کچھ بھی کہہ سکتا تھا' ان کی عزت کا جنازہ نکال سکتا تھا۔ میرے ساتھ اس نے گفتگو میری بیوی کے نام سے شروع کی تھی۔"

آبی کا سانس رک گیا۔ "اور آپ نے کیا کیا؟"

"میں نے اسے مارا۔۔۔" اپنی ابرو کی طرف اشارہ کیا۔ "کو ادھر سے خون نکلنے لگا تھا اس کا۔۔۔ بارہ ٹانکے آنکھ کے قریب لگے تھے۔ اس نے مجھے سی کلاس میں بدنام زمانہ مجرموں کے ساتھ شفٹ کردیا۔ تب وہ جیل میں ایک "اعلا عہدے" پہ فائز سرکاری ملازم تھا۔ آج وہ اسی جیل میں قید ہے۔"

"اور اس کو قید کس نے کروایا؟" آب دار نے سانس روکے پوچھا۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید کسی نے اپنی بیوی کے کردار پہ حملہ کرنے کا انتقام لیا ہو اور صرف مارنے سے اس کا دل نہ بھرا ہو۔" اور کندھے اچکا کر پوری توجہ سے کھانے لگا۔ آبی بے اختیار مسکرا دی۔ اسے اس لمحے فارس پہ فخر ہوا تھا۔ نگاہیں موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بھی اس کی کمپنی سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ آب دار کی گردن مزید اکڑ گئی۔ اس نے زمر کی طرف چہرہ گھمایا۔

"اور آپ نے ڈلوایا تھا فارس کو قید میں' ہے نا؟" بہت سادگی اور معصومیت سے اس نے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

لمحے بھر کے لیے اس میز پہ شدید تناؤ در آیا۔ فارس نے چونک کر پہلے آبی کو دیکھا' پھر زمر کو۔ اسے برا لگا تھا اور وہ ناگواری سے ٹوکنے لگا تھا جب۔۔۔

"آف کورس۔ میں نے فارس کو گرفتار کروایا تھا۔" وہ آبی کی آنکھوں پہ نظریں جمائے مسکرا کر بولی تھی۔ "کیونکہ مس عبید! میں نے ساری زندگی لوگوں کو انصاف دلوانے کے لیے جدوجہد کی ہے۔ اگر میرے اپنے خاندان میں' میرے وژن آف ٹروتھ کے مطابق' کوئی شخص مجرم ہے تو میں انصاف کے حصول کے لیے اس کے خلاف بھی کھڑی ہوں گی اور قانون کی پوری مدد کروں گی۔ کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟"

گردن اٹھا کر وہ ہموار مگر فخریہ لہجے میں بولی تھی۔

(دل پہ جو گزری سو گزری۔)

آب دار کا چہرہ پھیکا پڑ گیا' اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ہارون نے بھی تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

"شاید میں ایسا نہ کر سکتی۔ آئی ایم سوری۔ میں نے سنا تھا' آپ نے سعدی یوسف کے میموریل ڈنر پہ کہا تھا۔ (ہارون نے غیر آرام وہ پہلو بدلا۔) کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کو اپنا گروہ ڈونیٹ کیا تھا۔ یہ سب بہت مشکل ہوگا آپ کے لیے۔۔۔ اس کا کھو جانا۔۔۔" وہ اب سخت الفاظ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "مجھے نہیں پتا وہ کہاں ہے' مگر مجھے امید ہے کہ وہ زندہ ہے۔ ان آٹھ ماہ میں' میں چند لمحوں کے لیے بھی اپنا فون آف نہیں کرتی' اس ڈر سے کہ وہ کال کرے گا اور اگر میں نے نہ اٹھایا تو کیا ہوگا؟ کیونکہ مجھے پتا ہے' وہ سب سے پہلے مجھے کال کرے گا۔"

میز پہ خاموشی کا دورانیہ بڑھ گیا' پھر ہارون نے ہمدردی اور اپنائیت سے پوچھا۔ "وہ کس طرح کا انسان تھا؟"

"مہربان' نرم دل اور۔۔۔" زمر کہنے لگی' مگر فارس نے چہرہ اٹھا کر اطمینان سے کہا۔ "فریب کار۔۔۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اب وہ سر جھکا کر پلیٹ میں چھری کانٹا چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس نے اپنے خاندان کے ہر فرد کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ

سب سے زیادہ محبت وہ اسی سے تو کرتا ہے' رازدار بھی وہ اسی کا ہے' اور سب سے بڑی قربانی وہ اسی کے لیے دے گا۔ جب وہ نہیں رہا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں ہر شخص ہی خود کو سعدی کا سب سے اچھا دوست سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ فریب کار نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔"

زمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' مگر اس نے کمال ضبط سے ان کو اندر اتار لیا۔ اس نے فارس سے سعدی کا ذکر بہت کم سنا تھا اور اس طرح تو شاید پہلی دفعہ' مگر پہلے کب وہ اسے بولنے کا موقع دیتی تھی؟

"فارس غازی!" ہارون نے بہت امید سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میرے لیے کام کرو۔"

"میں جاب انٹرویو چائے پہ نہیں دیا کرتا اور آپ سے اتنے اچھے دوستانہ ماحول میں ملاقات کرنے کے بعد میں آپ کے لیے کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا' کیونکہ دوستوں کے ساتھ کاروبار نہیں کیا جاتا۔"

"اگر تم سیاست دان ہوتے تو اتنی جیل کاٹ کر ووٹ ملتے۔ سیاست دان نہیں ہو اس لیے اب نوکری تک ملنا مشکل ہوگی۔ نوکری کے بغیر تمہارا کیا بنے گا؟" وہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہے تھے۔ فارس بند ہونٹوں سے لقمہ چباتے ہوئے مسکرایا اور ذرا آگے کو جھک کر ہارون کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ ایک بے گناہ آدمی کو ایک بدنام زمانہ جیل کے سی بلاک میں بے رحم اور خطرناک دہشت گردوں' اسمگلرز اور قاتلوں کے ساتھ چار سال کے لیے بند کر دیں اور اگر وہ سروائیو کر جائے تو کیا اس کے کچھ بن جانے میں آپ کو شک ہونا چاہیے؟"

بہت عرصے بعد ہارون کو کسی نے اتنا محظوظ کیا تھا۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ "میری پیش کش تمہاری میز پہ دھری ہے۔ مجھے جواب کا انتظار رہے گا۔" آبی بھی نائیدی انداز میں مسکرائی اور زمر کو پتا نہیں کیا' مگر کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

تم بڑے لوگ ہو' سیدھے ہی گزر جاتے ہو

ورنہ کچھ تنگ سی گلیاں بھی ہیں بازار کے ساتھ

کولمبو۔ شام کی تاریکی پوری طرح چھا چکی تھی۔ شہر کی چمچماتی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ اسٹریٹ پہ منتظر کھڑے تماش بینوں کا رش بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے میں تاریک ایلی ویٹر شافٹ — میں وہ کلائی اوپر چڑھ آئے تھے اور نیچے لوہے کی چادر کو مسلسل توڑنے' کاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چند گارڈز اوپر بھی دوڑے تھے' کہیں تو کھلتی ہوگی وہ شافٹ' مگر ہوٹل کے نقشوں پہ وہ بنی ہی نہیں تھی۔

تیسری منزل پہ رک کر خاور نے دیوار پہ دستک دی۔ ردھم میں۔ تین دفعہ۔ وہاں چوکور سا کارڈ بورڈ لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے کارڈ بورڈ اندر سلائیڈ ہوا اور روشنی نظر آئی۔ آگے ایک کھلی ہوئی الماری تھی۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے الماری کے اندر سے ہو کر اس کمرے میں آ کھڑے ہوئے۔ اتنے عرصے بعد... سعدی یوسف نے کوئی اور کمرا دیکھا تھا۔ روشن اور ہوا دار... مگر اس نے ضبط نہیں کھویا۔ سنبھلا ہوا محتاط کھڑا رہا۔

سامنے کچن کا ہیڈ شیف کھڑا تھا۔ ان کو اندر لا کر اس نے جلدی سے کارڈ بورڈ برابر کیا اور الماری سے ایک بیگ نکال کر خاور کو تھمایا اور الماری کو لاک کیا۔

"سو تمہیں ہمارے... مطلب کرنل خاور کے پیغامات ملتے رہے تھے؟" سعدی نے خاور کو بیگ کی زپ کھول کر اندر تمام چیزوں کی تسلی کرتے دیکھا تو شیف کو مخاطب کیا۔

خاور سینڈوچ کے ریپر پہ کونے میں الفاظ لکھتا تھا اور توڑ موڑ کر پلیٹ میں رکھ دیتا۔ سارا کوڑا میری ٹبن میں پھینک دیتی۔ روز شام کو گارڈز کوڑا اوپر کچن میں جا کر ڈال دیتے۔ شیف ایک ایک ریپر چیک کرتا تھا۔ یقیناً "اس کو پیغام ملتے تھے۔

"کرنل خاور کے مجھ پہ احسان ہیں... میں ان کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تمہارے لیے نہیں۔" وزدیدہ نظروں سے سعدی سے خشک لہجے میں کہا اور کپڑوں کا پیکٹ تھمایا۔ وہ بھی بس اسی کو گھورتا ہوا

آگے بڑھ گیا۔ خاور اب اس کے شانے کو تھپک کر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

نیچے لابی میں ہاشم کاردار ہنوز صوفے پہ بیٹھا میلز کا جواب دے رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ گھڑی پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ پراہرا (پریڈ) کے اس اسٹریٹ تک پہنچنے میں کم وقت رہ گیا تھا۔

اوپر تیسری منزل کی لفٹ کے دروازے کھلے اور اندر خاور اور سعدی کھڑے نظر آئے۔ سیاہ پینٹ، سفید شرٹ اور سیاہ کوٹ پہنے ساتھ پہ ویٹرز کی مخصوص ٹوپی سجائے وہ دونوں باہر نکلے۔

"سی سی ٹی وی ری وائنڈ ہو چکے ہیں۔ کنٹرول میں کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا' بس کسی شناسا گارڈ سے نہ ٹکرانا۔" خاور اس کو ہدایت دے کر راہداری میں ایک طرف کو چلا گیا اور سعدی سر ہلا کر ٹرالی دھکیلتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

نیچے بیٹھے مصروف سے ہاشم کی طرف دو گارڈز تیز تیز چلتے آئے اور رئیس الرٹ سا ہولے ہاشم کو پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور ان دونوں کے چہروں پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ جلدی جلدی گھبراہٹ میں اسے کچھ بتا رہے تھے اور ہاشم کے چہرے کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار آگے کو بھاگا۔

سعدی یوسف سر جھکائے ٹرالی دھکیلتے... راہداری کے موڑ پہ آٹھہرا۔ گردن نکال کر اگلی راہداری میں جھانکا۔ ایک کمرے کے بند دروازے کے باہر دو مستعد گارڈز کھڑے نظر آئے۔ سعدی نے جیب سے شو پالش کی ڈبی جتنی شے نکالی' پھر سانس روک کر اس کا ڈھکن گھمایا اور جھک کر زمین پہ آگے کو لڑھکا دیا۔ وہ گارڈز کے قریب بنا آواز کے لڑھک کے ٹھہر گئی۔ اس میں سے بغیر رنگ کی گیس نکلنے لگی۔ اوٹ میں کھڑا ناک پہ رومال رکھا سعدی دھڑکتے دل سے گھڑی دیکھنے لگا۔ ایک منٹ... دو... ساڑھے تین منٹ بعد اس نے گردن نکال کر جھانکا۔

گارڈز زمین پہ لڑھک چکے تھے۔ بے حس اور بے سدھ... وہ ٹرالی دھکیلتا تیزی سے آگے آیا اور مخالف دروازے کے سامنے ٹھہرا۔ دوسری جیب سے ماسٹر کی کارڈ نکال کر دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھولا اور ان دونوں کو گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں ڈالا۔ پھر ان کو وہاں لاک کر کے اس کمرے تک پہنچا جہاں وہ سو رہے تھے۔ ابھی وہ دروازے کے قریب کارڈ لے کر گیا تھا کہ...

" Savan " مخالف سمت سے ایک اسی حلیے والا ویٹر آتا دکھائی دیا اور قدرے خفگی سے سنہالی زبان میں اسے مخاطب کیا۔ سعدی بالکل منجمد ہو گیا۔ پھر لگا سا چہرہ موڑا۔

" Savanir! ehidi tuva ve " پھر ذرا اچنبھے سے اسے دیکھا۔

" oba alut " (کیا تم نئے ہو؟) وہ ایک انجان زبان میں سعدی یوسف سے بات کر رہا تھا اور جواب مانگ رہا تھا۔ سعدی نے گہرا سانس لیا۔

" danne nae oba ahanna Mama " (مجھے نہیں معلوم۔ نیچے جا کر خود معلوم کر لو۔) اور رخ موڑ کر ٹرالی میں چیزیں درست کرنے لگا۔ ویٹر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور سعدی یوسف نے دل میں اس دن کے لیے شکر ادا کیا جب اس نے فارس غازی کے پیغام پہ عمل کر کے خاور کو اپنا صاحب السجن بنایا تھا۔ گزارے لائق سنہالی صرف وہی اس کو سکھا سکتا تھا۔

"وہ تمہیں نیچے بلا رہے ہیں' کب سے کال کر رہا ہوں۔ جلدی جاؤ' سر غصے میں ہیں۔" وہ کوئی انجان مگر غیر ملکی لڑکی تھی' اس کو انگریزی میں ڈپٹا تو قدرے پریشان ہو گئی اور جلدی سے باہر کو بھاگی۔ سونیا نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سعدی فوراً پلٹ گیا۔ جب لڑکی باہر نکل گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور ٹوپی اتارتے ہوئے آہستہ سے سونی کی طرف گھوما۔

"ہیلو پرنسس...!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ قریب آیا۔ سونیا کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ معصوم چہرے پہ حیرانی اور الجھن ابھری۔ خوب صورت آنکھیں

سیکڑیں۔

"سعدی!" وہ پہچان کر اسٹول سے اٹھی۔ سرخ لمبی میکسی میں وہ بالوں کی چوٹی بنائے بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

"تم تو چلے گئے تھے۔" اپنی عمر کے لحاظ سے وہ صرف اتنی حیران ہو سکتی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آبیٹھا اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"مگر میں واپس آگیا ہوں' سونی کے ساتھ ایک گیم کھیلنے۔ یاد ہے' جب میں تمہاری ممی سے ملنے آیا تھا' جب تم دونوں فلم دیکھ رہی تھیں۔ سال میں اور پھر میں نے تمہارے ساتھ ایک گیم کھیلا تھا؟" سونیا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔

"آئی نو۔"

"تو۔ سونیا۔" مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بولا۔

"Wanna build a snowman Do You"

اور سونیا کھلکھلا کر ہنس دی۔ گردن پیچھے پھینک کر۔ دل کھول کر۔ اس کو یہ فقرہ جیسے گدگدا دیتا تھا۔

نیچے تہ خانے کے دروازے کھلے پڑے تھے اور ہاشم وسط میں کھڑا سرخ چہرے کے ساتھ گارڈز پہ غرا رہا تھا' چیخ رہا تھا۔ "وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ ڈھونڈو ان کو۔ وہ ہوٹل میں ہوں گے' ٹریکر سے ڈھونڈو۔" ارد گرد افراتفری مچی تھی۔ گارڈز آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ رئیس کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔

تب ہی ہاشم کے موبائل کی بیپ بجی۔ اس نے جھلا کر دیکھا۔ ایک نئی ویڈیو موصول ہوئی تھی۔ سونی کے ٹیبلٹ سے۔ وہ ٹھہر گیا اور جب اس پہ کلک کی تو۔

منظر سونی کے کمرے کا تھا۔ وہ وسط کمرے میں تیار کھڑی تھی' دونوں ہاتھ مخصوص رخ پہ اٹھائے منہ ذرا کھولے' آنکھیں بند کیے' وہ ساکت کھڑی تھی۔ جیسے برف کا مجسمہ ہو۔ (ہاشم گویا خود برف بنا گیا۔) کیمرا ایک طرف کو پین ہوا اور سعدی کا چہرہ۔ صرف چہرہ دکھائی دیا۔

گڈ ایوننگ ہاشم کاردار! سونیا اور میں بہت انجوائے کر رہے ہیں۔ سونیا اس وقت سونیا نہیں ہے۔ وہ "اولف" ہے اور فریز ہو چکی ہے اور بابا کو اتنا تو معلوم ہو گا کہ صرف سچی محبت سے کیا گیا مکمل ایک عمل جمے دل کو پگھلا سکتا ہے۔ "ہے نا اولف"

وہ بند آنکھوں سے مسکراہٹ دبائے سر کو ذرا سا خم دے کر رہ گئی۔ اس سے زیادہ وہ ہل نہیں سکتی تھی۔ کیمرہ واپس سعدی کے اوپر ہوا۔ وہ اب اٹھ کر سونی کے عقب میں آکھڑا ہوا۔

"میں سونی کے روم میں ہوں اور میرے پاس باہر کھڑے گارڈز کے ٹوائز بھی ہیں۔" ہاتھ لہرا کر بریٹا پستول دکھایا۔ "اور میں پہلے بھی ایک گارڈ کو اس کے گرینڈ پیرنٹس تک پہنچا چکا ہوں۔ سو میری صلاحیتوں پہ تمہیں شک تو نہیں ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سونی کے بابا سونی کے۔ سوری' اولف' کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ میرے سارے لیگل ڈاکومنٹس لے کر اس کمرے میں آجائیں اور مجھے یہاں سے بخیریت نکلنے دیں تو میں سونی کو پگھلا دوں گا' ورنہ سونی ہار جائے گی۔" اور ویڈیو بند ہو گئی۔

زندگی میں پہلی بار۔ ہاشم کاردار کو اپنا سر' اپنا دل۔ اپنی ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی رنگت پہلے سفید پڑی اور پھر سرخ۔ بوکھلا کر اس نے چہرہ اٹھایا۔ "وہ میری بیٹی کے کمرے میں ہے۔"

تب تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا رئیس بھی بول اٹھا تھا۔ "وہ واقعی اسی فلور پہ ہے۔ وسط میں۔ یقیناً مس سونیا کے کمرے میں۔ اس کے کندھے کے اندر لگا ٹریکر میں نے ایکٹی ویٹ کر دیا ہے۔ وہ اب بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"اور خاور۔ وہ کہاں ہے؟" وہ زور سے چلایا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے آستین سے تر

پیشانی پونچھی۔ دماغ ابھی تک گھوم رہا تھا۔
"وہ بھی وہیں ہے۔"
"اس نے اپنے پیپرز مانگے ہیں۔ میں اودھر جارہا ہوں۔ میرے پیچھے پانچ آدمی میری بیٹی کے کمرے کی طرف بھیجو۔ تم دونوں کمرے کی پچھلی طرف سے آؤ اور رئیس۔"
وہ تیزی سے ہدایات دے رہا تھا۔ "اسنائپرز کو بلاؤ' وہ چھت پہ بیٹھ کر بیرونی دروازے کو ناک میں رکھیں گے۔ سادہ کپڑوں میں گارڈز کو ہوٹل کے چاروں طرف بکھیر دو۔ وہ دونوں زندہ یہاں سے نہیں نکلیں گے۔" دانت پیس کر غصے سے کہتا وہ باہر کی طرف بھاگا۔ وہ گارڈز اس کے ساتھ دوڑے تھے۔
وہ لفٹ میں تھا جب فون بجا۔ سونیا کے نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔
"اگر تم نے میری بیٹی کو چھوا بھی تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔" لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ وہ چیخا۔
"گڈ ایوننگ ہاشم' کیسے ہو۔ مجھے بھی تم سے بات کرکے اچھا لگا' موسم کیسا ہے؟"
"سونیا سے بات کرواؤ' تم سن نہیں رہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟" تیز تیز تنفس کے ساتھ ہانپتا کانپتا وہ پھر غرایا تھا۔
"وہ تو بات نہیں کرسکتی۔ وہ فروزن ہے۔ کیا فلم ہے ویسے۔ کبھی ہمیں دوبارہ اکٹھے بیٹھ کر دیکھنی چاہیے۔"
"سعدی!" لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ باہر نکلا۔ چند گہرے سانس لے کر خود پہ قابو پایا۔ "میں تمہارے ڈاکومنٹس لے آؤں گا' تمہیں جانے دوں گا' تم میری بیٹی کو کمرے سے باہر نکالو' خود بے شک کمرا بند کرکے بیٹھے رہو' میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کروں گا' مگر اسے جانے دو۔"
"ع خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" وہ گنگنایا تھا۔
"تم اتنا نیچے کیسے گرسکتے ہو؟ وہ ایک معصوم بچی ہے۔ کوئی انسانیت' کوئی اخلاقیات باقی ہیں تمہارے اندر یا ایک قتل --- کرنے کے بعد تم ان سے بھی گزر چکے ہو؟" وہ افسوس اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔
"کوئی گھنٹی بجی ہاشم کاردار؟ یاد ہے وہ دن جب مجھے بے بس کرکے تم میری بہن کے بارے میں بات کررہے تھے؟ میری بھی یہی حالت ہوئی تھی۔" الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہاشم نے پیشانی کو مسلتے ہوئے بمشکل خود پہ قابو پایا۔
"اچھا میں کمرے کے باہر ہوں۔ بتاؤ' کیا چاہتے ہو؟" دروازے کے سامنے کھڑے' اس نے فکر مندی سے ادھر ادھر دیکھا۔ مستعد گارڈز' اپنی گن نکالے چوکس کھڑے تھے۔
"میرے تمام لیگل ڈاکومنٹس جن کی مدد سے میں واپس جاسکوں۔"
"میں نے منگوائے ہیں' چند منٹ لگیں گے۔ تم مجھے اندر آنے دو۔" کہہ کر اس نے دروازہ بجایا۔ لاک گھمایا۔ وہ بند تھا۔ میجک آئی بھی بند تھی۔ وہ اندر جھانک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ "سعدی' دروازہ کھولو۔" اس نے زور سے بجایا۔
"اگر تم نے ایک دفعہ پھر دروازے کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ دروازہ صرف تب کھلے گا جب تم ڈاکومنٹس لاؤ گے اور سنو' تم اکیلے آؤ گے۔"
"ہاں... میں اکیلا آؤں گا۔ مجھے پانچ منٹ دو۔" وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ ہاشم اب رئیس کو کال کرکے اسے جلدی وہ کاغذات اوپر بھیجنے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خاکی لفافے میں چند روی کاغذ۔ وہ یہ دکھا کر سعدی کو کم از کم دروازہ کھولنے پہ مجبور کرسکتے تھے۔ ایک دفعہ دروازہ کھل گیا تو اس کے بہترین مارکس مین ان دونوں مفروروں کو سنبھال لیں گے۔
جب تک ایک گارڈ اوپر آیا وہ لفافہ لے کر' جس میں رئیس کا پاسپورٹ اور چند روی کاغذ تھے۔ اس کمرے کو دونوں اطراف سے گھیرا جاچکا تھا۔ ہاشم کاردار کی آدھی نفری وہاں موجود تھی۔ کچھ لوگ بالکونی

میں اتر آئے تھے۔ کچھ بندوقیں سنبھالے راہ داری میں کھڑے تھے۔ ہاشم نے لفافہ پکڑا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے گارڈ سے ماسٹر کارڈ لیا اور دروازے میں لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔

"سعدی! میں تمہارا پیپرز لے آیا ہوں۔" اس نے احتیاط سے کہتے ہوئے دروازہ دھکیلا۔

کمرا روشن تھا اور وسط میں سونیا کھڑی تھی اور پھر وہ ہنسی۔۔۔ وہ اس کو منع کرتا تھا' زیادہ میٹھا کھانے سے۔ دانتوں کو نقصان نہ ہو' مگر وہ اس کیک کو آدھے سے زیادہ کھا چکی تھی۔ آج ہاشم نے کچھ نہیں کہا۔ وہ شل' ۔۔۔ ساچلتا آگے آیا۔

سونی کمرے میں اکیلی تھی' تنہا۔

"سعدی۔۔۔ کہاں ہے؟" اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"سعدی میرے لیے کیک لایا ہے' بابا۔۔۔ اس نے کہا میں نے آپ کے آنے تک اس کو ختم کرنا ہے' ورنہ میں لولف بن جاؤں گی۔"

ہاشم بے اختیار اس کے قریب آیا اور اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔

"بابا! میرے کپڑے۔" وہ کسمسائی' مگر وہ دیوانہ وار اس کا چہرہ اور سر چوم رہا تھا۔

"سعدی کہاں گیا سونی؟" پھر اس نے پوچھا۔ "اس نے ویڈیو کب بنائی؟"

"وہ تو کب کا چلا گیا بابا۔۔۔" سونی نے جواباً ۔۔۔ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے منہ پہ ذرا سی کریم لگی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر سے کیک منہ میں ڈالتی گنگنانے لگی تھی۔

"I Wanna stuff some chocolate in my face."

ہاشم نے دھیرے سے اسے نیچے اتارا۔ ششدر چہرے اور شل اعصاب کے ساتھ وہ آہستہ سے مڑا۔ کسی نے جواہرات کو بھی بتا دیا تھا اور وہ حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی تھی۔

"سونی' تم ٹھیک ہو؟" فکر مندی سے کہتی' وہ اس کے قریب بیڈ کے کنارے آبیٹھی اور اسے خود سے لگالیا۔ جو سنا تھا اس نے اسے ہلا دیا تھا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں؟ کیسے بھاگے وہ؟" وہ تشویش سے ہاشم سے پوچھ رہی تھی۔

ہاشم جواب دیے بنا موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ گارڈز بھی کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور گویا ہر کونا چھان رہے تھے۔ کچن کا ہیڈ شیف بھی ہاتھ باندھے ساتھ آکھڑا ہوا تھا اور اب وہ جواہرات سے کہہ رہا تھا۔

"کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے ورنہ۔۔۔ ان کے پاس ماسٹر کارڈ کیسے آسکتا تھا؟ یہ کیک بھی وہ کچن سے کیسے اٹھا کر لا سکتے ہیں بغیر مددگار کے؟" ہاشم فون کان سے لگائے تیزی سے بولا۔ "رئیس وہ جا چکے ہیں۔

ٹریکر سے ٹریس کرو' وہ کدھر ہیں؟"

اسکرین پہ نگاہیں جمائے بیٹھے رئیس نے الجھنے سے ابرو سیکڑے۔ "تو سر۔ وہ دونوں اسی کمرے میں ہیں۔ سگنل ابھی تک ایکٹو ہے۔" "اور اگر وہ نہ کہتا تب بھی ہاشم کی نظر ٹرالی کے نچلے خانے میں پڑ چکی تھی جہاں ٹشو میں وہ ننھے بٹن جتنے ٹریکرز رکھے تھے۔ ہاشم تلخی سے مسکرایا اور ٹشو اٹھا کر دیکھا خون جما ہوا تھا۔ وہ بہت پہلے اپنے کندھوں سے ٹریکرز کاٹ کر نوچ چکے تھے۔ "ڈیم اٹ۔"

"سونی کا فون ٹریس کرو' وہ اسی کے پاس تھا۔ جلدی رئیس۔" وہ چلایا اور پھر برہمی سے راہداری میں کھڑکی کے ساتھ پڑی میز کو ٹھوکر ماری۔ میز لڑھک گئی۔ کانچ کا پھول دان نیچے جا گرا۔ ہاشم نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔ کھڑکی سے نیچے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ پراہرا اسٹریٹ میں پہنچ چکا تھا۔ ہوٹل کی کوئی چار دیواری نہ تھی۔ وہ تکون صورت اونچی عمارت اس مصروف شاہراہ کے موڑ پہ کھڑی تھی۔ مین ریسپشن سے نکلو تو سامنے سڑک تھی' جو اس وقت لوگوں سے بھری تھی۔ ان کے جھرمٹ میں پراہرا کے روایتی ملبوسات اوڑھے پجاری چلتے جا رہے تھے۔ سوہاتیوں کا قافلہ اس وقت سڑک سے گزر رہا تھا۔

ہاشم نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے اوپر جیسے کوئی انکشاف ہوا تھا۔

"پراہرا۔ وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں۔" پھر تیزی سے مڑا۔ "سڑک پہ جاؤ۔ اسٹریٹ میں پھیل جاؤ۔ وہ نظر آجائیں گے۔" موبائل بجا تو

اس نے تیزی سے کال اٹھائی۔ دوسری طرف رئیس تھا۔

"سر۔ سونی کا فون باہر کی طرف جا رہا ہے۔ باہر پراہرا کی طرف۔ میں بھی ادھر جا رہا ہوں۔" رئیس دوسرے ہاتھ میں ٹیب پکڑے' ان کی لوکیشن کو سامنے رکھے بھاگتا ہوا کچن سے نکل رہا تھا۔

ہاشم اب اوپر کھڑا اپنے گارڈز کو چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا۔ چھت پہ موجود اسنائپر تیار تھے کہ جیسے ہی ان کو سعدی یا خاور دکھائی دے وہ ان کو گولی مار دیں گے۔

چند ہی منٹوں میں گارڈز پوری اسٹریٹ پہ پھیل گئے تھے۔ ایک ایک کو دیکھتے وہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

ایسے میں رئیس ٹیب پہ لوکیشن کو سامنے رکھے دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ دائیں بائیں گردن گھماتا وہ سیاحوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا' مگر راستہ نہیں مل رہا تھا۔ بمشکل لوگوں کو پرے ہٹاتا' دھکے دیتا' معذرتیں کرتا' وہ آگے آیا۔ موبائل ٹریکر کا سرخ نشان ایک جگہ رک گیا تھا۔

وہ بدقت اس جگہ پہنچ پایا۔ سیاحوں کی خفگی اور ڈانٹ پھٹکار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ٹیب کو دیکھا۔ سرخ دائرہ (سونی کا فون) سبز دائرے (خود رئیس) کے ساتھ کھڑا تھا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑنے لگ۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک یورپین خدوخال کی سنہرے بالوں والی بچی دائیں طرف جا رہی تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پہ پہنچا۔ اس کے ہڈ والی سوئیٹر کا ہڈ پیچھے کو گرا ہوا تھا اور کمر پہ پہنے بیک پیک میں ٹیب رکھا تھا۔

"لعنت ہے۔" اس نے ٹیب اٹھا کر بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر بکھرا تھا اور اس سب میں ان دونوں کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

وہ دوڑتے قدموں سے اوپر ہاشم کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

"سر۔" پھولے تنفس کے دوران اس نے کہا۔ "وہ نہیں ہیں۔ یہ فون انہوں نے پراہرا دیکھنے والی ایک

بچی کے اوپر پلانٹ کر دیا اور خود رش میں آگے نکل گئے۔"

"تمہیں لوگ سڑک پہ پھیلے ہو اور کسی سے وہ دو بندے نہیں پکڑے گئے۔" وہ دھاڑا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی پونچھتا۔ دل چاہ رہا تھا اس کو شوٹ کر دے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی جلدی نکل گئے ہوں

اور تمہیں نظر ہی نہ آئے ہوں؟ سلیمانی چغے پہن رکھے تھے انہوں نے یا۔۔۔" ہاشم رکا۔ ایک دم سے اس کے اوپر ڈھیر ساری ٹھنڈی برف گر گئی تھی۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی اور نیچے سڑک پہ بہتے پراہرا کو دیکھا۔ سیاحوں کے رش کو دیکھا۔ ہاتھیوں کو دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ ہم غلط ہیں۔۔۔ پراہرا۔۔۔ پریڈ صرف ڈسٹریکشن ہے۔ ہمارا دھیان بٹانے کے لیے۔۔۔ وہ پراہرا کے ہجوم میں گم ہو کر نہیں نکلنے والے تھے۔" چونک کر ان لوگوں کو باری باری دیکھا۔ "کیا اس ہوٹل سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟"

رئیس نے سوالیہ نظروں سے گرے کوٹ والے گارڈ کو دیکھا جو ہوٹل کی سیکورٹی میں سے تھا۔ اس نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں سر۔۔۔ دروازوں کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔" پیچھے کھڑا شیفٹ خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔

"کارا!" ہاشم شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا دو قدم آگے آیا۔ "میں ابھی تک ایسے کرمنل سے نہیں ملا جو ایک عظیم الشان ہوٹل بنائے اس کے تہ خانے میں اپنی ذاتی جیل رکھے اور پھر پولیس کے اچانک ریڈ سے بچنے کے لیے کوئی خفیہ راستہ نہ رکھے۔ مجھے بتاؤ۔۔۔ کوئی۔۔۔ اور۔۔۔ راستہ ہے یا نہیں؟"

"سر! آپ میرا یقین کریں' یہاں پہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہوتا تو میں آپ کو پہلے بتاتا۔ پہلے یہاں مین ہولز تھے' مگر بعد میں ان کے اوپر سروسز باتھ رومز بن گئے تو وہ بھی بند ہو گئے اور۔۔۔"

ہاشم نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا دے مارا۔۔۔ وہ پیچھے کو لڑھک گیا۔ دیوار کا سہارا لیا اور گرتے گرتے بچا۔

"ان کے پاس کمروں کے ماسٹر کی کارڈز ہیں' بے ہوش کرنے والی گیس ہے' اسلحہ ہے' ہوٹل کی وردی ہے' کوئی اندر سے ان کی مدد کر رہا ہے اور تمہارے جیسے گدھے کا خیال ہے کہ ان کے مددگار فرش کی چند انچیں اکھاڑ کر ان کے لیے مین ہول کھول کر نہیں رکھیں گے؟" وہ چیخا تھا۔ جس کے منہ پہ لگی تھی' وہ خون آلود منہ پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کدھر ہیں مین ہولز؟ لے کر چلو مجھے ادھر۔" ایک دفعہ پھر گارڈز کی دوڑیں لگ گئی تھیں۔

باتھ رومز ایریا میں اسے مین ہول کی جگہ کا پتا لگانے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی۔ کونے والا باتھ روم بند تھا اور اس کے اوپر "خراب ہے" کا سائن صاف نظر آ رہا تھا۔

"سر یہ کل سے لیک ہو رہا تھا' آج بھی ٹھیک نہیں ہو سکا۔۔۔" ہیڈ آف سیکورٹی اس کا دروازہ کھولنے لگا تو وہ اندر سے لاکڈ تھا۔ ہاشم نے اسے پرے دھکیلا اور بوٹ سے دروازے پہ ٹھوکر ماری۔ ایک' دو۔۔۔ اور دروازہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔

اندر فرش کے کونے میں اتنی جگہ اکھڑی ہوئی تھی کہ ایک آدمی نیچے اتر سکے۔ نیچے تین فٹ کی گہرائی تھی اور اس کے نیچے لمبی سرنگ۔ ہاشم آگے آیا اور اس مین ہول کے دہانے پر کھڑے ہو کر' گردن جھکائے' اندر کو جھانکا۔ اوپر ایک ٹائل تلے ایک کاغذ رکھا تھا۔ ہاشم نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور چہرے کے قریب لایا۔

abit of a foxel upper!
'Everyones

وہ سعدی کی لکھائی لاکھوں میں پہچانتا تھا۔ غصے سے موڑ کر کاغذ پرے پھینکا۔ گارڈ اور رئیس باہر کو بھاگے تھے۔ کچھ لوگ اندر اتر رہے تھے۔ کچھ باہر سے اس کے دوسرے دہانے تک جا رہے تھے' مگر ہاشم کاردار جانتا تھا کہ وہ لوگ اب تک بہت دور جا چکے ہوں گے۔

☼ ☼ ☼

زہر کے پیالے کا گھونٹ گھونٹ پی لینا
آگ میں اتر جانا' سر کو آسمان رکھنا

کافی دیر پہلے' جس وقت ہاشم کاردار سعدی سے فون

یہ اس کے ڈاکومنٹس لانے کی بات کر رہا تھا اس سے کچھ دیر بعد وہ سڑک کے کنارے بنے اس مین ہول کے اوپر رکھی لوہے کی پلیٹ اٹھا کر باہر نکل رہے تھے۔ سونی کا نیب وہ سروس باتھ روم تک جاتے ہوئے راستے میں ایک سیاح بچی کے بیک پیک میں گرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اندھیری سڑک پہ وہ تیزی سے باہر نکلے اور لوہے کی پلیٹ برابر کر کے اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ سڑک قریباً" سنسان تھی۔ عموماً" وہ پر رونق ہوتی تھی مگر چونکہ یہ پرا ہرا کا روٹ نہیں تھا سو سارے لوگ گویا یہاں سے سمٹ کر ادھر جا چکے تھے۔ جو پھر رہے تھے انہوں نے بیک پیک اور ٹارچز پکڑے دو آدمیوں کو مین ہول سے نکلتے دیکھ کر ان کو صفائی یا پلمبنگ کا عملہ خیال کیا اور نظر انداز کیا۔

"ان کو تیس منٹ لگیں گے کم از کم اس مین ہول کا پتا چلانے میں۔" خاور نے تیز تیز چلتے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ سعدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اتنے دنوں۔ ہفتوں۔ مہینوں بعد۔ تازہ ہوا میں آیا تھا۔ سر اٹھا کر پورے چاند کو دیکھا جو سیاہ آسمان پہ دمک رہا تھا۔ پورا۔ ماہ کامل! اور اس کی چاندنی میں نیچے بہتے پرا ہرا کی موسیقی اور شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

ایک موڑ مڑ کر خاور نے منہ میں انگلی ڈال کر سیٹی بجائی۔ تین دفعہ۔ فوراً" اسے ایک ٹک ٹک (سری لنکن رکشا) تیزی سے چلتا ان کے قریب آرکا۔ وہ دونوں جلدی سے اس میں بیٹھے اور ٹک ٹک سڑک پہ گویا اڑتا ہوا دور چلا گیا۔

"اور یقیناً" یہ ٹک ٹک ڈرائیور بھی تمہارا جاننے والا ہو گا؟" سعدی نے تیز ہوا کے شور میں اونچی آواز سے ساتھ بیٹھے خاور سے پوچھا۔

"میں نے اس شہر میں ہاشم کاردار کے لیے برسوں کام کیا ہے۔ کیا میرے چند وفادار کانٹیکٹس بھی نہیں ہوں گے یہاں؟" وہ بگڑ کر بولا۔

سعدی مسکرا کر رہ گیا۔ مگر وہ جانتا تھا ابھی وہ آزاد نہیں ہے۔ جب تک ہاشم کاردار کے آدمی اس مین ہول تک پہنچے وہ دونوں مفرور قیدی وہاں سے بہت دور جا چکے تھے۔

✡ ✡ ✡

اب یہ داغ بھی سورج بن کر چمکے گا
جس کو ہم نے دامن دل میں اتنی عمر چھپایا ہے

ہارون اور آبدار کے جانے کے بعد وہ دونوں اس ارادے سے اٹھے تھے کہ اب ہوٹل سے باہر نکلیں مگر باہر جانے کے بجائے لان میں چلے آئے اور قدم خود بخود پول کے قریب اٹھتے گئے۔ ندرت کا فون آیا تو فارس نے کہہ دیا کہ وہ دیر سے واپس آئیں گے۔

"تم واپس نہیں جانا چاہتے؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے زمر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے قدم اٹھا رہا تھا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔

"کیا اپنی گرل فرینڈ کو مس کر رہے ہو؟ اسے کال کر لو شاید کوئی بات رہ گئی ہو جو اس نے تم سے نہ پوچھی ہو۔" ہمدردی سے مشورہ دیا۔ فارس نے سنہری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور ذرا سا مسکرایا۔

"تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ معصوم سی لڑکی ہے۔ سادہ اور مذہبی سی۔ وہ مجھ میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" پول کے کنارے وہ دونوں آمنے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ اوپر تاریک رات میں چمکتا پورا چاند پول کے نیلے پانی پہ جھلملا رہا تھا اور پانیوں کی روشنی زمر کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"نہ وہ معصوم ہے نا مذہبی۔ اس کا اسکارف ایرانی کلچر کا حصہ ہے یا اس کو اپنے بال نہیں پسند۔ مذہبی اسکارف ایسا نہیں ہوتا۔ مجھے تو وہ ایک بگڑی بچی کے سوا کچھ نہیں لگی۔ خیر وہ اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم اس کو ڈسکس کریں۔ تم بتاؤ گھر کیوں نہیں جانا چاہتے؟" سینے پہ بازو لپیٹے وہ پوچھ رہی تھی۔ ٹھوٹھر یالے

بھورے بال سمیٹ کر چہرے کے بائیں طرف ڈال رکھے تھے اور بھوری کلائھنو سے مزین آنکھیں سکیٹر کراس پہ جمار کھی تھیں۔ ناک میں بڑی سونے کی بالی ماہ کامل کی چاندنی میں دمک رہی تھی۔

"مجھے ڈپریشن ہو گا' زمر! میرے لیے پہلی رات ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ تھانے کی پہلی رات 'جیل کی پہلی رات ' دوبارہ گرفتاری پہ جیل کی پہلی رات اور اب۔" سر جھکائے جوتے کی نوک سے گھاس کو مسلتے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ گھر میرے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے بہت پیارا تھا۔ اس کو بیچ کر میں خوش نہیں ہوں۔"

"اب کیا کرو گے؟ جاب کب ڈھونڈو گے؟" وہ فکر مند تھی۔ وہ باپ بیٹی ذہن سے محو ہونے لگے۔

"مل جائے گی جاب۔ نہیں تو پیسے ہیں میرے پاس۔ چھوٹا موٹا کاروبار تو کر ہی سکتا ہوں۔" کندھے جھٹک کر لاپروائی سے بولا۔

"ندرت بھابھی چاہتی ہیں کہ تم ریسٹورنٹ میں ان کے ساتھ شراکت داری کر لو۔ یا اوپر والے پورشن میں کچھ بنوالو۔"

اس نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ "وہاں سارے رشتے دار آتے ہیں ہمارے' میں ان سے ملنا نہیں چاہتا۔"

"فارس تم بے گناہ ہو' عدالت نے تمہیں بری کیا ہے تو کیوں بھاگتے ہو اپنے رشتے داروں سے؟"

"زمر بی بی! لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ یہ آدمی بے گناہ تھا یا گناہ گار۔ جیلوں میں جانے والے نوے فی صد لوگ مجرم ہوتے ہیں مگر لوگ سمجھتے ہیں سب مجرم ہیں۔ جن نظروں سے میرے رشتے دار مجھے دیکھتے ہیں' میرے قریب آنے پہ میرے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں' ان پہ خون جلانے کے لیے میرے پاس نہ وقت ہے نہ توانائی۔" کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور پول کے کنارے بیٹھ گیا۔ زمر بھی گہری سانس لے کر ساتھ آبیٹھی۔ ڈنر کے دوران کی گئی جیل کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔

"میں چاہوں بھی تو تیرے قتل کے الزام سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ میں کبھی بھی نارمل نہیں ہو سکتا۔" وہ سنجیدگی سے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"مگر میں ہونا چاہتی ہوں۔" وہ گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے' پورے چاند کو پانی میں تیرتے دیکھ کر گویا خود سے بولی تھی۔ "میں بھی اس برف کو پگھلانا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے نہیں پتا میں کیا کروں۔ تمہارے بارے میں سوچوں یا نہیں؟"

فارس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اداس نظر آ رہی تھی۔

"تمہارا اور میرا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس رات جو میں نے اس ریسٹورنٹ میں کہا تھا' میں اس کے لیے شرمندہ ہوں' مگر وہ سچ تھا۔ جلد یا بدیر ہم الگ ہو جائیں گے۔" مگر زمر نے اس دفعہ برا نہیں مانا۔ وہ نارمل رہی۔

"تو پھر کب دے رہے ہو تم مجھے طلاق؟" پول میں جیسے چاند سے کوئی چیز آن گری تھی۔ کچھ چٹخنے کی آواز سی آئی۔

"طلاق 'الگ ہونے کا واحد راستہ نہیں ہوتی۔ گو کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عناد نہیں ہے۔ صرف محبت ہے۔ عزت ہے۔ مگر میں ایک Cursed (منحوس) آدمی ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ میری دشمنیاں ہیں۔ میں بہت جلد خود کو تم سے الگ کر لوں گا' تاکہ میری curse (نحوست) تمہیں مزید نقصان نہ دے۔ پہلے ہی تمہارا بہت نقصان ہو چکا ہے۔"

"وہ میری قسمت تھی' فارس!" زندگی میں پہلی دفعہ اس نے تسلیم کیا۔

"وہ میرا قصور تھا۔ میں خود سے وابستہ کسی عورت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔" وہ پول کے پانی کو دیکھتے ہوئے یاسیت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر۔" اس نے گہری سانس لی۔ "جب تک ہم ساتھ ہیں' ہم خوش تو رہ سکتے ہیں نا' زمر! ایک اچھے کپل کی طرح اور۔۔۔" زمر سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا جب فارس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے ایک نظر دیکھا۔ "آپا کالنگ۔" اس نے کال کاٹ کر فون آف کر دیا۔

"ہماری کریزی فیملی ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔" وہ جل کر بولا تھا۔ "جب بتا دیا ہے کہ ہمیں آ رہے ہم گھر تو بار بار کال کر کے بلائیں گے کہ بھنڈی گوشت بنا ہے' آ کر کھا لو۔" وہ ایک دم زور سے ہنسی۔ دفعتاً" اس کا اپنا موبائل بھی تھرتھرانے لگا۔ زمر نے ہنسی روک کر اسکرین فارس کے سامنے لہرائی۔

"حنین کالنگ۔" اور کال کاٹ دی۔ وہ سلسلۂ کلام جوڑنے ہی لگا تھا کہ گھر کے پی ٹی سی ایل سے کال آنے لگی۔ اسے یاد تھا کہ نئے گھر میں صبح ہی حنہ نے فون کے تار وغیرہ جوڑ دیے تھے۔ وہ پھر سے کال کاٹ کر فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم کیا کہہ رہے تھے؟" انجان بن کر پوچھا۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر وہ بیٹھی تھی اور سیل ابھی تک ہاتھ میں تھا۔

"یہی کہ کل کی کل دیکھیں گے۔ کیا پتا ہم کبھی الگ نہ ہوں۔ کیا پتا سب ٹھیک ہو جائے تو پھر۔۔۔" بیٹھے بیٹھے وہ اس کی طرف گھوما اور نرمی سے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "زمر یوسف خان! کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے ایک نارمل زندگی گزارنا چاہو گی؟"

زمر نے بے اختیار امڈ کر آتی مسکراہٹ دبائی۔

"پہلے مجھے آپ کہو۔"

فارس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اور ذرا سا کھنکھارا۔ "زمر یوسف خان۔۔۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ آہستہ سے دہرایا۔ "کیا تم فارس غازی کی بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہو گی؟"

اور فارس غازی کو کون کسی بات کے لیے مجبور کر سکتا تھا؟ ہاں' صرف وہی مجبور کر دیتا تھا۔

زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "نمبر ایک میں تمہاری ریسٹورنٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' نمبر دو۔۔"

"میں تمہارے چودہ نکات سن چکا ہوں' اب تم۔۔"

فون ایک دفعہ پھر زوں زوں کرنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔ فارس کے ابرو تنے۔

"مجھے سننے دو' کوئی ضروری کال نہ ہو۔" اس نے موبائل فون کان سے لگایا۔ "ہیلو؟" فارس غور سے اس کے تاثرات دیکھنے لگا۔

"کون؟ حسینہ؟ اچھا یہ تمہارا نمبر ہے۔" اور اس سے زیادہ فارس غازی کے لیے برداشت کرنا مشکل تھا۔ فون زمر کے کان سے نوچا اور اپنے کان سے لگایا۔

"حسینہ! تم اسی وقت اپنی نوکری سے فارغ ہو۔ سامان سمیٹو' اور اپنی شکل گم کرو۔ میرے واپس آنے تک اگر تم مجھے نظر آئیں تو اچھا نہیں ہو گا۔" غصیلے اور اکھڑ لہجے میں ڈپٹ کر اس نے فون بند کیا۔

"سائیلنٹ کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس وقت تم صرف مجھے سنو۔" موبائل اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ (زمر سمجھی اس نے واقعی سائیلنٹ کیا ہے' مگر اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا تھا۔)

"کیا سنوں؟" وہ تھوڑی گھٹنے پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ نیلے پول کے اوپر جھلملاتی چاندنی منعکس ہو کر فارس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ ارد گرد ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز' وہ بس اسی کو دیکھے گئی۔ سوئیٹر کی آستینیں ذرا پیچھے چڑھائے' منہ میں کچھ چباتے ہوئے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ سنہری آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔

"مجھے نوٹس ملے تھے۔"

"سوری؟"

"تمہاری کلاس میں جو نوٹس تم نے کاپی کروا کر دیے تھے' وہ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھینک دیے تھے۔ مجھے تم سے ریمیڈیل کلاس لینے کا بہانہ درکار تھا۔"

زمر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چہرہ گھٹنے سے اٹھا

لیا۔ "تمہیں وہ سب لیکچرز وہ ٹاپکس سمجھ میں آتے تھے؟ پھر میں کیوں گھنٹہ گھنٹہ تمہارے ساتھ سر کھپاتی تھی؟" وہ برا نہیں مانی تھی۔ اسے دلچسپ سا لگا تھا۔ اس نے فارس غازی کو کبھی ذہین نہیں سمجھا تھا اور اس کی بڑی وجہ وہ ٹیوشن تھی جو وہ اسے دیتی تھی۔ ایک ہی ٹاپک بار بار اس کو پڑھانا پڑتا تھا۔

"مجھے ہر چیز سمجھ میں آتی تھی زمر بی بی! صرف آپ نہیں سمجھتی تھیں۔" اب کے وہ مسکرایا تھا۔ وہ خفا سی چپ ہو رہی۔

"اور وہ لڑکا جمشید ... جس کو آپ میرے ساتھ ٹاپک سمجھانے لے آئی تھیں لائبریری ... بہت برا لگا مجھے۔ اس کا سیل فون میں نے غائب کیا تھا اور اس کو ڈھونڈنے وہ بے چارہ اٹھ کر گیا تھا۔ مگر آپ سمجھیں' وہ لاپروا ہے' اس لیے دوبارہ آپ نے اس کو نہیں پڑھایا۔"

"تم ہمیشہ سے ایک دو نمبری انسان تھے۔"

"اور وہ بندہ جو آپ کو ہراساں کر رہا تھا ... اور آپ میرے پاس آئی تھیں۔" وہ محظوظ سا اسے بتا رہا تھا۔

"اور میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے بات کروں گا۔ جانتی ہیں میں نے کیا کیا؟"

"جانتی ہوں۔" سابقہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر نے چہرہ آگے جھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ فارس بالکل ٹھہر گیا۔

"تم اسے اپنے کسی ٹارچر سیل لے کر گئے اور اسے مارا پیٹا ۔ ہے نا؟"

وہ لمحے بھر کے لیے لاجواب ہوا۔ "اس نے آپ سے کچھ کہا تھا بعد میں؟"

"فارس ... تمہارے پاس کیوں آئی تھی میں؟ اگر اس سے صرف بات کرنی ہوتی تو میں خود کر لیتی۔ مجھ سے بہتر manipulative talk (جوڑ توڑ والی گفتگو) کون کر سکتا ہے بھلا؟ تم سے اس لیے کہا تھا کیونکہ تمہاری جاب ... اور تمہاری شہرت کہتی تھی کہ تم اس کی طبیعت اس طریقے سے صاف کرو گے جس طریقے سے میں کروانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ تم اس کو مارو۔ وہ باتوں کا بھوت نہیں تھا۔" اور ابرو اٹھا کر فاتحانہ تائید چاہی۔ وہ چند ثانیے چپ رہا۔ پھر سر جھٹکا۔

"تم میں اور مسز کاردار میں ' کبھی کبھی مجھے زیادہ فرق نہیں لگتا۔" پھر جیسے کچھ پوچھنا چاہا مگر ارادہ بدل دیا۔ "کم از کم آج کی رات نہیں۔"

"اور بتاؤ۔ اور کیا کچھ کر چکے ہو تم میرے علم میں لائے بغیر؟" مسکرا کر پوچھنے لگی۔ فارس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔

"پہلے چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ہارون عبید کا حرام کا مال تھوڑا بہت زہر مار کیا تھا۔" اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ویسے بھی ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے۔ کم از کم آج کی رات ہم واپس نہیں جا رہے۔ یہیں رہتے ہیں۔"

"اتنے مہنگے ہوٹل میں؟" اس نے گردن اٹھا کر استعجاب سے اسے دیکھا۔

"روز روز تھوڑا ہی کرتا ہوں آپ پہ اتنا خرچا؟" مسکرا کر اس نے ہاتھ بڑھایا۔ اور پھسلنے والے انکار نہیں کیا کرتے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب پول کے کنارے وہ دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے۔

"تم ہمیشہ میرے سامنے ایک مختلف روپ میں آتے ہو۔ پہلے تم میرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بنے۔ پھر میرے مجرم۔ پھر ایک کلنذی انتقامی رشتے کا ایک پرزہ۔ پھر سعدی کے لیے میرے پارٹنر بنے۔ پھر ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے میرے سامنے کھلے۔ پھر میرے کلائنٹ بنے۔ اب شوہر بن جاؤ گے۔ پتا نہیں پھر کس روپ میں سامنے آؤ گے؟ کیا ابھی ابھی کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتی تمہارے بارے میں؟"

"ہاں۔ یہی کہ تمہارے کلائنٹ کا تمہاری فیس ادا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے" وہ اس سوال سے بچنا تھا سو مسکراہٹ دبا کر بولا تو وہ ہنس دی' پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔

"نمبر ایک' اب مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا

کہ تم اور میں مستقبل میں ساتھ رہیں گے یا نہیں' میں مزید کوئی پلاننگ کیے بغیر' نفع نقصان سوچے بغیر' اس شادی کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر نمبر دو' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی فیلنگز ہیں' کیونکہ نمبر تین' میں تمہاری ریسٹورنٹ والی کوئی بات نہیں بھولی' اور نمبر چار' ابھی تک ــــ" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بولی۔ "آئی ہیٹ یو۔"

وہ مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ "آئی ہیٹ یو ٹو۔"

اور اس نے بہت وقت سے مسکراہٹ لبوں پہ روکی تھی۔ چاندنی میں نہائے جھلملاتے پانی کے ساتھ سبزہ زار پہ وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے اور اولف صحیح کہتا تھا۔ کچھ لوگ واقعی اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پگھلا جائے۔

☆ ☆ ☆

کھانے کے بعد حنہ اپنے کمرے میں آئی تو اس نے فوراً" سے پہلے میمونہ کو کال ملائی۔ میمونہ اس سے دو سال سینئر تھی۔ کالج میں دونوں ساتھ تھیں۔ کسی کام کے سلسلے میں تعارف ہوا اور پھر دوستی ہو گئی۔ وہ حافظ قرآن تھی اور شادی شدہ تھی۔ ایک بیٹا بھی تھا۔

"میمونہ باجی! آپ میری نماز کی نگہبان بنیں گی کچھ دن کے لیے؟" مہذب انداز میں مدعا بیان کر کے اس نے پوچھا۔

"حنین' دیکھو میں اول تو کسی کی ذمہ داری لیتی نہیں لیکن اگر لوں تو اسے آخری سانس تک نبھاتی ہوں۔ میں ہر روز فجر کی اذان کے پینتالیس منٹ بعد تمہیں کال کر کے پوچھوں گی کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں اور روز رات کو تمہیں مجھے ٹیکسٹ کر کے بتانا ہو گا کہ آج تم نے پانچ میں سے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ جس دن تم کوتاہی کرو گی' میں تم سے وضاحت مانگوں گی اور مجھے امید ہے کہ تم خود کو اور مجھے شرمندہ نہیں کرو گی۔"

میمونہ سے ویسے ہی ایک ریزرو سا رشتہ تھا' اب تو مزید لحاظ آگیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "ان شاء اللہ میں صبح اٹھ جاؤں گی۔"

اور زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کی سمجھ میں آیا تھا کہ بچے کو نماز پڑھانے کے لیے ماں باپ کو ان پہ سختی کیوں کرنی چاہیے۔ عادتیں ڈالنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے۔ اس نے فون بند کر کے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ میں نے الارم کلاک پہ بھروسا کیا ہے مگر آج نہیں۔ کل صبح آپ مجھے اٹھائیں گے۔ مجھے نہیں پتا کیسے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آپ مجھے اٹھائیں گے۔ ہر حال میں۔"

☆ ☆ ☆

برا نہ مان ــــ مرے حرف زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

کولمبو کی اس برف رات میں تیزی سے بھاگتا ٹک ٹک ایک جگہ رکا۔ وہ دونوں ہنا کچھ کہے اترے اور پھر جہاں خاور چلتا گیا' وہ اس کے ساتھ کھنچا چلا آیا۔ سڑک پار کرتے ہوئے وہ دفعتا" رکا۔ سر کو جھٹکا۔ گلے پہ ہاتھ رکھا۔ خاور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"یونہی ــــ منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو رہا ہے۔ شاید گلا خراب ہے۔" الجھن سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ سڑک کے کنارے سے انہوں نے ایک اور ٹک ٹک روکا اور یوں' تقریبا" تین سواریاں بدل کر وہ دونوں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے رکے۔ اندر سیڑھیاں چڑھتے سعدی نے پوچھا تھا۔ "تو اس عمارت میں ہے تمہارا خفیہ فلیٹ جس کے بارے میں کاردارز نہیں جانتے؟"

"میرے پاس ایسی کئی خفیہ جگہیں ہیں۔" وہ ماتھے پہ بل لیے کھردرے لہجے میں بتاتا زینے چڑھتا گیا۔

فلیٹ معمولی اور سستا سا تھا۔ سعدی گردن ادھر ادھر گھماتا' طائرانہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ بیگ صوفے پہ دھرا۔ خاور سیدھا اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ سعدی چوکھٹ پہ آیا تو دیکھا۔

خاور کارپٹ ہٹا کر نیچے زمین پہ جھکا ہوا تھا اور فرش کے اندر بنے ٹریپ ڈور سے ایک باکس نکال رہا تھا۔ سعدی آگے آیا۔ وہ ایک دھاتی باکس تھا۔ (ایسے باکس کو Go باکس کہتے ہیں۔) اس میں خاور کے نام کے تین پاسپورٹ تھے پستول تھا اور نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ ایمرجنسی میں بھاگتے وقت کا سارا سامان گو باکس میں موجود تھا۔

"اب ہمارے پاس پیسے بھی ہیں اور پلان بھی۔ اب سعدی ہمیں فیز ٹو پہ عمل کرنا ہے۔" وہ نوٹ نکال نکال کر باہر رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یعنی کہ ہم نے تمہارا نام کلیئر کروانا ہے' ہاشم کے سامنے تمہیں بے گناہ ثابت کرنا ہے' جانتا ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر مڑا' پھر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر رکا' ہلکا سا ڈگمگایا ہوا۔ خاور نے پھر سے چونک کر اسے دیکھا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں' شاید کچھ غلط کھا لیا تھا۔" وہ سر کو پھر سے نفی میں جھٹکتا باہر لاؤنج میں چلا گیا۔ ذرا دیر گزری تو خاور کو اس کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر کو لپکا۔

کچن سنک پہ جھکا وہ کراہتا ہوا قے کر رہا تھا۔

"کیا کھایا تھا تم نے؟" خاور تشویش سے کہتا اس کے سر پہ آپہنچا۔ وہ دہرا ہوا' نڈھال سا جو جھکائے' مزید قے کے لیے منہ کھولے ہوئے تھا۔ نقاہت سے کراہ بھی رہا تھا۔

"میری نے۔۔۔ شاید کھانے میں کچھ ملایا تھا۔"

"ٹھہرو! شاید کوئی دوا رکھی ہو' تمہاری جان میرے لیے بہت قیمتی ہے۔" کہہ کر وہ دوسری طرف لپکا اور کیبنٹ کھولی۔ دفعتا" خاور ٹھہرا۔ "مگر۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ ہم نے تو اس کھانے کو چکھا ہی نہیں تھا۔" وہ چونک کر پلٹنے لگا تھا کہ۔۔۔

اس کے سر کی پشت پہ زور سے کوئی بھاری چیز آکر لگی۔ خاور بے اختیار آگے کو لڑھکا' مگر پھر ہاتھ سلیب پہ رکھے' سنبھلنا چاہا' لیکن سعدی نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچی اور مخصوص رگ کو دبا تا گیا۔ خاور نے پوری قوت سے مزاحمت کرنی چاہی' ہاتھ پیر مارے۔ سلیب سے شیشے کے گلاس گر کر ٹوٹ گئے' اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور گردن ڈھلک گئی۔

"آف کورس! ہم نے وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔" اس کو کندھے سے تھامے زمین پہ احتیاط سے لٹاتے ہوئے' ہشاش بشاش سا سعدی بولا تھا۔

"تمہیں بروقت یاد آگیا' مگر بہت سی باتیں تم بھول گئے کرنل خاور۔" اس کے سر پہ کھڑے' وہ پرتپش نگاہوں سے اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "یہی کہ اپنے دشمن کو درخت پہ چڑھنا نہیں سکھاتے۔ تم اور میں دشمن تھے' ہیں اور رہیں گے۔ تم نے میرے وعدے پہ اعتبار کیا۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں وہ سچا' ایمان دار سعدی یوسف نہیں رہا جو وعدے سے نہیں پھرے گا۔ گارڈ کی موت کے ساتھ وہ کھو گیا ہے۔ تمہارا نام کلیئر کروانے کا ارادہ نہ میرا کل تھا نہ آج ہے۔ میں نے تمہیں صرف استعمال کیا ہے کیونکہ صرف تم اس جیل کو توڑنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ اور وہ تم نے کر دی۔ تھینکس' بٹ نو تھینکس۔"

کہہ کر وہ اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا اور جب باہر آیا تو کندھے پہ بیگ میں خاور کی تمام رقم اور اسلحہ رکھا تھا۔ اس کا ایک پاسپورٹ بھی وہ لے آیا تھا۔ باقی چھوڑ آیا تھا۔ ایک نظر اس نے کچن میں بے سدھ گرے خاور پہ ڈالی' اور پھر وہ پی کیپ اٹھائی جو کارنس پہ دھری تھی' اور اسے پہنتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

دروازہ باہر سے بند کرنا وہ بالکل نہیں بھولا تھا۔ تیزی سے زینے اتر کر وہ عمارت سے باہر نکل آیا۔ اور اب' پورے چاند کی اس یخ بستہ رات میں' اندھیری سڑک پہ اپنا پی کیپ والا سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' کندھے پہ بیگ لٹکائے' وہ دور چلتا جا رہا تھا۔

بالآخر اب وہ آزاد تھا۔

☆ ☆ ☆

زخم جتنے بھی تھے سب منسوب قاتل سے ہوئے

تیرے ہاتھوں کے نشاں اے چارہ گر دیکھے گا کون؟

ہوٹل کے شاہانہ سوئیٹ میں بیڈ پہ سوئی کمبل میں دبکی بے خبر سو رہی تھی اور وہ بھی سوئی کی طرح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا جواہرات کو دیکھ رہا تھا جو بے چینی سے ادھر اُدھر چکر کاٹ رہی تھی۔ جب تک وہ ان کا پیچھا کر سکتا تھا اس نے کیا، لیکن جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ ان کی پہنچ سے نکل چکے ہیں تو ہاشم اطمینان سے اس صوفے پہ آکر بیٹھ گیا تھا۔

"اب کیا ہو گا ہاشم؟ وہ دونوں نکل گئے۔"

"سعدی کی تصویر سے ملتا جلتا اسکیچ اور خاور کی اصلی تصویر پولیس کو دے دی ہے۔ اور ان مسنگ لوگوں کی تلاش شروع کر چکی ہے۔ ہمارے آدمی بھی لگے ہیں۔ جیل کو ہم نے صاف کر کے اس میں فالتو سامان بھر دیا ہے اور اب وہ بیسمنٹ اسٹور سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر ہم ان کو نہ بھی پکڑ سکے تب بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سعدی کو ہم نے قید کر کے رکھا تھا۔"

"ثبوت!" اس نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔ "ثبوت کی پروا کسے ہے؟ سعدی چھوٹتے کے ساتھ ہی گھر کال کرے گا اور سب کو بتا دے گا۔"

"ان کے تمام نمبرز ہم ٹیپ کر رہے ہیں، سری لنکا سے آنے والی کال پکڑی جائے گی۔ ہمیں علم ہو جائے گا۔"

"وہ ای میل کر سکتا ہے، اور چلو کال تم پکڑ بھی لو تو وہ ان کو سب بتا چکا ہو گا۔ اتنا عرصہ اس کو اس لیے قید میں رکھا تھا کہ وہ ہمارے راز نہ کھولے، اور اب۔۔۔" وہ شدید پریشان تھی۔ ہاشم نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔

"آپ کے خیال میں اسے اتنا عرصہ اس لیے مقید رکھا کیونکہ میں اس کے منہ کھولنے سے ڈرتا تھا؟ میں ۔۔۔ "اپنے" ۔۔۔ لیے ڈرتا تھا؟"

"ظاہر ہے، ہمیں ہی نقصان ہو گا اس کا منہ کھلنے سے۔"

"ممی، اگر میں اس سے ڈرتا ہوتا تو شیرو کے بجائے میں نے اس کو گولیاں ماری ہوتیں، مگر میں نے تب بھی بار بار شیرو سے کہا تھا کہ میں سعدی کو سنبھال لوں گا۔ ممی! اس کے منہ کھولنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔" صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے، وہ مطمئن سا بیٹھا تھا۔

"تو پھر؟ ہم نے کیوں اسے اتنا عرصہ خاموش کرائے رکھا؟"

"کیونکہ بول کر وہ اپنی فیملی کو خطرے میں ڈالے گا۔ مجھے اس کی فیملی کی فکر تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید کچھ برا ہو۔ لیکن اگر وہ بولے گا تو ظاہر ہے مجھے ان سب کو "فکس" کرنا پڑے گا۔ جتنے لوگوں کو بتائے گا، اتنے لوگ ہمارے نشانے پہ آجائیں گے۔" "ہمیں" کوئی نقصان نہیں ہو سکتا ممی۔" وہ اس وقت Vulnerable ہے۔"

جواہرات بالکل ساکت سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔

"ایک قاتل ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ ڈر نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے قتل کے راز کھول دے تو تم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے؟" اس کی آواز میں اس کا اپنا اندرونی ڈر غالب تھا۔

"ممی۔۔۔!" اس نے حیرت بھری مسکراہٹ سے ماں کو دیکھا۔ "وہ مجھ پہ الزام لگائے گا تو کیا دنیا اس پہ یقین کر لے گی؟

"It would be his word against mine!"

وہ کون ہے؟ جج کو بلیک میل کرنے والا، ایک گارڈ کو قتل کرنے والا، اور اس کے اپنے مبینہ قاتل نے اس کے بارے میں اعتراف جرم میں کہا تھا کہ وہ منشیات کی خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ ایسے شخص کی کیا کریڈیبلٹی ہوتی ہے؟ اور میں کیا ہوں؟ شہر کے باثر وکلاء میں سے ایک ۔۔۔ آئل لابی کا کنٹرولر ۔۔۔ Philanthropist ۔۔۔ جس کو کبھی کسی کرمنل کیس میں مطلوب نہیں قرار دیا گیا۔ میں وائٹ کالر، باعزت آدمی ہوں، میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میرے مقابلے پہ اس کی بات کا کون یقین کرے گا؟ فرق اس سے نہیں پڑتا کہ کیا کہا جا رہا ہے، فرق اس سے پڑتا ہے

کہ کون کہہ رہا ہے۔" کوٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا تھا۔ جواہرات دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ اس کا دماغ ہنوز سُن تھا۔

"فرق اس سے نہیں پڑتا کہ آپ کے کون سے راز کس کے پاس ہیں۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ آپ کے محرم راز کی کریڈیبلٹی کیا ہے۔" وہ خود سے بولی تھی۔ ایک سکون سا تھا جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔

"لیکن اس کی فیملی تو اس کا یقین کرے گی' ہاشم! پھر کیا ہوگا؟"

"پھر؟" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور سنجیدگی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "پھر ہاشم سب سنبھال لے گا۔" اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بھی اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ گئی۔ ایک طویل' سرد اور سنسنی خیز رات اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

☼ ☼ ☼

صرف احساس ندامت' اک سجدہ اور چشم تر
اے خدا کتنا آسان ہے منانا تجھ کو

اگلی فجر۔ دھند غائب تھی۔ بالکل ندارد' صفر۔ بادل بھی عنقا تھے اور آسمان بالکل صاف تھا۔ ابھی فجر میں چند ساعتیں باقی تھیں۔ ایسے میں نئے گھر میں حنین رضائی میں لپٹی' آنکھیں موندے بے خبر سو رہی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال بکھرے تھے اور باقی تکیے پر پھیلے تھے۔ ایک مینڈک کی ہیئت کی مخلوق اس کے کندھے پہ چپکے سے آ بیٹھی اور اس نے اپنی لمبی سونڈ کے ذریعے حنہ کے دل کو پکڑا اور پھر اس پہ گرہ لگائی۔ ایک' دو' تین۔ حنہ بے خبر سوتی رہی۔ ساری دنیا سوتی رہی۔

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔"

دفعتاً" ایک جھٹکے سے حنہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آس پاس ہاتھ مارا۔ موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ کیا وہ الارم سے اٹھی تھی؟

پانچ الارم لگائے تھے اس نے مگر۔ پہلے الارم کے بجنے میں ابھی چار منٹ رہتے تھے۔ پھر وہ کس چیز سے اٹھی؟ اذان کی آواز سے؟ مگر اذان میں ابھی دس منٹ تھے۔ پہلی اذان تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔

"اور اپنے رب کی ہی بڑائی بیان کرو۔"

حنین سُن رہ گئی۔ کوئی آواز اس کو سنائی دی تھی۔ بھولی ہوئی سورۃ المدثر جو اس کو جاگتے میں بھی یاد نہ آئی' آج سوتے میں یاد آئی تھی۔ وہ مخلوق بھی خاموشی سے اس کے دل کو جکڑے' بیٹھی رہی۔

"سب تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں مار دینے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا۔ اور اسی کی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔" وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دل کو باندھے ہوئے تین گرہوں میں سے ایک چھناکے سے ٹوٹی۔

حنہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ آج آنکھیں کھولتے اسے موت کیوں نہیں پڑی؟ احساس ذمہ داری تھا یا کیا؟

"اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھو۔"

وہ سر جھٹک کر بستر سے نکلی اور جب وہ سنک کے اوپر کھڑی ٹونٹی کھول کر وضو کرنے لگی تو دل پہ دوسری گرہ بھی جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ آدھی بھیگ کر وہ باہر نکلی اور جائے نماز اٹھانے لگی۔ پھر رکی۔ اوں! جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اس دن درزی سے دو نئے سردیوں کے جوڑے سل کر آئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی جو نیا جوڑا "کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی دفعہ پہنیں گے" کہہ کر الماری میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا جوڑا سب سے پہلے نماز میں پہننا ہوتا ہے۔ اس نے بال برش کیے' چوٹی گوندھی۔ نیا لباس پہنا۔ سلیقے سے دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹا۔ اور جائے نماز پہ آ کھڑی ہوئی۔ اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی رفع یدین کیا' دل پہ لگی تیسری گرہ بھی ٹوٹ گئی۔ مگر وہ مخلوق ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو پچھلے دن کے کام یاد

کروانے لگی۔ ذہن میں شک ڈالا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا پہلی؟ اس میں بیٹھنا ہے یا نہیں بیٹھنا؟ پھر ہاشم کا چہرہ دکھانے لگی مگر اسے علاج مل چکا تھا۔

اعوذ پڑھی لوگ آ جاتے نہیں ورنہ اس سے بڑی دوا کیا ہو گی کوئی؟ اعوذ باللہ معجزے کر دیتا ہے۔

باقی کی نماز سکون سے پڑھی گئی۔

سلام پھیر کر جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا مانگے۔ دل میں کوئی عجیب سی خوشی بھری تھی۔ بار بار اِدھر اُدھر دیکھتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اور اف۔۔۔ یہ اٹھ جانے میں کتنا مزا تھا۔ کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر زندگی کے بارے میں اس نور والے سے باتیں کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

(او اللہ۔۔۔ او اللہ۔۔۔ سب تعریف آپ کے لیے ہی ہے۔۔۔ آپ نے مجھے فجر دے دی۔۔۔ برسوں بعد میں فجر پہ اٹھی۔۔۔ او اللہ۔۔۔) زندگی میں پہلی دفعہ حنین یوسف کی سمجھ میں آیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کو فجر کی دو رکعتیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ کیوں رحلت فرمانے سے پہلے۔۔۔ آخری سانسوں میں۔۔۔ وہ فرماتے رہے تھے۔ نماز نماز نماز۔۔۔ اور یہ کیفیت۔۔۔ یہ وہی "چکھ" سکتا ہے جو فجر اور تہجد پہ اٹھتا ہے۔

"ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال کے بدلے میں رہن ہے۔

سوائے دائیں بازو والوں کے
جو جنتوں میں ہوں گے
اور پوچھیں گے مجرموں سے
کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں۔
(جہنم والے) کہیں گے۔
نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔" (سورۃ المدثر)

جائے نماز تہہ کر کے وہ اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پٹ کھول کر سرد ہوا کو اس نے اندر آنے دیا۔ وہاں ایک خوب صورت کالونی نظر آ رہی تھی۔ نئے گھر سے قصر کاردار جیسا منظر نہیں نظر آتا تھا مگر اسے وہ منظر دیکھنا بھی نہیں تھا۔

(کیا چیز لے کر گئی تمہیں جہنم میں؟ وہ کہیں گے۔۔۔ نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔۔۔ نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔۔۔)

اس نے آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ آج۔۔۔ اسے کچھ بہتر مل گیا تھا۔ حنین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے ویسی محبت نہیں کرتی تھی جیسے کرنی چاہیے، مگر وہ اب اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق۔۔۔ ضرور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امپریشن ٹھیک ہو جائے۔۔۔ اللہ اس کی تعریف کرے۔۔۔ اس کے دل میں۔۔۔ سب سے بڑی تمنا یہی رہ گئی تھی۔ اور وہ جو اللہ کو پسند ہے۔۔۔ فجر کی نماز۔۔۔ اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ آج اسے اعلا محبت اور ادنیٰ محبت میں فرق سمجھ میں آ گیا تھا۔

ٹھنڈی ہوا میں کھڑی حنین نے آج۔۔۔ ہاں آج اس نے ہاشم کاردار کو دل سے جانے دیا تھا۔ مرض عشق کی جس برف نے اس کے دل کو جما دیا تھا، فجر کی پہلی کرن نے اسے پگھلا دیا تھا۔ آج حنین یوسف آزاد ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دل کی مالک بنی تھی یا نہیں مگر اس نے اس ساحر کے قبضے سے اپنا دل ضرور چھڑا لیا تھا۔

ماہ کامل ابھی تک جاتی آسمان پہ دمک رہا تھا اور زمین پہ بہتے بڑے بڑے سمندروں کو اپنے اشاروں پہ چلا رہا تھا۔ اوپر۔۔۔ نیچے۔۔۔ آگے۔۔۔ پیچھے۔۔۔

☼ ☼ ☼

کچھ اب سنبھلنے لگی ہے جاں بھی، بدل چلا رنگ آسماں بھی
جو رات بھاری تھی ٹل گئی ہے، جو دن کڑا تھا گزر گیا وہ

صبح ایسا سنہرا سونے کے تھال سا جھلملاتا سورج آسمان پہ چمکا تھا کہ سارے شہر نے پگھل کر انگڑائی لی۔ کوئی جمود سا ٹوٹا۔ دھند سی چھٹی۔

اس اونچے ہوٹل کا وسیع و کشادہ مرکزی بیڈ روم سنہرے رنگ میں آراستہ دکھائی دیتا تھا۔ قیمتی دیوار گیر پردے کھڑکی کے آگے سے ہٹے تھے اور دھوپ پورے

کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ سنہری ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے فارس بیٹھا تھا' اور سامنے اسٹول پہ بیٹھی' خود کو آئینے میں دیکھ کر بال برش کرتی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ بائیں طرف جھکائے' بالوں کے سروں میں برش چلاتے ہوئے بولی۔

"اب گھر چلتے ہیں' اس سے پہلے کہ سب سمجھیں' ہم واقعی بھاگ چکے ہیں۔"

فارس نے بے اختیار سر جھٹکا۔ "فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے زیادہ لگ رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی اور چہرہ جھکائے بال برش کرتی رہی۔

"پتا ہے مجھے تمہاری سب سے خوب صورت بات کیا لگتی ہے۔"

"نہیں پتا۔"

"تمہارے بال۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کی چند گھنگھریالی لٹیں انگلیوں میں اٹھائیں۔ زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔

"ہاں میرے بالوں کے کرلز ہمیشہ سب کو پسند رہے ہیں۔"

"نہیں' ان کے کرلز نہیں' مجھے ان کا رنگ پسند ہے۔"

"رنگ؟" زمر نے ایک دم چونک کر برش رکھ دیا۔

"ہاں۔ ان کا براؤن کلر۔" (زمر نے بے اختیار تھوک نگلا' مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔) "سعدی اور سیم کے بال بھی براؤن ہیں' مگر تمہارا کلر بہت مختلف' بہت خوب صورت ہے۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں کو چھو کر کہہ رہا تھا۔ زمر نے ذرا مضطرب ہو کر برش رکھا۔

"میرے بالوں کا رنگ بھی سعدی کی طرح ہے۔۔۔ مطلب میرا اصل کلر۔ یہ چاکلیٹ براؤن تو میں۔۔۔ ڈائی کرتی ہوں۔" اور اپنے بال نرمی سے چھڑا لیے۔

فارس کو چند لمحے اس کی بات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ بس سنہری آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ "کیا مطلب؟"

"فارس! میرے بال سعدی جیسے ہی ہیں' یہ ذرا زیادہ براؤن میں نے خود کیے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے اچھے لگتے ہیں۔ میرا فون کیا تم نے آف کر دیا تھا؟" اس نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"ایک منٹ۔ یہ۔۔۔ اصلی کلر نہیں ہے؟ مگر جب میں نے تمہاری یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا' تب بھی تمہارے بالوں کا یہی کلر تھا۔"

"میں بائیس سال کی عمر سے بال ڈائی کر رہی ہوں فارس! پاکستان کی ہر تیسری لڑکی بال ڈائی کرتی ہے۔ اف اتنے معصوم۔۔۔" وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے ہم سات۔۔۔ آٹھ سال سے مجھے دھوکا دے رہی ہو؟ قانوناً" اس کی کیا سزا ہوتی ہے؟"

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تم نے پہلے کبھی اس بارے میں بات ہی نہیں کی تو میں کیا بتاتی۔" وہ خفا ہوئی۔

"یہ تمہارے کرلز بھی نقلی ہیں پھر؟" وہ مشکوک ہو چکا تھا۔

"اف فارس! میرا کچھ بھی نقلی نہیں ہے' صرف ذرا سا کلر ہے بس۔" مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں زمر بی بی۔۔۔ آپ نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا۔۔۔ میں آپ کا ہر ظلم معاف کر سکتا ہوں' مگر یہ نہیں۔ آپ نے تو میرا دل توڑا ہے۔ کیسے لوٹائیں گی آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کیونکہ آج مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے آپ سے بالکل بھی محبت نہیں رہی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتا' ابھی تک تعجب سے کہہ رہا تھا۔ زمر نے گردن موڑ کر تیزی سے اسے دیکھا۔

"کتنا بولنا آ گیا ہے تمہیں۔" وہ ابھی جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا تھا کہ اس کا اپنا موبائل جیب میں تھرتھرانے لگا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ "آبدار۔۔۔!" اس نے کال کاٹی۔

"میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں ختم کرنے والا' واپس آکر اس بارے میں بات کرتا ہوں۔" اس کا تو واقعی دل ٹوٹ گیا تھا۔ خفا سے لہجے میں کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اور پھر اپنے دوسرے چھوٹے موبائل سے کال بیک کی۔ آبی نے فوراً" اٹھالیا تھا اور اس کی آواز سن کر چونکی تھی۔

"تو فارس غازی کا "بلاکڈ نمبر" بھی ہے۔ امید ہے یہ بگ نہیں ہو رہا ہو گا' کیونکہ مجھے آپ سے بہت خاص بات کرنی ہے۔"

"آئندہ میری بیوی سے اس فون میں بات مت کیجئے گا۔" وہ اندر زمر سے خفا لہجے میں شکایت کرنے والے فارس غازی سے بالکل مختلف اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ آبدار لمحے بھر کے لیے سمجھ نہیں سکی' پھر رات والا اپنا رویہ یاد آیا تو دانتوں تلے زبان دی۔

"میرے منہ سے نکل گیا تھا' میں تو۔۔۔"

"وہ مجھے بہت عزیز ہے' اور جتنی عزت میں اس کی کرتا ہوں' آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی کریں گی۔ اب بتائیے' کیا بات تھی؟" ہموار مگر بے لچک انداز میں رات والا ادھار چکا کر وہ بولا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔

"سعدی اور خاور کل جیل توڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ میں نے رات میں آپ کو بہت کالز کیں۔ مگر آپ کا فون آف تھا۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" وہ ایک دم ششدر رہ گیا۔ پھر بے اختیار پیشانی مسلی۔ ہونٹوں پہ بند مٹھی رکھی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ جذبات کو کیسے قابو کرے۔

"ہاشم نے بابا کو بتایا ہے کہ وہ انہیں اب تک نہیں ڈھونڈ پائے۔ اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپالیا ہے' یا واقعی وہ دونوں لاپتا ہو چکے ہیں۔"

فارس نے کچھ کہنے بنا فون رکھ دیا اور جب وہ واپس کمرے میں گیا تو بالکل خاموش تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر واپس آکر اس نے زمر کو سب کے سوالوں کے جوابات دینے کے لیے چھوڑ دیا اور خود اس اوپری منزل کے بیڈ روم میں آگیا جو زمر اور اس کے لیے ندرت نے سیٹ کیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور اس پہ ایک محفوظ شدہ لنک کھولا۔

جو چپ۔۔۔ زہریلا چپ اس نے سعدی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ٹریسر لگا تھا۔ اسکرین پہ وہ جی پی ایس ایکٹو سگنل دے رہا تھا۔ کل رات سے پہلے تک وہ اس علاقے میں تھا جہاں ہارون عبید کا ہوٹل تھا۔ مگر آج صبح۔۔۔ وہ اس ہوٹل سے کئی کوس دور۔۔۔ ایک پارک میں آکر رک گیا تھا اور ابھی تک ایکٹو تھا۔

سعدی کے پاس اگر وہ چپ تھا تو وہ اتنے گھنٹوں سے اس پارک میں کیوں بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ چپ کس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سعدی یوسف کہاں ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سعدی کی لوکیشن کھودی تھی۔ شاید اس نے صبح میں زمر کو کال کی ہو' مگر۔۔۔ فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

پچھلے آٹھ ماہ کی ان تھک محنت کے بعد۔۔۔ پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور زمر کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' زندگی پہ اس کا بھی حق ہے اور کم از کم کچھ دیر کے لیے زمر ساری دنیا سے کٹ کر' صرف اس کی باتیں سنے' اس کو وقت دے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اسے اپنے بھائی اور بیوی کا انتقام لینا تھا اور سعدی یوسف کو واپس اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو منحوس تھا۔ اسے زمر کا فون نہیں آف کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے سنجیدہ اور سپاٹ خول میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"ہاں' فرمان! ٹھیک ہو؟ اچھا یہ بتاؤ' کل شام ہوٹل میں سب خیریت رہی؟"

"میں نے آپ کو کال کی تھی' نمبر بند تھا۔ خیریت تھی مگر ہاشم کاردار کل ادھر آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے

آدمی پراسرار کے وقت پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا' مگر وہ کسی کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے۔"

"ٹھیک ہے' آنکھیں کھلی رکھو اور مجھے رپورٹ دیتے رہنا۔" اس نے اسی اضطراب سے فون بند کیا۔ فرہان تھائی لینڈ میں سیٹل ہونے کا خواہش مند ایک بری ہو جانے والا اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس نے اسے سری لنکا میں سیٹل ہونے کی پیشکش کی تھی۔ (احمر شفیع سے ہارون عبید تک سفارش کروانا' اپنا نام آئے بغیر اور احمر کو مشکوک کیے بغیر بہت آسان تھا۔) اور بدلے میں "رپورٹ" مانگی تھی۔ اب وہ کچھ عرصے سے اسی ہوٹل میں کام کر رہا تھا۔ اس کی رسائی کچن کے نیچے بنی جیل تک تو نہ تھی' مگر جہاں تک اس کی آنکھیں جاتی تھیں' وہ غازی کو خبر دے دیا کرتا تھا۔

اب اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ "عنایت! تم ہسپتال میں نائٹ ڈیوٹی پہ تھے کل رات؟ او کے گڈ۔ تمہارے سامنے والی بلڈنگ میں رات کو یا صبح میں کوئی آیا ہے؟ اچھا... اگر کوئی حرکت نظر آئے' کوئی آمد رفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔"

وہ ایک ایک کر کے ہاشم کاردار کی ملکی و غیر ملکی جیلوں کے قریب موجود اپنے دوستوں کو فون کر رہا تھا۔ وہ اس کی چاروں خفیہ جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔ اگر وہ دونوں مفرور قیدی ان جیلوں میں سے کسی میں نہیں لائے گئے تھے تو یقیناً' ہاشم ان کو ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو سعدی نے فون کیوں نہیں کیا تھا؟ زمر کے علاوہ کسی اور کو بھی تو فون کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً "کسی مشکل میں تھا۔

آٹھ ماہ پہلے یوسف خاندان نے سعدی یوسف کو کھویا تھا' مگر فارس غازی نے اسے کل رات کھویا تھا۔

اور اب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

مگر اس سے پہلے اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

اپنے چہرے پہ پرانے برف تاثرات سجائے' کچھ ڈاکومنٹس لے کر' کسی سے بات کیے بنا وہ گھر سے باہر آ گیا۔ جب وہ گاڑی کو ان لاک کر رہا تھا تو زمر اس کے پیچھے باہر آئی۔

"کوئی مسئلہ ہے فارس؟ تم پریشان لگ رہے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ ڈونر کے ڈاکومنٹس لے کر۔" بدقت ذرا سا مسکرا کر فائل اوپر اٹھا کر دکھائی اور گاڑی کے اندر بیٹھا۔ یہ وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے زمر کی ضرورت نہیں تو صرف وہی جائے گا۔ مگر اتنی جلدی کیا تھی اسے؟ اسے گاڑی باہر نکالتے دیکھ کر زمر نے سوچا۔ مگر خیر... اسے فارس پہ بھروسا تھا۔ وہ سنبھال لے گا۔

☆ ☆ ☆

اس لمحہ' خیر و شر میں کہیں اک ساعت ایسی ہے جس میں ہر بات گناہ نہیں ہوتی' سب کار ثواب نہیں ہوتا

ڈاکٹر قاسم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔ جینز پہ بھورا سوئیٹر پہنے' چہرے پہ سنجیدہ اور برف تاثرات سجائے' وہ سنہری گہری آنکھوں کو ڈاکٹر قاسم پہ جمائے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ فائل اپنے سامنے رکھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ سے بالآخر ملاقات ہو رہی ہے۔ بہت سنا تھا آپ کے بارے میں۔" وہ خوش دلی سے بولے تھے۔ اس کے لیے کافی آرڈر کرنی چاہی مگر اس نے انکار کر دیا۔

"جو بھی بری باتیں سنی ہیں۔ آپ نے' وہ سب درست ہیں۔" وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

"نہیں اچھی بھی سنی ہیں۔ خیر۔" وہ جلد مدعا پہ آ گئے۔ "زمر اپنے بارے میں بہت لاپروائی برتتی ہیں۔ انہیں بہت پہلے ٹرانسپلانٹ کروا لینا چاہیے تھا۔ خیر وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس کسی ڈونر کی رپورٹس ہیں' کہاں سے کروائے ہیں ٹیسٹس؟" عینک لگاتے ہوئے انہوں نے رپورٹس کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر فارس نے کاغذ ان کی طرف نہیں بڑھائے۔

"میں اپنے تجربات خود کیا کرتا ہوں۔ کیا آپ کو گرمی نہیں لگ رہی؟" کہتے ہوئے وہ تعجب سے بولا اور کھڑکی کھول دی' پھر واپس آ کر بیٹھا۔ ڈاکٹر قاسم نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر عینک اتار کے رکھی۔

"تو کون ہے یہ ڈونر؟"

"کوئی ڈونر نہیں ہے۔ میں نے زمر سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے پاس ڈونر ہے۔"

کمرے میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ اسی بے مہری سے بولا۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ سرجری کروائے۔ آپ ڈاکٹر قاسم اس کی سرجری نہیں کریں گے۔"

ڈاکٹر قاسم کے چہرے پہ بے پناہ شاک سا ابھرا۔

"غازی صاحب! ان کی جان کو خطرہ ہے' انہوں نے سرجری نہ کروائی تو وہ جان سے جائیں گی۔" ان کو بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ کی شرٹ بہت نفیس ہے۔"

ڈاکٹر قاسم نے اس کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو' پھر گردن جھکا کر اپنی شرٹ کو دیکھا تو لمحے بھر کو وہ برف کا مجسمہ بن گئے۔

ان کی شرٹ پہ... عین دل کے مقام پہ... سرخ نقطہ تھا۔ روشنی کا نقطہ۔ سرخ لیزر جو کھڑکی سے ہوتا ہوا ان کے دل پہ نشانہ لیے ہوئے تھا۔

"اپنے دشمنوں کو جیل نہیں بھیجنا چاہیے' مار دینا چاہیے' کیونکہ جیل جانے کے بعد وہ خطرناک لوگوں سے دوستی کر لیتے ہیں' جیسے میرا یہ دوست جو برابر کی عمارت میں اسنائپر گن لیے بیٹھا ہے' اور اس کی گن کا نشانہ عین آپ کے اوپر ہے۔ نہ... نہ... فون کی طرف ہاتھ مت بڑھانا' ورنہ وہ گولی چلا دے گا۔"

ڈاکٹر قاسم نے گردن اٹھا کر بے یقینی سے اس کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھا' پرسکون سا بولے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

"اس فریم کو دیکھیں۔" اس کے اشارے پہ ڈاکٹر قاسم نے نظر اٹھا کر دیوار پہ لگے فریم کو دیکھا جس میں ان کا کوئی سرٹیفکیٹ آویزاں تھا۔ ایک سرخ لیزر اسپاٹ وہاں بھی نظر آ رہا تھا' کہ اگلے ہی لمحے بنا آواز کے ایک گولی فضا کو چیرتی ہوئی آئی اور اسی نقطے کی جگہ پہ آپیوست ہوئی۔ فریم کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

"یہ کیا مذاق ہے فارس غازی؟"

"اوہ سوری' یہ ریہرسل تھی۔ اگر تم ہلے تو وہ اگلی گولی تمہارے اوپر چلائے گا' اس لیے میں نے کھڑکی کھول دی' تاکہ اگر وہ تمہیں مارے تو کم از کم یہ معصوم شیشہ نہ ٹوٹے۔ خیر ہم زمر کی بات کر رہے تھے۔" ذرا مسکرا کر ان کے چہرے پہ اپنی پُرتپش نظریں جمائے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔ "کتنے پیسے دیے کاروارز نے میری بیوی کو یہ یقین دلانے کے لیے وہ مرنے والی ہے؟ اس کا گردہ ضائع ہو چکا ہے وغیرہ وغیرہ؟"

"دیکھو' مجھے نہیں پتا تم کس ڈاکٹر کے پاس گئے ہو' مگر..." وہ محتاط انداز میں بولنے لگے تھے مگر وہ ایک دم آگے کو جھکا اور زور سے ہاتھ مار کر میز کی ساری چیزیں پرے دھکیل دیں۔ سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔

"انسان ایک شخص پہ کبھی شک نہیں کرتا' اور وہ ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر!" میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھک کر وہ غرایا تھا۔ "تم نے اتنے ماہ میری بیوی کو ٹارچر کیا' اس کو پل پل مارتے رہے' صرف اس لیے کہ تمہارے بیٹے کی پوری فیملی کو انہوں نے باہر سیٹل کرا دیا؟ تمہاری بیٹی کا پارٹ ٹو ایگزام کلیئر کروا دیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے' عین میری گرفتاری سے کچھ روز پہلے تم اس کو اچانک سے بلا کر اچانک سے چند ٹیسٹ کروا کے کہو گے کہ اس کا کڈنی فیل ہو چکا ہے' اور پھر میرے کیس کے دوران وہ مجھ سے کہے گی کہ اسے میرے کیس اور اپنے ڈونر کے درمیان کسی کو چننا ہے اور میں اتنا گدھا ہوں جو یہ نہیں سمجھوں گا کہ یہ سارا ڈراما تم لوگ مجھے جیل میں رکھنے کے لیے رچا رہے ہو تاکہ وہ میرا کیس نہ لڑے؟" ساتھ ہی زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

ڈاکٹر قاسم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ان کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں تھیں اور وہ بار بار اضطراب سے سر جھٹکتے تھے۔

"ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے سمجھنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کاروارز خرید چکے ہیں' آخر چار سال سے وہی اس کے میڈیکل بلز پے کرتے ہیں تا' ان کی کمپنی کا تو بالواسطہ رابطہ رہتا ہے تمہارے ساتھ۔" واپس کرسی پہ بیٹھا' ٹیک لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پھر اسی برہم انداز میں بولا۔ "میرے دوست کی گن

تمہارے اوپر تنی ہے۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کاروارز نے کیا کرنے کے لیے کہا تھا تم سے؟"

ڈاکٹر قاسم نے چند گہرے سانس لیے۔ روشنی کا سرخ دھبہ ابھی تک شرٹ پہ پڑا ہوا تھا۔ بدقت وہ کہنے لگے۔

"مسز کاروار نے کہا تھا کہ میں اس کی دوا بدل دوں ' کسی طرح اس کا گردہ ضائع ہو جائے ' اور اس کو دوبارہ سرجری کروانی پڑے گی ' اس سب میں لگ کر وہ تمہارے کیس کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی مرضی کے وکیل کو تمہارے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر میں نے..... دیکھو..... میں برا آدمی نہیں ہوں..... میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"مجھے پتا ہے ' تم نے ایسا نہیں کیا۔" وہ درشتی سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "حالانکہ دوسرے ڈاکٹرز نے بھی اس سے یہی کہا کہ گردہ ضائع ہو گیا ہے ' مگر چونکہ وہ جس پہ اعتبار کرتی ہے ' اس پہ مکمل اعتبار کرتی ہے ' سو یقیناً" وہ صرف ان ہی ڈاکٹرز کے پاس گئی ہو گی جن کے پاس تم نے اسے بھیجا ہو گا۔"

"تمہیں کیسے پتا اس کا گردہ ضائع نہیں ہوا؟"

"کیونکہ جس ڈونر کو میں جانتا ہوں... اس کا عضو کبھی ریجیکٹ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمر بہت عزیز تھی ' اس کی قربانی ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔"

ڈاکٹر قاسم نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر کو خم دیا۔ "سعدی یوسف۔ آف کورس۔ اس کا گردہ ٹھیک ہے۔ وہ پرفیکٹ میچ تھا۔ وہ چند سال اور چل جائے گا اچھے سے۔"

"اور یقیناً" تم نے زمر کی دوا بھی بدلی ہے ' کیونکہ وہ زرد اور بیمار لگنے لگی ہے۔"

"مجھے چند جھوٹی علامتیں ڈالنی تھیں ' تاکہ اسے محسوس ہو کہ وہ بیمار ہے۔ دیکھو ' مجھے اپنی پیشنٹ بہت عزیز ہے۔ میں نے بہت وقتوں سے مسز کاروار کو ٹالے رکھا ہے۔"

"ظاہر ہے ' تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں تمہارے وہ کروڑوں روپے کیسے ملتے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا بھی تو بننا تھا ' اس لیے تم نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا۔"

"آئی ایم سوری۔ پلیز اس گن کو میرے اوپر سے ہٹاؤ۔ میں زمر سے معافی مانگ لوں گا ' میں اسے سب سچ بتا دوں گا۔"

فارس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ لیزر لائٹ ڈاکٹر قاسم کی شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹشو نکال کر ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔

"تم زمر کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں۔ صرف اتنا کہو گے کہ تم کوئی نئی دوا استعمال کرنا چاہتے ہو جس سے شاید اس کا تقریباً" ناکارہ گردہ کام کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ گھڑ لینا۔ تم ان کاموں میں ماہر ہو۔" ڈاکٹر قاسم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"مجھے اسے بتانا ہے۔ اب میں اس سے مزید نہیں چھپا سکتا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ زمر کو نقصان سے بچایا ہے۔"

"نہیں ' تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے۔ جس چیز کا میں انتظار کر رہا ہوں ' اس میں ابھی ذرا وقت ہے ' تب تک زمر کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

"فارس غازی! تم مجھے قتل نہیں کرنے والے ' بھلے تم مجھے اپنے اسنائپرز سے کتنا ہی ڈرا لو۔" وہ بھی تیزی سے کہتے آگے کو جھکے۔ "تم مجھے اب اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔" لیزر لائٹ ہٹ چکی تھی اور ان کا کھویا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

فارس نے اپنے مخصوص انداز میں سر کو خم دیا اور فائل کھولی۔ ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھا۔

"مجھے تمہیں اپنے اشاروں پہ چلانے کے لیے اسنائپر گن کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ یہ دیکھو۔ یہ پچھلے ماہ کا ریکارڈ ہے۔ تم نے ایک افغان نوجوان کا علاج کیا تھا جس کا نام ابو فرید حسان تھا۔" ڈاکٹر قاسم نے عینک لگاتے ہوئے اچنبھے سے اس لسٹ کو دیکھا۔

"ہاں ' میں نے کیا تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لیے آیا تھا۔"

"اور یہ تمہاری چند تصاویر ہیں ' اس مریض کے ساتھ۔" اس نے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کر ڈاکٹر کے

سامنے رکھے۔ وہ ان میں اس مریض کا معائنہ کرتے نظر آرہے تھے۔ مریض کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ لمبی داڑھی، سر پہ ٹوپی اور چہرہ ذرا جلا ہوا۔ ہاتھ پہ بھی جلنے کا نشان تھا۔

"ہاں تو؟"

"تو یہ کہ یہ افغان باشندہ اب تک طور خم کا بارڈر کراس کر کے واپس جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابو فرید نہیں ہے۔ یہ ایک اداکار ہے، میں نے اس کو یہ حلیہ اپنانے کے لیے کہا تھا تاکہ یہ سائیڈ پوز سے لی گئی تصاویر میں ابو فرید کی طرح لگے۔ یہ ہے اصلی فرید۔" اس نے ایک اور تصویر نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک ذرا جلے ہوئے چہرے والے نوجوان کی تھی۔

"تو پھر؟"

"پھر یہ ڈاکٹر قاسم! کہ ابو فرید حسان ایک افغانی باشندہ ہے اور یونیورسٹی حملے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ دہشت گرد ہے وہ۔ وہ تمہارے پاس کبھی نہیں آیا، لیکن اگر کوئی تمہارے ریکارڈ کی یہ لسٹ دیکھے" فہرست لہرائی۔ "اور یہ تصاویر دیکھے" فوٹو سامنے کیا۔ "تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک افغان عسکریت پسند کا علاج کیا ہے۔"

"ایک منٹ... میں نے کسی دہشت گرد کا علاج نہیں کیا۔" ڈاکٹر قاسم کا سر گھومنے لگا۔

"تم یہ ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ اگر میں ایپکس کمیٹی کے کسی رکن یا کسی جرنیل کو یہ تصاویر اور یہ ریکارڈ بھیج دوں تو تم دہشت گردوں کے سہولت کار ثابت ہو جاؤ گے، دو گھنٹے کے اندر وہ تمہیں گھر سے اٹھائیں گے، اور فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر تین ماہ میں پھانسی چڑھا دیں گے۔ تم سابق صدر کے بی ایف ایف (بہترین دوست) تو ہو نہیں کہ تمہیں کوئی رعایت ملے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے، تم زمر کو حقیقت بتانا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر قاسم نے بے اختیار سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور بس بے بسی سے اس کو دیکھے گئے... فارس غازی کی سرد نظریں اب بھی ان پہ جمی تھیں۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی رہی۔

"نہ کاردار ز کو بتاؤں گا، نہ زمر کو۔ میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔ لیکن... اس سے پہلے... میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا یقین کرو، کیونکہ جب میں کہتا ہوں کہ میں نے زمر کو نقصان نہیں پہنچایا، کبھی تو میں غلط نہیں کہہ رہا۔ فارس غازی۔ میں۔ برا آدمی نہیں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

"شاید!" فارس آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا... بہت آہستہ سے... ایک دم سے آسمان پہ کوئی تارا ٹوٹا تھا۔ یا شاید وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر لگتے ہوئے تھے... مدار بدلے تھے۔

جب وہ گاڑی میں آکر بیٹھا تو اگنیشن میں چابی گھمانے میں اسے کافی دیر لگی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر سوئیٹر کی آستین پہ تازہ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ لمحے بھر کے لیے اس نے سوچا کہ زمر کو بتا دے، مگر نہیں۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ ابھی نہیں۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے خود کو ٹھنڈا کرنا چاہا، پھر گاڑی چلا دی۔

سڑک پہ نگاہیں مرکوز کیے، ہر شے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیویٹ نمبر سے آبدار کو کال ملاتے ہوئے کار ایک طرف روکی۔

"ایک دن میں دوسری دفعہ فارس غازی کی کال... مانا کہ میں بہت اچھی ہوں اور کیوٹ بھی، مگر..."

"آپ کے پاس پرائیویٹ جیٹ ہے نا؟"

وہ چونکی تھی۔ "ہمارے پاس دو پرائیویٹ جیٹس ہیں۔ مگر کیوں؟"

"گڈ۔ میرے پاس بلیو پاسپورٹ ہے۔ اور آپ کے پاس پرائیویٹ جیٹ۔ ایک سوال پوچھوں آپ سے؟" وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔

"آپ میرے ساتھ کولمبو چلیں گی؟"

اور آبدار عبید کا سارا وجود لمحے میں برف کا ہوا، اور لمحے میں پگھل گیا۔ زندگی اسے اتنا خوب صورت سرپرائز دے گی اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)